مکمل و مدلل

مسائل رفعت قاسمی جدید

قرآن و حدیث کی روشنی میں
حضراتِ مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند
کی تصدیق و تائید کے ساتھ

مسائل
عیدین و قربانی

مسائل زکوٰۃ

مسائل
حج و عمرہ

مؤلف
مولانا محمد رفعت قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند



حامد کتب خانہ کراچی
0333-9596150

مکمل و مدلل

مسائلِ عیدین و قربانی

قرآن وسنت کی روشنی میں

دار العلوم دیو بند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی و مدرس دار العلوم دیو بند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل عیدین وقربانی

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیرنگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان
وخرتج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور، ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

☆ تمت بالخیر ☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو
اُمت مسلمہ کے مؤسس و مورث اعلیٰ
سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں،
جن کی قربانی کی عظیم الشان روایت تا
قیامت رہے گی۔ انشاء اللہ

(محمد رفعت قاسمی)

عرض مؤلف

(نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم)

اس وقت احقر کی ساتویں کتاب ”مکمل ومدلل مسائل عیدین وقربانی“، جس میں تقریباً چھ سو مسائل ہیں پیش کرتے ہوئے میرا دل شکرِ الٰہی سے لبریز ہے جس نے محض اپنی توفیق سے مجھ جیسے ناکارہ کو خدمت دین کا موقع دیا۔ اس خدمت گراں کو میں نے کہاں تک صحیح انجام دیا میں نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اپنی بساط کے مطابق عیدین وقربانی اور عقیقہ کے اکثر وہ ضروری مسائل جن کو زیادہ تر قربانی کے زمانہ میں تلاش کیا جاتا ہے اور جو شرائط واحکام قربانی کے ہیں وہی اس کے بھی ہیں ان سب کو یکجا کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ اللہ رب العزت اس سعی وکوشش کو قبول ونافع بنا کر آئندہ بھی دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ بھی خدا تعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے کہ اس نے احقر کی کتابوں کو اس قدر کامیاب ومقبول عام وخاص کیا ہے اور بعض ذمہ دارانِ مدارس نے تو اپنے یہاں داخل نصاب کرلیا ہے۔ نیز ہند اور بیرونِ ہند کے بعض مقامات سے اپنی اپنی مادری زبانوں میں ترجمہ کی اجازت طلب کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام قدردانوں اور معاونین کو جزائے خیر اور علمِ نافع عنایت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

نوٹ:۔ احقر کی استدعاء ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والے حضرات مجھ کو اور میرے والدین کو اور میرے شیخ ومُربی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور دیگر اساتذۂ کرام کو بھی اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین)

(احقر محمد رفعت قاسمی) مدرس دارالعلوم دیوبند۔ (الہند) محرم الحرام ۱۴۱۲ ہجری۔

تصدیق

جامع شریعت وطریقت، فقیہ الامت سیدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن
دامت برکاتہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند نے دینی سابق تالیفات کی طرح عیدین وقربانی وعقیقہ سے متعلق مسائل منتشرہ کو مختلف کتب فتاویٰ وغیرہ سے جمع فرما کر امت پر احسان فرمایا ہے۔ امید ہے کہ اس مجموعہ کے ذریعہ عیدین وقربانی وغیرہ سے متعلق بدعات ورسوم کا اِنسداد ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائے، اُمت کے لیے نافع ومفید بنائے اور مؤلف موصوف کو ترقیات سے نوازے، نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

العبد
محمود غفرلہ
چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند
۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ،
۱۸/ اکتوبر بروز جمعہ ۱۹۹۱ء۔

ارشادگرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہٗ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علیٰ سيدالمرسلين

وعلیٰ اصحابه واتباعه التابعين لهم الیٰ يوم الدين

پیش نظر انتخاب فتاویٰ اس کے افادیت میں اور ہر شخص کے لیے نافع ہونے میں دو رائے نہیں اس لیے کہ تمام مندرج کتاب وہ فتاویٰ من وعن ہیں جو اکابر معتبرین کے ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیشِ نظر تالیف کو بھی عزیز موصوف کے دیگر مجموعات کی طرح مقبول ونافع بنائے۔ آمین۔

فقط

کتبہ العبد نظام الدین

۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زید مجد ہم مفتی دار العلوم دیو بند

(اَلحمدللّٰہ وَ کفیٰ و سَلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ)

عیدین سے متعلق بہت سارے مسائل ہیں، اسی طرح قربانی اور عقیقہ سے متعلق بھی مسائل ہیں، یہ سب مسائل فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، بروقت ہر شخص کا مسئلہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہر وقت کوئی عالم یا مفتی بآسانی ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قاری محمد رفعت صاحب استاذ دار العلوم دیو بند کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے فقہ وفتاویٰ کی متعدد کتابوں سے چُن چُن کر حوالہ جات کے ساتھ ان سارے مسائل کو یکجا کر دیا ہے اور ایک جلد میں باب وار اور فصل وار مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا ہے۔

میں نے کتاب کا سرسری مطالعہ کیا اور جگہ جگہ غور وخوض سے بھی پڑھا اور محسوس کیا کہ قاری صاحب موصوف نے کافی محنت کی ہے اور وہ اپنی محنت میں پورے کامیاب ہیں، اس سے پہلے موصوف کی متعدد کتابیں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی مقبولِ عام ہوگی۔

مجھے پوری توقع ہے کہ قاری صاحب کی یہ کتاب بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے لیے یہ کتاب رہبری کا فرض ادا کرے گی اور ان کے لیے سہولت فراہم کرے گی، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ (آمین یارب العالمین)

اخیر میں خاکسار موصوف کی خدمت میں اس محنت پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دار العلوم دیو بند، ۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَقَالَ إِنِّيْ ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (99) رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ (100) فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ (101) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ (102) فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (103) وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيْمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (105) إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ (106) وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (107) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ (108) سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ (109) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کوراہ دے گا۔اے رب بخش مجھ کوکوئی نیک بیٹا۔ پھرخوش خبری دی ہم نے اس کوایک لڑکے کی جوہوگاتحمل والا۔ پھر جب پہنچا اسکے ساتھ دوڑنے کو،کہااے بیٹے میں دیکھتاہوں خواب میں کہ تجھ کوذبح کرتاہوں پھر دیکھ تو تُو کیا دیکھتا ہے۔ بولا اے باپ کرڈا جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا اگراللہ نے چاہا سہارنے والا۔ پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اس کو ماتھے کے بَل۔اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم،تو نے سچ کر دکھایا خواب۔ہم یوں ہی دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو بے شک یہی ہے صریح جانچنا۔اوراس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا۔اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں، کہ سلام ہے ابراہیم پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔

خلاصۂ تفسیر

اورابراہیم (علیہ السلام جب ان لوگوں کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو) کہنے لگے کہ میں تو (تم سے ہجرت کر کے) اپنے رب کی (راہ میں کسی) طرف چلا جاتا ہوں، وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ن ہی دے گا۔(چنانچہ ملک شام میں جاپہونچے،اور یہ دعاء کی کہ) اے

میرے رب مجھ کوایک نیک فرزند دے، سوہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی (اور وہ فرزند پیدا ہوا اور ہوشیار ہوا) سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا، تو ابرہیم علیہ السلام نے (ایک خواب دیکھا کہ میں اس فرزند کو خدا کے حکم سے ذبح کرر ہا ہوں، اور یہ ثابت نہیں کہ حلقوم کٹا ہوا بھی دیکھا یانہیں، غرض آنکھ کھلی تو اسے اللہ کا حکم سمجھے، کیونکہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اوراس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہو گئے، پھر یہ سوچ کر کہ خدا جانے میرے فرزند کی اس بارے میں کیارائے ہو، اس کو اطلاع کرنا ضروری سمجھا، اس لیے اس سے) فرمایا کہ برخوردار میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بہ امر الٰہی) ذبح کرر ہا ہوں، سوتم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟۔ وہ بولے ابا جان (اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے، جب آپ کو خدا کی طرف سے حکم کیا گیا ہے تو) آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلاتأمل) کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے، غرض جب دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کرلیا، اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لیے) کروٹ پرلٹایا اور (چاہتے تھے کہ گلہ کاٹ ڈالیں اوراس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (یعنی خواب میں جو حکم ہوا تھا اپنی طرف سے اس پر پورا عمل کیا اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں پس ان کو چھوڑ دو، غرض ان کو چھوڑ دیا، جان کی جان بچ گئی، اور بلند درجات مزید برآں عطا ہوئے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (کہ دونوں جہاں کی راحت انہیں عطا کرتے ہیں)

حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان (جس کو بجز مخلص کامل کے دوسرا برداشت نہیں کرسکتا تو ہم نے ایسے امتحان میں پورا اُترنے پر صلہ بھی بڑا بھاری دیا، اوراس میں جیسا امتحان ابراہیم علیہ السلام کا تھا، اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی تھا، تو وہ صلہ میں شریک ہونگے) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا، (کہ ابراہیم علیہ السلام سے وہ ذبح کرایا گیا) اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو (چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک "علیہ السلام کہا جارہا ہے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، (کہ انہیں لوگوں کی دُعاؤں اور سلامتی کی بشارتوں کا مرکز بنادیتے ہیں۔

بیٹے کی قربانی کا واقعہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا ایک دوسرا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لیے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی پیش کی، واقعہ کے بنیادی اجزاء خلاصۂ تفسیر سے واضح ہو جاتے ہیں، بعض تاریخی تفصیلات آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں آجائیں گے۔

﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي﴾ (اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں) یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جب کہ آپ اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ ''رب کی طرف چلے جانے'' سے مراد یہ ہے کہ میں دار الکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کر سکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت سارہؓ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے، اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے وہ دعاء فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے، یعنی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما) چنانچہ آپ کی یہ دعاء قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی)۔ ''حلیم المزاج'' فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بُردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی، اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہؓ نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں۔ اُدھر فرعون مصر نے حضرت سارہؓ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہؓ

تھا، خدمت گذاری کے لیے دے دی تھی، حضرت سارہؓ نے یہی ہاجرہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کردیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا، انہی ہاجرہؓ کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسمٰعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ (سو جب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا (قرطبی)۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کردیں، یوں یہ حکم براہِ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جاسکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔ (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا کہ انہیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انہیں ذبح کرنے کے سارے سامان کرکے ان کے ذبح کا اقدام کرگزرو، اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لیے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کررہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کر پر آمادہ ہوگئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہوگئی، اور خواب بھی سچا ہوگیا، یہ بات زبانی حکم کے ذریعہ آتی تو یا آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا۔

یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوتِ بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرات اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مظہری)

بیٹے سے مشورہ

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى﴾ (سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اُترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن اطاعت کے لیے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کے لیے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لیے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لیے پہلے سے تیار ہو سکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہوا بھی تو اُسے سمجھایا جا سکے گا۔ (روح المعانی وبیان القرآن)۔ لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے خلیلؑ کا بیٹا تھا اور اسے خود منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:

فرماں بردار بیٹے کا جواب

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اُسے کر گزریئے) اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جاں سپاری کی

تو شہادت ملتی ہی ہے، اسکے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکمِ الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ: ﴿سَتَجِدُنِیۡ إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ (ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔ اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے، ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کردیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہوسکتی تھی اسے ختم فرمادیا، دوسرے آپ یہ بھی فرماسکتے تھے کہ ''آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے''۔ لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ ''آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے'' جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، انشاء اللہ میں بھی اُن میں شامل ہوجاؤنگا، اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر وتکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر اَدنیٰ شائبے کو ختم کرکے اس میں انتہاء درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرمادیا (روح المعانی)۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن اُسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں جن سے غرور وتکبر ٹپکتا ہو، اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے کہ ان میں اپنے بجائے اللہ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

حکم کی تعمیل

﴿فَلَمَّا أَسۡلَمَا﴾ (پس جب وہ دونوں جُھک گئے) اسلما کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہوجانا، رام ہوجانا، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جُھک گئے، یعنی

باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کرلیا، یہاں لَمَّا (جب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدامِ فداکاری اس قدر عجیب وغریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، ہر بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منیٰ کے تین جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لیے قربان گاہ پر پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا ابا جان! مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجیے، تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچایئے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں، تو میرا ثواب گھٹ جائے، اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انہیں غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجئے اور اسے میرے حلق پر ذرا جلدی جلدی پھیریئے گا، تاکہ آسانی سے میرا دم نکل سکے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے گا، اور اگر آپ میرا قمیص والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں، شاید اس سے اُنہیں کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ: ”بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے میرے کتنے اچھے مددگار ہو“۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پُرنم آنکھوں سے انہیں باندھا، (مظہری)۔

﴿وَتَلَّـهُ لِلْجَبِيْنِ﴾ (انہیں پیشانی کے بَل خاک پر لٹا دیا)۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انہیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، (مظہری)۔ لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے، اس لیے جبین عربی میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں۔ اور پیشانی کا درمیانی حصہ (جبهة) کہلاتا ہیں۔

اسی لیے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے، لیکن بعض دوسرے حضرات مفسرینؒ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹا دیا، بہرصورت تاریخی روایات میں اس طرح لٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان! مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لیے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقت پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اسکے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لِٹا کر چھری چلانی شروع کی۔ (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

امتحان میں کامیابی

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ، قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ (اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا) یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، (خواب میں بھی غالباً صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لیے چھری چلا رہے ہیں) اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لیے اب انہیں چھوڑ دو،

﴿إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا) روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مینڈھا لیئے کھڑے تھے، بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیلؒ نے پیش کی تھی، واللہ اعلم۔

بہر حال یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا، اس ذبیحہ کو ''عظیم'' اس لیے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)۔ (معارف القرآن ص ۱۹ ج ۷)

عید کی وجہ تسمیہ

شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کو ''عیدین'' کہتے ہیں۔

یہ دونوں تاریخیں اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں جن میں دو دو رکعت نماز بطور شکر کے پڑھی جاتی ہے۔ عیدین کی نماز امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جب کہ حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے علماء عیدین کی نماز کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں۔

''عید'' لفظ ''عود'' سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں ''بار بار آنا'' چنانچہ اس دن کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر سال آتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام ''عید'' اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ عود کرتا ہے یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ۲۷۷ ج ۲)

عید، عود سے ہے جس کے معنی ہیں لوٹنا، بار بار آنا، چونکہ یہ مفہوم اس دن کے اندر موجود ہے، اس لیے وہ دن جو ہر سال ماہِ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے یومِ عید کہلاتا ہے۔ اس دن میں اللہ تعالیٰ کے انعامات بندوں پر عائد اور مکرر ہوتے ہیں، یہ دن ہر سال مسرت وخوشی کا پیغام لاتا ہے، اس روز ہر شخص کی حسب حیثیت عزت وحرمت کا احساس ہر سال تازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رمضان میں جو اپنے بندوں کو کھانے پینے سے روک دیا تھا، عید کے باعث اس کا انعام یعنی افطار بندوں پر رجوع

کرتا ہے۔ اس اسلامی تقریب میں اتنے مختلف پہلوؤں سے عود کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں، پھر یوں بھی اہلِ عرب ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں۔(الصبح النوری قدوری ص ۱۷۷)

جمعہ ہر ہفتہ کی عید ہے اور ہفتہ بھر کی نمازوں کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ شریعت میں ہر طاعت پر شکرِ نعمت کے لیے اس کی جنس سے عید مقرر کر دی گئی تاکہ مزید نعمت کا موجب بنے۔

لیکن زکوٰۃ کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں نہ اس کے لیے کوئی اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تمام ادائیگی کے موقع پر اس کے مناسب کوئی شکر نہ تھا۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ ''عید'' کو عید اس کی دوبارہ آمد کی نیک فالی کے لیے کہتے ہیں۔ جس طرح قافلہ کو روانگی کے وقت ہی قافلہ کہہ دیتے ہیں۔ اور یہ لفظ قفول سے بنا ہے جس کی معنی واپس آنا، یعنی خدا کرے یہ قافلہ واپس لوٹ کر آئے۔(اشعۃ اللمعات ص ۶۶۰ ج ۲)

عیدین کے مشروع ہونے کی دلیل

عید کی نماز پہلے سال ہجری میں مشروع ہوئی جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔(**عن انس قال قدم النبی ﷺ المدینة ولهم یومان یلعبون فیهمافقال ماهذان الیومان؟ قالوا کنانلعب فیهافی الجاهلیة فقال رسول الله ﷺ قدابدلکم الله بهماخیراًمنهمایوم الاضحیٰ ویوم الفطر**) کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو، ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ:۔ ہم زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج جواب تک چل رہا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی ومذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:۔قوموں کے تہوار دراصل اُن عقائد وتصورات اوران کی تاریخ وروایات کے ترجمان اوران کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔اس لیے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہلِ مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج وتصورات اور جاہلی روایات کے اندر آئینہ دار ہونگے۔رسول اللہ ﷺ نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کران کی جگہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ (عیدین) دو تہوار اس امت کے لیے مقرر فرمادیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصولِ حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ وروایات اور عقائد وتصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

کاش اگر مسلمان اپنے تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت وتعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اوراس کے پیغام کو سمجھنے، سمجھانے کے لیے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہوسکتے ہیں۔(معارف الحدیث ص ۳۹۸ ج ۳ وکتاب الفقہ ص ۵۴۹ ج ۱)

عیدین کیا ہیں؟

ہرقوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اُس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھالباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی دو دن رکھے گئے ہیں۔ایک عیدالفطر اور دوسرے عیدالاضحیٰ (عید قربانی) بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی وملی تہوار ہیں۔ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں اُن کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں.

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے،عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عیدالفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی

ہے اورعید الاضحیٰ (بقرعید) دس ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی وروحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینہ کے روزے اُمتِ مسلمہ پر فرض کیے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اسکا مستحق ہے کہ اسکو اُمت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

اور دس ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کے مؤسس و مورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم واشارہ پا کر اپنے لختِ جگر سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے عشق اور محبت وقربانی کے اس امتحان میں کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ﴿اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لیے ''رسمِ عاشقی'' قرار دے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس اُمت مسلمہ کے لیے جو ملتِ ابراہیمی کی وارث اور اُسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے۔ دس ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لیے دوسری عید دس ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی غیر ذی زرع (بنجر غیر آباد جگہ) میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا، اُسی جگہ میں پورے عالمِ اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسکِ قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے۔ اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریباتِ نماز اور قربانی وغیرہ

بھی اس کی گویا نقل اور دوسرے درجہ کی یادگار ہے۔

بہر حال ان دونوں دنوں (یکم شوال اور دس ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور اُمتِ مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔ (معارف الحدیث صفحہ ۳۹۷ جلد ۳)

عیدین کی راتوں کی فضیلت

(عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسبالم یمت قلبه یوم تموت القلوب.) (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عیدین کی دونوں راتوں میں خالص اجر وثواب کی امید پر عبادت کی، اس کا دل (قیامت کے) اس (ہولناک) دن میں مردہ نہیں ہوگا۔ جس دن لوگوں کے دل (خوف ودہشت سے) مردہ ہونگے۔

تشریح:۔ قیامت کے ہولناک دن میں خوف وہراس اور تکلیف وپریشانی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دے گا، جو لوگ ان دو مبارک راتوں میں اپنے دل، اپنے پروردگار سے لگائے رہیں گے۔ قیامت کے دن ان کو امن وسکون اور راحت وآرام نصیب ہوگا۔

اور بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس شخص کا دل دنیا کی محبت میں دیوانہ نہ ہوگا، جو حقیقت میں دلوں کے لیے موت ہے اور یہ شخص بری موت سے محفوظ رہے گا۔

(الترغیب والترہیب ص ۳۸۴ ج ۲)

عیدین کی شب میں تمام رات عبادت کرنا اور نفلیں پڑھنا مستحب ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳۵ ج ۲)

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

(عن ابی عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ مامن ایام العمل الصالح فیهن احب الی الله من هذه الایام العشرة.) (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو عمل

صالح جتنا اِن دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے دس دن) میں محبوب ہے اتنا دوسرے کسی دن میں نہیں۔

تشریح:۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو، سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل ورحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لیے حج بھی انہی دنوں میں رکھا گیا۔

بہر حال یہ رحمتِ خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔ (معارف الحدیث ص ۱۷۱ ج ۳)

قربانی نہ کرنے پر وعید

(عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ

قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلایقربن مصلانا)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔جس کے پاس گنجائش ہو اور اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

تشریح:۔پوری ملتِ اسلامیہ شریعت کا ایک اہم شعار اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگار منا رہی ہے۔ انہی میں ایک شخص جسے خدا نے سب کچھ دیا ہے اور وہ آسانی سے اس اہم سنت میں حصہ لے سکتا ہے اور اسکے باوجود بے پرواہی برت رہا ہے تو اسکا کیا منہ ہے کہ سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید منائے۔ (ترغیب ص ۳۹۴ ج ۲)

مسئلہ:۔ بہت سے لوگ باوجود وسعت کے قربانی نہیں کرتے، خاص کر دیہات کے لوگ اس میں بہت غفلت کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے "جو صاحب وسعت قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"۔ اور یہ معلوم ہے کہ عیدگاہ میں وہ لوگ جاتے ہیں جو مسلمان ہیں اور عیدگاہ سے بے تعلقی اور بُعد (دوری) انہیں کو ہے جو کافر ہیں۔ اب غور کرنا چاہئے کہ حدیث شریف میں قربانی نہ کرنے والوں کے لیے کس قدر تہدید اور وعید شدید ہے۔ (اغلاط العوام ص ۱۳۳)

(بعض جگہ یہ رواج ہے پایا جاتا ہے کہ جس کسی پر قربانی واجب ہوئی اس نے بکرا، بھیڑ، دنبہ یا کوئی بڑا جانور خرید لیا اور قربانی کردی، لیکن اگر کبھی کچھ مالی اعتبار سے کمی ہوئی، چاہے وہ صاحب نصاب بھی ہو، لیکن اکثر وبیشتر یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ ہر سال قربانی کرتے ہیں اگر اس سال نہ کی تو کیا حرج ہے؟

دین اسلام ایک کامل دین ہے جس میں انسان کی قیامت تک کی ضروریات وغیرہ کا خیال رکھا گیا ہے، قربانی کے باب میں شریعت کی دی ہوئی رعایتوں ورگنجائشوں کا استعمال نہ کرنے کی بناء پر ایسا ہوتا ہے، افضل تو یہ ہی ہے کہ صاحب نصاب ایک بکرا، دنبہ وغیرہ کا قربانی کرے۔ لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہوتو بڑے جانور میں ایک حصہ ضرور لے کر فریضۂ قربانی سے سبکدوش ہوکر اس وعید سے بچے، کیونکہ بڑے جانور میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں۔ اگر اس علاقہ میں بڑے جانور وغیرہ نہ ملتے ہوں یا گوشت نہ کھایا جاتا ہوتو قربانی کی رقم دینی مدارس میں جہاں پر قربانی کا انتظام ہو بھیج کر ڈبل ثواب حاصل کرلیں۔

(محمد رفعت قاسمی عفی عنہ)۔

سب سے زیادہ محبوب عمل

(عن عائشة قالت رسول اللهﷺ ماعمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی الله من اهراق الدم وانه لیاتی یوم القیامة بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفسا) (ترمذی وابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ الاضحیٰ کے دن فرزندِ آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھر وں کے ساتھ (زندہ ہوکر) آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے ترمذی میں دیکھ لیں کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کروں، (ترمذی)

تشریح:۔ بعض عبادتوں کا بعض دنوں میں خصوصی اجر وثواب ہے۔ خدائے رحمٰن و رحیم کو عید الاضحیٰ کے دن سب سے زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے کہ اس کے نام پر زیادہ سے زیادہ

جانیں قربان ہوں اور خون بہے، یہ دراصل انسان کے اپنے جذبات کی قربانی اوراس کی فداکاری کا امتحان ہے، چنانچہ اس کی ابتداء ملتِ اسلامیہ کے جدامجد، خدا کے بہت زیادہ برگزیدہ بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بے مثال قربانی سے ہوئی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کوخود اپنے ہاتھوں ذبح کر دینے سے بڑھ کراور کیا قربانی ہوسکتی ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف سے یہ کر دکھایا(گو خدا نے ان کے لختِ جگر کی جان بچائی۔)اس اصل قربانی کی ہمت تو ہر کوئی نہیں کرسکتا تھا، اس لیے خدا نے اپنے کرم سے اس کا حکم تو نہیں دیا، البتہ اس مبارک وعظیم قربانی کی یادگار اس ملتِ حنیفیہ میں جاری رکھی اور ہر سال اس کا دُہرانا اہلِ استطاعت پر لازم کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ﴾(اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان (جانوروں کا) گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارے تقویٰ پہنچتا ہے)اس لیے جب چھری پھیردی، جذبۂ قربانی اوردل کے تقویٰ کا امتحان ہوگیا، خون کا قطرہ زمین پر بعد میں گرا، نیک نیتی اور خلوصِ دل پہلے قبول ہوگیا۔

اس آیت نے یہ حقیقت واضح کردی کہ صرف جانوروں کا خون بہادینے سے یا گوشت کھانے کھلانے ہی سے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہوجاتی بلکہ اسکے یہاں تو اصلی قیمت تقویٰ، خلوص، خوش دلی اور جوشِ محبت اور جذبۂ قربانی کی ہے، جس بندے میں یہ خوبی جتنی زیادہ ہے اس کی قربانی اتنی ہی زیادہ مقبول ہے۔(الترغیب والترہیب ص۳۹۲ ج۲)

قربانی کی تاریخ

کسی حلال جانور کواللہ تعالیٰ کا تقریب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اوردنیا آباد ہوئی۔ سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دوبیٹوں ہابیل وقابیل نے دی۔ ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ یعنی جب کہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔(سورۂ مائدہ پارہ ۶)

علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمۃ نے بروایت ابنِ عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ

وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی۔حسبِ دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی، ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان پہلے انبیاء کے زمانہ میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا دیتی تھی۔سورۂ آلِ عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے کہ:۔

﴿بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ﴾ یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے۔

اس زمانہ میں کفار سے جہاد کے ذریعہ جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا تو اس کو بھی آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

اُمت محمد یہ (صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مالِ غنیمت ان کے لیے حلال کر دیئے گئے۔حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے خصوصی فضائل اور انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (احلت لی الغنائم) یعنی میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے بعض غیر مسلموں نے اسلام قبول نہ کرنے کا ایک یہ عذر بھی پیش کیا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو آگ کھا جایا کرتی تھی، اور آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا، اس لیے ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔سورۂ مائدہ میں اس عذرِ لنگ کو بیان کر کے یہ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم اُنہیں پر کونسا ایمان لائے ہو، تم نے تو ان کو بھی جھٹلا دیا ہے بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا۔ان کا یہ قول حق طلبی کے لیے نہیں تھا بلکہ حیلہ جوئی کے لیے تھا۔

جانور کی قربانی سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقربِ الٰہی کا ذریعہ دی گئی ہے اور قربانی کا خاص ایک طریقہ کہ آسمانی آگ آکر اس کو جلا دے۔یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ تک تمام انبیاء سابقین کے دور تک مشہور رہا۔

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے، اسی طرح آج تک دوسرے

مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ بتوں کے نام پر، یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۂ کوثر پارۂ عم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہو سکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمادیا۔ ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں شرائط کے بعد واجب ہے اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لیے جمہور علماء اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی۔ تاریخ قربانی ص ۲۱)

قربانی کی حقیقت

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے۔ ان کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس لیے حکم دیا کہ تم جانور ذبح کردو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب کے ذریعہ بشارت دی گئی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ اب دیکھئے کہ یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا۔ اور اولاد بھی کیسی، فرزند اکلوتا اور فرزند بھی ناخلف نہیں بلکہ نبی معصوم۔ ایسے بچے کی قربانی کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا اتنا زیادہ مشکل نہیں، مگر اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کو ذبح کرنا بڑا سخت مشکل کام ہے۔

مگر چونکہ حکمِ خداوندی تھا، اس لیے آپ نے اپنے بیٹے کی محبت پر حکمِ خداوندی کو مقدم رکھتے ہوئے فرمانِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منیٰ کے منحر میں لے گئے اور فرمایا بیٹا! مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کردوں۔ تو اسماعیل علیہ السلام نے فوراً فرمایا: ﴿اِفۡعَلۡ مَاتُوۡمَرُ﴾ یعنی جو آپ کو حکم ہوا ہے ضرور کیجئے۔ اگر میری جان کی ضرورت ہے تو ایک جان کیا؟ اگر ہزار جانیں بھی ہوں نثار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے پہلے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے، پھر چھری

تیز کی، اب بیٹا بھی خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں، ادھر باپ بھی خوش ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی، جب چھری کُند ہو گئی تو اس وقت حکمِ الٰہی ہوا:۔ ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (الصفات پارہ ۲۳)

بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزاء دیا کرتے ہیں۔ اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔

چنانچہ اسی دن سے اونٹ، بھینس، گائے، مینڈھا، بکرا وغیرہ قربانی کے لیے فدیہ (بدلہ) میں مقرر ہو گیا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام صفحہ ۳۹۵۔ جلد ۲)

محبوباتِ نفس کی قربانی

قربانی کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اسکی حقیقت ایثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب الی اللہ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور ذبح کیے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ہر صورت میں اسکے مطابق روح ڈالی جاتی ہے۔ نماز میں نماز کی روح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی روح اور قربانی میں قربانی کی روح ڈالی جاتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جو صورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی تب وہ روح اسمیں ڈالی جائے گی۔ اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (پارہ ۴۔ رکوع ۱)
یعنی تم خیر کامل کبھی نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کر دے۔

اور مال محبوب چیز ہے۔ مال میں سے جانور بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ کیونکہ جان دار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بے جان چیز ضائع ہو جائے تو آدمی دوسرا گھڑ کر بنا سکتا ہے بخلاف جاندار کے کہ اگر فنا ہو گیا دوسرا ویسا نہیں ملتا۔ اور یہ مال ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا

ہوتو وہ بے کار ہے اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کو خرچ نہ کرے۔ تو جب دنیوی منافع اس کو خرچ کیے بغیر نہیں مل سکتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ محبوباتِ نفس قربان کیے بغیر کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟

اور محبوبات کیا ہے؟ جان، مال، اولاد، عزت، آبرو وغیرہ۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (پارہ ۱۱۔ رکوع ۲۔ سورالتوبہ) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا۔

غرض کہ آپ کو ان میں سے ہر چیز مٹانی ہوگی، تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ جیسے اگر سونا خریدا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھس گھسا کر دیکھا جاتا ہے، اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں، ورنہ نہیں۔ تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے، لکیروں کی نہیں جو کسوٹی پر پڑ جاتی ہیں۔

پس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض ایمان کی قیمت ادا کرنا ہوگی وہ ہمارے اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہیں۔ اسلئے جنت حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں "محبوباتِ نفس" کو قربان کرنا لازمی ہے۔ اگر مال خرچ کرنے کا حکم ہو تو مال خرچ کرو، جان دینے کا حکم ہو تو جان نثار کر، عزت کی ضرورت ہو تو وہ بھی قربان کرو، یہی عشق کی پختگی کی علامات ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام صفحہ ۳۹۱ جلد ۲)

قربانی کا حکم عام ہے

خلیل اللّٰہی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ صرف حجاج پر لازم کی گئیں، جو اس مقام پر پہنچ کر انجام دیتے ہیں جیسے منیٰ میں تینوں جمعرات پر کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا اور جو چیز اس خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتی ہر جگہ کی جاسکتی ہے، جیسے جانور کی قربانی اس کو تمام اُمت کے لیے حکم عام کے ساتھ واجب ولازم قرار دے دیا گیا اور خود رسول

اللہ ﷺ اور تمام صحابہؓ وتابعینؒ اور پوری امت ہر خطے اور ہر ملک اور ہر جگہ میں اس واجب کی تعمیل کرتے رہے اور اس کو نہ صرف واجباتِ اسلامی میں سے ایک واجب قرار دیا گیا بلکہ شعائرِ اسلام میں داخل سمجھا گیا ہے۔ ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ (سورۃ الحج) یعنی قربانی کے جانوروں کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ اللہ کی یادگار سے مراد اللہ کے دین کی یادگار ہے، ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو قربانی اس مقام میں کی جائے جہاں سے اس کا آغاز ہوا یعنی منیٰ میں، وہ زیادہ افضل ہے اور موجبِ ثواب وبرکات ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے آخری حج میں سو اونٹوں کی قربانی کی جن میں سے تریسٹھ اونٹوں کی قربانی خود فرمائی، باقی کو حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا۔ (مسلم)۔ یہ اتنی بڑی تعداد اسی فضیلت کی وجہ سے کی گئی، ورنہ مدینہ طیبہ میں عام عادت دو جانوروں کو ذبح کرنے کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی شریف)

آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ عید کی نماز پڑھ کر عیدگاہ میں قربانی فرماتے تھے تاکہ سب مسلمانوں کو حکم شرعی کی اطلاع بھی ہو جائے اور آداب بھی سیکھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ نمازِ عید سے پہلے قربانی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے امت پر نمازِ عید کو مقدم فرمایا اور قربانی کو اس کے بعد کرنے کا حکم جاری فرمایا خواہ وہ مکہ میں ہو یا مدینہ میں یا دنیا کے کسی مقام میں۔ قرآن شریف کی آیتِ مذکورہ اور روایت حدیث اور صحابۂ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قربانی کا عبادت ہونا تو عہدِ آدم علیہ السلام سے ثابت ہے، مگر عیدالاضحیٰ میں اس کا ضروری واجب ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کے طور پر جاری ہوا۔ اور قرآن وسنت کے نصوص میں اس کو اسلامی واجبات میں سے ایک اہم واجب قرار دیا جو ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مدینہ طیبہ میں بھی قربانی کا فریضہ ادا کیا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے جو قربانی کو مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص کیا اور وہ بھی کسی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ حجاج کی مہمانی کے طور پر سمجھا ہے وہ

نہ صرف قرآن شریف سے بلکہ تمام شرائع انبیاء اوران کی تاریخ سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر قربانی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ مکہ معظمہ میں جمع ہونے والے حجاج کی مہمانی اس سے کی جائے تو پھر اسمیں نماز عید سے پہلے اور بعد میں کیا فرق پڑتا ہے اور بارہ تاریخ کوشام کے بعد قربانی ممنوع ہوجانے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ کیا تیرہ تاریخ کو حجاج مکہ میں نہیں رہتے؟ اگر مہمانی اس کا مقصد تھا تو قربانی کے جانوروں کے لیے جو شرائط رسول اللہ ﷺ نے عمر وغیرہ کے لحاظ سے بیان فرمائی ہے، ان شرائط کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ نیز کیا مہمان کو صرف گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔ اگر مہمانی مقصود ہوتی تو قربانی کے ذریعہ گوشت مہیا کرنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری اشیاء خوردنی جمع کرنے کا فریضہ عائد کیا جاتا، خصوصاً جبکہ مدینہ طیبہ میں بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ سے ہر سال قربانی کرنا ثابت ہے تو پھر اس کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اور اس کو اسلام میں ٹھونسنا بہت بڑی جرأتِ رندانہ ہے۔

(تاریخ قربانی ص۲۲ مصنفہ مفتی محمد شفیعؒ)

قربانی و صدقہ میں فرق ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے انسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی۔ کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں، مگر قربانی کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا ہے۔

جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً سلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی اور اُمت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام شافعیؒ، امام ابن حنبلؒ اور امام ابویوسفؒ کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

واجب ہے۔ یہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور ائمہ کے دقائق ہیں، مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں۔ اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں؟

چنانچہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو حضورِ اقدس ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ہم قربانی کی آنکھ اور کان کی خوب دیکھ بھال لیا کریں، ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ جس کا کان چرا ہوا ہو، اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو، اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جدا ہیں۔ اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اور پھر ساری امت آج تک بلا اختلاف یہ عمل کرتی چلی آرہی ہے اور تعاملِ امت سب سے بڑی دلیل ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ص ۳۲۷ ج ۲)

جب یہ معلوم ہوگیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی علیہ السلام یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کرسکتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدلہ روزہ کافی نہیں۔ زکوٰۃ کے بدلے میں حج یا حج کے بدلہ میں زکوٰۃ کافی نہیں۔

کوئی شخص اپنا اگر سب مال بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اُس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوتا۔ اسی طرح صدقہ خیرات کتنا بھی خرچ کر دے وہ یادگارِ ابراہیمی علیہ السلام کی قائم مقام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

(تاریخ قربانی ص ۱۸/ از مفتی محمد شفیعؒ)

صدقہ کر دینے سے قربانی ادا نہ ہوگی

سارے اعمالِ شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز میں عاجزی وانکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے روزے میں تزکیۂ نفس کی صورت میں، جہاد میں شجاعت کی صورت میں اور قربانی میں جاں نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے، ب اگر آپ نے قربانی

کے بجائے نماز پڑھ لی، تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا، مگر قربانی کی صورت میں حاصل ہونے والا تقویٰ نہ ملا۔ پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دے دے تو قیامت کے دن اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا اور یہ سوال ہوگا کہ قربانی کیوں نہیں کی؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا رہا اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ روزہ کیوں نہیں رکھا تھا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک آدمی ملازم رکھا جس کے سپرد آپ نے کھانا پکانے اور کھانا کھلانے کی خدمت سونپی، اب اس نوکر نے یہ کیا کہ کھانا تو پکایا نہیں مگر گھر کو صاف کر کے آئینہ بنا دیا۔ ہر چیز قرینہ سے رکھ دی، جھاڑو بھی دی، فرش بھی دھویا، جالے بھی صاف کیے، اور جب آپ گھر میں پہنچے اور دیکھا کہ ملازم نے گھر کو بہت صاف ستھرا کر رکھا ہے تو یقیناً آپ خوش ہونگے مگر جب کھانے کے وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے کھانا نہیں پکایا، تو یقیناً آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تو نے کھانا کیوں نہیں پکایا؟ تو کیا وہ ملازم جواب دے سکتا ہے کہ صاحب میں نے گھر تو صاف کر دیا، اب کھانے کا مطالبہ کیسا؟۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ جہاں جو کام تیرے سپرد کیا تھا وہ تو، تو نے کیا نہیں اور ایک ایسا کام کیا جو فی الجملہ اگر چہ اچھا ہے مگر تیرے سپرد نہ تھا، اس لیے یہ کام تجھ کو کھانا کھلانے کے بعد کرنا چاہئے تھا۔

اسی طرح صدقہ وخیرات تو عباداتِ نافلہ ہیں اور قربانی واجب ہے تو صدقہ دینے سے اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔

حاصل یہ کہ جو صورت آپ اختیار کریں گے، اس کی روح اس میں ڈالی جائی گی جیسے انسان کی صورت میں انسان کی روح اور حیوان کی صورت میں حیوان کی روح۔ پھر قربانی کی روح صدقہ میں کیسے آسکتی ہے؟ اس لیے قیامت میں ہر ایک عمل کی مختلف صورتیں ہونگی۔ مثلاً جو شخص مسجد بناتا ہے اس کو جنت میں مکان ملتا ہے۔ اور روزہ دار کے لیے قیامت کے دن دستر خوان بچھایا جائے گا، اسی طرح قربانی کے متعلق ارشاد ہے کہ ”قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھالوں کے ساتھ موجود ہوگا“۔

حدیث شریف میں ان اجزاء کا ذکر ہے جن کو ہم بے کار سمجھ کر پھینک دیتے ہیں، اس کے ردی اجزاء پر بھی ثواب دیا جائے گا۔ تو جو اصلی چیز یعنی گوشت ہے اس پر کیوں ثواب نہ ملے گا؟

آگے ارشاد ہے کہ ''قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، تم اس عمل (قربانی) کو کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرو''۔ تو یہ مقبولیت کا درجہ بھی قربانی کے ساتھ خاص ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ص ۴۰۶ جلد ۲)

قربانی سے جانوروں کی کمی نہ ہوگی

قربانی پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ تین تاریخوں میں بیک وقت لاکھوں جانور ہلاک ہوجاتے ہیں تو اس کا مُضر اثر قومی اقتصادیات پر یہ پڑنا بھی ناگزیر ہے کہ جانور کم ہوجائیں گے اور سال بھر لوگوں کو گوشت ملنے میں مشکلات پیدا ہوجائیں گی لیکن یہ خیالات صرف انسان کے ذہن پر مسلط ہوجاتے ہیں جبکہ وہ خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور اسکے نظام محکم کے مشاہدہ سے بالکل غافل ہوجائے۔

حالانکہ نظام قدرت پورے عالم میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جب دنیا میں کسی چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین اس چیز کی پیداوار بھی زیادہ بڑھادیتے ہیں اور جب ضرورت کم ہوجاتی ہے تو پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے، جیسے کوئی شخص کنوئیں کے پانی پر رحم کھا کر اس لیے نکالنا چھوڑ دے کہ کہیں پانی ختم نہ ہوجائے۔ تو کنوئیں کے سونتھ بند ہوجائیں گے اور کنواں پانی نہ دے گا؟ بلکہ جتنا زیادہ نکالا جائے گا اتنا ہی کنوئیں سے پانی زیادہ ملے گا۔ اعداد و شمار کا حساب لگا کر دیکھیں۔ پچھلے زمانہ میں جتنی قربانی کی جاتی تھی اُتنی آج نہیں ہے۔ جس طرح تمام احکام دین مثلاً نماز، روزہ میں سستی آگئی ہے، قربانی کے مسئلہ میں اس سے زیادہ سستی برتی جاتی ہے۔ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں قربانی کا عالم تھا کہ یہ ایک آدمی سو سو اونٹوں کی قربانی کرتا تھا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سو اونٹوں کی قربانی کی اور تریسٹھ اونٹوں کی قربانی کا فریضہ خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیا۔ اور قربانی کی اس فراوانی اور زیادتی کے زمانہ

میں کسی جگہ یہ شکایت نہیں سنی گئی کہ جانور نہیں ملتے یا گراں ملتے ہیں۔ اس زمانہ میں جب کہ نماز روزہ وردوسری عبادات کی طرح قربانی میں بھی سخت غفلت برتی جارہی ہے۔ لاکھوں انسان جن کے ذمہ شرعاً قربانی لازم ہے، قربانی نہیں کرتے، تو اس وقت جانوروں کی کمی کو قربانی کا نتیجہ کہنا واقعات کے سراسر خلاف ہوگا۔ اس زمانہ میں بھی بہت سے ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے، نہ وہاں قربانی ہوتی ہے اور نہ قربانی کی وجہ سے کوئی جانور کم ہوتا ہے مگر جانوروں اور گوشت گرانی وہاں ہمارے ملکوں سے زیادہ نظر آتی ہے۔ اور اگر کسی کا ایسا ہی دل چاہے تو ایک سال کسی شہر یا کسی ملک میں قربانی بند کر کے دیکھ لے کہ قوم کی اقتصادیات میں اس کا کیا خوش گوار اثر ہوتا ہے۔ جانوروں اور گوشت کی یا دودھ اور گھی کی کتنی ارزانی ہو جاتی ہے، کوئی مسلم ملک تو انشاء اللہ اس کا تجربہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔ ہمارا پڑوسی ملک موجود ہے جہاں گائے کی حد تک نہ صرف سالانہ قربانی بلکہ روزانہ گوشت خوری بھی بند ہے۔ کیا کسی نے دیکھا کہ وہاں گلی گلی گائے پھرتی ہے؟ یا دودھ کی ندیاں بہتی ہیں۔ یا گھی ارزاں ہو گیا ہے؟

مشترکہ ہندوستان میں جبکہ مسلمان اور انگریزی فوج روزانہ لاکھوں گائے ذبح کیا کرتے تھے اور سالانہ قربانی ہوا کرتی تھی، لیکن گھی اور دودھ کا جو بھاؤ (نرخ) اس وقت تھا، آج اس وقت سے بہت زیادہ گراں ہے، اور ارزانی کا کہیں نام نہیں۔ اور قدرت کے دستور کے مطابق ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر وہاں گائے کا خرچ اسی طرح کم ہوتا چلا گیا تو کچھ عرصہ میں وہاں گائے کی پیداوار نہ ہونے کے قریب ہو جائے گی۔ اور کیا یہ مثال سارے جہاں کے سامنے نہیں کہ اب سے سو سال پہلے تک تمام سفر گھوڑوں پر طے کیے جاتے تھے اور ساری دنیا میں جنگیں صرف گھوڑوں کے ذریعہ سے ہی کی جاتی تھیں۔ فوج کے لیے لاتعداد گھوڑے پالے جاتے تھے۔ اور اب موجودہ زمانے میں جب گھوڑوں کی جگہ موٹروں، ہوائی جہازوں اور دیگر سواریوں نے لے لی تو کیا دنیا میں گھوڑے زیادہ سستے ہو گئے۔ یا ان کی تعداد گھٹ گئی اور قیمت بڑھ گئی۔ یہ قدرت کا کارخانہ، اس کا نظام، انسانی سمجھ، فہم وادراک اور انسانی تجویز سے بہت بلند ہے۔

کاش قربانی سے نا آشنا مسلمان سوچیں اور غور کریں اور قربانی کو ایک رسم یا عید کی تفریح کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کی حقیقت کو سامنے رکھ کر سنتِ ابراہیمی کے اتباع کے طور پر ادا کریں تو ایمان وعمل میں قوت واخلاص کی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے۔ ہر عبادت میں ثواب کے علاوہ کچھ مخصوص آثار بھی ودیعت کیے گئے ہیں جیسے نماز میں تواضع وانکساری، زکوٰۃ میں حب مال سے قلب کی صفائی، روزہ اور حج میں اللہ جل شانہٗ کی محبت میں ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح قربانی سے ایمان واخلاص میں قوت، اعمال شاقہ کے لئے عزم وہمت پیدا ہوتی ہے۔ (تاریخ قربانی از مفتی محمد شفیع صفحہ ۲۶)

مسئلہ:۔ بعض لوگ خود ذبح پر ہی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ''یہ بے رحمی ہے'' جانور کو تکلیف دینا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ذبح میں ''ایسی'' تکلیف نہیں ہوتی، موتِ طبعی میں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ہوتی بھی ہو تو محبوبِ حقیقی کے حکم سے ہو وہ سب محبوب ہے۔ تو جانور کے ذبح کو بے رحمی بتلانا سخت غلطی ہے۔ (اغلاط العوام ص ۱۸۱)

اسلام کو ذبح نہ کیجئے

اس جگہ یہ اشکال کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہو جائیں گے۔ سو اول تو یہ خیال ہی غلط ہے کیونکہ لاکھوں جانور جو روزانہ بطور ذبح کے کاٹے جاتے ہیں، عید کے دن وہ ذبح نہیں ہوتے، اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے جو کسی بھی طرح قابلِ اعتناء نہیں۔ پھر اس روز بعض ایسے لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی کھا سکتے ہیں۔ اور پھر ان کی ساری کھالیں غرباء ومساکین میں تقسیم ہوتی ہیں۔ غرض بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو روپیہ قربانی پر صرف ہوتا ہے اس کو مہاجرین وغیرہ کی امداد میں صرف کیا جائے، تو بے شک مہاجرین کی امداد بھی ضروری ہے، مگر ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے؟ کچھ اپنی خواہشاتِ نفس پر بھی چھری چلایئے اور غیر شرعی اخراجات کو بند کر کے مہاجرین وغیرہ کی امداد کیجئے۔ مثلاً سینما ہے، شراب ہے اور دوسرے فضول، اخراجات ہیں۔ حاصل یہ کہ اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ

جس طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ اسی طرح اعمالِ شرعیہ میں بھی ایک روح ہے اور جیسے وہاں ہر صورت کی ایک خاص روح ہے جو دوسری صورت میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح یہاں بھی ایک روح ہے دوسرے میں نہیں آسکتی۔

(خطباتِ حکیم الاسلام ص ۴۰۵ ج ۲)

سنتِ ابراہیمی علیہ السلام کی یادگار

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول رسول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ان اعمال وافعال کو پسند فرما کر قیامت تک ان کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے ان افعال واعمال کی نقل کرنے کو اپنی محبوب عبادت قرار دے کر اپنے بندوں پر لازم کر دیا، جس طرح واجباتِ حج میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اسی خلیل الٰہی عمل کی یادگار ہے۔ حجاج پر خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً جانوروں کی قربانی اسی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے لازم کی گئی ہے جس طرح صفا مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا، حضرت ہاجرہؓ کے ایک عمل کی یادگار ہے اس کو بھی واجباتِ حج میں داخل کر دیا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ قرانی کی کیا اصلیت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے والد ابراہم علیہ السلام کی سنت و یادگار ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسلامی یادگاریں

دنیا میں عظیم الشان کاناموں کی یادگاریں قائم کرنے کا دستور پُرانا ہے مگر عام طور پر اس کے لیے مجسمے کھڑے کر دینے یا کوئی تعمیر کر دینے کو کافی سمجھا جاتا ہے جس سے کارنامہ کے انجام دینے والے کا اعزاز تو ہوتا ہی ہے اور کچھ دیر تک باقی بھی رہتا ہے، لیکن یادگار قائم کرنے کی اصلی روح اس سے زندہ نہیں رہتی، اس لیے اسلام نے مجسمات و تعمیرات کی قدیم رسم کو چھوڑ کر اُن کے افعال کی نقل کرنے کو عبادت بنا دیا اور قیامت تک لوگوں پر لازم

کر دیا جس سے نہ صرف ان اعمال کے کرنے والوں کی یاد ہر وقت زندہ رہتی ہے بلکہ ان کے اس نیک عمل کا جذبہ بھی دلوں میں بیدار ہوتا ہے۔ مجسمات وتعمیرات کتنی ہی مضبوط ہوں آخر کار حوادث کا شکار ہیں لیکن یہ یادگار یعنی قربانی جس کو عملی طور پر امت کے لیے لازم وواجب قرار دے دیا گیا اور ان کے احکام قرآن وسنت میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں، رہتی دنیا تک جاری اور باقی ہیں وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ہر انسان کو یہ خلیل اللٰہی سبق دیتی رہتی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے اور اس پر بھی حق عبدیت سے سبک دوشی نہیں ؎

جان دیدی، ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ (تاریخ قربانی ص ۱۸/ از مفتی محمد شفیعؒ)

شیطانی چالیں

اللہ کی عبادت وطاعت کا یہ عظیم الشان مظاہرہ (بیٹے کی قربانی) شیطان کس طرح دیکھ سکتا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کے خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام) جیسے کوہِ استقامت ہیں۔ شیطان اپنی تدبیروں سے باز نہ آیا۔ اول تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس ایک مہربان ہمدرد کی شکل میں آیا اور پوچھا اسماعیل کہاں گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا اپنے والد صاحب کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں چننے کے لیے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا، یہ بات نہیں تم غفلت میں ہو، ان کے باپ ان کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں، حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ شیطان نے کہا ہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے۔ یہ سن کر اکلوتے بیٹے کی ماں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے گھرانے کے شایانِ شان تھا کہ ''اگر واقعہ یہی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو ان کو اس کی تعمیل ہی کرنی چاہئے۔ شیطان یہاں سے مایوس ہو کر اب باپ بیٹے کے تعاقب میں لگ گیا جو شہر مکہ معظمہ سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے، اول ایک دوست کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آکر ان کو روکنا چاہا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاڑ لیا۔ اس لیے آپؑ

پراثرانداز ہونے میں شیطان ناکام رہا۔اس کے بعد جمرۂ عقبہ کے قریب ایک بڑے جثہ کی صورت میں آپ ﷺ کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔ ایک فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا، اس نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام! اس کو پتھر سے مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں شیطان کے ماریں اور ہر ایک کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا تو شیطان دفع ہوگیا۔ آگے بڑھ کر پھر جمرۂ وسطیٰ کے قریب اسی طرح راستہ روک لیا تو پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے تکبیر کہہ کر سات کنکریاں ماریں تو شیطان دفع ہوگیا۔ اسی طرح تیسری مرتبہ جمرۂ اولیٰ کے پاس پہنچ کر راستہ گھیرلیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پھروہی عمل کیا اور آگے بڑھ کر قربانی کی جگہ پر پہنچ گئے۔

اور جب باپ بیٹے اس عظیم قربانی کے لیے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے چہرہ کے بَل کروٹ پر لٹادیا۔ اس طرح لٹانے میں تواضع بھی تھی اور یہ حکمت بھی کہ اکلوتے بیٹے کا چہرہ سامنے آکر کہیں ہاتھ میں غیر اختیاری لغزش نہ آجائے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نزدیک ذبح کی تکمیل کے لیے پوری قوت سے چھری چلائی لیکن قدرت خداوندی چھری کے درمیان حائل ہوگئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اس حالت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ابا جان! آپ کے پاس میرے کفن کے لیے کوئی کپڑا نہیں ہے اس لیے تکلیف ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ میرا کرتہ صاف وسفید ہے اس کو اُتار لیجئے گا تا کہ کفن کے کام میں آجائے۔ (تاریخ قربانی ص ۱۴/ از مفتی محمد شفیعؒ)

قربانی کا حکم خواب میں کیوں ہوا؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کے ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالم بیداری کے بجائے خواب میں کیوں دیا گیا، اس میں کیا حکمت ہے؟

اس میں راز یہ ہے کہ اصل مقصودِ حق بیٹے کو ذبح کرانا نہیں تھا، بلکہ باپ بیٹوں کا

امتحان ہی مقصود تھا، اس لیے صریح الفاظ میں ذبح کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ خواب میں یہ دکھلایا گیا کہ وہ ذبح کررہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے وہ عمل مکمل کردیا جس کو خواب میں دیکھا تھا، غیبی آواز نے ان کو امتحان میں کامیابی اور تعمیلِ حکم کی تکمیل کی خوش خبری سنادی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کرڈالا بلکہ ذبح کی تیاری دکھلائی گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ خواب میں دُنبہ کو بشکل اسماعیل علیہ السلام دکھلایا گیا ہو جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھلایا جاتا ہے۔ دُنبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں معنوی مناسبت یہ تھی کہ دُنبہ ذبح کے لیے مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے۔ اس کی تخلیق (پیدائش) کا منشاء ہی ذبح کرکے استعمال کرنا ہے۔ بخلاف بیل اور اونٹ کے کہ ان کی تخلیق کا اصل منشاء سواری لینا اور بار برداری ہے، کبھی ذبح کرکے گوشت بھی کھالیا جاتا ہے بخلاف مینڈھے دنبہ وغیرہ کے کہ ان کے وجود کا اصل مقصود ہی ذبح کرکے کھانا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اصل مقصود دُنبہ ہی کا ذبح کرنا تھا مگر امتحان کے لیے اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں دکھلادیا گیا اور خواب کی اصل تعبیر کی طرف اسی امتحان کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذہن منتقل نہ ہوا۔ یہاں تک کہ امتحان کی تکمیل ہوگئی۔

(تاریخ قربانی ص ۱۵/ از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

مناسکِ حج میں شرکت

(عن ام سلمة قال كان رسول الله ﷺ اذادخل العشرو اراد بعضكم ان يضحى فلايأخذن شعراً ولايعلمن ظفراً.) (راوه مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوجائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اسکو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)۔

تشریح:۔ دراصل یہ عشرہ حج کا ہے اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظمہ

میں ہی جا کر ہوسکتا ہے، اس لیے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکت وہی بندے حاصل کرسکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہلِ ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ دن آئیں وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کرلیں اور ان کے اعمال میں شریک ہو جائیں، عیدالاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج کرام دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہوسکتے، ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اُسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتے، اِسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال، ناخن نہ ترشوائیں وراس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسب اور مشابہت پیدا کریں۔ کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق ومغرب کے مسلمان حج کے انوار وبرکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(معارف الحدیث صفحہ ۴۱۸ جلد ۳)

لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے، لہٰذا بال، ناخن وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترکِ اولیٰ ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۳۰۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اسکے لیے یہ مستحب ہے کہ بقرعید کی نماز کے بعد قربانی کر کے ناخن اور بال کتروائے اور حجامت بنوائے اور جو شخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے۔ وہ نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے بھی حجامت بنوا سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۰ ج ۵)

مسئلہ:۔ جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے اس کے لیے مستحب ہے کہ ماہِ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ کرلے اپنے جسم کے کسی عضو وجزء سے بال وناخن صاف نہ کرے کہ قربانی کرنے والا اپنی جان کے فدیہ میں قربانی کر رہا ہے اور قربانی کے جانور کا ہر جزو قربانی کرنے والے کے جسم کے ہر جزو کا بدلہ ہے۔ جسم کا کوئی جز نزولِ رحمت کے

وقت غائب ہوکر قربانی کی رحمت سے محروم نہ رہے، اس لیے آپ ﷺ نے مذکورہ حکم دیا ہے لیکن چالیس دن سے زائد مدت ہو جاتی ہے تو کراہت سے بچنے کی خاطر بال وغیرہ کی صفائی میں ڈھیل اور سستی نہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸۸ ج ۲)

تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مشرک کہا کرتے تھے اسے شبیر! تو سفید ہوتا کہ ہم چلیں، یعنی تو روشن ہو جا اور ہم تیری روشنی میں اپنے راستے پر آئیں جائیں ''شبیر'' ایک پہاڑ کا نام ہے جب تک سورج طلوع نہیں ہوتا تھا، مشرکین مزدلفہ روانہ نہ ہوا کرتے تھے، اسلام کی روشنی پھیلنے پر ان کا یہ قول باطل ہو گیا۔

<u>دوسری وجہ</u>:۔ بعض تشریق نام کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ لوگ قربانی کے گوشت کے ٹکڑے کر دیتے تھے اور انہیں دھوپ میں سکھاتے تھے، جو گوشت دھوپ میں سکھایا جاتا ہے اُسے تشریق اللحم کہتے ہیں۔

<u>تیسری وجہ</u>:۔ بعض کا کہنا ہے کہ عید کی نماز اور قربانی کے دن کو تشریق کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ عید کی نماز اس وقت ادا کی جاتی ہے جب سورج چمک رہا ہوتا ہے اور مصلی کو بھی اسی لیے مشرق کہتے ہیں کہ وہ سورج کے نکلنے کا انتظار کرتا ہے، اسی لیے یوم عید کو تشریق کہا گیا ہے۔ پھر جو دن اس دن کے تابع ہیں ان کو بھی یہی نام دیا گیا ہے۔

ذوالنون مصریؒ سے سوال کیا گیا کہ تشریق کے دنوں میں روزے کیوں مکروہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں اور مہمان کو یہ نہیں چاہئے کہ جس نے دعوت دی ہو اسکے گھر جا کر روزہ رکھے۔ پھر پوچھا گیا کہ خانہ کعبہ کے پردے میں آدمی کیوں لٹکتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ لٹکنا ایسا ہے جیسے کوئی بندہ اپنے مالک کا گناہ کرتا ہے پھر اسے معاف کرانے کے لیے اس کا دامن پکڑ لیتا ہے، اور عاجزی وزاری سے معافی کی درخواست کرتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۴۴)



نمازِ پنجگانہ کے بعد تکبیرات

تشریق کی تکبیرات (نویں ذی الحجہ کی نمازِ فجر سے لے کر پانچویں دن کی نمازِ عصر تک ہے) اس میں چار چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) ان تکبیروں کا حکم کیا ہے؟

(۲) کتنی مرتبہ پڑھیں اور کیا پڑھیں۔

(۳) تکبیرات کے شرائط۔

(۴) تکبیرات کا وقت۔

تکبیرات کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہیں، ان کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار (اللہ اکبر اکبر لاالہ الااللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد) پڑھیں۔ شرائط یہ ہیں کہ مقیم ہوں اور شہر میں ہو، اور فرض نماز جماعتِ مستحبہ سے پڑھے، آزاد ہونا اور بادشاہ کا ہونا امام ابوحنیفہؒ کے صحیح قول کے مطابق شرط نہیں ہے۔ تکبیرات کی ابتداء نویں تاریخ ذی الحجہ (عرفہ) کے روز فجر کی نماز کے بعد سے ہوتی ہے۔ اوران کا اختتام صاحبینؒ کے قول کے مطابق ایام تشریق کے آخری دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو عصر کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔ (اس طرح صاحبین کے قول کے مطابق جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائے گی وہ کل ملاکر ۲۳ نمازیں ہوئیں) اور فتویٰ اور عمل سب زمانوں میں صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد فوراً تکبیراتِ تشریق ادا کرنی چاہئیں، یہاں تک کہ اگر کلام کیا، یا جان بوجھ کر وضو توڑ ڈالا، تو تکبیراتِ تشریق ساقط ہو جائیں گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۳ ج ۲)

تکبیرِ تشریق کی ابتداء

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لاڈلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت میں ان کا فدیہ (بدل) لے کر پہنچے اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات آئے (اللہ اکبر اللہ

اکبر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو بول پڑھے (لاالہ الااللہ و اللہ اکبر) اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو آپنے فرمایا(اللہ اکبر و للہ الحمد) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہی کلمات منقول ہیں۔(درمختار ص ۹۸ ےجلد اول بحوالہ طحطاوی)

تکبیراتِ تشریق کے مسائل

تکبیر تشریق ہر اس فرض عین نماز کے بعد متصلاً کہے گا جو جماعتِ مستحب کے ساتھ ادا کی گئی ہے۔ جماعت ختم ہونے کے بعد متصلاً (فوراً) کا مطلب یہ ہے کہ اسکے بعد کوئی ایسا مانع درمیان میں نہ آنے پائے کہ بنائے نماز کو روک دینے والا ہو، یعنی اگر نماز کے بعد اس طرح کا فساد ہو جائے کہ بول پڑے یا باہر چلا جائے یا کچھ کھا پی لے تو پھر تکبیر تشریق اس کیوجہ سے ساقط (ختم) ہو جائے گی اور اس فرض نماز کے بعد بھی پڑھی جائے گی جو قضاء اسی سال کی ہو، اس لیے کہ تکبیر کا وقت قائم ہے جس طرح قربانی اگر پہلے دن نہ کرے تو دوسرے تیسرے دن کر لے کہ وہ بھی قربانی کے دن ہیں۔

جماعت مستحب کی قید سے عورتوں اور ننگوں کی جماعت نکل گئی کہ ان کی جماعت مستحب نہیں ہے، لیکن صحیح قول میں غلاموں کی جماعت خارج نہیں ہے یعنی ان کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے اس لیے کہ جماعت میں آزاد کا ہونا شرط نہیں۔

(درمختار ص ۹۹ ےجلد اول)

(یہاں فرض عین کی قید اس لیے لگائی گئی تا کہ فرضِ کفایہ نکل جائے چنانچہ نمازِ جنازہ کے بعد تکبیرِ تشریق واجب نہیں ہے۔ یا فرضِ قضاء کی جماعت کے بعد تکبیرِ تشریق کے واجبِ ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ ایام تکبیر کی نماز کی قضاء ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ قضاء ایامِ تکبیر میں ہی پڑھی جائے۔ تیسرے یہ کہ یہ اسی سال کی قضاء ہو۔ پہلے سال کی قضاء نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر ایام تکبیر کی قضاء نماز اگر جماعت سے ان دنوں میں پڑھی جائے تو اس کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ تکبیراتِ تشریق اقتداء کی وجہ سے عورت اور مسافر پر بھی واجب ہوتی ہیں۔

عورت آہستہ تکبیر کہہ لے (اگر مرد امام کی اقتداء میں نماز پڑھے تو) مسبوق (جسکی رکعت رہ گئی ہو) وہ اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیریں کہے، اگر امام نے تکبیریں چھوڑ دیں (یا بھول گیا) پھر بھی تکبیر کہے البتہ مقتدی امام کا اس وقت تک انتظار کرے کہ امام سے کوئی ایسی حرکت واقع ہو کہ جس سے تکبیرات منقطع ہو جائیں، اور وہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے بعد نماز کی بناء جائز نہیں رہتی، مثلاً مسجد سے چلا جانا، یا قصداً وضو توڑنا اور کلام کرنا، اگر امام کو سلام کے بعد تکبیرات سے پہلے حدث ہو گیا (وضو ختم ہو گیا) تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ تکبیرات کہے طہارت کے لیے نہ جائے۔ (درمختار ص ۶۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ تکبیر تشریق اللہ اکبر الخ ایک دفعہ کہنا واجب ہے، اس سے زیادہ واجب نہیں، ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلافِ سنت ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفاء کیا جائے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۴ ج ۵ بحوالہ شامی ص ۵۶۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیراتِ تشریق عورتوں پر نہیں ہیں۔
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۷ ج ۵)

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہؒ گاؤں والوں پر (جہاں نمازِ جمعہ واجب نہیں) تکبیر تشریق واجب نہیں فرماتے اور صاحبینؒ واجب فرماتے ہیں اور معتمد اور زیادہ احتیاط والا قول صاحبین کا ہے کہ اہلِ قریہ پر واجب ہے کہ تکبیر تشریق کہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۱۷ ج ۵)

تکبیر تشریق کے وجوب کے بارے میں اکثر علماء نے مذہب حنفیہ اختیار فرمایا ہے یعنی وجوب انہیں شرائط کے ساتھ (مقیم ہو اور شہر میں ہو اور فرض نماز جماعتِ مستحبہ سے پڑھے) باقی اگر تنہا پڑھنے والا اور مسافر وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لے تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔

مسئلہ:۔ تکبیرِ تشریق اگر اس وقت چھوٹ گئیں تو پھر ان کی قضا نہیں ہے توبہ کرنے سے اس کے ترک کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۷ ج ۵)

مسئلہ:۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآواز بلند تکبیر نہ کہے

آہستہ کہے۔ (شامی)

مسئلہ:۔ اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے، بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، یا تو پڑھتے ہی نہیں، یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

(جواہر الفقہ ص ۴۴۶ ج ۱)

عیدین کے دن غسل کرنا

(عن عبداللہ بن عباسؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یغسل یوم الفطر ویوم الاضحیٰ۔) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرتے تھے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ متعدد روایتوں سے رسول اللہ ﷺ کا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے، امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔ اور اہل دین کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ عید، بقرعید کے دن غسل، خوشبو اور حسبِ استطاعت عمدہ کپڑے پہننے کا اہتمام کرتے ہیں۔ (الترغیب ص ۳۳۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدین کے دن عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس پہنیں، کیونکہ یہ دن خوشی اور زینت کا ہے۔ (کبیری ص ۵۲۴)

عید کے دن زیارتِ قبور

سوال:۔ عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں تو قبرستان جانا، خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے بسا اوقات خوشی میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیادتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے۔ درست نہیں۔

نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۷۷۶ ج ٦)

عیدین کی رسمیں

ایک تو عید کے دن سویّاں پکانے کو بہت ضروری سمجھتے ہیں، شریعت سے یہ ضروری بات نہیں ہے۔ اگر دل چاہے پکالو، مگر اس میں ثواب نہ سمجھو۔ دوسرے رشتہ داروں کے بچوں کو دینا لینا یا رشتہ داروں کے گھر کھانا بھیجنا، پھر اس میں ادلا بدلہ رکھنا اور نہ ہونے پر قرض لیکر کرنا، یہ پابندی فضول بھی ہے اور اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ سب (پابندیاں) قیدیں چھوڑ دیں۔ (ان کی شرعی حیثیت کوئی نہیں ہے)، اور بقرعید میں بھی عید جیسا دینا لینا ہوتا ہے، جیسا عید کا حکم ہے اس کا ہے۔ اور بقرعید میں بھی بہت سے آدمیوں پر قربانی واجب ہوتی ہے اور قربانی نہیں کرتے، یہ بھی گناہ ہے۔ تیسرے قربانی میں اپنی طرف سے یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ سری سقّے کا حق ہے اور پائے نائی کا حق ہے۔ یہ بھی واہیات اور خلافِ شرع پابندی ہے۔ ہاں اپنی خوشی سے جس کو چاہے دے دو۔
(بہشتی زیور ص ۵۸ ج ٦)

عیدین میں نمازِ جنازہ

اگر عید اور جنازہ کی نمازیں جمع ہو جائیں تو پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی۔ پھر جنازہ کی نماز، اس لیے کہ عید کی نماز واجب عین ہے، یعنی ہر عاقل، بالغ مسلمان پر واجب ہے۔ اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پڑھنے سے سبھوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے اور عید کا خطبہ اور مغرب کی سنتیں مسنون ہیں۔
مسئلہ:۔ عید کی نماز سورج گہن کی نماز پر مقدم ہوگی۔ (اگر سورج گہن عید کے دن اور عید کی نماز کے اوقات میں سے ہو جائے، عموماً ایسے ہوا نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ سورج گہن مہینہ کے پورے ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے اور عیدین بتدائے ماہ میں ہوتی ہیں)۔
مسئلہ:۔ لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ نمازِ جنازہ وقتی نمازوں کی سنتوں کے بعد ہی پڑھی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سنتوں کو فرض نمازوں کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے کہ فرض نماز کے تابع ہیں، لہٰذا فرض نمازوں کے بعد سنت پڑھے، پھر نمازِ جنازہ۔ مفتیٰ بہ بقول یہ ہے (درمختار ص ۸۶۷ ج ۱)

نمازِ جنازہ میں شرکت کا طریقہ

اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں اس وقت آئے جب کہ امام تکبیرِ اولیٰ کہہ چکا ہو، اور ثناء پڑھنے میں مصروف ہو، یا دوسری تکبیر بھی ہو چکی ہے اور امامِ جنازہ درود پڑھ رہا ہے، یا تیسری بھی ہو چکی ہے۔ اور امام دعاء پڑھنے لگا ہے تو مقتدی سرِ دست کوئی تکبیر نہ کہے، بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ تکبیر کہے، اور اگر انتظار نہ کیا اور تکبیر کہہ لی تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ تکبیریں نماز جنازہ کی تکبیروں میں شمار نہ کی جائیں گی، مسبوق یعنی بعد میں شاملِ جماعت ہونے والے کو چاہئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیروں کو پورا کرلے، بشرطیکہ جنازہ فوراً نہ اُٹھا لیا گیا ہو۔ اگر جنازہ اٹھا لیا گیا ہو تو چاہئے کہ سلام پھیر دے اور رہی ہوئی تکبیروں کو پورا نہ کرے۔ اور اگر مقتدی اس وقت پہنچے جبکہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو، لیکن ابھی تک سلام نہ پھیرا ہو تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اگر جنازہ نہ اُٹھایا گیا ہو تو اپنی نماز جلدی سے پوری کرلے ورنہ سلام پھیر دے۔ (کتاب الفقہ ص ۸۳۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ نمازِ جنازہ جوتہ پہن کر پڑھنے کے بارے میں جو حکم اور نمازوں کا ہے وہی دوبارہ طہارت مکان و لباس، جوتہ وغیرہ جنازہ کی نماز کا حکم ہے۔ اگر جوتہ استعمال شدہ ناپاک ہے کوئی نماز اُس سے جائز نہیں نہ نماز پنج گانہ، نہ نمازِ جنازہ اور اگر جوتہ پاک ہے تو ہر ایک نماز درست ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۳۳۶ ج ۱)

عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں

مسئلہ:۔ عرفہ کا دن ایک ہے یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۲۰۱ جلد پنجم)

مسئلہ:۔ عرفہ کے دن بعض مقامات پر وقوفِ عرفہ کرنے والوں کی مشابہت کرتے ہوئے لوگ اجتماع کرتے ہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۷ ج ۱)

ضحیٰ صحیح ہے یا اضحیٰ؟

سوال:۔ضحیٰ اور اضحیٰ میں کونسا صحیح ہے اگر ضحیٰ کہہ کر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:بقرعید کے لیے عربی میں یوم الاضحیٰ موضوع ہے۔الاضحیٰ قربانی کے معنی میں ہے۔الضحیٰ کہنا یا ضحیٰ کہنا بقرعید کو غلط ہے،مگر نماز ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۴ ج ۵ بحوالہ رد المختار ص ۱۷۲ ج ۵)

عیدین وجمعہ کا اجتماع

سوال:۔عید اور جمعہ اگر ایک دن جمع ہو جائیں تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ نہ پڑھا جائے۔اور صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں،یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟نمازِ جمعہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔اس حدیث کو مسلم شریف میں تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا،بے شک ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا فعل نقل کیا گیا ہے۔مگر ذرا غور کرنا چاہیئے کہ ایک صحابیؓ کے فعل سے نبی کریم ﷺ کے قول وفعل کو چھوڑ دینا خلافِ انصاب ہے۔آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ اتفاق پیش آیا،مگر آپ ﷺ نے جمعہ ادا کیا اور آپ ﷺ نے گاؤں والوں کو کہہ دیا کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ،ہم جمعہ ادا کریں گے"۔

ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے۔اور عبداللہ بن زبیرؓ کے فعل کی علماء نے تاویل کی ہے،لہٰذا جمعہ ضرور ادا کرنا چاہیئے۔دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ کی نماز قرآن شریف سے ثابت ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۵ ج ۵)۔

(حضور ﷺ کا یہ فرمان گاؤں والوں سے کہ "تم جانا چاہو تو چلے جاؤ،ہم جمعہ ادا کریں گے"۔یہ اس لیے تھا کہ گاؤں والے عید کی نماز کے لیے صبح ہی سے آگئے تھے،جیسا کہ آج کل بھی صبح ہی سے دیہات وغیرہ کے افراد آنے شروع ہو جاتے ہیں،اور گاؤں پر جمعہ واجب نہیں ہے،اگر پڑھ لیں گے تو جمعہ صحیح ہو جائے گا یعنی ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے،لیکن صبح سے جمعہ کی نماز تک انتظار کرنا وہ بھی عیدین کے دن؟اس لیے

آپ کی اجازت صرف گاؤں والوں کو تھی جن پر جمعہ فرض نہیں ہوتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی)۔
مسئلہ:۔ اگر جمعہ کے روز عید الفطر یا عید الاضحیٰ ہو تو جمعہ وعیدین دونوں واجب ہیں۔
(امداد الفتاویٰ ص ۶۴۰ ج ۱)

امامت وخطابت کے مسائل

اکثر قصبات میں عیدین کی امامت اور بعض جگہ جمعہ اور نمازِ پنجگانہ بھی محض موروثی بناء پر دعوائے ریاست کی طرح چلی آتی ہے، خود امام صاحب میں اہلیت ہو یا نہ ہو۔ بعض جگہ تو امام قرآن بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ ایسی صورت میں نماز ہی سب کی باطل ہوگی۔ اور اگر صحیح پڑھ بھی لیا مگر مقتدی لوگوں کو اس کی امامت ناگوار ہے اور جبراً وکرہاً بخیال احتمال فتنہ کے خاموش ہیں تو اس امام کو سخت گناہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسے امام کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

عموماً امام وہ لوگ رکھے جاتے ہیں جو کسی کے نہ رہیں، جب تک کام کے رہے۔ نوکری چاکری کرتے رہے اور جب اپاہج ہوگئے تو وکالتِ دربارِ خداوندی (مسجد) کے لیے منتخب ہوئے کیونکہ امامت وکالتِ دربارِ خداوندی ہے۔ تو خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ارزل الناس، اور اخس الناس تجویز ہوتا ہے۔

خرچ کی کفایت کے لیے ایسے آدمیوں کو رکھا جاتا ہے، جو نہایت ذلیل، بدنیت دنی الطبع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ تمثیلاً کہا جاتا ہے کہ فلانے کی تو ملانوں کی سی نیت ہوگئی مگر اپنی غلطی کو کوئی نہیں دیکھتا کہ اول تو انتخاب ہی میں ایسے لوگ لائے جاتے ہیں جو فطرۃً پست حوصلہ ہوتے ہیں، پھر ان کی خدمت کی یہ حالت ہے کہ خوشی میں برادری کی تو پوچھ ہوتی ہے۔ شادی ہو، بیاہ ہو، بسم اللہ ہو، سب میں لمبی چوڑی فہرستیں بنیں گیں مگر ان میں امام صاحب او مؤذن صاحب کا نام کہیں نہ آئے گا۔

تنبیہ:۔ کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیے تو ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی تلاش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ لوہار، معمار، نجار بلکہ گانے والا تک بھی ماہر تلاش کیا جاتا ہے۔ اور خدا کے روبرو جو سب کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوجاتا ہے، وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا

ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلّہ میں جو ناکارہ، اندھا، چُندھا، فاتر الحواس، گنوار، بدتمیز، جاہل، غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے اس کو امامت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ (اغلاط العوام مکمل ص ۷۰)

(امام وخطیب اپنی جگہ پر ایک اہم ذمہ داری کا مالک ہوتا ہے، عہدِ نبوی ﷺ میں یہ منصب جو نبی کریم ﷺ کے سپرد تھا، آپ ﷺ خود ہی امامت فرماتے رہے، آپ ﷺ بیمار ہوئے تو اس منصب عظیم پر آپ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فائز کیا، اسی طرح اس منصب پر یکے بعد دیگرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم فائز ہوتے رہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے امامت کے منصب پر جلیل القدر شخصیت کو فائز کرنے کی تاکید کی ہے مگر افسوس کی بات ہے (جس کیطرف مولانا تھانوی رحمہ اللہ اظہار فرمارہے ہیں) کہ آج سب سے زیادہ یہی منصب پست ہو کر رہ گیا ہے، گھٹیا سے گھٹیا شخص کا اس منصب کیلئے انتخاب ہوتا ہے اور خواص وعوام اسی کو پسند کرتے ہیں جب کہ ایسا ہونا نہیں چاہئے۔ اسکے احکامات کی تفصیل دیکھئے احقر کی کتاب ''مکمل ومدلل مسائل امامت'' میں (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ یہ قول غلط ہے کہ سوائے سادات (سیدوں) کے اور کوئی شخص امامت کا مستحق نہ ہو۔ امامت کا استحقاق علم وفضل وتقویٰ پر ہے، جو شخص مسائلِ شرعیہ سے واقف ہو اگر چہ سید نہ ہو، تو اس سید سے جو مسائل سے واقف نہیں احق اور اولیٰ ہے (زیادہ حقدار ہے)۔

(فتاویٰ محمدیہ ص ۱۰۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ نمازِ عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے دیا تو نماز ہوجاتی ہے، مگر بہتر ومناسب یہ ہے کہ خطبہ ونماز ایک شخص ہی پڑھائے۔ (ردالمختار باب الجمعہ ص ۷۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ اجرت پر امامت عیدین وجمعہ کا حکم یہ ہے کہ امامت پر اجرت لینا فقہاء نے جائز لکھا ہے۔

مسئلہ:۔ عیدین یا جمعہ کی نما (وغیرہ) کی امامت دودفعہ کوئی شخص نہیں کرسکتا ہے، اگر ایسا کیا گیا تو پچھلے یعنی دوسرے مقتدیوں کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ امام کی دوسری نماز نفل ہوئی، اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض یا واجب پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۵ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب الامامت ص ۵۴۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدین میں امام حنفی اپنے مذہب کے موافق تکبیراتِ زوائد کہے یعنی تین تکبیرات ہر رکعت میں علاوہ تکبیرِ افتتاح اور رکوع ہے۔

مقتدی جو شافعی المذہب ہیں وہ اپنے مذہب کے موافق تکبیرات پوری کرلیں اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہو کہ حنفی امام کے پیچھے تکبیرات پوری کرلی جائیں۔ الغرض امام حنفی کو ان کے (دوسرے) مذہب کا اتباع ضروری نہیں ہے، لیکن اگر امام ان کی رعایت سے ان کے مذہب کے موافق تکبیر کہے گا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۹ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب العیدین ص ۱۱۴ جلد اول)

مسئلہ:۔ حنفی مقتدی اگر شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھے تو اسکو تکبیراتِ عیدین میں اتباع شافعی امام کی کرنی چاہئے، لیکن شافعی وغیرہ امام کی مستقل طور پر فجر میں پڑھی جانے والی قنوتِ (نازلہ) ورفع یدین اور نمازِ جنازہ کی چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کی جائے (اس لیے) کہ وہ منسوخ ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۶۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز میں امام اعوذ باللہ تکبیراتِ زوائد کے بعد پڑھے گا، اس لیے کہ قرأت تکبیراتِ زوائد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے اور یہی مذہب صحیح ہے۔ (یعنی مسلک)۔ (درمختار ص ۳۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ امام کو نماز میں زیادہ بڑی سورتیں پڑھنا جو مقدارِ مسنون سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع سجدے وغیرہ میں بہت زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت اور ضعف وغیرہ کا خیال رکھے جو سب میں زیادہ صاحبِ ضرورت ہو۔ اس کی رعایت کرکے قرأت وغیرہ کرے بلکہ زیادہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے بھی کم قرأت کرنا بہتر ہے تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو جو قلتِ جماعت کا سبب ہو جائے۔

(طحطاوی مع مراقی الفلاح ص ۱۶۵)

مسئلہ:۔ امام کو چاہئے کہ صفیں سیدھی کرے یعنی صف میں لوگوں کو آگے پیچھے کھڑے ہونے سے منع کرے سب کو برابر کھڑے ہونے کا حکم دے، صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہئے۔ درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہئے۔ (مراقی الفلاح ص ۲۱۱)

مسئلہ:۔ اکثر عوام کو دیکھا ہے کہ جماعت میں صف بندی کے وقت پاؤں کا انگوٹھا ملا کر صف سیدھی کیا کرتے ہیں حالانکہ کندھے اور ٹخنے کے سیدھے کرنے سے صف سیدھی کرنی چاہئے۔ (اغلاط العوام ص ۷۱)

مسئلہ:۔ اگر امام تکبیر (زوائد) کہنا بھول جائے اور رکوع میں اُس کو خیال آئے تو اس کو چاہئے کہ رکوع کی حالت میں تکبیر کہہ لے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ (بھی جائے تب بھی جائز ہے یعنی فاسد نہ ہوگی، لیکن ہر حال میں بوجہ کثرتِ اژدھام (مجمع زیادہ ہونے کیوجہ سے) سجدۂ سہو نہ کرے۔ (بہشتی زیور ص ۸۷ ج ۱۱)

مسئلہ:۔ مقتدیوں کو نماز کے ہر رکن کا امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا (سنت) ہے، تحریمہ بھی امام کے تحریمہ کے ساتھ کریں، رکوع بھی امام کے ساتھ، قومہ بھی امام کے قومے کے ساتھ، سجدہ بھی اس کے سجدہ کے ساتھ۔ غرض کہ ہر فعل اس کے فعل کے ساتھ۔ ہاں اگر قعدۂ اولیٰ میں امام قبل اسکے کھڑا ہو جائے کہ مقتدی التحیات پوری کریں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات تمام کر کے کھڑے ہوں، اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں اگر امام قبل اس کے کہ مقتدی التحیات تمام کریں سلام پھیر دے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ التحیات تمام کر کے سلام پھیریں، ہاں رکوع سجدہ وغیرہ میں اگر مقتدیوں نے تسبیح نہ پڑھی ہو تو بھی امام کے ساتھ ہی کھڑا ہونا چاہئے۔

(کبیری ص ۵۶۹)

مسئلہ:۔ امام سے پہلے رکعت کی تکبیر زائد چھوٹ گئی اور فاتحہ وسورت سے فراغت کے بعد یاد آئی یا دوسری رکعت کی تکبیر رکوع میں یاد آئی تو اب تکبیر نہ کہے بلکہ سجدۂ سہو سے جبر نقصان کرے۔ اگر کثرت اژدھام کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنے سے نماز میں خلل کا اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو معاف ہے۔ اگر امام تکبیر کے لیے رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آیا تو ایک قول کے مطابق نما فاسد ہوگی مگر عدمِ فساد راجح ہے۔ البتہ اس صورت میں رکوع دوبارہ نہ کرے ورنہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اگر سورت پوری کرنے سے قبل تکبیرِ زائد یاد آ گئی تو تکبیر کہہ کر فاتحہ اور سورت دوبارہ پڑھے، اور سجدۂ سہو (اگر مجمع کم ہو تو) کرے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۱۶ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۷۸۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر امام زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع میں خیال آئے تو رکوع ہی میں تکبیریں کہہ لے، پھر سے کھڑا نہ ہو۔ (درمختار ص ۵۸۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر امام سے عیدین کی نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو نہ کرے۔ اگر نمازی اتنے کم ہوں کہ سجدۂ سہو کی وجہ سے نماز میں خلل کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو سجدۂ سہو کرے۔ (طحطاوی ص ۲۵۲)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز اور جمعہ وفرض اور نفل سب میں ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہے لیکن متاخرین نے کہا ہے کہ عیدین و جمعہ کی نماز میں اگر مجمع زیادہ ہو تو سجدہ نہ کرے، فتنہ و فساد کی وجہ سے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۹۴ ج ۳)

مسئلہ:۔ نمازِ عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے تو نماز تو ہو جاتی ہے مگر بہتر و مناسب یہ ہے کہ نماز و خطبہ ایک شخص پڑھائے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۹ جلد اول)

عیدین کی شرائط

چھوٹے مواضعات میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے، علاوہ ازیں بڑے مواضعات میں جہاں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے وہاں تنہا تنہا نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جمعہ وعیدین کی نماز کے لیے چند شرائط ہیں۔ منجملہ اُن شروط کے ایک شرط جماعت بھی ہے۔ تنہا تنہا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (امداد المفتین ص ۴۰۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ جمعہ وعیدین میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ اور تراویح میں بھی واجب ہے۔ (کفایت المفتی ص ۴۱۰ ج ...... بحوالہ درمختار ص ۳۹۲ ج ۱)۔

عیدین کی سنن و مستحبات

عیدین کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں (۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔ (۲) غسل کرنا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) عمدہ کپڑے (نئے یا دھلے ہوئے) جو اپنے پاس موجود ہوں پہننا۔ (۵) خوشبو لگانا۔ (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا۔ (۷) عیدگاہ میں سویرے سویرے جانا۔ (۸) قبل عیدگاہ جانے کے کوئی شیریں (میٹھی) چیز مثل چھوہارے وغیرہ کے کھانا۔ (۹) قبل عیدگاہ جانے کے صدقۂ فطر دے دینا۔ (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ

میں جا کر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔(۱۱) جس راستے سے جائے، اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔(۱۲) پیادہ (پیدل) جانا۔(۱۳) راستے میں (اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الا للہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد.) (عیدالفطر میں) آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہئے۔(بہشتی زیور ص ۸۵ ج۱۱ بحوالہ شرح التنویر ص ۱۱۳ ج۱)

(عیدالاضحیٰ میں نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے خواہ قربانی کرے یا نہ کرے اور عیدگاہ میں جاتے وقت راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ عیدین کی شب میں جاگ کر عبادت الٰہی اور درود شریف اور تلاوت قرآن کرتے رہنا مستحب ہے۔ اور عیدین کے روز خوشبو لگانا اور اپنے کو آراستہ (صاف ستھرا) کرنا مستحب ہے۔ لیکن عورتیں اگر عید کے دن نمازِ عید کو جانا چاہیں تو ان کے لیے یہ اُمور مستحب نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر انہیں جانا نہ ہو تو اُمورِ مذکورہ ان کے لیے بھی مستحب ہیں جسطرح ان لوگوں کے لیے مستحب ہیں جو عید کی نماز کو نہ جائیں۔ کیونکہ خود کو آراستہ کرنا عید کے دن کے لیے بھی مستحب ہوتا ہے، نمازِ عید کے لیے نہیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک یہ امور مستحب نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں۔ مرد عورت اپنے بہترین لباس تن کریں، خواہ وہ نئے ہوں یا استعمال میں آچکے ہوں، لباس کا رنگ سفید ہو یا سفید نہ ہو، اس پر بھی سب کا اتفاق ہے، عید کے روز مستحب یہ ہے کہ ناخن ترشوا کر، بال وغیرہ بنا کر اور میل کچیل دور کر کے اپنے کو پیراستہ کرے، اور مستحب ہے کہ نمازِ فجر پڑھنے کے بعد ہی عیدگاہ کی جانب جانے کی جلدی کرے، خواہ سورج ابھی نہ نکلا ہو، یہ حکم اس کے لیے ہے جو امام نہ ہو۔

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ عیدگاہ جانے میں تاخیر کرے کہ وہاں پہنچتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہو جائے اور مزید انتظار نہ کیا جائے، عیدگاہ پیدل جانا مستحب ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ کسی مسلمان سے ملنا ہو تو چہرے سے خوشی اور بشاشت کا اظہار کیا جائے اور یہ کہ حسب مقدور صدقاتِ نافلہ کی کثرت کی جائے اور جس پر فطرہ واجب ہے وہ نمازِ عید سے پہلے اور نمازِ فجر کے بعد ہی نکال دے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۵۵۵ تا ۵۵۸)

عیدین کی نماز عیدگاہ میں ہی افضل ہے

(عن ابی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحیٰ الی المصلی فاول شیءٍ یبدءُ به الصلوٰۃ ثم ینصرف مقابل الناس والنساس جلوس علی صفوفهم.)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رُخ کر کے خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اُسی میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ ﷺ نے اس کام کے لیے منتخب فرما لیا تھا اور گویا (عیدگاہ) قرار دے دیا تھا۔ اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی۔ بس صحرائی میدان تھا لکھا ہے کہ مسجدِ نبویؐ سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ (معارف الحدیث ص ۳۹۹ جلد ۳)

مسئلہ:۔ سنت طریق کے موافق شہر سے باہر نمازِ عیدین اداء کرنا بہتر ہے۔ اور اس میں فضیلت زیادہ ہے بہ نسبت شہر میں ادا کرنے کے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۸ جلد ۵ بحوالہ رد المختار باب العیدین ص ٦٧٧ جلد اول)

مسئلہ:۔ عیدگاہ شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے، بلکہ معذورین کو بھی ساتھ لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جا سکے۔ (رواہ ابوداؤد فی سننہ)

اس لیے اصل حکم یہ ہی ہے کہ عیدین کے لیے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماع عظیم ہو۔ اس میں شوکتِ اسلام کا مظاہرہ بھی ہے۔ مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ اس لیے شہر کے اندر بڑے میدان میں یا ضرورت کے وقت مسجد میں ادا کرنا بلا کراہت درست ہے لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک بڑے

مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے.(احسن الفتاویٰ ص ١١٩ ج ٤، بحوالہ ردالمختار ص ٧٧٦ ج ١)

نمازِ عید کے لیے عیدگاہ جانا سنتِ مؤکدہ ہے بلاعذر اسکا تارک لائقِ ملامت اور مستحقِ عتاب ہے اور ترک کا عادی گنہگار ہوتا ہے۔ شہر سے گاؤں دور ہونے کہ وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لیے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ٢٧٦ ج اول)

بارش کی وجہ سے عیدین کی نماز مسجد میں

(عن ابی هريرة انه اصابهم مطر فی يوم عيدفصلی بهم النبی ﷺ صلوٰة العيدفی المسجد.)(ابوداؤدوابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجدِ نبوی ﷺ میں پڑھائی۔

تشریح:۔ عیدین میں ''اُمتِ مسلمہ کا تہوار'' اور ''دینی جشن'' ہونے کی جوشان ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو۔ آپ ﷺ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، اس لیے عام حالات میں یہی سنت ہے کہ (نمازِ عیدین عیدگاہ میں ہی ہو) لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عیدین کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے۔ (معارف الحدیث ص ٤٠٦ ج ٣۔ ومظاہر حق ص ٢٩٤ ج ٢)

عیدگاہ میں آواز ملا کر تکبیر کہنا

سوال:۔ ہمارے یہاں دستور بن چکا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے ایک دو آدمی منبر کے پاس کھڑے ہوکر زور زور سے تکبیر پڑھتے ہیں اس کے بعد حاضرین آواز ملا کر جواب دیتے ہیں، مقصدِ اصلی یہ ہے کہ کسی کی نماز نہ رہ جائے۔ تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ یعنی عیدگاہ میں بآوازِ بلند اجتماعی طور پر تکبیر کا التزام ایک رسم ہے، آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ وغیرہ ہم صحابہ کرامؓ اور ان کے

پیروتابعینؒ اوران کے فرماں بردار تبع تابعینؒ اوران کے نقشِ قدم پر چلنے والے ائمہ مجتہدینؒ ومشائخ اور فقہاء کرامؒ سے یہ ثابت نہیں ہے، پس شرعی ثبوت کے بغیر دین وشریعت میں خود ایجاد کردہ یہ عمل ردّ اور باطل ہے۔ دین کسی کے تابع نہیں۔ سب اس کے تابع ہیں کسی کو دین میں کمی وبیشی کا حق نہیں، جس طرح منقول اور ثابت ہوا اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔

دیکھئے! جمعہ کے دن منارہ پراذان ہوتی ہے مگر عید کے دن نہیں ہوتی۔ کہ منقول نہیں ہے۔ جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان ہوتی ہے مگر عید کے خطبہ کے لیے اذان نہیں ہوتی اس لیے کہ ثابت نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے اقامت ہوتی ہے مگر عید کی نماز کے لیے اقامت نہیں ہوتی کہ منقول نہیں ہے۔

عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا، اس نے کہا یہ (نمازِ نفل) عذاب کا کام تو نہیں؟ (پھر کیوں منع کرتے ہو)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جس کام کے لیے حضور ﷺ نے حکم نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر وثواب کا کام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نماز عبث ہے اور (دین میں) فعلِ عبث حرام ہے اور ڈر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی پر خدائے پاک تجھے عذاب دے۔

لہٰذا آپ کے یہاں جو رسم ہے وہ غلط اور خلافِ سنت ہے جو واجبُ الترک ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۵۲ ج۵)

عورتوں کا نماز کے لیے عیدگاہ جانا

اس پرفتن زمانہ میں عورتوں کو مسجد وعیدگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔ بے شک فقہاء کرامؒ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔ لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، آپ ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ خواب کی تعبیر بیان فرماتے تھے، اور عجیب وغریب علوم کا انکشاف فرماتے تھے، ان کو حاضری کی

اجازت تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ مردوں کی طرح عورتوں کو حاضری کا حکم تاکیدی تھا، یہ صحیح نہیں، عورتوں کے لیے مردوں کی طرح جماعت ضروری نہیں تھی۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کی گہرائی ہے''۔ (یعنی سب سے زیادہ بند اور تاریک کوٹھری)۔ (الترغیب ص ۱۸۸ ج ۱)

آنحضرت ﷺ نے عورتوں کی کوٹھری کی نماز کو مسجد نبوی ﷺ سے بدرجہا افضل بتایا، اس میں عیدین کو الگ نہیں کیا گیا ہے۔ مساجد گھروں سے قریب ہوتی ہیں۔ پھر گھر کی نماز افضل ہے۔ اور عیدگاہ تو شہر سے باہر اور دور ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ نماز پنجگانہ و جمعہ فرض ہیں۔ جب کہ اس کے لیے مسجد میں آنا افضل نہیں تو عیدین کی نماز میں حاضر ہونا کیونکر افضل ہوگا۔ وقتی طور پر مصلحتاً حضور ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ میں جمع فرمایا تھا۔ اس سے وجوب اور استحباب ثابت نہیں ہوسکتا۔ (کفایت المفتی ص ۴۲۱ ج ۵ ملخصاً)

متفقہ فتویٰ

آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں عورتوں کا جانا، خواہ دن کی ہو یا رات کی جوان ہو یا ضعیفہ، دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ (درمختار مع الشامی ص ۵۲۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ جماعت کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے۔ کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے، عہدِ نبوی ﷺ میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے تھی اور اب وہ غرض باقی نہیں ہے اس لیے کہ شریعت کے احکام آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا مناسب اور بہتر ہے۔

(اشعۃ اللمعات ص ۲۳۳۔ تفصیل دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ از ص ۵۶ تا ص ۷۱ ج ۵)

یہ حکم عام ہے، حرم شریف ہو یا مسجد نبوی ﷺ، ہندوستان ہو یا عرب سب کے لیے یہی حکم ہے۔ لہٰذا عورتوں کی عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لیے بھی نہ نکلیں، ان پر عیدین کی نماز واجب بھی نہیں ہے۔ (مالابدمنہ ص ۵۵)



عیدگاہ اور مسجد میں فرق

جوازِ اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ فناء مسجد اور مدرسہ کے حکم میں ہے جو چیزیں فناء مسجد اور مدرسہ وغیرہ میں جائز ہیں وہ عیدگاہ میں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں۔ ظاہر ہے کہ مدارس اور فناء مسجد مویشیوں (جانوروں) یا عوام کے راستہ کے لیے نہیں ہوتے، پس عیدگاہ کی اس سے حفاظت چاہئے۔ بچوں کا کھیل کھیلنا (عیدگاہ میں) گنجائش رکھتا ہے۔ لیکن مستقل کھیل کے لیے عیدگاہ کو مقرر کرنا یا اس کو فیلڈ بنانا نہیں چاہئے۔

نیز اگر قبریں بالکل متصل اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے۔ اگر فاصلہ زیادہ ہے تو کراہت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۶ ج ۸)

عیدگاہ میں نمازیوں کا انتظار کرنا

(۱) نمازِ عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عیدگاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقع پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہٰذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں، وقتِ مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔

حاضرین کو ایسے موقع پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ دے سکتے ہیں لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ اور امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرلے۔ سال میں دو موقعے آتے ہیں کہ بے نمازی بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں، نماز فوت ہوگی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا قدرے انتظار کیا جائے۔ البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے اور اپنی نماز کی بھی

فکر نہیں ہے۔ اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل اور سُست لوگوں کا انتظار کرنا، ان کی عادت کو بگاڑتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۴۷ ج۳)

عیدگاہ سے متعلق مسائل

مسئلہ:۔ شریعت میں عیدگاہ کے لیے تخصیص کسی جانب کی نہیں ہے، بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جا کر نمازِ عیدین ادا کی جائے، اس میں کچھ حرج نہیں کہ عیدگاہ بنائی جائے۔ (غرض یہ کہ) عیدگاہ کے لیے کوئی جانب (دائیں، بائیں یا کسی اور جانب) شہر کی مقرر نہیں ہے، جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو اسی طرف عیدگاہ بنائی جائے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۰ وص۲۳۳ ج۵ بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب العیدین ص۱۲۵ ج۱)

مسئلہ:۔ جس جگہ عیدگاہ میں حرام پیسہ لگا ہو، اس میں (نماز پڑھنا) مکروہ ہے، اس سے بہتر ہے کہ میدان میں نماز پڑھے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۵۷۹ ج۱)

مسئلہ:۔ ہندو کی زمین عیدگاہ کے لیے قبول کرنے کی جواز کی صورت بلا اختلاف یہ ہے کہ سیٹھ صاحب زمین مذکورہ بقدر حاجت علیحدہ کر کے نشان لگا کر کسی مسلمان کی ملک کر دیں، پھر وہ مسلمان اس اراضی کو وقف کر دے، کیونکہ خود سیٹھ صاحب کے وقف کے جواز میں حسبِ روایات فقہیہ تردد ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۰ ج۵)

مسئلہ:۔ عیدگاہ کی زمین فروخت نہیں کی جا سکتی ہے۔ عیدگاہ وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۴ ج۵ بحوالہ ردالمختار کتاب الوقف ص۵۰۷ ج۱)۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ وقف ہے اس میں کوئی تصرف تعمیرِ مکان وغیرہ درست نہیں، البتہ اگر نمازیوں کے آرام کے لیے دھوپ اور بارش سے بچنے کیلئے کوئی حصہ مسقّف (پاٹ) کر دیا جائے، مسجد کی طرح، تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۱۴ ج۵)

مسئلہ:۔ جب کہ عیدگاہ کے معدوم (بہہ جانے) ہو جانے کا یقین ہے تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے کہ اس کا تمام سامان (ملبہ وغیرہ) منتقل کر کے دوسری جگہ عیدگاہ تعمیر کر لیں۔ لیکن یہ پہلی جگہ بھی اگر (سیلاب وغیرہ سے) بچ گئی تو بدستور وقف رہے گی۔ اسمیں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۲۴ ج۵ بحوالہ ردالمختار کتاب الوقف ص۵۱۴ ج۳)

مسئلہ:۔نمازِ عیدین کے لیے بھی جگہ کا پاک ہونا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے اگر ناپاک جگہ میں نماز عیدین وغیرہ پڑھی گئی تو وہ صحیح نہیں ہوئی۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۲ ج ۵)

مسئلہ:۔ایک شہر میں دو عیدگاہ ہونے میں اور دو جگہ نمازِ عیدین ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۸ ج ۵ بحوالہ ردالمختار ص ۷۸۳ ج ۱)

مسئلہ:۔عیدین مختلف مسجدوں میں پڑھ سکتے ہیں۔کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں ایک جگہ جمعہ وعیدین جائز ہیں وہاں چند جگہ بھی جائز ہے۔البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ جمعہ وعیدین پڑھیں اور عید کی نماز باہر صحراء (جنگل) میں پڑھنا مسنون ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۸)

(مطلب یہ ہے کہ چند جگہ بھی جائز ہے، اگر ضرورت ہو کہ جگہ کی تنگی یا دوری کی وجہ سے یا فسادات وغیرہ کی وجہ سے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔عید کی نماز مسجدوں میں ہو جاتی ہے مگر عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے عیدگاہ میں بلا عذر نماز عیدین نہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۶ ج ۵)

مسئلہ:۔اگر عیدگاہ میں امام بدعتی ہے، دوسری جگہ صحراء میں اس سنت کو ادا کریں۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۹ ج ۵ بحوالہ الدر المختار ص ۱۱۱۴ ج ۱)

مسئلہ:۔مشترکہ زمین پر بغیر مالکوں کی رضامندی کے عیدگاہ بنانا جائز نہیں اور قریۂ صغیرہ (جہاں پر نمازِ جمعہ جائز نہ ہو) میں عید کی نماز پڑھنا اور وہاں پر عیدگاہ بنانا ناجائز ہے اور نہ عیدگاہ بنانے کی قریہ صغیرہ میں ضرورت ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۵۷۹ ج ۱)

مسئلہ:۔عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نمازِ عیدین کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کے لیے ہیں۔اور جب کہ وہ نماز عید نہ ہوئی تو نفل ہوگی۔اور نفل کو بتداعی (اجتماعی شکل میں) اور جماعتِ کثیرہ کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۸ ج ۱)

مسئلہ:۔جو نشہ کی حالت میں عیدگاہ میں آئے اور لوگوں کو بدبو کی وجہ سے تکلیف ہو۔اگر لوگ اس کو نکال دیں تو یہ نکالنا شرعاً جائز ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۸ ج ۱)

مسئلہ:۔عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۷۵ ج ۲)

مسئلہ:۔جو جگہ نماز جنازہ اور عید کے لیے بنائی گئی ہے وہ صرف اقتداء کے جائز ہونے کے

اندر مسجد کے حکم میں ہے اگر چہ اس کی صفوں میں دوری واقع ہو، یہ لوگوں کی آسانی کے لیے کیا گیا، اقتداء کے سوا اور کسی حکم میں مسجد نہیں ہے، اسی پر فتویٰ بھی ہے (گویہ جگہ مسجد نہیں ہے مگر چونکہ ایک خاص کام کے لیے ہے اور وہ نماز ہی ہے، اس لیے اسے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے) مگر اس عیدگاہ اور نماز جنازہ پڑھانے والی جگہ میں ناپاک اور حائضہ کا داخل ہونا جائز ہوگا۔ (درمختار ص ٦٠٠ ج ١) (بعض امور مثلاً وقف وغیرہ میں مسجد کے حکم میں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں جاکر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اول ایک شخص تکبیر کہے، اسکے بعد اور لوگ آواز ملاکر متفقہ طور پر تکبیر کہیں اسی طرح نماز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں یہ جائز نہیں ہے اور اسمیں کراہت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ٢١٧ ج ٥)

اور مشکوٰۃ شریف ص ١٢٧ ج ١ پر حدیث سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز اور تکبیر وغیرہ لوگوں کو بلانے کی غرض سے نہ کہی جائے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ غیر قصابان کی نماز عیدین اس عیدگاہ میں درست ہے جو قصابان نے بنائی ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ٢٠٨ ج ٥)

مسئلہ:۔ عورتوں کا عیدگاہ جانا اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے عورتوں کا جماعت میں شرکت کے لیے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع ومکروہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہی یہ ممنوع ہو چکا تھا۔ (الدر المختار ص ٨٣ ج ١) (تفصیلی حکم ملاحظہ ہو مکمل ومدلل مسائلِ نماز جمعہ ص ١٢٧ تا ص ١٣٠)

مسئلہ:۔ (١) جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہو تو بلاضرورت شرعی دوسری عیدگاہ بنانا شریعت کی منشاء کے خلاف ہے۔ (٢) جب بستی اتنی چھوٹی ہو کہ وہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتیں تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں جب ان پر عیدین کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے، لہٰذا یہ تارکِ سنت نہ ہوں گے، البتہ اگر قصبہ میں (جہاں پر نماز جمعہ جائز ہے) عیدگاہ نہ ہو تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے، نہ بنائیں گے تو تارکِ سنت ہونگے۔ (٣) اگر کوئی خطرہ لاحق ہو یا اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں کو،

بیماروں اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے، محض احتجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، احتجاج کے لیے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔(۴) شہر وسیع ہو اور دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیشِ نظر ایک سے زائد عیدگاہ بنانا درست ہے۔(۵) عذر کی وجہ سے اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو انشاء اللہ سنت کا ثواب ملے گا۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۵۸ ج ٦)

مسئلہ:۔دیہاتوں میں (جہاں پر نماز جمعہ جائز نہ ہو) عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عیدین کی نماز پڑھنا، ایسی نمازوں میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لیے شہر ہونا شرط ہے، دیہات (چھوٹے گاؤں قریہ) میں درست نہیں ہے۔(درمختار ص ۸۵۷ ج ۱)

مسئلہ:۔جو عیدگاہ آبادی کے بڑھ جانے سے آبادی کے اندر آگئی، وہ صحراء کے حکم میں نہیں رہی۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۵ ج ۵ غنیۃ المستملی باب العیدین)

مسئلہ:۔عیدگاہ بہت سے امور میں مسجد کے حکم میں ہے، اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم، باجہ، بجانا، یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں۔متولی عیدگاہ ہرگز ان امور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔اور بغیر اجازت یا با اجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عیدگاہ میں درست نہیں ہے(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۵ ج ۵ بحوالہ شامی احکام المسجد ۶۱۵ ج ۱)

مسئلہ:۔قبرستان میں جو عیدگاہ بنی ہو، اس میں نماز جائز ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۴ ج ۵ بحوالہ ردالمحتار ص ۲۵۳ ج ۱)

مسئلہ:۔حنفیہ کے نزدیک اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔(قبر کے سامنے ہونے کا) یہ مطلب ہے کہ خشوع کے ساتھ (نظریں جھکائے ہوئے) نماز پڑھنے کی حالت میں نظر قبر پر پڑتی ہو۔اگر قبر پیچھے کی جانب یا اوپر ہو، یا جہاں نماز پڑھی جارہی ہے۔اس کے نیچے ہو تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ کراہت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان میں نماز کے لیے کوئی

مخصوص جگہ ایسی نہ مہیا ہو جو نجاست اور گندگی سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے۔
(کتاب الفقہ ص ۴۴۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں فاصلہ اگر دو صفوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہے اقتداء جائز نہ ہوگی۔
(عالمگیری ص ۶۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ عید کی نماز کے بعد اسی عیدگاہ میں زوال کے بعد نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے۔ اور نماز ہو جاتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ حسب معمول نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جا کر عیدین کی نماز پڑھنا اور اس کا مستحب ہونا خاص عیدین کے لیے ہے۔
(عزیز الفتاویٰ ص ۴۵ ج ۳)

مسئلہ:۔ جامع مسجد کا فرش، چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں ہے۔
(عزیز الفتاویٰ ص ۵۹۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ جو جگہ نماز عیدین کے لیے وقف ہے جو کہ عیدگاہ کے نام سے موسوم ہے اس میں تصرفات کرنا، تعمیر مدرسہ وکتب خانہ وغیرہ اور کھیل کود ورزش وغیرہ اور مجلسِ خورد ونوش اس کو قرار دینا جائز نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۱۹۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ بلاضرورت محض ذاتی رنجشوں کی بناء پر دوسری عیدگاہ بنانا فضول خرچی اور تفرقہ کی بنیاد ڈالنا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۴۰۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ شہر، قصبہ اور وہ بڑا گاؤں جو مثل قصبہ کے ہو، اور وہاں نمازِ جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا جس طرح ہو جلد سے جلد عیدگاہ بنالیں اور جب تک عیدگاہ نہ بنے اس وقت تک کے لیے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجرِ عظیم کے حقدار بنیں۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۶۷ ج ۳)

عیدین کی نماز میں تاخیر

اگر کسی بناء پر عید الفطر کی نماز اس روز ادا نہ ہوئی، مثلاً ابر (بادل) کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور اگلے روز امام کو زوال کے بعد خبر ہوئی، یا زوال سے پہلے ایسے وقت اطلاع ہوئی

کہ اب لوگ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا ابر میں عید کی نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز پڑھی گئی، تو اگلے روز عید کی نماز ادا کریں، اگلے روز کے بعد عید کی نماز نہ پڑھیں۔ امام نے عید کی نماز جماعت کیساتھ ادا کی اور کچھ آدمیوں سے چھوٹ گئی تو وہ نماز نہ پڑھیں خواہ وقت باقی ہو یا نکل گیا ہو، (کیونکہ عیدین کی قضاء نہیں ہے۔ اگر دوسری جگہ جماعت مل سکتی ہے تو وہاں چلے جائیں، اور نہ جماعت ثانی کریں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

عیدالاضحیٰ کے دن اگر کوئی عذر ہو گیا تو دوسرے اور تیسرے دن تک نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے۔ عیدالاضحیٰ میں عذر کی قید اس لیے ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر بلا عذر تیسرے دن تک تاخیر کریں تو نماز جائز ہوگی لیکن انہوں نے بُرا کیا۔

اور عیدالفطر میں دوسرے دن نماز صرف عذر کی بناء پر جائز ہوتی ہے اور اگر بلا عذر دوسرے دن تک تاخیر کی تو نماز جائز نہ ہوگی۔ دوسرے دن بھی نماز کا وقت وہی ہے جو پہلے دن تھا۔

مسئلہ:۔ امام نے عیدالفطر کی نماز پڑھادی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد زوال سے پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ بے وضو نماز پڑھائی تھی، تو نماز کا اعادہ کریں، اور اگر زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تو دوسرے دن دوبارہ نماز پڑھیں، اور اگر دوسرے دن زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تو نماز نہ پڑھیں۔ اور اگر عیدالاضحیٰ کے روز ایسی صورت پیش آئی اور زوال کے بعد یہ بات معلوم ہوئی اور لوگوں نے قربانیاں کرلیں، تو یہ قربانیاں جائز ہیں، اور دوسرے دن دوبارہ نماز پڑھیں، اور اگر دوسرے روز معلوم ہوا، تو زوال سے پہلے نماز کا اعادہ کرلیں، اور اگر زوال ہو چکا، تو اس سے اگلے روز یعنی تیسرے دن زوال سے پہلے پہلے نماز پڑھ لیں، اور اگر تیسرے دن زوال کے بعد معلوم ہوا تو پھر نماز نہ پڑھیں۔

مسئلہ:۔ اگر بقر عید کے دن زوال سے پہلے معلوم ہوا کہ امام نے بلا وضو نماز پڑھادی تو سب آدمیوں میں منادی (اعلان) کرانا چاہئے۔ تو جس شخص نے معلوم ہونے سے پہلے قربانی کرلی، اس کی قربانی جائز ہے۔ اور معلوم ہونے کے بعد زوال تک قربانی جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۷۵ ج ۱)

نماز عید کیلئے جانے کی فضیلت

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ’’جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو فرشتے راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آواز لگاتے ہیں کہ اے مسلمانوں! آؤ اپنے کریم پروردگار کی بارگاہ میں جو اپنے کرم و احسان سے (بندوں کو) نیکیوں کی توفیق دیتا ہے اور پھر اس پر اجر عظیم عطا فرماتا ہے، تمہیں رات کی عبادت کا حکم ہوا تم نے وہ پورا کیا تمہیں دن کے روزوں کا حکم ہوا، تم نے وہ بھی پورا کیا اور اپنے رب کی فرماں برداری کر کے دکھائی۔ اب اپنے انعامات لے جاؤ۔ پھر جب وہ نمازِ (عید) سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ایک پکارنے والا آواز لگاتا ہے۔ لوگو! یقیناً تمہارے پروردگار نے تم سب کو بخش دیا۔ پس جاؤ تم کامیاب و بامراد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ اس طرح یہ دن ’’یوم الجائزہ‘‘ (انعام کا دن) ہے۔ اور ملا اعلیٰ میں بھی اس دن کا نام ’’یوم الجائزہ‘‘ ہی ہے۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۸۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ جمعہ و عیدین میں سوار ہو کر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جو شخص پیدل چل سکتا ہو، اس کے لیے پیدل چلنا افضل ہے۔ (عالمگیری ص ۷۲ ج ۱)

عید گاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

(عن جابر قال کان النبی ﷺ اذا کان یوم عید خالف الطریق.)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے (صحیح بخاری)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کیلئے جس راستہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اسکی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ ﷺ یہ اس لیے کرتے تھے کہ اس طرح شعائرِ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عیدین میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لیے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزر اجائے (معارف الحدیث ص ۴۰۷ ج ۳)

بعض کا کہنا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ ایک ہی راستہ سے جاتے اور واپس اُسی سے

آتے تو سب پر اس سنت کی پیروی واجب ہوتی اور صحابہ کرامؓ کے لیے آپ ﷺ سے جدا ہو کر مختلف راستوں سے جانا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے امت کی آسانی کے لیے ایسا کیا تا کہ نماز کے بعد جس راستہ سے لوگ چاہیں واپس جائیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۳۸)

نماز عید سے پہلے یا بعد میں کچھ کھانا

(عن بریدة قال کان النبی ﷺ لایخرج یوم الفطر حتی یطعم یوم لاضحی حتی یصلی.)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ عید الفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کر تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ) عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی غالباً یہ وجہ ہو گی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ کی ضیافت ہے۔ عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھالینا (چند کھجوریں وغیرہ) غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج (عید الفطر کے دن) جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کی اجازت ملی اور اسی میں اس کی رضاء اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب ومحتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے، بندگی کا مقام یہی ہے۔

(معارف الحدیث ص ۴۰۶ ج ۲)

نبی اکرم ﷺ کا معمول

(وعن انس قال کان رسول اللہ ﷺ لایغدو یوم الفطر حتیٰ یأکل تمرات ویاکلھن وترا.) (رواہ البخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرتاجِ دو عالم ﷺ (عید الفطر کے دن) چند کھجوریں نوش فرمائے بغیر عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے، اور کھجوریں طاق عدد تناول فرماتے تھے۔

تشریح:۔ حضور پُر نور ﷺ عید کے روز عید گاہ جانے سے قبل چند کھجوریں نوش فرما کر گویا

کھانے میں جلدی کرتے تھے تاکہ پہلے دنوں یعنی رمضان المبارک سے امتیاز پیدا ہو جائے کیونکہ جس طرح روزہ کی حالت میں نہ کھانا واجب ہے، اسی طرح عید کے روز کھانا واجب ہے۔ حضور اکرم ﷺ طاق یعنی تین، پانچ، سات عدد یا اس سے کم اور زیادہ نوش فرماتے تھے، چونکہ ہر کام میں طاق عدد کی رعایت رکھنا بہتر ہے۔ اس لیے آپ ﷺ اس معاملہ میں بھی طاق کا لحاظ فرماتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ:۔

(ان الله وتر یحب الوتر) یعنی اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔

عید الفطر کے روز آپ ﷺ اس لیے کھجوریں نوش فرماتے تھے کہ وہ ہی اس وقت موجود ہوتی تھیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ کھجوریں کھانے میں یہ حکمت تھی کہ وہ میٹھی ہوتی ہیں اور مٹھاس نگاہ کی تقویت کا ذریعہ بنتی ہے، خاص طور پر خالی معدہ کے وقت تو نگاہوں کی تقویت کیلئے یہ بڑی زود اثر ہوتی ہے، لہٰذا روزوں کی وجہ سے جو ضعف ہو جاتا تھا۔ کھجوریں اپنے اثرات سے اس کو ختم کرتی تھیں۔ پھر یہ کہ شیرینی مقتضاء ایمان کے موافق ہے۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص خواب میں شیرینی کھاتے دیکھے اسے حلاوتِ ایمان نصیب ہو۔ نیز شیرینی دل کو نرم کرتی ہے، اس سبب سے شیرینی کے ساتھ افطار کرنا افضل ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۲۸۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے تین یا پانچ یا سات چھوارے یا کھجوریں کھانا مستحب ہے، اس سے کم کھائے یا زیادہ، لیکن چھوارے طاق عدد ہونے چاہئیں۔ اگر چھوارے یا کھجوریں نہ ہوں تو کوئی اور میٹھی چیز کھائے۔ اگر نماز سے پہلے کچھ نہ کھایا تو گنہگار نہ ہوگا۔ اگر نماز کے بعد بھی عشاء تک کچھ نہ کھایا تو اس پر مواخذہ ہو سکتا ہے۔ عید الاضحیٰ کا حکم وہی ہے جو عید الفطر کا ہے، لیکن اس میں عید کی نماز تک کچھ نہ کھانا چاہئے۔

بقر عید کے دن نماز سے پہلے کھانے میں دو روایتیں ہیں۔ مختار یہ ہے کہ نماز سے پہلے کھانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں لیکن نماز سے پہلے نہ کھانا چاہئے۔ مستحب یہ ہے کہ اس روز سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے، جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت (مہمان نوازی) ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۷۲ ج ۱)

یوم الاضحیٰ کو جملہ شرائطِ روزہ مستحب ہیں

سوال:۔ دسویں ذی الحجہ کو عید کی نماز سے قبل صرف نہ کھانا پینا مسنون ہے یا جملہ شرائط روزہ کی رعایت رکھنا ضروری ہے؟

جواب:۔ جملہ شرائط روزہ کا لحاظ قربانی سے پہلے مستحب ہے اور در مختار میں ہے کہ قربانی سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے اگر چہ وہ قربانی نہ کرے اور کھالے تو کچھ کراہت نہیں اور شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ رُکنا ان چیزوں سے مستحب ہے جن سے روزہ افطار ہو جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۳ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب صلاۃ العیدین ص ۷۸۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ بقرعید کے روز (قربانی ہونے تک) روزہ سے رہے، یہ محض بے اصل ہے، البتہ قربانی سے پہلے کھانا نہ کھانا مستحب ہے لیکن وہ روزہ نہیں، نہ تو کھانا فرض ہے نہ روزہ کا ثواب، نہ روزہ کی نیت ہے۔ (اغلاط العوام مکمل ص ۱۳۳)

عیدین کی نماز کا وقت

کان النبی ﷺ یصلی بنا یوم الفطر والشمس علیٰ قید رمحین والاضحی علی قید رمح

رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہوتا تھا۔ (معارف الحدیث ص ۴۰۳ ج ۳)

نماز عیدین کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے، لہٰذا اگر آفتاب (سورج) کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے تو وہ درست نہیں ہوگی بلکہ وہ فعل حرام ہوگی، یعنی ایسی نفل نماز جس سے روکا گیا ہے۔ (ایک نیزہ کی مقدار تین گز یعنی چھ ہاتھ ہوتی ہے، چنانچہ اگر عید کی نماز ہوتے ہوئے ہی آفتاب ڈھل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسے جمعہ پڑھنے میں اگر عصر کا وقت آجاتا ہے تو جمعہ فاسد ہو جاتا ہے۔ فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ

نہیں ہوگی۔البتہ اُسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا۔(درمختار ص۱۹۷ ج۱)

عید کا وقت نفلی نماز کے جائز ہونے کے وقت سے پہلے تک رہتا ہے اگر نماز پڑھنے میں زوال آفتاب ہوگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(کتاب الفقہ ص ۵۴۹ ج۱)

عیدین کی نماز کس پر واجب ہے؟

حنیفہؒ کے نزدیک ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ یہ شرائط وجوب ہوں یا شرائط صحت، شرائط صحت میں سے (ایک تو) خطبہ مستثنیٰ ہے کہ یہ نماز جمعہ میں نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔ شریک جماعت لوگوں کی تعداد میں بھی نماز عیدین مستثنیٰ ہیں کہ نماز عید کی جماعت تو ایک شخص کے شریک ہونے سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی نماز میں ایسا نہیں ہے۔ (نماز جمعہ میں کم از کم تین آدمی لازم ہیں)۔ نیز عید کی نماز میں ''جماعت'' واجب ہے، اسکا ترک کرنا گناہ ہے، اگرچہ عید کی نماز ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی یہ کیفیت نہیں ہے جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتی ہے۔(کتاب الفقہ ص ۵۴۸ ج۱)

جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب ہے اس پر عید کی نماز بھی واجب ہے۔ خطبہ کے علاوہ جمعہ میں جو شرائط ہیں وہی عیدین میں بھی ہیں لیکن عید کے دن نماز کے بعد خطبہ سنت ہے، خطبہ کے بغیر عید کی نماز جائز ہے، اگر نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھ دیا گیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ اگر عید کی نماز سے پہلے پڑھ دیا، تو نماز کے بعد خطبہ کا اعادہ نہ کریں۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۷۳ ج ۳)

نماز عیدین کے لیے نقارہ بجانا

اگر نام ونمود (دکھلاوے و بڑائی) کے لیے ہے تو جائز نہیں ہے، اگر صرف نمازیوں کو مطلع کرنے کی نیت سے بجایا جائے تو جائز ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۵ ج ۵)

نماز عیدین میں مقتدیوں کا انتظار

عیدین کی نماز کا وقت زوال آفتاب سے پہلے پہلے ہے۔ پس اس وقت تک یعنی

قبل زوال تک انتظار کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اس کے بعد نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۵ ج ۵ بحوالہ رد المختار ص ۷۷۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں نماز سے پہلے بار بار لوگ تکبیر بآوازِ بلند پڑھتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز وتکبیر وغیرہ بغرض لوگوں کو بلانے کیلئے نہ کہی جائے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۹ ج ۱)

عیدین کے دن نوافل

(عن ابن عباس ان النبی ﷺ صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلهما ولا بعدهما.) (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آنحضرت ﷺ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔

(معارف الحدیث ص ۱۴۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ حنفیہؒ کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، عیدگاہ ہو یا اور کوئی جگہ۔ اور نماز کے بعد صرف عیدگاہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں مکروہ نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۵۶۰ ج ۱)

عیدین کی نماز سے پہلے تو مطلقاً نوافل مکروہ ہیں۔ اور عید کی نماز کے بعد کا یہ حکم ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھیں، اگر گھر میں آکر پڑھ لیں تو درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۷ ج ۵ بحوالہ رد المختار ص ۷۷۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ عید کی نماز سے پہلے فجر کی قضاء جائز ہے مگر گھر میں خفیہ یعنی پوشیدگی سے پڑھے تاکہ دیکھنے والوں کو بدگمانی نہ ہو۔

مسئلہ:۔ عیدگاہ میں کراہت نوافل کی وجہ یہ ہے کہ نماز عید پر زیادتی کا وہم نہ ہو، اور نماز عید کا وقت زوال تک ہے۔ اس لیے زوال کے بعد اسی مسجد میں جہاں عید پڑھی گئی، نوافل مکروہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۲۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے فجر کی نماز نہ پڑھی تو عید کی نماز جائز ہوگی۔ نیز عید کی نماز سے

پہلے قضاء پرانی نمازیں پڑھنی جائز ہیں لیکن عید کی نماز کے بعد پڑھنی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔ (عالمگیری ص ۷۳ ج ۳)

نوافل کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟

سوال:۔عیدین کے دن نماز اشراق وچاشت کیوں نہیں پڑھتے، ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے اس روز (عیدین کے روز) اس کا پڑھنا ثابت نہیں، اور چاشت کی نماز پڑھنے کا نماز عیدین سے واپس آنے کے بعد پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔(امداد الفتاویٰ ص ۶۷۴ ج ۱)

نماز عیدین میں بچے کہاں کھڑے ہوں؟

نابالغ بچوں کے لیے تو یہ حکم ہے کہ اگر بچے جماعت میں شامل ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، خواہ عیدین کی جماعت ہو یا دیگر نمازوں کی۔ اگر بوجہ مجبوری جیسا کہ عیدگاہ میں پیش آتی ہے۔ بچے جماعت کے اندر کھڑے ہو جائیں یا نمازی کے آگے بیٹھ جائیں یا دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں تو نماز ہو جاتی ہے، لیکن یہ خلاف سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۶ ج ۵ بحوالہ رد المختار باب الامامت ص ۵۳۴ ج ۱)

مسئلہ:۔آج کل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ لے جانے کا عام رواج ہو گیا ہے، جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لیے ہوتا ہے۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ہر سال تکلیف اٹھانے کے پھر بھی لوگوں کو اس کی ذرا حس اور تمیز نہیں ہوتی۔ شاید کوئی سال ایسا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جا کر عین نماز کے وقت رونا، نہ شروع کرتے ہوں، بلکہ ایک دو تو ان میں سے پیشاب، پاخانہ بھی کر دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ (ناسمجھ) بچوں کو عیدگاہ لے جانا چھوڑ دیں۔ (اغلاط العوام ص ۱۱۹)

عیدین کی چھ تکبیروں کا جواز

حنفیہ کی دلیل (نماز عیدین میں چھ زائد تکبیرات کی یہ) حدیث ہے:۔

(عن سعید بن العاص انه سال ابا موسی الاشعریؓ وحذیفة بن الیمان کیف

کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الاضحیٰ والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعاً فی الرکعة الاولیٰ مع تکبیرة الاحرام وفی الثانیة مع تکبیرة الرکوع تکبیرہ وعلی الجنائز، فقال حذیفة صدق)(رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین ص ۱۲۶ ج ۱)

اور جس روایت میں نو تکبیریں دونوں رکعتوں میں وارد ہیں اس سے مراد بھی چھ تکبیرات زوائد ہیں۔ کیونکہ اول رکعت میں تکبیر تحریمہ وتکبیر رکوع داخل ہیں اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع داخل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۶ ج ۵)

شرح منیہ میں لکھا ہے کہ عیدین کی ہر رکعت میں تین تکبیریں علاوہ تکبیر افتتاح کے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ سے ثابت ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۵ ج ۵ بحوالہ غنیۃ المستملی باب العیدین)

نماز عیدین کی نیت

سوال:۔ عید کی نماز اس طرح نیت کر کے پڑھی۔ ”نیت کرتا ہوں دو رکعت سنت ہمراہ چھ تکبیروں کے“۔ اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اس طرح نیت کرنے سے نماز صحیح ہے کیونکہ بعض فقہاءؒ نے نماز عید کو سنت کہا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے، اس لیے زیادہ احتیاط یہ ہے کہ واجب کا لفظ کہے۔ لیکن اگر نیت میں سنت کا لفظ کہہ دیا۔ تب بھی نماز صحیح ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۲ ج ۵ بحوالہ ردالمختار باب العیدین ص ۷۷۴ ج ۱)

عیدین کی نماز کا طریقہ

حنفیہؒ کے نزدیک نماز عیدین ادا کرنے کے وقت دل سے نیت کرنا اور زبان سے کہنا چاہئے کہ ”میں عید کے نماز واسطے اللہ تعالیٰ کے پڑھنے کی نیت کرتا ہوں، اور مقتدی کو امام کے اتباع کی نیت بھی کرنا چاہئے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ اُٹھا کر ناف کے نیچے اور نمازوں کے طریقے کے مطابق باندھ لیے جائیں۔ اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں ثناء (سبحانک اللھم) آخر تک پڑھیں، پھر امام زائد تکبیرات (تین بار

اللہ اکبر) کہے اور مقتدی بھی اسی طرح کریں (اور ہر مرتبہ اللہ اکبر مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کے بعد لٹکا دے یعنی چھوڑے رہے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ ہاتھ باندھ لے) اور ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہئے جتنے عرصہ میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔ اور اس اثناء میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ نمازِ عید پڑھنے والا مقتدی یا امام ان تکبیروں میں رفع یدین (ہاتھ کانوں تک اُٹھائے) پھر امام (اعوذ باللہ الخ) اور (بسم اللہ الخ) آہستہ پڑھے، اسکے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورت اونچی آواز سے پڑھے، اور مستحب یہ ہے کہ (سبح اسم ربک الاعلیٰ) کی سورت ہو۔ اس کے بعد امام رکوع کرے اور مقتدی امام کی پیروی کریں، اور پھر سجدہ کریں۔ پھر جب دوسری رکعت شروع کریں تو سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ وہ سورت (ھل اتاک) ہو۔ سورت پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی زائد تکبیرات کہیں (یعنی پھر تین بار تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع کریں) یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں اور ہر تکبیر میں ہاتھ چھوڑے جائیں۔ باقی نماز حسب دستور پوری کی جائے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۵۵۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدین کی پہلی رکعت میں تکبیر زوائد قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد کہے، اس طرح دونوں قرأت کے درمیان تکبیر زوائد حائل نہیں ہوں گی۔

(درمختار ص ۷۹۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ عید کی تکبیر زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، اس وجہ سے حکم ہے کہ تکبیر کہہ کر ہاتھوں کو چھوڑ دیں کیونکہ ہاتھوں کا باندھنا وہاں مسنون ہے جہاں کوئی ذکر مسنون ہو، اور پھر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ (سبحان اللہ) کہنے کی مقدار خاموش رہے، خاموش رہنے کی مقدار جماعت کی زیادتی اور کمی پر ہے یعنی اگر مجمع زیادہ ہے تو دو تکبیروں کے درمیان وقفہ زیادہ کرے اور اگر کم ہو تو کم وقفہ کرے۔ مقصد یہ ہے کہ اشتباہ باقی نہ رہنے پائے۔

(درمختار ص ۷۹۲ ج ۱)

احکام عیدالاضحیٰ

عیدالفطر عیدالاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں، دونوں کا وقت ایک (ساہی) ہے، دونوں کے لیے شرطیں ایک سی ہیں، لیکن اتنا فرق البتہ ہے کہ بقرعید کی نماز تیسرے دن بارہویں ذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عذر کی وجہ سے بلا کراہت مؤخر کی جاسکتی ہے۔ اور بلا عذر بارہویں تک تاخیر کراہت کے ساتھ درست ہوگی، لہٰذا بقرعید میں عذر کراہت دور کرنے کے لیے شرط ہے، اور عیدالفطر میں نماز درست ہونے کے لیے شرط ہے یعنی بقرعید میں بلا عذر بھی بارہویں ذی الحجہ تک نماز مؤخر کرسکتے ہیں گو وہ مکروہ ہے مگر بلا عذر عیدالفطر کا دوسرے دن تک مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ (درمختار ص۷۹۶ ج۱)

مسئلہ:۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کا بھی یہی طریقہ ہے اور اس میں بھی وہ چیزیں مسنون ہیں جو عیدالفطر میں ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عیدالاضحیٰ (بقرعید) کی نیت میں بجائے عیدالفطر کے عیدالاضحیٰ کا لفظ داخل کرے۔

عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے، عیدالاضحیٰ میں نہیں ہے اور عیدالفطر میں راستے میں چلتے وقت آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے اور یہاں (بقرعید میں) بلند آواز سے۔ اور عیدالفطر کی نماز دیر کرکے پڑھنا مسنون ہے اور عیدالاضحیٰ (بقرعید) کی نماز سویرے یعنی جلدی وقت ہونے پر۔ اور عیدالاضحیٰ میں صدقہ فطر نہیں ہے بلکہ نماز کے بعد قربانی ہے اہل وسعت پر۔ اور اذان واقامت نہ عیدالفطر میں ہے اور نہ بقرعید میں۔ (بہشتی زیور ص۸۵ ج۱۱ بحوالہ شرح تنویر ۶۲ ج۱)

عیدالاضحیٰ کا خطبہ

عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی کے اور ایام تشریق کے مسائل واحکام بیان کرے تاکہ لوگ واقف ہوں، طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ عیدالاضحیٰ سے پہلے والے جمعہ میں ہی احکام قربانی وغیرہ بیان کرنا مناسب ہے۔ (درمختار ص۸۰۰ ج۱)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر

عیدالاضحیٰ میں عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) کہتے ہوئے جائیں۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ:۔عیدالاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے، اگر کوئی نماز عیدالاضحیٰ سے پہلے کھالے گا تو یہ مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوگا کیونکہ بدائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد کھائے۔(درمختار ص ۷۹۶ ج ۱)

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ مسلمان برابر اسی طرح کرتے آئے ہیں لہٰذا انکی پیروی واجب ہے اور علماء بلخ کا یہی مسلک ہے۔عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے۔(درمختار ص ۸۰۰ ج ۱)

نماز عیدین بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے

(عن جابر بن سمرۃ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ العیدین غیر مرۃ و لامرتین بغیر اذان و لااقامۃ.)(رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے، ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔

(صحیح مسلم۔معارف الحدیث ص ۴۰۰ ج ۳)

اس حدیث شریف اور فقہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین میں اذان تکبیر (اقامت) اور ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' وغیرہ الفاظ کہہ کر پکارنا کچھ نہیں ہے مسنون طریقہ یہی ہے۔(یعنی بغیر اذان و اقامت)(فتاویٰ دارالعلوم ۲۳۷ ج ۵)

☆☆

نفل کی نیت سے دوبارہ نمازِ عید پڑھنا

نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوجانے سے کچھ گناہ نہیں، کیونکہ شرعاً بعض موقع پر ایسا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں ہے کہ جس نے ظہر اور عشاء کی نماز پڑھ لی ہو اور بوقت اقامت جماعت وہ مسجد میں ہو تو وہ جماعت کو چھوڑ کر وہاں سے نہ نکلے اور نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہوجائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۷ ج ۵، بحوالہ رد المختار باب ادراک الفریضہ ص ۶۶۸ ج ۱)

خطبۂ جمعہ وعیدین میں فرق ہے

(۱) خطبۂ عیدین جمعہ کی طرح نماز کیلئے شرط نہیں، بلکہ بغیر خطبہ بھی نمازِ عیدین صحیح ہوجاتی ہے۔

(۲) عیدین کا خطبہ فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

(۳) خطبۂ عیدین بعد نمازِ عید پڑھا جاتا ہے۔

علامہ شامیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ ”فرق درمیان خطبہ جمعہ وعیدین کے یہ ہے کہ خطبہ عیدین میں سنت ہے شرط نہیں اور یہ کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے بخلاف جمعہ کے“۔

بحر الرائق میں ہے کہ اگر عیدین میں بالکل خطبہ نہ پڑھا جائے تو نماز صحیح ہوجائے گی اگرچہ ترکِ سنت سے گنہگار ہوں گے۔ اسی طرح نماز سے پہلے خطبہ پڑھنے میں خلافِ سنت کا گناہ ہوگا البتہ نماز درست ہوجائے گی۔

امورِ مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبۂ عیدین میں عربی خطبہ پڑھ کر اُردو (یا مقامی زبان میں) ترجمہ سنا دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرطِ نماز یا دو رکعت کے قائم مقام ہو۔ دوسرے چونکہ خطبہ عید کی نماز کے بعد ہوتا ہے تو جب خطبۂ عربی سے فراغت ہوگی تو نمازِ عید اور اس کی سنت ادا ہوگی۔ اب خالی وقت ہے اس میں بطورِ تبلیغ احکام کے ترجمہ سنا دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور تطویل خطبہ بھی لازم نہیں آتا کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر کوئی شخص جانا چاہے تو کوئی حرج اس پر عائد نہیں ہوتا۔ بخلاف جمعہ کے خطبہ کے کہ وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوئی، نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے۔

(خلاصۃ الاجوبہ فی عربیہ، از مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

عیدین کا خطبہ کیسے دیا جائے؟

عید کے خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں اول مسلسل نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ۔ یہ سنت ہے اور مستحب یہ ہے کہ منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ۔ اللہ اکبر کہے۔ اور جب عید کے خطبہ کیلئے منبر پر چڑھے تو خطبہ سے پہلے نہ بیٹھے، ہمارے نزدیک یہی طریقہ مسنون ہے، کیونکہ منبر پر بیٹھنا دراصل اذان ختم ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے اور عید کے خطبہ میں اذان نہیں ہے اس لیے نہ بیٹھے۔ (درمختار ص ۷۹۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ دونوں خطبوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۷۳ ج ۱)

مسئلہ:۔ بعد نماز عیدین امام منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے، یہی سنت ہے، نماز اور خطبہ کی جگہ ایک نہیں ہوتی ہے۔ نماز پڑھانے کے لیے امام نیچے کھڑا ہوتا ہے اور خطبہ منبر پر جا کر پڑھتا ہے (یہ غلط ہے کہ جس جگہ نماز پڑھے اسی جگہ خطبہ پڑھے)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۲ ج ۵)

خطیب کیا بیان کرے؟

خطبہ میں صدقہ فطر اور اس کے احکام بیان کرے اور بتلائے کہ صدقۂ فطر کس پر واجب ہوتا ہے؟ کس کے لیے واجب ہوتا ہے؟ کب واجب ہوتا ہے؟ کس قدر واجب ہوتا ہے؟ کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟

عیدالاضحیٰ کے روز خطیب اللہ اکبر اور سبحان اللہ پڑھے، وعظ کہے، قربانی و ذبح کے احکام بتلائے اور تکبیر تشریق سکھلائے، جب امام خطبہ میں اللہ اکبر پڑھے تو قوم بھی اس کے ساتھ پڑھے (دل دل میں) اور جب امام درود پڑھے تو سننے والے بھی اپنے دل میں درود شریف پڑھیں، لیکن خاموش رہنا سنت ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۷۳ ج ۱)

اور مناسب یہ ہے کہ عیدین سے پہلے جو جمعہ ہو اس میں لوگوں کے سامنے احکام فطرہ بیان کر دے تا کہ لوگ وقت پر صدقۂ فطر ادا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید سے دو دن پہلے وعظ فرماتے اور اس میں صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرماتے۔ (درمختار ص ۷۹۴ ج ۱)

عید کی نماز ختم کرنے کے بعد (امام یا خطیب) دو خطبے پڑھے اس کا پڑھنا سنت

ہے۔ اگر کوئی عید کی نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ دے تو یہ گو درست ہے مگر بُرا کرنے والا ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی، اور سنت کو چھوڑ دیا۔ اور جو چیزیں نماز جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہیں وہی چیزیں نماز عیدین میں بھی مسنون اور مکروہ ہیں، صرف دو چیزوں میں جمعہ اور عیدین کے اندر فرق ہے۔ ایک یہ کہ عید میں خطبہ سے پہلے تکبیر کہنا مسنون ہے اور جمعہ میں یہ مسنون نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ جمعہ میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر امام کا بیٹھنا مسنون ہے۔ اور عیدین میں بیٹھنا مسنون نہیں ہے۔ (درمختار ص ۷۹۳ ج ۱)

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ منبر پر جانے کے بعد ہی خطبہ شروع کر دیا جائے اور بیٹھا نہ جائے۔ (کتاب الفقہ ص ۵۶۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین کے خطبے جمعہ کے خطبوں کی مانند ہیں۔ خطبوں میں صرف ایک رکن ہے یعنی ذکر اللہ، کم ہو یا زیادہ، اس میں شامل ہے۔ لہذا خطبوں کے لیے صرف حمد یا تسبیح و تہلیل کافی ہے، ہاں ان میں سے کسی ایک امر پر انحصار کر لینا مکروہ تنزیہی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک دوسرا خطبہ شرائط خطبہ میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ سنت ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۵۶۱ ج ۱)۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے مکمل و مدلل مسائل نماز جمعہ باب نہم)

مسئلہ:۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز عیدین عیدگاہ اور صحرا میں پڑھنا افضل اور مستحب ہے اور منبر کے وہاں لے جانے میں اختلاف نقل کیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ منبر وہاں لے جانا عیدگاہ میں مکروہ ہے۔ البتہ اگر وہاں عیدگاہ میں منبر بنا لیا جائے اور تعمیر کر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ خطبۂ عیدین منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنا ناجائز ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۶ ج ۵)

مسئلہ:۔ زیادہ دراز کرنا خطبہ کا مکروہ ہے، لیکن خطبہ جس قدر بھی ہو سننا اسکا ضروری ہے۔ کراہت خطبہ کے دراز کرنے والے کے حق میں ہے۔ سننے والوں پر تمام خطبہ کا سننا واجب ہے۔ فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۴ ج ۵، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳ ج ۱ باب الخطبہ والصلوٰۃ)

مسئلہ:۔ عیدین میں اگر ضروری مسائل خطبہ کے درمیان بیان کرنا ہوں تو قلیل ہونا چاہیئے۔ اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۷۱۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن جب خطبہ پڑھا جائے اور کوئی شخص وہاں موجود ہو تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے، اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔ (امداد المفتین ص ۸۷)

مسئلہ:۔ عیدین کا خطبہ تو سنت ہے لیکن اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، خواہ خطبہ سنائی دے یا نہ دے۔ (درمختار ص ۵۸۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ نماز عید کے خطبہ کے وقت صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہتر ہے۔ صحابہ کرامؓ صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ (بلوغ المرام ص ۵۵)

مسئلہ:۔ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جائے تو درست ہے۔ مگر مداومت (دائمی طور پر ترکِ سنت) کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا دوسرا انتظام کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۲ ج ۵)

مسئلہ:۔ خطیب عیدین کے خطبہ میں جب تکبیرات کہہ لے تو حاضرین آہستہ آہستہ تکبیر کہہ سکتے ہیں اور خطیب آیتِ کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ﴾ الخ۔ پڑھے تو حاضرین دل ہی دل میں درود پڑھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۰ ج ۵)

مسئلہ:۔ اگر نماز سے پہلے یا خطبہ کے بعد چندہ ہو تو مضائقہ نہیں، خطبہ کے دوران اسکی یعنی چندہ کی اجازت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۸ ج ۵)

قرأت کے بعد شامل ہونے کے مسائل

اگر مقتدی امام کو قیام میں اس وقت پائے جب وہ تکبیر زوائد کہہ چکا تھا، تو مقتدی اس وقت اپنے مذہب کے مطابق تکبیر زوائد کہہ لے، کیونکہ وہ مسبوق یعنی بعد میں شامل ہونے والا ہے اور مسبوق اپنی نماز میں امام کا تابع نہیں ہوتا ہے، چنانچہ حنفی تین تکبیر زوائد کہہ کر امام کے ساتھ ملے گا۔ اور اگر اس مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو جب وہ اپنی یہ رکعت پوری کرنے چلے تو پہلے قرأت کرے اور پھر قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے اور اس کے بعد رکوع میں جائے، تاکہ اس کی تکبیریں پے درپے نہ ہو جائیں بلکہ دونوں میں قرأت کا فاصلہ ہو جائے۔ (درمختار ص ۷۹۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر مقتدی نے ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ امام رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی قیام میں تکبیر نہ کہے، بلکہ وہ امام کے ساتھ رکوع کرے اور رکوع میں ہی تکبیر زوائد کہہ لے، صحیح قول یہی ہے اس وجہ سے کہ رکوع کے لیے قیام کا حکم ہے۔ لہٰذا اس میں مسنون کے ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ واجب کو ادا کرے (مسنون رکوع کی تسبیح ہے اور واجب تکبیر زوائد، رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم اس وقت تک ہے جب کہ دوسری رکعت میں ملنے والے مقتدی کو خوف ہو کہ اگر تکبیر زوائد کہہ کر رکوع میں گیا تو اس وقت تک امام رکوع سے سر اٹھا لے گا۔

مسئلہ:۔ جس طرح خود امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے بغیر رکوع میں چلا جائے تو یہ امام بھی رکوع میں تکبیر زوائد کہے گا، تکبیر زوائد کے لیے رکوع سے قیام کی طرف واپس نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ نماز عیدین میں تکبیر زوائد کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھائے، اگر چہ اس کا امام ہاتھ اٹھانے کا قائل نہ ہو، مگر جب ان تکبیرات زوائد کو رکوع میں ادا کرے گا تو دونوں ہاتھوں کو وہ کانوں تک نہیں اٹھائے۔ مذہب مختار یہی ہے۔ اس لیے کہ رکوع میں نمازی کا اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے اور تکبیراتِ زوائد میں گو ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے مگر یہ اس کا محل نہیں ہے۔ لہذا یہ جس کا محل ہے اُسے اختیار کیا جائے گا۔ (درمختار ص۹۲ ۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ عیدین کی نماز میں تکبیرِ زوائد کے بعد شامل ہونے والے کے لیے حکم یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیر زوائد کہہ لے، اگر چہ امام قرأت شروع کر چکا ہو، اور اگر امام کو رکوع میں پایا تو تکبیرات کہہ کر رکوع میں جائے، البتہ اگر امام کے ساتھ رکوع نہ مل سکنے کا خطرہ ہو تو رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیرات کہہ لے. اگر تکبیرات کی تکمیل سے پہلے امام رکوع سے اٹھ گیا تو بقیہ تکبیریں ساقط ہو جائیں گی۔ یعنی معاف ہو جائیں گی۔

اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر جو رکعت پڑھے گا اس میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تکبیرات کہے، اور اگر تشہد میں شریک

ہوا تو بعینہ اسی طرح دو رکعتیں تکبیرات کے ساتھ پڑھے جس طرح امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۴۳ ج ۴۔ بحوالہ ردالمحتار ص ۷۸۱ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو تکبیر زوائد نہ پڑھے بلکہ امام کی نماز ختم ہونے پر فوت شدہ رکعت کو مع تکبیراتِ زوائد کے ادا کرے۔

(کتاب الفقہ ص ۵۵۱ ج ......)

مسئلہ:۔ رفع یدین (نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا) تکبیراتِ زوائد عیدین میں سنت ہے۔ اگر رفع یدین نہ کیا نماز تو ہوگئی۔ لیکن آئندہ کو ایسا نہ چاہئے اس سنت کو ادا کرنا چاہئے۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ تکبراتِ عید واجب ہیں، علاوہ تکبیر افتتاح و رکوع کے تین تین واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی تکبیر چھوڑ دے گا ترکِ واجب ہوگا اور واجب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے مگر چونکہ نمازِ عیدین میں سجدۂ سہو نہیں ہے لہٰذا نماز (عیدین) ہو جائے گی۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۳۰۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر کوئی ایسے وقت عیدگاہ میں پہنچا کہ نماز عید ہو رہی ہے اور وہ بے وضو ہے تو اگر اس کو ظن غالب ہو کہ وضو کے بعد نماز کا کوئی حصہ مل جائے گا تو وضو کر کے نماز میں شریک ہو جائے، ورنہ تیمّم کر کے نماز میں شریک ہو جائے۔ (طحطاوی ص ۶۳)

مسئلہ:۔ اگر کسی کی وضو عیدین کی نماز کے درمیان ٹوٹ جائے تو فوراً وہیں تیمّم کر کے نماز میں شریک ہو جائے۔ (طحطاوی ص ۶۳)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ (بقرعید) کی نماز میں ایسے وقت شامل ہوا کہ امام تکبیروں سے فارغ ہو چکا ہو، تو اگر قیام میں آ کر شریک ہوا تو فوراً تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تین زائد تکبیریں کہہ لے، اگرچہ امام قرأت کر رہا ہو، اور اگر اس وقت پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ اور تینوں تکبیریں کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے۔ اور اگر رکوع کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں شامل ہو جائے اور رکوع کی حالت میں رکوع کی تسبیح (سبحان ربی العظیم) کے بجائے زائد تکبیریں کہہ لے اور ہاتھ

کانوں تک نہ اٹھائے اور اگر زائد تکبیروں کے کہنے سے پہلے ہی امام رکوع سے کھڑا ہو جائے تو جتنی بھی تکبیریں کہہ چکا ہے ٹھیک ہے، باقی تکبیریں چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے، اب تکبیریں معاف ہو جائیں گی۔

مسئلہ:۔ اور اگر عیدین کی نماز میں صرف دوسری رکعت ملی تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنی رکعت کو اس طرح پوری کرے۔ پہلے قرأت کرے، بعد میں زائد تکبیریں کہے پھر رکوع کرے، یہ خیال نہ کرے کہ یہ تو پہلی رکعت ہے کی زائد تکبیریں قرأت سے پہلے کرلوں۔

(درمختار ص۵۸۴ ج۱)

عیدین کی جماعت نہ ملنے کا حکم

جس کی نماز عید چھوٹ گئی ہے اگر اس کے لیے دوسری جگہ جماعتِ عید میں جانا ممکن ہو تو اس کو وہاں جانا چاہئے تاکہ وہاں جا کر نمازِ عید ادا کرے، اس وجہ سے کہ عید اور بقرعید کی نماز ایک شہر میں اور بڑے قصبہ میں بالاتفاق متعدد جگہ ادا کی جا سکتی ہے، لیکن اگر وہ وہاں جانے سے مجبور ہو اور نہ جا سکتا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ چار رکعت چاشت کی نماز کی طرح ادا کرے، یہ نماز عید کی نماز نہیں ہوگی بلکہ چاشت کی نماز ہوگی (اس طرح ثواب میں جو کمی رہ گئی تھی اس کی کسی درجہ میں تلافی ہو جائے گی۔ (درمختار ص۷۹۵ ج اول) محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز صحیح ہونے کے لیے نماز جمعہ کی طرح جماعت شرط ہے۔ اگر امام کے پیچھے (نماز عیدین) نہ پڑھی جا سکے تو اب (شرعاً) اس کی قضاء کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، نہ وقت کے اندر نہ اسکے بعد۔ اگر کوئی شخص اس کی قضاء تنہا پڑھنی چاہے تو چار رکعتیں بغیر تکبیرات زوائد کے پڑھ لے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ (اَعلیٰ) اور دوسری رکعت میں سورۂ (الضحیٰ) تیسری میں (الم نشرح) اور چوتھی میں (والتین) پڑھی جائے۔ (کتاب الفقہ ص۵۵۵ ج......)

رکوع نہ کرنے والوں کا حکم

سوال:۔ عید الفطر کی دوسری رکعت میں امام تکبیراتِ زوائد بھول کر رکوع میں

چلا گیا اور مقتدی کھڑے رہے اور امام سجدہ میں چلا گیا پھر مقتدی بھی سجدہ میں چلے گئے اور رکوع اکثر مقتدیوں کا نہیں ہوا۔ امام نے سجدۂ سہو کرلیا تو نماز مقتدیوں کی ہوئی یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں امام کی نماز اور ان مقتدیوں کی جنہوں نے رکوع کرلیا ہوگئی، اور ان لوگوں کی جنہوں نے رکوع نہیں کیا نماز نہیں ہوئی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۰ ج ۱)

عیدین کی جماعتِ ثانیہ کا حکم

ایک عیدگاہ میں عید کی دوبارہ نماز پڑھنے سے نماز صحیح تو ہو جائے گی مگر جن عوارض کی وجہ سے مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت کرنا مکروہ ہے وہ یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں پر قباحت مزید یہ ہے کہ انتظام میں خلل اور عوام میں انتشار کا خطرہ ہے۔ اس لیے یہ (بعد میں پہنچنے والے) لوگ عیدگاہ کی بجائے دوسرے مقام میں عید کی جماعت کریں (احسن الفتاویٰ ص ۱۲۵)

(بہتر تو یہی ہے کہ جماعت نہ کریں، بلکہ جہاں دیر میں جماعت ہوتی ہو وہاں شریک ہو جائیں (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جماعتِ ثانیہ کا حکم

عیدگاہ اور عیدگاہ کے باہر بھی اگر جگہ نہ ہو اور لوگ نماز ادا کرنے سے رہ جائیں تو باقی ماندہ لوگ ایسی مسجد میں جہاں نمازِ عید نہ پڑھی گئی ہو، دوگانۂ عید ادا کریں، اگر ایسی جگہ نہ ہو تو ہال (یا کسی دوسری جگہ) میں پڑھیں مگر وہاں سب کو نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے اور دوسری جماعت میں دوسرا امام ہونا ضروری ہے۔ جس نے پہلی مرتبہ نماز ادا کرلی ہے وہ امام نہیں بن سکتا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۰ ج ۵)

مجبوری کی بناء پر جماعتِ ثانیہ

سوال:۔ یہاں انگلینڈ میں بڑا ہال نماز کے لیے نہیں ملتا، جس کی بناء پر چھوٹے ہال میں نمازِ عیدین پڑھی جاتی ہے۔ اس میں پہلی بار مقامی امام نماز پڑھاتے ہیں لیکن نمازی زیادہ ہونے کی بناء پر اسی ہال میں نماز مکرر با جماعت ہوتی ہے۔ دوسری بار بھی اسی قدر نمازی ہوتے ہیں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جہاں عیدگاہ نہ ہواور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہوتو جنگل میں کوئی میدان تجویز کرلیا جائے اور وہاں نمازِ عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہوتو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نمازِ عید پڑھی جائے۔ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہوتو باقی نمازوں کے لیے دوسری جگہ نماز کے لیے تجویز کردی جائے۔ بلاعذرِ شرعی اور بلا مجبوری کے ایک ہی جگہ دوبارہ، سہ بارہ جماعت نہ کی جائے۔باوجود سعی اور کوشش کے دوسری جگہ میسر نہ ہوسکے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہوتو دوبارہ نمازِ عید اسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے۔ پہلا امام دوسری جماعت کا امام نہیں بن سکتا۔ اور امام عید کیلئے اعلان کرکے چندہ کرنا غلط ہے جسکو جس قدر گنجائش ہو اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دیدے تو اسمیں کوئی حرج نہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۶ ج ۵)

مسئلہ:۔نمازِ جمعہ وعیدین کے صحیح ہونے کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر اور فناءِ شہر میں پڑھ سکتے ہیں۔(ہدایہ ص ۱۸۴ ج ۱۔طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۹۳)

مسئلہ:۔نماز کے لیے جگہ کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں۔ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ (وغیرہ) میں بھی ادا ہوجاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو۔یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو۔(درمختار مع الشامی ص ۶۱۷ ج ۱ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۴ جلد اول)

عیدین کا وجوب اور قضاء نہ ہونے کی وجہ

سوال:۔نماز عیدین واجب ہے یا نفل؟ اور اس کی قضاء کیوں نہیں ہے حالانکہ وتر کی قضاء ہے۔

جواب:۔عید کی نماز واجب ہے اور اگر کسی شخص سے جماعت عیدین فوت ہوجائے تو پھر اس کی قضاء نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے اور وتر میں جماعت شرط نہیں ہے اور اس میں تحدید وقت بھی نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۱ ج ۵۔بحوالہ ردالمختار ص ۷۷۴ ج ۱، باب العیدین)۔

☆☆

عیدین کی نماز کے بعد دُعاء

ہمارے حضرات اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ، اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ، اور دیگر اساتذۂ کرام مثلاً حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ، سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند اور مولانا محمود حسن قدس سرہ، وغیرہ ہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد نماز عیدین کے بھی تمام نمازوں کی طرح ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگتے تھے۔ اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے۔ لہٰذا راجح قول ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعاء بعد نمازِ عیدین بھی مستحب ہے۔ اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعاء ہونا ثابت ہے۔ پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جب کلیۃً دعاء کا مستحب ہونا نمازوں کے بعد ثابت ہو گیا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد تصریح وارد ہو۔ عام طور سے نمازوں کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے، لہٰذا عیدین کے بعد بھی دعاء مانگنا مسنون و مستحب ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۸/ و ص ۱۹۰ ج ۵)

حصنِ حصین میں وہ احادیث (دعاء سے متعلق) مذکور ہیں اور ہمارے اکابر کا یہی معمول رہا ہے۔ بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعاء مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعاء کا استحباب ثابت ہے، پھر عیدین کی نمازوں کو الگ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ احادیث معروف و مشہور مشکوٰۃ شریف اور حصنِ حصین میں مذکور ہیں، ان کے نقل کی ضرورت نہیں ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۵ ج ۵)

نوٹ:۔ قارئین کرام کیلئے یہ ایک خطبہ نقل کیا جا رہا ہے، اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی کو لازم وضروری سمجھیں۔ البتہ اگر جی چاہے تو یہی خطبہ یا اسی جیسا کوئی بھی خطبہ پڑھ سکتے ہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور حضور ﷺ پر درود شریف اور آپ ﷺ کے صحابہؓ وخلفاء راشدینؓ واہلِ بیت وغیرہ کا ذکر موجود ہو (محمد رفعت قاسمی)۔

خطبہ عید الفطر

(اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ

الحمدالحمدلله النعم المحسن الديان ذى الفضل والجودوالاحسان ذى الكرم والمغفرة والامتنان. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. ونشهدان لااله الاالله وحده لاشريك له ونشهدان سيدناومولانامحمداً عبده ورسوله الذى ارسل حين شاع الكفرفى البلدان. صلى الله عليه وعلىٰ اله واصحابهٖ مالمع القمران وتعاقب الملوان. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. امابعدفاعلمواان يومكم هٰذايوم عيدلله عليكم فيه عوائدالاحسان. ورجاء نيل الدرجات والعفووالغفران. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. وقدقال رسول اللهﷺ ان لكل قوم عيداًوهذاعيدنا. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. وقال رسول اللهﷺ فاذاكان يوم عيدهم يعنى يوم فطرهم باهىٰ بهم ملٰئكته فقال ياملٰئكتى ماجزاء اجيروفىٰ عمله قالواربناجزاءه ان يوفى اجره قال ملٰئكتى عبيدى وامآئى قضوافريضتى عليهم ثم خرجوايعجون الى الدعآء وعزتى وجلالى وكرمى وعلوى وارتفاع مكانى لاجيبنهم فيقول ارجعواقدغفرت لكم وبدلت سياٰتكم حسنات قال فيرجعون مغفوراًلهم. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. وهٰذاالذى ذكرفى ذٰلك اليوم كان فضله واما احكامه من صدقة الفطروالصلوٰة والخطبة قدكتبناهافى الخطبة التى قبله. نعم لقيت المسئلتان فنذكرهماالأن. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. الاول قال عليه الصلوٰة والسلام من صام رمضان ثم اتبعه ستاًمن شوال كان كصيام الدهر، الثانيه كان النبىﷺ يكبربين اضعاف الخطبة يكثرالتكبيرفى خطبة العيدين. الله اكبرالله اكبرلااله الاالله والله اكبرالله اكبرولله الحمد. اعوذبالله من الشيطٰن الرجيم قدافلح من تزكى وذكراسم ربه فصلى.)

ترجمہ آیات واحادیث خطبہ عیدالفطر

حدیث اول:۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث دوم:۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اُن کی عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے پس ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو کیا بدلہ ہے اس شخص کا جس نے اپنے کام پورا کر دیا ہو وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کا ثواب پورا دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے اور بندیوں نے میرے فرض کو پورا کر دیا جوان پر ہے پھر نکلے فریاد کرتے ہوئے، قسم ہے عزت وجلال کی اور اپنے کرم کی اور علو (شان) کی اور اپنے مرتبہ کے بلند ہونے کی۔ میں ضرور ان کی دعاء قبول کروں گا۔ پھر اپنے بندوں سے خطاب فرماتا ہے کہ لوٹ جاؤ تم تحقیق میں نے تم کو بخش دیا اور بدل دیا تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے۔ (آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، پس وہ (نماز کے بعد بخشے ہوئے لوٹتے ہیں (بیہقی فی شعب الایمان) اور صدقہ فطر کا مسئلہ اوپر گزر چکا ہے اس جگہ دو مسئلے اور لکھے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ:

حدیث سوم:۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو ایسا ہو گیا جیسا کہ ہمیشہ (یعنی سال بھر روزے رکھے۔ مسلم)۔

فائدہ:۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ پس رمضان کے روزہ رکھنے سے دس ماہ کے روزوں کا ثواب مل چکا چھ روزے اور رکھے تو بقیہ دو ماہ کا ثواب حاصل ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے:۔

حدیث چہارم:۔ حضور ﷺ عیدین کے خطبہ میں تکبیر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ (عین ابن ماجہ)

آیات مبارکہ:۔ اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ نے کہ بیشک نجات پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃ دی۔ (یعنی صدقۂ فطر ادا کیا، پھر اللہ کا نام لیا (یعنی تکبیر پڑھی، پھر نماز پڑھی۔ عبید بن

حمیداورابن المنذ ر نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے زکوٰۃ سے مرادصدقہ فطراورنماز سے عیدمرادہونانقل کیاہے۔(کذافی الدرالمنثور)اورحضرت مؤلف سلمہ نے فرمایاہے کہ اگر(ذکر اسم ربہ) سے راستے میں تکبیر کہنا مراد لےلیاجاوےتو بعیدنہیں ہے۔

اضافہ:۔(الف) اورحضرت انسؓ نے فرمایاہے کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ میں)تشریف لائے اوراُن (اہل مدینہ) کیلئے دودن تھے(جن میں وہ کھیل کودکیا کرتے تھے)پس آپ ﷺ نے دریافت فرمایایہ دودن کیاہیں انہوں نے عرض کیاکہ اُن میں ہم کھیل کو دکیاکرتےتھے زمانہ جاہلیت میں، پس رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاکہ تم کواللہ نے ان دونوں کے بدلے میں اُن سے اچھے دودن عطافرمائے ہیں۔بقرعیدکادن اورعیدکادن۔(ابوداؤد)

(ب:۔اورارشادفرمایارسول اللہ ﷺ نے کہ جب عیدکادن ہوتاہے توفرشتے راستے کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔پس پکارتے ہیں کہ اے مسلمانوکےگروہ چلورب کریم کی طرف جواحسان کرتاہے بھلائی کے ساتھ پھراس پربہت ثواب دیتاہے۔(یعنی خودہی توفیق عبادت دیتاہے پھرخودہی ثواب عنایت کرتاہے)اورتحقیق تم کوقیام لیل کاحکم دیاگیاپس تم نے قیام کیااورتم کوروزے رکھنے کاحکم دیاگیاپس تم نے روزے رکھے،اوراپنے پروردگارکی اطاعت کی پس تم انعامات حاصل کروپھرجب نمازپڑھ چکتے ہیں تومنادی پکارتاہے آگاہ ہوجاؤبےشک تمہارے رب نے تم کوبخش دیاپس لوٹوتم اپنے گھروں کی طرف کامیاب ہوکرپس وہ یوم الجائزہ ہےاوراس دن کانام آسمان میں یوم الجائزہ اورانعام کادن رکھاجاتاہے۔(عین جمع الفوائدعن الکبیر)

خطبہ عیدالاضحیٰ

(اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبرولله الحمد. الحمدلله الذی جعل لکل امة منسکالیذکرواسم الله علیٰ مارزقهم من بهيمة الانعام وعلم التوحيدوامربالاسلام. الله اكبر الله اكبر لااله الاالله والله اكبر الله اكبرولله الحمد. ونشهدان لااله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدناومولانامحمداًعبده ورسوله الذی

هدانا الیٰ دار السلام. الله اکبر الله اکبر لا الٰہ الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. صلی الله علیه وعلیٰ اله واصحابه الذین قاموا باقامة الاحکام. وبذلوا انفسهم واموالهم فی سبیل الله فیالهم من کرام. وسلم تسلیماً کثیراً. الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. امابعدفاعلموا ان یومکم هٰذیوم عیدشرع لکم مافیه مع اعمال اخر قدسبقت فی الخطبة قبل هٰذالعشر ذبح الاضحیة بالاخلاص وصدق النیة. وبین نبیه وصفیه صلی الله علیه وسلم وجوبهاوفضائلها. ودون علماء امتہ من ستہ فی کتب الفقه مسائلها. الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. فقدقال علیه الصلوٰة والسلام ماعمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی الله من اهراق الدم وانه لیاتی یوم القیٰمة بقرونهاواشعارهاواظلافهاوان الدم لیقع من الله بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوابهانفساً. الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. وقال اصحاب رسول الله ﷺ یارسول الله ماهٰذه الاضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم علیه السلام قالوافمالنافیهایارسول الله قال بکل شعرة حسنة قالوافالصّوف یارسول الله قال بکل شعرة من الصّوف حسنة. الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. وقال علیه الصلوٰة والسلام من وجدسعة لان یضحی فلم یضح فلایحضر مصلانا. الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد. وقال ابن عمر الاضاحی یومان بعدیوم لاضحیٰ. وعن علی مثله وهٰذابعض من الفضائل. وتعلموامن العلماء المسائل اعوذبالله من الشیطٰن الرجیم. لن ینال الله لحومها ولادمآءهاولکن یناله التقویٰ منکم کذٰلک سخرهالکم لتکبروالله علیٰ ماهدٰکم وبشر المحسنین.)

☆☆

ترجمہ آیات واحادیث خطبہ عید الاضحیٰ

حدیث اول:۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کا کوئی عمل بقرعید کے دن اللہ تعالیٰ کو(قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں اور بے شک خون (قربانی کا) زمین پر گرنے سے پیشتر ہی جناب الٰہی میں قبول ہوجاتا ہے پس خوش کرو اس (قربانی) کے ساتھ اپنا دل۔(ترمذی، ابن ماجہ)

حدیث دوم:۔اور صحابہؓ نے عرض کیا اے رسولِ خدا قربانیاں کیا ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (خدا کی بڑی رحمت ہے کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا اور ہم ایک بکری وغیرہ کو ذبح کرتے ہیں مگر اسی پر ہم کو انکا پیروکار قرار دیا گیا، عرض کیا پس ہمارے لیے ان میں کیا ہے اے اللہ کے رسول ﷺ۔ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے عرض کیا (بھیڑ وغیرہ کی) اُون میں کیا ملتا ہے (اے اللہ کے رسول ﷺ) آپ ﷺ نے فرمایا اُون میں بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔(احمد وابنِ ماجہ)

حدیث سوم:۔اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص نے وسعت پائی قربانی کرنے کی (یعنی صاحب نصاب ہو اور پھر بھی قربانی نہیں کی پس وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے (کس قدر دھمکی ہے قربانی نہ کرنے والے کے واسطے) (عین ترغیب میں عن الحاکم" مرفوعا"مع التصحیح موقوفاً ولعلا لشبہ وھو مع ذالک مرفوع حکما.)

حدیث چہارم:۔اور حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قربانی بقرعید سے دو دن بعد تک بھی جائز ہے۔

حدیث پنجم:۔اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔(مالکؒ)

آیت مبارکہ:۔اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے پاس نہ انکا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ولیکن اسکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔اسی طرح اُن جانوروں کو تمہارا زیرِ حکم کردیا جاتا ہے۔تم اس بات پر اللہ کی تعریف بیان کیا کرو کہ اس نے تم کو (قربانی وغیرہ) کی توفیق دی اور (اے محمد ﷺ) اِخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اضافہ:۔(الف)۔اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اے فاطمہؓ اپنی قربانی کی طرف اُٹھ

پس اس کے پاس حاضر ہو کیوں کہ تیرے لیے (اُس کا عوض) یہ ہے کہ اس کے خون سے جو اول قطرہ ٹپکے اس کے بدلے تیرے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاویں۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا اے رسول خدا کیا یہ بات خاص ہم اہل بیت کے واسطے ہے یا ہمارے اور سب مسلمانوں کے واسطے ہے۔ (عین ترغیب عن البز ادوابی الشیخ)

فائدہ:۔ اگر وہاں کوئی غیر محرم نہ ہو تو عورت کو بھی قربانی کے پاس کھڑا ہونا مستحب ہے اور اگر وہاں غیر محرم ہو تو پھر پردہ ضروری ہے۔

(ب):۔ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص نے قربانی کی۔ دل کی خوشی کے ساتھ طلب ثواب کے لیے وہ قربانی اس کے واسطے (دوزخ) کی آگ سے آڑ ہوگی۔

(خطبات الاحکام)۔ (عین ترغیب عن کبیر الطبرانی)

دوسرا خطبہ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له. ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله. اعوذبالله من الشيطٰن الرجيم ط ان الله وملٰئكته يصلون على النبى ياايهاالذين اٰمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً. اللهم صل على محمد وعلى اٰل محمد بعدد من صلى وصام. وصل على محمد وعلى ال محمد بعدد من قعد وقام. وصلى الله عليه وعلى جميع الانبياء والمرسلين والملئكة المقربين والخلفآء الراشدين خصوصًا علٰى خيرالبشر بعدالانبيآء بالتحقيق. اميرالمؤمنين ابى بكرنِ الصديق رضى الله تعالى عنه وعلى مزين المنبر والمحراب. اميرالمؤمنين عمربن الخطاب رضى الله تعالى عنه وعلى كامل الحيآء والايمان اميرالمؤمنين عثمان بن عفان رضى الله تعالى عنه وعلى مظهر العجآئب الغرائب اميرالمؤمنين على بن ابى طالب كرم الله وجهه. وعلى الايمامين الهمامين السعيدين الشهيدين ابى

محمد الحسن وابی عبدالله الحسین رضی الله تعالی عنهما وعلی امهما سیدة النسآء فاطمة الزهرآء رضی الله عنها وعلی عمیه المکرمین بین الناس ابی عمارة الحمزة وابی الفضل العباس رضی الله تعالی عنهما وعلی الستة الباقیة من العشرة المبشرة وسائر المهاجرین والانصار والتابعین الابرار الاخیار الی یوم القرار رضوان الله تعالی علیهم اجمعین. اللهم اغفرلی ولوالدی ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات انک سمیع مجیب الدعوات. اللهم اید المسلمین بالامام العادل والخیر والطاعات واتباع سنن سید الموجودات. اللهم انصر من نصر دین محمد صلی الله علیه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دین محمد صلی الله علیه وسلم ولاتجعلنا مهم. عبادالله رحمکم الله. ان الله یأمر کم بالعدل والاحسان وایتآءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون. اذکروا الله یذکرکم وادعوه یستجب لکم ولذکرالله تعالی اعلی واولی واعز واجل واتم واھم واکبر ط (خطیب شہید ازص۵تا۸)

خطبہ کے بعد دعاء ثابت نہیں

عیدین کی نمازوں کے بعد دعاء مانگنا تو مثل تمام نمازوں کے مسنون ومستحب ہے، مگر خطبہ کے بعد دعاء مانگنا ثابت اور جائز نہیں ہے۔

خطبہ کے بعد دعاء مانگنا وارد نہیں ہے، نہ خصوصاً نہ عموماً۔ خطبہ کے بعد پھر دعاء نہیں ہے، خطبہ کے بعد دعاء کے معمول کو چھوڑ دینا چاہئے صرف نماز (عیدین) کے بعد دعاء کریں جو ثابت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۳۱ وص۲۱۹ وص۲۱۳ جلد۵)

دعاء کا مستحب ہونا نمازِ عیدین کے بعد ثابت ہے۔ اور خطبہ کے بعد دعاء ثابت نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ اتباع رسول اللہ ﷺ نمازِ عیدین کے بعد دعاء کرنے میں ہے، اس کے چھوڑنے میں نہیں اور خطبہ کے بعد اتباع سنت دعاء نہ کرنے میں ہے۔ باقی ترک کرنا ایسے امور مستحبہ کا ظاہر ہے لائقِ ملامت نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص۴۹ ج۳)

(یعنی اگر عیدین کی نماز کے بعد کسی نے دعاء نہ کی تو ملامت کا مستحق نہیں ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعاء نہ کرے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ

سوال:۔(۱) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ آج کل رواج ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو عوام الناس کو اس سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) اس میں ممانعت کیسی اور کس درجہ کی ہے؟

(۳) یہ ممانعت کیا نماز ادا کرنے کے فوراً بعد کے لیے ہے یا عید کا پورا دن اس میں داخل ہے؟

(۴) کیا معانقہ تو اس میں شامل نہیں ہے؟

جواب:۔(۱) یہ طریقہ اختیار کرنا بدعت و مکروہ ہے۔

(۲) یہ ممانعت فوراً نماز کے بعد کے لیے ہے، کیونکہ یہ فعل شارع علیہ السلام (آپ ﷺ) سے ثابت نہیں۔

(۳) معانقہ بھی اس میں شامل ہے، یعنی نماز کے بعد فوراً معانقہ بھی جائز نہیں، (باقی رہا) عیدین کے دن ملاقات کے وقت مصافحہ و معانقہ (ہاتھ ملانا اور گلے ملنا) درست ہے۔ بدعت یا کسی گناہ کا ارتکاب کسی مصلحت کے پیشِ نظر ہرگز جائز نہیں۔ البتہ دوسروں کو منع کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ قبول کرنے کی امید ہو، ورنہ ''نہی عن المنکر'' ضروری نہیں، غرضیکہ خود نماز کے بعد کسی سے معانقہ و مصافحہ نہ کرے، ہاں اگر کسی سے ملاقات ہی نماز کے بعد ہوئی ہو تو اس سے جائز ہے مگر بدعت کے مشابہت کی تائید ہونے کیوجہ سے اس سے بچنا چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۵۴ ج ......)

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں رسول اللہ ﷺ نے جو کیفیت اور ہیئت معین فرمادی ہے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں ہے اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات میں تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول ملاقات کے وقت بالا جماع یا رخصت کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے، بس اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادات کرنا ہے

جوممنوع ہے، لہٰذا مصافحہ بعدعیدین یابعدنمازِ پنجگانہ مکروہ اوربدعت ہے۔(شامی ص۳۳۶ ج۵، باب الاستبراء میں اس کی تصریح موجود ہے۔(امدادالفتاویٰ ص۷۰۸ ج۱)

عیدین کے دن خوشی کا اظہار کرنا

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بقرعید کے دن جب میرے پاس حضرت ابوبکرصدیقؓ تشریف لائے توانصار کی دولڑکیاں وہ اشعارگارہی تھیں جوانصار نے بعاث کی جنگ کے متعلق کہے تھے اورآنحضرتﷺ اس وقت منہ پرکپڑااڈالے ہوئے (لیٹے) تھے،حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں کودھمکایا (منع فرمایا) آنحضرتﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک کھولا اورفرمایا ”ابوبکر!انہیں چھوڑدو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید ہے یعنی خوشی کے دن ہیں“۔(بخاری ومسلم)

دَف بجانے کا مسئلہ

دَف (ڈھول) کے بارے میں علماء کے دوقول ہیں۔ایک قول تو یہ ہے کہ دف بجانا مطلقاً مباح ہے یعنی کسی بھی وقت اورکسی بھی موقع پربجایاجاسکتا ہے،اس کے برخلاف دوسراقول یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ بعض مواقع پرمثلاً نکاح، ولیمہ یااسی قسم کی دوسری تقریبات میں، کہ جوانہیں دونوں کے حکم میں ہوں، نیزعیدین میں دف بجانا مباح ہے۔پھرعلماء نے دف میں فرق کیا ہے یعنی اگردف جھانجھ دارہے تواس کابجانا مکروہ ہے، اوراگرجھانجھ دارنہ ہوتومکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ غیرجانجھ دارکے بارہ میں بھی بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔

بہرحال لڑکیاں جواَشعارگارہی تھیں وہ فواحش وعشق کے اُن مضامین کے حامل نہیں تھے جن کاپڑھنا معیوب اورممنوع ہے بلکہ وہ اشعارجنگ وجدل کے کارناموں،معرکہ آرائیوں کی پُرشجاعت داستانوں اورمیدانِ جنگ کی گرم کہانیوں پرمشتمل تھے،جن کے پڑھنے سے اشاعتِ دین میں مددملتی تھی، ورنہ ان بچیوں کی کیا مجال تھی کہ حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں اورحضورﷺ کے روبرووہ بُرے اورمعیوب اشعارگانے کی جرأت بھی کرتیں۔

نیز اُن لڑکیوں کا پیشہ گانا بجانا یا شعر و شاعری نہیں تھا کہ کوئی اچھا گاتی ہوں اور گانے بجانے کے فن میں مشہور ہوں یا یہ کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ خیالاتِ فاحشہ اور خواہشاتِ نفسانی کے ہیجان اور اشتیاق کا سبب بنتی ہوں، جو فتنہ و فساد کا باعث ہوتا بلکہ وہ بالکل اسی انداز میں اشعار پڑھ رہی تھیں جیسا کہ بعض شریف زادیاں اپنے گھروں میں پاکیزہ خیالات کے حامل اشعار گنگنایا کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں جس غناء اور نغمہ و سرور کے بارہ میں بحث کی جارہی ہے اور جو حرمت اور اباحت کا محل اختلاف ہے وہ اس قسم کا غناء ہے جسے گویئے اور گلوکار بطورِ فن اور پیشہ اختیار کیئے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ صرف لوگوں کی طبیعتوں میں انتشار و ہیجان اور کیف و نشاط پیدا کرنے کے لیے ایسے اشعار گاتے ہیں جو محض محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہاں وہ غنا مباح ہے جو ایسے پاکیزہ اشعار پر مشتمل ہو جن سے قلوب روحانی استنباط محسوس کریں اور جو محرمات و مکروہات کے ذکر پر مشتمل نہ ہوں، مثلاً خدا کی حمد، رسول اکرم ﷺ کی نعت، حرمین شریفین یا دوسری مقدس چیزوں کی منقبت، خوشی و مسرت کے اظہار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کے حامل اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنا، یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ مستحب ہے کیونکہ یہ نیک با مقصد اعمال کے لیے موجبِ نشاط ہے۔ (مظاہر حق ص ۲۸۳)

خلاصۂ کلام:۔ اس حدیث شریف سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ عید کے روز یا ایسے کسی موقع پر جہاں خوشی منانی مباح ہے شریعت کے حدود کے اندر رہتے ہوئے کچھ اشعار پڑھ لینا، یا اور کسی جائز قسم سے اظہار مسرت کرنا جس میں غیر قوم سے مشابہت نہ ہو مباح ہے۔

(محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)

عید مبارک کہنا

سوال:۔ آج کل جو عید کے روز بالخصوص عید کی نماز کے بعد ''عید مبارک'' کہنے کا عام رواج ہے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے، اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

جواب:۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور عوام میں اس کا التزام ہونے

لگا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔ اور اس کو ثواب بھی سمجھا جاتا ہو تو شریعت میں زیادتی اور بدعت ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔

حضرات فقہاءؒ نے یومِ عید کی سنتوں اور مستحبات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، اگر ''عید مبارک'' کہنا مستحب ہوتا تو اسے بھی ضرور ذکر فرما دیتے، اور اگر یہ کہنا مستحب ہوتا تو علماء و صلحاء کا اس پر عمل ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں، صرف عوام میں رسم ہے۔ اگر واقعۃً حدیث سے استحباب کا ثبوت مل جائے تو صورتِ تطبیق یہ ہے کہ مطلقاً دعاء برکت مستحب ہے اور الفاظِ مخصوصہ کا التزام بدعت ہے، مثلاً مزاج پرسی کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ''خیریت ہے، مزاج بخیر ہیں'' وغیرہ۔ یا دعائیہ کلمات ''سلامت رہو'' اللہ تعالیٰ اپنی رضاء عنایت فرمائیں، حفاظت فرمائیں'' وغیرہ مختلف طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح عید کے روز دعاء کو مقصود سمجھ کر کچھ کہہ دیا جائے مثلاً اللہ تعالیٰ عید کی برکتیں عطا فرمائیں، مبارک فرمائیں، برکت دیں، وغیرہ تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہمیشہ ہر موقع پر لفظ ''عید مبارک'' ہی کا استعمال اس کی دلیل ہے کہ ان الفاظ ہی کو مقصود سمجھا جانے لگا ہے، لہٰذا یہ دین میں زیادتی ہونے کی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۸۴ ج اول)

(عید کی مبارک باد دینا اور کہنا جائز تو ہے لیکن ہمیشہ ایک ہی الفاظ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے، تاکہ عوام اس لفظ کو سنت یا ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

عیدین میں خوشی کا اظہار کرنا اور زیادہ خیرات کرنا بھی مستحب ہے، اور مبارک باد دینا بھی مستحب ہے، اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اور تم لوگوں سے اسے (عیدین کو) قبول فرمائے۔ اس مبارک بادی کا انکار نہیں کیا جاتا ہے (کیونکہ صاحب حلیہ نے صحیح سندوں کے ساتھ اس سلسلہ کے بہت سے آثار صحابہ کرامؓ سے نقل کیے ہیں۔ البتہ محیط نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نمازِ عید کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ سے ایسا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ عید کے بعد معانقہ کرنے کا ہندوستان میں جو رواج ہے وہ دراصل مکروہ ہے۔ (درمختار ص ۷۸۸ ج ۱)

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے۔ (تقبل اللہ منا ومنکم) اور آپ کو عید مبارک ہو، وغیرہ الفاظ کہے (درمختار مع الشامی ص ۷۷۷ ج ۱، فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸۱ ج ۱)

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر مسلمان پر واجب ہے جو عاقل، بالغ اور مقیم ہو، اور اسکی ملکیت میں ساڑے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال ہو، اور اسکی ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہو، اور یہ مال خواہ سونا چاندی یا اسکے زیورات ہوں، یا مالِ تجارت ہو یا ضرورت (حاجت) سے زائد گھریلو سامان ہو، یا رہائش کے مکان سے زائد مکانات اور جائدادیں وغیرہ ہوں قربانی کیلئے اس مال پر سال بھر کا گزرنا بھی شرط نہیں ہے۔ اور نہ اس کا تجارتی ہونا شرط ہے۔

اگر کوئی شخص قربانی کے تین دنوں میں سے آخری دن بھی کسی صورت سے مال کا مالک ہو جائے تو اس پر بھی قربانی واجب ہے۔ بچہ اور مجنون (پاگل) کی ملکیت میں اگر اتنا مال ہو تو بھی ان دونوں پر یا ان کی طرف سے ان کے ولی پر قربانی واجب نہیں۔

اگر کوئی شخص شرعی قاعدہ کے مطابق مسافر ہو یعنی قربانی کے دنوں میں اپنے وطن سے اڑتالیس میل یا اس سے زائد کی دوری میں گزریں تو اس پر بھی قربانی واجب نہیں، اگر قربانی کے دنوں میں (یعنی گیارہ، بارہ) بارھویں ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے گھر آ گیا، اور وہ صاحب حیثیت لوگوں میں سے ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہے جو صاحبِ حیثیت نہیں یعنی مذکورہ بالا نصاب نہیں ہے تو شرعاً اس پر قربانی واجب نہیں۔ لیکن اگر اس نے قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہو جاتی ہے، کیونکہ غریب آدمی کے لیے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدنا نذر کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کا پورا کرنا بندہ کو واجب (ضروری) ہو جاتا ہے۔

اور ضرورتِ اصلیہ سے وہ ضرورت مراد ہے جو جان یا آبرو سے متعلق ہو، یعنی اس کے پورا نہ ہونے سے جان یا عزت و آبرو جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کھانا پینا، کپڑے پہننا، اور رہنے کا مکان، اہلِ صنعت و حرفت کے لیے اسکے پیشہ کے اوزار، باقی بڑی بڑی دیگیں، بڑے بڑے فرش شامیانے، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ اور ٹیلی ویژن، وی، سی، آر وغیرہ یہ اسبابِ ضروریہ میں داخل نہیں ہیں، اس لیے ان کے مالک پر قربانی واجب ہوگی، جب کہ ان کی قیمتیں

نصاب تک پہنچ جائیں۔

جس طرح مردوں پر قربانی واجب ہے اسی طرح عورتوں کے ذمہ بھی قربانی واجب ہے، بشرطیکہ ان کے پاس ذاتی زیورات ہوں، یا اتنا مال یا جائداد ہو، جو نصاب کے برابر ہو۔ قربانی صرف اپنی طرف سے واجب ہے، اولاد کی طرف سے واجب نہیں (کسی اور عزیز واقارب کی طرف سے بھی واجب نہیں) مثلاً کسی کی دس اولاد ہیں اور سب ایک ساتھ رہتے ہیں، باپ کی زندگی میں صرف باپ پر قربانی واجب ہوگی، یعنی اپنے نام سے وہ قربانی کرے، اور اگر بیوی صاحبِ حیثیت (صاحب نصاب) ہے تو اس کو بھی اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ شوہر کی قربانی بیوی کی طرف سے یا بیوی کی قربانی شوہر کی طرف سے کافی نہیں ہوگی، ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ قربانی کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی سال اپنے نام سے قربانی کر لیتے ہیں اور کسی سال اپنی بیوی کی طرف سے، یعنی ہر سال نام بدلتے رہتے ہیں، یہ جائز نہیں۔ اگر صاحب نصاب ہے تو اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اگر اپنے نام سے نہیں کی، کسی دوسرے کے نام سے کر لی تو اس کے ذمہ وجوب باقی رہ جائیگا۔ دوسروں کے نام سے کرنے میں خود اس کا وجوب ادا نہ ہوگا۔

اگر باپ کی وفات ہوچکی اور اولاد ایک ساتھ رہ کر کاروبار کرتی ہیں تو اگر ان کا مال مشترکہ یا جائداد تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک صاحبِ نصاب ہو جاتا ہے تو ہر ایک بالغ اولاد کو اپنے اپنے نام سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی ایک بھائی کی طرف سے قربانی کی تو بقیہ بھائیوں کے ذمہ وجوب باقی رہ جائے گا۔

اگر ماں، باپ پر قربانی واجب تھی اور وہ نہ کر سکے تو انہیں وصیت کرنا ضروری ہے۔ اگر وصیت کر کے انتقال کیا تو ان کی طرف سے ان کے مال میں سے قربانی کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وصیت نہیں کی ہے تو ان کی طرف سے واجب نہیں، اگر کوئی شخص انکی طرف سے قربانی کر دے تو یہ قربانی نفل ہوگی، اس کا واجب ساقط نہ ہوگا، صرف اس نفل قربانی کا ثواب ان کو پہنچ سکتا ہے۔ (تاریخ قربانی از ص ۴۰ تا ص ۴۳)

مشترکہ تاجروں کے لیے حکم

جب چار بھائیوں کا مال مشترک ہے تو وہ چاروں برابر کے حصہ دار ہیں اور قربانی اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس حاجاتِ ضروریہ سے فارغ بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔ پس اگر ان چاروں کا مال مشترک اس قدر قیمت رکھتا ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد ہر ایک کا حصہ بقدرِ نصاب ہو جائے تو ان میں سے بالغوں پر قربانی فرض ہوگی، نابالغ پر نہیں۔ اور جن پر فرض ہوگی ان میں سے ہر ایک پر ایک بکرا۔ یا گائے، بیل، بھینس، کٹڑا اور اونٹ یا اونٹنی کا ساتواں حصہ کرنا ضروری ہوگا۔

مالِ مشترک میں سے ایک بکرا قربانی کر دینا کافی نہیں۔ بکرا قربانی کی نیت سے دو شخصوں کی طرف سے کیا جائے تو خواہ فرض قربانی ادا کرنا مقصود ہو یا نفلی، ناجائز ہے اور وہ قربانی نہ ہوگی۔ (کیونکہ بکرا، مینڈھا، دُنبہ، نر و مادہ میں صرف ایک ہی حصہ ہوتا ہے)

اولاد یا بیوی اگر خود صاحبِ نصاب ہوں تو خود ان پر قربانی کرنا واجب ہوگی اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہ ہوں تو شوہر اور والد پر ان کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔

(کفایت المفتی ص۱۷۶ ج۸)

ایک شخص پر کتنی قربانی واجب ہے؟

صاحبِ نصاب شخص پر ایک ہی قربانی واجب ہوتی ہے، دو نہیں ہوتیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو، ایک شخص کی ملک میں کتنے ہی نصاب جمع ہو جائیں اس پر ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔ (کفایت المفتی ص۱۷۸ ج۸)

قرض لے کر قربانی کرنا

مسئلہ:۔ قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں ہے جب کہ واجب نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص۱۷۹ ج......)

مسئلہ:۔ اگر کوئی چیز ضرورت سے زائد فروخت کر کے قربانی کر سکے تو واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۵۳ ج۳)

مسئلہ:۔قرض دارلوگ اگرقربانی ان کے مال کومحیط ہو،قربانی نہ کریں، لیکن اگر کرلیں گے تو قربانی ہوجائے گی۔ (کفایت المفتی ص ۲۰۷ ج ۸)

(کیونکہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قرض لے کرقربانی جائزنہیں، اورثواب نہیں ملتا، یہ غلط ہے۔ثواب ضرور ملتاہے۔ یہ بات الگ ہے کہ قرض لے کرقربانی کرنا بہترنہیں ہے۔ جہاں تک ہوسکے قرض سے بچنا چاہئے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔جوشخص مقروض ہو، اس کوقرض اداکرنے کی فکرکرنی چاہئے، قربانی نہ کرے، لیکن اگرکرلی توثواب ہوگا۔ (امداد المفتیین ص ۹۶۱ ج ۲)

مسئلہ:۔طالب علم پرنفلی قربانی سے بہتر دینی کتابیں خریدنا ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۳۳۴ ج ۴)

مرنے والے کی طرف سے قربانی

(وعن حنش قال رایت علیایضحی بکبشین فقلت له ماهٰذا؟فقال ان رسول اللهﷺ اوصانی ان اضحی عنه فانااضحی عنه.)

حضرت حنشؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کودودنبے قربانی کرتے دیکھاتومیں نے ان سے عرض کیاکہ یہ کیاہے (یعنی آپ بجائے ایک کے دوکی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایاکہ رسول اللہﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی (آپﷺ کے وصال کے بعد) اُن کی طرف سے قربانی کیاکروں۔تو ایک قربانی میں آپﷺ کی جانب سے کرتاہوں۔ (ابوداؤد،ترمذی)

تشریح:۔حضرت علی کرم اللہؓ ایک دُنبہ کی قربانی تواپنی سطرف سے کرتے ہوں گے اورایک دُنبہ کی آنحضرتﷺ کی طرف سے۔اوربظاہر یہ معلوم ہوتاہے کہ حضرت علیؓ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھاکہ وہ آنحضرتﷺ کی طرف سے ہرسال قربانی کرتے تھے (مظاہرحق ص ۳۰۳ ج ۲)

مُردہ کی طرف سے قربانی کامطلب

سوال:۔متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کاکیامطلب ہے؟ آیااپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کرکے اس میت کوثواب پہنچادے، یامثل دیگرشرکاءِ زندہ کے اس کانام

پر حصہ پر قرار دیکر قربانی کرے؟

جواب:۔دونوں طرح درست ہے۔(امداد الفتاویٰ ص۵۳۳ ج ۲)

مسئلہ:۔مُردہ کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور مُردہ کو ثواب ملے گا۔

(کفایت المفتی ص۲۰۴ ج ۸)

کتنوں کو ثواب پہنچ سکتا ہے؟

جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعاً کی جائے چونکہ وہ ملک قربانی کرنے والے کی ہوتی ہے اور صرف دوسرے کو ثواب پہنچتا ہے۔اس لیے ایک حصہ کئی طرف بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہنچانا جائز ہے بس یہ بھی ویسا ہی ہے۔(امداد لفتاویٰ ص۵۷۳ ج ۳)

ایصالِ ثواب کے لیے ضروری نہیں کہ گائے (بڑے جانور) میں سات، آدمیوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے جتنے آدمیوں کو ثواب پہنچانا منظور ہو ثواب بخش سکتے ہیں۔سات آدمی قربانی کے جواز کے لیے شرط ہیں۔(کفایت المفتی ص۲۰۶ ج ۸)

نوٹ:۔قربانی میں تبرع کی (اپنی طرف سے قربانی کرنے کی) قید سے وہ صورت نکل گئی کہ میت نے اپنے مال سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو تو اس صورت میں ایک حصہ ایک ہی کی طرف سے ہوگا۔(محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

میت کے لیے صدقہ افضل ہے یا قربانی؟

مسئلہ:۔قربانی کے دنوں میں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے پیسہ وغیرہ صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا افضل ہے۔کیونکہ خیرات میں فقط مال کا ادا کرنا ہے اور قربانی میں مال کا ادا کرنا بھی اور فدا کرنا بھی یعنی دو مقصد پائے جاتے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۸۷ ج ۲)

صاحبِ نصاب کا مردہ کی طرف سے قربانی کرنا

سوال:۔زید صاحبِ نصاب ہے، اس نے جانور خرید کر قربانی مردہ کے نام سے کی

تو اس کی واجب قربانی ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ جس شخص نے اپنے مال سے میت کی جانب سے قربانی کی ہے اگر اس پر بھی قربانی واجب تھی تو یہ قربانی اس کی طرف سے ہو جائے گی اور میت کو قربانی کا ثواب نہ ملے گا، اور اگر اس پر قربانی واجب نہ تھی یا اپنی قربانی جدا کر چکا تھا تو میت کی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی یعنی مردہ کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ (کفایت المفتی ص ۲۰۵ ج ۸)

بھول کر ایک دوسرے کی قربانی کرنا

دو شخصوں نے دو بکریوں کو قربانی کے ارادے سے خریدا اور بھول کر ایک نے دوسرے کی بکری کو ذبح کر ڈالا تو دونوں کی قربانیاں درست ہوں گی اور کسی پر بدلہ دینا واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کسی کی بکری (قربانی کے جانور) کو غصب کر کے قربان کر ڈالا تو قربانی ادا ہو گئی لیکن مالک کو اس بکری کی قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ امانت اور بضاعت (یعنی کسی نے تجارت کرنے کے لیے رقم دی ہے، اپنا بھی حصہ رکھا ہے، اس رقم سے قربانی جائز نہیں) شرکت میں یعنی پال پر دیئے ہوئے جانور کی۔ اور عاریت یعنی ادھار لیے ہوئے جانور، اور بیوی کو شوہر کا جانور اور شوہر کو بیوی کا جانور اور رہن (گروی) کی بکری کو قربانی کرنا درست نہیں کیونکہ وہ غیر کی ملک میں ہے۔

(خلاصۃ المسائل ص ۱۱۷)

قربانی میں شرکت کا طریقہ

قربانی کا جانور خواہ پہلے سے متعین کر لیا جائے خواہ ایامِ قربانی میں خرید لیا جائے دونوں صورتیں (جائز) برابر ہیں، لیکن اگر متعین کرنے والا یا بہ نیت قربانی خریدنے والا صاحبِ نصاب نہیں تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور اگر صاحبِ نصاب ہے اور قربانی کے دنوں سے پہلے اس نے جانور خریدا اور اُسے بطور نذر قربانی کے لیے متعین کر لیا تو اس پر بھی اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی اور نصاب کی وجہ سے دوسری قربانی واجب ہوگی، اور اگر بطورِ نذر تعین نہ کی تو اس کے ذمہ صرف ایک قربانی واجب رہے گی

اور تعیین بھی لازم نہ ہوگی۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۵ ج ۸)

مسئلہ:۔قربانی کے لیے کسی نے بڑا جانور خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی مل گیا تو اس کو بھی اس میں شریک کرلیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔اس کے بعد اس جانور میں کچھ اور لوگ شریک ہوگئے تو یہ درست ہے۔ اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ پورے جانور کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شریک کرنے والا صاحب نصاب امیر ہے تو درست ہے، اور اگر غریب ہے تو درست نہیں ہے۔یعنی غریب شخص کے واسطے یہ درست نہ ہوگا کہ وہ اپنے خریدے ہوئے جانور میں کسی اور شریک کو کرے، اگر وہ کسی شخص کو شریک کرے گا تو شریک ہونے والے شخص کی قربانی کے ادا ہو جانے کا حکم ہوگا، اور اس شرکت کے باعث اور شرکاء کے حصوں کے اندر کسی طرح نقصان واقع نہ ہوگا۔البتہ غریب شخص پر واجب ہوگا کہ جتنے حصے اور لوگوں کو دیئے ہوں انکے ضمان کی ادائیگی اس طریقہ سے کرے کہ ایام قربانی باقی ہوں تو اس قدر حصوں کی قربانی کردے اور اگر قربانی کے دن ختم ہوگئے ہوں تو ان دی گئے حصوں کی قیمت مسکینوں کو عطا کرے۔(بہشتی زیور مع حاشیہ ص ۳۹ ج ۳)

(کیونکہ غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں ہے، اس کے لیے جانور خریدنا جبکہ نیت پورے کی ہو، نذر کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند)

شرکت کا افضل طریقہ

گائے (بڑے جانور) میں شریک ہونیوالے خریدنے سے پہلے شریک ہو جائیں اور پھر جانور خریدیں تو یہ احوط (زیادہ احتیاط) اور افضل ہے اور اسی حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصہ یا دو حصے میں اپنی قربانی کے لیے رکھوں گا اور باقی حصوں میں دوسروں کو شریک کرلوں گا، یہ بھی جائز ہے۔لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خریدلیا اور بعد میں دوسروں کو شریک کرلیا تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، لیکن راجح

جواز ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۸ ج ۸)

شرکت سے علیحدہ ہوجانے کا حکم

سوال:۔قربانی میں شریک ہوکر پھر قربانی سے ایک روز پہلے حصہ چھوڑنے پر قربانی واجب سنت کچھ اس کے ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

جواب:۔قربانی کے جانور میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب تھی اور وہ پھر ذبح سے پہلے شرکت سے علیحدہ ہوگیا اور دوسرا آدمی اس کی جگہ شریک ہوگیا تو قربانی ہوجائے گی۔اور جس پر قربانی واجب نہ تھی وہ اگر ذبح کرنے سے پہلے علیحدہ ہوجائے تو اس پر قربانی واجب رہ گئی اور اس جانور کے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہوگی۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۰ ج ۸)

شرکت کا غلط طریقہ

گائے (یا بڑے جانور) میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا حصہ سبع یعنی ساتویں حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو۔ پس جب کہ شرکاء سات ہیں اور بعض نے دو روپے دیئے اور بعض نے تین ادا کیے تو یقیناً بعض شرکاء نے دو روپے سے کم بھی دیئے ہونگے اور جب کہ بقدر روپے کے ہر شریک حصہ دار ہے تو بعض شرکاء کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگیا تو اس صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوتی ہے۔

(کفایت المفتی ص ۱۸۴ ج ۸)

(کیونکہ ہر ایک شریک نے اپنے اپنے روپوں کے مطابق گوشت تقسیم کرلیا ہے یعنی سات حصہ برابر نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

ولیمہ وعقیقہ والے کے ساتھ شرکت

ہاں گائے (بڑے جانور) میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو، بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے بڑے جانور میں شریک ہوسکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ بھی ہے کہ کسی شریک کا حصہ

ساتویں ۷/۱ سے کم نہ ہو۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۲ ج ۸)

مسئلہ:۔ جس پر قربانی واجب ہو. اور جو قربانی نفلی کرے. دونوں (ایک بڑے جانور میں) شریک ہو سکتے ہیں. (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ بعض نے قربانی کے لیے اور بعض نے ولیمہ کے واسطے ایک ہی جانور میں حصہ خریدا ہو (شرکت کی ہو) تو یہ سب درست ہے۔ (شامی ص ۳۲۶ ج ۶)

ذبح کے بعد شرکت

سوال:۔ ایک گائے میں سات حصے متعین کر کے ذبح کر لی۔ گوشت تقسیم کرنے کے بعد ایک شخص آیا کہنے لگا کہ ایک حصہ مجھ کو دے دو۔ ایک شخص نے اپنے حصہ کے دام اس سے لے لیے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ قربانی کے ذبح ہو جانے کے بعد پھر حصہ کا تغیر تبدّل درست نہیں ہے۔ قیمت واپس کر دینی چاہیے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۹ ج ۱)

گوشت فروخت کرنے کی نیت سے شرکت کرنا

سوال:۔ سات آدمیوں نے مل کر ایک جانور خریدا، پھر معلوم ہوا کہ ایک کی نیت گوشت فروخت کرنے کی ہے، کیونکہ وہ گوشت فروخت کرنے کا پیشہ کرتا ہے۔ اس سے دوسروں کی قربانی میں کیا اثر پڑے گا؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ اس کا حصہ اور کوئی قربانی کرنے والا خرید لے، اس کے بعد قربانی کی جائے، ورنہ سب کی قربانی خراب ہو جائے گی، کسی کی بھی درست نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ نیز ولیمہ مسنونہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لینے سے کسی کی قربانی باطل نہیں ہوگی جس طرح عقیقہ کی نیت سے حصہ لینے سے باطل نہیں ہوتی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۳ ج ۲)

☆☆

شرکت کے پیسوں کی تقسیم

سوال:۔ سات آدمی ایک بڑے جانور میں قربانی کی غرض سے شریک ہوئے، اس گائے کی قیمت دس روپے (پہلے زمانہ کے لحاظ سے) ہے، اب اگر اس قیمت میں سات حصوں پر مساوات فی التقسیم کا لحاظ کیا جائے تو کسر میں دشواری درپیش ہے، اس کی تقسیم کس طرح کی جائے؟

جواب:۔ اگر کوئی شریک دوسرے کی طرف سے کوئی پیسہ زیادہ دے دے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اگر بجائے پائی کے ہر ایک شریک پیسہ پیسہ دے کر جو پیسے زیادہ ہوں وہ مالک جانور (بیچنے والے) کو دے دیئے جائیں تو اسمیں بھی کوئی حرج نہیں۔ غرض اسمیں کوئی امر قابلِ استفسار نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۶۴۷ ج ۱)

پورے گھر کی طرف سے قربانی

گھر میں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک کی قربانی سب (کی طرف سے قربانی) کے لیے کافی نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر بکرے کی قربانی گراں گزرتی ہے تو بڑے جانور کی قربانی کی جائے اور گوشت (اگر آپ کے یہاں بڑے کا نہ کھایا جاتا ہو تو) وہاں بھیج دیا جائے جہاں کھایا جاتا ہے یا جانور بھیج دیا جائے یا رقم بھیج دی جائے۔ گوشت کا (بلاوجہ) دفن کرنا جائز نہ ہوگا کہ اضاعتِ مال ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۴ ج ۶)

عورت کا مہر اور قربانی

ایک عورت مالکِ نصاب نہیں، لیکن اس کا مہر نصاب سے زیادہ شوہر کے ذمہ ہے جو ابھی نہیں مل سکتا ہے تو عورت اس مہر کی وجہ سے مالدار یعنی صاحبِ نصاب شمار نہیں ہوگی اور اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۲۹۳ ج ۵)

مسئلہ:۔ نصاب والا زکوۃ دے کر اگر اس کا مال کم رہ جائے تب بھی قربانی واجب ہے۔ (عالمگیری ص ۲۹۲ ج ۵)

دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

واجب قربانی میں چونکہ دوسرے کے ذمہ ادائے واجب کا قصد ہوتا ہے وہ تو بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں، البتہ اپنے متعلقین کی طرف سے بغیر ان کی اجازت کے بھی درست ہے، جب کہ ان کی طرف سے قربانی کرنے کی عادت ہو، اور اگر قربانی کرنے کی عادت نہ ہو تو ان کی طرف سے بھی قربانی درست نہ ہوگی، ذبح کرنے والے کی طرف سے صحیح ہوجائے گی۔

اور اگر دوسرے کی طرف سے تبرعاً تطوعاً بغیر اجازت کے قربانی کی جائے تو وہ مطلقاً درست ہے خواہ اس کی طرف سے قربانی کی عادت ہو یا نہ ہو، اور اس کو عادت کی اطلاع ہو یا نہ، کیونکہ تبرعاً عن الغیر میں قربانی ذابح کی ملک پر ہوتی ہے دوسرے کو محض ثواب پہنچتا ہے، قربانی اس کی ملک پر نہیں ہوتی۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۱۰ ج ۳)

اگر قربانی کرنے والے کی وفات ہوجائے؟

سات افراد نے شریک ہوکر ایک گائے (یا کوئی بڑا جانور) قربانی کے لیے خریدا اور قربانی کرنے سے پہلے اُن میں سے ایک شخص مرگیا، مگر مردہ کے ورثاء نے اُن شرکاء کو اجازت دے دی کہ تم اس کی (میت کی) اور اپنی طرف سے قربانی کرو، پس اگر وہ ان کی اجازت سے مردہ اور اپنی طرف سے قربانی کریں تو درست ہوگی اور سب کی قربانی ادا ہوجائے گی، اور اگر اُس مردہ کے ورثہ کی اجازت کے بغیر قربانی کریں تو درست نہ ہوگی اور کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔ (خلاصۃ المسائل ص ۱۱۶)

مسئلہ:۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب قربانی کے ایام میں انتقال کرجائے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ (عالمگیری ص ۲۹۳ ج ۶)

(اگر مرحوم نے قربانی کے لیے بکرا خرید رکھا تھا تو بکرا مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوکر ورثاء اس کے حقدار ہوگئے ہیں، اب ورثاء چاہیں تو اس کی قربانی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے کرسکتے ہیں، واجب نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

شرکت کے مسائل

مسئلہ:۔نابالغ، پاگل، غریب اور مسافر شرعی پر قربانی واجب نہیں۔لیکن اگر غریب یا مسافر اپنی طرف سے قربانی کردے تو جائز ہے اور بڑا ثواب ہے۔(عالمگیری ص ۷۷ ج ۴)۔

مسئلہ:۔اگر غریب نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگی۔(شامی ص ۲۴ ج ۵)

مسئلہ:۔اگر کسی نے نذر (منت) مانی تو نذر کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہوگئی، خواہ امیر نے نذر مانی ہو یا غریب نے۔ نیز اگر امیر (صاحبِ نصاب) نے نذر مانی ہو تو اب اس کو دو قربانیاں کرنی ہونگی، ایک تو منت کی وجہ سے اور دوسری جو اس پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے شریعت نے واجب کی ہے۔(عالمگیری ص ۷۶ ج ۴)

مسئلہ:۔اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ شوہر اپنی بیوی، یا باپ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کردیا کرتا ہے اور بیوی اور اولاد کو بھی یہ بات معلوم ہو تو اس کی عرف اور رواج کی وجہ سے انکی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی، صریح اجازت لینا ضروری نہیں بلکہ رواجِ عرفی کافی ہوگا۔(شامی ص ۶۰۷ ج ۵)

(جہاں پر یہ عرف نہ ہو تو واجب قربانی کے لیے صریح اجازت لینا ضروری ہے ورنہ قربانی واجب ادا نہ ہوگی، نفل قربانی کے لیے اجازت ضروری نہیں ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔کسی غریب نے جس پر قربانی واجب نہیں تھی، محض اپنی خوشی سے قربانی کردی، اور اس کے بعد قربانی کے ایام میں ہی وہ امیر (صاحبِ نصاب) ہوگیا تو اب اس پر دوسری قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔کسی پر قربانی واجب تھی، مگر اس نے ابھی قربانی نہیں کی تھی کہ قربانی کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اس لائق (یعنی صاحبِ نصاب) نہ رہا کہ اس پر قربانی واجب ہو، یا مر جائے تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی۔(مسائل قربانی ص ۳۰ بحوالہ ص ۳۸۷)

مسئلہ:۔سود خور کے ساتھ قربانی میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔(کفایت المفتی ص ۱۸۸ ج ۸)

شرکت کی اجازت دے کر پھر انکار کرنا

سوال:۔ کسی شخص نے کہا کہ میرا قربانی کے جانور میں حصہ شامل کر لینا اور روپیہ کوئی نہیں دیا، اس نے حصہ شامل کر لیا، اور جب قربانی ہو چکی تو اس لینے والے نے انکار کر دیا کہ میں حصہ نہیں لیتا۔ جس شخص نے حصہ شامل کیا تھا اس کے انکار کی وجہ سے گوشت کھالیا۔ اب وہ روپیہ کون دے گا، اور حصہ کس کا ہوگا؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ اگر اس نے قیمت وغیرہ کی اجازت دے دی تھی کہ میری طرف سے اتنی قیمت تک اختیار ہے، خواہ صاف لفظوں میں اجازت دی ہو، خواہ اس کے حالات یا طرزِ عمل سے دوسرے نے سمجھ لیا ہو کہ اس کی طرف سے یہاں تک قیمت کی اجازت ہے تو وہ حصہ اس کہنے والے کا ہے پھر اس کو انکار کا اختیار نہیں، حصہ کی قیمت اس کے ذمہ واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۷ ج ۴)

ذبح کرنے کا مقصد

مسئلہ:۔ جانور ذبح کرنے میں دو جہتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جانور کو ذبح کرنا یعنی اس کی جان قربان کرنا۔ دوسرے یہ کہ اس کے ذبح سے صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہو اور گوشت کا صدقہ کر کے ثواب حاصل کرنا یا گوشت کو اپنے خرچ میں لانا یا مہمان کو کھلانا یا دعوت میں خرچ کرنا مراد ہو۔ ایصالِ ثواب کے لیے بھی جانور کو ذبح کرنے میں یہی دونوں جہتیں متحقق ہو سکتی ہیں۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے، مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ نفس ذبح یعنی جانور قربان کرنے سے مقصود تقرب الی اللہ ہو، یعنی کسی بزرگ ولی وغیرہ کی طرف سے تقرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے اور اس کی خوشی چاہنے کے لیے ذبح کیا جائے تو یہ حرام ہے اور ذبیحہ بھی (وما اھل لغیر اللہ بہ) میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے، خواہ اپنے گھر میں ذبح کیا جائے یا قبرستان میں یا کسی اور جگہ۔

دوسری یہ کہ ذبح سے مراد تقریب الی اللہ ہو۔ یعنی ذبح کرنے والا خاص خدا کی رضامندی اور تعظیم وعبادت کے خیال سے ذبح کرے، اور پھر اس فعل پر اس کو اجر وثواب

ملے وہ کسی دوسرے کوبخش دے۔ اس صورت میں کوئی نقصان اورالزام ذابح اورذبیحہ میں نہیں ہےیعنی ذبح کرنے والے کا یہ فعل حلال اورذبیحہ جائز ہے۔ مگراس کے لیے مکان اور جگہ کی تخصیص نہیں اورنہ قبرستان میں لے جانے کی (جانورکو) ضرورت ہے۔

تیسری صورت یہ کہ ذبح سے تقرب مقصودنہ ہو بلکہ صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہےتواس صورت میں ذبیحہ جبکہ بقاعدہ شرعیہ ذبح کیاجائے حلال ہے۔ رہاثواب تووہ گوشت کے صدقہ کرنے سے حاصل ہوگا۔ اوراس صورت میں بھی کسی جگہ کی تخصیص مثلاً قبرستان میں جاکرذبح کرنااوراس کوضروری یاموجب ثواب یاباعثِ زیادتی ثواب سمجھنا ناجائز ہے۔ گوشت کاصدقہ کرنایاپکارکرکھلانا ہرجگہ ہوسکتاہے اورثواب پہنچ سکتاہے۔ قبرستان میں ذبح کرنے اورکھلانے یاتقسیم کرنے کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص۲۵۴ ج۸)

صحت یابی کے لیے قربانی کرنا

سوال:۔ (۱) مریض کی صحت کی نیت سے کوئی جانورذبح کر کے صدقہ کرنا تاکہ اللہ جل شانہٗ مریض کوشفاعطافرمائے، تویہ جانورذبح کرنادرست ہے یانہیں؟

(۲) جانوراس نیت سے ذبح کیاکہ جان کے بدلہ جان ہوجائے، جانورکی جان چلی جائے اورانسان کی جان بچ جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانورکی جان قبول فرماکربندے کی جان نہ لیں۔ درست ہے یانہیں؟

جواب:۔ (۱) زندہ جانورکاصدقہ کردینازیادہ بہتر ہے۔ شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنااگرمحض لوجہ اللہ ہوتومباح ہے لیکن اصل مقصد بالاراقۃ صدقہ ہوناچاہیے نہ کہ فدیۂ جان بہ جان۔

(۲) یہ خیال توبے اصل ہے۔ اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اوریہ خیال کیاجائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کومتوجہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہ قربانی جالبِ رحمت ہوجائے اوراللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کوشفا عطافرمادے۔ (کفایت المفتی ص۲۵۵ ج۸)

مسئلہ:۔ بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں اور بکرے وغیرہ کو تمام رات مریض کے پاس رکھ کر، اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں، یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگانے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہو گئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں اور جان کے بدلہ جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی۔ یاد رکھیئے کہ ایسا اعتقاد خلافِ شرع ہے۔

مسئلہ:۔ یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں حالانکہ جان کا بدلہ جانی یعنی فدیہ ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے بلکہ مقصد صدقہ کرنا ہے جس کو ردِ بلا یعنی پریشانی کو دور کرنے کیلئے حدیث شریف میں معین بتلایا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو یا اتنے گوشت کو بازار سے خرید کر صدقہ کر دینے کو دل کیوں گوارہ نہیں کرتا؟

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں ضرور چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جما ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا۔ بعضے وباء یا ویسی ہی بیماری میں باعتقاد بھینٹ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ شرک ہے، یا بعضے باعتقاد فدیہ بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ محض کذب وباطل ہے۔ (اغلاط العوام ص ۲۳)

قربانی کا جانور گم ہو گیا یا مر گیا؟

مسئلہ:۔ جس شخص پر قربانی واجب تھی، اگر اس نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا پھر وہ جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا یا مر گیا تو واجب ہے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ اور اگر دوسرے قربانی کرنے کے بعد پہلا جانور مل گیا تو بہتر ہے کہ اس کی بھی قربانی کر دے۔ اور اگر یہ شخص غریب ہے اس کے ذمہ پہلے سے قربانی واجب نہ تھی نفلی طور پر قربانی کے لیے جانور خرید لیا تھا تو اب اس جانور کی قربانی اس پر واجب ہو گئی، لیکن اگر اس کا یہ جانور مر جائے یا گم ہو جائے تو یہ واجب ساقط ہو گیا، اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں، اور اگر گم ہو جانے کے بعد اس نے دوسرا جانور خرید لیا پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر واجب ہے کہ دونوں جانوروں

کی قربانی کرے، کیونکہ غریب آدمی (جو صاحب نصاب نہ ہو) جب کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدتا ہے تو نذر کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کا پورا کرنا واجب ہے۔
(تاریخ قربانی ص۲ وکفایت المفتی ص ۲۰۳ ج ۸)۔

غریب پر قربانی کا بار

قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا، اس لیے دوسرا جانور خرید لیا، پھر وہ پہلا بھی مل گیا، اگر صاحبِ نصاب کو ایسا اتفاق پیش آئے تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر ہے، غریب پر دونوں جانوروں کا بار اور امیر (صاحبِ نصاب) پر ایک جانور کا بار، اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے۔ اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اسکے ذمہ وہی ایک رہتا، وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہوا تھا، سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہو گیا، اور امیر آدمی (صاحبِ نصاب) پر خود شرع سے قربانی واجب ہے، گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے، اور یہ واجب ایک ہی ہے۔ پس یہ (صاحبِ نصاب) خواہ کتنے ہی خرید لے وہ ایک ہی واجب رہے گا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا۔ اور غریب آدمی (غیر صاحبِ نصاب) جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوتے جائیں گے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۶۶ ج ۳)

(جس پر قربانی واجب نہ ہو اور وہ نفلی طور پر قربانی کے لیے جانور خرید لے تو اب اس پر یہ قربانی واجب ہوگی۔ اب اگر یہ جانور مر جائے یا کھو جائے تو اس کے ذمہ سے یہ واجب ساقط (ختم) ہو گیا، اس کے ذمہ دوسری قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اگر گم ہو جانے یا مر جانے کے بعد دوسرا جانور خرید لیا، پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر واجب ہے کہ دونوں جانوروں کی قربانی کرے، کیونکہ غریب آدمی (غیر صاحبِ نصاب) جب کوئی جانور قربانی کے لیے خریدتا ہے تو نذر کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کا پورا کرنا واجب ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

صاحبِ نصاب کے لیے حکم

اگر صاحب نصاب نے دنبہ (یا کوئی جانور جس کی قربانی جائز ہے) اس نیت سے

خریدا کہ میں اس کو قربانی کے دنوں میں واجب قربانی میں ذبح کروں گا تو یہ دُنبہ اس کے حق میں ایسا متعین نہیں ہو جاتا کہ اس کو ذبح کرنا واجب ہو اور دوسرا جانور ذبح کرنا کافی نہ ہو، ہاں اتنا تعین ہو جاتا ہے کہ بلا ضرورت اس کو بدلنا مکروہ ہے، اور اگر کسی ضرورت سے تبدیلی کی جائے۔ مثلاً دنبہ ایسا عیب دار ہو جائے کہ اس کی قربانی جائز نہ ہو، یا ہلاک ہی ہو جائے تو یہ تبدیلی واجب ہے۔ یعنی صاحبِ نصاب پر واجب ہوتا ہے کہ اس دنبہ کی جگہ دوسرا صحیح جانور قربان کرے اور عیب دار کو جو چاہے کرے، یعنی رکھے یا فروخت کر دے، یا ذبح کر کے کھالے یا گوشت فروخت کر دے۔ اور اگر عیب دار تو نہ ہوا اور نہ ہی ہلاک ہوا بلکہ بیمار ہو گیا اور اس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو گیا اور مالک غنی نے بھی نیت بدل لی کہ اس کی جگہ دوسرا جانور قربانی کرونگا تو یہ دُنبہ جو ایامِ قربانی سے پہلے ذبح کر لیا گیا اُس کی ملک ہے جو چاہے کرے، خود کھائے یا فروخت کرے۔

فتاویٰ ہندیہ کی عبارت سے اُن صورتوں کا حکم مراد ہے کہ یہ جانور قربانی کے لیے متعین رہے یعنی معیب (عیب دار) نہ ہو جائے ہلاکت کے قریب نہ ہو جائے اور تبدیلی کی کوئی معقول وجہ پیدا نہ ہو یا اس کی جگہ دوسرا جانور متعین نہ کر دیا جائے (کفایت المفتی ص ۱۹۷ ج ۸)

غریب کی رعایت

اگر کوئی جانور کسی امیر (صاحب نصاب) نے قربانی کی نیت سے خریدا پھر وہ جانور عیب دار ہو گیا تو وہ امیر اس جانور کے بدلے اور جانور خرید کر قربانی کرے۔ اور اگر فقیر یعنی جس کے ذمہ قربانی فرض نہیں ہے وہ خریدے تو وہی عیب دار جانور قربانی کر دے۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۲۰۷ ج ۱)

فریضۂ قربانی بھی اور غریب کی مدد بھی

مسئلہ:۔ (۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حنفی ہے (۲) حنفیہ کے نزدیک ہر صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے۔ (۳) واجب اور فرض کی ادائیگی عملاً یکساں طور پر لازم اور ضروری ہے تارکِ واجب (واجب چھوڑنے والے) کو فاسق کہا جاتا ہے، جس طرح

تارکِ فرض کو۔ واجب اور فرض کا اصطلاحی فرق وجوب عمل نہیں ہے بلکہ صرف علم واعتقاد کے درجہ میں ہے۔ (۴) جس شخص پر مالکِ نصاب ہونے کی بناء پر قربانی واجب ہے، وہ قربانی کر کے ہی اس واجب سے سبکدوش ہوسکتا ہے، قربانی کی قیمت ادا کرنے سے سبک دوشی نہیں ہوسکتی۔

حکمِ شرعی یہ ہے کہ جو حنفی وجوب قربانی کے معتقد ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ شرائط وجوب کے ہوتے ہوئے وہ قربانی ہی کریں۔ اس کی قیمت بلکہ جانور زندہ بھی صدقہ نہیں کرسکتے۔ مصیبت زدگان کی امداد واعانت اعلیٰ درجہ کا کارِ خیر ہے لیکن اس کارِ خیر کے ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی فرض یا واجب کو ترک کردیا جائے ہاں اہلِ حدیث یا اور حضرات جو قربانی کو فرض وواجب نہیں سمجھتے، بلکہ محض سنت یا مستحب خیال کرتے ہیں وہ اگر قربانی نہ کریں اور اس کی قیمت اعانت کے فنڈ میں دے دیں تو ان سے ہم احناف کو کوئی تعرض نہیں۔

اعانت کا طریقہ

اگر ذیل کی تجویزوں پر عمل کیا جائے تو کروڑوں روپیہ اعانت کے فنڈ میں جمع ہونا مشکل نہیں۔ تجاویز یہ ہیں:۔

(۱) ہر وہ شخص جس پر قربانی واجب ہے اور وہ قربانی ادا کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ جانور خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ کم از کم قیمت کا جانور خریدے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی قیمت میں سے جو رقم بچے وہ اعانت کے فنڈ میں دے دے۔ مثلاً قربانی کرنے والے کا ارادہ تھا کہ پندرہ سو روپے کا بکرا خریدے تو وہ یہ کرے کہ تین سو، چار سو روپے کا بکرا یا بھیڑ خرید کے قربانی کردے اور گیارہ بارہ سو روپے مدد کے فنڈ میں دیدے۔ یہ واضح رہے کہ جو جانور قربانی کی نیت سے خریدے جاچکے ہیں وہ بدلے نہیں جاسکتے، خریدنے سے پہلے ہماری تجویز پر عمل کیا جاسکتا ہے، خریدنے کے بعد خریدا ہوا جانور ذبح کرنا لازم ہے۔

(۲) جو لوگ صاحب نصاب ہیں وہ ایک جانور کی جگہ جو دو تین جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اُن کو چاہئے کہ ایک پر (یا بکرے وغیرہ کی جگہ صرف ایک حصہ پر) اکتفاء

کریں اورزائد جانوروں کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔یہ بھی جانور خریدنے سے پہلے کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جولوگ اپنے مرحوم والدین یا دیگر اقرباء (رشتہ داروں) کی طرف سے نفلی قربانیاں کرتے ہیں وہ ان تمام قربانیوں کو ملتوی کر کے ان کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔

(۴) جولوگ باوجود صاحبِ نصاب نہ ہونے کے نفلی قربانیاں کرتے ہیں انہوں نے اگر جانور خریدے نہیں ہیں تو قربانی ملتوی کر کے اس کی قیمت فنڈ میں دے دیں۔

(۵) جو شخص قربانی کے وجوب سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے ادائے واجب کے لیے اقسام قربانی میں سے کم سے کم والی قسم کو اختیار کرے اور زائد رقم فنڈ میں دے دیں۔

(۶) تمام مسلمان قربانی کی کھالوں کو (اعانت کے) فنڈ میں دیدیں (کفایت المفتی ص۲۱۶ ج۸)

خود قربانی کی قیمت دینے سے تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی۔اگر کسی نے ایسا کیا گنہگار ہوگا۔(امداد الفتاویٰ ص۵۵۵ ج۳)

(نفلی قربانیوں کی قیمت مسلمان اس مصیبت زدہ قوم کی اعانت میں دے سکتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی عزت بچانے کی خاطر اپنی جانیں دے رہے ہیں، بلکہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ نفلی قربانیوں کی رقم اگر کوئی اس قسم کا موقع ہو تو وہ روپیہ اعانت میں لگا دیں۔بعض ناواقف حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے وہ رقم غریب ونادار اور ضرورت مند اور فساد زدگان میں تقسیم کر دی جائے۔بے شک یہ جذبہ قوم کی ہمدردی کا قابلِ غور ہے، لیکن ہر کام کے لیے اسلام کے گلے پر چھری کیوں چلتی ہے؟ کچھ اپنی خواہشاتِ نفس پر بھی قابو رکھیئے اور غیر شرعی جتنے بھی اخراجات ہیں، ان کو اگر بالکل بند نہ کر سکیں تو کم از کم ایک آدھ ہفتہ ہی میں جو رقم بچے اس کو اس کارِ خیر میں لگائے۔مثلاً سینما، وی، سی، آر۔ٹی وی دیکھنا، اور ضروری کھانے، پینے اور پہننے کے علاوہ جتنے بھی روزمرہ کے غیر ضروری اِخراجات وفضول خرچی وغیرہ میں کٹوتی کر کے ہو سکتے ہیں۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

☆☆

قربانی کے چند مسائل

مسئلہ:۔اگر زندہ آدمی صاحب نصاب ہے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے اور مردوں کی طرف سے قربانی کرنا مسنون ہے، کرنے والے کو بھی ثواب ہوتا ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص۲۰۰ ج۲)

مسئلہ:۔جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر عید کے دنوں میں قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر اتنا مال نہ ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر قربانی کردے تو بہت ثواب پائے گا۔(درمختار ص۲۳۱ ج۲)

مسئلہ:۔مسافر پر قربانی واجب نہیں۔(ہدایہ ص۴۲۹ ج۱)

مسئلہ:۔دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ سفر میں گزری، لیکن بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے سفر ختم ہوگیا، یعنی گھر پہنچ گئے یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کرلی تو اب قربانی کرنا واجب ہوگیا اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا، اس لیے قربانی واجب نہ تھی پھر بارہویں تاریخ ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے کہیں سے مال دستیاب ہوگیا تو قربانی کرنا واجب ہوگئی۔(عالمگیری ص۲۹۲ ج۵)

مسئلہ:۔اگر اللہ تعالیٰ نے مال دار اور امیر بنایا ہو تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے، وہیں جو رشتہ دار وفات پاچکے ہیں، مثلاً والدین وغیرہ، اُن کی طرف سے بھی قربانی کردے، ان کو ثواب پہنچ جائے گا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی طرف سے اپنے پیر وغیرہ کی طرف سے کردے، ورنہ کم سے کم اپنی طرف سے تو ضرور کرے کیونکہ مالدار پر تو واجب ہے جس کے پاس مال ودولت سب کچھ موجود ہے اور قربانی کرنا اس پر واجب ہے پھر بھی اس نے قربانی نہ کی تو اس سے بڑھ کر بدنصیب محروم اور کون ہوگا، اور گناہ اس کا الگ رہا۔(بہشتی زیور ص۳۷ ج۳)

مسئلہ:۔قربانی فقط اپنی طرف سے (جب کہ صاحبِ نصاب ہو) کرنا واجب ہے، اور اولاد کی طرف سے واجب نہیں بلکہ نابالغ اولاد اگر مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں، نہ اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے۔اگر کسی اس کی طرف سے قربانی کردی تو نفل ہوگئی لیکن اپنے ہی مال میں سے کرے اُس کے مال میں سے ہرگز نہ

کرے۔(ہدایہ ص ۴۲۸ ج ۴)

جانور خرید کر قربانی نہ کرسکا

مسئلہ:۔کسی پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے، اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے۔اور اگر بکری خرید لی تھی تو وہی بکری بعینہٖ خیرات کردے۔(شامی ص ۲۸۶ ج ۵)

مسئلہ:۔قربانی کا جانور خرید لیا اور کسی وجہ سے قربانی نہ کرسکا تو زندہ جانور صدقہ کردیا جائے۔ اور مسئلہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اگر (بقرعید کے بعد) ذبح کرڈالا تو غرباء پر اس کا گوشت تقسیم کردیا جائے، مالداروں کو نہ دیا جائے اور اگر جانور ضائع ہوگیا اور قربانی نہ کرسکا اور خریدنے والا اگر امیر (صاحبِ نصاب) ہے تو اس کے ذمہ اس کی قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۴ ج ۶)

قربانی کی قضاء

اگر قربانی کے دن گزر گئے اور ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے (حالات خراب لڑائی، جھگڑے، امن وامان نہ ہو یا کرفیو وغیرہ نافذ ہے) نہیں کرسکا تو قربانی کی قیمت فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کردینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا ہمیشہ گنہگار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابہؓ اس پر شاہد ہیں۔(جواہر الفقہ ص ۴۴۸ ج ۱)

مسئلہ:۔اگر کسی شخص نے قربانیاں اکثر سال نہ کی ہوں، اب وہ شخص ہر ایک سال کی قربانی کے عوض قیمت قربانی کی صدقہ کرے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۴۲۷ ج ۱)

مسئلہ:۔اگر قربانی کے لیے جانور خرید لیا تھا (اور ایامِ قربانی گزر گئے) تو اس کو زندہ ہی صدقہ کردیا جائے، اگر نہیں خریدا تھا تو قیمت صدقہ کردی جائے۔(شامی ص ۲۰۹ ج ۵)

مالدار قربانی سے پیشتر غریب ہوگیا

سوال:۔ایک شخص صاحبِ نصاب تھا، اس نے ایک بکرا قربانی کی نیت سے خریدا لیکن قربانی کے دن آنے سے پیشتر وہ غریب ہوگیا، اب وہ شخص اس بکرے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔حامداً ومصلیاً۔اگر قربانی کے اخیر دن تک وہ صاحبِ نصاب نہ ہوتو اسکے ذمہ قربانی واجب نہیں، اس بکرے کو فروخت کرکے اسکی قیمت اپنے کام میں خرچ کرسکتا ہے۔اور اگر قربانی کے اخیر دن بھی وہ صاحبِ نصاب ہوجائے۔تو اس پر قربانی واجب ہوگی، خواہ اسی بکرے کی کرے یا کسی اور کی۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۲۳ ج ۲)

گزشتہ سال کی قربانی کا حکم

سوال:۔گزشتہ سال کی قربانی باقی ہے، بڑے جانور میں دوحصہ کیے، گزشتہ اور سال رواں کے، تو کیا حکم ہے؟ شریکوں کی قربانی میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟

جواب:۔شریکوں کی قربانی ادا ہوجائے گی، اور تمہاری امسال کی قربانی بھی ادا ہوجائے گی مگر گزشتہ برس کی قضاء (قربانی) ادا نہ ہوگی، نفل ہوجائے گی۔(گزشتہ قربانی) اس کے عوض ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۶ ج ۳)

قربانی کے جانوروں کی عمریں

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں۔ بکرا ایک سال کا ہو، اور گائے (بیل، بھینس، کٹڑا) دوسال کی چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر نہیں معلوم ہوتی، اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا ہے، ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا یکم ذی الحجہ کو پیدا ہوا اور اسی کے گھر میں پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا، اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے کیونکہ اس کی عمر

یقیناً ایک سال کی پوری ہوکر آٹھ نو دن زائد کی ہوچکی ہے۔ لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی عمر کا ایک سال ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو۔

بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے، ''سنۃ'' کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہوسکتے ہیں، لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا، جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو، بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۱۸ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کے لیے اونٹ پانچ سال کا اور بھینس، بھینسا (کٹڑا) پورے دو سال کا ہونا ضروری ہے۔ بکرا، بکری ایک سال کا ہونا ضروری ہے اگر اس کی عمر میں کچھ بھی کمی ہوگئی تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ لیکن گر بھیڑ اور دنبہ چھ مہینے سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا، تازہ، فربہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اسکی قربانی بھی جائز ہے، اور اگر چھ مہینے سے بھی کم ہو تو اس کی قربانی قطعاً جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی موٹا تازہ ہو، اور یہ حکم ایک سال سے کم عمر کا صرف بھیڑ اور دُنبہ کے بارے میں ہے (شامی ص ۲۱۱ ج ۵۔ بہشتی زیور ص ۳۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ بکرا اگر پورا سال ہونے میں ایک آدھ روز کم ہو تو اس کی قربانی نہ ہوگی۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۶۸ ج ۳)

مسئلہ:۔ جب کسی جانور کی عمر پوری ہونے کا یقین غالب ہوجائے تو اسکی قربانی کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر کوئی جانور دیکھنے میں پوری عمر کا معلوم ہوتا ہے مگر یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کی عمر ابھی پوری نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (شامی ص ۵۱۱ ج ۵)

مسئلہ:۔ کوئی جانور دیکھنے میں کم عمر کا معلوم ہوتا ہو مگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس کی عمر پوری ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ (عالمگیری ص ۸۰ ج ۴)

بڑے جانوروں میں کتنے حصے ہیں؟

گائے، بیل، بھینس، جھوٹا، کٹڑا اونٹ، اونٹنی میں اگر سات افراد شریک ہوکر قربانی کریں جب بھی درست ہے (یعنی مذکورہ اقسام میں سات حصے ہوسکتے ہیں) لیکن شرط یہ ہے

کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو، اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کرنے کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو، اور اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو قربانی درست نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص ۲۹۷ ج ۵)

مسئلہ:۔ مذکورہ جانوروں میں سات حصے ہونگے اس سے زیادہ نہیں، اور اگر چھ یا پانچ یا اس سے بھی کم شریک ہوں تو جب بھی درست ہے یہاں تک کہ اگر صرف تنہا ہی ایک آدمی پورے بڑے جانور کی قربانی (صرف اپنی طرف سے) کرے تو بھی جائز ہے۔

(عالمگیری ص ۸۳ ج ۵)

اور اگر آٹھ افراد (یا اس سے زیادہ) شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص ۲۹۷ ج ۵)

مسئلہ:۔ اونٹ میں بھی حنیفہؒ کے نزدیک سات ہی افراد شریک ہوکر قربانی کر سکتے ہیں۔ نیز سات افراد کی شرکت میں قربانی ہونا متفق علیہ ہے اور دس کی شرکت مختلف فیہ ہے تو متفق علیہ پر عمل کرنا زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۸ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے پالنا افضل ہے، نیز قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا یا اس کے بال کاٹنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو دودھ اور بال یا ان کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (جواہر الفقہ ص ۴۵۰ ج ۱)

(گائے کی قربانی جائز ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے لیکن ہندوستان میں بعض علاقہ میں حکومتِ وقت کی طرف سے اس کی قربانی ممنوع قرار دے دی گئی ہے، اس لیے ایسی جگہ پر فتنہ سے بچنے کے لیے اس کا خیال رکھا جائے اور احتراز کیا جائے (والفتنة اشد من القتل) لیکن اگر کسی نے اس کے باوجود قربانی کرلی تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔

(محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

شرعاً جن کی قربانی جائز ہے

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور اونٹ، گائے، دنبہ، بھیڑ، بکرا (مذکر ومؤنث دونوں جائز ہیں) بھینس گائے کے حکم میں ہے، گھوڑے اور مرغ کی قربانی نہیں ہوسکتی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

قولاً یا فعلاً گھوڑے کی قربانی کا ثبوت نہیں ہے۔ ہرن اور نیل گائے کی قربانی بھی درست نہیں۔ قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے، قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے اور شریعت مقدسہ سے صرف تین نوع کے جانور ثابت ہوئے ہیں۔ قسم اول:۔ اونٹ نر و مادہ، قسم دوم :۔ بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دنبہ نر و مادہ۔ قسم سوم:۔ گائے، بھینس نر و مادہ۔ پس ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں، اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ وحشی نہ ہوں بلکہ اہلی (پالتو) اور آدمیوں سے مانوس ہوں۔ (کفایت المفتی ص ۱۸۹ ج ۸)

مسئلہ:۔ کسی شخص کا یہ فعل حرام ہے کہ وہ اپنی گائے دوسرے کے کھیت میں بلا اجازت چھوڑتا ہے لیکن اس سے وہ گائے (جانور) حرام نہیں ہوتی، اس کی قربانی درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۱۶ ج ۸)

مسئلہ:۔ اگر کسی جانور کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر بال نہ جمتے ہو اور زخم وغیرہ نہ ہو اور تمام اعضاء صحیح وسالم ہوں تو ایسے مویشی کی قربانی جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۹۷ ج ۳)

مسئلہ:۔ جس جانور کے بال کاٹ لیے گئے ہوں، اس کی قربانی درست ہے۔

(عالمگیری ص ۸۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گرایا اور گرانے کی وجہ سے کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اس عیب کی قربانی درست ہے، اور قربانی کرتے وقت جو بھی نقص جانور میں آجائے، اس کا اعتبار نہیں، قربانی درست ہے۔ (عنایہ علیٰ فتح القدیر ص ۳۹۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ جو جانور ناپاکی کی غلاظت کھاتا ہے اس کے باندھنے سے پہلے اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ جب اس کو چند روز باندھ دیا گیا جس سے وہ ناپاکی نہ کھا سکے تو اب اس کی قربانی جائز ہے۔ اگر اونٹ ہے تو اس کو چالیس روز، گائے، بھینس، بیل وغیرہ کو بیس روز، اور بکرا، بکری کو دس دن بند رکھا جائے۔ (شامی ص ۲۰۷ ج ۵)

(یعنی کھلے نہ پھریں باندھ کر چارہ وغیرہ کھلایا جائے، تاکہ گندگی میں منہ نہ ڈال دیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ بانجھ اور سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی درست ہے۔ بشرطیکہ سینگ اس کا جڑ سے نہ ٹوٹا ہو۔ اور مذبح تک اپنے پیروں سے چلا جائے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۲۰۷ ج۱)

مسئلہ:۔ جس جانور کی ران وغیرہ پر لوہے سے داغ دیا ہو، اور زمین جوتنے اور مارنے سے جو جانور کے بدن پر زخم یا نشان ہو جاتا ہے، ان دونوں کی قربانی درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ قربانی میں کوئی عیب ظاہری نہ ہو۔ (عزیزی الفتاویٰ ص ۲۷ ج۱)

مسئلہ:۔ جس بکری کے بچہ کی پرورش سُور کے دودھ سے ہوئی وہ بچہ حلال ہے لیکن کئی روز تک اس کو دوسرا چارہ دینا چاہئے، اس طرح قربانی بھی درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۰ ج ۳)

(جو دودھ اس بکری کے بچہ نے پیا تھا، اتنی مدت تک پاک چارہ کھانے سے اس کا ناپاک دودھ کا اثر ختم ہو گیا۔ اس لیے قربانی درست ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ اور جو بکرا ہرن اور بکری سے پیدا ہوا ہے، اس کی (بھی) قربانی درست ہے، یہ بچہ ماں کے حکم میں ہے اور ماں بکری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق مالدار اور غریب اس حکم میں مساوی ہیں۔ مالدار اور غریب (قربانی کے جانور کا) دودھ دوہنے اور اُون کاٹنے کے حکم میں برابر ہیں، اگر ذبح کرنے سے پہلے قربانی کے جانور کا دودھ دوہا یا اس کا اُون کاٹا تو اس کو صدقہ کر دے اور اس سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰۶ ج ۶)

مسئلہ:۔ رسولی والے جانور کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۸۲ ج ۳)

بانجھ جانور کی قربانی کا حکم

بانجھ جانور کی قربانی جائز ہے، منع نہیں ہے ممانعت کا حکم نظر سے نہیں گزرا۔ بانجھ ہونا قربانی کے لیے عیب نہیں ہے۔ جس طرح جانور کا خصّی ہونا اور جفتی سے عاجز ہونا۔ قربانی کے لیے عیب نہیں ہے، بانجھ جانور (جس کے بچے نہ ہوتے ہوں) اکثر لحیم وشحیم (خوب موٹا تازہ) ہوتا ہے، گوشت بھی عمدہ ہوتا ہے، بڑی عمر کی وجہ سے بچہ نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۱ ج ۲)

شرعاً جن کی قربانی درست نہیں ہے

مسئلہ:۔جس جانور کی ناک کٹی ہو، اس کی قربانی درست نہیں ہے۔(عالمگیری ص ۸۱ ج ۴)

مسئلہ:۔جس جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ چارہ (گھانس وغیرہ) نہ کھا سکے تو اس کی قربانی درست نہیں۔(عالمگیری ص ۸۰ ج ۵)

مسئلہ:۔اگر بھیڑ، بکری اور دنبے کے ایک تھن سے دودھ نہ اُترتا ہو تو اسکی بھی قربانی درست نہیں ہے۔(شامی ص ۲۱۳ ج ۵)

مسئلہ:۔اگر بھینس، گائے، اونٹنی وغیرہ کے دو تھنوں سے دودھ نہ اُترتا ہو تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔(عالمگیری ص ۸۰ ج ۴)

اسی طرح جس جانور کا تھن کٹا ہوا ہو یا اس طرح زخمی ہو کہ بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ اور جس جانور کا مرض ظاہر ہو اُس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔اونٹنی، گائے، بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر تو قربانی جائز ہوتی ہے، لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں۔(کفایت المفتی ص ۱۸۷ ج ۸)

مسئلہ:۔خنثیٰ بکرے کی قربانی درست نہیں۔(عزیز الفتاویٰ ص ۱۴۷ ج ۱)

مسئلہ:۔یہ راس جس کے متعلق لکھا ہے کہ (پیدائشی طور پر نہ بکرا ہے نہ بکری، شکل وصورت میں بکرے جیسی ہے) نہ بکرا ہے نہ بکری، اگر خنثیٰ ہے یعنی بکری جیسی علامتیں بھی اس میں موجود ہیں اور بکرے جیسی بھی، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اس سے (جو لکھا ہے) مراد خصّی بکرے کی ہے تو بلا شبہ جائز ہے۔(امداد المفتین ص ۹۶۲ ج ۲)

مسئلہ:۔عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں، لیکن اگر ذبح کے وقت تڑپنے، کودنے سے عیب دار ہو گیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:۔اصولِ کلی۔ اگر کسی نے قربانی کے لیے بے عیب جانور خریدا تھا مگر بعد میں کوئی ایسا عیب ونقص پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو تو اگر قربانی منت (نذر) کی ہو تو اس کی جگہ بے عیب جانور کی قربانی ضروری ہے خواہ وہ شخص امیر ہو یا غریب، اور اگر قربانی نذر کی

نہ ہوتو غریب کے لیے اس عیب دار جانور کی قربانی کر دینا کافی ہے اورامیر پراس کی جگہ دوسرے بے عیب جانور کی قربانی کرنا ضروری ہے۔(عالمگیری ص ۸۱ ج ۴)

مسئلہ:۔جس جانور کے پیٹ میں بچہ ہواُس کی قربانی صحیح ہے،لیکن شامی میں کفایہ سے منقول ہے کہ ولادت کے قریب جانور کوذبح کرنا مکروہ ہے۔ بچہ جو پیٹ میں سے نکلے،اگروہ زندہ نکلے، اس کو ذبح کرلیا جائے اس کا کھانا حلال ہوگا۔ اوراگروہ مردہ نکلے تو اس کا کھانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۱۸۲ ج ۲)

مسئلہ:۔جو جانور اندھا ہو یا کانا (ایک آنکھ والا) ہو۔ یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو یا ایک کان تہائی سے زیادہ کٹ گیا یا تہائی دُم یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہوتو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔(شامی ص ۳۱۶ ج ۵)

مسئلہ:۔جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا ہے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اوراگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔(شامی ص ۳۱۶ ج ۵)

مسئلہ:۔اتنا دبلا لاغر بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، یا جو ذبح کرنے کی جگہ خود نہ جاسکتا ہو، اس کی قربانی درست نہیں۔ اوراگر اتنا دُبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں (یعنی مرض کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرتی ساخت ایسی ہے تو) اس کی قربانی درست ہے، لیکن موٹے اور فربہ جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔(شامی ص ۲۸۲ ج ۵)

مسئلہ:۔جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں اگر کچھ گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔(درمختار ص ۲۳۶ ج ۲)

مسئلہ:۔جس جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں ہیں، ان کی بھی قربانی درست نہیں ہے یا کان تو ہیں مگر کسی کان کا تہائی حصہ یا زیادہ کٹ گیا ہو تو اس کا بھی یہ ہی حکم ہے۔اور اگر پیدائش سے کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔(درمختار ص ۳۲۲ ج ۲)

مسئلہ:۔جس جانور کے پیدائش سے سنگ نہیں یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے، اسکی قربانی درست ہے، البتہ اگر سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔
(عالمگیری ص ۲۹۷ ج ۵)

مسئلہ:۔جس جانور کے سینگ نہ ہوں ٹوٹ گئے ہوں یا اوپر کا خول اتر گیا ہو، اس کی قربانی درست ہے، البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۱ ج ۶)

مسئلہ:۔بھینگی آنکھ والے اور باؤلے اور خارش والے جانور کی قربانی درست ہے، لیکن اگر باؤلے پن کی وجہ سے کھاپی نہ سکتا ہو، یا خارش کی وجہ سے بالکل کمزور ہو گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (درمختار ص ۲۱۲ ج ۵)

مسئلہ:۔ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ ایسے جانور کی قربانی بھی دست نہیں جس کے کان پیدائشی نہ ہوں، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جس کی دُم اور ناک تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو۔ جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اس کی بھی قربانی درست نہیں۔ جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اُس کی قربانی درست نہیں۔ اور ایسے جانور کی بھی قربانی درست نہیں جس میں مغز نہ رہا ہو، اور نہ ایسے لنگڑے کی جو قربانی کی جگہ تک نہ جاسکے، اور نہ ایسے بیمار کی جو گھاس نہ کھا سکے۔ نہ ایسے جانور کی جس کے خارش ہو۔ نہ بغیر دانت والے جانور کی جو گھانس نہ کھا سکتا ہو اور نہ نجاست خور جانور کی۔ ہاں ایسے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کان لمبائی میں یا اس کے منہ کی طرف سے پھٹ جائے اور لٹکا ہوا ہو یا پیچھے کی طرف پھٹا ہو۔ (مظاہر حق جدید ص ۳۰۴ ج ۲)

مسئلہ:۔جس جانور کے کان پیدائشی چھوٹے ہوں، اُس کی قربانی جائز ہے، ہاں جس جانور کے پیدائشی دونوں کان نہ ہوں، یا ایک ہی کان ہو، یا ایک کان یا دونوں کان مکمل کٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ثلث حصہ کی مقدار یا اس سے زیادہ دُم بریدہ (دُم کٹی) بھیڑ وغیرہ کی قربانی درست

نہیں. ایک قول کے مطابق دُم نصف سے کم کٹی ہو یعنی آدھے سے زیادہ باقی رہی ہو. اس کی قربانی درست ہے. لہذا جہاں کامل دُم والے یا ثلث حصہ سے کم دُم بریدہ جانور نہ ملیں. وہاں اس قول کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۳ ج ۳)

نوٹ:۔ افریقہ کے سائل نے یہ مسئلہ معلوم کیا تھا کہ ہمارے یہاں بھیڑی کی دم کاٹ دی جاتی ہے کیونکہ اس سے جانور بیماری سے محفوظ رہتا ہے، ثابت دم والے جانور نہیں ملتے ہیں۔ وہاں پر تو مجبوری ہے کہ تلاش کے باوجود نہ ملیں تو جائز ہے۔ (احقر محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

قربانی کس قیمت کی ہو؟

مسئلہ:۔ خصّی جانور جبکہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقراء اور نادار (ضرورت مند گوشت کے زیادہ ہوں) تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے۔ اور اگر حاجتمند کم ہوں تو پھر جس جانور کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔

(کفایت المفتی ص ۱۹۲ ج ۸)

مسئلہ:۔ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت زیادہ فربہ اور موٹا تازہ ہو مستحب ہے۔ چنانچہ ایک فربہ بکرے کی قربانی دو کمزور دُبلے بکروں کی قربانی سے افضل ہے۔ ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے، بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو، یعنی زیادہ گوشت والی بکری کا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ۳۰۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر گائے (بڑے جانور) کے ساتویں حصہ کی قیمت اور بکری کی قیمت برابر اور گوشت بھی برابر ہے تو بکری خریدنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ بھیڑ سے بکری افضل ہے۔ بکریوں اور اونٹوں میں مادہ کی قربانی نر سے بہتر وافضل ہے علیٰ ہذا القیاس، بیل سے گائے بہتر ہے۔

مسئلہ:۔ جس قربانی کی قیمت زیادہ ہو وہ بہتر ہے اور اگر دو جانوروں کی قیمت برابر ہو، لیکن ایک کا گوشت زیادہ ہے تو وہی بہتر وافضل ہے۔ نیز اگر دو لاغر (کمزور) بکریاں بھی اتنی ہی قیمت میں آتی ہیں اور ایک موٹی تازی بھی، تو ایک فربہ خریدنا افضل و بہتر ہے (فتاویٰ محمدیہ ص ۷۷ ج ۱)

قربانی کا جانور خرید کر نفع سے بیچنا

سوال:۔ زید نے قربانی کے لیے بکرا خریدا، جتنے کا خریدا تھا اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کر کے پھر اور خرید لیا، کیا قربانی کے جانور کو فروخت کیا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہئے تھا۔ اگر فروخت کر کے دوسرا کم قیمت کا خریدے تو جو نفع حاصل ہوا ہے اُسے بھی خیرات کر دینا چاہئے۔

(کفایت المفتی ص ۱۹۷ ج ۸)

چوری کے جانور کی قربانی

سوال:۔ قربانی کے لیے جو جانور خرید ا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چوری کا تھا، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر چوری کرنے والے سے وہ جانور خریدا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔ (کفایت المفتی ص ۱۹۷ ج ۸)

مسئلہ:۔ اگر ذبح ہونے کے بعد اصل مالک اجازت دے دے، کھانا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۵۰ ج ۳)

کانجی ہاؤس سے لیے ہوئے جانور کی قربانی

کانجی ہاؤس سے خریدے گئے جانور کی قربانی درست ہے۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے۔ اس لیے بلا ضرورت بدنام بالخصوص مقتدا کے لیے زیبا نہیں ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۴۱ ج ۳)

خصّی جانور کی قربانی

خصّی بکرے، مینڈھے، بیل کی قربانی جائز ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے، دونوں قسم کے (خصیتین کو کاٹ کر یا دبا کر خصیتین نکال دیئے جاتے ہیں) خصّی کی قربانی جائز ہے، عضو کا کم ہونا اور کچل کر بے کار کر دینا یکساں ہے۔ مگر یہ عیب گوشت کی عمدگی

کے لیے قصداً کیا جاتا ہے، اس لیے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۹۳ ج۸)

اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصّی جانور کی قربانی فرمائی ہے، اس لیے یہ عیب قربانی کے جواز کے لیے مانع نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص۱۹۴ ج۵)

جانور کو فربہ (موٹا تازہ) بنانے یا کسی منفعت کی نیت سے خصی کرنا جائز ہے اور جس عبارت سے خصی کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بلا وجہ شرعی اور بطورِ (تفریح) لہو ولعب کرنے پر محمول ہے۔ فقہاء علیہ الرحمہ نے خصی کرنا جائز ہونے کے لیے منفعت کی قید لگائی ہے، اگر منفعت نہ ہو تو حرام ہے، اور منفعت یہ ہے کہ جانور کو فربہ بنانا مقصود ہو، یا یہ نیت ہو کہ وہ کاٹنے سے باز رہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۱ ج۶ بحوالہ عالمگیری ص۲۳۷ ج۶ کتاب الکراہیۃ)

لون کے پیسے سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی

سوال:۔ احقر نے چند سال پہلے ایک بھینس لون سے خریدی تھی۔ اب اس کا ایک بچہ ہے، میں اس کی قربانی کرسکتا ہوں یا نہیں؟

جواب:۔ جس بھینس کے بچے کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۳ ج۶)

اگر قربانی کے جانور نایاب ہوجائیں؟

سوال:۔ قربانی کے جانور اب کے بہت کم آئے ہیں، جو کچھ ہیں بھی وہ نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لیے وہ بہت گراں ہیں۔ ایسی صورت میں قربانی کے لیے اگر جانور نہ مل سکے تو قربانی کے تعین کے بعد کم سے کم کتنے دام خیرات کرے جس سے کہ قربانی کا ثواب مل سکے؟

جواب:۔ قربانی کے جانور کی یا بڑے جانور کے ساتویں حصے کی قیمت خیرات کردے۔ (کفایت المفتی ص۲۱۳ ج۸)

نوٹ:۔ اگر کسی جگہ قربانی کے لیے جانور نہ مل سکیں یا حالات خراب ہونے کی وجہ سے کرفیو وغیرہ نافذ ہو تو وہاں پر بھی اس پر عمل کرسکتے ہیں یعنی بقرعید کے تین دن انتظار کرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ کردیا جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

سانڈ (بجھار) کی قربانی کا حکم

غیر اللہ کے لیے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو، یہ سائبہ ہے جس کو ہمارے یہاں سانڈ اور بجھار کہتے ہیں۔ سانڈ کا مالک اس کو کسی بُت یا دیوتا کے نام پر کام اور خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لیے قربان کرے۔ اس قسم کے جانور کو خریدنا، اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ ہرگز نہ بیچتا۔ مگر ایسے جانور یعنی سانڈ کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر پکڑ کر ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے، مگر اس کی حرمت مالِ غیر ہونے کی بناء پر ہے نہ کہ (وما احل لغير الله به) میں داخل ہونے کی بناء پر، سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔ دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لیے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے کہ یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت کے مطابق ذبح ہو جائے تو حرام اور مردار ہو جاتا ہے، اگرچہ ذبح کرنے والا (بسم الله الخ) پڑھ کر ذبح کرے جب بھی حرام و مردار ہی رہے گا۔ جیسے اکثر ہنود (غیر مسلم) دیوی، یا کسی بُت کے نام پر جانور کو قربان کرنے کے لیے لاتے ہیں مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے، کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو، وہ (بسم الله) کہہ کر ذبح کر دیتا ہے تو اس کی (بسم الله) سے وہ حلال نہیں ہونگے۔ یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے کہ اس کو دیوی کے اُوپر قربان کر دینا۔ پجاری اُن جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر (بسم اللّٰه الله اكبر) پڑھ کر ذبح کر لیتے ہیں، یہ بھی حرام ہیں۔ کیونکہ اُن میں نیت اُن کے اصل مالک کی ہی معتبر ہوگی، اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی

جان غیر اللہ کے لیے قربان ہو، پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت (مالک کی) کالعدم نہ ہوگی، بلکہ پجاری کی بیع (بیچنا) باطل ہوگی۔

ایسے جانور جن کی جان کی کسی غیر اللہ کے لیے قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو، صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں، کہ ان کو ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کرلے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو خاص خدا کے لیے ذبح کرنے کی نیت کر کے (بسم اللہ) پڑھ کر ذبح کرے تو یہ حلال ہوگا۔ نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہوگی۔ اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں، بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا جو پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا ہے۔

(کفایت المفتی ص۲۳۲ ج۸)

حاملہ جانور کی قربانی

سوال:۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اونٹ اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو بعض دفعہ ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے، اس بچہ کو حرام سمجھ کر ڈال دیں یا وہ حلال ہے؟

جواب:۔ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا کہ اگر دل چاہے تو ذبح کر کے کھالو، کیونکہ اسکو ذبح کرنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو اس کی ماں کے ذبح کرنے کا ہے۔ (ابوداؤد وترمذی)

شرح:۔ اگر پیٹ میں سے مردہ بچہ نکلا ہے تو وہ بالکل حرام ہے اور اگر زندہ نکلا ہے تو ذبح کر کے اس کا کھانا جائز وحلال ہے جیسا کہ اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اور اگر ذبح سے پہلے ہی مر گیا تو حرام ہے۔ صحابۂ کرامؓ کو یہ شبہ تھا کہ شاید ایسا کمزور اور بالکل نیا نکلا ہوا بچہ ذبح کرنا جائز نہ ہو کیونکہ یہ ذرا خلافِ رحم معلوم ہوتا ہے۔

جواب:۔ کا حاصل یہ ہے کہ ذبح کے وقت پیٹ سے نکلے ہوئے بچے اور دوسرے جانوروں کے ذبح میں کچھ فرق نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۴۰)

مسئلہ:۔ حمل والے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے۔ البتہ جس کے بچہ پیدا ہونے کی مدت بہت ہی قریب آگئی ہو، اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص۴۰ ج۱)

مسئلہ:۔اوراگر بچہ کوذبح نہ کیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گزر گئے تواس زندہ بچہ کوصدقہ کردیا جائے۔اوراگرایام قربانی کے بعدذبح کرکے کھالیا تواس کی قیمت کاصدقہ کیا جائے گا۔(شامی ص۲۰۵ج۵)

(اوراگر بچہ کو پال لیا اور بڑے ہونے پرقربانی کردی تواس کی واجب قربانی اداء نہ ہوگی،اوراس کاپورا گوشت صدقہ کرناواجب ہوگا،اگرقربانی واجب ہے تودوسری قربانی کرنی ہوگی۔محمدرفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

قربانی خودکرے یادوسری جگہ رقم بھیج دے؟

سوال:۔افریقہ والے اپنی قربانی ہندوستان میں کراتے ہیں،وہاں خودنہیں کرتے، اس میں کوئی حرج تونہیں؟

جواب:۔صورتِ مسئولہ میں قربانی بدون حرج کے درست ہے۔مگربہتر یہ ہے کہ قربانی کاجانورخودپسندکرکے اس کی خدمت گزاری کرکے محبت کاتعلق پیداکرے کیونکہ یہ ایک بڑے ثواب کاذریعہ بننے والاہے،یہی نہیں بلکہ اولادکی قربانی کے قائم مقام ہے یعنی اس کوقربان کرنااولادکوقربان کرنے کے برابرہے،اورمستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے،اگرذبح نہ کرسکے تواس مبارک وقت پرحاضررہے،اورمستحب ہے کہ اپنی قربانی میں سے کھائے۔ہوسکے توعیدکے مبارک دن میں کھانے کی ابتداءاپنی قربانی کے گوشت سے کرے اورپڑوسی وعزیزواقارب نیزغریبوں اوررشتہ داروں کوکھلائے۔دوسری جگہوں پر قربانی کرانے سے مذکورہ بالابرکتوں سے محروم ہوناپڑتاہے۔اگرکسی عذریاشرعی مصلحت کی بناءپریہ کیاجاتاہو(قربانی کسی اورجگہ پرکرائی جاتی ہے)توپورے اجرکی بلکہ زیادہ ثواب کی بھی امیدکی جاسکتی ہے،صحیح طریقہ اورنیت پرمدارہے،وطن میں خویش واقارب اوررشتہ داروں کاحق اداکرنے کے لیےبعض قربانی کاانتظام کرسکتے ہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵،ج۲)

قربانی کاوقت

(عن البراءِ قال خطبنا النبی ﷺ یوم النحر فقال ان اوّل مانبدء به

فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فمن فعل ذلک فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل ان نصلی فانما هو شاۃ لحم علجلہ لاھلہ لیس من النسک فی شیءٍ.) (رواہ ابوداؤد ومسلم)۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قربان کے دن خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:۔ آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں نمازِ عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقہ کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اُس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اُس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لیے بکری ذبح کر لی ہے۔ (اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں)۔ (معارف الحدیث ص ۴۱۶ ج ۳۔ بحوالہ صحیح بخاری ومسلم)

مسئلہ:۔ بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے، چاہے دن قربانی کرے، لیکن قربانی کرنے کا سب سے بہترین دن بقرعید کا پہلا دن ہے، پھر گیارہویں تاریخ، پھر بارہویں تاریخ کرے۔ (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ قدوری ص ۱۹۸)

مسئلہ:۔ بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے، جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب قربانی کرے، البتہ اگر کوئی دیہات اور گاؤں میں (کہ جہاں پر نمازِ جمعہ وعیدین واجب نہیں) رہتا ہو تو وہاں طلوع صبح صادق کے بعد بھی قربانی کر دینا درست ہے، شہر کے اور قصبہ کے رہنے والے نماز کے بعد قربانی کریں۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو اس کی قربانی بقرعید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے، اگر چہ وہ خود شہر ہی میں موجود ہو، لیکن جب قربانی دیہات میں بھیج دی تو نماز سے پہلے درست ہو گیا ذبح ہو جانے کے بعد اس کو منگوا لے اور گوشت کھالے۔ (عالمگیری ص ۳۴۳ ج ۴)

مسئلہ:۔ بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔ اور جب سورج ڈوب گیا تو اب قربانی درست نہیں۔

مسئلہ:۔دسویں سے بارہویں تاریخ تک جب جی چاہے قربانی کرے، چاہے دن میں یارات میں، لیکن رات کوذبح کرنا بہترنہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اورقربانی درست نہ ہو۔(عالگیری ص ۲۹۶ ج ۵)۔

مسئلہ:۔اپنی قربانی کواپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، اگرخود ذبح کرنانہ جانتا ہوتوکسی اور سے ذبح کرالے،لیکن ذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑے ہوجانا بہتر ہے۔

مسئلہ:۔اگرقربانی والے نے نمازِعیدنہیں پڑھی مگرشہرکی کسی بھی مسجد میں عیدکی نماز ہوگئی تواس صورت میں بغیرنمازِعیدپڑھے قربانی کرسکتا ہے،کیونکہ خودقربانی کرنے والے کانمازِعید سے فارغ ہوناشرط نہیں ہےقربانی کے لیے مسجدیاعیدگاہ میں نماز ہوچکنا کافی ہے۔

(امدادالفتاویٰ ص ۵۹۷ ج ۳)۔

مسئلہ:۔اگرکسی وجہ سے نمازِعیددسویں تاریخ کونہ پڑھی گئی تواس روز جب نمازکاوقت گزرجائے یعنی زوال کے بعدذبح کرناجائزہوگا۔

مسئلہ:۔اگرعیدالاضحیٰ کی نمازگیارہویں یابارہویں تاریخ کواداکی گئی تونماز سے قبل ذبح کرنابھی جائزہے۔(کرفیو، آندھی، طوفان، بارش وغیرہ کے عذرسے نمازمیں تاخیرکرنا جائزہے۔محمدرفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔اگرشہرمیں ایک مقام پرنمازِعیدہوچکی ہے،لیکن دوسری جگہ ابھی نمازنہیں ہوئی تب بھی ذبح جائزہے۔(فتاویٰ محمدیہ ص ۷۷ ج ۱)۔

مسئلہ:۔جن بستیوں یاشہروں میں نمازِجمعہ وعیدین جائزہے، وہاں نمازِعید سے پہلے قربانی جائزنہیں۔اگرکسی نے نماز سے پہلے قربانی کردی تواس پردوبارہ قربانی لازم ہے۔البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں، یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعدقربانی کرسکتے ہیں۔ایسے ہی اگرکسی عذرکی وجہ سےنمازِعید پہلے دن نہ ہوسکے تونمازعیدکاوقت گزرجانے کے بعدقربانی درست ہے۔(جواہر الفقہ ص ۴۴۹ ج ۱)۔

مسئلہ:۔اگرکسی شہرمیں فساد ہوگیااورنماز پڑھنامشکل ہوگیااورلوگوں نے طلوعِ فجرکے بعدہی قربانی کرڈالی تودرست ہے۔

مسئلہ:۔ اگر قربانی کے دن میں شک ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے کہ تیسرے دن تک قربانی کو مؤخر نہ کرے، اور اگر مؤخر کر دیا تو مناسب یہی ہے کہ گوشت نہ کھائے بلکہ صدقہ کر دے۔

(مسائل قربانی ص ۳۱ بحوالہ بزاریہ علی الہندیہ ص ۲۸۸ ج ٦)۔

مسئلہ:۔ حیلہ۔ اگر کسی مصلحت سے قربانی بہت جلدی کرنے کی شہر والے کو ضرورت ہو تو اپنی قربانی کا جانور شہر کی حدود سے باہر جنگل میں یا کسی ایسے چھوٹے گاؤں میں (قریب کے) بھیج دے جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی، اس کا خادم وملازم دسویں تاریخ کو طلوع فجر کے بعد ذبح کر دے اور پھر شہر میں لے آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۷۷ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ قربانی میں معتبر جو ہے وہ قربانی کا مکان (جگہ) ہے نہ اس شخص کا مکان جس پر قربانی واجب ہے یعنی اگر قربانی دیہات میں ہے اور قربانی کرنے والا شہر میں ہے تو طلوعِ فجر کے وقت سے اس کی قربانی جائز ہے اور اگر قربانی شہر میں ہو اور قربانی کرنے والا دیہات میں ہو تو قربانی نمازِ عید تک جائز نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر گاؤں کے لوگوں میں سے (جہاں نمازِ جمعہ وعیدین واجب نہیں) کوئی شخص شہر میں نمازِ عید کے لیے آیا اور اپنے اہل سے کہہ آیا کہ قربانی کر دیں تو ان کو اختیار ہے کہ اس کی طرف سے (جبکہ وہ گاؤں سے چلا گیا ہو) طلوعِ فجر ہی کے بعد قربانی کر دیں۔

(فضائل عشرہ ذی الحجہ ص ۳۷)

گاؤں میں قربانی کا وقت

قریہ (گاؤں) میں جہاں جمعہ وعیدین صحیح نہیں ہے۔ فجر کے بعد قربانی کے جائز ہونے کی وہی حدیثیں دلیل ہیں جن میں نماز سے پہلے ذبح کرنیکی ممانعت وارد ہے، کیونکہ نماز سے پہلے کی قید سے معلوم ہوا کہ وہاں نماز ہوتی ہے۔ پس جس جگہ نماز عیدین کی ہوتی ہے۔ یعنی شہر یا بڑے گاؤں (قریہ کبیرہ) وہاں نماز سے پہلے قربانی کرنا ممنوع و باطل ہے اور جس جگہ نماز نہیں ہوتی جیسے قریۂ صغیرہ (چھوٹا گاؤں) اس ممانعت میں داخل نہ ہوا۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۲۱ ج ۱)

ذبح کرنے والا کیسا ہو؟

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ ذبح کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی، سو یہ محض غلط ہے۔

مسئلہ:۔ قواعدِ فقہیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ذبح پر اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت معین ہو، کام بھی معین ہو، مثلاً فی جانور اتنی قیمت (دینی ہوگی)۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۶۶۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ ذبح کرنے کی اُجرت جائز ہے اور وہ ذبح کرنے والے کے حق ہے۔

مسئلہ:۔ ذبح کرنے والے کی امامت جائز ہے، یعنی محض اُجرت پر ذبح کرنے کی وجہ سے کراہت پیدا نہیں ہوتی۔ (نیز) کسی شخص کو ذبح کرنے کی اُجرت ہمیشہ لینا جائز ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۴۵ ج ۸)

مسئلہ:۔ پیشہ قصابی اور گوشت فروشی درست ہے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ پیشہ اہل اسلام میں جاری تھا اور بعض صحابہؓ اس کام کو کرتے تھے۔ پس شرعاً یہ پیشہ اور یہ فعل ممنوع نہیں اور قابلِ مؤاخذہ نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ جب کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو جانور کا پکڑنے والا خواہ مشرک ہو یا مسلمان کچھ حرج نہیں، اور نہ پکڑنے والے پر (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا واجب ہے، اور پکڑنے والا مشرک اگر (بسم اللہ اللہ اکبر) کہے تو کچھ مفید نہیں۔

ہاں شریک فی الذبح پر (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا واجب ہے اور صرف جانور کو پکڑنے والا شریک فی الذبح نہیں ہے۔ درمختار میں ہے کہ جو شخص ذبح کرنے والے کے ہاتھ کو زور دے اور چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارہ دے وہ شریک فی الذبح ہے اور اس پر (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا ضروری ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۶ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کا کوئی جز کھال ہو یا گوشت وغیرہ اُجرتِ قصاب میں دینا یا قیمت میں مجریٰ کرنا سخت ممنوع ہے، گو قربانی میں خلل نہیں آتا، لیکن بقدرِ قیمت کھال (وغیرہ) کے اس شخص پر مساکین کو صدقہ کرنا واجب رہے گا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ مشہور ہے کہ ولد الزنا (حرام زادہ) کا ذبح کیا ہوا درست نہیں ہے، سو یہ محض غلط ہے۔ (یعنی ایسے شخص کا ذبیحہ جائز ہے)۔

مسئلہ:۔بعض عوام عورتوں کے ذبح کیے ہوئے کو درست نہیں سمجھتے، یہ بھی غلط ہے۔
مسئلہ:۔بعض عوام سمجھتے ہیں کہ ذابح (ذبح کرنے والے) کی اعانت کرنے والا مثلاً جانور پکڑنے والا کافر ہو تو ذبیحہ حلال نہیں، یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔(اغلاط العوام ص ۱۷۹)

(چونکہ کافر غیر مسلم صرف مُعین ہے نہ کہ ذبح کرنے والا اور نہ ذابح کا شریک کیونکہ جو ذبح کرنے والے کے ہاتھ کو زور دے یا چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارا دے وہ شریک مانا جاتا ہے اور یہاں یہ بات نہیں ہے اس لیے ذبیحہ حلال ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)
مسئلہ:۔گونگے کا ذبح کیا ہوا بھی درست ہے کیونکہ وہ (بسم اللہ) کے ترک کردینے میں معذور ہے۔(نفع المسائل والمفتی ص ۱۳۵)
مسئلہ:۔قوم قصاب کے کسی شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام نہیں۔ کیونکہ قصاب (قصائی) بھی مسلمان ہیں اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا حلال ہے۔
مسئلہ:۔ذبیحہ ہر مسلمان کا حلال ہے۔ بدمزاجی و بدزبانی سے ذبیحہ کی حلت یعنی حلال ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔
مسئلہ:۔ذبح کی حلت کے لیے ذبح کرنے والے کا بینا ہونا شرط نہیں ہے نابینا کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں والے سے ذبح کرایا جائے تاکہ وہ ذبح کے کمال اور نقصان کو دیکھ کر معلوم کر سکے۔ تاہم نابینا کا ذبح کیا ہوا حرام نہیں ہے۔
مسئلہ:۔زانیہ کے مرد (شوہر) کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا حلال ہے خواہ وہ شخص اس برے فعل سے اپنی بیوی کو منع کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، دونوں صورتوں میں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔
مسئلہ:۔ذبح کرنے والا نماز روزہ کا پابند نہیں اور پاک بھی نہیں رہتا۔ اور نشہ بھی کرتا ہے جب بھی اس کا ذبح کیا ہوا جائز ہے، ذبیحہ کے جواز کے لیے ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا کافی ہے، بشرطیکہ ذبح کرتے وقت قصداً (بسم اللہ اللہ اکبر) کو ترک نہ کرے۔
مسئلہ:۔ہندو نے جانور کے پکڑنے اور قابو کرنے میں مدد کی اور ذبح مسلم نے کیا تو اس میں کوئی خرابی نہیں، مذبوحہ حلال ہے۔(کفایت المفتی ص ۲۶۱ تا ص ۲۶۳ ج ۸)
مسئلہ:۔عورت اور نابالغ کا ذبح کیا ہوا بشرطیکہ ذبح کر سکتا ہو اور (بسم اللہ) کہے تو جائز

ہے۔(امدادالفتاویٰ ص۵۴۸ ج۳)

مسئلہ:۔مسلمان کے ذبیحہ میں کچھ وہم اورشک نہ کرنا چاہئے، احتمال سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا۔(عزیزالفتاویٰ ص۷۴۳ ج۱)

مسئلہ:۔اگرتعظیم غیراللہ کی مقصودنہ ہوتوتعیین مکان ذبح جائزہے(امدادالفتاویٰ ص۵۴۷ ج۳)

مسئلہ:۔قربانی کرنے والےکو(بسم اللہ اللہ اکبر) کہنالازم(واجب)ہے۔نیت کی دعاءپڑھے یانہ پڑھے۔صرف دل سے یہ ارادہ کرلینا کہ قربانی کرتاہوں کافی ہے۔

(کفایت المفتی ص۱۸۰ ج۸)

مسئلہ:۔ذبح کرتےوقت صرف(بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا چاہئےاورکھاناکھاتےوقت پوری(بسم اللہ)پڑھی جائے۔(کفایت المفتی ص۲۶۳ ج۸)

مسئلہ:۔شرکاءکےنام قربانی میں ذبح کرتےوقت پکارنےکی کوئی ضرورت نہیں ہے،ہاں ذبح کرنے والانیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کاخیال رکھے،اوراگراتفاقاًپکار دیئے جائیں اورمقصوداعلام ہوتومضائقہ نہیں لیکن پکارنےکوضروری یاقربانی میں لازم سمجھنا بےاصل ہے۔(کفایت المفتی ص۱۸۴ ج۸)

غیر مسلم کے ذبیحہ کا حکم

ذبیحہ کی حلت کیلئے ذابح کامسلمان ہونایاکتابی ہوناشرط ہے،غیرکتابی کاذبح کیاہواحلال نہیں، پس جاٹوں(جوغیرمسلم ہیں)یاسکھوں کاجھٹکہ حلال نہیں کہ یہ کتابی نہیں ہیں۔غیرکتابی کےذبیحہ کی حرمت پرعلماءکااس پراجماع ہےکہ مجوسیوں اورعرب کے تمام مشرکوں اورتمام بت پرستوں اورغیرکتابی کافرکاذبح کیاہواحرام ہے۔

(کفایت المفتی ص۲۴۹ ج۸)

شیعہ کا ذبیحہ

سوالشیعوں میں چندفرقےہیں۔سب کاذبیحہ ناجائزہےیاکسی خاص فرقہ کا؟

جواب:۔جورافضی تبراگوہواورسب شیخین کرتاہو،اسکوبعض فقہاءنے کافرومرتد

کہا ہے، ان کے ذبح کیے ہوئے میں مسلمان سُنیوں کو احتیاط لازم ہے ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ شیعوں کے بعض فرقے بالاتفاق کافر ہیں وہ جو افک حضرت عائشہؓ کے معتقد ہیں یا الوہیت حضرت علیؓ نے قائل ہیں۔ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کے منکر ہیں یا بدا کے قائل ہیں، ان کے ساتھ مناکحت (شادی بیاہ) اور ان کا ذبح کیا ہوا بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور ایک فرقہ جو سب شیخین کرتا ہو، اور امور بالا کا معتقد نہ ہو۔ اس کے کفر میں اختلاف ہے، ان کے ذبیحہ اور مناکحت میں احتیاط کرنا لازم ہے۔ اور ایک فرقہ جو محض تفضیلیہ ہے کہ حضرت علیؓ کو خلفائے ثلثہ سے افضل جانتا ہے، مگر کسی کو برا نہیں کہتا اور سب شیخین نہیں کرتا، ان کا ذبیحہ حلال ہے اور وہ مسلمان ہیں، اگر چہ سنی نہیں ہیں۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۷۹۷ ج ۱)

بندوق کا ذبیحہ

مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا جائز ہے اور حلال ہے، کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ مچھلی کے سوا باقی جانوروں کو اگر بندوق سے شکار کیا جائے اور وہ جانور مر جائیں، ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حرام اور مُردار ہو جاتے ہیں۔ ان کا کھانا جائز نہیں، اگر چہ بندوق چلاتے وقت (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر چلائی ہو۔ اگر بندوق کا شکار زندہ ہاتھ آ جائے اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔

تیر جب (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر چلایا جائے اور اس کا شکار مر بھی جائے تب بھی حلال ہے۔ مگر بندوق کا یہ حکم نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۳۹ ج ۸)

عورت کا ذبیحہ

عورت کا ذبح کیا ہوا بلا شبہ درست ہے، جو لوگ اس کو حرام کہتے ہیں وہ گنہگار ہیں، البتہ چونکہ عورتیں اس کام کو کم جانتی ہیں اور بوجہ ضعفِ قلب کے یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھ نہ چلے، اس لیے بلا ضرورت آج کل ان کے سپرد کرنا ذبح کرنے کا کام مناسب نہیں، لیکن حلال ہونے میں پھر بھی شبہ نہیں یعنی جائز ہے۔ (امداد المفتین ص ۹۵۷ ج ۲)

بے ہوش کر کے ذبح کرنا

ذبح سے پہلے پستول سے دماغ میں نشانہ لگا کر پھر ذبح کرنا، یہ طریقہ خلافِ سنت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسمیں جانور کے حرام ہو جانے کا ظن غالب ہے اور وہ یہ کہ اگر اس ضرب (چوٹ) سے جانور کی ہلاکت متیقن ہو جائے تو پھر اس کے گلے پر چھری پھیرنا بے کار ہوگا اور جانور حرام ہو جائے گا۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۶ ج ۸)

مسئلہ:۔ شریعت نے جو ذبح کو حلال ہونے کی شرط ٹھہرائی ہے اسکی علت جیسا کہ نصوص سے واضح ہے کہ بہنے والا خون ذبیحہ کے بدن سے نکل جائے اور قواعد سائنس سے اسکا قوی احتمال ہے کہ جانور کی طبیعت اسکے ہوش کی حالت میں قوی ہوتی ہے، اور بے ہوشی جس درجہ ہوگی، اسی قدر اسکی طبیعت ضعیف ہوگی، اور خون کا خارج کرنا یہ فعل طبیعت کا ہے، پس جس قدر طبیعت میں قوت ہوگی خون زیادہ خارج ہوگا، اور جس قدر طبیعت میں ضعف ہوگا خون کم خارج ہوگا، پس قصداً طبیعت کو ضعیف کرنا، خون کم نکلنے دینے کا اہتمام جو صریح مزاحمت ہے مقصود شارع کی یہ تو شرعی خلاف ورزی ہے۔ اور خون بدن میں کافی موجود ہونے کے بعد جب کم نکلے گا تو وہ گوشت ہی میں مل جائیگا۔ اور جب کہ جانور کے خود مرنے سے پورا خون گوشت میں ہی مل جانے سے طبِ نبوی ﷺ کی منشاء کے خلاف ہے اور بے ہوش کر کے ذبح کرنے میں تو کچھ نہ کچھ خون گوشت میں ضرور شامل ہوگا اور یہ شریعت کے خلاف ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے بلا تدبیر اختیاری ہو۔ اس میں مکلّف معذور ہے اس سے حرمت یا کراہت کا حکم نہ کیا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۰۸ ج ۳)

(یعنی بغیر بے ہوش کیے ہوئے اگر خون کسی جانور میں ذبح کرتے ہوئے کم نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں گوشت خوری کا دستور انتہائی قدیم ہے لیکن اسلام سے پہلے جانوروں کا گوشت کھانے کے عجیب طریقے بغیر کسی پابندی کے اختیار کیے ہوئے

تھے، مردار کا گوشت کھایا جاتا تھا، زندہ جانور کے کچھ اعضاء (ضرورت کے مطابق) کاٹ کر کھالیے جاتے تھے۔ جانور کی جان لینے کے لیے بھی انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا جاتا تھا، کہیں لاٹھیوں سے مار کر، کہیں تیروں کی بوچھاڑ کر کے جانور کی جان لی جاتی تھی۔

اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تفریق کی کہ مردار کا گوشت حرام کیا، جو انسان کی جسمانی اور روحانی دونوں صحتوں کو برباد کرنے والا ہے، ان جانوروں کو حرام قرار دیا جن کے گوشت سے اخلاقِ انسانی مسموم ہو جاتے ہیں۔ جیسے خنزیز، کُتا، بلی، درندے جانور وغیرہ، پھر جن جانوروں کو حلال کیا ان کا گوشت کھانے میں بھی ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے ناپاک خون زیادہ سے زیادہ نکل (جائے)۔ اور جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، طبی اصول پر انسانی صحت اور غذائی اعتدال میں اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ موجودہ زمانے کے ڈاکٹروں نے طبی تحقیق کیساتھ اس کو ثابت کیا ہے۔ بہرحال اسلام نے جانوروں کا گوشت کھانے میں انسان کو آزاد نہیں چھوڑا، کہ جس طرح درختوں کے پھل اور ترکاریاں وغیرہ جس طرح چاہیں کاٹیں اور کھالیں، اسی طرح جانوروں کو جس طرح چاہیں کھا جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کی غذا، خواہ نباتات سے ہو یا حیوانات سے ہو، سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس حیثیت سے ہر کھانے کو اللہ کا نام لے کر کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کا شکر ادا کرنا، سنت اسلام ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے اتنا عام کیا کہ وہ ایک اسلامی شعار بن گیا، لیکن جانوروں کے ذبح پر اللہ کا نام لینے کا معاملہ اس سے کچھ آگے ہے کہ جانور کا گوشت اس کے بغیر حلال ہی نہیں ہوتا، کوئی غافل انسان ترکاری، پھل وغیرہ کو بغیر اللہ تعالیٰ کے نام کے کاٹے تو اسے غافل، تارکِ سنت تو کہا جائے گا لیکن اس کے کھانے کو حرام نہیں کہا جاسکتا، بخلاف جانور کے کہ اس کے ذبح کے وقت (بسم اللہ) کہنا اس کے حلال ہونے کی شرط ہے، اس کے بغیر سارے آدابِ ذبح پورے بھی کردیئے جائیں تو بھی جانور مردار وحرام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ (حجة اللہ البالغہ) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جانوروں کا معاملہ عام نباتاتی مخلوق کا سا نہیں ہے، کیونکہ ان میں انسان کی طرح روح ہے،

انسان کی طرح دیکھنے، سننے، سونگھنے اور چلنے پھرنے کے آلات واعضاء ہیں، انسان کی طرح ان میں احساس وارادہ اور ایک حد تک ادراک بھی موجود ہے، اس کا سرسری تقاضا یہ تھا کہ جانوروں کا کھانا مطلقاً حلال نہ ہوتا لیکن حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ اس نے انسان کو مخدوم کائنات بنایا جانوروں سے خدمت لینا، ان کا دودھ پینا اور ضرورت کے وقت ذبح کر کے ان کا گوشت کھالینا بھی انسان کے لیے حلال کر دیا، مگر ساتھ ہی اس کے حلال ہونے کے لیے چند ارکان اور شرائط بتلائے، جن کے بغیر جانور حلال نہیں ہوتا (جواہر الفقہ ص ۳۶۳ تا ۳۶۵ جلد دوم)

اسلامی ذبیحہ کے شرائط

قرآن وسنت کی مذکورہ تصریحات سے اسلامی ذبیحہ کے لیے تین شرائط ثابت ہوئیں:۔ (۱) ذبح (ذبح کرنے والے) کا مسلمان ہونا۔ (۲) ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا۔ (۳) شرعی طریقہ پر حلقوم اور سانس کی نالی کی رگیں کاٹ دینا۔

نوٹ:۔ یہ بیان اختیاری ذبح کرنے کا ہے، غیر اختیاری ذبح شکار وغیرہ کے احکام الگ ہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۳۷۵ ج ۲)

ذبح کرنے کے احکام

اول یہ کہ ذبح کا مقام حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ دوم یہ کہ گردن کو پورا کاٹ کر الگ نہ کیا جائے بلکہ حرام مغز بھی نہ کاٹا جائے، بلکہ حلقوم اور مری یعنی سانس کی نالی اور اسکے اطراف کی خون کی رگیں جن کو اوداج کہا جاتا ہے وہ کاٹے۔ اس طرح نجس خون بھی پورا نکل جاتا ہے اور جانور کو تکلیف بھی بہت کم ہوتی ہے، اس طریقے کے خلاف جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں خون بھی پورا نہیں نکلتا، اور جانور کو بلا ضرورت تکلیف بھی شدید ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے یعنی (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھا جائے۔ چہارم یہ کہ اس کا پورا اہتمام کیا جائے کہ جانور کو تکلیف کم سے کم ہو، اس لیے یہ حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لو اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرو اور مذکورہ حلقوم وغیرہ کو پورا کاٹو، تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔ ایک حدیث میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ جانور

کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ پنجم یہ کہ زندہ جانور کا کوئی عضو (حصہ) نہ کاٹا جائے۔ ششم یہ کہ جانور کو گدی کی طرف سے ذبح نہ کرو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جھٹکا جائز نہیں، جس میں دفعۃً گردن الگ کردی جاتی ہے۔ ہفتم یہ کہ جو جانور گدی کی طرف ذبح کیا جائے، حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حلال نہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۲۷۳ ج ۲)

قربانی کا افضل طریقہ

(وعن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یافاطمة قومی الیٰ اضحیتک فاشهدیها، فان لک باول قطرة تقطر من دمها ان یغفرلک ماسلف من ذنوبک، قالت یارسول اللہ ﷺ! الناخاصةً اهل البیت اولنا وللمسلمین؟قال ابل لنا وللمسلمین.)(الترغیب والترہیب)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت فاطمہؓ سے) فرمایا، فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس رہو (اور اسے ذبح ہوتے دیکھو) کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ جو زمین پر گرے گا اس کیساتھ ہی تمہارے تمام گزشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔ ''حضرت فاطمہؓ نے سوال کیا اللہ کے رسول ﷺ! یہ فضیلت ہم اہلِ بیت (خاندانِ نبوت) کیلئے مخصوص ہے یا ہم اور تمام مسلمان اسکے مستحق ہیں؟''۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''ہمارے لیے بھی اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی۔

تشریح:۔ مستحب اور افضل ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے لیکن جو شخص کسی وجہ سے خود ذبح نہ کرسکے تو کم ازکم ذبح ہوتے وقت وہاں موجود رہے تاکہ اپنے جانور کو ذبح ہوتے اور اس کا خون بہتے اپنی آنکھ سے دیکھئے، خود ذبح کرنے میں یا دوسرے درجہ میں اپنی موجودگی میں کسی سے ذبح کرانے میں جو شوق وخلوص جو امنگ اور خدا کے ساتھ جو دِلی تعلق ہوتا ہے اور مقاصدِ قربانی کی تکمیل جو اس صورت میں ہوتی ہے، کہیں دُور بیٹھے بیٹھے کسی سے ذبح کرانے میں وہ بات نہیں۔ (الترغیب ص ۳۹۳ ج ۲)

☆☆

ذبح کا مسنون طریقہ

(عن انس قال ضحیٰ رسول اللہ ﷺ بکبشین املحین اقرنین ذبحھما بیدہ وسمیٰ وکبر قال رأیتہ واضعاً قدمہ علیٰ صفاحھا ویقول بسم اللہ اللہ اکبر.) (بخاری ومسلم)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی وسفید مائل رنگ کے دوسینگوں والے دومینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دستِ مبارک سے ان کو ذبح کیا، اور ذبح کرتے وقت (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ ﷺ اپنا پاؤں ان کے پہلو میں رکھے ہوئے تھے اور زبان مبارک سے (بسم اللہ اللہ اکبر) کہتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم۔ معارف الحدیث صفحہ ۱۴۱ ج ۳)

ذبح کرنے کے آداب ومسائل

(عن شداد بن اوسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ کسب الاحسان علیٰ کل شیءٍ فاذاقتلتم فاحسنوا القتلة واذبحتم فاحسنوا الذبحة ولیحداحدکم شفرتہ ولیرح ذبیحة.) (بخاری)

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ہر کام میں خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی فرض کی ہے، اس لیے جب تم (کسی شخص کو قصاص وغیرہ میں) قتل کرو تو کوش اسلوبی سے قتل کرو، اور جب تم (کوئی جانور) ذبح کرو تو خوش اسلوبی سے ذبح کرو، اور (اسکا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ) اپنے چھری کو (پہلے سے) تیز کرلیا کرو، اور (اس طرح) جانور کو موت کی تکلیف سے جلدی راحت دے دیا کرو۔

تشریح:۔ سلیقہ مندی ہر عمل کی جان ہے اور شریعت اس کی بڑی نگہبان ہے اس نے ہر ہر چیز میں اس کی تعلیم دی ہے اور تاکید بھی کی ہے۔ جانور کا ذبح کرنا تو اس سے اعلیٰ وافضل مخلوق یعنی انسان کی غذا کی خاطر حلال کیا گیا ہے، لیکن ذبح کرنے میں جو تکلیف اس جانور کو ہوتی ہے اس کے متعلق تاکید ہے کہ یہ کم سے کم ہو، چنانچہ چھری پہلے خوب تیز کرنے

کا حکم اسی لیے ہے کہ جتنی رگیں کٹنی ہیں جلد سے جلد کٹ جائیں اور یہ جانور موت اور زندگی کی کش مکش سے جلد نجات پا جائے۔ اوزار (چھری وغیرہ) جتنا تیز ہوگا اُتنی ہی اس سے تکلیف بھی کم ہوگی اور جسم وروح کا رشتہ بھی اس سے جلد منقطع ہو جائے گا۔

راحت دینے کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا کہ ذبح کرنے کے بعد اُسے اچھی طرح ٹھنڈا ہونے دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے چھریاں تیز کرنے اور ان کو جانوروں سے چھپا کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور پھرتی سے ذبح کرنے کو فرمایا ہے، اور جانور کے سامنے چھری تیز کرنے کو منع فرمایا ہے، یہ کام پہلے ہونا چاہئے، یعنی چھریاں جانوروں کے سامنے تیز نہ کی جائیں اور پھرتی سے ذبح کیے جانے کا حکم فرمایا ہے۔

بہت سے قصائی جانوروں کے ساتھ بڑی بے دردی کا سلوک کرتے ہیں پہلی بات تو یہی ہے کہ جانور کے سامنے عین ذبح ہونے کے وقت سے پہلے یہ بات آنی ہی نہیں چاہئے کہ وہ ذبح ہونے والا ہے، دوسرے اگر جانور اس بات کو محسوس کر کے یا بلا محسوس کیے یوں ہی بھاگ جائے تو اس کو پکڑ کرلانے میں اچھا اور رحم دلانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ جانور کو یا تو پیچھے سے ہانک کر لے جانا چاہئے یا سامنے سے کھینچنا چاہئے، کیونکہ پچھلی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنے کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ (الترغیب والترھیب ص۳۹۱ ج ۲ وص ۴۰۰ ج ۲)

<u>نوٹ</u>:۔ پچھلی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنا تو بالکل ایک غیر فطری اور وحشیانہ طریقہ ہے۔

مسئلہ:۔ جب جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرلیا جائے اور اس کا دم نکل جائے یعنی ٹھنڈا ہو جائے تو اس کی کھال نکالنا جائز ہے خواہ پوری اُتاری جائے یا ٹکڑے ٹکڑے اتاری جائے یا سینگوں تک کی کھال جسم کی کھال کے ساتھ شامل کرلی جائے۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی اجازت ہے، اس کو بے رحمی قرار دینا غیر معقول اور شریعت کے خلاف ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۷ ج ۸)

مسئلہ:۔ عام طور پر قصاب جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے، کھال کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا حرام ہے، خوب یاد رکھیں، سب جانور خوب ٹھنڈا ہو جائے، اس وقت کھال کھینچنا چاہئے۔ (اغلاط العوام مکمل ص ۱۳۴)

مسئلہ:۔ مذبوح جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا سر علیٰحدہ کرنا مکروہ ہے مگر ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔ (امداد المفتین ص ۵۷۱ ج ۱ بحوالہ شامی ص ۲۰۵ ج ۵)

مسئلہ:۔ آج کل ذبح کرنے والے اکثر (ذبح کرنے میں تکلیف دیتے ہیں اور خواہ مخواہ جانور کو ستانے میں مبتلا ہوتے ہیں اور) اسکی پرواہ نہیں کرتے، (حالانکہ شریعت نے جن جانوروں کے ذبح کرنے میں یا (رفع شر کیلئے) قتل کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کے ذبح اور قتل کے بھی قاعدے بتلا دیئے ہیں اور اسمیں ظلم کر کے ترسانے کی ممانعت اور اس پر وعید فرمادی ہے۔ چنانچہ ذبح کرنے کیلئے فرمایا کہ چھری کو تیز کر لیا کرو اور جلدی سے ذبح کر دیا کرو۔ جب چار رگیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں کیونکہ چاروں رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں، اسلئے آگے بھی چھری چلائی جائے گی تو اسکو تکلیف ہوگی (بلاوجہ) اور یہ حرام ہے۔ (اغلاط العوام ص ۱۸۰)

مسئلہ:۔ مستحب یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے پانی پلا دیا جائے اور چھری کو خوب تیز کر لیا جائے۔

مسئلہ:۔ جانور کو ذبح کرنے کی جگہ پر سختی سے گھسیٹتے اور کھینچتے ہوئے لے جانا، جانور کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دینے کے بعد ذبح میں دیر کرنا یا اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۱ ج ۴)

بوقتِ ذبح ضروری رعایتیں

(۱) جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چارہ کھلائے، پانی پلائے (بھوکا، پیاسا) رکھنا مکروہ ہے.

(۲) مذبح (جس جگہ جانور کو ذبح کیا جائے) میں لے جاتے وقت گھسیٹ کر لے جانا مکروہ ہے۔

(۳) آسانی سے جانور کو گرائے، بے جا سختی کرنا مکروہ ہے۔

(۴) قبلہ رُخ بائیں کروٹ لٹائے کہ جان آسانی سے نکلے، اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے.

(۵) چار پیروں میں سے تین باندھے۔

(۶) چھری تیز رکھے، کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۷) چھری اگر تیز کرنا ہوتو جانور سے چھپا کر تیز کرے، کیونکہ سامنے تیز کرنا مکروہ ہے۔

(۸) جانور کولٹانے سے پہلے چھری تیز کرلے، بعد میں تیز کرنا مکروہ ہے۔

(۹) حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص جانور کو پچھاڑ کر یعنی گرا کر چھری تیز کرنے لگا، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم بکرے کو ایک سے زائد بار موت دینا چاہتے ہو۔

(۱۰) ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۱۱) سختی سے ذبح نہ کرنا کہ سر الگ ہوجائے یا حرام مغز (گردن کے اندر کی سفید رگ) تک چھری اُتر جائے کہ یہ مکروہ ہے۔

(۱۲) گردن کے اوپر سے ذبح کرنا مکروہ ہے اور منع ہے کیونکہ اس میں جانور کو ضرورت سے زائد ایذاء رسانی ہے۔

(۱۳) ذبح کے بعد جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن علیٰحدہ نہ کرے اور نہ چمڑا اتارے کہ یہ مکروہ ہے۔ مذکورہ بالا احکام قربانی کے جانور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر ذبیحہ کے لیے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۸ ج ۱ بحوالہ ہدایہ، درمختار، شامی)

قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا مطلب

سوال:۔ ذبح میں جانور کا منہ قبلہ کی طرف ہونا شرعاً ضروری ہے یا ذبح کرنے والے کا منہ، یا دونوں کا، اگر کوئی شخص جانور کا منہ قبلہ کی طرف یعنی پچھم کی طرف سر، دم پورب کی طرف کر کے لٹائے، اور خود دکھن کیطرف کھڑا ہوکر ذبح کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ظاہراً کلامِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنے والے کا منہ قبلہ کی طرف ہونا سنت ہے، اور سنت بھی مؤکدہ، اس کو چھوڑنا بلا عذر مکروہ ہے باقی جانور کے متعلق کہیں نظر سے صریحاً نہیں گزرا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۵۹ ج ۳)

مستحب یہ ہے کہ جانور کو سیدھا کروٹ پر قبلہ رخ لٹا کر اسکے اوپر اپنا پاؤں رکھ کر ذبح کرے۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۸ ج ۸)

(جانور کو قبلہ رخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پر قبر میں میت کو لٹاتے ہیں کہ سر داہنی طرف اور پاؤں بائیں طرف، البتہ اگر ذبح کرنے میں دشواری ہو مثلاً کاٹنے والا

تنہا ہے یا اور کوئی عذر ہے تو اس کے برعکس بھی کرسکتے ہیں تا کہ بائیں ہاتھ سے پکڑ لے اور داہنے ہاتھ سے چھری چلائے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کس چیز سے ذبح کیا جائے؟

صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ ہم کل دشمن کے مقابلہ کیلئے جانے والے ہیں ہمارے پاس چاقو نہیں ہیں پس کیا ہم بانس کی کھپچ وغیرہ یا کسی دوسری چیز سے ذبح کرسکتے ہیں؟

جواب:۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ جلدی سے کوئی ایسی چیز لے کر جس سے خون بہہ جائے خدا کا نام لے کر ذبح کردو اور اُس گوشت کو کھاؤ، البتہ جس چیز سے ذبح کرتے ہو وہ دانت اور ناخون نہ ہو، اس کی وجہ بھی بتلا دیتا ہوں۔ دانت سے ذبح کرنا اس لیے جائز نہیں کہ وہ ہڈی ہے اور ناخون سے اس لیے کہ وہ حبشیوں کا چاقو ہے۔ (بخاری ومسلم وابوداؤد)

شرح:۔ چونکہ یہ لوگ دشمن کے مقابلہ کے لیے جارہے تھے اور وہاں سے غنیمت میں ایسے جانوروں کے ملنے کی امید تھی جن کو ذبح کر کے کھایا جائے اور تلواروں سے ذبح کرنے کو یہ حضرات اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی تیز جاتی رہے گی۔

اس لیے سوال کیا کہ دوسری چیز سے بھی ذبح جائز ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ نے ایسی ہر ایک چیز سے ذبح کرنے کی اجازت فرمادی جو تیز اور دھاردار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون جاری ہو جائے۔ لیکن چونکہ بعض حبشی اور جنگلی لوگ ناخن اور دانت سے کاٹ کر بھی ذبح کرلیا کرتے تھے، اس لیے منع فرمایا کہ دانت سے ذبح نہ کرنا کیونکہ وہ ہڈی ہے اور ہڈی سے ذبح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے ذبح کرنے سے وہ نجس ہو جائے گی اور ناخن سے ذبح کرنا حبشیوں کا طرز ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

لیکن (علماء حنفیہؒ کے نزدیک) اس ناخن اور دانت سے ذبح کرنا حرام ہے جو اپنی جگہ پر لگا ہوا ہو، اگر اُکھڑے ہوئے دانت اور ناخن سے ذبح کرے تو اگرچہ مکروہ ہے مگر حلال ہے۔ حضور ﷺ کے جواب سے معلوم ہوگیا کہ ذبح کے لیے خون بہانے اور کاٹنے والی چیز ضروری ہے۔ پس اگر بسم اللہ کہہ کر لاٹھی ماری، غلہ یا پتھر مارا تو حلال نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۳۴)

جو چیز کاٹنے اور زخم لگانے والی ہو، اس سے ذبح جائز ہے۔ موٹی اور وزن دار چیزوں سے ضرب لگا کر زخم کر دیا تو ذبح جائز نہیں۔ کاٹنے والی چیز خواہ تیز پتھر ہو یا لکڑی یا کوئی گھاس ہو۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۴۶ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ جس سے رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے، اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔
(کفایت المفتی ص ۱۸۰ ج ۸)

مسئلہ:۔ حلال جانوروں کا تزکیہ (ذبح کرنا) دو قسم کا ہے، ایک اضطراری اور دوسرا اختیاری۔ اضطراری تزکیہ یہ ہے کہ کسی دھاردار یا باریک نوکدار چیز سے (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر جانور کے جسم میں جس جگہ ممکن ہو ضرب لگا کر خون بہادیا جائے۔ یہ تزکیہ اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب کہ جانور پر قابو پانا اور ذبح یا نحر کرنا ممکن نہ ہو (مثلاً جانور کسی جگہ پر مٹی یا بوجھ میں دبا ہوا ہے جب تک نکالا جائے گا، اندیشہ مرنے کا ہے۔ یا کھائی خندق وغیرہ میں گر گیا کہ زندہ نکالنا ممکن نہ ہو)۔

اختیاری تزکیہ یہ ہے کہ جانور کو دھاردار چیز سے ذبح کیا جائے، یا اونٹ کو نحر کیا جائے۔ (۲) ذبح کرنے سے بہنے والا خون نکل جاتا ہے، لیکن بہنے والے خون (دم سائل) کا نکالنا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اضطراری اور اختیاری کے فرق سے مختلف طریقوں سے لازم ہے۔ (۳) نمبر:ا۔ میں جو تفصیل ہے وہ اضطراری اور اختیاری حالتوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۶ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کو ایسی طرح ذبح کرنا چاہئے کہ اسے غیر ضروری تکلیف اور ایذاء نہ ہو، کوئی ایسی حرکت جو جانور کو غیر ضروری ایذا پہنچائے مکروہ ہے۔ ذبح کے لیے جگہ بھی پاک ہونی چاہئے، ناپاک جگہ ذبح کرنا بہتر نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۹ ج ۸)

مسئلہ:۔ جس طرح بھی (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر ذبح کیا جائے وہ ذبیحہ حلال ہے اگرچہ کھڑے ہوئے جانور پر چھری پھیر دی جائے، اور اگرچہ ذبح کرنے والا نماز اور روزہ کا غیر پابند ہو، مگر مسلمان ہو، اور ذبح کرنے والی رگیں کٹ جائیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۸۱۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ سونا اور چاندی اور پیتل اگر تیز ہو، اس سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، ایسا ہی پتھر

اور ٹھیکری جو باریک ہے اور تیز لکڑی سے ذبح کرنے سے بھی حلال ہوتا ہے۔ مسئلہ:۔ بانس، پوست، اور جو چیز تیز ہو، اُس سے بھی ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اکھاڑے ہوئے دانت اور ناخن اور سینگ سے ذبح کرنے سے کھانا درست ہوتا ہے مگر اس طرح سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ جو دانت یا ناخن اب تک بدن سے جدا نہیں ہوا اس سے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ ذبح کے ہتھیار کو خوب تیز کرنا مستحب ہے اور جانور کو لٹا کر چھری تیز کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ:۔ جانور کو ذبح کرنے کی جگہ تک پکڑ کے (اُلٹا یعنی پیچھے کی ٹانگوں کو آگے کی طرف سے) کھینچنا مکروہ تحریمی ہے۔ (خلاصۃ المسائل ص ۱۰۹)

مسئلہ:۔ بعض عوام کہتے ہیں کہ جس چاقو سے جانور ذبح کیا جائے اس سے حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس چاقو میں تین کیلیں ہوں۔ سو یہ محض غلط ہے۔ (اغلاط العوام ص ۱۷۹)

کس جگہ سے ذبح یعنی کاٹا جائے؟

مسئلہ:۔ ذبح دو طرح پر ہے، ایک اختیاری دوسرا اضطراری، پس ذبح اضطراری وہ ہے کہ ذبح کرنے کی جگہ (گردن) پر کسی عذر کی وجہ سے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو جیسے کوئی جانور دیوار یا مٹی کے نیچے دب گیا، اس کی گردن اور حلق مٹی کے نیچے ہے (یا کنویں کھائی پانی میں ڈوب رہا ہے، اور نکالنے تک اسکے مرنے کا اندیشہ ہے) یا کوئی جنگلی جانور کہ وہ آدمی سے بھاگتا ہے ہرن وغیرہ، تو اس صورت میں حیوان کے بدن پر اگر کسی جگہ زخم کر سکے تو اسکا کھانا حلال ہوگا۔ اور ذبح اختیاری یہ ہے کہ ذبح کی جگہ میں ذبح کرنے پر قادر ہو۔ اور ذبح کرنے کی جگہ ٹھڈی کے نیچے جو ایک ہڈی باہر نکلی ہوئی ہے اسکے نیچے اور جہاں سے سینہ شروع ہوا ہے اسکے اوپر ہے۔ یہ ہدایہ اور جامع الرموز میں لکھا ہے۔ اور جامع صغیر میں لکھا ہے کہ تمام حلق ذبح کی جگہ ہے خواہ اوپر خواہ نیچے، خواہ درمیان میں ہو۔ (خلاصۃ المسائل ص ۱۰۶)

مسئلہ:۔ جانور کے گلے کو یہاں تک کاٹے کہ چار رگیں کٹ جائیں۔ ایک نرخرا جس سے سانس لیتا ہے، دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے اور دو شہ رگیں جو نرخرے کے داہنے

اور بائیں ہوتی ہیں، اگران میں سے تین ہی کٹیں تب بھی ذبح درست ہے اوراس کا کھانا حلال ہے۔ اوراگر دو ہی رگیں کٹیں تو جانور مرداراوراس کا کھانا حرام ہے۔اوراگر بھول جائے تو کھانا درست ہے۔ (بہشتی ثمر ص ۵۲ ج ۲)

مسئلہ:۔گائے، بھینس اگر کنویں میں گر جائے اور زندہ نکالنادشوار ہواور ذبح کرنا ممکن نہ ہو توکسی جگہ زخم کردینا کافی ہے اور کھانا حلال ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۰۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ذبح فوق العقدہ واقع ہوجائے تو مذبوح حرام نہیں ہوتا کیونکہ محلِ ذبح مابین لبہ اور لحیین ہے۔ اس میں ذبح واقع ہونے سے مقصود ذبح یعنی دم سائل (بہنے والاخون) اور روح نکل جاتی ہے۔ لہٰذا یہی قول راجح اور قوی ہے (یعنی ذبیحہ حلال ہے)۔

(کفایت المفتی ص ۲۵۸ ج ۸)

اہلِ تجربہ سے معلوم ہوا کہ عروق ذبح فوق لعقدہ ذبح کرنے سے بھی کٹ جاتی ہیں، لہٰذا اس کی حلت (حلال ہونے) میں شبہ نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۰۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ذبح کرنے میں مُرغی (یا کوئی جانور) کا گلا کٹ گیا یعنی الگ ہوگیا تو اس کا کھانا درست ہے مکروہ بھی نہیں، البتہ اتنا زیادہ ذبح کردینا، یہ بات مکروہ ہے، مرغی (جانور) مکروہ نہیں ہوا۔ (بہشتی ثمر ص ۵۲ ج ......)

ذبح کے وقت بسم اللہ کے مسائل

سوال:۔ یارسول اللہ ﷺ بعض لوگ (جو نئے نئے مسلمان ہیں) ہمارے پاس گوشت بیچنے کیلئے لاتے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس پر ذبح کے وقت خدا کا نام (بسم اللہ) لیا ہے یا نہیں۔ (کیونکہ وہ قواعدِ اسلامی سے پورے واقف نہیں) ایسے گوشت کا خریدنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کچھ شبہ نہ کرو، تم اس کو خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ مسلمان ہیں اور ظاہر حال مسلمان کا یہ ہے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتا ہے تو تم دل میں شک وشبہات کو دخل نہ دو کہ شاید بسم اللہ چھوڑ دی ہو بلکہ بلاتکلف خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔ یہ مقصود نہیں کہ اگر انہوں

نے خدا کا نام نہیں لیا ہوگا تو اس وقت تمہارا بسم اللہ پڑھنا کافی ہوجائے گا۔ اور نہ یہ منظور ہے کہ اگر درجۂ یقین کو پہنچ جائے کہ انہوں نے ذبح کے وقت خدا کا نام نہ لیا ہو، تب بھی کھاتے رہو بلکہ ایسے موقع پر گمان ہوجائے کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہوگا تب کھانا جائز ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان سے خوب قسمیں لے لیا کرو کہ خدا کے نام سے ذبح کیا ہے تب کھایا کرو، اگر غالب گمان بسم اللہ چھوڑ دینے کا ہو تو کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۳۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ بھول سے بسم اللہ چھوٹ جائے. حلال ہے۔ لہذا ذبیحہ بھی حلال اور قربانی بھی درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۵۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر کسی نے بسم اللہ کو سہواً ترک کیا تو ذبح ہوا کھانا درست ہوگا۔

مسئلہ:۔ ذبح اختیاری میں شرط ہے کہ بسم اللہ ذبح کے ساتھ متصل ہو، یعنی بسم اللہ کہتے ہی ذبح کرے اور کوئی کام بسم اللہ پڑھنے کے بعد ذبح کرنے سے پہلے نہ کرے، یہاں تک کہ اگر کسی نے بکری کو لٹا کر بسم اللہ پڑھی اور اس کے ذبح نہ کر کے چھوڑ دیا، پھر دوسری بکری اُسی بسم اللہ سے ذبح کیا تو وہ ذبیحہ کھانا درست نہ ہوگا۔ (خلاصۃ المسائل ص ۱۰۸

مسئلہ:۔ جس جانور پر (بسم الله الله اکبر) کی جگہ بسم اللہ سنت ابراہیم خلیل اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے اس سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا، البتہ اسی طرح پڑھنا خود مکروہ ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۶۰۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر آدمی جانور کر لیتے (اس میں حصہ دار بنتے) ہیں سب کو ''ذبح کے وقت'' (بسم الله الله اکبر) کہنا ضروری ہے۔ اگر ایک بھی نہ کہے گا تو قربانی نہ ہوگی، یہ بالکل غلط ہے صرف ذبح کرنے والے کو کہنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ قربانی کیلئے دعاء پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کتابوں میں قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی ایک دعاء بھی لکھی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بغیر اس دعاء کے بھی قربانی جائز ہوتی ہے۔ یہ دعاء صرف مستحب ہے ضروری نہیں۔ (اغلاط العوام مکمل ص ۱۳۴)

مسئلہ:۔ جو شخص چھری چلانے والے کے ساتھ چھری چلانے میں شریک ہو اس پر (بسم الله

اللہ اکبر) وغیرہ کہنا واجب ہے۔ ہاتھ، پیر، منہ پکڑنے والا شریک نہیں ہے بلکہ محض مُعین ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۷ ج ۳)

مسئلہ:۔ ذبح کرتے وقت (بسم اللہ و اللہ اکبر) واؤ کے ساتھ کہنے میں ہمارے بعض فقہاء کو کچھ کلام ہے اور (بسم اللہ اللہ اکبر) یعنی بغیر واؤ کے کسی کو بھی کچھ کلام نہیں تو بلا واؤ کو اختیار کرنا غالباً مقتضائے احتیاط ہونا چاہئے، باقی جواز میں کسی جانب کو تامل نہیں ہے اور متفق علیہ اختیار کرنا بھی اسلئے اچھا ہے، ہاں یہ ضروری ہے بالواؤ کو بھی جائز سمجھا جائے۔ روایات احادیث اس بارہ میں مختلف ہیں۔ احادیث فعلیہ میں بعض میں (بسم اللہ و اللہ اکبر) وارد ہے۔ بعض میں (اللہ اکبر) مقدم اسکے بعد (بسم اللہ اللہ اکبر) پر ذبح کرنا مذکور ہے۔ اور بعض میں تسمیہ مذکورہ ہے۔ اور احادیث قولیہ میں سے اکثر روایات میں تسمیہ مجردہ (خالی بسم اللہ) کا حکم ہے۔ بڑے بڑے علماء وفقہاء کے (بسم اللہ اللہ اکبر) کو مستحب لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے جب کہ باوجود علم اس امر کے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالواؤ منقول ہے بلا واؤ کو ترجیح دیا ہے بخیال احتیاط و تجرید تسمیہ اور عوام الناس کو یہ بتلانے کے لیے کہ (بسم اللہ) اور ذبح میں فصل نہ ہونا چاہئے، ایسا کہا ہے لیکن اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ محققین جیسے علامہ عینیؒ وغیرہ نے یہ فرمادیا کہ بعد اس کے کہ بالواؤ جناب رسول اللہ سے منقول ہے مکروہ نہ ہونا چاہئے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۰۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا ضروری ہے۔ (جواہر الفقہ ص ۴۵۰ ج ۱)

بسم اللہ سے متعلق ایک سوال

سوال:۔ ایک شخص ذبح کرتے وقت (بسم اللہ اللہ اکبر) شریعت ہے، کہتا ہے کیا ذبیحہ درست ہے؟

جواب:۔ ذبح کے وقت مسنون ومستحب یہ ہے کہ (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر ذبح کرے۔ اگر اللہ اکبر شریعت ہے کہہ کر ذبح کیا اگرچہ ذبیحہ حلال ہے مگر ایسا نہ کہنا چاہئے، اچھا نہیں ہے۔ اگر صرف اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے تب بھی درست ہے۔ شامی کی عبارت

سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں ذبیحہ حلال ہے مگر اس طرح کہنا خلافِ سنت ہے، اس وجہ سے مکروہ ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۶۹۸ ج ۱)

مسئلہ:۔علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سورۂ برأت کو جو قتلِ کفار کے حکم پر مشتمل ہے (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سے خالی رکھا گیا ہے کیونکہ کلمۂ رحمت ہے جو موقع کا مقتضی نہیں ہے، اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت بھی صرف (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا مقرر کیا گیا ہے، (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کہنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ذبح کی صورت میں قہر وعذاب کی شکل ہے اور یہ کلمۂ رحمت (یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم) کا محل اور مقتضی نہیں ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۴۶ ج ۳)

(شرعی حکم تو یہ ہے کہ ایک مسلمان اگر ذبح کرتے وقت زبان سے (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھنا بھول جائے تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کی بناء پر فرض کرلیا جائے گا کہ اس نے خدا کے سوا کسی کے نام پر یہ فعل انجام نہیں دیا ہے۔

نیز اللہ اکبر کا اضافہ بھی ضروری نہیں۔ صرف ''لفظ بسم اللہ'' کافی قرار پاسکتا ہے مگر یاد رکھیے کہ بھول جانا اور بات ہے، لیکن جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کرنا اور اسکے تلفظ کو ایک مصیبت سمجھ لینا بالکل دوسری بات ہے۔ یہ دوسری بات بہت سخت ہے اور آخرت میں اس پر شدید پکڑ ہوسکتی ہے، اور ذبیحہ بھی حرام ہے۔ (رفعت قاسمی)

قربانی کی دعاء

مسئلہ:۔اپنا داہنا پاؤں جانور کے شانے پر رکھے اور (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر ذبح کرے۔ قربانی کی نیت صرف دل میں کرلینا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ البتہ ذبح کرتے وقت صرف ذبح کرنے والے کو (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا ضروری ہے۔ (تاریخ قربانی ص ۵۲)

مسئلہ:۔قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دعاء پڑھنا ضروری نہیں ہے، اگر دل میں خیال کرلیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ بھی نہیں پڑھا فقط (بسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کر ذبح کردیا تو بھی قربانی درست ہوگئی، لیکن اگر یاد ہو تو دعاء پڑھ لینا بہتر

ہے۔(شامی ص ۲۷۲ ج ۵)

مسئلہ:۔ جب قربانی کا جانور قبلہ رُخ لٹائے تو پہلے (اگر یاد ہو بہتر ہے) یہ آیت پڑھے:

﴿انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین﴾ (پارہ:۸،نصفہ) اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا اگر یاد ہو تو پڑھے:(اللهم منک ولک) پھر (بسم الله الله اکبر) کہہ کر ذبح کرنے کے بعد یہ دعاء (اگر یاد ہو تو بہتر ہے) پڑھے:(اللهم تقبله منی کما تقبلت من حبیبک محمد و خلیلک ابراهیم علیهما الصلوٰة والسلام) اور اگر کسی اور کی طرف سے ذبح کر دیا ہے تو ''مِنی'' کی جگہ من فلانِ کہے اور فلان کی جگہ اسکا نام لے لے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸ ج ۱)

گوشت کی تقسیم کے مسائل

سوال:۔ ایک شخص جو اپنی قربانی میں سے سری پائے یا کوئی حصہ سقہ، بھنگی اور فقیر کو ان کا حق سمجھ کر دیتا ہے، کیا اس کی قربانی صحیح ہے؟

جواب:۔ قربانی ادا ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ سری پائے کی جو قیمت ہو اندازہ کر کے اس کا صدقہ کرے ورنہ گنہگار رہے گا۔ اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ خدمت پیشہ لوگوں کو مقرر کر کے بطور حق الخدمت دے، کیونکہ وہ بحکم بیع (بیچنے کے حکم میں) ہے، اور اگر اتفاقی طور پر کسی خدمت گار کو دے دیا جائے تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ رسم نہ پڑے۔(امداد المفتیین ص ۹۶۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ قربانی کا گوشت خود کھائے اور اپنے رشتہ ناطہ کے لوگوں کو دے دے اور فقیروں محتاجوں کو خیرات کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تہائی حصہ خیرات کرے، خیرات میں تہائی سے کمی نہ کرے، لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

(بہشتی زیور ص ۱۴۱ ج ۳، بحوالہ الہدایہ ص ۴۳۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ بڑے جانور میں اگر سات آدمی شریک ہوئے تو گوشت تقسیم کرتے وقت اٹکل (اندازے) سے نہ بانٹیں بلکہ خوب ٹھیک تول کر بانٹیں، نہیں تو اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم

رہے گا سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا، البتہ اگر گوشت کے ساتھ کلہ پائے اور کھال کو بھی شریک کرلیا تو جس طرف مذکورہ چیزیں ہوں اس طرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے چاہے جتنا کم ہو۔ جس طرح گوشت زیادہ تھا اُس طرح کلہ پائے شریک کیے تو بھی سود ہو گیا اور گناہ ہوا۔

(بہشتی زیور ص ۳۹ ج ۳، بحوالہ ردالمختار ص ۲۳۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ قربانی کا گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دے بلکہ مزید مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔ (شامی ص ۴۷۸ ج ۵)

(مسئلہ تو یہ ہی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں ایک اپنے گھر کے لیے، دوسرا رشتہ داروں احباب کے لیے، اور تیسرا فقراء اور محتاجوں کے لیے۔ لیکن اگر اہل وعیال زیادہ ہیں اور گوشت کی خود ضرورت ہے تو اپنے گھر کے لیے رکھ سکتا ہے۔ صدقہ نہ کرے۔ بعض جگہ گوشت تقسیم کرنے میں بڑی بے احتیاطی برتی جاتی ہے کہ اصل مستحق تک گوشت نہیں پہنچتا ہے، بلکہ اپنے دوست اور رشتہ دار کو پہنچاتے ہیں جن کے گھر سے گوشت آیا ہے، یا آنے کی اُمید ہے، بدلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت مند کو دینے میں زیادہ ثواب ہے، اسی لیے گوشت کی بے حرمتی ہوتی ہے، دفن کرتے ہیں یا سڑکوں پر پھینکا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر جگہ ضرورت مند ہوتے ہیں ان کا خیال رکھا جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ میت کی طرف سے قربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مرنے والے نے حکم یا وصیت کی تھی تو اس گوشت کو صدقہ کر دے، خود نہ کھائے۔ اور اگر بلا امر ووصیتِ میت ہے تو اسکو خود بھی کھا سکتا ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۲۴۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ اپنی طرف سے میت کو ثواب پہنچانے کے لیے جو کرتا ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو اپنی قربانی کا۔ یعنی جس قدر چاہے صدقہ کرے، جس قدر چاہے رکھ لے لیکن میت کی وصیت کردہ قربانی کھانا جائز نہیں، کل گوشت وغیرہ کا صدقہ کرنا چاہئے۔ نیز نذر مانی ہوئی قربانی کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں، سب کا صدقہ کر دے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۸۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا کہاروں اور چماروں کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دیا جائے۔

مسئلہ:۔عموماً کلہ پارچہ میں مسکینوں کا حق سمجھا تا ہے تو اگر حق الخدمت سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر (جو حق سمجھ کر دیا ہے) قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔(اغلاط العوام ص ۱۳۵)

مسئلہ:۔عموماً قربانی کے جانور میں لازم سمجھتے ہیں کہ پائے حجام (نائی) کا حق ہیں اور سری سقہ کا حق ہے۔(یہ بھی غلط ہے)۔(اغلاط العوام مکمل ص ۱۳۶)

مسئلہ:۔اگر قربانی میں چند آدمی شریک ہوں اور سب کے سب اس بات پر راضی ہوں کہ گوشت کو بانٹا نہ جائے بلکہ ایک ہی جگہ پکا کر کھایا (یا تقسیم کیا) جائے یا کسی کو دے دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی اس کے خلاف ہو اور وہ اپنا حصہ بانٹ کر لینا چاہتا ہو تو تقسیم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔قربانی کا گوشت اندازے سے بانٹنا جائز نہیں، وزن کر کے برابر بانٹنا ضروری ہے۔ اگر کسی حصہ میں کمی بیشی ہوگی تو سُود ہو جائے گا، اور سود لینا، دینا، کھانا سب حرام ہے۔ (تو ضروری ہے کہ تول کر تقسیم کیا جائے)۔(شامی ص ۲۰۹ ج ۵)

مسئلہ:۔قربانی کے جانور کی رسی اور جھول کا صدقہ کر دینا مستحب ہے(عزیز الفتاویٰ ص ۷۴۲ ج ۱)

(اور اگر فروخت کر دی ہو تو اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔لیکن جانور کی رسی وہ رسی کہلائے گی جو بیچنے والے جانور کے ساتھ خریدنے والے کو دیتے ہیں۔رسی وغیرہ کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور کسی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے لیکن فروخت کرنے پر قیمت کا صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔قربانی کا گوشت بھنگی (جمعدار) کو دینا درست ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۵۱ ج ۳)

مسئلہ:۔اگر میت اپنے ترکہ میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر کے مرا ہے تو اس قربانی کا تمام گوشت مساکین کو دینا واجب ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے مال سے تبرعاً میت کی طرف سے قربانی کرے، اس میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، جتنا چاہے تقسیم کرے، خواہ کل خود کھائے۔(امداد الفتاویٰ ص ۵۳۳ ج ۳)

مسئلہ:۔اگر مشترکہ حصوں میں سے آپس کی رضامندی سے تقسیم سے پہلے کسی شخص کو کچھ گوشت وغیرہ دے دیا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرکاء میں سے کسی نے قربانی کی نذر نہ کی تھی

تو جائز ہے، کیونکہ تقسیم واجب نہیں، کہ ترکِ واجب سے کوئی عذر لازم آئے۔ اور اگر اس میں یعنی قربانی میں کسی کا نذر (منت) کا حصہ تھا اور مالدکو دیا تو جائز نہیں، کیونکہ تقسیم کر کے ناذر (نذر کرنے والے) کا حصہ فقراء کو صدقہ کرنا واجب ہے، پس قربانی تو جائز ہو جائے گی لیکن نذر کرنے والے پر اپنے اس گوشت کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے جو کسی مالدار کو دے دیا گیا ہو۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں ہے، پس وہ ہدیہ ہو گیا یا صدقہ نافلہ، لہٰذا کافروں کو دینا جائز ہے۔ البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو (مثلاً، نذر، منت وغیرہ) اسمیں سے دینا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۵۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ کوئی واقعی مصلحت ہو تو (غیر قوم کو قربانی کا گوشت) دے سکتے ہیں، مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ گائے (بڑے جانور) کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، اپنے ہوں یا بے گانے (غیر)۔ اور اگر اپنے بھائی وغیرہ رشتہ دار ایک گھر کے رہنے والے ہیں تو گوشت تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (اگر چاہیں تو) سب اکٹھا گوشت رکیں اور کھائیں۔ شامی میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ تقسیم کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر تقسیم کریں یا نہ کریں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ قربانی کا مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک بڑے جانور میں سات افراد تک شریک ہو سکتے ہیں (یعنی بڑے جانور میں سات حصے ہونگے) ساتویں شریک یا جس قدر شریک ہیں پانچ یا چھ وہ سب وزن تول کے ساتھ گوشت تقسیم کر کے ہر ایک شریک اپنے حصہ کو خواہ خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے، مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے حصے کے گوشت کے تین حصے کر کے ایک حصہ خود رکھے اور ایک حصہ احباب واقرباء کو تقسیم کرے۔ اور ایک حصہ فقراء کو دے۔ اور اگر کنبہ والے کو ضرورت ہو یہ بھی درست ہے کہ سب گوشت خود ہی رکھے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ ایک تہائی گوشت صدقہ کر دینا مستحب ہے لیکن عیال دار اور قبیلہ دار شخص کے لیے بہتر یہی ہے کہ صدقہ نہ کرے، اپنے اہل وعیال کے لیے تمام گوشت رہنے دے۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ۷۷ ج ۱)

گوشت کھانے کے مسائل

مسئلہ:۔قربانی کا گوشت خود کھانا، اور مالدار اور فقیر کو دینا اور سکھا کر رکھنا درست ہے۔ (خلاصۃ المسائل ص۱۱۶)

مسئلہ:۔اوجھڑی اور کھری کھانا درست ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ ص۵۵۲ ج۱)

مسئلہ:۔(جائز طریقہ سے ذبح کیے ہوئے کا) کچا گوشت کھانا جائز ہے، پکانا حلال ہونے کی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔مذبوحہ جانور کے خصیئے اور عضو تناسل کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اوجھڑی (بٹیں) بلا کراہت حلال ہے۔(کفایت المفتی ص۲۹۵ ج۸)

مسئلہ:۔جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس کے سات اجزاء یعنی سات چیزیں کھانی حرام ہیں۔

(۱) ایک دمِ مسفوح یعنی بہنے والا خون۔(۲) پیشاب کی جگہ۔(۳) دونوں خصیئے (فوطے) (۴) پاخانے کی جگہ (مقعد)۔(۵) غدود۔(۶) مثانہ یعنی وہ جگہ جس میں پیشاب رہتا ہے۔(۷) پتہ۔(بدائع صنائع ص۶۱ ج۵)

کنز میں حرام مغز کو بھی حرام لکھا ہے، وہ ایک ڈوری سفید دودھ کی طرح پیٹھ کی ہڈی کے اندر کمر سے لے کر گردن تک ہوتی ہے اس کو حرام مغز کہتے ہیں۔اور بعض علماء نے مقعد پر جو تین گرہیں ہوتی ہیں ان کو بھی حرام لکھا ہے۔(خلاصۃ المسائل ص۱۰۸)

مسئلہ:۔سری اور پائے کا مع کھال کے پکانا اور کھانا جائز ہے (صرف بال جلا کر پکائے جاتے ہیں اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے)۔(کفایت المفتی ص۲۶۶ ج۸)

مسئلہ:۔قربانی کے گوشت کو آگ پر بھون کر کھانا درست ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص۷۰۹ ج۱)

منجمد خون کے گوشت کا حکم

جب کہ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم میں حرکت نہ ہو اور خون بھی منجمد پایا جائے تو وہ حلال نہیں ہے۔جن لوگوں نے غلطی سے (اس کا گوشت) کھالیا، وہ صرف توبہ کریں کوئی اور کفارہ ان کے ذمہ نہیں۔(کفایت المفتی ص۲۴۰ ج۸)

مسئلہ:۔اگر ذبح سے قبل متصلاً اسکی حیات (زندگی) یقینی ہوتب تو ذبح سے وہ حلال ہوتا ہے خواہ حرکت کرے یا نہ کرے اور خون نکلے یا نہ نکلے،اور اگر حیات یقینی نہ ہوتو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس جانور کو ایسی حرکت ہو جو علاماتِ حیات کی ہوں جیسے منہ بند کرلینا یا آنکھ کا بند کرلینا یا پاؤں سمیٹ لینا یا بال کھڑے ہوجانا اتنا خون نکلے جیسا زندہ کے نکلتا ہے تب تو وہ حلال ہے۔(امداد الفتاویٰ ص۵۵۳ ج۳)

مسئلہ:۔ذبح کرنے کے وقت جانور اگر کانپا یا آواز کی اگر چہ اس وقت خون نہ دیا حلال ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص۷۸ا)

غیر مسلم سے گوشت خریدنا

جن مقامات میں مذبح (ذبح کرنے کی جگہ) مقرر ہے اور اسمیں مسلمان ذبح کرنے والے متعین ہیں اور مذبح کے علاوہ دوسری جگہ جانور ذبح کرنا جرم ہے۔ ایسے مقامات میں اس امر کا ظنِ غالب موجود ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والا گوشت مسلمان ہی کا ذبح کیا ہوا ہے اور اس ظن غالب کی بناء پر اُسے خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

جہاں مذبح مقرر نہیں اور ذبح پر کوئی پابندی نہیں ہے وہاں کے ذبح کرنے کے بعد مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہونے تک ہندو سے خریدنا جائز ہوگا اور نظر سے غائب ہوجانے کے بعد اسکا اطمینان نہیں کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ اس لیے اس کا خریدنا ناجائز ہوگا۔

جہاں پر گھروں میں جانور ذبح کرنے پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے تو ایسے مقام پر غیر مسلم سے گوشت خریدنا جائز نہیں ہے بلکہ مسلمان ذابح کا ذبح کیا ہوا گوشت بھی غیر مسلم سے اس وقت خریدنا جائز ہے کہ ذبح کے وقت سے خریدنے کے وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہو۔(کفایت المفتی ص۲۶۰ ج۸)

غیر مسلم سے گوشت منگانا

اس مسئلہ میں غالب ظن کا اعتبار ہے،اگر غالب گمان یہ ہو کہ غیر مسلم مسلمان سے

ہی حلال گوشت لایا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر احتیاط یہی ہے کہ مسلم کے ذریعہ سے گوشت منگایا جائے۔

مسئلہ:۔ مچھلی ہندو یا کسی اور غیر مسلم کے پاس سے (بھی بہر صورت خریدنی جائز ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۶۱ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کے گوشت کا حکم قربانی کی کھال کی مانند ہے کہ اگر فروخت کیا جائے تو اس کا حکم صدقہ واجبہ کا ہے۔ یعنی صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۷۲ جلد نمبر ۳)

گوشت کا دھونا

سوال:۔ ذبح کے بعد جو گوشت جانور سے علیحدہ کیا جاتا ہے، کیا اس کو پاک کر کے پکانا چاہئے؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ اس کو دھونے کی ضرورت نہیں، وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۶ ج ۲، بحوالہ طحطاوی ص ۸۳ ج ۱)

(مطلب یہ ہے کہ اگر دھونا چاہے تو دھو سکتا ہے، لیکن ناپاک سمجھ کر پاک کرنا غلط ہے۔ کیونکہ وہ پاک ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مشتبہ ذبیحہ کا گوشت کھانا

سوال:۔ (قربانی وغیرہ کا) جانور گم ہو گیا مالک نے دیکھا کہ جنگل میں جانور کے گلے پر چھری پھری ہوئی ہے محض گوشت ہی گوشت ہے، مگر اس نے سینگ و کھر وغیرہ سے پہچان لیا کہ اس کا ہی یہ جانور ہے، تو گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ذبح کرنے والا معلوم نہیں کون ہے، اور بسم اللہ کا بھی علم نہیں ہے، کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اس جانور میں وجہ اشتباہ دو ہیں۔ اول یہ کہ یہ جانور خود اس کا ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ ذبح کرنے والا کون ہے اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی یا نہیں؟

پہلے شبہ کا حکم کہ اگر مالک نے اس کے سینگ اور کھر وغیرہ سے اچھی طرح پہچان لیا ہے اور اُسے یقین یا گمان غالب ہے کہ یہ میرا ہی ہے تو وہ اس کی ملک ہے، اسے، استعمال جائز ہے۔

دوسرے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ جانور ایسے مقام پر پایا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس کے قرب وجوار میں غیر مسلم نہیں تو ظنِ غالب ہے کہ اسے کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہوگا اس کا کھانا جائز ہے۔ لیکن اگر اس جگہ غیر مسلم لوگوں کی آبادی ہے، یا ملی جلی آبادی ہے یا غیر مسلم اس جگہ یہ کام کرتے ہوں، یعنی جانوروں کے چمڑے اُتار کر گوشت چھوڑ جایا کرتے ہوں تو ان حالات میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۵۳ ج ۸)

قربانی کا پکا ہوا گوشت نوکر کو کھلانا

سوال:۔ نوکر رکھنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ سالانہ تنخواہ مقرر کر لیتا ہے۔ خوراک کا ذکر نہیں کرتا مگر عرف وعادت کی بناء پر ملازم کا کھانا مالک کے ذمہ ہے، البتہ اگر مالک ملازم کے کھانے سے سبکدوش ہونا چاہے تو مقرر تنخواہ پر کچھ اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ کیا مالک کی قربانی کا گوشت نوکر (ملازم) کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وہ گوشت جب مالک نے اپنے گھر کے لیے پکایا تو اس کے تصرف سے قربانی کا حکم ختم ہوگیا، اب اس کے گھر میں پکا ہوا اپنے تصرف کے لیے سالن ہے اور اس ملازم کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں، جس کی اجرت میں کھانا بھی شامل ہے۔

(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی)

مذکور فی السوال نوکر کیلئے مالک کے یہاں قربانی کا گوشت پکا ہوا کھانا جائز ہے اور اس گوشت عقیقہ وقربانی کی یہ بیع (فروختگی) نہیں۔ یا اجرت میں محسوب نہیں اسلئے کہ جب مالک اور صاحب قربانی نے اپنے گھر میں اس کو پکایا اور اپنے استعمال اور تصرف میں لے آیا۔ تو قربانی اور عقیقہ کے گوشت کا حکم ختم ہوگیا، اب استعمال وتصرف کے بعد اسکی خالص ملک ہے، قربانی کا گوشت نہیں، جس کو اجرت سمجھ کر نا جائز قرار دیا جائے۔ بلکہ اب وہ جس طرح روٹی ہے اسی طرح پکا ہوا سالن ہے، اسکے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر وہ شخص اپنے استعمال میں نہ لاتا اور اس نمک، مرچ، مصالحہ، گھی، تیل، وغیرہ ڈال کر نہ پکاتا بلکہ ویسا ہی رہتا تو شبہ کی گنجائش تھی جو صورت سوال میں مذکور ہے، یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

خلاصہ! کہ تصرف واستعمال میں لانے اور پکانے کے بعد پھر وہ گوشت اسکی خاص ملک ہوجاتا ہے، لہٰذا اس میں سے مذکورہ نوکر کو کھلانا جائز ہے۔ فقط کتبہ سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مورخہ ۲ محرم ۱۳۶۹ھ۔ (تفصیل دیکھئے امداد المفتین ص ۹۶۶ ج ۲)

(یہاں پر یہ اشکال تھا کہ نوکر، خادم کا کھانا کھلانا جزوِ تنخواہ ہے، تو کیا قربانی کا گوشت اس کو کھلانے سے اجرت تو نہیں ہوگیا؟ خلاصۂ جواب یہی نکلا کہ پکانے پر بھی تولاگت آتی ہے، اس لیے یہ کھانا اجرت میں شمار نہ ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

قربانی کی کھال میں تین قسم کے اختیارات ہیں

الف:۔ گوشت اور چمڑا جب تک خود موجود ہے اس میں قربانی کرنے والے کو تین قسم کے اختیارات شرعاً حاصل ہیں:۔

(۱) خود کھانا اور استعمال کرنا۔ (۲) دوسرے احباب اغنیاء (مالداروں) کو کھلانا اور استعمال کرانا۔ (۳) فقراء ومساکین پر صدقہ کردینا۔

ب:۔ اور اگر قربانی کا چمڑا یا گوشت نقد روپیہ کے عوض یا کسی ایسی چیز کے عوض فروخت کردیا جس سے نفع اُٹھانا اس کی اصل کے رہتے ہوئے ممکن نہ ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں تو اس صورت میں تیسری صورت متعین ہوجاتی ہے یعنی صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے، خود کھانا یا اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں رہتا، خواہ صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کیا ہو یا اپنے کھانے پینے کے لیے، ہر حال میں صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

ج:۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فروخت کرنا قربانی کے گوشت یا چمڑے کا، اگر صدقہ کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔ اور اگر اپنے کھانے پینے کی غرض سے ہو تو گناہ ہے لیکن بیع صحیح ہوجاتی ہے۔ قربانی کی کھال (اور گوشت) کو اگر فروخت کردیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے اور مصرف اس کا صرف فقراء ومساکین ہوئے اغنیاء کو نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح مدرسین کی تنخواہوں میں بھی صرف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسکین (غریب) کو بغیر کسی معاوضہ کے دیا جائے۔ اور اگر تنخواہوں میں دیا گیا تو اُجرت ہوجائے گی اور اگر مالدار کو دیا گیا تو ان کا خود کھانا اور استعمال

کرنا یا کسی مالدار کو دے دینا۔ اس کو شریعت نے جائز لکھا ہے وہ بھی اس حیثیت سے کہ بنصِ حدیث یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مہمانی ہے اور ظاہر ہے کہ مہمان کو کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے فروخت کرنے کی نہیں۔

خلاصۂ کلام

یہ ہے کہ چرمِ قربانی فروخت کرنے سے پہلے تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اغنیاء کو ہدیۃً بھی دے سکتا ہے اور فقراء ومساکین پر صدقہ بھی کرسکتا ہے لیکن روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کردیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو، اس کا صدقہ کردینا واجب ہوجاتا ہے۔ اور اس کا مصرف صرف فقراء ومساکین ہیں۔ اغنیاء کو دینا یا ملازمین ومدرسین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۴۵۷ ج ۱)

مساجد میں کھالیں دینا

سوال:۔ قربانی کی کھالیں جب فروخت کردی جائیں، ان کی قیمت کس قسم کے صدقہ میں شمار ہیں، اور ان کے مصارف کیا ہیں اور مسجدوں کی تعمیر وغیرہ میں ان کا صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ کھالیں مساجد کے متولیان یا پیش امام کو مسجد بنانے کے لیے دے دی جائیں کہ یہ لوگ ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت مسجد کی تعمیر میں صرف کریں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد از روئے شریعت صدقہ واجبہ میں داخل ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد مثل زکوٰۃ وغیرہ کے انکی قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے۔ لہٰذا ان کے مصارف بھی مصارفِ زکوٰۃ ہیں اور چونکہ زکوٰۃ ونیز دیگر صدقات میں تملیک (مالک بنادینا) شرط ہے اسلئے ان کو تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد میں تملیک پائی نہیں جاتی جیسا کہ درمختار میں ہے کہ مسجد کی تعمیر اور میت کے کفن دفن وغیرہ میں تملیک نہیں پائی جاتی اسلئے خرچ نہیں کرسکتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’جو کھال فروخت کردی اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو دیا جائے وہ مالک بن جائے، اور چونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے اس لیے اس کے مصارف مثل زکوٰۃ کے ہیں‘‘۔

اگر کھال کو مسجد کے متولیان یا اماموں کو مسجد بنانے کیلئے دیدی جائے کہ یہ لوگ اسکی قیمت کو تعمیر مساجد میں صرف کریں وہ بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں بھی شرطِ تملیک (مالک بنادینا) جو رکن ہے پائی نہیں جاتی کیونکہ تملیک کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو مالک بنادینا تاکہ وہ مالک ہونے کے بعد جو چاہے کرے۔ اور بصورت مذکورہ اس قسم کا مالک بنانا پایا نہیں جاتا بلکہ دینے والے اسلئے دیتے ہیں کہ یہ رقم مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائے، یہ تملیک نہیں بلکہ سراسر توکیل ہے (وکیل بنانا اور اختیارات دینے کو کہتے ہیں) قربانی کرنے والا اسکا مجاز نہیں کہ کھال کی قیمت مسجد کی تعمیر میں صرف کرے ویسا ہی یہ بھی مجاز نہیں کہ کسی دوسرے کو مساجد وغیرہ کی تعمیر میں اسے صرف کرنے کو وکیل بنادے۔ کیونکہ جس تصرف کیلئے خود مؤکل مجاز نہیں ہے اس کے واسطے دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی کھال جب فروخت کردی گئی پھر اسکی قیمت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً ممنوع ہے اور نہ اسے دوسرے کو اسلئے دینا جائز ہے کہ فروخت کرنے کے بعد اسکی قیمت تعمیر مساجد میں صرف کریں۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۲ ج۱)

مسئلہ:۔ ظاہر ہے کہ متولی و مہتمم انجمن وغیرہ کو ان کھالوں کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے، بلکہ محض امین و وکیل ہیں، فروخت کرنے اور مصرف میں صرف کرنے کے۔ (عزیز الفتاویٰ ص ۷۱۱ ج۱)

کھال کی قیمت میں حیلہ کرنا

اگر کھال قربانی کی فروخت کردی تو اسکی قیمت کا صدقہ فقراء و مساکین پر کرے یعنی ان کو مالک بنانا ضروری ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کو جس میں قربانی کی کھال کی قیمت بھی داخل ہے۔ تعمیر مسجد و مرمت مسجد و روشنی و سامانِ مسجد وغیرہ میں صرف نہیں کرسکتے، اور یہ حیلہ بھی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ کسی مسکین کو یا فقیر کو اول اس کا مالک بنادیا جائے پھر اس سے کہا جائے کہ تو اپنی طرف سے اس روپے کو مسجد وغیرہ میں یا روشنی وغیرہ میں صرف

کردے، مگر دینے کے وقت یہ شرط نہ کرے بلک دینے کے بعد اس سے کہہ دے۔ بہرحال اس حیلہ سے روشنی وغیرہ میں یا خریداری لالٹین وغیرہ میں اس کوصرف کر سکتے ہیں۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۱۳ے جلداول)

مسئلہ:۔ قربانی کی کھال اگر قربانی کرنے والا کسی کو دیدے اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے، کھال کو فروخت کر کے کسی معلم (پڑھانے والے) کے تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کردے تو جائز ہے لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کرے تو پھر وہ اس کھال کے روپے کو معلم وغیرہ کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کرسکتا بلکہ صدقہ کر دینا لازم ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۲۷ ج ۸)

قربانی کی کھال کا عام حکم

قربانی کی کھال کی نسبت یہ حکم ہے کہ یا تو اس کو بجنسہ اپنے کسی کام میں لے آئے مثلاً رنگوا کر گھر کا ڈول وجوتہ یا جائے نماز و دستر خوان وغیرہ بنالے، یا کسی غیر محتاج کو یا قرابت دار واحباب کو دے دے۔ کسی کی خدمت کے معاوضہ میں نہ دے مثلاً سقہ یا مسجد یا امام ومؤذن مسجد محلّہ کو انکی خدمت کرنے کے معاوضہ میں نہ دے، یہ درست نہیں۔ اسی طرح اپنے گھر کے سقہ کو بھی نہ دے جبکہ وہ تنخواہ دار ہو، لیکن فروخت کرنے کے بعد جو قیمت اس کھال کی ہو، اُس کو نہ خود رکھ سکتا ہے نہ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے، نہ کسی معاوضہ میں دے سکتا ہے، نہ مسجد میں لگا سکتا ہے، بکہ یہ ضروری ہے کہ محتاجوں پر صدقہ کردے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کے ذمہ اس قدر روپیہ صدقہ کرنا ضروری ہے، ورنہ قربانی میں نقصان رہے گا۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۱۰ے ج ۱)

مسئلہ:۔ قربانی کے چمڑے کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے جس طرح گوشت مالدار کو دیا جاسکتا ہے۔ چمڑا (کھال) بھی دے سکتے ہیں اور صاحب نصاب بخوشی لے سکتا ہے، ممنوع نہیں ہے۔ اور جس مالدار یا غریب کو چمڑا ہدیۃً (بغیر قیمت) دیا گیا ہے وہ بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لا سکتا ہے، البتہ اگر قربانی کرنے والے نے چمڑا بیچ دیا تو اس کی قیمت کے حقدار صرف غرباء ہیں مالدار کو دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۸ ج ۶)

کھال سے متعلق مسائل

مسئلہ:۔کھال کی قیمت عیدگاہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ کھال بیچ دینے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اوراب یہ رقم اسی جگہ صرف ہوسکتی ہے جو صدقہ کے مصرف ہیں، ہاں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ کے طلباء یا محتاج معذوروں یا مساکین پر صرف کی جاسکتی ہے۔(کفایت المفتی ص ۲۱۹ ج ۸)

مسئلہ:۔قربانی کی کھال کی قیمت مسجد یا کنویں وغیرہ مصارف میں خرچ کرنا جن میں تملیک نہیں ہوتی، وجوبِ تصدق کے منافی ہے ان جگہوں میں صرف کردینا (جسمیں مالک نہ بنایا جائے) تصدق نہیں ہے (صدقہ ادا نہیں ہوگا)۔(کفایت المفتی ص ۲۲۳ ج ۸)

مسئلہ:۔اگر کھال فروخت کردی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ مگر یہ صدقہ نافلہ ہے، کافر غریب ہو تو اس کو بھی دی جاسکتی ہے۔(کفایت المفتی ص ۲۲۷ ج ۸)

مسئلہ:۔کھالوں کی قیمت کا روپیہ مدرسین کی تنخواہوں میں نہیں دیا جاسکتا ہے، ہاں نادار طلبہ کو وظائف کی صورت میں یا سامانِ تعلیم کی صورت میں دینا جائز ہے مگر جو دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے، تعمیر میں خرچ کرنا درست نہیں۔(کفایت المفتی ص ۲۲۹ ج ۸)

مسئلہ:۔قربانی کی کھال سید کو دے دینی جائز ہے یعنی خود کھال دی جائے نہ کہ اس کی قیمت۔
(کفایت المفتی ص ۲۳۴ ج ۸)

مسئلہ:۔فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب تک کھال فروخت نہ ہو ہر شخص کو اس کا (کھال کا) دے دینا اور خود بھی اس سے منتفع ہونا جائز ہے اور جب فروخت کردی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور صدقہ کی ماہیت میں تملیک ماخوذ ہے، اور چونکہ یہ صدقہ واجب ہے اس لیے اس کے مصارف مثل مصارفِ زکوٰۃ کے ہیں، پس مدرسین کی تنخواہوں میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں، البتہ غریب مسلمان طالب علم جو زکوٰۃ کا مصرف ہو، اس کو بطور انعام یا امداد خوراک و پوشاک تملیکا دے دینا جائز ہے۔(امداد الفتاویٰ ص ۵۳۶ ج ۳)

مسئلہ:۔قربانی کے چمڑے کے پیسے صرف زکوٰۃ کے مستحقین پر خرچ کیئے جائیں، قرآن پاک، پارۂ عم، تختی وغیرہ خرید کر غریب بچوں کو مالک بنادیں تو بھی جائز ہے کفن دفن

میں تملیک (ملکیت) نہیں ہوتی۔ اس لیے اس میں استعمال نہیں کر سکتے، ہاں پہلے کسی غریب وارث یا منتظم کو جو مستحقِ زکوٰۃ ہو، اس کو مالک بنا دیں اور پھر وہ اپنی مرضی سے کفن دفن میں خرچ کرے تو جائز ہے۔ اور اس رقم کو استاذ کی تنخواہ میں نہیں دے سکتے، اگر وہ مستحقِ زکوٰۃ ہوں تو بطورِ امداد دے سکتے ہیں۔ (رحیمیہ ص ۱۶۵ ج ۶)

مسئلہ:۔ بعض لوگ ذبح سے پہلے ہی کھال فروخت کر دیتے ہیں، سو یاد رہے کہ ذبح سے پہلے کھال کا فروخت کر ڈالنا حرام ہے۔ (زوال السنہ ص ۲۳ و اغلاط العوام ص ۱۳۷)

مسئلہ:۔ قربانی کا چمڑا اگر شریک اپنے حصہ کے علاوہ دوسرے شرکاء سے اُن کے چمڑے کے حصے خرید لے تو پھر وہ تمام چمڑا خرید کنندہ شریک اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۷۵ ج ۳)

مسئلہ:۔ اصل حکم کے لحاظ سے قربانی کے ہر حصہ دار چمڑے کو کاٹ کر بھی (یعنی سات حصہ کر کے) لے سکتے ہیں، لیکن کاٹنے سے چمڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور خود چمڑے کو کام میں لانا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کاٹنے سے فقراء کا نقصان متصور ہے لہٰذا کاٹ کر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۲ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو کھال دے دینا خواہ وہ غنی (مالدار) ہو یا فقیر، ہاشمی ہو، یا اور کوئی اپنے اصول و فروع ہوں یا اجنبی، یہ سب جائز ہے۔ اس میں تملیک بھی واجب نہیں کیونکہ خود اپنے لیے اس کا مصلی، ڈول وغیرہ بنا لینا یا اور کام میں لانا جائز ہے جس میں تملیک متصور نہیں۔ لیکن اگر قربانی کرنے والا کھال سے نفع نہ اٹھائے اور نہ کسی کو کھال ہبہ کرے بلکہ اُسے فروخت کر ڈالے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب اس میں زکوٰۃ کے احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ تملیک بھی لازم اور اصول و فروع و ہاشمی و غنی کو دینا بھی درست نہیں۔ امام مسجد کا حق لازم سمجھنا، یہ بات بہر صورت غلط ہے، حق لازم کسی کا نہیں اور اگر امامت کی اُجرت کے طور پر کھال یا اس کی قیمت دی جائے تو ناجائز ہے۔ اگر امام بھی مسکین (ضرورت مند غریب) ہو تو اُسے تبرعاً دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ مالدار ہو یا اپنا حق لازم سمجھے، یا اجرتِ امامت (و موذن وغیرہ)

قرار دے کر طلب کرے تو اس صورتوں میں اُسے دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کھال کسی مالدار یا فقیر کو دے دے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن کھال کو فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا یعنی مسکین کو بلا معاوضہ دے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ پس کھال یا اسکی قیمت کو امام یا مؤذن کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں اور کھال کی قیمت کو مسجد کی روشنی، فرش، تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۸ ج ۸)

مسئلہ:۔ قربانی کی کھال مال دار کو بھی ہبۃً (بغیر پیسوں کے) دینا جائز ہے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے استحبابی ہے جیسے گوشت کا۔ البتہ اگر کھال بیچ دی جائے تو اس کی قیمت واجب التصدق ہے۔ وہ قیمت صرف مستحقینِ زکوٰۃ ہی کو دی جاسکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۰ ج ۶ بحوالہ درمختار ص ۲۸۷ ج ۵)

مسئلہ:۔ قربانی کے کھال فروخت کرنے کے بعد اسکی قیمت اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اگر اپنے استعمال میں لائی گئی تو اس کا بدل صدقہ کرنا واجب ہے ورنہ ثواب قربانی میں نقصان ہوگا۔ (کفایت المفتی ص ۲۲۹ ج ۸)

کھال کی رقم سے آمدنی کا ذریعہ بنانا

سوال:۔ قربانی کی کھال کی رقم جماعت کے پاس جمع ہے وہ اس میں سے غرباء کو دیتے ہیں اور اسی طرح نادار بچوں کو اسکول کی کتابیں وغیرہ خرید کر دیتے ہیں اور بیماروں کی امداد کرتے ہیں۔ اب ان کا ارادہ ہے کہ ان کھال کے پیسوں سے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنالیں اور پھر اس آمدنی کو غرباء پر خرچ کرتے رہا کریں، تو ان کے لیے چمڑے کی قیمت سے مکان، دوکان بنوانا کیسا ہے؟

جواب:۔ قربانی کی کھال جماعت کو ہدیۃً نہیں دی جاتی بلکہ بطور وکالت دی جاتی ہے، لہٰذا اسکی قیمت مستحقین کو تملیکاً دے دی جائے اور جہاں تک ہوسکے جلد ادا کر کے سبکدوش ہو جائیں، بلا وجہ شرعی تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

غریبوں کو قرآن شریف اور کتابیں دے دی جائیں، غریب بیماروں کی امداد کی جائے، لیکن قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو آمدنی کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے۔ غیر مصرف

میں رقم استعمال ہوگی تو جماعت کے لوگ ذمہ دار گنہگار ہوں گے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۷ ج ۲)

کھال سے گوشت بدلنا

سوال:۔ یہاں پر قربانی کے جانور کی کھال قصاب (قصائی) کو دیتے ہیں اور اس کے کھال کے عوض محرم میں گوشت لے کر خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جن شہروں میں چمڑا عدداً فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع درست ہے جب کہ گوشت کی مقدار اور صفت پورے طور سے بیان کردی جائے، لیکن جو گوشت آئے اس سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے۔ اگر خود کھائے گا یا مالداروں کو کھلائے گا تو اتنی مقدار کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۶۴ ج ۳)

کھال کی رقم کا چوری ہوجانا

(فی الدر المختار وللمودع حفظها بنفسه وعياله وهم من يسكن بيعه حقيقةً او حكماً.) روایتِ مذکورہ کی بناء پر زید پر (یعنی جس کے پاس قربانی کی رقم رکھی ہوئی تھی، مدرسہ کے مہتمم یا متولیان وغیرہ پر) یا اس روپیہ کا ضمان نہیں، البتہ اس چور پر ضمان واجب ہے، اور زید کے ذمہ واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے اس سے (چور سے لینے کی کوشش کرے فقط، اور ایک اور بات زید پر یہ بھی ضروری ہے کہ جن جن لوگوں کی رقم ضائع ہوئی ہے انکو اطلاع کردے، کیونکہ ان کے ذمہ یعنی قربانی کرنے والوں کے یہ رقم کھال کی واجب التصدق رہ گئی ہے۔ وہ لوگ مساکین کو ادا کریں۔ جب کہ چور سے وصول نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۱۰ ج ۳)

صدقہ فطر کے مسائل

عید کا دن بہت مبارک اور خدا کی مہمانی کا دن ہے۔ آج کے دن ہم سب خدا کے مہمان ہیں، اسی وجہ سے آج کا روزہ حرام ہوگیا۔ کیونکہ جب خدا نے ہمیں مہمان بنا کر کھانے پینے کا حکم دیا ہے تو ہم کو اس سے منہ موڑنا ہرگز نہ چاہئے آج کے دن روزہ رکھنا گویا خدا کی مہمانی کو رد کرنا ہے۔ یہ ہم سب مسلمانوں کا بہت بڑا تہوار ہے، ہمارے تہوار میں کھیل تماشہ

اور ناچ گانا وغیر نہیں ہوتا۔ کسی کو تکلیف دینا، ستانا نہیں ہوتا، بلکہ جس کو خدا نے دیا ہے وہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، مالدار جب اپنے پھول سے بچوں کو اُجلے اُجلے کپڑوں میں خوشی اُچھلتا کودتا دیکھتا ہے تو غریب کے مرجھائے ہوئے چہرے اوراس کے بچوں کی حسرت بھری نظریں اس سے دیکھی نہیں جاتیں۔ مسلمان دولت منداپنے گھر کے اس قسم کے خوشبودار اور لذیذ کھانوں کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگا تا جب تک کہ مفلس پڑوسی کے گھر میں سے دھواں اُٹھتا نہ دیکھ لے۔ بھلا میری کیا عید اگر میرا پڑوسی آج کے دن بھی بھوکا رہا بھلا میری جگمگ بیوی مجھے کیسے بھاسکتی ہے جبکہ برابر میں ایک نادار کی بیوی کے کپڑوں میں تین تین پیوند ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہم اتنے غیرت مند نہیں ہیں۔ اور مسلمان غیرت مند کیوں نہ ہو؟ تو ہمارا غیور خدا تو اسکو برداشت نہیں کرسکتا کہ میرا ایک محتاج بندہ اپنے میلے کپڑوں کیوجہ سے عید کی نماز تک میں شریک ہونے سے شرمار ہا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جب اپنے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے پاس جھل مل کرتے ہوئے شاندار کپڑے اور کھنا کھن بجتے ہوئے پیسے دیکھ کر اپنی ماں سے منہ بسور کر اماں ہم بھی ایسا ہی لیں گے کہتے ہیں۔ پھر ان کی ماں بچوں کو کلیجے سے لگاتے ہوئے آنسوں پونچھتے ہوئے کہتی ہے کہ "بیٹا ہاں تم کو بھی دلائیں گے۔ اور یہ کہتے ہوئے مارے غم کے بے اختیار اسکی چیخ نکل پڑتی ہے اور اسکے دکھی دل پر فکر وغم کے بادل چھا جاتے ہیں تو یہ منظر خدائے رحیم وکریم سے دیکھا نہیں جاتا۔ اور کون غیرت مند دیکھ سکتا ہے؟ اسلئے خدا نے اپنے خوش حال بندوں پر یہ لازم کر دیا ہے کہ جب تک وہ میرے غریب بندوں اور بندیوں کے آنسوں نہ پونچھ دیں، جب ان کا تن نہ ڈھانپ دیں، جب تک ان کا چولہا گرم نہ کر دیں، جب تک ان کے نونہالوں کو مسکراتا نہ دیکھ لیں خود عید نہ منائیں، جب تک ان کے دل کی کلی نہ کھل جائے میرے سامنے نہ آئیں جب تک اسکی بیوی کی سکھ سے عید سننے کا انتظام نہ ہو جائے، اپنی بیوی کی پازیب کو بیڑی اور ہار کو طوق سمجھیں۔ آپس کی اس ہمدردی کے کم سے کم اور ضروری سے حصے کا نام "صدقۃ الفطر" ہے صدقہ فطر مسلمانوں کی آپس کی ہمدردی کا وہ کم سے کم اور گرے سے گرا حصہ ہے کہ اگر اتنا بھی نہ ہو تو مالداروں پر خدائی قہر اترتا ہے ان کی کمائیوں کی

برکتیں ختم ہوجاتی ہیں۔ خدائے قہاران کے پیچھے ایسی الجھنیں لگادیتا ہے کہ صدقہ فطر سے کہیں زیادہ پیسہ برباد ہوجاتا ہے اور کسی غریب کے ایک دن کے رونے کی پروانہ کرنے کی سزا میں خدائے غیور اس بے غیرت دولت مند کو کبھی برسوں گھٹنوں میں سر دے کر رلاتا ہے اور جب یہ بندے خوشیوں اور مسرتوں میں دوسروں کو اپنا شریک نہیں بناتے تو خدائے دانا وبینا غموں تکلیفوں، آنسوں اور ہچکیوں میں دونوں کو شریک کر کے اپنے تمام بندوں کو یکساں کردیتا ہے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص ۱۷۵)

صدقۂ فطر کے شرائط

صدقۂ فطر واجب ہے فرض نہیں اور صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے صرف تین چیزیں شرط ہیں۔ (۱) آزاد ہونا۔ (۲) مسلمان ہونا۔ (۳) کسی ایسے مال کے نصاب کا مالک ہونا جو اصلی ضرورتوں سے فارغ ہو، اور قرض سے بالکل یا بہ قدر ایک نصاب کے محفوظ ہو۔ اس مال پر سال کا گزر جانا شرط نہیں نہ مال کا تجارتی ہونا شرط ہے نہ صاحب مال کا بالغ ہونا اور عاقل ہونا شرط ہے یہاں تک نابالغ بچوں اور مجنونوں پر صدقۂ فطر واجب ہے ان کے اولیاء کو ان کی طرف سے ادا کرنا چاہئے اور اگر ولی نہ ادا کرے اور وہ اس وقت خود مالدار ہوں تو بالغ ہوجانے کے بعد یا جنون زائل ہوجانے کے بعد خود ان کو عدم بلوغ یا جنون کے زمانے کا صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔

صدقۂ فطر کا حکم نبی کریم ﷺ نے اسی سال دیا تھا جس سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تھے۔

صدقۂ فطر کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دن خوشی کا ہے اور اس دن اسلام کی شان وشوکت کثرتِ جمعیت کے ساتھ دکھائی جاتی ہے اور صدقہ دینے سے یہ مقصد خوب کامل ہوجاتا ہے علاوہ اسکے اس میں روزہ کی تکمیل ہے، صدقہ فطر کے دینے سے روزہ مقبول ہوجاتا ہے، اور اس صدقہ میں حق تعالیٰ کا عظیم الشان احسان کہ اس نے ماہ مبارک سے مشرف کیا اور اس میں روزہ رکھنے کی ہم کو توفیق دی۔ اور کچھ ادائے شکر بھی ہے۔

(علم الفقہ ج ۴ ص ۵۰ و ص ۵۱)

صدقۂ فطرادا کرنا اس شخص کے ذمہ واجب ہے جوصاحبِ نصاب مالدار ہو یعنی ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو. (فتاویٰ دارالعلوم ج۶ ص ۳۲۶ در مختار ج۳ ص ۹۹)

ضرورتِ اصلیہ کیا ہے

کسی کے پاس بڑا بھاری گھر ہے اگر بیچا جائے تو ہزار پانچ سو کا بکے اور پہننے کے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں مگران میں سچا (چاندی سونے کا) گوٹا نہیں ہے، اور خدمت کیلئے دو چار خدمت گار ہیں گھر میں ہزار پانچ سو کا ضروری اسباب بھی ہے مگر زیور نہیں، اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے یا کچھ سامان ضرورت سے زائد بھی موجود ہے اور کچھ سچا گوٹا اور زیور وغیرہ بھی ہے لیکن وہ اتنا نہیں جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ایسے پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۴ بحوالہ نور الایضاح ص ۱۶۱ ج۱)

نیز کسی کے پاس ضروری سامان سے زائد اسباب ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے تو قرض کا اندازہ (تخمینہ) لگا کر دیکھو کیا بچتا ہے اگر اتنی قیمت کا سامان بچ جائے جتنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تو صدقہ واجب ہے اور اگر اس سے کم بچے تو واجب نہیں۔

(بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۴ بحوالہ ہدایہ ج۱ ص ۱۸۵)

خالی مکان ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

کسی کے دو گھر ہیں ایک میں خود رہتا ہے اور ایک خالی پڑا ہے یا کرایہ پر دے رکھا ہے تو دوسرا مکان ضرورت سے زائد ہے اگر اسکی قیمت اتنی ہو جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے اور ایسے کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بھی جائز ہے البتہ اگر مالک مکان کا اسی پر گزر اوقات ہے (یعنی کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے) تو یہ مکان بھی ضروری اسباب میں داخل ہو جائے گا اور اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔

(بہشتی زیور ج سوم ص ۳۵ بحوالہ فتاویٰ خانیہ ج ایک ص ۲۲۶)

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر صدقۂ فطر بھی واجب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں تو سونا، چاندی یا تجارت کا مال ہی ہونا ضروری ہے اور صدقہ فطر واجب

ہونے کے لیے صرف یہی تین چیزیں نہیں بلکہ اس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لیا جاتا ہے، ہاں یہ بات دونوں نصابوں میں شرط ہے کہ اپنی روزمرہ کی ضرورتوں سے زائد ہو اور قرضے سے بچا ہوا ہو۔

چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس روزانہ پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کچھ اور کپڑے رکھے ہوں، یا روزمرہ کی ضرورت سے زائد تانبے، پیتل، اسٹیل، چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہیں یا اس کا کوئی مکان خالی پڑا ہوا ہے یا اور کسی قسم کا سامان ہے اور روزانہ کی ضرورت سے زائد ہے تو اگر ان چیزوں کی قیمت مل کر نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ تو فرض نہیں لیکن صدقہ فطر واجب ہے، اور اسی طرح صدقہ فطر کے نصاب پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر اسی دن اتنے مال کا مالک ہوا ہو تب بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص ۱۷۷)

جو صاحبِ نصاب نہ ہو اس کے لیے حکم

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ دے“ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ اس مالدار کو تو اس کے صدقہ فطر دینے کی وجہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر (جو مالک نصاب نہ ہو) اس کو اس سے زیادہ عنایت فرماتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور کے برابر دیا ہے“۔

یہ بشارت اگرچہ مالدار کے لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں اس سے کہیں زیادہ برکت عطا فرماتے ہیں جتنا اس نے دیا ہے مگر اس بشارت کو فقیر کے ساتھ مخصوص اس لیے فرمایا تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو، اور وہ صدقہ فطر دینے میں پیچھے نہ رہے۔

(مظاہر حق جدید قسط سوم ج ۲ ص ۵۸)

صدقہ فطر کس وقت واجب ہوتا ہے؟

صدقہٗ فطر کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے پر ہوتا ہے لہٰذا جو شخص قبل طلوع فجر کے مر جائے یا فقیر ہو جائے، اس پر صدقہ فطر واجب نہیں، اسی طرح جو شخص بعد طلوع

فجر کے اسلام لائے اور مال پا جائے یا جولڑکا ،لڑکی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیدا ہوا ہو یا جو شخص فجر کے طلوع ہونے سے پہلے اسلام لائے یا مال پا جائے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔(علم الفقہ حصہ چہارم ص ۵۱)

عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے اسی وقت پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر صدقہ واجب نہیں اسکے مال میں سے نہ دیا جائے۔(بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۵ بحوالہ عالمگیری ج ایک ص ۱۹۶)

رمضان سے پہلے صدقہ فطر دینا

سوال:۔ صدقۂ فطر کی ادائے گی کا کیا وقت ہے؟ رمضان سے پہلے مثلاً شعبان یا رجب میں ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اختلافی مسئلہ ہے، رمضان سے پہلے کا قول بھی ہے، اس پر عمل کرنا خلاف احتیاط ہے۔ ماہِ رمضان میں بھی ادا کرنے میں اختلاف ہے، مگر قوی یہ ہے کہ درست ہے اور صدقہ ادا ہو جائے گا۔(فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۷۶ بحوالہ ج ۲/ البحر الرائق ص ۲۵۵)

صدقہ فطر رمضان شریف میں دینا درست ہے خواہ کسی بھی عشرہ میں دیدے۔
(فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۰۵)

صدقۂ فطر کس کس کی طرف سے دینا واجب ہے؟

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے بھی واجب ہے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی بشرطیکہ وہ فقیر یعنی صاحب نصاب نہ ہوں اور اپنی خدمت گار لونڈی غلاموں کی طرف سے بھی اگر چہ وہ کافر ہوں، نابالغ اولاد اگر مالدار ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ ادا کرنا واجب نہیں ہاں احساناً اگر ادا کر دے تو جائز ہے یعنی پھر ان اولاد کو دینے کی ضرورت نہیں رہے گی، اور اگر بالغ اولاد مالدار تو ہوں مگر مجنون ہوں تب بھی ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے مگر انہیں کے مال سے، جو لونڈی غلام خدمت کے نہ ہوں بلکہ تجارت کے ہوں انکی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں۔

باپ اگر مر گیا ہوتو دادا باپ کے حکم میں ہے یعنی پوتے اگر مالدار ہیں تو انکے مال سے ورنہ اپنے مال سے ان کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ (علم الفقہ ج سوم ص ۵۲)

فتاویٰ دار العلوم، ج:۶، ص:۳۲۴ بحوالہ عالمگیری میں اس طرح لکھا ہے۔

عورت پر جب کہ صاحبِ نصاب ہوتو فطرہ اسی پر واجب ہے اگر شوہر ادا کر دے گا تو ادا ہو جائے گا، باپ پر نہیں ہے۔

صدقہ فطر میں اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

سوال:۔ جس طرح کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ اسکی اجازت کے بغیر ادا نہیں ہوتی تو کیا یہ ہی حکم صدقہ فطر کا بھی ہے یا کچھ فرق ہے؟

جواب:۔ ہاں یہی حکم صدقہ فطر کا بھی ہے اجازت ضروری ہے لیکن چونکہ صدقہ فطر کی مقدار کم اور معلوم ہے اس لئے بیوی اور اولاد کی طرف سے جو اسکے عیال (زیر کفالت) میں ہیں ادا کر دیتا ہے، اور عادتاً اسکی اجازت ہوتی ہے اسلئے استحساناً جائز ہے، بخلافِ زکوٰۃ کے اسکی مقدار نا معلوم اور زیادہ ہوتی ہے بغیر کہے ادا کرنے کی عادت نہیں ہے، اسلئے اجازت اور وکالت ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۷۳ بحوالہ شامی ج ا ص ۱۰۳)

جس نے روزے نہ رکھے ہوں اسکا حکم

جس نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے اور جس نے روزے رکھے اس پر بھی واجب دونوں میں کچھ فرق نہیں، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۵ بحوالہ عالمگیری ج ا ص ۱۹۲ اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۱۴ پر ہے ''جس نے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقہ فطر واجب ہے نہ ادا کیا ہوتو اب دیدے جب تک، وہ ادا نہ کرے بری الذمہ نہ ہوگا۔''

شادی شدہ لڑکی کا فطرہ کس پر واجب ہے؟

سوال:۔ لڑکی کی شادی ہو چکی ہو، اور وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر ہے، نابالغ ہے اس کا فطرہ کس پر ہے ماں باپ پر یا سسرال والوں پر؟

جواب:۔ اگر وہ لڑکی مالدار ہے تو خود اس کے مال میں صدقہ فطر واجب ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور اگر مالدار نہیں اور بالغ ہے تو کسی کے ذمہ نہیں، اور اگر مالدار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ اور اگر رخصت ہوگئی تو باپ کے ذمہ نہیں۔

(امداد الفتاویٰ جدید ج۲ص۸۰)

مال تقسیم ہونے کے بعد صاحبِ نصاب نہ ہو تو کیا فطرہ واجب ہے؟

سوال:۔ چار بھائیوں کا مال مشترک ہے اگر تقسیم کیا جائے تو کسی کا حصہ بقدرِ نصاب نہیں ہوتا ہے کیا قربانی یا صدقہ فطر واجب ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں کہ کسی ایک بھائی کا حصہ قدرِ نصاب کو نہیں پہنچتا کسی پر بھی فطرہ اور قربانی واجب نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ج۶ص۳۰۸ بحوالہ رد المختار باب صدقۃ الفطر ج۲ص۹۹)

جو جوان لڑکے اپنی کمائی باپ کو دیتے ہیں اُنکے فطرے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے دو لڑکے ہیں جو کچھ کماتے ہیں باپ کو دیتے ہیں لڑکوں کے پاس کچھ نہیں ہے تو ایسی حالت میں ان بھائیوں پر صدقہ فطر، زکوۃ یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ان پر زکوۃ اور صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ج۶ص۳۱۱ بحوالہ رد المختار ج۲ص۹۹)

کیا صاحبِ نصاب بچہ بالغ ہونے کے بعد فطرہ ادا کرے؟

سوال:۔ اگر بچہ مالکِ نصاب ہے۔ اور اس کا ولی اسکی طرف سے صدقہ فطر ادا نہ کرے تو اس بچہ پر بالغ ہونے کے بعد ادا کرنا کیا واجب ہے؟

جواب:۔ ہاں اس کو بالغ ہونے کے بعد صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا، اگر بچہ صاحب نصاب نہ ہو گو باپ صاحب نصاب تھا، اور اس نے ادا نہ کیا تو بچہ پر بالغ ہونے کے بعد ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۲ ۷۸)۔

سب کا فطرہ ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو؟

اگر کسی شخص کے پاس اتنا ہی غلہ موجود ہو کہ کچھ لوگوں کا صدقہ ادا کر سکتا ہے اور کچھ لوگوں کا ادا نہیں کر سکتا تو ان لوگوں کا صدقہ پہلے ادا کرے جن کے نفقہ کی تاکید زیادہ ہو، آنحضرت ﷺ نے اولاد کے نفقہ (خرچہ) کو بیوی کے نفقہ پر اور بیوی کے نفقہ کو خادم کے نفقہ پر مقدم فرمایا ہے۔

مسلمان مرد پر اس کا، اسکی بیوی، بچوں، غلاموں اور ان رشتہ داروں کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے، جنکا خرچہ اس پر ہے، جیسے باپ، دادا، ماں، نانی، وغیرہ حدیث میں ان لوگوں کا صدقہ ادا کرنا جن کا خرچ تم اٹھاتے ہو۔

(احیاء العلوم ج ایک قسط ۵ ص ۵۶۷ بحوالہ ابوداؤد شریف)

فطرہ عید گزر جانے سے معاف نہیں ہوتا

اگر کسی نے عید کے دن صدقہ فطر نہ دیا ہو تو معاف نہیں ہوا، اب کسی دن بھی دیدینا چاہئے۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۵ بحوالہ ہدایہ ص ۱۹۱ ج ایک)۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر میں گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو دے تو اسی کے سیر یعنی آدھی چھٹانک اور پونے دو سیر (پونے دو کلو) بلکہ احتیاط کیلئے پورے دو سیر یا کچھ زیادہ دینا چاہئے کیونکہ زیادہ ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے اور اگر جوں یا جوں کا آٹا دے تو اس کا دوگنا دینا چاہئے، اور اگر جوں کے علاوہ کوئی اور اناج دے جیسے چنا، جوار، چاول تو اتنا دے کہ اسکی قیمت اتنے گیہوں کی برابر ہو جائے، جس میں پونے دو کلو گیہوں آسکیں۔

(بہشتی زیور حصہ سوم ص ۳۵ بحوالہ فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۹۳)

کیا چاول دینے سے فطرہ ادا ہو جائیگا

سوال:۔ ہمارے یہاں بنگال میں عام طور پر ہر فرد کی غذا چاول ہے، اس صورت

میں ہم لوگ پونے دوسیر چاول سے فطرہ ادا کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ درمختار میں ہے اگر کوئی شخص صدقہ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن پیمانہ معتبر نہیں بلکہ وہ چاول اس قدر ہوں کہ قیمت میں برابر نصف صاع (پونے دوکلو) گیہوں یا ایک صاع جو کے ہو جائیں تو اس وقت صدقہ فطر ادا ہوگا، اگر کسی نے پونے دوکلو چاول دیدیا اور وہ قیمت میں اشیاء مذکورہ سے کم ہو تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ج ایک ص ۱۵۶)

صدقہ فطر اگر گیہوں، گیہوں کے آٹے، یا ستو کا دے تو پونے دوکلو دیا جائے یا اسکی قیمت ادا کی جائے اگر گیہوں نہ دے بلکہ کوئی اناج (چاول وغیرہ) دے تو اتنا دے کہ اسکی قیمت پونے دوکلو گیہوں کے برابر ہو جائے اور اگر جوں کا آٹا دے تو پونے دوسیر کا دوگنا دے۔ فتاویٰ ہندیہ ج اص ۱۹۲ کفایت المفتی ج ۴ص ۲۹۳ میں ہے غیر منصوص اشیاء میں حکم یہ ہے کہ صاع یا نصف صاع (پونے دوکلو) گیہوں کی قیمت میں جس قدر چاول آتے ہوں اس قدر دے۔''

صدقہ فطر میں میدہ یا اس کی قیمت دینا

سوال:۔ یہاں پر جزیرہ مورشش میں لوگ گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے ہیں بلکہ باہر سے تیار میدہ آتا ہے اسکی روٹی کھاتے ہیں اور اسکے پانچ سوگرام کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقہ فطر ادا کریں یا گیہوں کی قیمت کا؟

جواب:۔ جب آٹا (میدہ) خالص گیہوں کا ہو، اسمیں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو اور پونے دوکلو دیا جائے تو صدقہ فطر ادا ہو جائیگا۔ اسی طرح اسکی قیمت دی جائے تو بھی صدقہ فطر ادا ہو جائے گا، ہاں اگر میدہ میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو تو پونے دوکلو دینے سے صدقہ ادا نہ ہوگا، اور اسکی قیمت بھی صدقہ فطر کی ادائے گی کیلئے کافی نہ ہوگی خالص گیہوں کی قیمت سے صدقہ فطر ادا کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ص ۱۷۷ بحوالہ ہدایہ ج اص ۱۹۰)

☆☆

جومختلف غلّہ استعمال کرتا ہووہ کیا دے؟

صدقۂ فطر اس غلے میں سے ادا کرے جوخود استعمال کرتا ہو، اگر کوئی شخص گیہوں استعمال کرتا ہے تو اس کے لیے جوکا دینا صحیح نہ ہوگا، اگرمختلف غلے استعمال کرتا ہوتو وہ غلہ دے جو سب سے اچھا ہو، اگر کوئی معمولی غلہ بھی دیدے گا تو صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔

(احیاء العلوم ج ایک قسط ۴ ص ۵۲۶ بحوالہ ابوداؤد شریف)

کیا صدقہ فطر میں کنٹرول کی قیمت کا اعتبار ہے؟

صدقہ فطر میں اصل تو یہ ہے کہ گیہوں وغیرہ کا غلہ دیا جائے، غلہ اعلیٰ قسم کا، یا اوسط یا ادنیٰ جو بھی دیا جائے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔ قیمت ادا کرنی ہو تو بازاری دام سے کرنی ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت ہو، اوسط اور ادنیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت بھی معتبر ہے، مگر قیمت ہو تو بازاری دام (قیمت) کے گیہوں کی۔ کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں۔ فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہئے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہے تو پونے دوکلو (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں بازار سے مل جائیں کنٹرول (سرکاری راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے تو بازار سے اتنے گیہوں نہیں ملینگے، اور کنٹرول سے حاصل کرنے کے لیے راشن کارڈ کا ہونا ضروری ہے اور کارڈ ہر فقیر کے پاس نہیں ہوتا ہے اس لیے کنٹرول کے حساب لگا کر ادا کرنا اور اس کے حساب کے مطابق قیمت ادا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

اگر گیہوں کے علاوہ اور کوئی غلہ باجرہ، چاول وغیرہ دیا جائے تو اس میں گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر پونے دوکلو گیہوں کی قیمت ہو اتنی رقم کا دوسرا غلہ دیا جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۷۲)

اگر آٹا کی قیمت گیہوں سے کم ہو جیسے کہ آج کل سرکاری راشن کا آٹا تو آٹے کی بجائے وزن مذکور یعنی پونے دوکلو گیہوں سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے یا اتنا آٹا دیا جائے کہ جسکی قیمت پونے دوکلو گیہوں کی برابر ہو۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۸۵)

☆☆

فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال:۔ ہمارے یہاں گیہوں کی پیداوار نہیں، اور نہ فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں آٹا کم اور میدہ بکثرت، میدہ کی قیمت آٹے سے بہت زیادہ تو ایسی صورت میں میدہ کے حساب سے فطرہ دیا جائے یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کر کے؟

جواب:۔ گیہوں، میدہ، آٹا، تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ فطر ادا ہو جاتا ہے، گیہوں سے آٹا دینا افضل ہے اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے۔ جس قریب کی جگہ گیہوں آٹے کی فروخت ہوتی ہو وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جائے اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور جب آپ کے یہاں میدہ کی فروخت بکثرت ہوتی ہے تو خود میدہ یا اسکی قیمت دینا چاہئے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے، ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کر کے قیمت دینا کافی نہیں۔ (قریب جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا)۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۶ ج ۷)

صدقہ فطر میں شہر یا ضلع کی قیمت کا اعتبار

سوال:۔ اگر کسی جگہ گیہوں نہ ملیں اور آٹا زیادہ قیمت کو ملتا ہے اور شہر میں گندم کی قیمت کم ہو تو شہر کی قیمت سے صدقہ فطر ادا کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ اپنی بستی کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔ اگر وہاں گندم نہ ملیں تو آٹا کی قیمت کا حساب کرنا چاہئے یا جوار، اور چھوہارے کے صاع کی قیمت کا حساب کرنا چاہئے غرض جو جنس (منصوص یعنی جن کا حدیث میں ذکر ہے مثلاً گیہوں، چھوہارے، منقٰے، جو کا ایک صاع) وہاں ملتی ہو اس کی قیمت کا حساب کیا جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۲۲ بحوالہ ردالمختار باب الصدقۃ الفطر ج ۱ ص ۱۰۳)

سب سے بہتر فطرہ

اگر گیہوں یا جو کی قیمت دیدی جائے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۲)۔
اگر زمانہ ارزانی کا ہو تو نقد دینا بہتر ہے اگر خدانخواستہ گرانی کا ہو تو کھانے کی

چیزوں کا دینا افضل ہے۔

اور علم الفقہ کے حاشیہ میں یہ ہے کہ میرے نزدیک امرا کو یہ مناسب ہے کہ ان سے گراں چیز کی قیمت دیں مثلاً آج کل چھوہارا، اور منقیٰ ان سب چیزوں میں گراں ہیں لہٰذا اسکی قیمت دیا کریں کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔(اذاوسع اللہ فوسعوا)جب اللہ تمہیں زیادہ دے تو تم بھی زیادہ دو۔"(علم الفقہ ج چار ص۵۳)

غیر مما لک والوں کا فطرہ کس حساب سے دیا جائے؟

سوال:۔ بیرون مما لک کے باشندے اپنے خویش واقارب سے فطرہ کی ادائیگی کے لیے لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے فطرہ ادا کریں، احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت دی جاتی ہے معلوم یہ کرنا ہے ان کے فطرہ کی قیمت یہاں پر کس قیمت پر ادا کی جائے یہاں کی قیمت سے یا وہاں کی قیمت سے یا قیمت؟

جواب:۔ان کے فطرے عمدہ قسم کے گیہوں پونے دو کلو ادا کرے، یا وہاں کے حساب سے گیہوں کی قیمت دی جائے۔ اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادی ہوتی ہے تو یہاں کے حساب سے ادا کرے، بہتر یہی ہے کہ گیہوں دیدے، اور اگر قیمت دے تو وہ قیمت لگائی جائے جسمیں صدقہ لینے والے غریبوں کا فائدہ ہو۔(فتاویٰ رحیمیہ ج۳ ص۱۱۳)

عہدِ نبوی ﷺ میں فطرہ کس وقت دیا جاتا تھا؟

سوال:۔آپ ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر نماز سے پہلے نکالا جاتا تھا یا نہیں یا کچھ دنوں تک جمع رہتا تھا اس کے بعد محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا تھا؟

ہمارے یہاں ایک جگہ کے سردار کے پاس صدقہ فطر جمع ہونا ضروری ہے اور سردار یا نائب سردار جب مرضی ہو جب تقسیم کرتے ہیں یہ عمل کیسا ہے؟

جواب:۔درمختار میں لکھا ہے کہ جسکا حاصل یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔آنحضرت ﷺ کے حکم اور فعل کے موافق۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر

کے نکالنے کا حکم فرمایا ہے، پس ثابت ہوا کہ جو کچھ عمل ان سرداروں کا ہے خلاف سنت ہے اور بے اصل ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ٦ ص ٣٠٣ بحوالہ مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر فصل اول ص ١٦٠)

صدقہ فطر کا اگر عید کے دن سے پہل ادا نہ کیا گیا ہو تو عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دینا مستحب ہے۔ (علم الفقہ حصہ چہارم ص ۵۴)

کیا سید کو صدقہ فطر دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ مفتی بہ مذہب یہ ہی ہے کہ سادات کو اس زمانے میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثلاً چرم قربانی اور صدقہ وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی فتاویٰ رحیمیہ ج پانچ ص ١٦٩ فتاویٰ رحیمیہ ج ٣ ص ١٧٠ پر ہے کہ سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں۔ ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب کو یہ کہہ کر دیدیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں لہٰذا تم کو دیتے ہیں اگر کل یا بعض اسکو بھی اپنی طرف سے دیدو بہتر ہے، اور وہ لیکر دیدے تو سید کیلئے جائز ہے۔ (بحوالہ کفایت المفتی ص ٢٧٢)

صدقہ فطر کی تقسیم کا طریقہ

ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدے یا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دیدے دونوں باتیں جائز ہیں۔ نیز اگر کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدیا تو یہ بھی درست ہے، حاشیہ میں لکھا ہے، لیکن وہ اتنے آدمیوں کا نہ ہو کہ یہ سب مل کر نصاب زکوٰۃ یا نصاب صدقہ فطر کو پہنچ جائے اس لیے اس قدر دینا ایک شخص کو مکروہ ہے، نیز صدقہ فطر کے مستحق وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

حاشیہ میں لکھا ہے غیر مسلم کو بھی صدقہ فطرہ دینا درست ہے، لیکن زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص ٣٦ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ ج ایک ص ١٩١)

صدقہ فطر کی رقم سے مدرسہ کی زمین خریدنا

سوال:۔ برسنگھم مسجد ٹرسٹ، مسجد سے ملحق زمین پر بچوں کے لیے دینی مدرسہ بنانا

چاہتے ہیں، یہاں پر اس وقت بچوں کی تعلیم کیلئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔
ہمارے پاس روپے کی کمی ایک دیرینہ شکایت ہے لیکن صدقہ فطر کی رقم کی مد میں کچھ رقم پڑی ہوئی ہے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ رقم اس زمین کی خریداری میں استعمال کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔صدقہ فطر کا حکم یہ ہے کہ عید کے دن نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جائے اور اس سے پہلے بھی ادا کرنا درست ہے، اگر کسی نے ادا نہ کیا تو جلدی ادا کرنے کی فکر کرے۔ ساقط اور معاف نہیں ہوتا ہے۔

اس حکم کے باوجود آپ حضرات کے پاس صدقہ فطر کی کثیر رقم کیسے جمع ہے تعجب ہوتا ہے، اور افسوس بھی، اور اگر آپ کی مالی حالت مدرسہ بنانے کے قابل نہ اس وقت ہے نہ مستقبل قریب میں ہونے کی توقع ہے تو س رقم کا شرعی حیلہ کر کے مدرسہ کے لیے زمین خریدی جاسکتی ہے، بلا اضطراری حالت اور بدون عذر شرعی کے حیلہ کر کے بھی یہ رقم زمین خریدنے میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔
صدقہ فطر کے اصل حق دار فقراء ومساکین ہیں ان کی حق تلفی ہوگی۔(فتاویٰ رحیمیہ ج۵ص ۱۷۸)

فدیے کی رقم کو مقروض کے قرض میں مجرا کرنا

سوال:۔ایک شخص کا قرض کسی کے ذمہ ہے اور مدیون مفلس اور نادار ہے، اگر قرض دار صدقہ فطر میں اس قرض کو مجرا کرلے تو کیا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا؟

جواب:۔اس طرح صدقہ فطر ادا نہ ہوگا، بغیر وصول کے قرض میں مجرا کر لینے سے زکوٰۃ وفطرہ ادا نہیں ہوتا ہے، قرض میں وصول کر سکتے ہیں مگر دینا ضروری ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ج۶ص ۳۰۳ بحوالہ ردالمختار ج ایک باب المصرف ص ۸۵ و کتاب الزکوٰۃ ج۲ص ۱۶)

مسجد کے امام کو صدقہ فطر دینا

سوال:۔امام مسجد کو صدقہ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔امامت کی وجہ سے اس کو فطرہ دینا جائز نہیں ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ج۶ص ۳۲۸)

جو سحری کے لیے اُٹھاتا ہے اسکو فطرہ دینا

صدقہ فطر کا مال اس شخص کو دینا جو سحری کے لیے لوگوں کو اٹھاتا ہو جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کی اجرت میں قرار نہ دے بلکہ پہلے کچھ اور اس کو دیدے اسکے بعد صدقہ فطر کا مال دے۔ (علم الفقہ حصہ چار ص ۵۴)۔

نابالغ کو فطرہ دینا

سوال:۔ فطرہ غریب ویتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر غریب نابالغ ہو تو ان کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لیے سرپرستوں کو دینا جائز ہے۔

اگر وہ بچے سمجھدار ہیں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے اور اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۷ ص ۲۶۹)

جہاں فقراء نہ ہوں، وہاں فطرہ کس وقت نکالا جائے؟

سوال:۔ جس ملک میں شرعی فقراء نہ ہوں، وہاں کے لوگ صدقہ فطر عید کے دن نماز سے پہلے نکال کر علیحدہ رکھ لیں یا کسی شخص معتمد کو دیدیں، اس کے بعد دوسرے غریب ملک کو روانہ کر دیا جائے، تو مستحب ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ صدقہ فطر عید سے پہلے فقراء کو دینا مستحب ہے، پس اس صورت میں کہ صدقہ فطر علیحدہ کر کے رکھ دیا جائے اور فقراء کو نہ دیا جائے تو مستحب ادا نہ ہوگا۔

اور یہ عادتاً متحقق نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک میں فقراء نہ ہوں، اگر حقیقت میں ایسا ہوتا ہے تو پھر دوسری جگہ کے فقراء کو بھیجنا چاہئے۔ اور عذر کی وجہ سے وہ شخص تارک مستحب نہ کہلائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۳۱۷ بحوالہ عالمگیری مصری ج ۱ ص باب ثامن صدقۃ الفطر)

کیا قیدیوں کا شمار مساکین میں ہے؟

سوال:۔ یہاں قیدیوں کے سوا کوئی مسکین نہیں تو کس طرح صدقۂ فطر ادا کیا جائے

کیا قیدیوں کا مساکین میں شمار ہے؟

جواب:۔ جب کہ ان کے پاس بقدر نصاب مال نہ ہو تو وہ مساکین ہیں اور ان کو صدقہ فطر دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ٦ ص ٣١٢ حوالہ درمختار باب مصرف ج ٢ ص ٧٩ و ص ٨)

فطرہ منی آرڈر سے نہ پہنچے تو کیا دوبارہ دینا ہوگا؟

سوال:۔ زید نے صدقہ فطر کی رقم کسی یتیم خانہ میں بذریعہ رجسٹری روانہ کیا وہاں کے ناظم صاحب کا خط آیا کہ رجسٹری تو مل گئی ہے مگر رقم نہیں، تو کیا زید کے ذمہ سے فطرہ ادا ہو گیا یا نہیں؟

جواب:۔ اس صورت میں بھی بھیجنے والے کے ذمہ سے زکوٰۃ وفطرہ ادا نہیں ہوا، کیوں کہ ڈاک خانہ بھیجنے والے کا وکیل ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا اس کا نہیں ہوتا۔

(کفایت المفتی ج ۴ ص ٢٧٩)

عقیقہ کی وجہ تسمیہ

عقیقہ ”عَق“ سے مشتق ہے۔ لغت میں عق کے معنی ہیں ”چیرنا۔ پاڑنا“ اصطلاح میں عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو نوزائیدہ بچے کے (پہلے پہل کے) سر پر ہوتے ہیں۔ ان بالوں کو عقیقہ اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ بال ساتویں دن مونڈے جاتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے عقیقہ اس بکری کو بھی کہتے ہیں جو بچے کے سر مونڈنے کے وقت ذبح کی جاتی ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ٦٥ ج ۵)

(عَقّ کا لفظ جو عین کے زبر اور قاف کے تشدید کے ساتھ ہے۔ اسکے معنی لغت میں پھاڑنا اور لڑکے کی طرف سے قربان کرنا اس کی پیدائش کے پہلے ہفتہ میں۔ ماں کے پیٹ سے جو بال بچہ کے سر پر ہوتے ہیں۔ ان کو دور کرنا، صاف کرنا، کاٹنا اور عقیق جوامیر کے وزن پر ہے اور عقّہ عین کے زبر اور قاف کے تشدید کے ساتھ اور عقیقہ سفینہ کے وزن پر، انسان اور حیوان کے بچے کے بال، اور عقیقہ کے معنی اونٹ کے بچے کے بال کے بھی ہیں اور بکری ومینڈھا جو بچہ کی پیدائش کے پہلے ہفتہ میں ذبح کیا جائے، اس کو بھی کہتے ہیں۔ پیدائشی بال

جو بچہ کے سر پر ہوتے ہیں ان کو عقیقہ اس واسطے بھی کہا جاتا ہے۔ کہ عَقّ کے معنی پھاڑنا ہے اور یہ بال گوشت اور چمڑا پھاڑ کر نکلتے ہیں۔ پھر مجازاً اس جانور کا نام رکھ دیا جو بچہ کیلئے ذبح ہو۔ اسلئے کہ بچہ کے سر کے بال اس جانور کے ذبح ہونے کا سبب ہیں تو اس وجہ سے سبب کا جو نام تھا وہ مسبب کا ہوگا۔ اب یہ مجازی معنی اس قدر مشہور ومعروف ہو گئے کہ عقیقہ کا لفظ بولتے ہی فوراً وہ جانور ہی سمجھا جاتا ہے۔ جو بچہ کے پیدائشی بال کاٹتے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔

(محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

عقیقہ کیا ہے؟

اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں، جس کا فائدہ خاندان، غیر خاندان اور خود عقیقہ کرنے والوں کو بھی تھا تو آنحضرت ﷺ نے اسے برقرار رکھا اور آپ ﷺ نے اس پر عمل بھی کیا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ منجملہ ان مصلحتوں کے (۱) یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعتِ نسب ایک ضروری چیز ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت ناپسندیدہ بات نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ بچہ کا باپ گلی کوچوں میں پکارتا اور اعلان کرتا پھرے کہ میرے اولاد ہوئی ہے۔ پس اشاعت واطلاع کے لیے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا۔

(۲) عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنیٰ کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے۔

(۳) مصلحت یہ بھی ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کو عموماً یہ کہتے تھے اور ان کا قول تھا کہ اس کے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے۔ اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۂ بقرہ پارہ آلم میں فرمایا کہ:۔ ﴿صبغة الله ج ومن احسن من الله صبغة﴾ ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا (یعنی دین حق) اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے۔

تو مناسب ہوا کہ دین محمدی ﷺ میں بھی نصاریٰ کے فعل کے مقابل میں کوئی ایسا امتیاز پایا جائے جس سے اس فرزند (بچہ) کا حنفی یعنی اسلامی اور ملتِ ابراہیمی واسماعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے اور برابر ان کی

اولاد میں چلے آئے ہیں. ان میں سب سے زیادہ مشہور واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کے بدلہ میں ذبح عظیم (قربانی) کے ساتھ انعام کرنا ہے وران یادگاروں میں سے زیادہ مشہور یادگار حج ہے جس کے اندر سر کے بال منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ہم اور ہماری اولاد ملت حنفی پر قائم ہے۔ (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر جو کہ اسلام ہے اس پر قائم ہیں)

(۴) مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ شروع پیدائش میں کرنے سے اس بات کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس نے بچہ کو خدا کی راہ میں دے دیا ہے جیسے کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے بچہ کے ساتھ کیا تھا۔ (حضرت اسماعیلؑ کو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا تھا)۔

اسی میں سلسلہ احسان اور نیازمندی اور فرماں برداری کو حرکت دینا بھی معلوم ہوتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۰۸)

عقیقہ میں دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچے کا سر منڈوا دینا اور دوسرے بچہ کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ (بدلہ) کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے۔ اور یہ ملت ابراہیمیؑ کے شعائر (نشانی، یادگار) میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے۔ اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ (تعلق) اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، ور بچہ بھی ملت ابراہیمیؑ کا ہی ایک جزو ہے۔

(معارف لحدیث ص ۲۷ ج ۶)

عقیقہ کا شرعی حکم

سوال:۔ بچہ کے عقیقہ کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ عقیقہ رسمی چیز ہے، اسلامی طریقہ نہیں اور امام ابو حنیفہؒ خود اس کو بدعت اور مکروہ لکھتے ہیں۔ صحیح کیا ہے؟

جواب:۔ مذہب حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (رواجی نہیں) اسلامی طریقہ

ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ پر بدعت اور مکروہ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور بہتان ہے۔

مالابُدمنہ میں ہے کہ عقیقہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعیؒ نیز امام احمدؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام صاحب پر افتراء ہے۔ (مالابدمنہ ص ۱۷۸)۔

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات وامراض سے حفاظت کیلئے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کے دن پیدا ہو تو جمعرات کو) لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بالوں کے ہم وزن چاندی (یا اس کی قیمت) غریبوں کو صدقہ کردے اور بچہ کے سر پر زعفران لگائے۔ یہ تمام باتیں مستحب ہیں۔ اور حدیث سے ثابت ہیں۔

(قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل غلام رهينةٌ بعقيقة تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمىٰ رأسه) (ترمذی شریف ص ۱۸۳ جلد اول)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہٰذا ساتویں دن اسکی طرف سے جانور ذبح کیا جائے وراس کا نام طے کیا جائے، نیز اس کا سر منڈوایا جائے۔ (ترمذی)

مرہون کے بہت سے مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) احادیث میں آتا ہے کہ بچہ ماں باپ کے لیے سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا لیکن اگر حیثیت کے باوجود عقیقہ نہیں کیا اور بچپن ہی میں بچہ کا انتقال ہوگیا تو ماں باپ کے لیے شفاعت نہیں کرے گا، گویا جس طرح گروی رکھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی، یہ بچہ بھی ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔

(۲) عقیقہ کیے بغیر بچہ سلامتی نیز خیر وبرکات سے محروم رہتا ہے یعنی جب تک عقیقہ نہ ہو مرض کے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکرا ذبح کرکے امام حسنؓ کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہؓ کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۷ ج ۲)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت (یعنی قبل از اسلام) میں بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں، نیز بچہ کا سر مونڈھتے ہیں اواس کے سر پر زعفران لگاتے۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۶ ج ۲)

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، آپ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکری ہو، اس میں کوئی حرج نہیں کہ بکرا ہو یا بکری۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۲ ج ۲)۔

عقیقہ کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کیے ہیں۔ ایک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کیلئے عقیقہ کی اسکا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ (بدلہ) ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کردیا جائے باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا (معارف الحدیث ص ۲۶ ج ۶)

عقیقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

(عن علی بن ابی طالبؓ انه قال عق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن بشاة وقال یافاطمة احقی رأسه وتصدقی بونة شعره فضةً فوزناه فکان وزنه درهماو ربعض درهم.) (رواہ الترمذی)

حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہؓ سے فرمایا کہ "اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو"۔ ہم نے وزن کیا درہم برابر یا اس سے کچھ کم تھے (بال)۔

(عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من ولدله ولدفاحب ان ینسک عنه فلینسک عن الغلام شاتین وعمن الجاریة شاةً.) (ابوداؤد، نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''جس کے بچہ پیدا ہو وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربانی کرے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض وواجبات کیطرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے، ورنہ ایک بھی کافی ہے۔

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوب صورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے۔ اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لیے جاہلیت (آپ ﷺ کے زمانہ سے قبل) میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ یہ دستور تھا کہ بچہ کی پیدائش کے چند روز بعد نومولود بچے کے سر کے بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوا ہے صاف کرادیئے جاتے، اور اس خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملت ابراہیمؑ کی نشانیوں میں سے ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ (معارف الحدیث ص ۲۲ تا ص ۲۹ جلد ۶)

عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

عقیقہ کرنا مسنون ومستحب ہے فرض واجب نہیں۔ پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن یا چودہویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ ساتویں دن سے پہلے عقیقہ کرنا درست نہیں ہے۔ اور بالوں کے برابر چاندی تول کر (یا اس کی قیمت) مساکین اور محتاجوں کو صدقہ کر دینا مستحب ہے، حجام (نائی جس نے بال کاٹے ہیں) اس کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔

اُن بالوں کو زمین میں دفن کر دینا بھی مستحب ہے۔
تشریح:۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہر ایک بچہ گروی ہے اپنے عقیقہ کے عوض یعنی اگر وہ بچہ بچپن میں بغیر عقیقہ ہوئے مرجائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت نہ کرے گا۔

علماء نے فرمایا کہ اگر قدرت (گنجائش) ہوتے ہوئے عقیقہ نہ کرے تو شفاعت سے محروم رہے گا۔ اور افضل و بہتر یہ ہے کہ پیدا ہونے کے ساتویں دن عقیقہ کریں اور نام رکھیں اور سر کے بال اُتروائیں اور زعفران پیس کر بچہ کے سر پر لگائیں، اگر لڑکا ہے تو دو بکریاں ذبح کریں اور لڑکی ہو تو ایک ایک بکری، نر ہو یا مادہ ہو، بھیڑ ہو یا دنبہ سب درست ہے، لیکن بکری، بکرا ایک سال سے کم نہ ہو، اور دنبہ چھ ماہ کا بھی درست ہے جب کہ فربہ ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ باقی جو شرطیں قربانی کے جانور میں ضروری ہے وہ سب عقیقہ کے جانور میں بھی ضروری ولازم ہیں۔ (فتاویٰ محمدیہ ص ١٠٣)

عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے سنت ہے۔ اگر وسعت (گنجائش) ہو تو عقیقہ کرنا اولیٰ وافضل ہے۔ (کفایت المفتی ص ٢٤٤ ج ٨)

عقیقہ کس عمر تک ہے؟

عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے، اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔ (طبرانی)

بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے، اور بہت سے حضرات نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی۔ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہئے۔ لہٰذا ساتویں روز عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں دن یا اکیسویں دن کرے، بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ٩٣ ج ٢)
مسئلہ:۔ بڑھاپے تک عقیقہ جائز تو ہے مگر وہ عقیقہ کیا ایک خیراتی ذبیحہ ہوگا۔
(کفایت المفتی ص ٢٤٤ ج ٨)

بچہ کا عقیقہ کون کرے؟

سوال:۔ اگر بچے کے والدین، صاحبِ نصاب ہوں اور بچے کا عقیقہ ماموں، چچا، دادا، نانا وغیرہ رشتے دار کریں تو صحیح ہے یا نہیں؟ عقیقہ ادا ہو جائے گا؟ یا والدین کو پھر دوبارہ کرنا ہوگا؟

جواب:۔ جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ (ضروری خرچہ) واجب ہے، اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے، باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے، اگر اس میں حیثیت (گنجائش) نہ ہو تو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۹۴ ص۲)

اس کے باوجود اگر والدین کو اس کی توفیق نہ ہوئی اور دوسرے کرنا چاہیں اور والدین رضامند ہوں تو کافی ہو جائے گا دوبارہ کرنا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۲ج۶)

عقیقہ میں کیا ایک بکرا کافی ہے؟

اگر حیثیت ہو تو لڑکے کے لیے دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو دنبے یا قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بھینس یا کٹڑے میں دو حصے افضل ہیں، ورنہ گنجائش نہ ہو تو) ایک بکرا یا بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے۔ اس سے بھی عقیقہ ہو جاتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۹۴ ج۲)

مسئلہ:۔ حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو، ایک نظیر بھی قائم ہوگی۔

(معارف الحدیث ص۲۸ ج۶)

عقیقہ ساتویں دن کیوں؟

عقیقہ ساتویں روز کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پیدائش اور عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب گھر والے زچّہ (ماں) اور بچہ کی خبر گیری میں شروع شروع میں مشغول رہتے ہیں، ایسے وقت میں مناسب نہیں کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل یعنی کام

اورزیادہ بڑھادیا جائے۔ نیز بعض لوگوں کواسی وقت بکری (جانوروغیرہ) دستیاب نہیں ہوسکتی بلک تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس اگر پہلے ہی روزعقیقہ مسنون کیا جاتا ہے تولوگوں کودِقت ہوجاتی اس لیے سات روز کا فاصلہ (وقت مدت) ایک کافی اورمناسب مدت۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۰۹ ج۱)

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباًاس لیے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھروالوں کوزچہ (ماں) کی دیکھ بھال کی فکرہوتی ہے،علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سرصاف کرادینے (بال کٹادینے) میں طبی اصول پرضرر (نقصان) کا بھی خطرہ ہے۔ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اسمیں زچہ (بچہ کی ماں) عموماًٹھیک ہوجاتی ہےاور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہواکھا کرایسا ہوجاتا ہے اُس کا سرصاف کرادینے (بال کٹادینے) میں نقصان (ضرر) کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ (معارف الحدیث ص۲۶ ج۶)

لڑکے کے لیے دوبکریاں کیوں؟

جوشخص دوبکریوں کا متحمل ہوسکتا ہے اس کومستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے دوبکریاں ذبح کرےاوراسکایہ سبب ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کےلڑکوں کا نفع زیادہ ہے،لہٰذادوکاذبح کرنازیادتی ہےاوراسکی عظمت کے مناسب ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۰۹)

عقیقہ کارواج یہود میں بھی تھالیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے،لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے،جس کی وجہ غالباًلڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اورحکم دیا کہ لڑکوں کی طرح طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔ البتہ دونوں صنفوں میں جوقدرتی اورفطری فرق ہے (جسکالحاظ میراث اورقانون شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا) اسکی بناء پرآپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اورلڑکے کے عقیقہ میں (اگراستطاعت اوروسعت ہوتو) دوبکریوں کی قربانی کی جائے۔ (معارف الحدیث ص۶۴ ج۶ بحوالہ کنزالاعمال ص۲۷۲)

(اللہ تعالیٰ نے مردکوعورت پربڑائی وفضیلت دی ہے، چنانچہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا یعنی ڈبل مقررکیا۔ اورایک مردکی گواہی دوعورتوں کے برابرٹھہرائی

اور نماز میں عورت کی امامت درست نہیں، تو ضروری ہوا کہ عقیقے میں بھی مرد وعورت میں فرق امتیاز ہو، اور یہ فرق دو ہی طرح سے ہوسکتا ہے تھا ایک یہ کہ لڑکے کے لیے عقیقہ ہو، اور لڑکی کے لیے نہ ہو جیسے مرد کی امامت درست اور عورت کی نہیں۔ دوسرے یہ کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں ذبح ہوں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک ذبح ہو، پہلا طریقہ (لڑکی کا عقیقہ) نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ احادیث میں لڑکی کے لیے بھی عقیقہ کرنے کا ذکر ہے، اس لیے یہ امتیاز کیا گیا کہ لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک مقرر کی جائے۔ واللہ اعلم محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

بچہ کے بالوں کے ہموزن خیرات کیوں؟

بچہ کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کی حالت جنبیہ (ناپاکی یعنی منی اور حیض وغیرہ کا گندہ خون) سے منتقل ہوکر بچپن کی طرف آنا، اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلے کچھ دیا جائے، پیدائشی بال ناپاکی کی نشانی تھی، ان کا دور ہونا نشاناتِ طفلیہ (بچپن) کے استقلال کی نشانی ہے، اس لیے صدقہ کرنا واجب ہوا کہ ان کے بدلہ چاندی (یا نقد رقم) دی جائے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں (قیمتی) ہے سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا ہے، اور چیزیں علاوہ اسکے ایسی نہیں ہیں کہ مولود (بچہ کے بالوں کے برابر دے سکیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۰۹)

عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی (یا قیمت) صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادہ حسنؓ (نواسۂ رسول ﷺ کے بالوں کے وزن بھری چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہؓ کو جو حکم فرمایا تھا، بعض حضرات نے اسکی توجیہہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ وحضرت علیؓ) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کرسکتے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف (یعنی خرچہ) سے کردی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرمادیا کہ ”بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کردیں، تاکہ ان

کی (والدین کی) طرف سے بھی شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔
(معارف الحدیث ص۲۹ ج۶)

بچے کے سر پر زعفران لگانے کا ثبوت

(عن بریدة قال قال کنافی الجاھلیة اذاولدلاحدناغلام ذبح شاةً ولطخ راسه بدمھافلما جآء الاسلام کنانذبح شاةً یوم السابع ونحلق راسه ونلطخه بزعفران.) (ابوداؤد شریف)۔

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کا لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہوگیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کرا کے (منڈوا کے) اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے حکم فرمایا **(اجعلوا مکان الدم خلوقا)** یعنی بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔ "خلوق" ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ (معارف الحدیث ص۲۳ ج۶)

بچے کے عقیقہ کے ساتھ اپنا عقیقہ کرنا

مسئلہ:۔ اگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اور آپ کے والدین کا عقیقہ نہیں ہوا ہے، اس وجہ سے آپ اپنے بچہ کے عقیقہ کیساتھ سب کا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں اور اسلئے بڑا جانور خریدا ہے تو یہ عقیقہ کرنا درست ہے۔ اور اگر آپ کا یا آپ کے والدین کا عقیقہ ہو چکا ہے تو دوسری مرتبہ عقیقہ کرنا مشروع نہیں، اسلئے اس صورت میں ان کو شامل کرنے کی اجازت نہیں، پورا جانور بچہ کی طرف سے عقیقہ کر دیں یا دو بکرے خرید کر عقیقہ کر دیں، یہ سمجھنا کہ قربانی کے دنوں کے علاوہ اور دنوں میں بڑا جانور عقیقہ کیلئے نہیں چل سکتا، صحیح نہیں ہے، یعنی جائز ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۹ ج۶)

مرحوم بچہ کا عقیقہ

عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے، مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے، محض شفاعت کی امید اور مغفرت کے لالچ سے کردیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مرگیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس صورت میں عقیقہ کا جانور الگ مستقل ہو، احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔ (رحیمیہ ص ۱۷۳ ج ۶)

مسئلہ:۔ اگر جانور ذبح کرنے سے پہلے بچہ کا انتقال ہوگیا تو اس کے حصہ میں نیت بدل لینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کرلینا (یعنی وہ حصہ جو بڑے جانور میں لیا کسی کو دے دینا) چاہیے تھا، (اگر بغیر شریک کیے قربانی کرلی تو) تاہم وہ قربانی ہوگئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبیحہ ہوگیا۔ (کفایت المفتی ص ۲۰۵ ج ۸)

ایک شخص نے اپنے بچہ کے عقیقہ کے لیے جانور خریدا، اتفاقاً بچہ مرگیا تو اس نے ارادہ ملتوی کرکے جانور فروخت کرکے اس کی رقم طالب علم کو دیدی وہ بھی صحیح ہے، طالب علم وہ رقم لے سکتے ہے۔ اب (دینے کے بعد) اس رقم کو طالب علم سے لینا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۵۱ ج ۱۱)

بعض حضرات رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ یا دیگر مرحومین حضرات کے نام سے عقیقہ کرتے ہیں، یہ غلط رواج ہے کیونکہ عقیقہ صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے وہ بھی زندگی میں۔ مرحوم کے لیے تو شریعت نے نفلی قربانی کی اجازت دی ہے جس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ نفلی قربانی زندہ اور مردہ دونوں کی طرف سے اور جتنی چاہے کرسکتا ہے لیکن عقیقہ نہیں کرسکتا۔

(رفعت قاسمی)

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ

سوال:۔ ایک شخص اپنے دو لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اگر وہ ایک بڑا جانور خرید کر

اس کو دونوں لڑکوں کے عقیقہ میں ذبح کردے تو درست ہے یا نہیں؟ یا اس کو تین حصے اور تلاش کرنا پڑیں گے؟ وراسی طرح اگر قربانی کے دنوں میں قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے بڑے جانور میں چار حصے لے لے اور تین حصے قربانی کے ہوں تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ اور خریدار بھی شریک کیے جائیں۔ قربانی کے دنوں میں اگر چار حصے عقیقہ کے واسطے لیے اور تین حصے قربانی کرنے والوں کے اس میں ہیں تو شرعاً قربانی بھی درست ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۳۲۶ ج۴)

مسئلہ:۔ دو لڑکوں اور ایک لڑکی کی طرف سے اگر ایک بھینس یا کٹڑے دو سالہ عقیقہ میں کردیا تب بھی اس کا عقیقہ درست ہوجائے گا بلکہ سات حصہ تک درست ہیں (فتاویٰ محمودیہ ص۳۵۱ ج۱)

مسئلہ:۔ زید نے بکرا اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ بعد ازاں زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، اب زید اس بکرے کو عقیقہ میں ذبح نہیں کرسکتا، یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہوگیا، اس بکرے کو عقیقہ میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہیے۔ (کفایت المفتی ص۲۰۲ ج۸)

عقیقہ کے مسائل

بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کرنا، نام رکھنا مستحب ہے۔ اس سے پہلے نام رکھدیں تو یہ بھی جائز ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۲ ج۸)

مسئلہ:۔ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکا تو جب (بھی) کرے ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو، اُس سے ایک دن پہلے عقیقہ کردے۔ یعنی اگر جمعہ کو ولادت ہوئی تو جمعرات کو عقیقہ کردے اور اگر جمعرات کو پیدائش ہوئی تو بدھ کو کرے، چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دن پڑے گا۔ (ساتواں دن پڑنا مناسب ہے)۔

مسئلہ:۔ یہ جو دستور ہے کہ جس وقت بچہ کے سر پر اُسترہ رکھا جائے نائی (حجام) سر مونڈنا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو۔ یہ محض مہمل رسم ہے۔ شریعت سے سب جائز ہے۔

سر مونڈنے کے بعد کرے۔ یا ذبح کر کے تب سر مونڈے۔ بلا وجہ ایسی باتیں تراش لینا غلط ہے۔ (بہشتی زیور ص ۴۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلہ کی تصریح کہیں نظر میں نہیں آئی۔ اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا۔ مگر میرے خیال میں عقیقہ کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے (کفایت المفتی ص ۲۴۳ ج ۸)

مسئلہ:۔ سر کے بال منڈوا کر بال کے برابر چاندی یا سونا تول کر (یا پیسے اتنی قیمت کے) خیرات کردے اور بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگادے۔ (بہشتی زیور ص ۴۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ لڑکے اور لڑکی کی عقیقہ میں جانور کے مذکر، مؤنث (نر مادہ) ہونے کا فرق نہیں ہے۔ لڑکے کے عقیقہ میں بکری اور لڑکی کے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا جاسکتا ہے مگر یہ فرق ہے، کہ لڑکے کے عقیقہ کے لیے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کے لیے ایک۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۸)

مسئلہ:۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو بکریاں یا دو بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے۔ اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۴ ج ۸)

مسئلہ:۔ اور اگر بالکل ہی عقیقہ نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ (بہشتی زیور ص ۴۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ ایک ہی گائے بیل میں (یعنی بڑے جانور جس کی قربانی جائز ہے) عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں جس طرح قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ ایک بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو۔ بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے (بڑے جانور) گائے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کسی شریک کا حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو۔ یعنی ساتوں حصے برابر ہونے چاہئیں۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۲ ج ۸)

مسئلہ:۔ عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے۔ باقی دو تہائی اقرباء واحباب کی ضیافت میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں صرف کر دیا جائے تاہم عقیقہ ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ خلافِ افضل ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۴، ج ۸)

مسئلہ:۔ عقیقہ کے گوشت کے متعلق مشہور ہے کہ بچے کے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی نہ

کھائیں۔مگر یہ بات غلط ہے۔شریعتِ مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ سب لوگ کھا سکتے ہیں۔(نیز) جانور کی جو عقیقہ میں ذبح کیا جائے ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کیلئے کوئی سند نہیں ہے (کفایت المفتی ص ۲۴۳ ج ۸)

مسئلہ:۔عقیقہ کا کچا گوشت اگر لوگ نہیں لیتے تو پکا کر روٹی کے ساتھ دیدیا جائے۔یا پلاؤ پکا کر دے دیا جائے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔(کفایت المفتی ص ۲۴۳)

عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر بانٹے، چاہے دعوت کر کے کھلادے۔(بہشتی زیور ص ۴۳ ج ۳)

مسئلہ:۔قربانی اور عقیقہ کا حکم یکساں ہے یعنی قربانی کے جانور میں عقیقہ کے لیے شرکت صحیح ہے اور ایک بڑے جانور میں سات بچوں کے عقیقہ کر سکتے ہیں (سات حصے ہونگے) اور جس طرح قربانی کے گوشت میں اختیار ہے کہ خود کھائے یا تقسیم کردے یا رشتہ داروں کو دے یا صدقہ کردے، وہی تمام صورتیں عقیقہ کے گوشت میں جائز ہیں اور والدین وغیرہ بھی کھا سکتے ہیں۔(عزیز الفتاویٰ ص ۱۶۷ ج ۱)

مسئلہ:۔عقیقہ کا گوشت اور قربانی کا گوشت کافر کو دینا درست ہے۔(عزیز الفتاویٰ ص ۲۱۷)

مسئلہ:۔حنفیوں کے نزدیک عقیقہ کے گوشت کا حکم مثل قربانی کے ہے جیسے قربانی کے گوشت کو سب گھر والے اور رشتہ دار کھا سکتے ہیں، اسی طرح عقیقہ کا گوشت بھی سب کھا سکتے ہیں ماں باپ، دادا، دادی وغیرہ سب کو کھانا اسکا درست ہے۔اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ جانور کا سر بال بنانے والے (نائی) کو اور ران دائی کو دی جائے۔اور اگر دیں تو کچھ حرج بھی نہیں ہے مگر کچھ ضروری بات نہیں ہے۔(تعین کرنا ضروری نہیں ہے، جو چاہے ان کو دے سکتا ہے)۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۱۶۷ جلد اول)

مسئلہ:۔جس جانور کی قربانی جائز نہیں، اس جانور کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جن کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔(شامی ص ۲۹۳ ج)

مسئلہ:۔جن حضرات نے لکھا ہے کہ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقیقہ کیا جائے تو ایسے جانور کو ذبح کرے جس میں قربانی کی صلاحیت ہو، ایسا جانور ذبح نہ

کیا جائے جس کو قربانی میں ذبح کرنا درست نہیں (یعنی جو شرائط قربانی کے جانور کے لیے ہیں کہ عمر وغیرہ اور وہ تمام شرائط کہ کس کی قربانی درست اور کس کی نہیں ہے، عیوب وغیرہ کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

نیز جس طرح قربانی کے گوشت کا طریقہ ہے کہ خود کھانا، احباب کو دینا، فقراء کو خیرات کرنا اور آئندہ کے لیے رکھ لینا سب کچھ درست ہے، اسی طرح عقیقہ کے گوشت کا حکم ہے۔ اور ہڈی نہ توڑنے کے متعلق امام احمد وامام شافعیؒ استحباب کے قائل ہیں حنفیہ کے نزدیک یہ چیزیں نہیں ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۶ ج ۸)

مسئلہ:۔ عوام عقیقہ کے جانور کی ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے، علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۹۸ ج ۴)

مسئلہ:۔ عقیقہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ خریدنے سے کچھ خرابی نہیں ہوتی۔ اور ساتویں دن کی رعایت محض مستحب ہے جیسا کہ نفسِ عقیقہ بھی مستحب ہے، لہٰذا اگر ذبح کے دن ساتویں دن نہ ہو، اور نیت عقیقہ کی کر لی تب بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے جو مصالح ساتویں روز کے بیان فرمائے ہیں ان کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۲۲ جلد چہارم)

مسئلہ:۔ شادی، نکاح وختنہ اور عقیقہ وغیرہ میں کسی قسم کے باجے کی اجازت نہیں ہے۔

(عزیز الفتاویٰ ص ۷۳۹ ج ۱)

عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کی دعاء

سوال:۔ عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کونسی دعاء پڑھی جائے؟

الجواب:۔ عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت (اگر یاد ہو تو) یہ دعاء پڑھے:۔

(اللهم هذه عقيقة ابنى (بچہ کا نام لے) **دمها بدمها وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فدآء لابنى)** (لڑکے کا نام لے)

نوٹ:۔ لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مؤنث بنا دے جیسے **(اللهم هذه عقيقة بنتى** (لڑکی کا نام لے) **دمها بدمها وعظمها بعظمها وجلدها بجلدها**

وشعرھابشعرھا اللھم اجعلھافدآء لبنتی)(لڑکی کانام لے)۔اگر باپ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ذبح کرے تو ابنی یا بنتی کی جگہ اس کے باپ کانام لے۔ دعاء مذکورہ کے ساتھ﴿انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین﴾تک پڑھےاور (اللھم منک ولک پڑھ کربسم اللہ اللہ اکبر) کہہ کرذبح کرے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص۹۳ج۲)

نوٹ:۔ ذبح کرتے وقت دعاء اگر یاد ہوتو پڑھے ضروری نہیں، بغیراس کے بھی جائز ہے لیکن (بسم اللہ اللہ اکبر) کو نہ چھوڑے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا

سوال:۔ایک شخص شادی کے موقع پرعقیقہ کرتا ہے اوردعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرتا ہے، عرفاًلوگ اس موقع پر چڑھاوا (تحفہ) دینے کے عادی ہیں اورمدعوبھی چڑھاوادیناضروری سمجھتا ہے،تو ایسی صورت میں عقیقہ کا گوشت دعوت (ولیمہ) میں کھلا سکتے ہیں یانہیں؟

جواب:۔عقیقہ کا گوشت بلاکسی عوض کے مفت کھلانا چاہئے۔ شادی کی تقریب میں چونکہ کھانا کھلاکر چڑھاوالیا جاتا ہے، اس لیے وعوض بدلہ کا شبہ ہوتا ہے،لہٰذا بچنا چاہئے۔ ہاں جس دعوت میں چڑھاوالینے کادستورنہیں ہے،کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کارواج (دستور) ہوجانے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ استحباب کی رعایت نہ ہوگی۔مستحب یہ ہے کہ ساتویں روزعقیقہ ہو،اورتیسرا حصہ غرباءکودیاجائے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۲ج۶)

مسئلہ:۔بعضوں نےلکھا ہے کہ عقیقہ کے چمڑے (کھال) کی وہ اہمیت نہیں ہے جوقربانی کے جانورکے چمڑے کی ہے۔لیکن اسے غرباء ہی کودیاجائے۔اس کی قیمت سے نکاح خوانی کارجسٹرنہ خریداجائے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۷۳ج۶)

☆☆

عقیقہ کی رسمیں

عقیقہ کے روز لڑکے کے لیے دو بکرے یا دو بکری اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا بکری ذبح کرنا اور اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کر دینا اور بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے (یا اسکی قیمت) خیرات کر دینا اور سر مونڈانے (بال اتروانے) کے بعد زعفران بچہ کے سر میں لگا دینا۔ بس یہ باتیں تو ثواب کی ہیں، باقی جو فضولیات اس میں نکالی گئی ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں، (یعنی نہیں کرنی چاہئیں)۔

(۱) برادری اور کنبے کے لوگ جمع ہو کر سر مونڈانے کے بعد کٹوری میں بعض جگہ سوپ میں جس میں کچھ اناج بھی رکھا جاتا ہے کچھ نقد ڈالتے ہیں جو نائی یعنی بال کاٹنے والے کا حق سمجھا جاتا ہے اور یہ اسی گھر والے کے ذمہ قرض سمجھا جاتا ہے کہ ان میں دینے والوں کے یہاں کوئی کام (خوشی، تقریب) پڑے جب ادا کیا جائے۔ (جس کی خرابیاں بہت سی ہیں)۔

(۲) بہن وغیرہ (دھیانیاں) یہاں بھی وہی اپنا حق جو سچ پوچھو نا حق ہی لیتی ہیں، جس میں کافروں کی مشابہت کے سوا اور بھی کئی خرابیاں ہیں مثلاً دینے والے کی نیت خراب ہونا، کیونکہ یہ یقینی بات ہے، بعض وقت گنجائش نہیں ہوتی اور دینا گراں گزرتا ہے، مگر صرف نہ دینے میں شرمندگی ہوگی اور لوگ مطعون کریں گے مجبور ہو کر دینا پڑتا ہے، اسی کو ریا و نمود کہتے ہیں اور شہرت و دکھلاوے کے لیے مال خرچ کرنا حرام ہے۔

(۳) ان رسموں کی پابندی کی مصیبت میں کبھی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ موقوف رکھنا پڑتا ہے اور مستحب کے خلاف کیا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ تو کئی کئی سال بعد عقیقہ ہوتا ہے۔

(۴) ایک رسم یہ بھی ہے کہ جس وقت بچے کے سر پر اُسترا رکھا جائے، فوراً اسی وقت بکرا ذبح ہو، یہ بھی محض لغو (غلط بات) ہے۔ شریعت سے چاہے سر مونڈنے کے کچھ دیر بعد ذبح کرے یا ذبح کر کے سر مونڈے سب درست ہے غرض اس دن دونوں کام ہو جانے چاہئیں۔ (اگر بال پہلے کٹوادے اور عقیقہ بقرعید میں حصہ لے کر یا پورا جانور کیا تب بھی جائز ہے۔ غرضیکہ دونوں کا ایک ساتھ سمجھنا غلط ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

(۵) ایک رسم یہ بھی ہے کہ عقیقہ کے جانور کا سر نائی کو اور ران دائی کو دینا ضروری سمجھنا بھی لغو ہے۔ چاہے، دو یا نہ دو، دونوں اختیار ہیں، پھر اپنی من گھڑت بات سے کیا فائدہ۔ ران نہ دو، اس کی جگہ گوشت دے تو اس میں کیا نقصان ہے۔

(۶) بعض جگہ یہ بھی دستور ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے کو برا جانتے ہیں دفن کر دینے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔

(بہشتی زیور ص ۱۳ ج ۶ بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۳۶۲)

بچہ کی تقریب میں جو دیا جاتا ہے اس کا حکم

مسئلہ:۔ ختنہ وعقیقہ وغیرہ کسی تقریب میں چھوٹے بچوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے خاص اُس بچہ کو دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے اس لیے وہ سب نیوتہ یعنی بچہ کی خوشی میں آئی ہوئی چیزیں اور نقد روپیہ بچہ کی ملکیت نہیں بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں جو چاہیں کریں اختیار ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص خاص بچہ ہی کو کوئی چیز دے (دینے والے کی نیت بچہ کو ہی دینے کی ہے، والدین سے بدلہ لینے کی نہیں ہے) تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے، اگر بچہ سمجھدار ہے تو خود اس کا قبضہ کر لینا کافی ہے، جب قبضہ کر لیا تو مالک ہو گیا۔ اگر بچہ قبضہ نہ کرے یا قبضہ کرنے (یعنی لینے) کے قابل (لائق) نہیں ہے تو اگر باپ ہو تو اس کے قبضہ کر لینے سے اور اگر باپ نہ ہو تو دادا کے قبضہ کر لینے سے بچہ مالک ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر باپ دادا بھی موجود نہ ہوں تو بچہ جس کی پرورش میں ہے اس کو قبضہ کرنا چاہئے اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ماں، نانی، دادی وغیرہ اور کسی کا قبضہ کرنا معتبر نہیں۔ (یعنی لے لینا درست نہیں)۔

مسئلہ:۔ اگر باپ یا باپ کے نہ ہونے کی وقت دادا اپنے بیٹے پوتے کو کوئی چیز دینا چاہے تو صرف اتنا کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا کہ میں نے اس کو یہ چیز دے دی۔

باپ دادا نہ ہو اُس وقت ماں بھائی وغیرہ بھی اگر بچہ کو کچھ دینا چاہیں اور وہ بچہ ان کی پرورش میں بھی ہو۔ اُن کے اس کہہ دینے سے بھی بچہ مالک ہو گیا کسی کے قبضہ کرنے کی

ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ جو چیز نابالغ کی ملک ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہئے، کسی کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں، خود ماں باپ بھی اپنے کام میں نہ لائیں، نہ کسی اور بچہ کے کام میں لگائیں۔

مسئلہ:۔ اگر ظاہر میں بچہ کو دیا مگر یقیناً معلوم ہے کہ منظور تو ماں باپ ہی کو دینا ہے (صرف بچہ کی تقریب کا بہانہ ہے اور اکثر بچہ کے نام پر ہی والدین کو دینا مقصود ہوتا ہے، پھر وہ والدین کسی موقع پر اس کا بدلہ کرتے ہیں) مگر اس چیز کو حقیر سمجھ کر بچے ہی کے نام سے دے دیا تو ماں باپ کی ملک ہے، وہ جو چاہیں کریں، پھر اس میں دیکھ لیں کہ گر ماں کے علاقہ (رشتہ وتعلق) داروں نے دیا ہے تو ماں کا ہے، اگر باپ کے علاقہ (تعلق ورشتہ داروں نے دیا ہے تو باپ کا ہے۔ (بہشتی زیور ص ۴۶ ح ۵، بحوالہ در مختار ص ۱۶۰ ج ۲ و شامی ص ۷۸۴ ج ۴)

☆تمت بالخیر☆

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

احقر محمد رفعت قاسمی

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

مکمل و مدلل

مسائلِ حج و عمرہ

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی و مدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

نام کتاب: مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیرنگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

زیرنگرانی وسٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی ووفاق المدارس ملتان وخریج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور' ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ : مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور : حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

انتساب

میں اپنی اس کاوش

''مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ وحج وعمرہ''

کوروئے زمین پرسب سے مقدس، سب سے

زیادہ بابرکت، اورسب سے زیادہ قابل احترام

عمارت جس کو اللہ تعالیٰ نے ''اپنا گھر'' قرار دیا ہے،

جوتوحید اور نماز کا مرکز ہے اور روئے زمین

پرسب سے پہلی عمارت ہے جس کو اللہ

تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا

ہے، اور جو ہدایت وبرکت کا

سرچشمہ ہے اور ساری

انسانیت کا مرجع

اور پناہ گاہ

ہے۔

اور تمام حجاج کرام جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حج وعمرہ کرتے ہیں

ان کی طرف سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

محمد رفعت قاسمی





عرض مؤلف

((الحمدلله رب العالمین،والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الانبیاء وسیدالمرسلین،محمدوعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ اجمعین))

امابعد!

اللہ تعالیٰ کافضل وکرم ہے کہ مسائل کے انتخاب کا جوسلسلہ شروع کیا گیا تھاان ہی منتخبہ مسائل کی اٹھارہویں کتاب ''مسائل حج وعمرہ وحج بدل'' پیش ہے جس میں فضائل حج وآداب حج وعمرہ،وحج بدل کے عام فہم وضروری مسائل کہ حج کس کس پر فرض ہے کیا کیا شرائط ہیں اور جائز مال کے علاوہ حرام کمائی سے فریضہ حج ادا کرنا درست ہے یانہیں؟

نیزسرکاری پیسے سے حج کرنا،قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حج وغیرہ کرنا،حج کے فرائض وواجبات اورمتعلقہ مسائل،مردوں،عورتوں،بچوں،مجنون،مریض اورمعذوروں کے مسائل۔

مواقیت کیا ہیں اور کتنے ہیں،نیت،احرام،طوافِ قدوم،طوافِ زیارت،طوافِ وداع، طوافِ دوگانہ،منیٰ،مزدلفہ،عرفات،جمرات،رمی،قربانی،سعی،حلق،قصر،حرمین شریفین اورروضۂ اطہرمقدسہ سے متعلق تقریباًتمام ضروری مسائل ہیں۔((الحمدلله علیٰ ذالک))

یااللہ اس کتاب کوبھی سابقہ کتب کی طرح قبول عام وخواص فرماکر بندہ کے لیے زادِ آخرت بنائے اورآئندہ بھی دینی خدمت کی توفیق عنایت فرمائے۔

((ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. آمین))

حج وعمرہ کرنے والوں سے دعاؤں کا طالب:

محمد رفعت قاسمی

خادم التدریس دارالعلوم دیوبند



تقریظ

فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہٗ پالنپوری

محدثِ کبیر دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم))

حج: اسلام کے ارکان اربعہ میں شامل ہے۔ اور حج کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر حج مقبول نصیب ہو جائے تو آدمی گمراہی اور ارتداد سے محفوظ ہو جاتا ہے حدیث میں ہے ”جو شخص زاد وراحلہ کا مالک ہو جائے، جو اُسے بیت اللہ تک پہنچائے پھر بھی وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی اور عیسائی ہو کر مرے تو حق تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔“ (رواہ الترمذی) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا گمراہی یا ارتداد کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ حج مبرور (مقبول) کی جزاء جنت ہی ہے، اور جنت مؤمن کے لیے ہے۔ پس اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر حج مقبول نصیب ہو جائے تو ایمان پر مہر لگ جاتی ہے۔

مگر یہ بات اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ حج مقبول نصیب ہو۔ اور حج مقبول کی ظاہری علامت یہ ہے کہ وہ مسائل کی پوری رعایت کے ساتھ ادا کیا ہو، مالِ حلال سے کیا ہو، گناہوں سے بچتے ہوئے کیا ہو، فرائض، واجبات، مستحبات وآداب کی رعایت ملحوظ رہی ہو، مکروہات ومفسدات سے پوری طرح اجتناب کیا ہو پس اس کے لیے مسائل حج کی معرفت ضروری ہے۔

اور چونکہ عام طور پر حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ کیا جاتا ہے اس لیے بھی حج میں جانے سے پہلے مسائل کا استحضار ضروری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ برادرِ مکرم جناب مولانا محمد رفعت قاسمی نے موضوع کا اس کتاب میں احاطہ کیا ہے۔ میں نے اگر چہ یہ کتاب بالاستیعاب نہیں دیکھی صرف فہرست مضامین دیکھی ہے، مگر اس سے کتاب کی جامعیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ نیز موصوف تصنیف کے دوران بعض مسائل میں مراجعت بھی کرتے رہے ہیں۔ اور مفتیانِ دارالعلوم نے ملاحظہ فرما کر تصدیق بھی کی ہے اس لیے پورے اعتماد کے ساتھ تصدیق کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ (آمین)

کتبہ سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری۔ خادم دارالعلوم دیوبند/ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ۔

تصدیق

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم
مرتب فتاویٰ دارالعلوم ومفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم))

دارالعلوم دیوبند مسلمانانِ ہند کا دھڑکتا دل ہے یہاں مسلمان نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ۱۲۸۳ھ سے مسلسل چلا آرہا ہے اورالحمدللہ دن رات اس میں اضافہ ہورہا ہے۔ بانیانِ دارالعلوم دیوبند بلاشبہ اللہ والے تھے اوران کی غرض اسلام اور تعلیمات اسلام کی اشاعت وترویج مقصود تھی، وہ پورے طور پر حسن وخوبی ادا ہورہی ہے اورانشاء اللہ تاقیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔((فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین))

مولانا قاری رفعت صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ایک عرصہ سے مختصر مسائل دینیہ کو الگ الگ کتابوں میں شائع کررہے ہیں جو ملک وغیر ملک میں کافی مقبول ہے، اس وقت ان کی اس سلسلہ کی اٹھارہویں کتاب ''مسائل حج وعمرہ'' سامنے ہے۔ مولانا موصوف نے پہلی کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی بڑی محنت سے مرتب کیا ہے، حج وعمرہ کے تمام تر مسائل یکجا کرنے کی سعی کی ہے، مختلف مستند کتب فتاویٰ سے ان مسائل کو حوالات کے ساتھ جمع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے اور کارآمد مسائل جن کی حاجی اور عمرہ کرنے والوں کو ضرورت ہوتی ہے تقریباً وہ تمام مسائل اس کتاب میں کسی نہ کسی عنوان سے جمع ہوگئے ہیں۔ حج وعمرہ کرنے والوں کے لیے بڑی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں حج وعمرہ سے پہلے اس کتاب کو بغور مطالعہ کرنا ان کے لیے ضروری ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم ان کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے۔ اوران کے لیے دار آخرت بنائے۔

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

مفتی دارالعلوم دیوبند......۲۹/ ربیع الاول ص ۱۴۲۶ھ۔

ارشاد گرامی!

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط صاحب عثمانی

مفتی دارالعلوم دیوبند، نبیرہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ

مولانا رفعت قاسمی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ان چند گنے چنے افراد میں سے ہیں جو خاموشی ویکسوئی کے ساتھ تصنیفی کام میں لگے رہتے ہیں۔ تدریس کی ذمہ داری کے ساتھ موصوف کی یہ علمی لگن قابلِ رشک اور لائق تقلید ہے۔

اس وقت مولانا کی تازہ تالیف ''مسائل حج وعمرہ'' سامنے ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ حج وعمرہ کے نازک مسائل اور اس کی تشفی بخش تفصیلات کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ ہر ہر مسئلہ کے مستند ومعتبر حوالہ کا بھی حسب سابق اہتمام ہے، جس سے کتاب کا اعتبار بڑھ جاتا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب موصوف کی دیگر سترہ کتابوں کے طرح مقبولِ خواص وعوام ہوگی اور اب تک اس موضوع پر طبع شدہ کتابوں میں نمایاں اور امتیازی افادیت کی حامل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ صاحب تالیف کی اس علمی دینی خدمت کو قبول فرمائے اور قارئین کو بیش از بیش استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

کفیل الرحمٰن نشاط

١٥/صفر المظفر ١٤٢٦ھ۔

☆☆

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((الحمدللہ الذی جعل الکعبۃ قبلۃ للاحیاء والاموات وبتوفیقہ ونعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین وعلیٰ الہٖ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم الیٰ یوم الدین وبعد!))

مولانا قاری محمد رفعت قاسمی صاحب مدظلہٗ نے موجودہ زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے حج وعمرہ کے مسائل میں بہت عمدہ مدلل کتاب تالیف فرمائی ہے۔ احقر نے اس کو حرفاً حرفاً بغور دیکھا اور جہاں مناسب سمجھا حذف واضافہ بھی کردیا تاہم خطاونسیان ذلت وسبقتِ قلم پھر بھی متحمل ہے، جوحضرات اس کو دیکھیں برائے کرم اس سے مطلع کرنے کی زحمت فرمائیں۔ ((واجرھم علی اللہ)) اداءِ مناسک حج وعمرہ میں یہ کتاب انشاء اللہ مفید تر ثابت ہوگی۔ حرمین شریفین ((زادھما اللہ شرفا و کرامتہ وھبیۃ)) کے زائرین کرام ضیوف الرحمٰن کے حق بیش بہا اور نادر تحفہ قرار دینا بھی کتاب ہٰذا کو بیجا نہیں۔ حج، ارکانِ اسلام میں سے بنیادی رکن ہے، اسی پر اسلام کی تکمیل وتیمّم ہوئی ہے۔ استحضارِ مسائل اور عایتِ آداب کے ساتھ ادا کیا جائے تو تمام گناہوں سے پاک صاف ہوکر بے شمار فضائل اور سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے، اللہ جل شانہٗ اور اس کے پاک رسول ﷺ سے خصوصی تقرب حاصل ہونے میں اس کو خاص دخل ہے۔

((اللھم تقبلہ منا بفضلک العظیم وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم. وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین. فقط))

((ھذا ما کتبہ احقر الزمن العبد محمود حسن بلندشھری غفراللہ ولوالدیہ واحسن الیھا والیہ))

خادم الافتاء والتدریس دارالعلوم دیوبند

۲۷/۴/۱۴۲۶ھ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ إِلَيۡهِ سَبِيۡلاً وَمَنۡ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الۡعَالَمِيۡنَ﴾

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

حج بیت اللہ کا فرض ہونا

آیت میں بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم وواجب قرار دیا ہے، بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت واستطاعت رکھتے ہوں، قدرت واستطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریات اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کے خرچہ برداشت کر سکے، اور اپنی واپسی تک ان اہل وعیال کا بھی بندوبست کر سکے جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے، نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو، کیونکہ ایسے معذور کو تو اپنے وطن میں چلنا پھرنا بھی مشکل ہے، وہاں جانے اور ارکان حج ادا کرنے پر کیسے قدرت ہوگی، اسی طرح عورت کے لیے چونکہ بغیر محرم کے سفر کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو، یا یہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے، اسی طرح وہاں تک پہنچنے کے لیے راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا ایک جزء ہے، اگر راستہ میں بدامنی ہو، جان مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔

لفظ حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں، اور شرعی معنی کی ضروری تفصیل تو خود قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ طواف کعبہ اور وقوفِ عرفہ ومزدلفہ وغیرہ ہیں، اور باقی تفصیلات

رسول کریم ﷺ نے اپنے زبانی ارشادات اور علمی بیانات کے ذریعہ واضح فرمادی ہیں۔اس آیت میں حج بیت اللہ کے فرض ہونے کا اعلان فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا:(ومن کفر فان الله غني عن العالمین) یعنی جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تمام جہاں والوں سے،اس میں وہ شخص تو داخل ہے ہی جو صراحتاً فریضۂ حج کا منکر ہو، حج کو فرض نہ سمجھے،اس کا دائرہ اسلام سے خارج ہونا وکافر ہونا تو ظاہر ہے،اس پر ومن کفر کا لفظ صراحتاً صادق ہے،اور جو شخص عقیدہ کے طور پر فرض سمجھتا ہے،لیکن باوجود استطاعت وقدرت کے حج نہیں کرتا، وہ بھی ایک حیثیت سے منکر ہی ہے،اس پر لفظ ومن کفر کا اطلاق تہدید اور تاکید کے لیے ہے، کہ یہ شخص کافروں جیسے عمل میں مبتلا ہے، جیسے کافر ومنکر حج نہیں کرتے یہ بھی ایسا ہی ہے،اسی لیے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ آیت کے اس جملہ میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو باوجود قدرت واستطاعت کے حج نہیں کرتے، کہ وہ اپنے اس عمل سے کافروں کی طرح ہو گئے،العیاذ باللہ۔(معارف القرآن ج:۲/ص:۱۲۲)

فضائل ومسائل حج

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے۔اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا اور حج ہی سے ارکان اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔احادیث طیبہ میں حج وعمرہ کے فضائل بہت کثرت سے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ ’’جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے حج کیا پھر اس میں نہ کوئی فحش بات کی اور نہ نافرمانی کی وہ ایسا پاک وصاف ہو کر آتا ہے جیسا ولادت کے دن تھا۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا۔عرض کیا گیا اس کے بعد، فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔عرض کیا گیا اس کے بعد، فرمایا: حج مبرور۔ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی۔‘‘

ایک اور حدیث میں ہے کہ: ’’پے در پے حج وعمرے کیا کرو۔کیونکہ یہ دونوں فقر اور

گناہوں سے اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔ اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے۔''

حج عشقِ الٰہی کا مظہر ہے اور بیت اللہ شریف مرکز تجلیات الٰہی ہے۔ اس لیے بیت اللہ شریف کی زیارت اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں حاضری ہر مؤمن کی جان تمنا ہے۔ اگر کسی کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں نہیں لیتیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے ایمان کی جڑیں خشک ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے زاد و راحلہ رکھتا تھا اس کے باوجود اس نے حج نہیں کیا تو اس کے حق میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی و نصرانی ہو کر مرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جس شخص کو حج کرنے سے نہ کوئی ظاہری حاجت مانع تھی، نہ سلطان، نہ بیماری کا عذر تھا اسے اختیار ہے کہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔
(مشکوٰۃ شریف ج:۱/ص:۲۱۱)

ذرائع مواصلات کی سہولت اور مال کی فراوانی کیوجہ سے سال بہ سال حجاجِ کرام کی مردم شماری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بہت ہی رنج و صدمہ کی بات ہے کہ حج کے انوار و برکات مدہم ہوتے جا رہے ہیں اور جو فوائد و ثمرات حج پر مرتب ہونے چاہئیں ان سے امت محروم ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت تھوڑے بندے ایسے رہ گئے ہیں جو فریضۂ حج کو اس کے شرائط و آداب کی رعایت کرتے ہوئے ٹھیک ٹھیک بجالاتے ہوں، ورنہ اکثر حاجی صاحبان اپنا حج غارت کر کے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق بن کر آتے ہیں۔ نہ حج کا مقصد ان کا مطمح نظر ہوتا ہے نہ حج کے مسائل و احکام سے انہیں واقفیت ہوتی ہے، نہ یہ سیکھتے ہیں کہ حج کیسے کیا جاتا ہے؟ اور نہ ان پاک مقامات کی عظمت و حرمت کا پورا لحاظ کرتے ہیں بلکہ اب تو ایسے مناظر دیکھنے میں آ رہے ہیں کہ حج کے دوران ان محرمات کا ارتکاب ایک فیشن بن گیا ہے اور یہ امت گناہوں کو گناہ ماننے کیلئے تیار نہیں۔ (اناللہ و انا الیہ راجعون)۔

ظاہر ہے کہ خدا اور رسول اللہ ﷺ کے احکام سے بغاوت کرتے ہوئے حج کیا جائے، وہ انوار و برکات کا کس طرح حامل ہو سکتا ہے؟ اور رحمت خداوندی کو کس طرح متوجہ کر سکتا ہے؟

حاجی صاحبان کے قافلے گھر سے رخصت ہوتے ہیں تو پھولوں کے ہار پہنانا پہننا گویا حج کالازمہ ہے کہ اس کے بغیر حاجی کا جانا ہی معیوب ہے۔ چلتے وقت جو خشیت وتقویٰ، حقوق کی ادائیگی، معاملات کی صفائی اور سفر شروع کرنے کے آداب کا اہتمام ہونا۔۔۔۔۔ کا دور دور تک کہیں نشان نظر نہیں آتا۔ گویا سفر مبارک کا آغاز ہی آداب کے بغیر محض نمود ونمائش اور ریاکاری کے ماحول میں ہوتا ہے۔ اب ایک عرصہ سے صدر مملکت، گورنر یا اعلیٰ حکام کی طرف سے جہاز پر حاجی صاحبان کو الوداع کہنے کی رسم شروع ہوئی ہے۔ اس موقع پر بینڈ باجے، فوٹو گرافری اور نعرہ بازی کا سرکاری طور پر اہتمام ہوتا ہے۔ غور فرمایا جائے کہ یہ کتنے محرمات کا مجموعہ ہے۔

قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں جو اہم ہدایات دی گئی ہے وہ یہ ہے: ''حج کے دوران نہ فحش کلامی ہو، نہ حکم عدولی اور نہ لڑائی جھگڑا۔''

اور احادیث طیبہ میں بھی حج مقبول کی علامت یہ ہی بتائی گئی ہے کہ وہ فحش کلامی اور نافرمانی سے پاک ہو۔'' لیکن حاجی صاحبان میں بہت لوگ ایسے ہیں جو ان ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوں اور اپنے حج کو غارت ہونے سے بچاتے ہوں۔ گانا بجانا اور داڑھی منڈانا، بغیر کسی اختلاف کے حرام اور کبیرہ گناہ ہیں۔ لیکن حاجی صاحبان نے ان کو گویا گناہوں کی فہرست ہی سے خارج کر دیا ہے۔ حج کا سفر ہو رہا ہے اور بڑے اہتمام سے داڑھیاں صاف کی جارہی ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس نوعیت کے بیسیوں گناہ کبیرہ اور ہیں جن کے حاجی صاحبان عادی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہوئے بھی ان کو نہیں چھوڑتے۔ حاجی صاحبان کی یہ حالت دیکھ کر ایسی اذیت ہوتی ہے جس کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔

اسی طرح سفر حج کے دوران عورتوں کی بے حجابی بھی عام ہے۔ بہت سے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی دوران سفر ننگے سر نظر آتی ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ بہت سی عورتیں شرعی محرم کے بغیر سفر حج پر جاتی ہیں۔ اور جھوٹ موٹ کسی کو محرم لکھوا دیتی ہیں۔ اس سے جو گندگی پھیلتی ہے وہ ''اگر گویم زباں سوزد'' (اگر کہوں تو زبان جل جائے) کی مصداق ہے۔

جہاں تک اس ارشاد کا تعلق ہے کہ حج کے دوران لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے، اس کا منشا یہ ہے کہ اس سفر میں چونکہ ہجوم بہت ہوتا ہے اور سفر بھی بہت طویل ہوتا ہے، اس لیے دوران سفر ایک دوسرے سے ناگواریوں کا پیش آنا، اور آپس کے جذبات میں تصادم کا ہونا یقینی ہے۔ اور سفر کی ناگواریوں کو برداشت کرنا اور لوگوں کی اذیتوں پر برافروختہ نہ ہونا بلکہ تحمل سے کام لینا ہی اس سفر کی سب سے بڑی کراہت ہے۔ اس کا حل یہ ہی ہوسکتا ہے کہ ہر حاجی اپنے رفقاء (ساتھی) کے جذبات کا احترام کرے دوسرے کی طرف سے اپنے آئینہ دل کو صاف و شفاف رکھے اور اس راستہ میں جو ناگواری پیش آئے، اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ خود اس کا پورا اہتمام کرے کہ اس کی طرف سے کسی کو ذرا بھی اذیت نہ پہنچے اور دوسروں سے جو اذیت اس کو پہنچے اس پر کسی ردعمل کا اظہار نہ کرے۔ دوسروں کے لیے اپنے جذبات کی قربانی دینا اس سفر مبارک کی سب سے بڑی سوغات ہے اور اس دولت کے حصول کے لیے بڑے مجاہدہ وریاضت اور بلند حوصلہ کی ضرورت ہے۔ اور یہ چیز اہل اللہ کی صحبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

عازمین حج کی خدمت میں بڑی خیر خواہی اور نہایت دل سوزی سے گزارش ہے کہ اپنے اس مبارک سفر کو زیادہ سے زیادہ برکت وسعادت کا ذریعہ بنانے کے لیے مندرجہ ذیل معروضات کو پیش نظر رکھیں۔ چونکہ آپ محبوب حقیقی کے راستہ میں میں نکلے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کے اس مقدس سفر کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور شیطان آپ کے اوقات ضائع کرنے کی کوشش کرے گا۔

جس طرح سفر حج کے لیے ساز وسامان اور ضروریات سفر مہیا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر حج کے احکام و مسائل سیکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔ اور اگر سفر سے پہلے اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم سفر کے دوران اس کا اہتمام کرلیا جائے، کسی عالم سے ہر موقع کے مسائل پوچھ پوچھ کر ان پر عمل کیا جائے۔

اس مبارک سفر کے دوران تمام گناہوں سے پرہیز کرے اور عمر بھر کے لیے گناہوں سے بچنے کا عزم کرے اور اسکے لیے حق تعالیٰ شانہٗ سے خصوصی دعائیں مانگیں۔ یہ

بات خوب اچھی طرح ذہن میں رہنی چاہیئے کہ حج مقبول کی علامت ہی یہ ہے کہ حج کے بعد آدمی کی زندگی میں انقلاب آجائے۔ جو شخص حج کے بعد بھی بدستور فرائض کا چھوڑنے والا اور ناجائز کاموں کا مرتکب ہے اس کا حج مقبول نہیں۔ آپ کا زیادہ سے زیادہ وقت حرم شریف میں گزرنا چاہیے، اور سوائے بہت زیادہ ضرورت کے بازاروں کا گشت قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کا ساز وسامان آپ کو مہنگا سستا، اچھا برا، اپنے وطن میں بھی مل سکتا ہے، لیکن حرم شریف میں میسر آنے والی سعادتیں آپ کو کسی دوسری جگہ میسر نہیں آئیگی۔ وہاں خریداری کا اہتمام نہ کریں۔

نیز چونکہ حج کے موقع پر اطراف واکناف سے مختلف مسلک کے لوگ جمع ہوتے ہیں، اس لیے کسی کو کوئی عمل کرتا ہوا دیکھ کر وہ عمل شروع نہ کردیں۔ بلکہ یہ تحقیق کرلیں کہ آیا یہ عمل آپ کے حنفی مسلک کے مطابق صحیح بھی ہے یا نہیں؟ مثلاً یہاں ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں۔

نماز فجر سے بعد اشراق تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک دوگانہ طواف پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح مکروہ اوقات میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ لیکن بہت سے لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی پڑھتے رہتے ہیں۔ الغرض صرف لوگوں کی دیکھا دیکھی کوئی کام نہ کریں۔ بلکہ اہل علم سے مسائل کی خوب تحقیق کرلیا کریں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ج ۴۔ بکذ امعارف القرآن جلد ا، ومعارف الحدیث ج ۴، کتاب الحج، الترغیب والترہیب۔ ومظاہر حق جدید۔ علم الفقہ جلد ۵ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا، کتاب الحج وفضائل حج)

حج وعمرہ کی اصطلاحات

حج کے مسائل میں بعض عربی الفاظ ستعال ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے نقل کر کے چند الفاظ کے معنیٰ لکھے جاتے ہیں۔

استلام:۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ سے چھونا یا حجر اسود اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگانا۔

اضطباع:۔ احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔

طواف:۔ بیت اللہ کے چاروں طرف سات چکر مخصوص طریقے سے لگانا۔

شوط:۔ ایک چکر بیت اللہ کے چاروں طرف لگانا۔

رمل:۔ طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیزی سے چلنا۔ (اگر جگہ ہو اور دوسروں کو تکلیف بھی نہ ہو)۔

مطاف:۔طواف کرنے کی جگہ بیت اللہ کے چاروں طرف ہے اور اس میں سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔

رکن یمانی:۔ بیت اللہ کے جنوبی مغربی گوشہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ یمن کی جانب ہے۔

مقام ابراہیم:۔ جنتی پتھر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کو بنایا تھا۔ مطاف کے مشرقی کنارے پر ممبر اور زمزم کے درمیان جالی دار قبہ میں رکھا ہوا ہے۔

ملتزم:۔ حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازہ کے درمیان کی دیوار جس پر لپٹ کر دعا مانگنا مسنون ہے۔

زمزم:۔ مسجد حرام میں بیت اللہ کے قریب ایک مشہور چشمہ ہے جو اب کنویں کی شکل میں ہے۔ جس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اپنے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کے لیے جاری کیا تھا۔

دم:۔ احرام کی حالت میں بعض ممنوع افعال کرنے سے بکری وغیرہ ذبح کرنی واجب ہوتی ہے اس کو دم کہتے ہیں۔

آفاقی:۔ وہ شخص ہے جو میقات کی حدود سے باہر رہتا ہو جیسے ہندوستانی، پاکستانی، مصری، شامی، عراقی اور ایرانی وغیرہ۔

تلبیہ:۔ لبیک پورا پڑھنا۔

ایام تشریق:۔ ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ''ایام تشریق'' کہلاتی ہیں، کیونکہ ان میں بھی (نویں دسویں ذی الحجہ کی طرح) ہر نماز فرض کے بعد ''تکبیر تشریق'' پڑھی جاتی ہے۔ یعنی

((الله اکبر لا الٰه الا الله و الله اکبر الله اکبر و لله الحمد))۔

ایام نحر:۔ دس ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک۔

افراد:۔ صرف حج کا احرام باندھنا اور صرف حج کے افعال کرنا۔

مفرد:۔ حج کرنے والا۔ جس نے میقات سے اکیلے حج کا احرام باندھا ہو۔
قران:۔ حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ کرنا پھر حج کرنا۔
قارن:۔ قران کرنے والا۔
تمتع:۔ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا پھر اسی سال میں حج کا احرام باندھ کر حج کرنا۔
عمرہ:۔ حل یا میقات سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرنا۔
جمرات یا جماز:۔ منیٰ میں تین مقام ہیں جن پر قدم آدم ستون بنے ہوئے ہیں یہاں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان میں سے جو مسجد خیف کے قریب مشرق کی طرف ہے اس کو جمرۃ الاولیٰ کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف بیچ والے کو جمرۃ لوسطیٰ اور اسکے بعد والے کو جمرۃ الکبرا اور جمرۃ العقبۃ اور جمرۃ الاخریٰ کہتے ہیں۔
رمی:۔ کنکریاں پھینکنا مارنا۔
سعی:۔ صفا و مروہ کے درمیان مخصوص طریقے سے سات چکر لگانا۔
مروہ:۔ بیت اللہ کے مشرقی شمالی گوشہ کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر سعی ختم ہوتی ہے۔
ملین اخضرین:۔ صفا و مروہ کے درمیان مسجد حرام کی دیوار میں دو سبز میل لگے ہوئے ہیں (ٹیوب لائٹ لگی ہوئی ہیں) جن کے درمیان سعی کرنے والے دوڑ کر چلتے ہیں۔
عرفات یا عرفہ:۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً نو میل مشرق کی طرف ایک میدان ہے جہاں پر حاجی لوگ نویں ذی الحجہ کو ٹھہرتے ہیں۔
یوم عرفہ:۔ نویں ذی الحجہ جس روز حج ہوتا ہے اور حاجی لوگ عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔
موقف:۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ حج کے افعال میں اس سے مراد میدان عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہرنے کی جگہ ہوتی ہے۔
وقوف:۔ وقوف کے معنی ٹھہرنا، اور احکام حج میں اس سے مراد میدان عرفات یا مزدلفہ میں خاص وقت میں ٹھہرنا۔
میقاتی:۔ میقات کا رہنے والا۔

میقات:۔ وہ مقام جہاں سے مکہ مکرمہ جانے والے کے لیے احرام باندھنا واجب ہے۔

حرم:۔ مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور تک زمین حرم کہلاتی ہے، اس کے حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں اس میں شکار کھیلنا، درخت کاٹنا، گھاس جانور کو چرانا حرام ہے۔

حل:۔ حرم کے چاروں طرف میقات تک جو زمین ہے اس کو حل کہتے ہیں، کیونکہ اس میں وہ چیزیں حلال ہیں جو حرم کے اندر حرام تھیں۔

حلق:۔ سر کے بال منڈانا۔

قصر:۔ بال کتروانا۔

حطیم:۔ بیت اللہ کی شمالی جانب بیت اللہ سے متصل قد آدم دیوار سے کچھ حصہ زمین کا گھرا ہوا ہے اس کو حطیم اور حطیرہ کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملنے سے ذرا پہلے جب خانہ کعبہ کو قریش نے تعمیر کرنا چاہا سب نے یہ اتفاق کیا کہ حلال کمائی کا مال اس میں صرف کیا جائے لیکن سرمایہ کم تھا اس وجہ سے شمال کی جانب اصل قدیم بیت اللہ میں سے تقریباً چھ گز شرعی جگہ چھوڑ دی۔ اس چھٹی ہوئی جگہ کو حطیم کہتے ہیں۔ اصل حطیم چھ گز شرعی کے قریب ہے اب کچھ احاطہ زائد بنا ہوا ہے۔ (معلم الحجاج ص ۶۸ و احکام حج ص ۸)

سفر حج سے پہلے ضروری کام کی باتیں

مسئلہ:۔ حج کا سفر ہر اعتبار سے بہت مبارک سفر ہے، اس مبارک سفر اور حج مبرور پر بڑے بڑے وعدے ہیں، حاجی ایسے مبارک اور مقدس مقامات پر پہنچتا ہے، جہاں دعاؤں کی قبولیت کے وعدے ہیں، لہٰذا سفر حج سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین سے جن سے ملنا اور ایک دوسرے سے دعاؤں کی درخواست کرنا جائز ہے، خاص کر ان رشتہ داروں اور متعلقین سے جن سے بات چیت بند ہو، اور آپس میں رنجش اور کدورت ہو ان سے ملکر معافی مانگ لینا اور دلوں کا صاف کر لینا بہت ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی کا حق باقی ہے، کسی پر ظلم کیا ہو، قرض لیا ہو اور ابھی تک ادا نہ کر سکا ہو تو سفر حج سے پہلے پہلے اس کا حق ادا کر دینا، یا اس کا انتظام کر دینا، یا اس سے مہلت لے کر اس کو اطمینان دلانا ضروری ہے، تاکہ اس مبارک سفر کی برکتیں پوری طرح حاصل کر سکے، جس قدر دل کی صفائی کے ساتھ اور حقوق العباد

ادا کر کے حرمین شریفین کی حاضری ممنوعات ومکروہات سے بچتے ہوئے اور تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے ہوگی تو انشاء اللہ وہاں کی برکتیں خوب حاصل ہونگی۔

فضائل حج میں ہے ''اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو اس کو واپس کرے اور کسی قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے'' اور جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سنا معاف کرائے، اگر کچھ قرض اپنے ذمہ واجب ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کرے۔

علماء نے لکھا ہے جس شخص پر ظلم کر رکھا ہو یا اس کو کوئی حق اپنے ذمہ ہو تو وہ بمنزلۂ ایک قرض خواہ کے ہے جو اس سے یہ کہتا ہے تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو اس حالت میں شہنشاہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کرتا ہے کہ تو اس کا مجرم ہے، اس کے حکم کو ضائع کر رہا ہے، حکم عدولی کی حالت میں حاضر ہو رہا ہے، نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کر کے واپس کردے اگر تو قبولیت کا خواہشمند ہے تو اس ظلم سے توبہ کر کے حاضر ہو، اس کا مطیع فرمانبردار بن کر پہنچ ورنہ تیرا یہ اسفر ابتداء کے اعتبار سے مشقت ہی مشقت ہے، اور انتہاء کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔

نیز چلنے کے وقت مقامی رفقاء اعزاء واحباب سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہونگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰/ص ۱۸۰)

مسئلہ:۔ سفر حج میں جانے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور ثواب آخرت کے لیے کریں۔

مسئلہ:۔ جس کسی کا مالی حق آپ کے ذمہ ہے اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے وارثوں کو ادا کریں، یا ان سے معاف کرائیں۔ اور اگر اصحاب حق بہت زیادہ ہیں اور ان کے پتہ وغیرہ معلوم نہیں تو جس قدر مالی حق ان کا آپ کے ذمہ ہے ان کی طرف سے صدقہ کردیں اور اگر ہاتھ یا زبان سے ان کو تکلیف پہنچائی تھی تو ان کے لیے کثرت سے دعائیں مغفرت کرتے رہیں۔ انشاء اللہ حقوق کے وبال سے نجات ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ بالغ ہونے کے بعد کی قضاء شدہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اتنی مقدار میں ہے جن کو سفر حج

سے پہلے آپ پورا نہیں کر سکتے یا لوگوں کے حقوق اتنے زیادہ آپ کے ذمہ ہیں کہ ان سب سے معاف کرانا، یا ادا کرنا اس وقت اختیار میں نہیں ہے تو ایسا کیجئے کہ ان سب فرائض وحقوق کی ادائیگی یا معاف کرانے کا پختہ عزم ابھی سے کر لیجئے اور جس قدر راد کیا جا سکے اس کو ادا کر دیجئے اور جو باقی رہ جائیں ان کے لیے ایک وصیت نامہ لکھئے اور اپنے کسی عزیز یا ہمدرد یا دوست کو وصی (ذمہ دار) بنا دیجئے کہ اگر آپ زندگی میں ادا نہ کر سکیں تو آپ کے بعد وہ ادا کر دیں۔ (احکام حج: مفتی محمد شفیعؒ، ص۲۳، وہکذا کتاب الفقہ: ج ۱/ص۱۰۹۴)

سفر حج کی تیاری وغیرہ کے متعلق مشورے

(۱) اگر آپ کا حج کمیٹی سے جانے کا ارادہ ہے تو کمیٹی کی طرف سے اخبارات میں اعلان آنے کے بعد شرائط کے مطابق پنی درخواست ارسال کر دیں اور فارم کی خانہ پوری ایسے شخص سے کرائیں جو جانکار اور تجربہ کار ہو۔

(۲) اگر آپ انٹرنیشنل پاسپورٹ پر سفر کرنا چاہتے ہیں تو ذی الحجہ قعدہ کی ۲۵/ تاریخ سے پہلے پہلے سعودی سفارت خانے سے حج کا ویزا حاصل کر لیں اس تاریخ کے بعد عموماً ویزا بند ہو جاتا ہے۔

(۳) موجودہ زمانے میں ویزے کے حصول کے لیے معلمین کی سروس فیس اور ٹرانسپورٹ کی اجرت کے چیک پیش کرنے ضروری ہیں۔

(۴) سامان سفر میں درج ذیل اشیاء خاص طور پر ساتھ رکھیں۔

(۱) احکام حج کے رسائل (۲) وظیفہ اور دعاء کی کتابیں (۳) سوئی دھاگہ
(۴) فاضل بٹن (۵) چھوٹا چاقو (۶) قبلہ نما
(۷) جانماز (۸) لوٹا (۹) گلاس
(۱۰) رنگین چشمہ (۱۱) سردی کا موسم ہو تو گرم چادر یا ہلکی رضائی
(۱۲) احرام کی دو دو چادریں۔ (۱۳) عورتیں اپنے پردے کے لیے ایسا ہیٹ خرید لیں جس کے اوپر سے نقاب ڈالنے سے کپڑا چہرے پر نہ لگے۔
(۱۴) احرام باندھنے کے لیے مرد حضرات کوئی پیٹی یا چمڑے کا پرس لے لیں تاکہ بقدر

ضرورت روپیہ وغیرہ رکھنے میں آسانی رہے۔(صرف پانچ جوڑے کپڑے کافی ہیں، جوتوں کے لیے بیگ تھیلا وغیرہ جوتے تھیلے میں رکھ کر اپنے ساتھ ہی رکھیں، کیونکہ حرم شریف میں ایک ہی گیٹ سے واپس مشکل ہو جاتی ہے)۔

(۵) کھانے پینے کا سب سامان آٹا چاول وغیرہ یہاں سے لیجانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، البتہ منیٰ وغیرہ میں استعمال کے لیے بسکٹ یا خشک نمکین یا میوے جات رکھ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ دیگر اشیائے خوردونوش معظّمہ وغیرہ میں بآسانی دستیاب ہیں، اس لیے کھانے پینے کا زیادہ بوجھ نہ لے جایا جائے۔

(۶) جو سامان آٹیچی یا بیگ وغیرہ لے جائیں وہ اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ جہاز وغیرہ سے اتارنے چڑھانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔

(۷) اپنے سامانوں پر موٹے حروف سے اپنا نام اور پتہ لکھ دیں اور حج اگر کمیٹی سے جارہے ہوں تو کور نمبر بھی لکھ دیں تاکہ گم ہو جانے کی صورت میں ملنا آسان ہو۔

(۸) دوران سفر روپیہ پیسہ کی حفاظت کا خاص دھیان رکھیں اور اپنی سب رقم ایک جگہ نہ رکھیں بلکہ متعدد سامانوں میں متفرق کردیں۔

(۹) حج کے سفر سے پہلے مسائل حج کو اچھی طرح سے جاننا ضروری ہے اس لیے تجربہ کار علماء سے رابطہ کر کے اور رفقاء کے ساتھ مسائل کا مذاکرہ کر کے صحیح معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔

(۱۰) اور سفر میں ذوق وشوق کے ساتھ اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر گزار رہنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ سعادت ہر ایک کو میسر نہیں آتی۔

(۱۱) بالخصوص اس سفر میں آنکھ، کان، زبان اور تمام اعضاء وجوارح کو گناہوں سے بچانے کا بھرپور اہتمام کرنا چاہئے اور مکمل یکسوئی اور کامل خشوع اور تواضع کے ساتھ ریاکاری سے بچتے ہوئے سفر کا آغاز کرنا چاہئے اور دوران سفر فضول باتوں میں مشغول نہ رہ کر ذکر واذکار میں زیادہ وقت گزارنا چاہئے۔

جدہ ایئر پورٹ پر

(۱۲) ہندوستان سے جدہ کی مسافت عموماً ہوائی جہاز پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے میں طے کرتے

ہیں۔سعودی عرب کا معیاری وقت ہندوستان سے ڈھائی گھنٹہ پیچھے ہے،اس لیے ایئرپورٹ پراترتے ہی اپنی گھڑیاں وہاں کے وقت سے ملالینی چاہئیں تاکہ نمازوں کا اہتمام رہے۔

(۱۳) جہاز سے اترنے کے بعد حجاج کو ایک بڑے ہال میں پہنچادیا جاتا ہے، اس ہال میں استنجاء وضووغیرہ کا بہترین نظام ہے، اس لیے اگر کسی نماز کا وقت ہوتو وہاں بآسانی ادا کی جاسکتی ہے۔

(۱۴) ہال میں سب سے پہلے آپ کو ایک معلوماتی فارم خانہ پوری کے لیے دیا جائے گا اسے آپ خود پر کریں یا اپنے احباب وغیرہ کی مدد سے پر کردیں۔

(۱۵) اس کے بعد پاسپورٹ کی تفتیش کی کارروائی شروع ہوگی اس کارروائی میں بسا اوقات کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں،اس لیے صبر وسکون کا مظاہرہ کریں دل برداشتہ نہ ہوں۔

(۱۶) پاسپورٹ کی کارروائی کے بعد اگلا مرحلہ کسٹم ہے۔کسٹم سے پہلے سامان کی اچھی طرح سے شناخت کرلیں۔

(۱۷) کسٹم کے بعد اپنا سامان اچھی طرح سے باندھ کر ہرے رنگ کے لباس میں ملبوس قلیوں کے حوالہ کردیں یہ قلی آپ کا سامان بلا اجرت ہندوستانی حج کمیٹی کے دفتر تک پہنچادیں گے۔

(۱۸) کسٹم ہال سے باہر نکلنے پر سامنے ہی مکتب الوکلاء الموحد کے کاؤنٹر لگے رہتے ہیں انہیں آپ سروس اور ٹرانسپورٹ چیک حوالہ کردیں اور ٹرانسپورٹ ٹکٹ وصول کرلیں۔

(۱۹) وہاں سے نکل کر ترنگے جھنڈے کو دیکھ کر ہندوستانی حج آفس کے قریب جائیں جہاں تلاش کرنے پر آپ کا سامان مل جائیں گے،سامان ایک جگہ نکال کر اکھٹا کرکے خود اس کی حفاظت کریں۔

(۲۰) جدہ کے عظیم الشان ایئرپورٹ پر جگہ جگہ آرام دہ وضوخانے استنجا خانے ہیں یہاں آپ اپنی ضروریات سے فارغ ہوسکتے ہیں۔

(۲۱) زرمبادلہ کے چیک یا ڈالروغیرہ بھی آپ یہاں بناسکتے ہیں، یہاں کئی اہم بینکوں کی شاخیں کام کرتی ہیں۔

(۲۲) ضروریات سے فارغ ہوکر حج آفس کے ملازمین اور ذمہ داران سے ملیں اور اپنے پاسپورٹ پر معلم اور جائے قیام کی تفصیلات پر مشتمل اسٹیکر لگوالیں اور یہ معلوم کرلیں کہ آپ کی روانگی کتنی دیر میں ہوگی۔

جدہ سے روانگی

(۲۳) جدہ سے مکہ مکرمہ روانگی سے قبل غسل وغیرہ کرکے تیار ہوجائیں۔

(۲۴) جب آپ بس میں بیٹھنے لگیں تو معلم کے نمائندے آپ کا پاسپورٹ لے کر بس ڈرائیور کے حوالہ کردینگے اور اب آپ کا یہ پاسپورٹ حج سے واپسی ہی میں ملے گا درمیان میں آپ اس کی زیارت بھی نہ کرسکیں گے۔

(۲۵) جدہ سے چل کر بس مکہ معظّمہ سے باہر مرکز الاستقبال پر رکے گی اور ہر بس میں یک رہبر سوار ہوگا جو حجاج کو اپنے اپنے معلمین کے دفاتر یا ان کی رہائش گاہوں پر پہنچائے گا۔

(۲۶) مرکز الاستقبال پر آپ اپنی بسوں سے باہر نہ نکلیں، اگر جائیں بھی تو ساتھیوں کو بتا کر جائیں اور جلد واپس آجائیں۔

مکہ مکرمہ میں حاضری

(۲۷) جب بس آپ کے معلم کے مکتب کے سامنے جاکر کھڑی ہو تو آپ بس سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہیں اور جو پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دیں۔

(۲۸) بس میں آپ کو معلم کی طرف سے ایک پیلا پٹہ دیا جائے گا، جس میں آپ کے معلم کا پتہ درج ہوگا اور بلڈنگ نمبر لکھا ہوگا اس کو آپ اپنے ہاتھ میں باندھ لیں اور مستورات کو بھی پہنادیں، خدانخواستہ گم ہونے کی شکل میں یہ پٹہ بہت کام آتا ہے۔

(۲۹) جب آپ کی بس رہائش بلڈنگ تک پہنچ جائے تو اتر کر سب سے پہلے اپنے سامان کو بس سے اتروا کر چیک کریں۔

(۳۰) اس کے بعد بلڈنگ کے اپنے مقررہ کمرے میں جس کا تعین اب کمپیوٹر کے ذریعہ ہوتا ہے منتقل ہوجائیں۔

(۳۱) اور جو لوگ حج کمیٹی سے نہ جا رہے ہوں وہ معلم کے دفتر پر پہنچ کر اپنی رہائش گاہ کا خود انتظام کریں، اگر کسی واقف کار کے یہاں ٹھہرنا ہو تو اس کی کارروائی مکمل کریں۔

(۳۲) مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد دو ایک روز میں معلم کی طرف سے ایک فوٹو والا کارڈ ہر حاجی کو دیا جاتا ہے یہ کارڈ دراصل آپ کے پارسپورٹ کی جگہ پر ہے۔ جس میں معلم اور رہائش وغیرہ کی تمام تفصیلات درج ہوتی ہیں، حرمین شریفین کے پورے زمانہ قیام میں اس کارڈ کو ہمہ وقت ساتھ رکھنا چاہئے یہ بہت قیمتی اور ضروری چیز ہے۔

(۳۳) اسی طرح منیٰ جانے سے پہلے اور عرفات کے جائے قیام وغیرہ کے بارے میں ایک کارڈ معلم کی طرف سے دیا جاتا ہے اسے لینا نہ بھولیں اور سفر میں ہر وقت اسے ساتھ رکھیں (از مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری بشکریہ ندائے شاہی حج وزیارت نمبر جنوری ۲۰۰۱ء)

قیام مکہ ومدینہ کے متعلق ضروری ہدایتیں

(۱) اپنے حج کے پورے سفر میں یہ قطعاً نہ بھولیں کہ آپ ایک حاجی ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، چنانچہ اپنا قیمتی وقت زیادہ سے زیادہ عبادت، تلاوت، ذکر واذکار اور خیر کے کاموں میں صرف کریں۔ اسی طرح اپنے ہر قول عمل اور برتاؤ میں اس عظیم حیثیت کا خیال رکھیں۔

(۲) معلم صاحب کی طرف سے دیا گیا شناختی کارڈ ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں۔ راستہ بھولنے پر منزل تک پہنچانے میں معین ومددگار ثابت ہوگا۔

(۳) اگر کبھی گم ہو جائیں اور اپنی عمارت کا پتہ نہ معلوم ہو پا رہا ہو تو اسے ڈھونڈنے میں مزید بھاگ دوڑ کرنے سے بہتر ہوگا کہ آپ ہندوستانی حج آفس کا پتہ معلوم کریں تاکہ کوئی بھی بآسانی آپ کو وہاں تک پہنچا دے جہاں آفس کے کارکنان فوراً ہی آپ کو مطلوبہ رہائش گاہ تک پہنچا سکیں۔

(۴) مکہ مکرمہ میں اسی عمارت اور کمرے میں قیام کریں جو بذریعہ کمپیوٹر آپ کے لیے الاٹ کئے گئے ہیں اور جنکے دروازوں پر آپ کے نام مع حوالہ/ حاجی پاس نمبر چسپاں ہیں۔ آپ کو ابھی خالی دکھائی دینے والے کمرے خالی نہیں ہیں، بلکہ ان میں رہنے والے حجاج کرام

بھی آپ ہی کی طرح آج کل میں پہنچنے والے ہونگے۔ ویسے بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی اور کی جگہ پر قبضہ کرنا اخلاقی اور شرعی دونوں ہی اعتبار سے نہایت ہی نامناسب عمل ہوگا۔

(۵) صفائی پر پورا دھیان دیں چاہے وہ کمرے کی ہو یا لباس کی یا جسم کی ہو۔ یا عام معاملات کی، کیونکہ صفائی مومن کی شان اور جزو ایمان ہے۔

(۶) کھانے پکانے کے لیے باورچی خانوں کا ہی استعمال کریں۔ رہائشی کمروں میں کھانا پکانا سخت منع ہے، اس سے جہاں آگ لگنے کا اندیشہ ہے وہیں یہ بھی ممکن ہے کہ مقامی امن وسلامتی کے ذمہ داروں کی طرف سے جو وقتاً فوقتاً عمارتوں کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا چولھا ضبط کر لیا جائے۔

(۷) اپنی رہائش گاہ سے حرم شریف کے قریبی گیٹوں کو جن پر نمبر بھی پڑے ہوئے ہیں خود بھی پہچان لیں اور اپنے ساتھ کے کمزور اور عمر رسیدہ لوگوں کو بھی پہچان کرا دیں چونکہ گمشدگی کے واقعات عام طور پر حرم شریف جاتے ہوئے نہیں، بلکہ وہاں سے اپنی رہائش گاہ لوٹتے ہوئے ہونے ہیں، لہٰذا مطاف کی طرف سے باہر نکلنے والوں کی رہنمائی کے لیے جو مختلف رنگوں کے پانچ الکٹرانک بورڈ لگے ہوئے ہیں، انہیں خوب اچھی طرح سے پہچان لیں۔ یہ بورڈ حرم شریف کے پانچ میں گیٹوں کی سیدھ میں لگائے گئے ہیں، چونکہ ان میں کا ہر گیٹ مکہ مکرمہ کے مختلف محلوں میں کھلتا ہے، لہٰذا ان بورڈوں کو پہچان لینے میں جو سب سے بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر حرم شریف سے نکلتے ہوئے خدانخواستہ آپ کھو بھی گئے تو اپنے مطلوبہ محلّہ میں ہی رہیں گے کسی دوسرے محلّہ میں نہیں نکلیں گے۔

(۸) سفر حج میں کئی چھوٹے موٹے اسفار کرنے پڑتے ہیں جیسے جدہ سے مکہ مکرمہ، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ کے اسفار، عام طور پر اپنے سفار کے ہر مرحلہ میں سامان کم سے کم رکھنے کی کوشش کریں نیز ہر سامان پر اپنے نام کیساتھ پلگرم پاس یا حوالہ نمبر لکھنا نہ بھولیں۔ جیسا کہ قیمتی سامانوں پر اپنا یا کیر آف کر کے کسی دوسرے جاننے والے کا ٹیلیفون نمبر لکھ دینا بھی گمشدگی کی شکل میں پھر دوبارہ دستیابی بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

(۹) بسوں پر سامان رکھواتے یا ان پر سے اترواتے ہوئے اپنے سامانوں کی پوری نگرانی رکھیں تاکہ کوئی سامان چھوٹنے نہ پائے۔

(۱۰) کبھی بھی، کسی حال میں اور کسی کے کہنے پر بھی دس، بیس یا بہت ہوئے تو پچاس ریال سے زیادہ رقم لے کر بھیڑ کی جگہوں میں نہ جائیں چاہے وہ حرم شریف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس مقدس مقام پر دل ودماغ اگر پیسوں کی حفاظت میں مشغول رہتے ہیں تو یہ اس مقام کی بے ادبی ہے اور اگر ایسا نہیں تو حرم کی ہوشربا بھیڑ میں آپ کے پیسے محفوظ رہ جائیں گے کیسے یقین کیا جاسکتا ہے؟

(۱۱) موقع ہی پہلی فرصت میں اپنی قیمتیں چیزیں ہوں یا دیگر رقومات اپنے معلم صاحب کے پاس بطور امانت جمع کر کے رسید لے لیں پھر بوقت ضرورت ان میں سے لیتے اور خرچ کرتے رہیں، وقتاً فوقتاً جو پیسے لیتے رہیں انکا اپنی امانت رسید میں اندراج کرواتے رہنا نہ بھولیں، تاکہ جمع شدہ پیسوں میں شک وشبہ یا بھول چوک کی گنجائش نہ رہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہر معلم کے آفس میں اپنے حجاج کی امانتیں جمع کرنے کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی احتیاط کا جو مناسب طریقہ معلوم ہو اختیار کریں، مگر اپنی جیب، بٹوہ یا بیلٹ میں رکھنے کا مطلب ضائع ہونے کے تجربہ کو ہرگز دہرانے کی کوشش نہ کریں۔

(۱۲) نمازوں کی خاطر یا دوسرے کاموں سے کمرہ بند کر کے باہر جاتے ہوئے کمرہ کا ایئر کنڈیشن، بجلی یا پنکھا بند کرنا نہ بھولیں۔

(۱۳) جانداروں کے لیے سرچشمۂ حیات، پانی کا بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب ہوگا، لہٰذا اس کے اپنے ہر استعمال میں عموماً اور ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے پندرہ تاریخ تک خصوصاً پوری پوری کفایت شعاری برتیں۔

(۱۴) یہاں سعودی عرب میں چونکہ ایک نئی اور گرم آب وہوا سے آپ کا سابقہ ہے، چنانچہ دوپہر کی تیز دھوپ سے جہاں تک ممکن ہو سکے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ مشروبات اور پانی خوب کثرت سے پیا کریں تاکہ خدانخواستہ متاثر نہ ہوں۔

(۱۵) ہندوستانی حج آفس مکہ مکرمہ/معلم صاحب کے اعلان کے مطابق جو مدینہ منورہ کی

روانگی سے متعلق آپ کی عمارت میں لگا ہوا ملے گا مدینہ منورہ جانے کے لیے تیار رہیں اور روانگی کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس کے مطابق اپنی بسوں میں سوار ہو جائیں۔ کسی کی غیر حاضری یا انتظار کی وجہ سے اگر بس لیٹ ہوئی جس کی وجہ سے بس میں سوار دوسرے حجاج کرام کو تکلیف اٹھانی پڑی تو اس کا گناہ یقیناً اسی کے سر جائے گا چاہے دیری کا سبب بڑے سے بڑا ثواب کا کام ہی کیوں نہ ہو۔ معلوم رہے کہ جو حجاج حج سے قبل مدینہ منورہ جا رہے ہوں ان پر طواف وداع ابھی واجب نہیں، کیونکہ یہ طواف وطن واپسی سے پہلے آخری اوقات میں کرنا ہے، جب کہ ان حجاج کرام کو تو حج سے قبل ابھی پھر لوٹ کر مکہ مکرمہ آنا ہے۔

(۱۶) مدینہ منورہ کا سفر اگر حج سے قبل ہو رہا ہو تو ہلکا پھلکا سامان ساتھ رکھیں جیسے دو جوڑے پہننے کے کپڑے جن میں ایک جوڑا گرم کپڑوں کا بھی ہو تو بہتر ہے، اوڑھنے کی چادر یا کمبل کیونکہ مدینہ منورہ میں بعض مرتبہ موسم میں یکا یک خوشگوار خنکی بڑھ جاتی ہے، احرام کی چادریں، کیونکہ آتے وقت آپ کو ذوالحلیفہ سے (جس کو بیر علی بھی کہتے ہیں یہ مقام مدینہ منورہ یا اس کے اطراف و جوانب سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے میقات ہے) عمرے کا احرام بھی باندھنا ہے، دیگر ضروریات کی چیزیں جو آپ مناسب سمجھتے ہوں، کیونکہ آپ کو وہاں نو دس روز رک کر چالیس نمازیں بھی پڑھنی ہیں۔

(۱۷) ذوالحلیفہ کی میقات پر احرام باندھنے کے لیے جب اپنی بسوں سے اتریں تو اترتے وقت اپنی بسوں کی نمبر وغیرہ دیکھ کر اچھی طرح پہچان لیں نیز دوسرے رفقائے سفر خصوصاً عورتوں اور عمر رسیدہ و کم پڑھے لکھے لوگوں کو پہچان کرا دیں تاکہ وہاں کی مسجد سے احرام باندھ کر واپس اپنی بسوں تک پہنچنے میں کسی طرح کی دشواری نہ ہو، کیونکہ ان دنوں میں وہاں ایک جیسی سیکڑوں بسیں کھڑی رہتی ہیں۔

(۱۸) آپ کی مطلوبہ راحت و آرام اور ہر مرحلے میں پورے پورے تعاون کی خاطر، خصوصاً جب کہ پچھلے سالوں کے مقابلے میں امسال حجاج کی تعداد کہیں زیادہ ہے، حج کا اسٹاف کافی بڑھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی وجہ اپنے قریبی حج آفس و ڈسپنسری نہ پہنچ سکے تو بھی وہاں سے کوئی نہ کوئی دن میں کم از کم ایک بار آپ کے حال واحوال اور آپ کی عمارت

سے متعلقہ حالات کی جانچ پڑتال کے لیے آپ تک پہنچے گا۔ اگر ایسا نہیں تو آپ ضرور اپنے قریبی، حج آفس، وڈسپنسری کے ذمہ دار حکومت کو صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

(۱۹) اپنے حجاج کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر حکومت ہندوستان نے مکہ مکرمہ کے مسفلہ محلّہ میں واقع پورے سال خدمت انجام دیتے رہنے والے مین حج آفس وڈسپنسری کے علاوہ مزید نو برانچ حج آفیسز وڈسپنسریاں کھولی گئی ہیں۔ مدینہ منورہ مین بھی ستیں روڈ پر قطان ہوٹل کے سامنے اور نیشنل کمپنی کے پاس واقع سال بھر خدمت انجام دینے والا مین حج وڈسپنسری کے علاوہ مزید دو برانچ حج آفیسز ڈسپنسریاں کھولی گئی ہیں تاکہ بسلسۂ طبی ہوں یا دیگر عمومی خدمات آپ کی ہر آواز پر فوری، لبیک کہا جاسکے۔

(۲۰) آپ کی رہائشی عمارتوں کے ہر کمرے کے لیے مخصوص حجاج کرام کمپیوٹر لسٹ کمرے کے دروازے پر تو ہوگی ہی ساتھ ساتھ اس کمرے کی تعداد بتانے والا اسٹیکر بھی ہوگا۔ اگر مقررہ تعداد کے مطابق کمرے میں قیام کرنے والے سارے حجاج کرام ابھی نہ پہنچے ہوں اور اسی بیچ حسب پروگرام آپ مدینہ منورہ جارہے ہوں تو جاتے وقت یا تو کمرے میں تالا لگا کر نہ جائیں یا چابی کسی ذمے دار کے حوالہ کر کے جائیں تاکہ آپ کے غائبانہ میں اگر کمرے کے بقیہ حجاج آگئے تو انہیں ٹھہرانے کے لیے کمرے کا تالا نہ توڑنا پڑے۔

(۲۱) اپنے وقتی چندروزہ قیام کے مراحل میں سے ہر مرحلے میں ہمیشہ اپنا قیمتی وقت عبادت، تلاوت، ذکرواذکار اور حج کے مسائل سیکھنے سمجھنے میں صرف کریں بلاوجہ کسی بھی اجنبی اور انجان شخص سے روابط نہ بڑھائیں چاہے وہ آپ کی عمارت کا دربان ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کے نتائج اچھے نہیں پائے گئے۔

(۲۲) اگر آپ کو کسی حاجی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہو تو اس کے لیے قونصیلٹ جنرل آف انڈیا نے محلّہ مسفلہ کے ابراہیم خلیل روڈ پر ایک پلگرام انفارمیشن سینٹر کھول رکھا ہے جہاں سے حج کمیٹی کے ذریعے ہوئے کسی بھی حاجی صاحب کا صرف نام یا پلگرام پاس نمبر/حوالہ نمبر بتا کر ان کی رہائش اور آمدورفت کے بارے میں ساری معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۲۳) خدانخواستہ اگر آپ کا کوئی سامان کھو جائے تو جہاں حج آفس میں اپنی شکایت درج کرائیں وہیں مسفلہ محلّہ کے ہجرہ روڈ پر واقع برانچ حج آفیس نمبر (۱) سے بھی رجوع کریں یہاں قونصلیٹ کے حجاج کرام کے کھوئے ہوئے سامانوں کو رکھنے کے لیے کمرہ امانات کے نام سے ایک کمرہ خاص کر رکھا ہے۔

(۲۴) معلم صاحب کی طرف سے دیا گیا پیلا کلائی بند ہو یا حج کمیٹی کی طرف سے ملا ہوا اسٹیل کا کڑا انہیں خود بھی پہنے رہیں اور اپنی جماعت کے کمزوروں، ضعیفوں اور عورتوں کو بھی پہنے رہنے کی تاکید کرتے رہیں تاکہ حج کی زبردست بھیڑ میں بھولنے بھٹکنے کی صورت میں ان کلائی بندوں پر درج تفصیلات کی مدد سے ان کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنا آسان ہو سکے۔

(۲۵) منیٰ عرفات، مزدلفہ وغیرہ کی چند ساعتی قیامگاہیں ہوں یا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طویل المدتی، دامن سے لپٹی، پریشانی چھوٹی موٹی ہو یا خدانخواستہ بڑی سے بڑی، کبھی بھی خوف وہراس کو اپنے پاس نہ بھٹکنے دیں بلکہ ''دل اور بڑھ گیا کوئی مشکل جو آپڑی'' کے اصول کے تحت مزید حوصلہ مندی اور بلندی ہمتی سے ان کا مقابلہ کریں۔ اسی طرح یہ بات بھی یاد رہے کہ کسی بھی آفت ومصیبت کے گزرنے کے بعد ان میں گرفتار آدمیوں کو وہیں ڈھونڈا جائے گا جو ان کی مخصوص جگہیں ہیں یا جہاں سے وہ بچھڑے ہیں، لہٰذا ایسے حضرات کو یا تو اپنی جگہوں سے ہٹنا ہی نہیں چاہئے یا اگر وقت کا تقاضہ ہٹنا ہی ہو تو بھی دوبارہ موقع ملتے ہی پھر اپنی جگہ پر آموجود ہونا چاہئے، تاکہ قونصلیٹ کا عملہ ہو یا آپ کے رفقاء سفر آپ کو پانے اور خبر گیری میں جلد کامیاب ہو سکیں۔

(۲۶) پچھلے سالوں کے تجربات کی روشنی میں آپ کو یہ بتا دینا نہایت ہی ضروری ہے کہ تقریباً ہر سال ہی حج کے ایام میں کچھ دھوکے باز قسم کے لوگ حجاج کرام سے کسی نہ کسی طرح اپنے روابط بڑھاتے ہیں پھر انہیں پوری طرح اپنے اعتماد میں لیکر سستی قربانیوں کا جھانسہ دیتے ہوئے ایک لمبی رقم اینٹھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جب کہ ان کا مقصد صرف اور صرف حجاج کرام کو ٹھگنا ہوتا ہے۔ آپ اس قسم کے لوگوں سے ہمیشہ ہوشیار رہیں۔ اپنی قربانی یا تو خود اپنے ہاتھ سے کریں یا اپنے رفقائے سفر میں سے کسی معتبر شخص کے ذریعے کرائیں

یا پھر بینک سے قربانی کا کوپن خرید کر انجام دیں۔
(۲۷) سفر حج کے دوران تو ہمیشہ ہی مگر خصوصاً بھیڑ کی جگہوں میں اپنے سے کمزوروں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا پورا خیال اور تعاون کرتے ہوئے ثواب کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔
(۲۸) یہاں پر مقیم اپنے کسی بھی ملاقاتی کو اپنے کمرے میں لانے سے پرہیز کریں، کیونکہ مقامی ذمہ داروں کی طرف سے کسی کو اپنے کمرے میں بلانا منع ہے۔ اس کے علاوہ جس کمرے میں آپ مقیم ہیں وہاں دوسرے حجاج بھی تو رہتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اجنبی کا وجود ان کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ خدانخواستہ اسی دوران عمارت میں اگر کوئی گڑبڑی پیش آجاتی ہے تو اس ملاقاتی کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی پوچھ کچھ اور انکوائری کے مراحل سے گزرنا پڑے گا اور اس طرح خواہ مخواہ ایک غیر ضروری معاملے میں الجھ کر آپ کی عبادت وریاضت کے قیمتی اوقات متاثر ہونگے۔ لہٰذا اگر کسی ملاقاتی سے ملنا ہو تو باہر ہی مل کر رخصت کردیا کریں۔
(۲۹) اپنے اعزہ واقارب کو بطور تحفہ دینے کے لیے تسبیح، جانماز اور رومال جیسی جو بھی چھوٹی موٹی چیزیں خریدنی ہوں انہیں حج کے بعد خریدیں، خریداری کا ارادہ کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھیں (۱) مارکیٹ میں جانے سے قبل ہر حال میں ضروری چیزوں کی ایک لسٹ بنالیں اور اسی کے مطابق خریدیں یہ لسٹ مارکیٹ میں پہنچ کر نہ بنائیں ورنہ غیر ضروری چیزیں خرید لی جائیں گی اور ضروری چیز رہ جائیں گی۔ (۲) ہوائی جہاز پر اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ایک محدود وزن کی ہی اجازت ہے جس سے بڑھنے کی صورت میں آپ کو ہر کلو کے حساب سے زیادہ وزن کا چارج دینا پڑے گا، جب کہ ہندوستان پہنچ کر کسٹم کے مراحل بھی درپیش ہونگے۔ لہٰذا جس حد تک ہوسکے کم سے کم سامان خریدیں۔
(۳۰) حرم شریف کی تقریباً ہر فرض نماز کے بعد جنازے کی نماز کا اعلان ہوتا ہے اور نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، چنانچہ فرض نمازوں کے بعد احتیاطاً دو چار منٹ رک کر ہی ان کی سنتیں ونوافل کی نیت باندھیں تاکہ اتنے بڑے مجمع میں حرم شریف کے اندر پڑھی جانے

والی نمازِ جنازہ کے ثواب سے آپ بھی مستفیض ہوسکیں جس میں شرکت کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت ہے۔

(۳۱) معلم صاحب کی طرف سے آپ کو جو فوٹو والا شناختی کارڈ دیا گیا ہے وہ صرف مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے لیے ہی کارآمد ہے جدہ کے لیے نہیں۔ جیسا کہ خود اس کارڈ پر بھی سرخ حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا قطعاً اس کارڈ کے بل بوتے پر جدہ وغیرہ کا سفر نہ کریں، کیونکہ خدانخواستہ اگر آپ راستے میں پکڑے گئے اور اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود حج سے قبل نہ چھوٹ سکے تو پھر آپ کے حج کا کیا ہوگا۔

(۳۲) اپنے رفقائے سفر بلکہ عام لوگوں کے ساتھ بھی ہمہ وقت بلند ترین اخلاق کا مظاہرہ کریں جس کی معمولی جھلک یہ ہے کہ آپ کی ذات سے کسی کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہ پہنچے یہاں کے سارے مقدس مقدمات کا تہ دل سے احترام کریں جس کا سب سے کمتر نمونہ یہ ہے کہ ہر اس عمل، برتاؤ، بات یہاں تک کہ خیال سے بھی پرہیز کریں جس پر آپ کا دل تھوڑی سی بھی بے اطمینانی محسوس کرتا ہو۔

(۳۳) حرم شریف جاتے ہوئے کپڑے یا پلاسٹک کی ایک تھیلی رکھ لیا کریں تاکہ اس میں اپنے جوتے چپل رکھ سکیں۔ نیز اسے ایسی جگہ رکھنا بھی نہ بھولیں جہاں گم ہونے یا حرم شریف میں صفائی ستھرائی کرنے والے کارکنوں کے ہاتھوں پھینکے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ (جوتے اگر اپنے ساتھ ہوں تو کسی بھی گیٹ سے نکل کر جاسکتے ہیں)۔

(۳۴) حج کی سخت بھیڑ میں حرم شریف کے گیٹوں میں کھڑے ہو کر اپنے جوتے چپل پہننا بھی اپنے پیچھے نکلنے والے لوگوں کو اذیت پہنچانے کے برابر ہے، لہٰذا اس سے بچتے ہوئے اپنے جوتے چپل ان گیٹوں سے تھوڑی دور نکل کر پہنا کریں۔

(بشکریہ ندائے شاہی حج وزیارت نمبر جنوری ۲۰۰۱ء)۔

کیا مالدار ہی حج کر کے جنت کے مستحق ہیں؟

سوال:۔ حج کر کے صرف امیر آدمی ہی جنت میں جاسکتا ہے؟ کیونکہ اس کے پاس حج پر جانے کے لیے مناسب رقم ہے جب کہ غریب محروم ہے؟ اور آج کے زمانہ میں کسی کا حج

بھی قبول نہیں ہورہا ہے، کیونکہ میدان عرفات میں اسلام کے دشمنوں کے نابود ہونے (مٹنے) کی دعاء بڑے خشوع وخضوع سے کرتے ہیں اوران کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ دنیا سے برائی ختم ہونے کی دعا کرتے ہیں، لیکن برائیاں بڑھ رہی ہیں، گویا یہ انکے دعاء کے نہ مقبول ہونے کی علامات ہیں؟

جواب:۔ حج صرف صاحبِ استطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ مگر جنت صرف حج کرنے پرنہیں ملتی۔ بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ غریب آدمی انکے ذریعہ جنت کماسکتا ہے۔ حدیث شریف میں تو یہ آتا ہے کہ ''فقراء ومہاجرین امراء سے آدھادن پہلے جنت میں جائینگے''۔

حج کس کا قبول ہوتا ہے کس کا نہیں؟ یہ فیصلہ تو قبول کرنے والا ہی کرسکتا ہے، یہ کام میرے اورآپ کے کرنے کا نہیں۔ اورنہ ہم کسی کے بارے میں یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ اس کی فلاں عبادت قبول ہوئی یا نہیں۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے شرائط کی پابندی کے ساتھ حج کے ارکان صحیح طور پرادا کئے اس کا حج قبول ہوگیا۔ رہا دعاؤں کا قبول ہونا یا نہ ہونا، یہ علامت حج کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی نہیں۔ بعض اوقات نیک آدمی کی دعاء بظاہر قبول نہیں ہوتی اور برے آدمی کی دعاء ظاہر میں قبول ہوجاتی ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برائی اورشر کے غلبہ کی وجہ سے نیک لوگوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے'' کہ ایک وقت آئے گا کہ نیک آدمی عام لوگوں کے لیے دعاء کرے گا، حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے تو اپنے لیے جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ، میں تجھ کو عطا کرونگا، لیکن عام لوگوں کے لیے نہیں، کیونکہ انہوں نے مجھ کو ناراض کرلیا ہے۔'' (کتاب الرقائق: ص۱۵۵، ص۲۸۴)

اور یہ مضمون بھی احادیث شریف میں آتا ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم کرواور برائی کو روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب عام کی لپیٹ میں لے لیں پھر تم دعائیں کرو تو تمہاری دعائیں بھی نہ سنی جائے گی۔ (ترمذی شریف: ج۲/۳۹)

اس وقت امت میں گناہوں کی کھلے بندوں اشاعت ہورہی ہے اوراللہ تعالیٰ کے بہت کم بندے رہ گئے ہیں جو گناہوں پرروک ٹوک کرتے ہیں۔

اس لیے اگر اس زمانے میں نیک لوگوں کی دعائیں بھی امت کے حق میں قبول نہ ہو تو اس میں قصور ان نیک لوگوں یا ان کی دعاؤں کا نہیں بلکہ ہماری شامت اعمال کا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔ (آمین) (آپ کے مسائل: ج۴/ ۲۹)

جھوٹ اندراج کر کے حج کیلئے جانا؟

سوال:۔ حج کے درخواست فارم میں اس بات کا بھی اقرار ہوتا ہے کہ پانچ سال کے اندر حج نہ کیا ہو اگر کوئی شخص جا چکا ہے تو کیا یہ شخص دھوکہ دینے والا کہلائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ حج عظیم عبادت ہے جس کے ذریعہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جھوٹ گناہ ہے۔ عبادت کے لیے گناہ کی اجازت نہیں، ویسے بھی خلاف قانون چیز کا ارتکاب اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو قرینِ دانشمندی نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ج۱۷/ص۱۹۹)

مسئلہ:۔ دھوکہ دینے والا کہلانے میں کیا شبہ ہے؟

مسئلہ:۔ اسکے لکھنے یا دستخط کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر ایسا لکھ دے یا دستخط کر دے گا تو گنہگار ہوگا، مگر اس سے جو حج فرض ادا کر چکا ہے وہ باطل ہو کر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہوگا، البتہ حج فرض کے ذریعہ سے گناہ صاف ہو کر پاک وصاف ہو گیا وہ پاکی بعد خطاء اب باقی نہیں رہے گی، گناہ میں ملوث ہو جائے گا، اس لیے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷/ص۱۸۷)

مسئلہ:۔ جھوٹ، زبانی ہو یا تحریری، بہرحال جھوٹ ہے اور دروغ (جھوٹ) حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح و برا ہے، حلفیہ دروغ بیانی کی ضرورت نہیں کیونکہ قانون کی مخالفت تو اور بھی خطرناک ہے، جعل کھل جانے پر مال وعزت دونوں کا خطرہ ہے۔ ایسا خطرہ مول لینا قرین دانشمند نہیں ہے۔ تاہم حج فرض ادا ہو ہی جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۱۳/ص۱۷۱)

مسئلہ:۔ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک حج کو نہیں جا سکتا، ایسی پابندی لگانے کا کوئی شرعاً حق نہیں ہے۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹے حلف نامہ پر دستخط کرنا گناہ ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۳/ص۱۷۱)

سرکاری دورہ پر حج کرنا؟

سوال:۔ زید سرکاری ڈاکٹر ہے، اس سال حکومت کی جانب سے وہ بحیثیت ملازم سعودی عرب چار ماہ کے لیے بھیجا جا رہا ہے، زمانہ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا، تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اُتر جائے گا یا صاحبِ استطاعت ہونے کے بعد دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا کیا ضروری ہوگا؟

جواب:۔ اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا تب بھی فریضۂ حج ادا ہو جائے گا پھر صاحب استطاعت ہونے سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴/ص ۱۷۳)

سرکاری روپیہ سے حج کرنا؟

سوال:۔ حکومت حج کے زمانہ میں حاجیوں کی دیکھ بال کیلئے کسی کو افسر منتخب کر کے اسکے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اور اس کیلئے بقدر ضرورت تمام رقم پیشگی دے دیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں، ان کا یہ حج کیسا ہے؟ ان کا یہ حج فرضیت حج میں شمار ہوگا یا نفل میں؟

جواب:۔ جب کوئی خود صاحب نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں مگر وہ پیدل پہنچ جائے یا کوئی اس کو ساتھ لے جائے یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا جس سے وہ وہاں پہنچ گیا اور حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ پھر مالدار ہو جانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ ”کسی فرض کی ادائیگی کے لیے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں بلکہ ان کا حصول ہو جائے خواہ کسی طریقہ سے ہو تو بھی کافی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷/ص ۲۱۱)

(سرکاری ملازم، سرکاری مصارف سے حج کرنے کیلئے جائے یا سرکاری دورہ پر جائے یا کسی بھی ادارہ کا ملازم سعودی دورہ پر جائے تو سفر کے دوران حج کرتے ہوئے آجائے تو اس سے اس کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا جب کہ اس پر حج فرض ہو گیا ہو اور اگر حج

فرض نہیں تھا حج ادا کرنے کے بعد مالدار ہو گیا یعنی صاحب استطاعت ہو گیا تو پھر بھی اپنے پیسے سے حج کرنا لازم نہ ہو گا کیونکہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں پہنچ کر حج ادا کرنے سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے چاہے جس طریقہ سے بھی پہنچ جائے۔ لیکن مطلق حج کی نیت کرنی چاہئے اگر نفل حج کی نیت کریگا تو آئندہ کا فریضہ ادا نہ ہو گا)۔(محمد رفعت قاسمی)

کیا بیت اللہ شریف کو دیکھنے سے حج فرض ہوتا ہے؟

مسئلہ:۔ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنا مکروہ یعنی خلاف اولیٰ ہے اور جب وہ (حج بدل یا عمرہ کرنے والا) کعبہ شریف پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کا احرام (حج بدل کا) باندھے ہوئے ہوتا ہے اس واسطہ اس کو (دیکھنے والے) پر زیارت کعبہ سے حج فرض نہیں ہوتا۔

(امداد الاحکام: ج ۲/۱۹۹)

تاجر دوکاندار کے لیے حج کا حکم

مسئلہ:۔ جس شخص کے پاس پچاس ہزار کا سامان دوکان میں موجود ہے۔ اگر اس میں سے بقدر مصارف حج کے فروخت کر کے اتنا سرمایہ دوکان میں باقی رہے کہ اس میں تجارت کر کے یہ شخص مع اہل وعیال کے متوسط حال سے گزر کر سکے تو بقدر مصارف حج کے سامان کا بیچنا لازم ہے اور اس پر حج فرض ہے۔

اور اگر باقی میں تجارت کر کے گزر نہ ہو سکے تو حج واجب نہیں ہے بشرطیکہ اس شخص کا گزر تجارت پر ہی ہو۔ (امداد الاحکام: ج ۲/۱۵۳)

جس کے پاس صرف مویشی یا غلہ ہو اس کیلئے حج کا حکم

مسئلہ:۔ چالیس ہزار کے مویشی (جانور) ہوں تو اگر یہ شخص کاشتکار یا زمیندار ہے اور یہ مویشی سب کے سب کھیتی کے کام میں مشغول ہیں، یا یہ جانور سواری کے لیے ہیں اور کبھی کبھی سواری کے کام میں آتے ہیں تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں، نہ اس مویشی کا بیچنا لازم ہے، اور اگر یہ جانور دودھ پینے کے لیے ہیں اور اسکے اہل وعیال کا گزران کے دودھ ہی پر ہے اس کے سوا اور کوئی صورت معاش (کمائی) کی نہیں، نہ زمین کا غلہ ہے نہ اور کچھ، تب بھی اس پر

ان کا بیچنا لازم نہیں، بشرطیکہ اگر مصارف حج کے لیے مصارف بعض کو فروخت کیا جائے تو باقی مواشی سے گزارہ نہ ہو سکے، اور نہ حج فرض ہے، اور اگر اس کی معاش ان جانوروں کے دودھ پر موقوف نہیں ہے یا موقوف ہے، لیکن ان میں سے بقدر مصارف حج کے ایک دو یا زیادہ جانوروں کے فروخت کرنے کے بعد باقی ماندہ مویشی گزارہ کافی ہیں، یا یہ جانور تجارتی ہیں اور ان کی تجارت پر اس کا گزر موقوف نہیں، یا موقوف ہے، مگر مصارف حج کے لیے ایک دو یا زیادہ بیچنے کے بعد باقی ماندہ کی تجارت اس کے گزر کو کافی ہے، تو بقدر حج کے ایک یا دو زیادہ جانور کو بیچ کر اس پر حج کرنا فرض ہوگا۔ رہا غلہ جو پچاس ہزار کا ہے تو اگر یہ سارا غلہ صرف کھانے کے ہی استعمال میں آتا ہے تب تو حج فرض نہیں اور اگر کچھ کھایا جاتا ہے باقی بیچا جاتا ہے تو جتنا ضرورت سے زائد ہے اس کو بیچ کر حج کرنا فرض ہوگا جب کہ وہ زائد غلہ فروخت ہونے کے بعد زاد و راحلہ و مصارف کو کافی ہے۔ (یعنی اس کے حج کا خرچہ اور سفر حج کے دوران اہل و عیال کا خرچ کافی ہو)۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۵۳! ہکذا معلم الحجاج: ص ۷۹)

کیا مال ضائع ہونے پر حج ساقط ہو جائے گی؟

مسئلہ:۔ اگر اس کے پاس مال بقدر حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جا رہے تھے، بلکہ وقتِ حج میں دیر تھی اور وقت حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہو گیا تو اس کے ذمہ حج نہیں، اگر زمانہ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کیا تھا، مگر بغیر اسکے اختیار کے مال ضائع ہو گیا تب بھی اس کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر خود اپنے اختیار سے مال ایسی جگہ خرچ کر دیا جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا حکم نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ: ج ۳/۱۷۹)

زمین بیچ کر حج کرنا؟

سوال:۔ جس شخص کے پاس زمین ہے نقد روپیہ موجود نہیں تو کیا زمین فروخت کر کے حج کرنا ضروری ہے؟

جواب:۔ جس شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین ہو کہ اس کا ایک ٹکڑا حج کے خرچہ کیلئے فروخت کرنے کے بعد بھی اتنی زمین باقی رہے جو اسکے اور اہل و عیال کے گزر کے لیے کافی

ہے تو ایسے شخص کے ذمہ اپنی زمین کا کچھ حصہ حج کیلئے فروخت کرنا لازم ہے، اور اس پر حج فرض ہے۔ اور اگر مصارف حج کے واسطے ایک ٹکڑا زمین کا بیچنے کے بعد باقی زمین اس کے اور اس کے اہل وعیال کے گزارہ کو کافی نہیں رہتی تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں اور نہ زمین کا فروخت کرنا فرض ہے۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۵۲ بحوالہ خانیہ: ج ۱/ص...... وہکذا احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۶، معلم الحجاج ص ۷۹)

مسئلہ:۔ اگر جائداد وصحرائی اس قدر ہے کہ اس کی آمدنی اور پیداوار اس کے اور اہل وعیال کے سالانہ خرچ سے زیادہ نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں اور فروخت کرنا زمین کا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۱۵ بحوالہ رد المختار کتاب الحج: ۲/ ۱۹۶ وہکذا احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۲)

مسئلہ:۔ جو زمین جائداد گزر اوقات سے زیادہ نہ ہو اس کو فروخت نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کی ملکیت سے بسر اوقات کرنا شرعاً معتبر نہیں۔ اپنی آمدنی کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور شریعت میں لحاظ جائز آمدنی کا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۳۷)

جائداد گروی رکھ کر حج کو جانا

مسئلہ:۔ اگر حج فرض ہو چکا ہے تو قرض لے کر حج کر سکتے ہو، اور رہن کرنا جائداد کا اس طرح کہ نفع اس کا مرتہن لیوے تو جائز نہیں اور اگر منافع زمین کا مرتہن نہ لیوے تو درست ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ج ۴ص ۵۱۷ بحوالہ رد المختار ج ۵ص ۴۶۲)

مسئلہ:۔ مالک مکان خود اپنے مکان میں اوپر رہتا ہے اور نیچے کا مکان زائد از حاجت ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہوا۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۳۷ بحوالہ ج ۲/ص ۱۹۴)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس اتنا بڑا مکان ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ رہنے کے لیے کافی ہے اور باقی کو بیچ کر حج کر سکتا ہے تو اس کا بیچنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر ایسا کرے تو افضل ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا بڑا مکان ہے کہ اس کو بیچ کر حج بھی کر سکتا ہے اور چھوٹا سا مکان بھی خرید سکتا ہے تو اس کا بیچنا ضروری نہیں ہے اگر ایسا کرے تو افضل ہے۔

مسئلہ:۔ کسی کے پاس ضرورت سے زائد مکان ہے، یا ضرورت سے زائد سامان ہے یا زمین وباغ وغیرہ ہے کہ اس کی آمدنی کا محتاج نہیں ہے اور ان کی اتنی مالیت ہے کہ ان کو بیچ کر حج

کرسکتا ہے توان کو حج کے لیے بیچنا واجب ہے۔ (معلم الحجاج/ص ۷۹)

ناجائز طور پر قبضہ کی گئی رقم سے حج کرنا؟

سوال:۔ کسی کی ذاتی چیز پر دوسرا آدمی قبضہ کرے اوراس کا مالک بن بیٹھے تو کیا وہ حج کرسکتا ہے؟

جواب:۔ دوسرے کی چیز پر ناجائز قبضہ کر کے اس کا مالک بن بیٹھنا گناہِ کبیرہ اور سنگین جرم ہے۔ ایسا شخص اگر حج پر جائے گا تو حج سے جو فوائد مطلوب ہیں وہ اس کو حاصل نہیں ہوں گے۔ حج پر جانے سے پہلے آدمی کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے ذمہ جو کسی کا حق واجب ہو اسے ادا کردے۔ کسی کی امانت اس کے پاس ہو تو اسے واپس کردے۔ کسی کی چیز قبضہ کر رکھی ہو تو اس کو واپس کردے۔ کسی کا حق دبا رکھا ہو تو اس کو ادا کردے۔ اسکے بغیر اگر حج پر جائے گا تو محض نام کا حج ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے ''ایک شخص دور سے (بیت اللہ شریف کے) سفر پر جاتا ہے اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن (سفر کی وجہ سے) میل کچیل سے اٹا ہوا ہے وہ رو رو کر اللہ کو ''یارب یارب کہہ کر پکارتا ہے'' حالانکہ اس کا کھانا حرام، لباس حرام، اسکی غذا حرام، اس کی دعاء کیسے قبول ہو''۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۱ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۳/ص ۱۱۶)

مسئلہ:۔ غصب کی ہوئی رقم سے حج کرے گا تو ذمہ سے حج ساقط ہو جائے گا مگر حج مقبول نہ ہوگا۔ اور کسی کا حق دبا لینے کا گناہ بھی ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱/ص ۱۷۲)

رشوت لینے والے کا حلال کمائی سے حج کرنا؟

سوال:۔ میں جس جگہ کام کرتا ہوں اس جگہ پر اوپر کی آمدنی بہت ہے، لیکن میں اپنی تنخواہ جو کہ حلال ہے علیحدہ رکھتا ہوں۔ کیا میں اپنی تنخواہ سے حج کرسکتا ہوں جب کہ میری تنخواہ میں ایک پیسہ بھی حرام نہیں ہے؟

جواب:۔ جب آپ کی تنخواہ حلال ہے تو اس سے حج کرنے میں کیا اشکال ہے؟
''اوپر کی آمدنی'' سے مراد اگر حرام کا روپیہ ہے تو اس کے بارے میں آپ کو پوچھنا

چاہئے تھا کہ حلال کی کمائی تو میں جمع کرتا ہوں اور حرام کی کمائی کھاتا ہوں۔ میرا یہ طرز عمل کیسا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ جس جسم کی غذا حرام کی ہو دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ الغرض آپ حج کے لیے جانا چاہتے ہیں تو حرام کی کمائی سے توبہ کریں۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۲)

تحفہ یا رشوت کی رقم سے حج کرنا؟

سوال:۔ میں ایک دفتر میں ملازم ہوں میرے تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ پیسے جمع کر کے حج کر سکوں۔ میرے پاس دفتر میں تھوڑی تھوڑی کر کے بطور تحفہ رقم ملی ہوئی ہے، میں نے کبھی حکومت سے کوئی بے ایمانی یا دھوکہ دے کر رقم نہیں لی بلکہ زبردستی رقم دی گئی ہے بطور تحفہ، کیا اس رقم سے حج کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ حج ایک مقدس فریضہ ہے مگر یہ اسی پر فرض ہے۔ جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔ آپ کو جو رقم تحفہ میں ملی ہے اگر آپ ملازم نہ ہوتے، کیا تب بھی یہ رقم آپ کو ملتی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ تحفہ نہیں ہے رشوت ہے اور اس سے حج کرنا جائز نہیں بلکہ جن لوگوں سے یہ رقم لی گئی ان کو لوٹانا ضروری ہے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۳ وہکذا فتاویٰ رشیدیہ/ص ۴۶۳ کتاب الحج)

رشوت کے ذریعہ ملازمت حاصل کرنے والے کا حج؟

مسئلہ:۔ رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا ناجائز ہے، مگر ملازمت ہوجانے کے بعد اپنی محنت سے اس نے جو روپیہ کمایا ہے وہ حلال ہے، اس رقم سے حج کرنا یا اپنے والدین کو حج کرانا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۷)

مسئلہ:۔ دفع ظلم اور اپنے جائز حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینی پڑے تو گنجائش ہے مگر دوسرے کی حق تلفی ہو، جس کی رعایت ضروری ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳/ص ۱۱۳ وہکذا درمختار مع شامی: ج ۱/ص ۱۹۸)

☆☆

حرام کمائی سے حج کرنا؟

سوال:۔ یہ تو متفقہ مسئلہ ہے کہ حج حرام کی کمائی کا قبول نہیں ہوتا، لیکن میں نے ایک مولوی صاحب سے سنا ہے کہ یہ شخص کسی غیر مسلم سے قرض لے کر حج کے واجبات ادا کرے تو امید کی جاتی ہے اللہ سے کہ اس کا حج قبول ہو جائے گا۔ پوچھنا یہ ہے کہ غیر مسلم کا مال تو ویسے بھی حرام ہے تو یہ کیسے حج ادا ہوگا؟

جواب:۔ غیر مسلم تو حرام وحلال کا قائل ہی نہیں، اس لیے حلال وحرام اس کے حق میں یکساں ہے اور مسلمان اس سے قرض لے گا تو وہ رقم مسلمان کے لیے حلال ہوگی اس سے صدقہ کرسکتا ہے، حج کرسکتا ہے، بعد میں جب اس کا قرض حرام پیسے سے ادا کریگا تو یہ گناہ ہوگا، لیکن حج میں حرام پیسے استعمال نہ ہونگے۔ (آپ کے مسائل ج ۴/ص ۴۲)

مسئلہ:۔ غیر مسلم سے روپیہ قرض لیکر حج کو جانے کی اصل یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں، اس لیے غیر مسلم سے جو قرض لیا جائے گا وہ شبہات سے خالی ہوگا دوسرے اگر حج کو جانے والے کے پاس مشتبہ رقم ہو تو اس مشتبہ رقم سے حج کرنا بہتر نہیں، اسکو چاہئے کہ قرض لیکر حج کو جائے مگر مسلمان سے قرض لیکر اس کے قرض کو مشتبہ مال سے ادا کرنا اشد ہے اور غیر مسلم کے قرض کو اس سے ادا کرنا اشد نہیں گو شدید ہے۔

(امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۵۹ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶/ص ۲۰۳)

ہیجڑہ پن کی کمائی سے حج کرنا؟

مسئلہ:۔ ہیجڑہ پن کی زندگی گزارنے والا ان تمام غیر شرعی افعال سے توبہ کرے اور جو روپیہ ان کے پاس جمع ہے جو اس (دھندہ وطریقے) سے کمایا ہے اس سے حج نہ کریں بلکہ کسی غیر مسلم سے حج کے لیے قرض لے کر حج کریں اور جو رقم اس کے پاس جمع ہے اس سے قرض ادا کردیں۔ آئندہ کیلیے زنانہ وضع چھوڑ دیں مردانہ لباس پہنیں اور اس کا ڈیرہ (ٹھکانہ، اڈہ) بھی ختم کردیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ ۱۵۹)

بانڈ کی رقم سے حج کرنا؟

مسئلہ:۔ پرائز بانڈ پر جو رقم ملتی ہے وہ جوا ہے اور سود بھی، جوا اس طرح ہے کہ بانڈ خریدنے والوں میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو اس بانڈ کے بدلہ میں دس روپیہ ہی ملیں گے، یا مثلاً پچاس ہزار۔ اور سود اس طرح ہے کہ پرائز بانڈ خرید کر اس شخص نے متعلقہ ادارہ کو دس روپیہ قرض دیئے اور اس ادارہ نے اس روپیہ کے بدلہ اس کو پچاس ہزار دس روپیہ واپس کئے۔ اب یہ زائد رقم جو انعام کے نام پر اس کو ملی ہے خالص سود ہے اور خالص سود کی رقم سے عمرہ اور حج کرنا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۵)

مسئلہ:۔ حرام مال سے حج کرنا نہیں چاہئے، تاہم اگر کر لیا جائے گا تو فریضہ ادا ہو جائے گا لیکن حج مقبول کا ثواب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۳ ص ۱۹۲ بحوالہ شامی ج ۱ ص ۱۹۱ ہکذا معلم الحجاج /ص ۸۱)

مسئلہ:۔ جو مال ناجائز طریقہ سے جمع کیا ہے اس کو منہا کرنے کے بعد باقی اگر حج کے لیے کافی ہو تو حج فرض ہوگا ورنہ حج فرض نہ ہوگا۔ اور جو مال حرام جمع کیا ہے اس کے اصل مالک کو اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے اگر نہ مالک موجود نہ اس کے ورثہ موجود ہوں تو بہ نیت گلوخلاصی (چھٹکارہ کی نیت سے) اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (ذمہ کو فارغ کرنا مقصود ہے ثواب کی نیت نہ کی جاوے)۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۲۰۷ ہکذا فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۱۶ بحوالہ ردالمختار ج ۲/ص ۱۹۱ حج بمال حرام)

ملازمین سے چندہ لیکر حج کے لیے قرعہ نکالنا؟

سوال:۔ ہمارے یونین نے ایک حج اسکیم نکالی ہے وہ ہر ملازم سے پچیس روپیہ ماہوار زبردستی ایک سال تک لیتی ہے۔ اس پیسہ سے قرعہ اندازی کر کے دو ملازم کو حج کے لیے کہا ہے۔ کیا اس پیسہ سے حج جائز ہے جب کہ ملازم یونین کے خوف سے چندہ دیتا ہے دل سے نہیں؟

جواب:۔ جو صورت آپ نے لکھی ہے اس طرح حج پر جانا جائز نہیں ہے۔ زبردستی رقم جمع کرانا اور اس کا قرعہ نکالنا یہ دونوں چیزیں ناجائز ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۳)

حج کیلئے ڈرافٹ پر زیادہ رقم دینا؟

مسئلہ:۔ ڈرافٹ منگانے کی جو صورت آپ نے لکھی ہے یعنی ۳۲/ ہزار دیگر ۳۰/ ہزار روپیہ لینا یہ تو سمجھ میں نہیں آتی۔ البتہ اگر پانچ ہزار روپیہ ایجنٹ کو بطور اجرت دیئے جائیں تو کچھ گنجائش ہو سکتی ہے روپیہ کے بدلے ڈالر یا کوئی اور کرنسی لی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی ادارہ ڈرافٹ منگوا دیتا ہو اور زائد رقم حقِ محنت کے طور پر وصول کرتا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۴)

بیٹی کی کمائی سے حج کرنا؟

سوال:۔ اگر بیٹی اپنی کمائی سے ماں باپ کو حج کرنا چاہے تو کیا یہ حج جائز ہے جب کہ اس کے بیٹے اس قابل نہیں ہیں؟

جواب:۔ بلاشبہ حج جائز ہے لیکن عورت کا محرم کے بغیر حج جائز نہیں۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۳)

نافرمان بیٹے کا حج کو جانا؟

سوال:۔ ماں باپ کے ناراض ہونے پر کیا بیٹے کا حج ہو جائے گا؟ سنا ہے کہ باپ معاف نہ کرے تو حج نہیں ہوتا؟

جواب:۔ اگر اس کا ذمہ حج فرض ہے تو اس کو حج پر جانا لازم ہے اور اس کا فرض بھی سر سے اتر جائے گا لیکن حج پر جانے والے کیلئے ضروری ہے کہ حج پر جانے سے پہلے تمام اہل حقوق کے حق ادا کرے اور سب کے حقوق معاف کرائے۔

پس آپ کے بیٹے کو چاہئے کہ وہ آپ کو راضی کرلے اور معافی مانگ لے اگر آپ اسکو معاف نہیں کریں گے تو اس سے اس کا نقصان ہوگا (فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن حقوق ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا) آپ کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی حالت سدھر جائے اس میں اس کا بھی فائدہ ہے اور آپ کا بھی۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۵)

مسئلہ:۔ حج فرض کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں البتہ حج نفل والدین کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۷)

مسئلہ:۔ جو شخص صاحب استطاعت ہو تو خواہ اس کے والدین نے حج نہ کیا ہو اس کے ذمہ حج فرض ہے اور حج فرض کے لیے والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۷)

مسئلہ:۔ والدہ کی ناراضگی کی حالت میں حج کو جائے تو اس شخص کا حج تو ادا ہو گیا وہ ایک مستقل عبادت تھی جو ادا کرنے سے ادا ہو گئی لیکن ماں (باپ) کی ناراضگی کا جو گناہ اس کی گردن پر ہے اس کی مکافات (جب کہ والدہ کا انتقال ہو گیا ہو) اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے کہ توبہ واستغفار کے بعد ان کے لیے ایصال ثواب کرے موت کے بعد ایصال ثواب ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے میت کی روح خوش ہوتی ہے اس کا نفع پہنچتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۳۱)

مسئلہ:۔ حج فرض نہ ہونے کی صورت میں بلا اجازت والدین کے حج کے لیے جانا جائز نہیں ہے جب کہ والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۳۱)

پہلے خود حج کرے یا والدین کو کرائے؟

سوال:۔ صاحب استطاعت پہلے اپنا حج کرے یا غیر مستطیع والدین کو کرائے؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر لڑکے کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ والدین کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے تو والدین کو ہمراہ لے جائے اور اگر اس وقت والدین کو ساتھ لے جانے کی حیثیت نہ ہو خود جانے کی استطاعت ہو تو اس وقت اپنا فریضہ ادا کرنا چاہیے پہلے والدین کو حج کرانا اس کے بعد پھر خود جانا یہ شرعی حکم نہیں ہے استطاعت ہو جانے پر والدین کو بھی حج کرانے کی نیت رکھے اور کوشش کرتا رہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۲ وہکذا فتاویٰ محمودیہ ج ۳/ ۱۷۸)

مسئلہ:۔ جب خود اپنے ذمہ حج فرض ہے تو والدین کو حج کرنے سے اس کا اپنا فرض ادا نہ ہوگا اس کو خود اپنا فرض حج کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۶/ص ۵۴۲ وہکذا آپ کے مسائل: ج ۴/ ۷۲)

مسئلہ:۔ اولاد کے ذمہ باپ کو حج کرانا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے اولاد کو مال دیا ہے تو ماں باپ کو حج کرانا ہی بڑی سعادت ہے۔ (آپ کے مسائل ج ۴:ص ۲۷)

مسئلہ:۔ مرد حج کے جانے کو لیے بیوی کی اجازت کا پابند نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے لیے واپسی تک نفقہ (ضروری خرچہ) کا انتظام کر کے جائے۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۵۶)

(یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ بعض لوگ ناواقفیت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک والدین کو حج نہ کرائیں خود ان کا حج ادا ہی نہ ہوگا اور اس غلط خیال کی بنیاد پر بوڑھے والدین کو حج کے لیے روانہ کر دیتے ہیں پھر ان ضعیف لوگوں کو حج میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ نا قابل بیان ہیں۔ اس لیے اچھی طرح سمجھ لیں کہ اپنے فرض حج کی دائیگی والدین کے حج پر موقوف نہیں ہے، پہلے خود اپنا فریضہ ادا کرنا چاہئے اور اگر والدین کو حج کرانے کا خیال ہو تو خدمت کے لیے ان کے ساتھ ضرور جائیں انہیں دوسروں کے حوالہ نہ کریں۔) محمد رفعت قاسمی۔

حج مقدم ہے یا بچے کی شادی؟

سوال:۔ میں سرکاری ملازم تھا ریٹائر ہونے پر ستر ہزار روپیہ مجھے ملا میرا ارادہ حج کا تھا، مگر اتفاق اس درمیان میرے لڑکے کی شادی کی امید ہو رہی ہے تو میں پہلے حج کروں یا بچے کی شادی کے لیے یہ رقم جمع کروں؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں آپ کے پاس جو رقم ہے وہ آپکے حوائج اصلیہ کے علاوہ مکہ مکرمہ تک آمد و رفت کے لیے کرایہ اور دیگر اخراجات کیلئے کافی ہو اور جن کا خرچہ آپ کے ذمہ لازم ہو سفر حج سے واپسی تک کیلئے انکو خرچہ دے سکتے ہوں تو آپ پر حج فرض ہے پہلے اپنے فریضہ حج کو ادا کر لیا جائے ممکن ہے بعد میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے اور آپ حج کی سعادت سے محروم رہ جائیں اور یہ عظیم فریضہ آپ کے ذمہ باقی رہ جائے۔

اولاد کا نکاح بھی بہت ضروری ہے احادیث شریف میں اس کی بہت تاکید آئی ہے فریضہ حج سے فراغت کے بعد ان کی شادی کی بھی فکر اور انتظام کیا جائے مگر ان کی شادی کی وجہ سے حج مؤخر نہ کیا جائے، فقہائے کرام نے مکہ مکرمہ تک آمد و رفت کا کرایہ اور جن کا خرچہ

ضروری ہے انکے خرچہ کا انتظام کرنے پر قادر ہونا بیان کیا ہے، بچوں کی شادی کا خرچ بیان نہیں کیا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کے مبارک سفر کا خرچ بھی حج کی فرضیت کے لیے ضروری قرار نہیں دیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ ۲۷۶ بحوالہ زبدۃ المناسک ج۱/ص۱۲ و ہکذا معلم الحجاج/ص۹۱)

ایک فتویٰ یہ بھی ہے کہ ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا، لیکن اس نے حج تو نہ کیا بلکہ وہ روپیہ اولاد کی شادی میں لگا دیا، اب وہ مفلس ہو گیا اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہ کیا تو؟

جواب:۔ اس پر حج فرض ہو چکا تھا اگر بلا حج کئے مر گیا تو حج فرض کا چھوڑنے والا ہوا اور (حج نہ کرنے کی وجہ سے) گنہگار ہوا۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج۶،ص۵۱۸ و فتاویٰ محمودیہ: ض۱۴،ص۱۶۵)

مسئلہ:۔ آج کل رسم رواج نے شادی کے لیے جو پابندیاں لازم کر دی ہے وہ اکثر ایسی ہیں جو کہ شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعاً ناجائز ہیں اگر مسنون طریقہ سے شادی کی جائے حج کو ملتوی یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۳،ص۱۷۸)

ملازمت کی تلاش میں حج کی نیت کرنا؟

سوال:۔ ایک شخص کی مالی حالت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہے وہ ملازمت کی غرض سے جدہ جانا چاہتا ہے لیکن ملازمت کے لیے ویزہ نہیں مل سکتا اس لیے وہ حج کے ویزہ پر جدہ کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا یہ حج و ملازمت دونوں کی نیت کرے؟ کیونکہ اصل مقصد ملازمت ہے؟ کیا یہ حج کے وقت حج کر سکتا ہے؟

جواب:۔ جب اس پر حج فرض نہیں تو ملازمت کی غرض سے جدہ کا سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حج کی نیت ہو تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ اگر اسباب حج میسر ہو جائے تو ضرور حج کرے ورنہ لازم نہیں ہے اور اس طرح جانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸،ص۳۱۶ و ہکذا احکام القرآن: ۳۵۱)

☆☆

ملازمت ختم ہونے کے خوف سے حج میں تاخیر کرنا؟

سوال:۔ میں ابھی تک سرکاری غیر مستقل ملازم ہوں اور غیر مستقل ہونے کی وجہ سے میرے حکام کو بالکل اختیار رہے چاہے جس روز اور جس وقت مجھے (خواہ کوئی قصور ہو یا نہ ہو) برخواست کردیں، چونکہ حج کے لیے مجھ کو طویل رخصت کی درخواست دینا ہوگی، لہٰذا بجائے رخصت کے منظور کرنے کے مجھے غالب اندیشہ ہے کہ وہ یہ ہی حکم دیں گے جائیے ہم نے ہمیشہ کے لیے آپ کو الگ کردیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اب تک میں فرض حج کرنے نہیں گیا اور ابھی چند سال تک چھٹی کی وجہ سے جانا ملتوی رہے گا، تو میں گنہگار تو نہ ہونگا؟

جواب:۔ تاخیر حج بلا عذر سے گناہ ہوتا ہے اور جو تاخیر عذر کی وجہ سے ہو اس سے گناہ نہیں ہوتا یہ تو قاعدہ کلیہ ہے۔ اب رہا یہ عذر جو آپ نے بیان کیا وہ عذر ہے یا نہیں؟ تو میں نے مولانا تھانویؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک پریشانی روزگار عذر ہے۔ (امداد الاحکام: ج ۲، ص ۱۶۴)

کوئی حکومت حج نہ کرنے دے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ چند سال ہوگئے "برما" کا کوئی آدمی حج نہیں کرسکتا، حکومت برما کی طرف سے بالکل اجازت نہیں ہے تو اس حال میں جس پر حج فرض ہوا اور وہ حج نہ کرسکے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں حج فرض نہیں ہوا۔ صاحبین (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) کے یہاں اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عذر زائل ہوگیا تو دوبارہ خود حج کریں، یہ قول مصحح ہیں، اول اگرچہ اوسع ہے مگر دوسرا احوط ہونے کے علاوہ اکثر مشائخ کا مختار بھی ہے۔

لہٰذا حج کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ حکومت کے منع کرنے سے پہلے حج فرض نہ ہوا ہو، اگر پہلے سے فرض تھا اس کے بعد عاجز ہوگیا تو بلا اختلاف دوسرے سے حج کرانا فرض ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۴/ص ۵۱۸ بحوالہ رد المحتار ج ۲/ ۱۵۴)

حج اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق

زکوٰۃ کی فرضیت اور حج کی فرضیت میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ صاحب نصاب پر ایک سال پورا ہونے کے بعد فرض ہوتی ہے اگر پورا مال سال سے پہلے ختم یا نصاب سے کم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب کبھی مال نصاب کے برابر ہو کر سال گزر جائے گا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور جب تک بھی مال نصاب کے برابر رہے گا ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

حج کی فرضیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ زندگی میں ایک بار مکہ مکرمہ تک آمد و رفت کا سفر خرچ اور وہاں پر قیام وطعام وقربانی وغیرہ کا خرچ اور اہل وعیال کا حج سے واپسی تک خرچہ کی رقم کا ہونا ضروری ہے قرض ادا کرنے کے بعد تو حج فرض ہو جائے گا۔

اگر اتنی رقم آپ کو زندگی میں ملی اور خرچ یا چوری ہوگئی تو بھی آپ کے ذمہ حج کی فرضیت باقی رہے گی۔ اگر آئندہ مرتے دم تک اتنی رقم جمع نہ ہو سکی جب بھی حج کی فرضیت بدستور باقی رہے گی اور آپ کے ذمہ ضروری ہوگا کہ وصیت کر کے مرے کہ میرے ترکہ میں سے شرعی طور پر حج بدل کرائیں۔ نیز حج زندگی میں اتنی رقم ہونے پر ایک بار فرض ہوتا ہے اور زکوٰۃ صاحب نصاب پر ہر سال۔ (رفعت قاسمی)

کیا صاحب نصاب پر حج فرض ہے؟

سوال:۔ایک مولانا کہتے ہیں کہ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو وہ صاحب مال ہے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، یعنی جو صاحب زکوٰۃ ہے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، صحیح کیا ہے؟

جواب:۔اس سے حج فرض نہیں ہوتا بلکہ حج اس پر فرض ہوتا ہے جس کے پاس حج کا سفر خرچ بھی ہو اور غیر حاضری میں اہل وعیال کا خرچ بھی ہو۔ (آپ کے مسائل ج ۴، ص ۳۰)

مسئلہ:۔اگر والدین کے پاس رقم نہ ہو اور بیٹا انکو حج کی رقم دیدے تو اس رقم کا مالک بنتے ہی بشرطیکہ ان پر کوئی قرض نہ ہو، ان پر حج فرض ہو جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۲۷)

حج کی فرضیت اور اہل وعیال کی کفالت

سوال:۔ میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہوا ہوں، فنڈ یک مشت حکومت نے دیا ہے۔ اب یہ رقم حج کے لیے اور اس عرصہ تک اہل وعیال کے خرچ کے لیے کافی ہوتی ہے مگر حج سے واپس آنا ہوگا تو روزگار کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہ ہوگا، کیا ایسی حالت میں حج فرض ہوگا یا نہیں؟ نیز قاسم کی دوکان ہے جس کی تجارت سے اپنا و بچوں کا گزر کرتا ہے، اگر قاسم دوکان بیچ کر حج کرنے چلا جائے تو پیچھے بچوں کے لیے اسی رقم سے بچوں کا گزر ہو سکتا ہے۔ کیا اس صورت میں اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ دونوں سوالوں کا جواب ایک ہی کہ حج سے واپسی تک اس کے پاس اتنی رقم پونجی ہونی چاہئے کہ جس سے اس کے اہل وعیال کی بقدر ضرورت کفالت ہو سکے۔ مذکورہ بالا صورتوں میں حج فرض نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل ج ۴، ص ۳۱)

مسئلہ:۔ اگر کسی کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ صرف حج کر سکتا ہے اور مدینہ منورہ نہیں جا سکتا تو اس پر حج فرض ہو گیا، حج ادا کرے، مدینہ منورہ جانے کے لیے پیسہ جمع ہونے کا انتظار نہ کرے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۴، ص ۵۱۸ بحوالہ ردالمختار کتاب الحج: ج ۲، ص ۲۸۹ وہکذا امدادالاحکام: ج ۲، ص ۱۶۱، وکتاب الفقہ: ج ۱، ص ۱۰۳۴)

مستطیع پہلے حج کرے یا مکان بنوائے؟

مسئلہ:۔ جب کہ روپیہ حج کے موافق موجود ہے تو حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۴، ص ۵۱۷ بحوالہ بحر الرائق: ج ۲، ص ۳۳۷)

مسئلہ:۔ حج میں مختار قول یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد علی الفور واجب ہے پس اگر آپ پر حج واجب ہو چکا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سال گزشتہ میں یا اس سے پہلے کسی سال میں حج کے وقت آپ کے پاس حج کرنے کے لیے کافی رقم تھی اب اس رقم کی مکان میں صرف (خرچ) کرنا جائز نہیں اور اگر حج کے وقت میں کسی سے سال کے اندر رقم جمع نہ تھی بلکہ اس سال رقم حج کے وقت کے بعد جمع ہوئی یا ہمیشہ حج کے وقت سے پہلے جمع ہوئی تو اور وقت سے

پہلے ہی صرف ہو جاتی تھی تو اس صورت میں اس رقم کو مکان میں لگا دینا جائز ہے۔

(امداد الاحکام: ج ۲، ص ۱۵۸ و ہکذا فتاویٰ محمودیہ: ج ۳، ص ۲۰۰ و فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵، ص ۲۱۴ و معلم الحجاج: ص ۹۰)

استطاعت کے باوجود حج سے پہلے عمرہ کرنا؟

مسئلہ:۔ جس شخص کو ایام حج میں بیت اللہ شریف تک پہنچنے اور حج پورا کرنے تک وہاں رہنے کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اور یہ فرضیت ہمیشہ قائم رہتی ہے، اس لیے ایسے شخص کو جو صرف ایک بار بیت اللہ شریف پہنچنے کے وسائل رکھتا ہے، حج پر جانا چاہئے، عمرہ کے لیے سفر کرنا اور فرضیت کے باوجود حج نہ کرنا بہت غلط بات ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۳۴ و ہکذا معلم الحجاج ص ۷۳)

مسئلہ:۔ اگر حج کے دنوں میں آدمی مکہ مکرمہ تک پہنچ جائے اور حج تک وہاں ٹھہرنا ممکن بھی ہو تو حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو حج فرض نہیں ہوتا۔

(آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۳۵)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص ماہ حج میں داخل ہو جائے یعنی رمضان المبارک میں عمرہ کیلئے جائے اور شوال کا مہینہ شروع ہو جائے تو اگر وہ پہلے حج کر چکا ہے تو دوبارہ حج فرض نہیں، اگر نہیں کیا تو اس پر حج فرض ہے۔ بشرطیکہ یہ حج تک وہاں رہ سکتا ہو یا واپس ہو کر دوبارہ جانے اور حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۳۶)

سیاحت کے ویزے پر حج کرنا؟

سوال:۔ بعض حضرات اپنی بیگمات (بیویوں) کو عمرہ اور حج کی نیت سے سیاحی ویزہ (ویزٹ) کی حیثیت سے بلاتے ہیں کہ وہ یہاں پر بھی آجائیں گی اور حج یا عمرہ بھی کرلیں گی اور بعض اوقات اس ویزہ کے حصول کے لیے رشوت بھی دینی پڑتی ہے؟

جواب:۔ سیاحی ویزہ پر حج کرنا درست ہے، مگر اس کیلئے رشوت دینا جائز نہیں۔

(آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۳۹)

مسئلہ:۔بعض لوگ عمرہ کا ویزہ لے کر عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں اور وہیں رک کر حج کر کے واپس آتے ہیں، یہ (چوری چھپے رکنا) حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، ایسا کرنا نامناسب ہے، لیکن اگر کوئی شخص رک جائے اور حج کر لے تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔

اگر حکومت خلاف قانون کام کرنے پر کوئی کارروائی کرے تو اس کے لے تیار رہنا ہوگا۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج٨،ص ٣١٨)

حکومت کی اجازت کے بغیر حج کرنا؟

سوال:۔میرے والدین اس سال حج پر آرہے ہیں، اور یہاں پر سعودی حکومت کا قانون ہے کہ یہاں کام کرنے والا ایک دفعہ حج کر لے تو پانچ سال کے بعد دوسرا حج کرے۔ میرا ابھی ایک سال باقی ہے۔مرے والدین بوڑھے ہیں۔ میں حج کرنے جاؤں تو گناہ تو نہیں ہوگا؟ میں بغیر اطلاع کے چلا جاؤں؟

جواب:۔آپ کا والدین کے ساتھ حج کرنا بلاشبہ صحیح ہے، مگر قانون کی خلاف ورزی کرنے میں عزت اور ملازمت کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ یہ آپ خود دیکھ لیں۔اس کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ البتہ شرعاً اس طرح حج ادا ہو جائے گا اور ثواب بھی ملے گا۔(آپ کے مسائل: ج٤،ص ٤٦)

مسئلہ:۔دہلی کا کوٹہ ختم ہو جانے کیوجہ سے زید دوسرے صوبہ سے اپنا نام ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہتا ہے حج فرض یا نفل، جھوٹ بول کر، غلط بات لکھوا کر حج کو جانا جائز نہیں ہے۔حج تو ہو جائے گا مگر زید جھوٹ کا مرتکب ہوگا۔(کفایت المفتی ج٤،٣٣٣)

چور راستہ سے حج کو جانا؟

سوال:۔حکومت کی پابندی کے باوجود جو لوگ چوری یعنی غلط راستوں سے حج کرنے جاتے ہیں اور حج بھی نفلی کرتے ہیں انکے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرنے میں ایک تو عزت کا خطرہ ہے کہ اگر پکڑے گئے تو بے عزتی ہوگی۔ دوسرے بعض اوقات احکام شرعیہ کی خلاف ورزی بھی

لازم آتی ہے، مثلاً بعض اوقات میقات سے بغیر احرام کے جانا پڑتا ہے جس سے دم لازم آتا ہے۔ اگر قانونی گرفت اور احکام شرعیہ کی مخالفت کا خطرہ نہ ہو تو مضائقہ نہیں، ورنہ حج کرنے کے لیے وبالِ سر لینا ٹھیک نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۴۷)

(اصولی اعتبار سے کسی حکومت کو حجاج کی تعداد پر پابندی لگانے کا حق نہیں ہے، اس لیے اپنی عزت اور جان مال کے تحفظ کے ساتھ کوئی بھی شخص کسی مناسب تدبیر سے حج کے لیے جاسکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ جو شخص بھی حج کو جائے وہ اپنے ٹھہرنے کا انتظام ضابطہ کے مطابق کرے، راستوں اور فٹ پاتھ پر قیام کر کے دیگر حجاج کو ایزا رسانی کا مرتکب نہ ہو۔) (رفعت قاسمی)

سعودی عرب میں ملازمت کرنے والوں کا حج؟

سوال:۔ جو لوگ نوکری کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں وہاں رہ کر حج یا عمرہ کرتے ہیں حدیث کی رو سے اسکا ثواب کیا ہے؟ جب کہ دوسرے لوگ جو کہ غریب ہیں وہ حج کے لیے پیسہ پیسہ جمع کرتے ہیں؟

جواب:۔ جو لوگ ملازمت کے سلسلہ میں سعودی عرب گئے ہوئے ہیں اور جو حج کے دنوں میں بیت اللہ شریف پہنچ سکتے ہوں، ان پر حج فرض ہے۔ اور ان کا حج وعمرہ صحیح ہے۔ اگر اخلاص ہو اور حج وعمرہ کے ارکان بھی صحیح ادا کریں تو انشاء اللہ ان کو بھی حج وعمرہ کا اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ وطن سے جانے والوں کو۔ اور جو غریب آدمی پیسہ پیسہ جمع کر کے حج کی تیاری کرتا رہا، مگر اتنا سرمایہ میسر نہ آسکا کہ حج کے لیے جائے، انشاء اللہ اس کو اس کی نیت پر حج کا ثواب ملے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴، ص ۳۸)

سرکاری ڈیوٹی پر جانے والے کا حج؟

سوال:۔ میں یہاں سے ڈیوٹی دینے کے لیے مقاماتِ حج پر حکومت کی طرف سے بھیجا گیا، میرے آفسر نے کہا تم ڈیوٹی کے ساتھ حج بھی کرسکو گے۔ میں نے آفسر کے ساتھ حج کے تمام مناسک پوری طرح ادا کئے میرے ساتھیوں نے کہا کہ ڈیوٹی کے ساتھ تمہارا حج نہیں ہوا صحیح کیا ہے؟

جواب:۔آپ کا حج ''ہم خرما وہم ثواب'' کا مصداق ہے۔آپ کو دہرا ثواب ملا، حج کا بھی اور حجاج کی خدمت کا بھی۔

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص فوج کی طرف سے حج کرنے کے لیے جائے تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔(آپ کے مسائل: ج۴،ص۳۹)

(مسلح افواج کے دستے ہر سال حجاج کی خدمت کے لیے جو جاتے ہیں ان کا فرض حج ادا ہو جائے گا)

حج کیلئے چھٹی کا حاصل کرنا؟

سوال:۔ملازمت کے دوران ہر ملازم کو پہلے حج کے لیے ایک ماہ کی چھٹی مع تنخواہ ملتی ہے۔میں صاحب حیثیت ہوں اور حج کے لیے جانا چاہتا ہوں کیا میں قانوناً حج کی چھٹیوں میں حج کروں یا اپنی سالانہ چھٹیاں لے کر جاؤں؟ کیا ان دونوں چھٹیوں میں فرق سے ثواب میں فرق پڑے گا؟

جواب:۔اگر قانون کی رو سے چھٹی مل سکتی ہے اور اس کے لیے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لینا پڑتا ہے تو حج کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔(آپ کے مسائل: ج۴،ص۴۷)

غربت کے بعد مالداری میں دوسرا حج کرنا؟

سوال:۔مجھ پر حج فرض نہیں تھا کسی نے اپنے ساتھ مجھ کو حج کرا دیا، اور جب میں وطن واپس آیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دیا اور غنی (مالدار) ہو گیا، اب بتائیں کہ دوبارہ حج کیلئے جاؤں گا تو یہ حج میرا فرض ہو گا یا نفل؟

جواب:۔ پہلا حج کرنے سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، دوسرا حج غنی ہونے کے بعد جو کرے گا وہ حج فرض نہیں کہلائے گا بلکہ نفل ہی سمجھا جائے گا۔

(فتاویٰ دارالعلوم ج۶،ص۵۳۱ بحوالہ ردالمختار: ج۲،ص۳۳۲ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج۵،ص۲۲۴)

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص خدمت کے واسطے اپنے ہمراہ ایسے ہی تبرعاً ایسے شخص کو حج کے لیے لے جائے جس پر فی الحال حج فرض نہیں اس کا وہ فرض جو آئندہ (مالدار ہونے کے بعد) ہونے

والا ہے ادا ہو جائے گا۔ نیز شخص مذکورہ کو (یہیں) پر اس قدر روپیہ دے کر قبضہ کرا دیا جائے جس سے فرضیت عائد ہو جائے تو بھی فرض ادا ہو جائے گا۔ (امداد الاحکام: ج ۲، ص ۱۵۹)

مسئلہ:۔ ملازمت کی حالت (سعودی عرب) میں حج واجب ہونے سے پہلے جو شخص حج کر چکا پھر استطاعت کے بعد دوبارہ اس پر حج فرض نہ ہوگا۔ حج فرض ادا ہو چکا۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۶، ص ۵۲۵)

غریب کو کسی نے حج کیلئے رقم دی؟

سوال:۔ ایک غریب شخص کو نفل حج کرنے کے لیے کسی نے پیسے دیئے اور اس نے خود اپنی طرف سے نفل حج ادا کیا بعد میں وہ نفل حج کرنے والا مالدار ہو گیا اور وہ حج نہ کرنے جائے تو کیا پہلا نفل حج جو اس نے کیا ہے اس سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ پہلا حج جو اس شخص نے کیا ہے اگر خالص نفل حج کی نیت کی ہے تو وہ نفل ادا ہوگا اور فرض حج ساقط نہ ہوگا اور اگر پھر وہ مالدار ہوا تو حج فرض پھر ادا کرنا ہوگا اور اگر خالص نفل کی نیت نہ کی تھی، مگر فرض کی بھی نیت نہ کی تھی بلکہ مطلق حج کی نیت کر لی تھی تو اس سے فرض ساقط ہو گیا، اب مالدار ہونے سے دوبارہ حج فرض نہ ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ: ج ۲/ص ۱۵۷ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۸۱)

مسئلہ:۔ ایک شخص پر حج فرض ہوا اور دوسرا کوئی اس کو اپنے خرچہ سے حج کرا دے تو اگر خرچہ دینے والے نے کسی اور کی طرف سے حج بدل کرایا تو کرنے والے کا فرض ساقط نہیں ہوا اور اگر خود کرنے والے ہی کو اس کے حج کے لیے روپیہ دیا ہے تو فرض ساقط ہو گیا۔

(فتاویٰ رشیدیہ: ج ۱/ص ۴۶۳)

(یعنی جس پر حج فرض تھا اس کو کسی نے اسی کے حج کرنے کے لیے روپیہ دیا ہے دینے والے نے اپنا یا کسی اور کا حج بدل کرانے کے لیے وہ رقم نہ دی ہو اور اس نے اس رقم سے حج کر لیا تو اس کے ذمہ جو حج فرض تھا وہ ادا ہو گیا حج کرنے کے لیے اپنا روپیہ ضروری نہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

نفل حج کی نیت سے حج کرنا

سوال:۔ زید پر حج فرض نہیں تھا اس لیے اس نے نفل حج کی نیت سے حج کیا تو کیا اس کے ذمہ سے حج کا فریضہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ نفل حج کی نیت سے فریضہ حج ادا نہ ہوگا خواہ نیت کرنے والے پر حج کرنے کے وقت حج فرض ہو یا نہ ہو۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۱ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۱۹۳)

(کوئی شخص سعودیہ گیا ہوا ہے وہ وہاں پر حج کرلے یا کسی غریب کو کوئی اپنے ساتھ اپنے خرچہ سے حج کے لیے لے جائے یا کسی غریب کو چند افراد مل کر رقم دیں تو اگر وہ مطلق حج کرے تو آئندہ مالدار ہونے پر دوسرا حج کرنا ضروری نہیں ہے پہلا حج کیا ہوا کافی ہوگیا ایسے موقع پر مطلق حج کی نیت سے ہی حج کرنے میں فائدہ ہے۔) (رفعت قاسمی)

جو شخص زکوٰۃ نہ نکالے اس کا حج کے لیے جانا؟

سوال:۔ جو صاحب نصاب ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور حج کے لیے تیار ہیں ان کا حج کو جانا کیا ہے؟

جواب:۔ اگر کوئی شخص ایک فرض ادا نہ کرے اور دوسرا فرض ادا کرے تو ظاہر ہے کہ جو فرض ادا کیا جائے گا وہ ادا ہو جائے گا اور جو فرض ادا نہ ہوگا اس کا گناہ رہے گا بنا (اسی قاعدہ پر) حج اسکا ادا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ج ۴/ص ۵۲۴)

جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی، اس سے حج کرنا؟

مسئلہ:۔ جس روپیہ سے زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اس سے اگر حج کیا جائے تو حج جائز ہو جائے گا مگر زکوٰۃ کی تاخیر کا گناہ بھی رہے گا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ ادا کی جائے اس کے بعد جو رقم بچے اس سے حج کیا جائے اگر وہ رقم کافی نہ ہو تو قرض لے کر حج کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ قرض ادا کرنے کے واسطے کچھ سرمایہ پیچھے چھوڑ جائے مثلاً جائداد، مکانات وغیرہ۔ اگر سرمایہ کچھ نہ ہو تو قرض لے کر اولاد کے ذمہ ڈالنا جائز نہیں۔ اور جو لڑکا قرض ادا کرنے سے انکار کرتا ہے، اسکا کچھ قصور نہیں، اولاد کے ذمہ ماں باپ کی اطاعت وخدمت لازم ہے، قرض ادا کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۶۲)

حج کیلئے رکھی ہوئی رقم پر زکوٰۃ؟

سوال:۔ایک شخص نے حج کرنے کے ارادہ سے درخواست دی اور رقم حج کے لیے جمع کرائی لیکن جانے میں نام نہ آسکا اور حکومت سے وہ رقم واپس مل گئی، وہ شخص آئندہ سال حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، یہ بتائیں کہ حج کرنے کے لیے جو رقم رکھی گئی اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔اس رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(آپ کے مسائل: ج۳/ص۳۷۲)

مسئلہ:۔مستحق زکوٰۃ (فقیر وغریب) کے پاس زکوٰۃ میں ملا ہوا روپیہ جمع ہو تو اس روپیہ سے حج درست ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم: ج۶/ص۵۳)

حج کی رقم دوسرے مصرف پر لگا دینا؟

سوال:۔میں نے اپنے والدین کو حج کے لیے رقم دی جو انہوں نے کسی اور مصرف میں لگا دی اور وہاں سے یکمشت رقم کی واپسی ایک دو سال کے لیے ممکن نہیں۔ میں نے جس نیت سے ان کو پیسہ دیا تھا اس کا ثواب مجھ کو مل گیا یا نہیں؟

جواب:۔آپ کو تو ثواب مل گیا اور آپ کے والدین پر حج فرض ہو گیا اگر وہ حج کئے بغیر مر گئے تو گنہگار ہونگے اور ان پر لازم ہے کہ وہ وصیت کر کے مریں کہ ان کی طرف سے حج بدل کرا دیا جائے۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۹)

فرض حج کیلئے قرض لینا؟

سوال:۔قرض لے کر زید حج کر سکتا ہے یا نہیں اور قرض دینے والا خوشی سے خود کہتا ہے کہ آپ حج کرنے جائیں میں پیسے دیتا ہوں، بعد میں آکر واپس کر دینا۔

جواب:۔اگر حج فرض ہے اور قرض مل سکتا ہے تو ضرور لینا چاہئے۔ اگر فرض نہ بھی ہو تو بھی قرض لیکر حج کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔اگر قرض بہ سہولت ادا ہو جانے کی توقع ہو تو قرض لیکر حج وعمرہ پر جانا صحیح ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۴۰ وہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۶)

مقروض کا حج کرنا؟

سوال:۔ایک صاحب مقروض ہیں لیکن پیسہ آتے ہی بجائے قرض واپس کرنے کے حج کرتے ہیں۔ایسے حج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:۔حج تو ہوگیا مگر کسی کا قرض ادا نہ کرنا بڑی بری بات ہے۔سبھی گناہوں کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی مقروض ہوکر دنیا سے واپس جائے اور اتنا مال چھوڑ کر نہ جائے جس سے اس کا قرض ادا ہوسکے۔ میت کا قرض جب تک ادا نہ کیا جائے وہ محبوس رہتا ہے۔اس لیے ادائے قرض کا اہتمام سب سے اہم ہے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۵۶)

مسئلہ:۔اولاد قرض ادا کرنے کا وعدہ کرے تو مقروض باپ کو حج کرنے کے لیے جانا جائز ہے۔ اور وہ قرض خواہوں کا اطمینان کر کے جائے کہ میری اولاد تمہارے قرض کا انتظام کرے گی۔(امداد الفتاویٰ:ج۲/ص۱۵۶)

قرض دار حج کے لیے چلا جائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔اگر فی الحال قرض خواہوں کا مطالبہ نہ ہو اور وہ بخوشی حج کے لیے جانے کی اجازت دیں یا قرض دار اپنے قرض کا کسی کو ذمہ دار بنادے اور اس پر قرض خواہوں کا اطمینان ہوجائے اور وہ اجازت دیدیں تو وہ شخص حج کے لیے جاسکتا ہے۔ اس شخص پر جتنا قرض ہو احتیاطاً اسکے متعلق ایک وصیت نامہ بھی لکھ دے اور وارثوں کو تاکید کردے کہ اگر (میری موت ہوجائے اور) میرے ذمہ قرض باقی رہ جائے تو میرے ترکہ میں سے پہلے میرا قرض ادا کیا جائے، اور اگر ترکہ میں گنجائش نہ ہو تو تم اپنے پاس سے قرض ادا کردینا یا اس سے معاف کرادینا، اگر قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر جائے گا تو مکروہ ہوگا، گو فریضہ ادا ہوجائے گا۔

اور اگر اس وقت قرض ادا کرنے کی گنجائش ہو تو اس وقت قرض ادا کردینا چاہئے۔ یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے اس کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے، انتظام ہوتے ہوئے قرضہ ادا نہ کرنا سنگین گناہ ہے۔حدیث شریف میں ہے ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''

مسئلہ:۔ جو شخص فرض حج ادا کر چکا ہو اور نفلی حج کرنے جاتا ہو تو نفلی حج سے بہتر یہ ہے کہ قرض سے ادکرے۔ اور اس کے بالمقابل ناداری کی حالت میں بالخصوص جبکہ دوسروں کے حقوق اپنے ذمہ ہوں ان کے حقوق کی ادائیگی حج نفل سے کہیں زیادہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۲ بحوالہ شامی کتاب الحج: ج ۲/ ۲۰۵ و در مختار: ج ۲/ص ۱۹۱)

مسئلہ:۔ کسی شخص کا کسی پر حق ہو اور وہ اس کی وجہ سے جیل بھیج دیا گیا، اور اس پر حج فرض ہے اور اس حق کے ادا کرنے پر قدرت بھی ہے تو یہ جیل جانا حج کے لیے عذر نہ ہوگا۔ حج کرنا واجب ہوگا۔ (جیل سے رہائی پر حج کرنا ضروری ہوگا) (معلم الحجاج: ص ۸۳)

مسئلہ:۔ جس شخص کے ذمہ لوگوں کے قرض ہوں اور قرض سے فاضل مال نہیں ہے تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ ادائے قرض سے پہلے حج کا ارادہ نہ کرے، بلکہ جو کچھ سرمایہ ہے اس کو قرض سے سبکدوشی میں خرچ کرے لیکن اگر ادائے قرض سے پہلے حج کر لیا تو حج اداء ہو جائے گا۔

تجارتی قرضے جو عادۃً ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس میں داخل نہیں ہیں ایسے قرضوں کی وجہ سے حج کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ (احکام الحج: ص ۲۴ حضرت مفتی شفیع)

پیدل حج کرنا؟

مسئلہ:۔ حج کی فرضیت کیلئے یہ شرط ہے کہ مکہ معظمہ تک سواری پر پہنچنے کیلئے روپیہ ہو اور سفر کے ضروری مصارف اور واپسی تک اہل وعیال کے خرچہ کی رقم بھی رکھتا ہو۔ جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو کہ وہ سواری پر جا سکے اس پر پیدل جا کر حج کرنا فرض نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص پیدل حج کرے تو ناجائز بھی نہیں ہے، مگر اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ پیدل چلنے کی طاقت بھی رکھتا ہو، تاکہ راستہ کی تکلیف سے دل کو تنگی و دشواری پیش نہ آئے۔ اور یہ پیدل جانا محض ثواب اور رضائے الٰہی کے لیے ہو، شہرت اور ناموری مقصود نہ ہو۔ اپنے اس فعل کو اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ شہرت دینا ناجائز ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نہ پیدل حج کیا اور نہ ترغیب دی۔ بلکہ ایک عورت نے منت مانی تھی کہ میں پیدل حج کرونگی تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ "اس سے کہو سواری پر جائے"۔ نیز پیدل چلنے والے کا چند قدم پر نفلی نماز پڑھنا تو یہ بھی اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر اس میں بھی نفس کو ریاء و عجب سے محفوظ رکھنا

سخت دشوار ہے، اس لیے اس کا ترک کرنا ہی اسلم واحوط (زیادہ بہتر) ہے۔اور راستہ میں مصلی بچھا کر نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے۔ (کفایت المفتی: ج۴/ ۳۲۹)

مسئلہ:۔ مکہ مکرمہ والے یا جولوگ مکہ مکرمہ کے قریب رہتے ہیں اور پیدل سفر کر سکتے ہیں ان کے لیے سواری شرط نہیں۔ ہاں اگر چل نہیں سکتے تو ان کیلئے بھی مثل باہر کے رہنے والوں کے سواری شرط ہے اور ضروری سفرخرچ مکہ والوں کیلئے بھی شرط ہے۔

مسئلہ:۔ اگر باہر کا رہنے والا غریب شخص میقات تک پہنچ گیا اور چلنے پر قادر ہے (اور قانونی رکاوٹ بھی نہ ہو) تو اس کے لیے بھی مکہ والوں کی طرح سواری شرط نہیں زادراہ شرط ہے۔

(معلم الحجاج: ص ۷۸)

مسئلہ:۔ زادراہ میں سرکاری محصول، معلمین کی فیس اور دیگر اخراجات ضروریہ جو حاجی کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس میں سب داخل ہیں۔ (معلم الحجاج: ص ۸۰ ہکذا فی کتاب الفقہ)

(جو مقامی لوگ حج کے لیے خلاف قانون جاتے ہیں انکی وجہ سے حجاج کرام کو بھی پریشانی ہوتی ہے اگر چہ حج ہو جاتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی)

توکل پر حج کرنا؟

مسئلہ:۔ جو حضرات حج وعمرہ کے لیے بے سروسامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرتے ہیں پھر راستہ میں بھیک مانگنا پڑتی ہے وہ خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں انکی ہدایت کے لیے حکم نازل ہوا ہے کہ سفر حج کے لیے ضروریات سفر ساتھ لینا چاہئے۔ یہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب اور وسائل کو اپنی قدرت کے مطابق حاصل اور جمع کرے اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ بالکل ترکِ اسباب (یعنی اسباب کو چھوڑ دینے کا نام) توکل نہیں ہے۔ (معارف القرآن: ج۱/ص ۴۹۰)

بیوی کا مہر دینا مقدم ہے یا حج؟

مسئلہ:۔ حج کو جانے کے لیے عورت کو راضی کرنا یا اس کا راضی ہونا شرط نہیں ہے اگر حج فرض

ہو۔ اور نہ مہر ادا کر کے جانا ضروری ہے جب کہ نکاح باقی ہو اور مہر مؤجل (فوری ادائیگی والا مہر نہ ہو) بلکہ عورت کو واپسی تک نان ونفقہ (ضروری خرچہ) دے کر جانا واجب ہے۔ ہاں اگر نکاح ٹوٹ چکا ہو اور عورت مہر کا مطالبہ کرے تو حج سے دین یعنی مہر کا قرض ادا کرنا مقدم ہے۔ اور یہ تفصیل اس وقت ہے کہ دین مہر کو دوسرے قرضوں کے برابر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جیسا کہ عام اہل ہند کی یہی حالت ہے تو ایسا دین مہر، وجوبِ زکوٰۃ وحج کے منافی نہیں۔ مگر طلاق کے وقت عورت کے طلب کرنے کے وقت۔ اور جو شخص دین مہر کو بھی لوگوں کے قرض کی طرح سمجھتا ہو اور اس کی ادا کی فکر میں ہو اور حسب ہمت کم یا زیادہ ادا کرتا ہو اس پر حج اس وقت تک فرض نہ ہوگا جب تک کہ دین مہر ادا نہ ہو جائے یا اتنی رقم اس کے پاس جمع ہو جائے جو مہر کے قرض ادا کرنے کے بعد مصارف حج وخرچہ اہل وعیال کو تا واپسی کافی ہو۔ (امداد الاحکام: ج۲/ ص۱۵۶ وہکذا فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص۵۳۹ بحوالہ رد المختار: ج۲/ص۱۹۱ وہکذا آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۲)

نابینا کے لیے حج کا حکم؟

سوال: ۔ ایک شخص نابینا (اندھا) ہے، اس پر حج فرض ہے اور اتنی استطاعت ہے کہ اپنے ساتھ کسی کو اپنی خدمت کے لیے لے جائے، ایسی حالت میں وہ خود حج کرے یا حج بدل کرائے؟

جواب: ۔ اس صورت میں وہ اپنی طرف سے حج بدل کرا سکتا ہے؟

(فتاویٰ دار العلوم: ج۴/ص۵۵۹ بحوالہ رد المختار: ج۲/ص۳۲۷)

مسئلہ: ۔ نابینا، اور مفلوج وغیرہ سب معذورین کا وہی حکم ہے کہ حج بدل کرانا فرض ہے اگر زندگی میں عذر ختم ہو جائے تو دوبارہ حج خود کرے۔ (ورنہ پہلے کا حج بدل معتبر ہوگا)۔

(احسن الفتاویٰ: ج۴/ ۵۱۹ وہکذا کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۳۵)

مسئلہ: ۔ جو شخص تندرست نہ ہو، مریض ہو، یا لنگڑا ہو، خود سفر نہ کر سکتا ہو اور سارے شرائط حج کے موجود ہوں تو ان پر حج فرض ہو جاتا ہے ان کو حج بدل کرانا اور وصیت کرنی واجب ہے۔

(معلم الحجاج: ص۷۳)

حج کے دنوں میں غیر قانونی طور پر گاڑی کرایہ پر چلانا؟

سوال:۔ یہاں غیر سعودی کو کرایہ پر گاڑی چلانے کی اجازت نہیں۔ اور اکثر راستوں کی چوکیوں پر معلوم کیا جاتا ہے تو حالت احرام میں برملا کہتے ہیں کہ ہم دوست ہیں، کرایہ پر نہ لے جارہے ہیں اور مسافر بھی کہتے ہیں نہ کرایہ پر جارہے ہیں جب کہ لے جانے والا اور جانے والا جھوٹ بولتے ہیں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ حج کے لیے گاڑی لینے اور اس کو کرایہ پر چلانے میں تو کوئی حرج نہیں مگر چونکہ قانوناً منع ہے اور اس کی خاطر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، اس لیے حج گناہ سے پاک نہ ہوا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۶۰)

(حج تو ہوجائے گا مگر جھوٹ کا گناہ ہوگا۔) (محمد رفعت قاسمی)

کمپنی کی گاڑی حج کے لیے استعمال کرنا

سوال:۔ ملازمین، عمرہ وحج کے لیے کمپنی کی گاڑیاں جوان کے شہر میں استعمال کے لیے ہوتی ہے ان کو لے کر خاموشی سے سفر پر چلے جاتے ہیں، یا جن کے تعلقات افسروں سے اچھے ہوتے ہیں ان سے اجازت لے کر اس مقدس فریضے کے سفر پر جاتے ہیں جب کہ عام ملازم ایسی مراعات حاصل نہیں کرپاتا اور ان کو کمپنی اجازت نہیں دیتی۔ کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر کمپنی کی اجازت نہیں تو کمپنی کی گاڑیوں اور دوسرے سامان کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۶۰)

حج اکبر کیا ہے؟

مسئلہ:۔ جمعہ کے دن کے حج کو ''حج اکبر'' کہنا تو عوام کی اصطلاح ہے۔ قرآن مجید میں ''حج اکبر'' کا لفظ عمرہ کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ باقی رہا یہ کہ جمعہ کے دن جو حج ہو اس کی فضیلت ستر گنا ہے۔ اس مضمون کی حدیث بعض کتابوں میں طبرانی کی روایت سے نقل کی ہے۔ مجھ کو اسکی سند کی تحقیق نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۶)

مسئلہ:۔ صاحب درمختار نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ جمعہ کے روز وقوف عرفہ ہو تو وہ حج سے

زیادہ فضیلت رکھتا ہے جو کہ غیر جمعہ ہو۔ اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم: ج٦/ص۵۴۳ بحوالہ ردالمختار: ج١/ص١١٩)

مسئلہ:۔ جمعہ کو جو حج ہوتا ہے اس کو حج اکبر کہتے ہیں اسکی اصل اس قدر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو آخیر حج کیا تھا وہ جمعہ کے دن ہوا تھا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی تھی ﴿یوم الحج الاکبر﴾ باقی ویسے حج اکبر بمقابلہ حج اصغر کے ہے کہ عمرہ حج اصغر ہے اور ہر ایک حج حجِ اکبر ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم: ض٦/ص۵۸١)

مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنا؟

اس موضوع پر سعودیہ سکالر ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالعزیز نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اہل علم کی آراں اور اس موضوع سے متعلق دلائل ذکر کیے ہیں ذیل میں انکی تحقیق کے نتائج کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(١) نمازی کے سترہ کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔(سُترہ سے مراد وہ رکاوٹ ہے جو اس کی سجدہ گاہ کے آگے ہو)۔

(٢) جماعت ہورہی ہو تو مقتدیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔

(٣) مطاف یعنی طواف کرنے کی جگہ میں نمازیوں کے آگے سے طواف کرتے ہوئے گزرنا جائز ہے۔

(۴) نمازی کی سجدہ گاہ یعنی تقریباً سوا میٹر جگہ چھوڑ کر گزرنا درست ہے۔

(۵) ایسی صورت میں بھی نمازی کے آگے سے گزرنے کی گنجائش ہے جب وہ مسجد کے راستوں اور گزرگاہوں میں نماز پڑھ رہا ہو، اور لوگ مسجد میں داخل ہورہے ہوں یا نکل رہے ہوں۔

(٦) امام ور منفرد کی سجدہ گاہ کے اندر سے گزرنا جائز نہیں، سوائے کسی شدید ترین مجبوری کے، جسے شریعت کی اصطلاح میں اضطراری کیفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ جس حدیث شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت آئی ہے اس میں مسجد نبوی یا مسجد حرام کو مستثنیٰ (الگ) نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں بالعموم نمازی کے آگے سے گزرنے پر وعید ہے،

ارشاد نبویؐ ہے "اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے گزرنے کا کیا وبال ہے تو اس کے لیے چالیس تک کھڑا رہنا گزرنے کی نسبت آسان ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث:۵۰۱)

یہ تفصیل اس لیے بیان کردی گئی ہے کہ عام لوگ مسجد نبوی اور مسجد حرام میں بے دھڑک نمازیوں کے آگے سے گزرتے رہتے ہیں اور اس کو شدید طور پر جائز سمجھتے ہیں جب کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (تاریخ مکہ:ص۱۰۲)

(شارحین نے چالیس سے مراد چالیس مہینے مراد لئے اور چالیس سال بھی)۔

حرم اور حرم سے باہر صفوں کا شرعی حکم؟

سوال:۔ حرم شریف اور حرم کے باہر نماز کی صفوف کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حرم میں بھی صفوں کے درمیان خاصہ فاصلہ رہتا ہے اور حرم میں جگہ ہونے کے باوجود حرم کے باہر بھی نماز ہوتی ہے۔ حرم کے باہر تین چار سو گز بلکہ زیادہ فاصلہ تک کوئی نصف نہیں ہوتی، سرنگ مسفلہ میں صفیں قائم کرلی جاتی ہے۔ کیا ان صفوں میں شامل ہونے سے نماز ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ حرم شریف میں تو اگر صفوں کے درمیان فاصلہ ہو تو تب بھی نماز ہو جائے گی اور حرم شریف سے باہر اگر صفیں متصل ہوں درمیان میں فاصلہ نہ ہو تو نماز صحیح ہے اور اگر درمیان میں سڑک ہو یا زیادہ فاصلہ ہو تو نماز صحیح نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴۔ص ۱۱۸)

امام حرم کے پیچھے نماز نہ پڑھنا؟

مسئلہ:۔ حرمین شریفین پہنچ کر وہاں نماز باجماعت سے محروم رہنا بڑی محرومی ہے۔ حرمین شریفین کے ائمہ امام حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اہل سنت ہیں، اب اگرچہ ہمارا ان کیساتھ بعض مسائل میں اختلاف ہے، لیکن یہ نہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص ۵۷)

(نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہئے انکے پیچھے نماز ہو جاتی ہے)۔

☆

حرم شریف میں جوتوں کے تبدیل ہونے کا حکم

سوال:۔حرم شریف میں جوتوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو عام طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں کیا ایک بار اپنی ذاتی چپل پہن کر جانا اور تبدیلی ہونے پر ہر بار ایک نئی چپل پہن کر آنا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔جن چپلوں کے بارے میں خیال ہو کہ مالک ان کو تلاش کرے گا ان کا پہننا صحیح نہیں اور جن چپلوں کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا ہو کوئی پہن لے ان کا پہننا صحیح ہے۔ یوں بھی ان کو اٹھا کر ضائع کر دیا جاتا ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۹)

حدودِ حرم میں جانور ذبح کرنا؟

سوال:۔جیسا کہ حکم ہے حدودِ حرم میں ماسوائے ان کیڑے مکوڑوں کے جو کہ انسانی جان کے دشمن ہے، کسی جاندار چیز حتیٰ کہ درخت کی ٹہنی توڑنا بھی گناہ ہے۔ لیکن یہ جو کہ روزانہ سیکڑوں کے حساب سے مرغیاں اور دوسرے جانور حدودِ حرم میں ذبح ہوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔حدودِ حرم میں شکار جائز نہیں، پالتو جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۸)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں بکری، گائے، اونٹ، بھینس، مرغی، گھریلو جانوروں کا ذبح کرنا، اور کھانا جائز ہے۔ البتہ کبوتر کا ذبح کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ پالتو کبوتر ہو، کیونکہ حرم شریف میں رہنے والے بہت سے لوگ پالتو کبوتر کا ذبح کرنا حلال سمجھتے ہیں جو کہ غلط ہے۔

(احکام حج: ص ۹۹)

مسئلہ:۔حرم شریف میں شکار کرنا محرم اور غیر محرم دونوں کے لیے حرام ہے اور حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے نیز احرام میں ٹڈی مارنا بھی منع ہے۔

مسئلہ:۔منیٰ، مزدلفہ، حدودِ حرم میں داخل ہیں یہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے پرہیز لازم ہے، لیکن عرفات کا میدان حدودِ حرم سے باہر ہے اس کی گھاس کاٹنے میں کوئی مضائقہ

نہیں ہے۔(احکام حج: ۱۰۰۔حضرت مفتی شفیعؒ)
مسئلہ:۔خشکی کے اس شکار کا گوشت کھانا جس کو حلال شخص نے حِل (حرم شریف سے باہر میقات کے اندر) میں شکار کیا ہواور اسی نے ذبح کیا ہو۔محرم نے کسی قسم کی شرکت نہ کی ہو تو جائز ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۱۵)

حج میں دعاء قبول ہونے کے مقامات

مسئلہ:۔حج میں خاص مقامات ہیں جہاں پر دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔
بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے وقت،ملتزم کے پاس یعنی حجراسود اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان، میزابِ رحمت کے نیچے۔ بیت اللہ کے اندر۔ زمزم پیتے وقت۔مقام ابراہیم کے پیچھے۔صفاومروہ پر۔سعی میں۔عرفات کے میدان میں۔منیٰ مزدلفہ میں۔رمی کے وقت۔ جمرات کے پاس۔(فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۱۸۲ وہکذا معلم الحجاج ص ۳۰۵)
حجراسود والے کونے اور خانہ کعبہ کے دروازہ کی درمیانی جگہ کو''ملتزم'' کہتے ہیں یہ حصہ تقریباً دو میٹر ہے۔(التاریخ القویم: ج ۳:ص ۴۳۳)
یہ قبولیت دعاء کی جگہ ہے اس مقام پر سنت یہ ہے کہ بیت اللہ کی دیوار سے اس طرح چمٹ کر دعائیں کی جائیں کہ رخسار، سینہ اور ہاتھ چمٹے ہوئے ہوں، چنانچہ حضرت عمر کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے طواف کیا، نماز پڑھی پھر حجراسود کا بوسہ لینے کیلئے حجراسود اور دروازہ کے درمیان اسی طرح کھڑے ہوئے کہ اپنے سینے، ہاتھ اور رخسار بیت اللہ کی دیوار سے چمٹایا اور فرمایا''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حجراسود اور دروازہ کے درمیان جو بھی دعاء کرتا ہے اس کی قبولیت کے آثار دیکھتا ہے۔یعنی دعاء قبول ہو جاتی ہے۔
حطیم اور رکن یمانی کی درمیانی جگہ بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔
حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ''رکن یمانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔(تاریخ مکہ مکرمہ:ص ۵۳)

تمام مقاماتِ متبرکہ میں مقبولیتِ دعاء کی زیادہ اُمید ہے، اور حضرت حسن بصریؒ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط میں تحریر فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ جگہ دعاء کی مقبولیت مجرب ہے طواف میں اور ملتزم کے پاس (یعنی دروازہ بیت اللہ اور حجر اسود کے درمیان جو جگہ ہے اس میں) اور میزابِ رحمت یعنی بیت اللہ شریف کی پرنالہ کے نیچے، اور بیت اللہ کے اندر اور چاہِ زمزم کے پاس اور صفاو مروہ پہاڑوں کے اوپر اور سعی کرنے کے میدان میں (جو صفاو مروہ کے درمیان ہے) اور مقام ابراہیم کے پیچھے اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں اور تینوں جمرات کے پاس (جمرات وہ تین پتھر ہیں جو منیٰ میں نصب کئے ہوئے ہیں جن پر حجاج کنکریاں مارتے ہیں) امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ اگر سرور عالم ﷺ کے حضور میں (یعنی روضۂ اقدس کے پاس دعا قبول نہ ہوگی تو کہاں ہوگی) (مسائل نماز: ص ۳۳۹)

بچوں کا حج

حج بالغ ہونے کے بعد ہی فرض ہوتا ہے، لیکن جس طرح بچے کا روزہ و نماز صحیح ہے، اسی طرح بچے کا حج بھی صحیح ہے چاہے وہ بچہ بالکل چھوٹا ہو اور عقل و تمیز نہ رکھتا ہو یا اتنا بڑا ہو کہ عقل و تمیز والا ہو۔ مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کے پاس اپنے بچوں کو لے کر آئی اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا بھی حج ہے؟ ارشاد فرمایا جی ہاں، اور تمہیں اجر ملے گا۔ اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ بچے کا حج صحیح ہے اور بچے کے حج کا اجر و ثواب ماں باپ اور ولی کو بھی ملتا ہے۔

حضرت سائب ابن یزیدؓ کا بیان ہے، کہ میری عمر سات سال کی تھی، جب میرے باپ نے مجھے ساتھ لے کر نبی کریم ﷺ کی معیت میں حج ادا کیا۔

بچے پر چونکہ حج فرض نہیں ہے، اس لیے اس کا حج نفلی حج ہوگا، اور بالغ ہونے کے بعد اگر اس پر حج فرض ہو جائے تو اسے فرض حج کی نیت سے دوبارہ حج ادا کرنا ہوگا۔

حج کرنے والا بچہ یا بچی اگر بہت ہی چھوٹی عمر کے ہیں اور عقل و تمیز نہیں رکھتے تو ان کے ماں باپ یا ولی انکی طرف سے احرام کی نیت کریں مگر یہ احرام واجب نہیں ہے، اگر احرام کی نیت نہ کریں جب بھی کوئی حرج نہیں ہے، پھر ان کی طرف سے ولی ہی حج کے

سارے افعال ادا کریں اور اس بچے یا بچی کو ان تمام باتوں سے بچائیں جن سے ایک احرام والا مرد اور عورت بچے رہتے ہیں۔ اور طواف میں ان کا جسم اور کپڑے پاک رکھنے کا اہتمام کریں۔ اگر کوئی خلاف احرام بات پیش آجائے تو بچے پر یا اس کی طرف سے ولی پر کوئی دم نہیں ہوگا۔ اور اگر بچہ یا بچی ہوشیار ہو، عقل وتمیز رکھتا ہو، تو پھر ماں باپ یا ولی کی اجازت سے احرام باندھے وضوء اور پاکی وناپاکی کا خیال رکھے اور ان تمام باتوں کا اہتمام کرے جس کا اہتمام ایک احرام والا مرد اور عورت کرتے ہیں۔

اور جو افعال بچہ بطور خود ادا نہ کرسکتا ہو جیسے رمی وغیرہ تو وہ ولی اس کی طرف سے ادا کردے البتہ وقوف عرفہ، منیٰ اور مزدلفہ میں رات گزارنا، طواف اور سعی وغیرہ وہ کرے اور اگر نہ کرسکتا ہو تو پھر وہاں باپ یا ولی گود میں یا کندھے پر بٹھا کر طواف اور سعی کرائیں طواف اور سعی کراتے وقت اپنی اور بچے کے بھی نیت کرلیں تو دونوں کی طرف سے ادا ہوجائے گا۔ نیز اگر بچے سے کوئی خلاف احرام بات سرزد ہوجائے تو کوئی دم بچے پر یا بچہ کی طرف سے ولی پر نہیں ہوگا بچہ جو جو افعال کریگا اس کا ثواب ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(محمد رفعت قاسمی)

بچے ساتھ لے جانے سے کیا بالغ ہونے پر حج فرض ہوجائے گا؟

سوال:۔ بچہ کو حج کے لیے ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہے، کیونکہ بیت اللہ کو دیکھنے سے حج فرض ہوجائے گا؟ اور بالغ ہونے پر مالدار نہ ہو اور مرگیا تو کیا گنہگار ہوگا؟

جواب:۔ بچہ اگر حج کرکے چلا آئے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض نہیں ہوگا ہاں اگر بلوغ کے بعد مالدار بھی ہوجائے تو حج فرض ہوجائے گا۔ مالداری کی وجہ سے ہوگا زیارتِ (دیکھنے) سابقہ کی وجہ سے نہ ہوگا۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۶۳)

مسئلہ:۔ بچوں کو ساتھ لے جانے سے بچوں کا بھی حج ادا ہوجاتا ہے اور ماں باپ کو بھی اجر وثواب ملتا ہے، اور جو افعال وہ خود نہ کرسکے ان کے ماں باپ (یا جس کے ساتھ بچہ ہو وہ)

کردیں مثلاً ''لبیک'' ان کی طرف سے پکاردیں جس جگہ ''رمی'' کی جاتی ہے وہاں ان کی طرف سے رمی کردیں۔ ان کو گود میں لے کر طواف وغیرہ کرادیں۔ احرام باندھیں، اگر بچہ بہت چھوٹا ہوتو اس کو بالکل برہنہ کردینا (کپڑے اتار دینا) بھی کافی ہے۔

(الجواب المتین ص۲۰: میاں اصغر حسین صاحب)

(اگر بچہ کے کپڑے نہ بھی اتاریں جب بھی کوئی دم وغیرہ نہیں ہے، بچہ جتنے افعال کرے گا اتنے کا ہی ثواب ملے گا۔) (محمد رفعت قاسمی)

بالغ اولاد کا حج؟

سوال:۔ کوئی شخص اپنی بالغ لڑکی یا لڑکے کو حج کرائے تو کیا وہ حج نفل ہوگا؟

جواب:۔ اگر رقم لڑکی یا لڑکے کی ملکیت کردی گئی تھی تو ان پر حج فرض بھی ہوگیا اوران کا حج فرض بھی ادا ہوگیا۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۴۷)

مسئلہ:۔ جس لڑکے نے باپ کی موجودگی میں باپ کے مال سے حج کیا، باپ کے انتقال کے بعد جب یہ لڑکا باپ کے مال کا وارث ہوا تو اگر پہلا حج بلوغ کے بعد ہوا تو حج فرض ادا ہوگیا دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ج۴/ص۵۳۰ بحوالہ ردالمختار کتاب الحج: ج۲/ص۲۰۱)

نابالغ کا حج؟

سوال:۔ میں حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں میرے ساتھ دو بچے گیارہ سال اور تیرہ سال کے ہیں تو میرے نابالغ بچے ہیں ان کا فرض حج ہوگا یا نفل؟

جواب:۔ نابالغ کا حج نفلی ہوتا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد اگر ان کی استطاعت ہو توان پر حج فرض ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۴۷)

مسئلہ:۔ اگر لڑکے نے حج کیا اور وہ صاحب شعور ہے کہ اعمال حج کا مقصد جانتا ہو، تو اس کا حج ہوجائے گا، تاہم فریضۂ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (کیونکہ وہ بالغ نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی لڑکا ذی شعور نہیں ہے اور ایام حج آگئے تو اس کا ولی اس کی جانب سے اعمال حج ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''آپ ﷺ نے فرمایا اگر بچے نے دس

حج بھی کیئے، پھر بالغ ہوا تو اس پر لازم ہے کہ اسلامی حج ادا کرے۔'' (جب کہ استطاعت ہو)
مسئلہ:۔ منجملہ شرائط وجوب حج کے عاقل ہونا ہے، لہٰذا مجنون (پاگل اگرچہ بالغ ہو) اس پر حج واجب نہیں ہے اور نہ اس کا حج کرنا صحیح ہوگا، لہذا وہ اس بارے میں بے شعور بچہ کے مانند ہے۔
مسئلہ:۔ حج واجب ہونے کی ایک شرط ''آزاد'' ہونا ہے۔ چنانچہ غلام پر حج واجب نہیں ہے۔
(کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۳۴ و ہکذا فتاوی محمودیہ: ج ۱۷/ص ۱۸۹)
مسئلہ:۔ باپ چھوٹے بے ماں کے بچے کو چھوڑ کر فریضۂ حج کو جا سکتا ہے۔ باپ کے جانے کے بعد بچے کی ولی تایا کو چچا (ہیں وہ) پرورش کریں گے البتہ بچے کا خرچ باپ دے کر جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۳۳)
مسئلہ:۔ کسی مجنون نے حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفہ سے پہلے ہوش آ گیا اور جنون جا تا رہا تو اگر اسکے بعد دوبارہ احرام باندھ لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا اور اگر دوبارہ احرام نہیں باندھا تو حج فرض ادا نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۷۷)
مسئلہ:۔ نابالغ کو بالغ ہونے اور مجنون کو اچھا ہونے کے بعد پھر حج کرنا ہوگا بشرطیکہ قدرت اور شرائط موجود ہوں۔
مسئلہ:۔ اگر احرام باندھنے کے بعد کوئی شخص مجنون ہو گیا یا احرام سے پہلے مجنون تھا مگر احرام کے وقت افاقہ ہو گیا اور احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیا اسکے بعد مجنون ہو گیا اور تمام افعال حج اسکو ساتھ لے کر اسکے ولی نے کرا دیئے تو اسکا حج فرض ادا ہو جائیگا البتہ طوافِ زیارت افاقہ ہونے کے بعد خود ادا کرنا ضروری ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۸۸)

نابالغ بچوں کا احرام؟

مسئلہ:۔ نابالغ بچہ ہوشیار اور سمجھ دار ہے تو خود وہ احرام باندھے اور افعال حج ادا کرے۔ اور بالغ کی طرح سب افعال کرے، اگر ناسمجھ اور چھوٹا بچہ ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس کا احرام باندھے۔
مسئلہ:۔ چھوٹا بچہ ناسمجھ اگر خود افعال ادا کرے یا خود احرام باندھے تو یہ افعال اور احرام صحیح نہیں ہونگے۔ البتہ سمجھدار بچہ اگر خود احرام باندھے اور افعال خود ادا کرے تو صحیح ہو جائینگے۔

مسئلہ:۔سمجھدار بچہ کی طرف سے ولی احرام نہیں باندھ سکتا۔

مسئلہ:۔سمجھ دار بچہ جو افعال خود کر سکتا ہو خود کرے اور اگر خود نہ کر سکے تو اس کا ولی کر دے البتہ نمازِ طواف بچہ خود پڑھے ولی نہ پڑھے۔

مسئلہ:۔سمجھ دار بچہ خود طواف کرے اور نا سمجھ کو گود میں لے کر طواف کرائے اور یہ ہی حکم وقوف عرفات اور سعی ورمی وغیرہ کا ہے۔

مسئلہ:۔ولی کو چاہئے کہ بچہ کو ممنوعات احرام سے بچائے اگر کوئی فعل ممنوع بچہ کرے گا تو اس کی جزاء واجب نہ ہوگی نہ بچہ پر نہ ولی پر۔

مسئلہ:۔بچہ کا احرام لازم نہیں ہوتا، بچہ اگر تمام افعال چھوڑ دے یا بعض چھوڑ دے تو اس پر کوئی جزاء وقضاء واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ولی سب سے قریب جو ساتھ ہو وہ بچہ کے احرام باندھے مثلاً باپ بھائی اگر دونوں ساتھ ہو تو باپ کو احرام باندھنا بہتر ہے۔اگر بھائی وغیرہ باندھے گا تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ:۔مجنون کا حکم تمام احکام میں مثل نا سمجھ بچے کے ہے، لیکن اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد مجنون ہوا ہے تو ممنوعات احرام کے ارتکاب سے اس پر جزاء لازم ہونے میں اختلاف ہے احتیاطاً جزاء دیدے تو اچھا ہے حج اس کا بلا اختلاف صحیح ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔اور اگر احرام سے پہلے سے مجنون تھا اور اس کے ولی نے اس کیطرف سے اس کے احرام باندھا اور پھر وہ ہوش میں آ گیا تو اگر اس نے ہوش میں آنے کے بعد خود دوبارہ احرام باندھ کر افعال حج ادا کر لئے تو حج فرض ادا ہو جائے گا۔(معلم الحجاج:ص ۱۹۰)

مسئلہ:۔کم عقل مجنون، بچہ اور بے ہوش اگر بالکل رمی نہ کریں تو ان پر فدیہ واجب نہیں ہے۔ (معلم الحجاج:ص ۸۷)

حج میں تجارت کرنا؟

مسئلہ:۔جس سامان کے یہاں سے لے جانے اور وہاں سے لانے پر کوئی قانونی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیرہ سب کے لیے جائز ہے ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آتی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان پھر تجارت

میں اٹکا رہتا ہے۔ اسلیے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو بلکہ روپیہ کی کمی کو دور کر کے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت میں اجر ثواب بھی ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۳: ص ۳۶۳ و ہکذا فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۱۸۰)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیاوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کرلیا، یا نفع تجارت اور قصد حج دونوں مساوی صورت میں ہے تب بھی اخلاص کے خلاف ہے۔ حج کا ثواب اس سے کم ہو جائے گا اور برکات حج جیسی حاصل ہونی چاہئے وہ حاصل نہ ہونگی۔ اور اگر اصل نیت حج کی ہے اس کی شوق میں نکلا ہے، لیکن مصارفِ حج میں یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لیے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کرلی، یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں ہے، ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، ان میں کوئی مشغلۂ تجارت و مزدوری کا نہ رکھے، بلکہ ان ایام کو خاص عبادت و ذکر میں گزارے، اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں تجارت و مزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔ (معارف القرآن: ج ۱/ص ۴۳۱)

کاروباری حج؟

سوال:۔ موجودہ دور میں کچھ حضرات ایسے بھی ہیں، جو تقریباً ہر سال حج پر جاتے ہیں انکا حج ایک قسم کا ''کاروباری حج'' ہوتا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے مختلف دوائیں اور دیگر سامان لے جاتے ہیں اور وہاں پر منافع کے ساتھ فروخت کر دیتے ہیں اور حج سے واپسی پر وہاں سے سامان لاکر یہاں پر فروخت کر دیتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کاروباری حج کی دینی حیثیت کیا ہے؟ کیا ہر سال خود جانے کے بجائے کسی غریب کو حج پر بھیج دے؟

جواب:۔ حج کے دوران کاروبار کی تو قرآن کریم نے اجازت دی ہے۔ لیکن سفر حج سے مقصود ہی کاروبار ہو تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔ ہاں یہ ہے کہ اپنی جگہ دوسروں کو حج کرا دیں اپنے حوصلہ اور ذوق کی بات ہے۔ اس کی فضیلت میں تو کوئی شبہ نہیں۔ مگر ہم کسی کو اس کا حکم نہیں دے سکتے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۲)

حج یا عمرہ کی نذر کرنا؟

مسئلہ:۔حج یا عمرہ کی نذر کرنے سے بھی حج اور عمرہ واجب ہوجاتا ہے۔مثلاً کسی نے کہا اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھ پر حج ہے یا صرف یہ کہا مجھ پر حج ہے تو ان الفاظ سے نذر ہو جائے گی پورا کرنا واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔اگر کسی نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مرض سے شفاء دی تو یا میرے مریض کو شفاء دی تو مجھ پر حج یا عمرہ ہے تو شفاء ہونے پر حج یا عمرہ جس کی نذر مانی ہو، کرنا واجب ہوگا۔

(معلم الحجاج:ص۲۹۱)

مسئلہ:۔حج جس طرح خدا کی طرف سے جب اس کے شرائط پائے جائیں فرض ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص حج کی نذر مانے تو وہ بھی واجب ہو جاتا ہے اور اس شخص پر حج کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔یہی حال تمام عبادات کا ہے اگر چہ وہ فی نفسہٖ واجب نہ ہوں مگر نذر کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔(علم الفقہ:ج۵/ص۷۵)

مسئلہ:۔کبھی حج بلا نذر کے بھی واجب ہوجاتا ہے۔مثلاً اگر کوئی شخص میقات سے بلا احرام کے گزر جائے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔تو اگر ایسا شخص حج کرے گا تو یہ حج واجب ہوگا نیز حج فرض اور حج نذر دونوں ایک ہی طرح ادا کئے جاتے ہیں.(معلم الحجاج:ص۴۷)

حج مقبول کی پہچان

مسئلہ:۔حج بہت بڑی عبادت ہے جس سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اور جو یہ فرمایا گیا ہے حدیث شریف میں ''گویا وہ آج (حج کرنے والا) اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔'' یہ گناہوں سے پاک ہونے کو سمجھانے کے لیے ہے۔کہ جس طرح نومولود بچہ گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے۔اسی طرح ''حج مبرور'' کے بعد آدمی گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

مسئلہ:۔حج مقبول وہی ہے جس سے زندگی کی لائن بدل جائے۔آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو اور اطاعت کی پابندی کی جائے۔حج کے بعد جس شخص کی زندگی میں خوشگوار انقلاب نہیں آتا اس کا معاملہ مشکوک ہے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۲۵)

مسئلہ:۔حج مبرور یعنی مقبول حج۔ اور مقبول حج وہ ہے کہ گناہوں سے توبہ واستغفار کرے اور کامل ارکانِ فرائض وواجبات اور سنن ومستحباب کے ادا کرے اور احرام کی حالت میں ممنوعات سے اجتناب کرتا رہے۔ ریا، نمود اور حرام مال سے بچنے اور جملہ اخراجات، کھانا، پینا، پہننا وغیرہ حلال مال سے ہو پھر حج کے بعد دینی حالت بہتر ہو تو سمجھئے کہ حج مقبول اور مبرور۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۳/ص۱۱۴)

حج وعمرہ کو گناہوں سے پاک رکھنا چاہئے

مسئلہ:۔عمرہ اور مسجد نبوی ﷺ کی حاضری میں بھی لوگ اتنی غلطیاں کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ، دین کے مسائل نہ کسی سے پوچھتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

لوگ خوب ڈاڑھی منڈا کر روضۂ اطہر پر جاتے ہیں اور ان کو ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر شکل آپ کے دشمنوں جیسی بناتے ہیں۔

اس تحریر سے یہ مقصود نہیں کہ لوگوں کو حج وعمرہ کرنا چاہئے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان مقدس اعمال کو گناہوں اور غلطیوں سے پاک رکھنا چاہئے۔ ایسے حج وعمرہ ہی پر پورا ثواب مرتب ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۲۸)

حج کے دوران تصویر بنوانا؟

مسئلہ:۔حج کے دوران گناہوں کا کام کرنے سے حج کے ثواب میں ضرور خلل آئے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ''حج مبرور'' کی فضیلت آئی ہے اور ''حج مبرور'' وہ کہلائے گا جس میں گناہوں سے اجتناب کیا جائے، اگر حج میں کسی گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو ''حج مبرور'' نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اس طرح تصویریں (احرام باندھتے وقت اور قربانی وغیرہ کرتے وقت) کھنچوانا اس کا منشاء تفاخر اور ریاکاری ہے کہ اپنے دوست کو (حج سے آنے کے بعد) دکھاتے پھرینگے اور ریاکاری سے اعمال کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۵۹)

زندگی میں ایک بار فرضیت حج میں حکمت

سوال:۔نماز اور زکوٰۃ میں تکرار ہے (بار بار آنا ہونا) حج میں تکرار کیوں نہیں؟ ساری عمر میں صرف ایک بار کیوں فرض ہے؟

جواب:۔اولاً تو احکام منصوصہ میں حکمت کا متلاشی رہاضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔ دوسرے عقلاً جملہ فرائض میں تکرار نہ ہونا چاہئے۔مگر تکرار مستلزم ہوا تکرار امر کو، حج کا سبب یعنی بیت اللہ واحد ہے۔لہٰذا تکرار کا تقاضہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔تیسرے حج میں بہ نسبت دیگر عبادات کے مشقت زیادہ ہے۔اس لیے حج کو جہاد فرمایا گیا ہے۔حائضہ سے نماز کے ختم ہونے اور روزہ کے نہ ختم ہونے میں بھی یہی حکمت ہے۔(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۵۱)

مسئلہ:۔زندگی میں (استطاعت کے بعد) ایک مرتبہ حج فرض ہے جب ایک مرتبہ حج کر چکا ہوتو دوسری مرتبہ حج فرض نہ ہوگا۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ ۲۱۸)

حج کی فرضیت کا وقت

سوال:۔ایک شخص حج کے مہینوں میں مالک ہوگیا مال کا تمام شرائط کے ساتھ اور بعد میں مال خرچ کر دیا۔یا تلف ہوگیا تو کیا حج کی قضا ضروری ہے؟

جواب:۔حج کے مہینوں میں مالدار اہوا تو حج فرض ہوگیا۔البتہ ایسے اگر دور دراز ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے حج کے مہینوں سے پہلے حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلہ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔ اگر اس وقت مال ہے تو حج فرض ہوگیا، اگر حج نہیں کیا تو قضاء واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔حج کی فرضیت علی الفور ہے۔لہٰذا (بلا عذر) تاخیر سے گنہگار ہوگا۔(احسن الفتاویٰ: ج۲ ص۵۲۸ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۱۵۲ ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۹۲ کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۳۲)

نماز وحج کی غلطی کیوں معاف نہیں؟

مسئلہ:۔روزہ کی غلطی معاف ہے۔لیکن نماز وحج کی غلطی معاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے۔جو روزہ کو یاد دلاتی ہو۔اس لیے روزہ میں معاف سمجھا گیا۔

بخلاف نماز و حج کے۔ کہ نماز میں استقبال قبلہ نماز کو یاد دلانے والی ہیئت ہے اور حج میں احرام بغیر سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ یاد دلانے والی موجود ہے اس لیے حج و نماز میں معذور نہیں سمجھا گیا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۹/ص۴۰۱)

مکہ کو مستقل وطن نہ بنانے والے کا حج

سوال:۔ میں مکہ مکرمہ میں ملازم ہوں۔ آج کل حکومت سعودیہ کے قانون کے مطابق ملک سے ایک مرتبہ باہر جانا پڑتا ہے۔ اس لیے پاکستان آ گیا ہوں۔ اب میں حج تمتع کرنا چاہتا ہوں اس کی کیا صورت ہو گی؟

جواب:۔ آپ نے چونکہ مکہ مکرمہ کو ہمیشہ کیلئے مستقل وطن نہیں بنایا۔ اس لیے پاکستان سے تمتع کر سکتے ہیں۔ اگر مستقل وطن بنالیں گے تو تمتع نہیں کر سکیں گے۔

(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۲۷ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۲۱۱)

مکہ والا آفاق سے واپسی پر تمتع کرے یا قران؟

سوال:۔ مکہ مکرمہ اور جدہ کے رہنے والے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مدینہ طیبہ جاتے ہیں اور شروع شوال میں جدہ والے جدہ آتے ہیں اور مکہ مکرمہ والے مکہ مکرمہ آتے ہیں یا جدہ والے مکہ مکرمہ کے راستے سے جدہ واپس آتے ہیں اور اسی سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو وہ اب جب کہ میقات سے باہر چلے گئے تو آفاقی ہو گئے تو ایسی حالت میں تمتع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ یہ لوگ قران کر سکتے ہیں تمتع نہیں کر سکتے۔ یہ حکم ان لوگوں کا ہے جن کا حرم یا حِل میں وطن اصلی ہے۔ (حرم سے باہر اور میقات کے اندر کا حصہ "حِل" کہلاتا ہے) جنہوں نے وہاں وطن اصلی نہیں بنایا صرف ملازمت یا تجارت وغیرہ کے لیے وہاں مقیم ہیں وہ تمتع بھی کر سکتے ہیں اور جو شخص حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد آفاق (میقات سے باہر) میں گیا ہو وہ قران بھی نہیں کر سکتا۔ خواہ اس کا وطن اصلی ہو یا نہ ہو۔

(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۱۵ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۲۱۴)

احصار کیا ہے؟

احصار کے لغوی معنی ہیں روکنا، منع کرنا، باز رکھنا اور اصطلاح فقہ میں احصار یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے ایسے شخص کو اصطلاح میں ''محصر'' کہتے ہیں۔

احصار کی چند صورتیں

احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے اور حج یا عمرہ نہ کر سکنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) راستہ پُر امن نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، قتل وغارت کا خوف ہو، یا کسی اور طرح کا جان ومال کا خطرہ ہو۔

(۲) مرض لاحق ہو جائے، یہ اندیشہ ہو کہ آگے بڑھنے سے مرض بڑھ جائے گا یا ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی سکت نہ ہو۔

(۳) احرام باندھنے کے بعد عورت کے ہمراہ کوئی محرم نہ رہے۔ محرم بیمار ہو جائے، یا انتقال ہو جائے یا جھگڑا ہو جائے اور ساتھ لے جانے سے انکار کر دے یا طلاق دیدے یا محرم کو کوئی جانے سے رک دے۔

(۴) سفر خرچ نہ رہے، کم پڑ جائے یا چوری ہو جائے۔ (اور قرض بھی نہ مل سکے)۔

(۵) کسی عورت کی عدت شروع ہو جائے۔ مثلاً شوہر طلاق دیدے یا عورت کے احرام باندھنے کے بعد شوہر کی وفات ہو جائے۔

(۶) کسی عورت نے شوہر کی اجازت سے۔ (نفلی حج کا) احرام باندھا ہو اور احرام باندھنے کے بعد شوہر منع کر دے۔

(۷) قید ہو جانا یا بادشاہ کا منع کرنا۔

(۸) ہڈی ٹوٹ جانا یا اتنا لنگڑا ہونا کہ چل نہ سکے۔

(۹) سفر کی وجہ سے مرض کی زیادتی کا خوف ہونا۔

جب کسی مرد یا عورت کو ان امور مذکورہ میں سے کوئی امر احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے پیش آجائے تو وہ محصر ہوگا اور اگر وقوف عرفہ کے بعد پیش آئے تو وہ شرعاً محصر نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج:۲۷۱)

احصار کا حکم

احصار کی صورت میں قربانی واجب ہے، اور جب تک محصر کی جانب سے حرم شریف میں قربانی نہ کی جائے محصر احرام ختم نہ کرے قربانی کا جانور یا رقم بھیجتے وقت ذبح کا دن مقرر کرلے تا کہ اس دن یہ اپنا احرام کھول لے۔

مسئلہ:۔عمرے یا حج افراد یا تمتع سے روکا گیا ہو تو ایک قربانی اور اگر قران سے روکا گیا ہو تو دو قربانی واجب ہونگی۔

مسئلہ:۔اگر مکہ مکرمہ میں ہی محرم کو کوئی ایسا مانع پیش آجائے کہ وقوف عرفات اور طواف زیارت دونوں نہ کرسکے تو وہ بھی محصر ہے۔اور اگر صرف ایک سے رکا تو محصر نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وقوف سے رکا تو عمرہ کر کے حلال ہوجائے اور اگر طواف زیارت سے رکا ہے تو یہ طواف ساری عمر میں ہوسکتا ہے، البتہ ایام نحر کے بعد کرنے سے دم واجب ہوگا۔

(معلم الحجاج: ص۲۷۲ وہکذا علم الفقہ : ج۵/ص۱۶۷۔ احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۱۱ ومظاہر حق: ج۳/ص۳۸۴ ومعارف القرآن: ج۱/ص۴۲۵)

(آسان شکل یہ ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا وضو یا غسل کر کے احرام باندھ کر دو رکعت نفل سر ڈھک کر پڑھنے کے بعد گھر سے نکلے لیکن حج کی نیت جہاز میں روانہ ہونے کے بعد کرے یا میقات کے قریب کرے تا کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو وہ محرم نہ ہو کیونکہ نیت کرنے کے بعد ہی احرام کی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔محصر کی قربانی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ قربانی ایام نحر یعنی دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ ہی میں کی جائے بلکہ اس سے قبل یا بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔جب قربانی کا اپنا مقررہ وقت گزر جائے احرام کھول دے۔ سر منڈانا مستحب ہے ضروری نہیں، پھر اس پر آئندہ سال قضا واجب ہے۔اگر صرف عمرہ کا احرام تھا تو صرف عمرہ کی قضا واجب ہے۔اور اگر صرف حج

کا احرام تھا تو حج وعمرہ دونوں واجب ہیں اور حج وعمرہ دونوں کا احرام تھا تو ایک حج اور دو عمرے قضاء میں واجب ہیں۔ (احسن الفتاوی: ج ۴/ص ۵۱۹ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۵۴)

مسئلہ:۔ اگر اس قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے ممنوعات احرام میں سے کوئی امر سرزد ہو جائے تو اس کی پرورش میں اس پر بھی وہی کچھ واجب ہوگا جو کہ غیر محصر احرام باندھنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۵۳)

مسئلہ:۔ جس شخص کا حج فوت ہو گیا یا محصر یعنی جو حج سے روک لیا گیا اس پر بھی طواف وداع واجب نہیں ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۹۰)

مسئلہ:۔ احصار کی قربانی کا گوشت محصر کے لیے کھانا جائز نہیں اس لیے کہ یہ جنابت کی قربانی ہے۔

مسئلہ:۔ قربانی کا جانور یا اسکی قیمت بھیجنے کے بعد رکاوٹ ختم ہونے کی صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ جو روک دیا تھا (محصر) قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا اور حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کر سکے گا۔ تو اس پر واجب ہے کہ فوراً حج کے لیے روانہ ہو جائے۔ ہاں اگر قربانی سے پہلے پہنچنے اور حج ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو تو پھر روانہ ہونا واجب نہیں ہے۔
(علم الفقہ: جلد ۵/ص ۶۷)

کیا سفر حج میں مرنے والے کا حج ہو جائے گا؟

سوال:۔ اگر کسی شخص کا سفر حج میں حج کرنے سے پہلے انتقال ہو جائے تو کیا اس کے ذمے سے فرض ساقط ہو جائے گا؟

جواب:۔ اور اگر حج پہلے فرض ہو چکا تھا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد فوت ہوا تو فرض ادا ہو گیا اور اگر اس سے پہلے فوت ہوا تو فرض ساقط نہیں ہوا۔ اس لیے اس پر اس کے شہر سے حج بدل کی وصیت کرنا (جب کہ ممکن ہو) فرض ہے۔ اگر ثلث مال اس کے شہر سے کافی نہ ہو تو جہاں سے بھی ثلث مال میں حج ہو سکے وہیں سے کرایا جائے۔

(احسن الفتاوی: ج ۴/ص ۵۲۳ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۶۳ وہکذا فتاوی رحیمیہ: ج ۵/۲۲۳)

☆☆

راستہ میں مرنے پر دوسرے نے حج ادا کیا؟

سوال:۔ایک شخص فرض حج کے لیے روانہ ہوا، میقات پہنچنے سے پہلے ہی انتقال ہوگیا۔ باقی ماندہ روپیہ سے دوسرے آدمی نے اسکی طرف سے حج ادا کیا۔ اس میں کیا میت کی طرف سے حج ادا ہوگیا یا نہیں، اور بقیہ روپیہ وارثوں کو طلب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:۔اس شخص کو وہ روپیہ (بقیہ) ورثاء کو دینا ہوگا، کیونکہ مرنے والے نے کچھ وصیت نہیں کی اور روپیہ باقی ماندہ "میراث" وارثوں کا ہوگیا، بہر حال باقی ماندہ روپیہ اس کو واپس دینا ہوگا اور حج اس میت کی طرف سے انشاء اللہ تعالیٰ ادا ہو جائے گا۔

(فتاوی دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۸ بحوالہ رد المختار: ج ۲/ص ۳۲۸)

سفر حج میں انتقال والے کے لیے خوشخبری

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو حج کیلئے نکلا اور راستہ میں وفات پا گیا اس کیلئے قیامت تک حج کا ثواب ملتا رہے گا اور جو عمرہ کیلئے نکلا اور راستہ میں انتقال کر گیا اس کیلئے (بھی) قیامت تک عمرہ کرنے کا ثواب ملتا رہے گا۔"

ایک حدیث میں روز محشر کا عام اصول یہ بتایا گیا ہے جس شخص کو جس چیز اور جس عمل پر موت آئے گی قیامت کے دن وہی کرتا ہوا اٹھے گا۔

اس لیے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کوئی نیک عمل کرتے ہوئے دنیا سے چلے جائیں۔ (الترغیب والترہیب: ج ۳ص ۳۶)

مسئلہ:۔جو شخص احرام کی حالت میں مرجائے اس کی تجہیز و تکفین غیر محرم کی طرح کی جائے یعنی عام مرنے والوں کی طرح اس کا سر ڈھانکا جائے کافور وخوشبو وغیرہ لگائی جائے۔

(معلم الحجاج: ص ۱۱۳)

(حاجی جو حج کے دوران انتقال کر جائے اس کو غسل اور پورا کفن دے کر دفن کرنا چاہئے اور اس کا سر بھی ڈھانک دیا جائے غرض یہ ہے کہ جو عام میت کیساتھ عمل کیا جاتا ہے وہ سب کرنے چاہئیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد احرام کے مسائل اس سے ختم ہو گئے ہیں)۔

(محمد رفعت قاسمی)

حج میں خواتین کی بے احتیاطیاں

حج بیت اللہ الحرام، مسلمان کیلئے یہ فریضہ ادا کرنا گوناگوں برکتوں کا ذریعہ ہے۔ اور حیرت انگیز نعمتوں کا وسیلہ ہے۔ باوجود یہ کہ سابقہ مشکلات ختم ہوگئیں اور بہت کچھ آسان پیدا ہوگئیں۔ تاہم دور دراز کا سفر ہے۔ ہزاروں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ جانا میسر ہوتا ہے اور اب بھی بہت کچھ مشکلات اٹھانا پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں بے حد ضروری تھا کہ مسلمان اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی احتیاط برتیں، مسائل حج سے کامل واقفیت حاصل کریں، اسی لیے ہر زبان میں مسائل واحکام حج سے متعلق چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں تاکہ شرعی قانون کے مطابق صحیح طور پر حج ادا ہو سکے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مخلوق خدا کا یہ عظیم انبوہ جو ملک (بلکہ دنیا) کے ہر گوشہ سے پہنچ رہا ہے، اکثر و بیشتر اس فریضہ کے احکام و مسائل سے بالکل بے خبر ہے۔ سنن و مستحبات تو درکنار فرائض وواجبات سے بھی غافل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنا ہی نہیں کہ محظورات وممنوعات کا برابر ارتکاب ہوتا رہتا ہے بلکہ اور تمام گناہوں تک پہنچنے سے بچنے کا ذرہ برابر کا بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ نمازوں کے ادا کرنے میں تقصیر جماعت کی پابندی میں کوتاہی حالانکہ ایک فرض نماز بھی حج سے بدرجہا اہمیت رکھتی ہے۔ اگر بغیر عذر شرعی کے ایک نماز بھی قضا کی تو حج قبول ہونے کی توقع مشکل ہو جاتی ہے۔ سفر میں خصوصاً احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ کہنے اور ذکر اللہ کرنے کے عام طور پر غیبتیں کرتے ہیں۔ بکواس بکتے رہتے ہیں۔ نہ زبان پر قابو نہ نگاہ پر قابو، نہ ہاتھ پر، بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے ہیں، نماز کا انتظار ہو رہا ہے اور فضولیات بک رہے ہیں۔ غیبت میں مبتلا ہیں، حالانکہ زندگی کے اس عظیم مرحلے پر پہنچ کر تو تمام اوقات عبادت میں ہوں، گناہوں سے پاک صاف ہو کر ایسے واپس ہوں جیسے کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے ولادت ہوئی ہے، دنیا میں دوبارہ آئے ہیں۔

بعض حضرات مستحبات و آداب میں غلو کرتے ہیں، لیکن فرائض وواجبات میں تقصیر (کوتاہی) کرتے رہتے ہیں اور دورِ حاضر کے اکثر حجاج کو دیکھ کر تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید کسی میلہ یا تماشا کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ عورتوں پر پردہ فرض ہے، مگر حرمین شریفین میں

پہنچ کرا کثر عورتیں بلکہ ۹۹ فیصد برقع پوش عورتیں بھی برقع پھینک کر بے حجاب ہو جاتی ہیں اوراس طرح گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوتی ہیں، نہ صرف بے حجاب بلکہ بسااوقات نیم عریاں لباس میں بیت اللہ کا طواف کرتی ہیں۔اورافسوس اسکا ہے کہ نہ شوہراور نہ انکے محرم حضرات اس بے حجابی کوروکنے کی تدبیر کرتے ہیں نہ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے، بے محابا مردوں کے درمیان گھستی ہیں۔حجراسود کو بوسہ دینے کیلئے مردوں کی بھیڑ میں جان بوجھ کر گھستی ہیں اور پھنستی ہیں، اجنبی مردوں کیساتھ شدید قبیح اختلاط میں مبتلا ہوتی ہیں۔یہ سب حرام ہیں گناہ کبیرہ ہے، ایساحج کہ جسمیں اول سے اخیر تک محرمات اور کبائر سے احتراز نہ ہوسکے کیا توقع ہے کہ وہ حج قبول ہوگا۔حج مبرور کیلئے جزاء جنت بے شک ہے لیکن حج مبرور کیسے ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے حج مبرور کے بارے میں بیان فرمایا کہ حج کرے اوراسمیں کوئی بھی بے حیائی کا کام نہ کرے،کوئی گناہ نہ کرے،تب گناہوں سے پاک وصاف ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔

پاکستان وہندوستان کی بعض عورتیں مصروشام وغیرہ بعض ملکوں کی عورتوں کو دیکھ کر کہ وہ بے پردہ ہیں خود بھی پردہ اٹھادیتی ہیں اورحرم میں اس طرح آتی ہے جیسے تمام مردان کے محرم ہیں یاوہ گھر کے صحن میں پھر رہی ہیں۔لیکن یہ انتہائی حماقت ہے، اگر کوئی قوم کسی گناہ میں مبتلا ہے تواس سے وہ گناہ جائز نہیں ہوجاتا۔پھر دیکھا گیا ہے کہ ان کی بے پردگی (یعنی چہرہ کا کھلا ہونا) ایک خاص سنجیدگی اوروقار کیساتھ ہوتی ہے۔لباس بھی ان کا سر سے پاؤں تک باحجاب ہوتا ہے، پاؤں تک موزے ہوتے ہیں، لیکن پاکستانی عورتوں کا خصوصاً پنجاب وسندھ کی عورتوں کا لباس توانتہائی بے حیائی کا ہوتا ہے تمام نسوانی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں، بے محابا سینہ تان کر چلتی ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عورتیں بھی اس بے حیائی کیوجہ سے معصیت وفسق میں مبتلا ہوجاتی ہیں اوران کے شوہر بھی ان کے اس بے حجابی پر گنہگار ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ ان کو مطلق منع نہیں کرتے،کوئی اصلاح نہیں کرتے، نہ روکتے ہیں، نہ ٹوکتے ہیں، یہ تو کھلی بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔

ان سب سے بڑھ کرایک اورعام ابتلاء یہ ہے کہ تمام عورتیں پنج وقتہ نمازوں میں

مردوں کی طرح حرم میں پہنچتی ہیں، باوجودیکہ عورتوں کے لیے دروازے بھی مخصوص ہیں، اورنماز پڑھنے کی جگہیں بھی متعین ہیں۔ مگر حج کے زمانہ میں چونکہ ازدحام بے حد ہوتا ہے۔ مستقل جگہ پر نہیں پہنچ پاتیں تو مردوں کے درمیان صفوں میں کھڑی ہوجاتی ہیں اور نماز پڑھنا شروع کردیتی ہیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ کی نماز اور عورتیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح اپنے وطن میں عورتوں کا تنہا نماز گھروں میں پڑھنا افضل ہے۔ اسی طرح مکہ ومدینہ میں بھی عورتوں کے لیے نماز گھروں میں تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے۔ اور مکہ ومدینہ میں نماز کا جو ثواب حرم اور مسجد نبوی کا ہوتا ہے وہ ان کو گھروں پر پڑھنے میں اس سے زیادہ ملتا ہے جو مسجد میں مردوں کو ملتا ہے، ایسی صورت میں حرمین شریفین میں عورتوں کو نماز گھروں میں پڑھنی چاہئے بالفرض کسی وقت بیت اللہ کے دیکھنے کی غرض سے یا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام میں، یا صلاۃ وسلام کی غرض سے مسجد نبوی میں آئیں اور نماز با جماعت پڑھ لیں تو ادا ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ مردوں کے درمیان نہ کھڑی ہوں۔ ایک عورت اگر مردوں کے درمیان کھری ہوجاتی ہے تو تین مردوں کی نماز خراب جاتی ہے دائیں بائیں جانب دو مردوں کی، اس کی محاذات (سیدھ میں) جو مرد کھڑا ہے اس کی بھی، تینوں کی نمازیں فاسد ہوگئیں۔ بالفرض بغیر کسی ارادے کے کوئی عورت اتفاقیہ طور پر عین نماز کے وقت صفوں کے درمیان پھنس جائے اور نکلنا دشوار ہوجائے یا طواف کرنے کے درمیان نماز کھڑی ہوجائے تو اس وقت اسکو خاموش بغیر نماز کے جہاں بھی ہو بیٹھ جانا چاہئے، نماز کی نیت ہرگز نہ کرے، ورنہ مردوں کی نماز بھی خراب ہوگی، جب امام فارغ ہوجائے تو پھر تنہا وہیں نماز ادا کرے۔ عورتوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے بھی ایسے وقت میں جانا چاہئے جب نماز کا وقت نہ ہو۔ اس وقت نسبتاً بھیڑ بھی کم ہوتی ہے اور اگر اتفاقاً نماز کا وقت ہوجائے تو اذان ہوتے ہیں جلدی جلدی طواف پورا کرکے یا طواف درمیان میں چھوڑ دیں تو جتنے شوط (چکر) رہ گئے وہ نماز کے بعد جہاں چھوڑے تھے وہیں سے پورے کرلیں۔ یا اس طواف کو دوبارہ کرلیں۔

بہر حال گناہ سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ اور بھی بہت سے کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ان سب میں نماز اور بے پردگی کا مسئلہ میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

بہر حال حج ایک ایسا فریضہ ہے جو زندگی میں بار بار ادا کرنا بے حد مشکل ہے، اس لئے چاہیئے کہ مرد ہوں یا عورتیں انتہائی احتیاط کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ بعض عورتیں اپنے ملکوں میں بھی پردہ نہیں کرتیں اور گویا مستقل طور پر بے پردہ رہتی ہیں۔ بلاشبہ یہ گناہ عظیم ہے اور ایک فرض حکم کی خلاف ورزی ہے، لیکن انہیں بھی حج بیت اللہ کے سفر میں تو چاہیئے کہ اس گناہ عظیم سے بچیں۔ تاکہ یہ فریضہ تو صحیح طریقہ سے ادا ہو جائے۔ آج کل بہت سی عورتیں بغیر محرم کے سفر کرتی ہیں، یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر محرم ہو بھی لیکن حج پر قادر نہ ہو یا یہ عورت اس کے مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ ہو تب بھی فرض نہ ہوگا۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ حج بھی فرض نہ ہو اور پھر وہاں جا کر حج میں اتنی فروگزاشتیں بھی ہوں؟ جب شرعاً اس کے ذمہ حج فرض ہی نہیں ہے تو یہ حج کا سفر کیوں اختیار کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ حج بیت اللہ میں حجاج کرام سے اس قسم کی کوتاہیوں اور خلاف شرع حرکتوں کی وجہ سے ہی حج کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور باوجود حجاج کی کثرت کے امت جس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے روز افزوں تنزلی میں جارہی ہے اگر اتنی کثرت سے حجاج کرام صحیح طریقہ پر یہ فریضہ ادا کرتے اور ہم سب کا حج بارگاہ اقدس میں شرف قبول سے سرفراز ہوتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ مسلمانوں کو صحیح فہم اور توفیق خیر نصیب فرمائے۔ (آمین) (محدث عصر حضرت علامہ سید محمود یوسف بنوری نوراللہ مرقدہٗ)

(بشکریہ ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۴ء)

عورتوں کے لیے حج میں محرم کی شرط کیوں ہے؟

مسئلہ:۔ میں شرعی مسئلہ بتاتا ہوں ''کیوں'' کا جواب نہیں دیا کرتا۔ مگر آپ کے اطمینان کیلئے لکھتا ہوں کہ بغیر محرم کے عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ کے سفر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ ایسے طویل سفر میں اسکا اپنی عزت وعصمت کو بچانا ایک مستقل مسئلہ ہے اور اس ناکارہ کے علم میں ہے کہ بعض عورتیں محرم کے بغیر حج کو گئیں اور گندگی میں مبتلا ہوکر واپس آئیں۔ علاوہ ازیں ایسے طویل سفر میں حوادث پیش آسکتے ہیں۔ اور عورت کو اٹھانے، بٹھانے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر کوئی محرم ساتھ نہ ہوگا تو یہ دشواریاں پیش آئیں گی۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۰)

تنبیہ:۔ خدا کے قانون کو محض اپنی رائے اور خواہش سے ٹھکرا دینا اور صرف ایک پہلو پر نظر کرکے دوسرے سارے پہلوؤں سے آنکھیں بند کرلینا دانشمندی نہیں ہے۔ (یعنی بغیر محرم کے حج کے لیے جانا) افسوس ہے کہ آج یہ مذاق عام ہوگیا ہے (آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۳)

محرم کسے کہتے ہیں؟

سوال:۔ میاں بیوی حج کے لیے جارہے ہیں ان کے ساتھ بیوی کی بھتیجی، بھانجی، یا بیوی کی سگی بہن جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ محرم وہ ہوتا ہے جس سے کبھی بھی نکاح نہ ہوسکے۔ بیوی کی بہن، بھانجی اور بھتیجی شوہر کے لیے نامحرم ہیں۔ ان کے ساتھ جانا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۷۹)

مسئلہ:۔ فروع والدین یعنی مرد یا عورت جن کی پیدائش کے باپ یا ماں (بلاواسطہ یا بالواسطہ) ذریعہ ہوں جیسے بھائی، بہن، بھانجا، بھانجی، بھتیجا، بھتیجی اور ان کی اولاد جہاں تک نیچے کے درجہ کی ہو سب کے سب حرام ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۸۸ وہکذا فتاویٰ عالمگیری اُردو: ج۲/ص۵/ وکتاب النکاح)

مسئلہ:۔ تایا، چچا، وغیرہ محرم ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰/ص۱۷۳)

مسئلہ:۔ محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کیساتھ نکاح حرام ہے، خواہ نسب کی وجہ سے یا ازدواجی، یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے۔ نیز محرم کا معتمد عاقل وبالغ ہونا بھی شرط ہے۔

(کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۳۶ ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج۱۰/ص۱۷۳ او معلم الحجاج ص۸۴)

مسئلہ:۔ عورت کے لیے اس کی بھانجی کا بیٹا محرم ہے ان کے درمیان نکاح حرام ہے تو وہ اس کے لیے محرم ہوا، عورت اپنی بھانجی کے بیٹے کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے۔ اتنا احتیاط

کیا جائے کہ وہ فاسق وفاجر نہ ہو، فاسق وفاجر پر اطمینان نہیں ہوتا، فقہاء کرام اس کے ساتھ سفر کرنے سے منع کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ٨/ص ٨٩، بحوالہ شامی: ج ا/ص ٥٢٩)

مسئلہ:۔محرم کو بھی اسی وقت سفر میں ساتھ جانا جائز ہے جب کہ فتنہ وشہوت کا اندیشہ نہ ہو، اگر ظن غالب یہ ہے کہ سفر کرنے کی صورت میں خلوت (تنہائی) میں یا ضرورت کے وقت چھونے سے شہوت ہو جائے گی تو اس کو ساتھ جانا جائز نہیں ہے۔ (معلم الحجاج: ص ٩٧)

مسئلہ:۔داماد (سگی بیٹی کا شوہر) اپنی ساس کے لیے محرم ہے، ان میں ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے، لہٰذا ساس داماد کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٨/ص ٢٨٨، بحوالہ طحطاوی: ص ٣٩٧)

مسئلہ:۔سوتیلی ساس اپنے سوتیلے داماد کے ساتھ سفر حج نہیں کرسکتی، کیونکہ سوتیلا داماد محرم نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ٨/ص ٣٠٨)

مسئلہ:۔آج کل فتنہ کا زمانہ ہے، سسرالی رشتہ سے احتیاط کی ضرورت ہے خصوصاً جب کہ جوان ہوں، معلم الحجاج میں ہے کہ اس زمانہ میں سسرالی رشتہ اور دودھ کے رشتہ (والے محرم کے ساتھ سفر کرنے) سے احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ فتنہ کا زمانہ ہے، اس لیے ان لوگوں کے ساتھ حج نہ کیا جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٨/ص ٣٨٨، بحوالہ شامی: ج ا/ص ٥٢٩ وہکذا معلم الحجاج: ص ٩٥)

مسئلہ:۔عورت اپنے حقیقی بھتیجہ کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، لیکن شوہر کے بھتیجہ کے ساتھ جانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کے لیے شوہر کا بھتیجہ محرم نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ٨/ص ٣٠٧)

مسئلہ:۔خنثیٰ مشکل کے لیے بھی (جس کی جنس معلوم نہ ہوسکے کہ مرد ہے یا عورت) محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے۔ (معلم الحجاج: ص ٥٥)

مسئلہ:۔ہوائی جہاز کے چند گھنٹوں کے سفر میں بھی عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ سفر شرعی کے اڑتالیس میل پر احکام جاری ہو جاتے ہیں مثلاً نماز میں قصرہ وغیرہ۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ٥/ص ٢١٤)

☆☆

بہنوئی کے ساتھ حج کرنا؟

مسئلہ:۔ بہنوئی کے ساتھ سفر کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ محرم وہ ہے جس سے نکاح کسی حال میں بھی جائز نہ ہو۔ سالی محرم نہیں ہے، چنانچہ اگر (حج کے دوران) شوہر بیوی کو طلاق دیدے (اور عدت گزر جائے) یا بیوی کا انتقال ہو جائے تو سالی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نامحرم کو ساتھ لے جانے سے حاجی محرم (گنہگار) بن جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۴)

منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کرنا؟

سوال:۔ ایک لڑکی نے منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کیا، کیا یہ اس کا محرم ہے، اس کے ساتھ نکاح جائز ہے؟

جواب:۔ کسی اجنبی آدمی کو بھائی بنانے سے وہ محرم نہیں بن جاتا، اس لیے اس سے نکاح جائز ہے۔ عورت کا بغیر محرم کے سفر پر جانا گناہ ہے۔ حج تو ہو جائے گا۔ لیکن عورت گنہگار ہوگی۔ منہ بولا بھائی محرم نہیں ہوتا اور اس کو محرم ظاہر کرنا غلط بیانی ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۵،۷۹)

شوہر کے سگے چچا وغیرہ کے ساتھ حج کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر آپ کی بیوی کی آپ کے چچا سے اور کوئی قرابت نہیں، تو یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہیں اور آپ کے حقیقی چچا کے ساتھ حج پر جانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ عورت کا جیٹھ نامحرم ہے اور نامحرم کے ساتھ سفر حج پر جانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ بہن کا دیور محرم نہیں ہوتا۔ اور محرم کے بغیر حج یا عمرہ کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ عورت اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ محرم ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۳/ص۱۸۹)

مسئلہ:۔ عورت کا بیٹی کے سسر کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ محرم نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ ممانی شرعاً محرم نہیں، اس لیے وہ شوہر کے حقیقی بھانجے کے ساتھ حج پر نہیں جا سکتی ہے۔

مسئلہ:۔عورت کا کسی ایسی عورت کے ساتھ سفر حج کرنا جس کا شوہر ساتھ ہو، یا ایسی خاتون کے ساتھ جانا جن کے ساتھ اس کا محرم ہو جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۶)

مسئلہ:۔پیر غیر محرم کے ساتھ عورت کا حج کا سفر جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ج ۶/ص ۵۴۰ بحوالہ بحرالرائق: ص ۳۸)

مسئلہ:۔عورت کے لیے دیور و جیٹھ (شوہر کے سگے چھوٹے و بڑے بھائی) محرم نہیں ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۷)

سفر بغیر محرم کے اور حج محرم کے ساتھ؟

سوال:۔اگر کوئی عورت حج کے لیے جائے۔محرم ساتھ نہیں جا سکتا، مگر وطن سے سوار کرا سکتا ہے اور جدہ ائیر پورٹ پر اس کا بھائی موجود ہے تو ایسی عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔وطن سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ اس کے ذمہ بھی ہوگا۔حج وعمرہ ادا ہو جائے گا، مگر آپ کا ہوائی جہاز کا سفر تنہا کرنا جائز نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۰)

حج کرنے کے لیے غیر محرم کو محرم بنانا؟

سوال:۔جو عورتیں غیر محرم کو محرم دکھا کر حج کرنے چلی جائیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔محرم کے بغیر حج کا سفر جائز نہیں اور نامحرم کو محرم دکھا کر حج کا سفر کرنا دہرا گناہ ہے۔لیکن اگر چلی جائے گی حج تو ہو جائے گا گو تنہا سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۲)

مسئلہ:۔عورت چاہے کتنی ہی بوڑھی ہو اس کے لیے بلا محرم سفر حج حرام ہے۔اگرچہ اسکے ساتھ دوسری عورتیں اپنے محارم کیساتھ ہوں تو بھی جائز نہیں ہے، اگر مرتے دم تک محرم میسر نہ ہو تو حج بدل کی اس پر وصیت فرض ہے۔(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۲۳)

محرم کے بغیر بوڑھی عورت کا حج کرنا؟

مسئلہ:۔عورت کا بغیر محرم کے سفر حج جائز نہیں، اگرچہ حج تو ہو جائے گا۔لیکن اس ناجائز سفر

کرنے کا گناہ الگ ہوگا۔ مگر چونکہ بوڑھی اماں کا سفر زیادہ فتنہ کا موجب نہیں، اسلئے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو رعایت مل جائے، تاہم بوڑھی اماں کو ناجائز سفر کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے۔ رہا یہ کہنا کہ ہزاروں عورتیں جن کا کوئی محرم نہیں ہوتا کیا وہ حج نہ کریں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک محرم میسر نہ ہو عورت پر حج فرض ہی نہیں ہوتا، اس لیے حج نہ کریں۔ اور اگر حج کا بہت ہی شوق ہے محرم ملتا نہیں تو نکاح ثانی کرلیا کریں۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۷ و ۸۳ و ہکذا فی فتاوی رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۷ و کفایت المفتی: ج ۴/ص ۳۲۱)

ملازم کو محرم بنا کر حج کرنا؟

سوال:۔ میں اپنی مصروفیات کی بناء پر بیوی کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتا۔ کیا میں اپنے ملازم کو محرم کی حیثیت سے بیوی کے ساتھ حج کے لیے بھیج سکتا ہوں؟

جواب:۔ محرم ایسے رشتہ داروں کو کہتے ہیں جس سے اس کے رشتہ کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔ جیسے عورت کا باپ، بھائی، بھتیجا، بھانجا۔ گھر کا ملازم محرم نہیں اور بغیر محرم کے حج پر جانا جائز نہیں ہے۔ آپ خود بھی گنہگار ہونگے اور آپ کی بیگم اور ملازم بھی۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۶)

خود کو دوسرے کی بیوی ظاہر کر کے حج کرنا؟

سوال:۔ میرا مسئلہ دراصل کچھ یوں ہے کہ میرا نام محمد اکرم ہے میرے دوست کہ جس کا نام محمد اشرف ہے۔ اب میرے دوست کا اپنے کفیل کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو حج پر بلانا تھا، سو اس نے میرے نام پر اپنی بیوی کو حج پر بلایا یعنی اس نے نکاح نامہ پر بھی میرا نام لکھوایا اور کاغذی کارروائی میں وہ میری بیوی ہی بن کر یہاں آئی ہے اور میں ہی اس کو لینے کیلئے ائیر پورٹ گیا سکوریٹی والوں نے میرا اقامہ دیکھ کر میری بیوی جان کر اسکو باہر آنے دیا۔ اور عورت اپنے اصل خاوند کے پاس ہے اس نے حج اپنے خاوند کے ساتھ کیا۔ کیا یہ حج صحیح ہے؟

جواب:۔ فریضۂ حج تو اس محترمہ کا ادا ہو گیا۔ مگر جعل سازی کے گناہ میں تینوں شریک ہیں۔ وہ دونوں میاں بیوی بھی اور آپ بھی۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۸)

بیوہ اور عدت والی عورت حج کیسے کرے؟

مسئلہ:۔خاوند کا انتقال اگر ایسے وقت ہوا کہ حج کے وقت تک اس کی عدت پوری نہیں ہوتی تو وہ عورت عدت پوری ہونے سے پہلے کا سفر نہ کرے۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۳ وہکذا فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص۵۳۵ بحوالہ رد المختار: ج۲/ص۱۹۸ و فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۳۷)

مسئلہ:۔عورت عدت کی حالت میں اگر حج کرے گی تو حج ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی۔

(معلم الحجاج: ص۸۶)

مسئلہ:۔عورت کو عدت کے دوران حج کے لیے جانا جائز نہیں عدت گزر جانے کے بعد اگر محرم کے ساتھ جا سکتی ہو تو جائے اور اگر کوئی محرم میسر نہ آئے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۳۰۷)

حاملہ عورت کا حج؟

سوال:۔کیا حاملہ عورت حج کر سکتی ہے؟ اگر کر سکتی ہے تو کیا وہ بچہ یا بچی جو اس کے پیٹ میں ہے اس کا بھی حج ہو گیا ہے یا نہیں؟

جواب:۔حاملہ عورت حج کر سکتی ہے۔ پیٹ کے بچے کا حج نہیں ہوتا۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۴)

عورت کا متبنّٰی کے ساتھ حج کے لیے جانا؟

مسئلہ:۔عورت کو اپنے لے پالک (منہ بولا بیٹا، گود لیا ہوا) کے ساتھ، یا ہمسایہ عورتوں کیساتھ حج کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔ محرم نہ ملے تو حج بدل کرا دینا چاہیے، لیکن اس وقت کا حج بدل کرایا ہوا اس شرط کے ساتھ معتبر ہوگا کہ تمام عمر کوئی محرم نہ ملے اور اگر کسی وقت محرم مل گیا مثلاً نکاح کر لیا اور شوہر حج کے لیے ساتھ لے جانے پر راضی ہو گیا اور اس وقت بھی روپیہ بقدر حج عورت و محرم موجود ہو یا بعد کو جمع ہو گیا تو حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

(امداد الاحکام: ج۲/ص۱۵۷)

مسئلہ:۔وہ عورت جس نے بچپن سے کسی لڑکے کی پرورش کی اور اس کو اپنا متبنّٰی بیٹا بنایا ہے

جب کہ بچہ عورت کو ماں اور عورت لڑکے کو بیٹا کہہ کر پکارتی ہو وہ لڑکا اس عورت کے حق میں محرم نہیں ہے۔ اس کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ متبنّٰی حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں اس کی تفصیل موجود ہے (آپ کے مسائل: ج۸ ص ۳۱۸)

حج کے لیے تنہا عورتوں کے قافلہ کا حکم؟

مسئلہ:۔ فطری اور قدرتی طور پر مرد کا میلان عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی طرف ہوتا ہی ہے اور شیطان ملعون بھی معاصی میں مبتلا کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا تا رہتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کی حدیث میں ہے کہ ''مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں''۔ من جملہ ضروریات شرعیہ کے ایک ضرورت ان کی ادائیگی بھی ہے۔ جس کے لیے ضابطۂ شرعیہ اور فتنہ وفساد سے حفاظت کی ایک زائد احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ عورت کے سفر میں دیندار محرم یا شوہر ساتھ موجود ہو جو اس کی پوری طور پر حفاظت کر سکے، ورنہ سفر حج کی بھی اجازت نہیں۔ اگر بغیر محرم کے جائیگی تو شرعی حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔ حالانکہ سفر میں عورتوں کی عصمت وناموس کی جس قدر حفاظت شوہر اور محرم کر سکتا ہے۔ وہ عورتیں نہیں کر سکتیں۔ بلکہ خود وہ عورتیں بھی عصمت و پاکدامنی کی حفاظت کے لیے دوسروں کی محتاج ہیں۔

عورت کے حق میں محرم کی شرط اور ضرورت حج سے محرومی کا باعث نہیں بلکہ اس کی عصمت وناموس کی حفاظت و بدگمانی اور بدنامی اور تہمت سے بچانے کے لیے ہے، جس کے بغیر عورت کی کوئی قیمت نہیں، لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ احکام شرعیہ کی قدر کریں اور شریعت کو اپنا محسن سمجھیں، رہا حج کو جانے کا معاملہ تو کوئی محرم نہ ملے تو شریعت حج بدل کی بھی اجازت دیتی ہے۔ جس میں پورے ثواب کی مستحق ہوگی اور مزید برآں شرعی حکم کی تابعداری کرنے والی عورت مستحق اجر عظیم ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص ۳۲۱ بحوالہ بخاری شریف ج۱/ص ۴۴ وابن ماجہ ۲۹۷ ومسلم شریف: ج۱/ص ۴۳۴ وہدایہ: ج۱/ص ۲۱۳)

☆☆

حجاج کو رخصت کرنے کے لیے عورتوں کا جانا؟

مسئلہ:۔ بعض جگہ یہ رواج ہے کہ حجاج کرام جب حج کیلئے جاتے ہیں تو اسٹیشن تک رخصت کرنے کیلئے عورتیں بھی جاتی ہیں۔ اسٹیشن پر مرد اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ بے پردگی ہوتی ہے۔ یہ رسم مذموم اور بہت سی برائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا قابل ترک ہے حج کے نام پر لوگوں نے عورتوں کا اجتماع اور اختلاط وغیرہ بہت سی ناجائز اور مکروہ رسومات ایجاد کر رکھی ہیں جو بجائے ثواب کے لعنت کی مستوجب بن رہی ہیں، اسلئے اس رسم کو بالکل بند کر دینا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص۴۰۴ وہکذا فتاویٰ محمودیہ: ج۳/ص۲۰۲)

عورت کا باریک دوپٹہ پہن کر حرمین شریفین میں آنا؟

مسئلہ:۔ عورت کو ایسا کپڑا پہن کر باہر نکلنا حرام ہے جس سے بدن نظر آتا ہو یا سر کے بال نظر آتے ہوں۔

مسئلہ:۔ ایسے باریک دوپٹہ میں نماز بھی نہیں ہوتی جس سے بال نظر آتے ہوں۔

مسئلہ:۔ مکہ ومدینہ جا کر عام عورتیں مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں اور مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں پوری کرنا ضروری سمجھتی ہیں، یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ حرمین شریفین میں نماز با جماعت کی فضیلت صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کو وہاں جا کر بھی اپنے گھر (قیام گاہ) میں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور گھر میں نماز پڑھنا مسجد کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ جب خود بنفس نفیس نماز پڑھا رہے تھے اسی وقت یہ فرما رہے تھے کہ ''عورت کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔'' جس نماز میں آنحضرت ﷺ امام وصحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مقتدی ہوں جب اس جماعت کے بجائے عورت کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہو تو آج کی جماعت عورت کیلئے کیسے افضل ہو سکتی ہے؟ حاصل یہ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ جا کر عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنی چاہئے اور یہ گھر کی نماز ان کیلئے حرمین شریفین کی نماز سے افضل

ہے۔حرم شریف میں طواف کیلیئے آنا چاہئے لیکن مردوں کے ہجوم میں نہ گھسیں اور حجر اسود کا بوسہ لینے کی بھی کوشش (بھیڑ میں) نہ کریں ورنہ گنہگار ہونگی۔ نیکی برباد، گناہ لازم کا مضمون صادق آئے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۹)

حج کے مبارک سفر میں عورتوں کے لیے پردہ؟

سوال:۔حج کے موقع پر جب عورتوں سے کہا جاتا ہے پردہ کے لیے، تو جواب یہ دیتی ہیں کہ اس مبارک سفر میں پردہ کی ضرورت نہیں ہے اور مجبوری بھی ہے۔کیا حکم ہے پردہ کا؟

جواب:۔احرام کی حالت میں عورت کو حکم ہے کہ کپڑا اس کے چہرہ کو نہ لگے لیکن اس حالت میں جہاں تک اپنے بس میں ہو نامحرموں سے پردہ کرنا ضروری ہے اور جب احرام نہ ہو تو چہرہ کا ڈھکنا لازم ہے۔ یہ غلط ہے۔ کہ مکہ مکرمہ میں یا حج کے سفر میں پردہ ضروری نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۰ و ہکذا کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۵۴)

کیا لڑکی کا رخصتی سے پہلے حج ہو جائے گا؟

سوال:۔ایک لڑکی کا نکاح ہو گیا ہے لیکن رخصتی نہیں ہوئی، اور نہ ہی دونوں فریقوں کا دو سال تک رخصتی کا ارادہ ہے۔لڑکا چاہتا ہے کہ وہ اپنے سعودی عرب کے قیام کے دوران اور رخصتی سے پہلے لڑکی کو اپنے ساتھ حج کروائے تو کیا بغیر رخصتی کے لڑکی کو لڑکے کے ساتھ حج پر بھیجنا صحیح ہے؟

جواب:۔لڑکا حج کرالے، دونوں کام ہو جائینگے۔ رخصتی بھی اور حج بھی۔ جب نکاح ہو گیا تو دونو میاں بیوی ہیں، رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۶)

مسئلہ:۔اگر حج کی تیاری مکمل ہو جائے اور لڑکی کی منگنی (رشتہ) ہو جائے تو لڑکی اپنے ماں باپ (یا محرم) کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۳)

عورت پر حج کی فرضیت؟

سوال:۔حج کیا مردوں پر فرض ہے یا عورتوں پر بھی؟

جواب:۔عورت پر بھی حج فرض ہے جب کہ کوئی محرم میسر ہو اور اگر محرم میسر نہ ہو

تو مرنے سے پہلے حج بدل کی وصیت کردے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۴)
مسئلہ:۔ حج فرض کے لیے عورت کو اپنے شوہر سے اجازت لینا (جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم جارہا ہو) اور بیٹے کا باپ سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۶ وہکذا فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۲۸ بحوالہ رد المختار ج ۱/ص ۲۰۰ و کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۳۲۱)
مسئلہ:۔ عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ اسکے پاس اس قدر روپیہ ہو کہ دونوں کا خرچ اٹھا سکے یعنی اپنا خرچ اور محرم کا خرچ بھی اٹھا سکے۔
(فتاویٰ دار العلوم: ج ۱/ص ۵۲۲ بحوالہ عالمگیری مصری: ج ۱/ص ۲۰۳)
مسئلہ:۔ جس عورت کو اس کے شوہر یا لڑکے نے روپیہ دیا (تو وہ) اس روپیہ کی مالک ہوگئی اگر وہ روپیہ اتنا ہے کہ حج کے سفر کے لیے کافی ہے اور اس کے محرم کا خرچ بھی پورا ہو سکتا ہے تو اس عورت کے ذمہ حج فرض ہے اپنے محرم کے ساتھ حج کو جانا چاہئے۔
(فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۲۱ بحوالہ ہدایہ کتاب الحج: ج ۱/ص ۲۱۵)

عورت کے پاس محرم کا خرچ نہ ہو تو؟

مسئلہ:۔ اگر عورت کے پاس بقدر ضرورت حج مال موجود ہو مگر ساتھ جانے کے لیے کوئی محرم نہیں ملتا، یا ملتا ہے مگر وہ اپنا خرچ نہیں کر سکتا اور عورت کے پاس اتنا مال نہیں کہ وہ اپنے خرچ کے علاوہ محرم کا خرچ بھی خود برداشت کرے تو اس عورت پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرائے یا وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے میرے مال سے حج بدل کرادیا جائے۔ (احکام حج: ص ۱۸۸ وہکذا امداد الفتاویٰ: ج ۲/ص ۱۵۶)

عورتوں کیلئے مخصوص ہدایات

مندرجہ ذیل مسائل میں عورتوں کا حکم مردوں سے بالکل الگ ہے۔
(۱) عورتوں کا احرام صرف اتنا ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانک لیں اور چہرہ کھولے رکھیں۔
(۲) سلے ہوئے کپڑے عورتوں کے لیے منع نہیں ہیں۔
(۳) عورتیں تلبیہ آہستہ آواز سے پڑھیں۔

(۴) ناپاکی کی حالت یعنی حیض ونفاس میں دعاء وتلبیہ پڑھ کر احرام باندھ لیں نماز نہ پڑھیں۔

(۵) سر کے بالوں کو ایک کپڑے سے باندھ لیں تا کہ کوئی بال ٹوٹ کر نہ گر جائے اور یہ کپڑا (رومال) صرف احتیاط کے لیے ہے (بعض حضرات اس کو عورت کا احرام سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے)۔

(۶) صفا ومروہ کے درمیان سعی کے دوران ہرے کھمبوں یعنی ہری ٹیوب لائٹ کے درمیان دوڑنا عورتوں کے لیے مسنون نہیں ہے۔

(۷) احرام کھولتے وقت بالوں کے آخر سے صرف انگلی کے ایک پورے کے برابر کاٹ لینا کافی ہے۔

(۸) ناپاکی کی حالت میں طواف کے علاوہ حج کے تمام ارکان ادا کر سکتی ہے۔

(۹) ایام نحر یعنی دس، گیارہ، بارہ، تاریخ میں پاکی کی حالت نہ ہو تو طواف زیارت کو پاک ہونے تک مؤخر کر دیں ان پر کوئی جرمانہ نہ ہوگا۔

(۱۰) جدہ یا مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد شوہر یا محرم کا انتقال ہو جائے یا طلاق ہو جائے تو اسی حالت میں حج کے ارکان ادا کر سکتی ہے۔

(۱۱) اگر عورتیں واپسی کے وقت ماہواری کے ایام میں مبتلا ہو جائیں تو ان سے طواف وداع معاف ہو جاتا ہے۔

(۱۲) اضطباع: یعنی احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا عورتوں کے لیے نہیں ہے۔

(۱۳) عورتوں کو رمی کرتے وقت ہاتھ اتنا اونچا اٹھانا چاہئے کہ بغل نظر آئے۔

(۱۴) رمل یعنی طواف کے شروع کے تین چکروں میں جھپٹ کر تیزی سے قدم نزدیک رکھ کر چلنا عورتوں کے لیے مسنون نہیں ہے۔ عورتیں اپنی ہی چال سے چلیں۔

(محمد رفعت قاسمی)

عورتوں کا احرام

مسئلہ:۔ عورتوں کا احرام اور حج بھی مردوں کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ عورت کو سلے ہوئے

کپڑے پہنے رہنا چاہئے سر کو بھی چھپانا چاہئے صرف چہرہ پر کپڑا نہ لگنا چاہئے چہرا کھلا رہنا چاہئے۔

مسئلہ:۔عورت کے لیے موزے دستانے پہننا جائز ہے۔ نہ پہننا اولیٰ ہے۔ زیور بھی پہن سکتی ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۱۰)

مسئلہ:۔حالت حیض ونفاس میں بھی احرام باندھ سکتی ہے مگراس حالت میں دوگانہ یعنی دورکعت نفلِ احرام نہ پڑھے۔(احکام حج:ص ۳۴۔حضرت مفتی شفیعؒ)

مسئلہ:۔عورت کو حیض ونفاس میں چونکہ نماز پڑھنی ناجائز ہےس لیے غسل یا وضو کر کے قبلہ رو بیٹھ کر نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینا چاہئے نماز نہ پڑھے۔(معلم الحجاج:ص ۱۰۶)

مسئلہ:۔عورت کو سر ڈھانکنا واجب ہے۔ اور منہ پر کپڑا لگانا منع ہے سر پر سے کپڑا اس طرح لٹکانا کہ چہرہ کو نہ لگے بہتر ہے۔اور سلے ہوئے کپڑے پہنے جائز ہیں۔

مسئلہ:۔عورت کو چاہئے کہ احرام کی حالت میں سر پر چھوٹا سا رومال باندھے تا کہ سر نہ کھلے اور یہ سر پر رومال باندھنے کا حکم وجوب ستر کے لیے ہے یعنی سر کے بالوں کو چھپانے کے لیے ہے نہ کہ احرام کے لیے، کیونکہ عورت کے سر کا یہ (رومال) احرام نہیں ہے۔ چنانچہ اگر سر کھلا رہے تو جنایت (دم وغیرہ) نہ ہوگی۔ رومال باندھنا اجنبی مرد کے آگے واجب ہے اور سر کھولنا گناہ ہے۔

مسئلہ:۔عورت کے لیے سر کا رومال احرام میں داخل نہیں ہے پس اگر غسل کے لیے (یا وضو میں مسح کرنے کیلئے) کھولے تو جنایت لازم نہ ہوگی۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ بال ٹوٹنے سے محفوظ رہیں۔

مسئلہ:۔عورت کو حیض میں تمام افعال کرنے جائز ہیں صرف طواف کرنا اور نماز پڑھنا منع ہے۔اگر احرام سے پہلے حیض آجائے تو غسل کر کے احرام باندھ کر سب افعال کرے مگر سعی وطواف ونماز نہ پڑھے۔

مسئلہ:۔عورت کو تلبیہ زور سے پڑھنا منع ہے،صرف اس قدر زور سے پڑھے کہ خود سن لے۔
(معلم الحجاج ص ۱۱۵)

مسئلہ:۔خنثیٰ مشکل یعنی جس شخص کا مرد یا عورت ہونا معلوم نہ ہو تمام احکام میں وہ مثل عورت کے ہے اس کو کسی اجنبی عورت یا مرد کے ساتھ تنہائی جائز نہیں ہے۔(معلم الحجاج:ص ۲۲۹)

مسئلہ:۔عورت احرام کی حالت میں اگر ہتھیلی پر مہندی لگائے گی تو دم واجب ہوگا۔

(معلم الحجاج:ص ۲۲۹)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں روٹی پکاتے ہوئے کچھ بال جل گئے تو صدقہ دے اور اگر مرض کی وجہ سے گر گئے یا سوتے ہوئے جل گئے تو کچھ واجب نہیں ہے۔(معلم الحجاج:ص ۲۳۹)

مسئلہ:۔عورتوں کو احرام باندھنے کے لیے کسی خاص قسم کا لباس پہننا لازم نہیں ہے۔اس لیے خواتین احرام میں سلے ہوئے کپڑے بدستور پہنی رہیں، خواہ وہ کسی رنگ کے ہوں، ان کا احرام یہ ہے کہ وہ چہرہ کھلا رکھیں، اور ہاتھوں میں دستانے نہ پہنے یہی اولیٰ ہے البتہ غیر محرم مرد ہوں تو چہرے پر کسی چیز سے اوٹ بھی کر سکتی ہیں اور کسی کپڑے سے ہاتھوں کو بھی چھپا سکتی ہیں۔(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۸۹)

مسئلہ:۔عورت کے لیے افضل یہی ہے کہ حالت احرام میں موزے پہنے رہے۔کیونکہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔اور اگر اس کے کپڑے ڈھیلے اور تمام بدن کو ڈھانکنے والے ہوں تو وہی کپڑے کافی ہیں۔

مسئلہ:۔عورت نے احرام کے وقت موزے پہنے تھے اور بعد میں اتار دیئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے جیسے کوئی شخص احرام کے وقت جوتے پہنتا ہے۔لیکن بعد میں اتار دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص ۲۴)

مسئلہ:۔احرام کے لیے غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے، گو محض وضو کر لینا اصل سنت کے قائم مقام عمل ہے۔لیکن غسل کرنا افضل ہے۔اور یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا پاک ہونے کے لیے نہیں۔لہٰذا حیض ونفاس کی حالت میں غسل کرنا چاہیے۔

مسئلہ:۔اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا۔اس کے بجائے تیمّم مشروع نہیں ہے۔اس لیے کہ صفائی وستھرائی جو اس غسل کی غرض ہے وہ تیمّم سے حاصل نہیں ہوتی۔

(کتاب الفقہ:ج ۱/ص ۱۰۴۸)

مسئلہ:۔حالت احرام میں عقدہ نکاح جائز ہے۔کیونکہ احرام باندھنا عورت کو عقد نکاح کی صلاحیت سے مانع نہیں،البتہ ہم بستری ممنوع ہے۔(کتاب الفقہ :ج۱/ص۱۰۵۶)

مسئلہ:۔حالت احرام میں ہم بستری کی طرح وہ حرکات جن سے اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔وہ بھی حرام ہیں مثلاً بوسہ لینا،بدن ملانا۔(کتاب الفقہ :ج۱/ص۱۰۵۳)

کیا عورتوں کو احرام میں چہرہ کھلا رہنا چاہیئے؟

مسئلہ:۔یہ صحیح ہے کہ احرام کی حالت میں چہرے کو ڈھکنا جائز نہیں۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ احرام کی حالت میں عورت کو پردہ کی چھوٹ ہوگئی۔نہیں! بلکہ جہاں تک ممکن ہو پردہ ضروری ہے۔یا تو سر پر کوئی چھجا(ہیٹ،ٹوپ) سا لگایا جائے اور اس کے اوپر سے کپڑا اس طرح ڈالا جائے کہ پردہ ہوجائے مگر کپڑا چہرہ کو نہ لگے،یا عورت اپنے ہاتھ میں پنکھا وغیرہ رکھے(جہاں مردوں کا سامنا ہو) اسے چہرہ کے آگے کرلیا کرے۔اس میں شبہ نہیں کہ حج کے طویل اور پُر ہجوم سفر میں عورت کے لیے پردہ کی پابندی بڑی مشکل ہے۔لیکن جہاں تک ہوسکے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔اور جو اپنے بس سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۸۸)

مسئلہ:۔اگر کسی عورت کے احرام کی حالت میں چہرہ پر برقع کا نقاب ہوا سے اُڑ کر پڑے یا سوتے میں چادر وغیرہ اس کے یا کسی مرد کے چہرے پر پڑ جائے تو اگر ایک گھنٹہ سے کم ہو تو جزا اس کی نصف صاع صدقہ واجب ہے اور اگر بار بار پڑتا رہے تو ایک مٹھی صدقہ کردے۔(احسن الفتاویٰ:ج۴/ص۵۳۵)

عورت کا احرام کے اوپر سے مسح کرنا؟

سوال:۔آج کل دیکھا گیا ہے کہ عورتیں جو احرام باندھتی ہیں تو بال بالکل ڈھک جاتے ہیں اور اس کا سر کے اوپر سے بار بار اتارنا عورتوں کے لیے مشکل ہوتا ہے تو کیا سر کا مسح اسی کپڑے کے اوپر ٹھیک ہے؟

جواب:۔عورتیں جو سر کے اوپر رومال(کپڑا) باندھتی ہیں اس کا احرام سے کوئی

تعلق نہیں۔ یہ رومال صرف اس لیے باندھی جاتی ہے کہ بال بکھریں اور ٹوٹے نہیں۔

عورتوں کو اس رومال پر مسح کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ رومال اتار کر سر پر مسح کرنا لازم ہے۔

اگر رومال ہی پر مسح کیا سر پر نہیں کیا تو نہ وضو ہوگا۔ نہ نماز ہوگی۔ نہ طواف ہوگا۔ نہ حج ہوگا، نہ عمرہ۔ کیونکہ یہ افعال بغیر وضو جائز نہیں اور سر پر مسح کرنا فرض ہے بغیر مسح کے وضو نہیں ہوتا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۰)

مسئلہ:۔ عورتیں احرام میں سر پر رومال باندھنا ضروری سمجھتی ہیں اور اس کو احرام سمجھتی ہیں۔ یہ جہالت ہے۔ غیر محرم سے سر اور چہرہ کا پردہ فرض ہے۔ اور بالوں کی حفاظت کے لیے سر پر رومال باندھنا بھی فی نفسہ جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۶)

عورتوں کیلئے حج کے ضروری مسائل

سوال:۔ میرا حج کا ارادہ ہے مگر بہت پریشان ہوں کہ اگر حج کے دوران خاص ایام شروع ہو جائیں تو کیا کرنا چاہئے اور مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازوں کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ کی پریشانی مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ حج کے افعال میں سوائے بیت اللہ شریف کے طواف کے کوئی چیز ایسی نہیں جس میں عورتوں کے خاص ایام رکاوٹ ہوں اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے ایام شروع ہو جائیں تو عورت غسل یا وضو کر کے حج کا احرام باندھ لے۔ احرام باندھنے کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہے وہ نہ پڑھے۔ حاجی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلا طواف (جسے طواف قدوم کہا جاتا ہے) سنت ہے۔ اگر عورت خاص ایام میں ہو تو یہ طواف چھوڑ دے منیٰ جانے سے پہلے اگر پاک ہو جائے گی تو طواف کر لے ورنہ ضرورت نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ لازم ہے۔

دوسرا طواف دس تاریخ کو کیا جاتا ہے جس کو طواف زیارت کہتے ہیں یہ حج کا فرض ہے۔ اگر عورت اس دوران خاص ایام میں ہو تو طواف میں تاخیر کرے۔ پاک ہونے کے بعد طواف کرے۔

تیسرا طواف مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کے وقت کیا جاتا ہے یہ واجب ہے۔ لیکن اگر اس دوران عورت خاص ایام میں ہو تو اس طواف کو بھی چھوڑ دے اس سے یہ واجب

بھی ساقط ہو جاتا ہے باقی منیٰ عرفات مزدلفہ میں جو مناسک ادا کئے جاتے ہیں ان کے لیے عورت کا پاک ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔

اور اگر عورت نے عمرہ کا احرام باندھا تھا تو پاک ہونے تک عمرہ کا طواف وسعی نہ کرے اور اگر اس صورت میں اس کو عمرہ کے افعال ادا کرنے کا موقع نہ ملا کہ (حج کے لیے) منیٰ کی روانگی کا وقت آ گیا تو عمرہ کا احرام کھول کر حج کا احرام باندھ لے یعنی نفل بغیر پڑھے وضو کر کے حج کے احرام کی نیت کر لے اور یہ عمرہ کا جو احرام توڑ دیا تھا اس کی جگہ بعد میں عمرہ کر لے۔

مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں پڑھنا مردوں کے لیے مستحب ہے۔ عورتوں کے لیے نہیں۔ عورتوں کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی مسجد کے بجائے اپنے گھر (قیام گاہ) میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۱۸ و ہکذا فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص۵۴۶)

مسئلہ:۔ اگر عورت کو احرام کی حالت میں حیض یا نفاس آ جائے تو عورت پاکی کا انتظار کرے گی۔ پاک ہونے کے بعد طواف اور سعی کرے گی اور بال کٹوا کر عمرہ پورا کر لے گی اور اگر عمرہ کے بعد آیا یا آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھنے کے بعد حیض یا نفاس آ جائے تو حج کے تمام اعمال ادا کرے گی۔ وقوف عرفہ۔ وقوف مزدلفہ کنکریاں مارنا۔ تلبیہ وذکر الٰہی سب کچھ کرے گی۔

اور اگر حج کے طواف وسعی کے بعد حیض یا نفاس آ جائے تو طواف وداع ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ حائضہ ونفاس والی عورت پر طواف وداع نہیں ہے۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص۵۲)

مسئلہ:۔ عورتیں حیض یا نفاس کی حالت میں ہوں تو حج کے تمام اعمال انجام دیں صرف طواف بیت اللہ اور سعی صفا ومروہ نہ کریں۔ طواف اس لیے نہ کریں کہ طواف کے لیے پاکی شرط ہے اور سعی اس لیے نہ کریں کہ سعی طواف کے بغیر نہیں ہوتی۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۹)

مسئلہ:۔ عورتوں کے لیے اس حال میں حجر اسود کو چومنا بالکل حرام ہے جب کہ اجنبی مردوں کے ساتھ جسم لگنے کا احتمال ہو۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۸۹)

مسئلہ:۔ حضور ﷺ کے روضۂ مبارک کے سامنے حاضری کے لیے دھکا بازی خصوصاً عورتوں کا

غیر محرم کے ہجوم میں داخل ہونا حرام ہے۔ایسی حالت میں دور سے درود وسلام پڑھیں۔
(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص ۵۶۸)

عرفات میں حائضہ کا آیت کریمہ وغیرہ پڑھنا؟

مسئلہ:۔عورت حیض یا نفاس کی حالت میں قرآن مجید کی کوئی بھی آیت تلاوت کی نیت سے نہیں پڑھ سکتی البتہ قرآن مجید کی وہ آیت یا سورت جس میں دعا یا اللہ کی حمد وثناء ہو۔ دعا اور ذکر کی نیت سے پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتی ہے۔

مسئلہ:۔عورت حیض یا نفاس سے ہو اور جس (مرد یا عورت) پر نہانا واجب ہو اس کو مسجد میں جانا بیت اللہ شریف کا طواف کرنا اور قرآن شریف پڑھنا اور اس کا چھونا درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔اگر الحمد کی پوری سورت (سورۂ فاتحہ) دعاء کی نیت سے پڑھے یا اور دعائیں جو قرآن میں آئی ہیں۔ان کو دعا کی نیت سے پڑھے تلاوت کے ارادہ سے نہ پڑھے تو درست ہے۔ اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جیسے یہ دعا: (ربنا آتنافی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.) اور یہ دعا: (ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا) آخر تک جو سورۂ بقرہ کے آخیر میں ہے۔ یا اور کوئی دعاء جو قرآن شریف میں آئی ہو۔ دعا کی نیت سے سب کا پڑھنا درست ہے۔لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت حالت حیض ونفاس میں میدان عرفات میں ذکر اور دعا کی نیت سے سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد. ذکر کی نیت سے پڑھ سکتی ہے۔) تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۹/ص ۱۱۸)

آیت کریمہ: (لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظلمین.) بھی ذکر کی نیت سے پڑھ سکتی ہے البتہ قرآنی دعاؤں کے حروف کو نہ چھوئے ذکر کے طور پر زبانی پڑھے)۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔وقوف عرفات کے لیے پاک ہونا بھی شرط نہیں ہے۔اگر کوئی عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں ہو تو اس حالت میں بھی وقوف عرفات درست ہو جائے گا۔
(احکام حج: ص ۶۵ وہکذا فی معلم الحجاج: ص ۱۶۳)

طواف کے دوران اگر بالغ ہو جائے؟

سوال:۔ایک لڑکی نے اپنے والدین کیساتھ عمرہ کا طواف کیا اور پھر سعی کی اور سعی کے بعد لڑکی نے اپنی والدہ کو حیض کے شروع ہونے کی اطلاع کی۔ماں نے اس سے دریافت کیا یہ کب سے شروع ہوا؟ تو اس نے بتایا کہ طواف کے دوران شروع ہوا۔ گویا حالت حیض میں اس نے پورا یا طواف کا اکثر حصہ ادا کیا پھر اسی حالت میں سعی بھی کی اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔لڑکی کو چاہئے تھا کہ عمرہ کا احرام نہ کھولتی بلکہ پاک ہونے کے بعد دوبارہ طواف سعی کرتی۔ بہر حال چونکہ اس نے احرام نابالغی میں باندھا تھا، اس لیے اس پر دم جنایت نہیں ہے۔مناسک ملا علی قاری میں ہے کہ "اگر بچہ نے ممنوعاتِ احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں" خواہ یہ ارتکاب بلوغ کے بعد ہو، کیونکہ وہ اس سے پہلے مکلّف نہیں تھا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۵)

مسئلہ:۔حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کا ماہواری کو روکنے کے لیے دوائی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۹)

مسئلہ:۔عورت کو ایام خاص میں سعی کو طواف سے پہلے کرنا صحیح نہیں۔پاک ہونے کے بعد طواف وسعی کر کے احرام کھولے۔اس وقت تک احرام میں رہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۹)

مسئلہ:۔اگر دوران طواف عورت کو حیض آجائے تو طواف کو وہیں روک دے اور جب حیض سے پاک ہو جائے تو نئے سرے سے طواف کا اعادہ کرے۔ (ایضاح المناسک: ص ۱۲۱)

مسئلہ:۔عورت حیض سے ایسے وقت میں پاک ہوئی کہ بارہویں تاریخ کے آفتاب غروب ہونے میں اتنی دیر ہے کہ غسل کر کے مسجد میں جا کر پورا طواف یا صرف چار چکر کر سکتی ہے اور اس نے نہیں کیا تو دم واجب ہوگا اور اگر اتنا وقت نہ ہو تو کچھ واجب نہیں ہے۔

(معلم الحجاج: ص ۱۸۰)

مسئلہ:۔عورت جانتی ہے کہ حیض عنقریب آنے والا ہے اور ابھی حیض آنے میں اتنا وقت باقی

ہے کہ پورا طواف یا چار پھیرے کرسکتی ہے، لیکن نہیں کیا اور حیض آ گیا پھر ایام نحر گزرنے کے بعد پاک ہوئی تو دم واجب ہوگا اور اگر چار پھیرے نہیں کرسکتی تو کچھ واجب نہ ہوگا، یعنی پاک ہونے کے بعد چار پھیرے کرنے کا وقت بھی نہیں تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

(معلم الحجاج: ص ۱۸۰ و ہکذا فی منتخبات نظام الفتاوی: ج ۱/ص ۱۵۶)

عورت احرام سے نکلنے کیلئے کتنے بال کاٹے؟

سوال:۔ حج میں مرد قربانی کے بعد سر منڈاتے ہیں اور عورت اپنے سر کے بال کتنے کاٹے اور یہ کہ سر کے نیچے کے بال کاٹے جائیں یا پیشانی کے بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں؟

جواب:۔ ایک انگلی کے برابر یعنی ایک انگلی کی تہائی مقدار تمام سر کے بال کاٹ دے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱/ص ۲۰۷)

(عورت اپنے تمام سر کے بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر نیچے سے انگلی کے ایک پورے کے برابر بال خود کاٹ لے یا کسی دوسری عورت سے یا کسی محرم سے کٹوالے، اور جتنے بھی عمرے کرے گی اتنی ہی مرتبہ اتنے بال کاٹنا ضروری ہیں اور اتنے ہی حج کے موقع پر کاٹے جائیں گے۔)۔ (محمد رفعت قاسمی)

طواف زیارت کے وقت حیض آجائے تو؟

سوال:۔ اگر کسی عورت کی بارہ ذی الحجہ کی فلائٹ ہے اور وہ اپنے خاص ایام میں ہے تو کیا وہ طواف زیارت (حج کا طواف) ترک کرکے وطن آجائے اور دم دیدے یا کوئی مانع چیز مثلاً دوائی وغیرہ استعمال کرکے طواف ادا کرے؟

جواب:۔ طواف زیارت حج کا رکن عظیم ہے۔ جب تک طواف زیارت نہ کیا جائے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوتے بلکہ اس معاملہ میں احرام بدستور باقی رہتا ہے۔ اس لیے خواتین کو ہرگز طواف زیارت ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ پرواز چھوڑ دینی چاہئے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اس طواف کے بغیر وطن واپس آ گیا تو اس پر لازم ہے کہ نیا احرام باندھے **بغیر** واپس مکہ مکرمہ جائے اور جا کر طواف زیارت کرے جب تک نہیں کرے گا

میاں بیوی کے تعلق میں احرام رہے گا اور اس کا حج بھی نہیں ہوتا اور اس کا کوئی بدل بھی نہیں۔ دم دینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ واپس جا کر طواف کرنا ضروری ہوگا۔ (تاخیر کی وجہ سے مرد پر دم بھی واجب ہوگا)

جو خواتین ان دنوں ناپاک ہوں، ان کو چاہئے کہ اپنا سفر ملتوی کر دیں اور جب تک پاک ہو کر طواف نہیں کر لیتیں مکہ مکرمہ سے واپس نہ جائیں۔ اگر کوئی تدبیر ایام کے روکنے کی ہو سکتی ہے تو پہلے سے اس کا اختیار کر لینا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۴۷)

مسئلہ:۔ اگر عورت کے لیے مانع حیض دوا کا استعمال مضر نہ ہو عورت اُسے برداشت کر سکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو حیض کو روکنے کی دوا کے استعمال کی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۷۹ وج۶/ص۴۰۴ وہکذا حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص۵۳)

مسئلہ:۔ اگر عورت حیض کی وجہ سے طوافِ زیارت اس کے وقت میں نہ کر سکے تو دم واجب نہ ہوگا۔ پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرے۔ (معلم الحجاج ص۱۸۰)

مسئلہ:۔ اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو اسی جگہ طواف کا سلسلہ روک دینا لازم ہے اور وضو کر کے وہاں سے طواف کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ نئے سرے سے طواف کا اعادہ کیا جائے۔ (سعی میں وضو کی شرط نہیں ہے۔)۔ (اوجز المناسک: ۵۳۰)

مجبوری کے وقت حیض کی حالت میں طواف زیارت کرنا؟

سوال:۔ آج کل حج کے سفر میں آمد و رفت کی تاریخ پہلے ہی سے متعین ہوتی ہے تبدیل کرانا مشکل ہوتا ہے اور کافی پریشانی ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی مجبوری کی حالت میں عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حیض کی حالت میں حج کا رکن اعظم ''طواف زیارت'' کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔ حدث اکبر یعنی ناپاکی کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا پڑے گا اور کافی وقت وہاں گزارنا ہوگا۔ جب کہ اس حالت میں مسجد میں داخل ہونا ہی حرام ہے۔ تو اس حالت میں بیت اللہ میں داخل ہونا اور طواف زیارت جیسے اہم رکن کو ادا کرنا کیسے گوارہ کیا جا سکتا ہے؟

لہٰذا پاک ہونے کے بعد ہی طواف زیارت ادا کرنے کی کوشش کرے۔ آج کل

جہازوں کی کثرت ہے۔ کوشش کرنے پر کامیابی ہوسکتی ہے۔ معلم اور ذمہ دار لوگوں سے مل کر بھی اس کا حل نکل سکتا ہے۔ ناممکن نہیں ہے۔ اگر وہاں ٹھہرنے میں اخراجات میں تنگی کا اندیشہ ہے تو کسی سے قرض لے کر یا چندہ کر کے یہاں تک کہ رقم ختم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لے کر بھی انتظام کرنا جائز ہوگا یہ سب امور حیض کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے اہون (آسان) ہیں۔ سہولت پسندی اور سستی سے ہرگز کام نہ کیا جائے۔

اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسی صورت میں طواف کرلیا گیا تو حکماً حج پورا ہوجائے گا اور احرام سے بھی پوری طرح عورت حلال ہوجاتی ہے۔ لیکن پورا اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم ہوگا۔ باقی شرعاً جان بوجھ کر ایسی حالت میں طواف کرنے کا حکم یا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

اور ارادۃً (جان بوجھ کر) ایسی صورت میں یہ کام کرنا اور بعد جزاء اس کی دے کر سبکدوش ہوجائیں ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ نہ یہ گناہ فدیہ سے معاف ہوسکتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸)

سخت مجبوری میں گنجائش کی ایک شکل

ایک اور مسئلہ خاص طور پر خواتین سے متعلق ہے وہ یہ ایام نحر میں (دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ میں) کسی عورت کو ناپاکی کی بناء پر طواف زیارت کا موقع نہ مل سکے اور بعد میں اتنے روز ٹھہرنے کا بھی نظم نہ ہو کہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کر کے وطن لوٹ سکے اور ایسی ناگزیر مشکل سامنے آجائے کہ پاکی کے ساتھ اس سفر میں طواف کا موقع ہی نہ رہے۔ تو اس میں شرعی گنجائش فقہاء نے دی ہے۔

اس بارے میں بھی مذکورہ فقہی اجتماع منعقدہ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ نے مندرجہ ذیل تجویز بکمال احتیاط منظور کی ہے۔

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کر کے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہوسکے جیسے ٹکٹ اور ویزے کی تاریخ بڑھانا۔ یا حج کمیٹی سے روانگی کو مؤخر کرانا وغیرہ۔

اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہو سکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرے تو اگر چہ وہ گنہگار ہوگی۔ لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہو جائے گا۔ اور وہ پوری طرح حلال ہو جائے گی یعنی احرام کی پابندی ختم ہو جائیں گی۔ مگر اس پر ایک بدنہ یعنی بڑے جانور (گائے یا اونٹ) کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کر لے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہو جائے گا۔ (ندائے شاہی ۶ ۱۷ جنوری ۲۰۰۱ء حج وزیارت نمبر)

اس مسئلہ کی تفصیل دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی: ج ۱/ص ۱۰۷ وشامی: ج ۲/ص ۲۰۶ وزبدۃ المناسک: ص ۱۸۵)

(دونوں فتویٰ آپ کے سامنے موجود ہیں احتیاط پہلے میں ہیں۔ لیکن عمل کرنے میں سہولت دوسرے فتویٰ میں ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

طواف کی سات قسمیں اور ان کا حکم

مسئلہ:۔ حالت جنابت (ناپاکی) یا حالت حیض ونفاس میں اگر طواف کیا جائے گا تو طواف کی ساتوں قسموں کا حکم مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) طواف زیارت کیا جائے تو جنبی حائضہ اور نفساء پر جرمانہ میں ایک گائے پوری یا ایک اونٹ کی قربانی واجب ہوگی جو حدود حرم میں لازم ہوگی۔ اور اگر ایسی حالت میں تین یا اس سے زیادہ طواف کے چکر کئے تو دم (ایک بکراء گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ) لازم ہوگا اور اگر پاکی کے بعد طواف کا اعادہ کر لیا جائے تو جرمانہ ختم ہو جائے گا۔

(۲) طواف عمرہ: اگر حالت حیض یا نفاس یا جنابت میں طواف عمرہ کریں تو جرمانہ میں ایک دم یعنی بکری کی قربانی لازم ہوگی ور اگر پاک ہونے کے بعد اعادہ کریں تو جرمانہ ختم ہو جائے گا۔

(۳) طواف وداع: حائضہ ونفساء پر یہ طواف معاف ہے ان پر یہ طواف واجب نہیں ہے اور اگر حالت جنابت میں طواف وداع کیا جائے تو جرمانہ میں ایک قربانی لازم ہوگی اور اعادہ کرنے سے جرمانہ معاف ہو جائے گا۔

(۴) نذر کا طواف: طواف نذر (جس نے طواف کرنے کی نذر کی ہو وہ) واجب ہے۔

لہٰذا اگر حالت حیض یا نفاس یا جنابت کی حالت میں طواف نذر کیا جائے تو جرمانہ میں ایک دم دینا ہوگا اور پاکی کی حالت میں اعادہ کرنے سے وہ جرمانہ معاف ہو جائے گا۔

(۵) طواف قدوم: حالت جنابت وحیض ونفاس میں طواف قدوم کرنے سے جرمانہ میں دم واجب ہوگا اور پاک ہونے کے بعد اعادہ کرنے سے جرمانہ ساقط ہو جائے گا۔

(۶) طواف نفل۔

(۷) طواف تحیۃ: ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ حالت جنابت یا حالت حیض ونفاس میں کیا جائے تو ان میں دم دینا واجب ہو جائے گا اور اعادہ کی صورت میں دم ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان طواف نفل بھی طواف قدوم کی طرح ہے۔

(ندائے شاہی حج وزیارت نمبر: ص ۱۵۷۔ جنوری ۲۰۰۱ء بحوالہ غنیۃ المناسک: ص ۲۴۷)

طواف وداع کے موقع پر حیض آجانا؟

مسئلہ:۔ حائضہ عورت اگر مکہ کی آبادی سے نکلنے سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کو لوٹ کر طواف وداع کرنا واجب ہے (جب کہ لوٹنا اپنے اختیار میں ہو) اگر آبادی سے نکلنے کے بعد پاک ہو تو واجب نہیں لیکن اگر میقات سے گزرنے سے پہلے کسی وجہ سے واپس آئے گی تو یہ طواف واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۹۰)

مسئلہ:۔ عورت حج سے واپسی کے وقت حائضہ ہو جائے اور طواف وداع نہ کر سکے اور وہاں پر نہ ٹھہر سکتی ہو اور شوہر (یا محرم) کے ساتھ آجائے اور طواف وداع نہ کر سکے تو اس پر دم لازم نہ ہوگا

حائضہ عورت پر طواف وداع واجب نہیں۔ اگر موقع ہو تو پاک ہونے کے بعد طواف وداع کر کے واپس ہونا افضل ہے اور یہ طواف وداع کا حکم ہے۔ طواف زیارت کا حکم اور ہے۔ (جو پہلے گزر چکا)۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۹)

مسئلہ:۔ اہل حرم، اہل حِل، اہل میقات اور حائضہ، نفساء، مجنون اور نابالغ پر طوافِ وداع واجب نہیں ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۰۷)

مسئلہ:۔ حیض ونفاس والی عورت طواف وداع نہ کرے بلکہ حدود مسجد سے باہر باہر دعا مانگ کر رخصت ہو جائے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۰۷)

عورتوں کیلئے سر منڈانے کی ممانعت کیوں؟

حضرت علی اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اپنا سر منڈانے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ شریف: ۲۶۵۳۰)

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ عورتوں پر حلق نہیں ہے۔ عورتوں پر صرف بال ترشوانا ہے۔ (حدیث: ۲۶۵۴۰)

تشریح:۔ عورتوں کے لیے احرام کھولتے وقت سر منڈوانا دو وجہوں سے ممنوع ہے ایک یہ کہ اس سے عورت کی شکل بدنما ہو جاتی ہے اور مثلہ یعنی صورت بگاڑنا مطلقاً منع ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے عورت مرد کی ہم شکل بن جاتی ہے۔ عورتوں کے لیے مردوں کی شکل اختیار کرنا بھی مطلقاً منع ہے۔ (رحمتہ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۴۸)

ایک ضروری ہدایت

حج کمیٹی کی طرف سے لازمی رہائش اسکیم کے تحت عمارتوں میں جو کمرے الاٹ کئے جاتے ہیں ان میں ایک ہی کمرہ میں کئی فیملیوں کو محرم وغیرہ کا لحاظ کئے بغیر ٹھہرایا جاتا ہے یہ بہت ہی تکلیف دہ اور خطرناک بات ہے۔ اس لیے اولاً یہ کوشش کرنی چاہئے کہ عورتوں اور مردوں کے کمرے الگ الگ ہو جائیں۔ اگر آپس میں حاجی اس طرح کی بات طے کرلیں تو اس میں کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو کم از کم ایک ہی کمرہ میں رہ کر چادر وغیرہ سے پردے ڈال لینا چاہئے۔ تاکہ کسی حد تک رکاوٹ ہو جائے۔ اور حج کے مبارک سفر میں بدنظری ور بے حیائی سے حفاظت ہو سکے۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر حجاج اس کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ اور ان قیام گاہوں میں اجنبی مرد وعورت اس طرح بے تکلف رہتے ہیں گویا وہ آپس میں سگے (محرم) رشتہ دار ہوں۔ اور بسا اوقات اجنبی مرد وعورت کے درمیان خلوت کی نوبت بھی آجاتی ہے جو قطعاً حرام ہے۔ حتی الامکان ایسی بے احتیاطیوں سے بچنا لازم ہے۔ نیز عورت

اپنے سر کے بالوں کو بھی غیر محرم کی نظر سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔
(محمد رفعت قاسمی)

(حجر اسود شروع میں ایک ہی تھا اب اس کے چھوٹے چھوٹے آٹھ ٹکڑے ہیں۔ ان ٹکڑوں کو پتھر کے بڑے ٹکڑے میں جوڑا گیا ہے۔ اور پھر اس پر چاندی کا فریم لگا دیا گیا ہے۔ یہی وہ ٹکڑے ہیں جن کو بوسہ دینا مسنون ہے۔ نہ کہ وہ بڑا پتھر اور نہ ہی چاندی کا وہ خول جو اس بڑے پتھر پر چڑھا ہوا ہے۔) (محمد رفعت قاسمی)

حج کی رہنمائی قدم بہ قدم

احرام کہاں سے باندھیں؟

اگر سیدھے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ایئر پورٹ پر احرام باندھیں اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں۔ اگر جہاز پر سوار ہونے سے پہلے احرام نہیں باندھا ہے تو جدہ پہنچنے سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل ضرور احرام باندھ لیں۔ ورنہ میقات سے بلا احرام آگے بڑھنے کے جرم میں دم قربانی واجب ہو جائے گی۔ (اس لیے کہ ہندوستان وغیرہ سے جانے والا ہر ہوائی جہاز قرن المنازل کی میقات یا اس کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اس مقام سے گزرنے سے پہلے حجاج کو بہر حال احرام باندھ لینا ضروری ہے۔)

اگر پہلے مدینہ منورہ جانے کا نظام ہو تو یہاں سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جانا ہو تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھا جائے گا۔

احرام باندھنے کا مسنون طریقہ

احرام باندھنے سے پہلے مستحب ہے کہ حجامت بنوالی جائے۔ ناخن کتر لیں۔ بغل اور زیر ناف بال صاف کر لیے جائیں۔ اس کے بعد احرام کی نیت سے غسل کر لیں۔ اگر غسل کا موقع یا انتظام نہ ہو تو وضو کر لیں۔

غسل یا وضو کے بعد مرد حضرات سلا ہوا کپڑا اُتار دیں اور ایک تہبند باندھ لیں۔ اور اس پر ایک چادر اوڑھ لیں۔ اور خوشبو لگائیں۔ مگر کپڑے پر داغ نہ لگنے پائے۔ یہ دونوں

چادریں سفید اور نئی ہوں تو بہتر ہے۔ (اگر تہبند کو درمیان سے سی لیا جائے تو بھی جائز ہے اور جو حضرات بلا سلی لنگی پہننے کے عادی نہیں ہیں انہیں سلی ہوئی لنگی پہننی چاہئے۔ تا کہ کشف عورت کا اندیشہ نہ ہو۔ یعنی ناف سے لے کر گھٹنہ تک حصہ نہ کھلے)۔

خواتین احرام کے لیے سلے ہوئے کپڑے نہیں اُتاریں گی۔ بلکہ ان کا احرام صرف یہ ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانک لیں اور چہرہ کھولے رکھیں۔ اور پردہ کے لیے بہتر یہ ہے کہ نقاب کے اوپر کوئی ہیٹ لگا لیں تا کہ نقاب چہرے پر نہ لگ سکے۔ (آج کل ایک خاص قسم کے کپڑے کو جسے عورتیں سر کے بالوں پر باندھتی ہیں خواتین نے اسے احرام کا نام دے رکھا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کپڑے یا رومال کا نام احرام نہیں)۔

احرام کی تیاری کے بعد اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز نفل احرام کی نیت سے پڑھیں۔ بہتر ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ واضح رہے کہ اس نماز کو پڑھتے وقت چادر وغیرہ سے سر ڈھانک لینا افضل ہے۔ کیونکہ ابھی احرام کی پابندیاں شروع نہیں ہوئیں۔

اگر اس وقت خواتین ناپاکی کے ایام میں ہوں تو وہ نماز نہ پڑھیں بلکہ ویسے ہی احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں۔

مرد حضرات نماز سے فارغ ہو کر سر سے چادر ہٹا لیں اور اس کے بعد حج کی تینوں قسموں (افراد، قرآن اور تمتع) میں سے جس قسم کا ارادہ ہو اس کی نیت کریں۔ مثلاً اگر افراد کا ارادہ ہو تو اس طرح کہیں:

(اللهم انی اریدالحج والعمرة فیسرهمالی وتقبلهمامنی.)

(اے اللہ میں حج اور عمرہ دونوں اکٹھا کرنا چاہتا ہوں، ان کو میرے لئے آسان فرما دیئے، اور قبول فرمالیجئے)

اور اگر حج تمتع کا ارادہ ہے تو یوں کہے:

(اللهم انی اریدالعمرة فیسرهالی وتقبلهامنی.)

(اے اللہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، اس کو سہل کر دیجئے اور قبول فرمالیجئے)

آج کل اکثر لوگ حج تمتع کرتے ہیں۔ اس میں سہولت ہے۔

اس کے بعد مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ آواز سے تین مرتبہ تلبیہ پڑھیں۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: (**لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک. ان الحمد والنعمة لک والملک ، لاشریک لک**) (حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور سب نعمتیں صرف آپ ہی کے لیے ہیں اور ساری بادشاہی بھی آپ ہی کے اختیار میں ہے۔ آپ کا کوئی شریک نہیں)۔

نیت کے ساتھ تلبیہ کہنے کے بعد اب باقاعدہ محرم بن گئے اور احرام کی ساری پابندیاں شروع ہو گئیں۔ یاد رہے کہ احرام کرنے کے لیے نہ صرف نیت کافی ہے اور نہ ہی صرف تلبیہ۔ بلکہ تلبیہ اور نیت ایک ساتھ ہونا شرط ہے۔

تلبیہ کے بعد جو چاہے دعا مانگیں۔ یہ دعا مانگنی مستحب ہے۔

(اللھم انی اسئلک رضاک والجنة واعوذبک من غضبک والنار)

(اے اللہ! میں آپ کی خوشنودی اور جنت کا طلب گار ہوں اور آپ کے غصے اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں)۔

احرام شروع ہونے کے بعد بہت سی چیزیں جو پہلے سے حلال تھیں وہ بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً خوشبو لگانا، بدن کی ہیئت پر سلا ہوا لباس پہننا۔ بال یا ناخن کاٹنا۔ سر یا منہ کو ڈھانکنا۔ جوں مارنا۔ شکار کرنا۔ بیوی سے جماع کرنا یا بے حیائی کی باتیں کرنا وغیرہ۔ (ان کی تفصیل مسائل حج کی کتابوں میں دیکھ کر یاد کرنی چاہئے۔ اور ان سب پابندیوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے)۔

حج تمتع کی صورت میں مکہ معظّمہ پہنچ کر طواف شروع کرنے سے پہلے تلبیہ پڑھنا بند کر دیا جائے گا اور حج افراد اور حج قران میں یہ تلبیہ ۱۰/ ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ (جسے بڑا شیطان بھی کہا جاتا ہے)۔ کی رمی تک جاری رہے گا اور جب تک بھی تلبیہ کا حکم باقی رہے کثرت سے اور پورے ذوق وشوق سے تلبیہ پڑھنے کو جاری رکھا جائے۔ اور پڑھتے وقت اس کے معنیٰ کا ضرور استحضار رکھیں۔ اور یہ تصور کریں کہ ایک عاشق بے نوا اپنے مہربان آقا کے دربار میں کھنچا چلا جا رہا ہے۔

بیت اللہ میں حاضری

مکہ معظّمہ پہنچنے اور رہائش وغیرہ کے متعلق انتظامات مکمل ہونے اور فی الجملہ یکسوئی میسر آنے پر اب حرم شریف میں حاضری کے لیے تیار ہو جائیے۔

بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی خوب دلجمعی اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا کریں۔ یہ قبولیت کا موقع ہے۔

اگر آپ نے حج افراد کا احرام باندھا ہے تو بیت اللہ میں حاضری کے بعد فوراً طواف قدوم کریں اور اگر تمتع یا حج قران کا احرام ہو تو جاتے ہی اولاً طواف عمرہ کریں، حج تمتع کرنے والے کے لیے طواف قدوم کا حکم نہیں اور حج قران کرنے والا عمرہ کے بعد طواف قدوم کرے گا۔

تمتع کرنے والا شخص طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل (جھپٹ کر چلنا) اور ساتوں چکروں میں اضطباع (احرام کی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) کرے گا۔ اور اس کے بعد عمرہ کی تکمیل کے لیے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔ حج قران کرنے والا بھی اسی طرح ارکان عمرہ ادا کرے گا۔

اور حج افراد کرنے والا اگر طواف قدوم کے بعد ہی حج والی سعی کرنا چاہتے تو اسے بھی طواف قدوم میں رمل و راضطباع کرنا پڑے گا۔ واضح رہے کہ رمل اور اضطباع مردوں کے لیے ہر اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کا رادہ ہو۔

عورتوں کے لے رمل اور اضطباع کا حکم بالکل نہیں (بعض عورتیں طوا:ف میں مردوں کی طرح رمل کرتی (جھپٹ کر چلتی) ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے احتراز کریں۔

طواف کی ابتداء حجر اسود کی استلام (بوسہ لینے) سے ہوتی ہے۔ حجر اسود کے سامنے فرش پر پورے مطاف میں ایک کالی پٹی بنی ہوئی ہے۔ اس پٹی کے قریب جا کر اس طرح کھڑے ہوں کہ حجر اسود دائیں جانب ہو۔

پھر طواف کی نیت اس طرح کریں کہ "اے اللہ میں تیرے مقدس گھر کے ساتھ چکروں کے طواف کی نیت کرتا ہوں۔ خالص تیری رضا اور خوشنودی کے لیے۔ لہٰذا اسے میرے لئے آسان کر کے قبول فرما۔"

نیت کرنے کے بعد دائیں طرف چلیں اور حجر اسود کے بالکل سامنے آجائیں یعنی چہرہ اور سینہ حجر اسود کی طرف کر کے کالی پٹی پر کھڑے ہو جائیں اور پھر نماز کی طرح ہاتھ اُٹھاتے ہوئے: (**بسم الله الله اکبر و لله الحمد**) پڑھیں اور ہاتھ گرا دیں۔

اس کے بعد حجر اسود کا استلام کریں۔ اسکی صورت یہ ہے کہ اگر حجر اسود تک پہنچنے کا موقع مل جائے تو اپنا منہ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں اس طرح رکھیں جیسے نماز میں سجدے میں رکھا جاتا ہے اور نرمی کے ساتھ بوسہ دیں اور اگر بھیڑ کی وجہ سے حجر اسود تک نہ پہنچ سکیں تو پھر کالی پٹی پر کھڑے کھڑے دور سے دونوں ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف اس خیال سے کریں کہ وہ حجر اسود پر رکھی ہوئی ہیں۔ پھر ان ہاتھوں کو چوم لیں۔ استلام کے وقت یہ کلمات پڑھیں: (**الله اکبر لا اله الا الله و الصلوٰة و السلام علی رسول الله**) دور سے استلام کرنے میں بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا قریب سے بوسہ لینے میں اس لئے زیادہ بھیڑ میں جانے کی کوشش نہ کریں۔ خاص کر خواتین حتی الامکان غیر مردوں سے اختلاط سے بچنے کا اہتمام کریں۔

استلام کرنے کے بعد فوراً اپنا چہرہ سینہ اور قدم حجر اسود کے دائیں طرف کر کے چلنا شروع کر دیں اور چکر کے دوران رُخ بیت اللہ شریف کی طرف نہ کریں بلکہ نظر نیچے کئے ہوئے گولائی میں چلتے رہیں۔

اور جب ایک چکر پورا ہو جائے اور دوبارہ کالی پٹی پر پہنچیں تو پھر چہرہ اور سینہ حجر اسود کی طرف کر کے استلام کریں اور فوراً اپنی ہیئت پر آجائیں۔ اسی طرح ساتوں چکر پورے کریں۔ سہولت کے لیے ایک نقشہ آگے درج ہے۔

ہر چکر میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچیں تو اگر قریب ہوں تو سینہ اور قدم بیت اللہ شریف کی طرف کئے بغیر دونوں ہاتھوں یا صرف دائیں ہاتھ سے رکن یمانی کو چھونا سنت ہے۔ لیکن اس وقت ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر بھیڑ کی وجہ سے قریب جانا مشکل ہو تو دور سے اشارہ وغیرہ نہ کیا جائے بلکہ وہاں سے ویسے ہی گزر جائیں۔ آج کل بہت سے لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی رُکن یمانی سے گزرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہیں اور ہاتھوں بوسہ دیتے ہیں۔ یہ سب خلافِ سنت ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے۔

طواف کے ساتوں چکروں میں باوضو رہنا ضروری ہے۔ اگر پہلے چار چکروں کے دوران وضوٹوٹ جائے تو وضو کر کے طواف از سر نو کرنا ہوگا اور اگر چار چکروں کے بعد ٹوٹا ہے تو اختیار ہے چاہے تو وضو کر کے بقیہ چکروں کو پورا کر لے یا از سر نو طواف کرے۔

طواف کے دوران ذکرواذکار۔ تسبیحات، دینی گفتگو اور جو بھی دعاء یاد ہو وہ کی جاسکتی ہے۔ متعین دعائیں پڑھنا ہی ضروری نہیں۔ اور جو دعا بھی پڑھیں اتنی آہستہ پڑھیں کہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ آج کل جو طواف میں گروپ بنا کر اور چیخ چیخ کر دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ طریقہ قطعاً غلط ہے۔ طواف کے دوران جب رُکن یمانی سے گزریں تو حجر اسود تک پہنچتے پہنچتے درج ذیل دعا پڑھنا احادیث سے ثابت ہے:

اللھم انی اسئلک العفو والعافیة فی الدنیا والآخرة

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

وادخلنا الجنة مع الابرار یاعزیز یاغفار یارب العالمین

(اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور معافی کا خواستگار ہوں۔ اے ہمارے رب ہم کو دنیا اور آخرت میں بھلائی سے سرفراز فرمائیے اور ہم کو جنت میں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائیے۔

اگر طواف میں اضطباع کیا گیا ہے تو طواف کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہیں کہ اب اضطباع کی کیفیت ختم کرلیں اور اپنے دونوں مونڈھے احرام کی چادر سے ڈھک لیں۔ کیونکہ اضطباع صرف طواف کی حالت میں مسنون ہے اس سے پہلے یا بعد میں مسنون نہیں۔

طواف کے سات چکر پورے ہونے پر دو رکعت نماز واجب الطّواف پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں اگر مکروہ وقت ہو تو طواف کرتے رہیں اور مکروہ وقت گزرنے کے بعد سب طوافوں کی الگ الگ نمازیں ترتیب وار پڑھ لیں۔

طواف کے دوران نمازیوں کے آگے سے گزرنا منع نہیں اور طواف کے علاوہ حالت میں بہتر ہے کہ نمازی کے عین سامنے سے نہ گزریں بلکہ کم از کم سجدے کے مقام کے آگے سے گزریں۔

طواف کی نماز مقام ابراہیم کے سامنے پڑھنا مسنون ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ اگر مقام ابراہیم میں بھیڑ کی وجہ سے جگہ نہ ملے تو کہیں بھی طواف کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

طواف کے بعد ملتزم (جو حجر اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازے کے درمیان تقریباً ڈھائی گز کا کعبہ کی دیوار کا حصہ ہے) سے لپٹ کر دعا مانگنا مستحب ہے۔ اگر موقع ملے تو اس جگہ سے لپٹ کر اپنا چہرہ او پیٹ اور سینہ لگا کر جو چاہیں دعا مانگیں۔ یہ دعاء کی قبولیت کا خاص مقام ہے۔ البتہ اگر احرام کی حالت میں ہوں تو اس سے نہ لپٹیں۔ کیونکہ اس جگہ پر خوشبو لگائی جاتی ہے۔ جس کا احرام کی حالت میں بدن سے لگانا منع ہے۔

طواف کے بعد زمزم پینا بھی مسنون ہے۔ اور زمزم پیتے وقت جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ انشاء اللہ۔

صفا ومروہ کی سعی

طواف کے بعد اگر سعی کرنی ہے تو حجر اسود کا استلام کر کے کالی پٹی کی سیدھ میں چلیں۔ اسی جانب کچھ فاصلہ پر صفا پہاڑی کا مقام ہے۔

صفا پر بس اتنا چڑھیں جہاں سے بیت اللہ شریف نظر آئے زیادہ اوپر چڑھنا مکروہ ہے۔ یہاں اولاً قبلہ رخ ہو کر سعی کی نیت کریں پھر اس طرح ہاتھ جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک نہ اٹھائیں جیسا کہ بہت سے ناواقف لوگ کرتے ہیں اور ہاتھ اٹھائے ہوئے ذکر واذکار اور دعاء میں مشغول ہوں یہ بھی دعاء کی قبولیت کا مقام ہے۔

پھر صفا سے مروہ کی طرف چلیں۔ مروہ پہنچ کر ایک چکر مکمل ہو جائے گا۔ مروہ میں بھی اسی طرح ہاتھ اٹھا کر ذکر واذکار میں مشغول ہوں جیسے صفا پر کیا تھا۔

صفا ومروہ کے درمیان جہاں ہری لائٹیں لگی ہوئی ہیں اس حصے میں مردوں کے لیے تیز چلنا مسنون ہے۔ لیکن عورتیں اپنی ہیئت پر چلتی رہیں۔ وہ ہرگز نہ دوڑیں۔ سبز ہرے ستونوں کے درمیان یہ دعاء پڑھنا بھی منقول ہے۔

«رب اغفر وارحم انک انت الاعز والاکرام»

اے اللہ! بخشش اور رحمت سے نواز بیشک تو ہی سب پر
غالب اور سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔

سعی کے دوران اگر وضو باقی نہ رہے تو وضو کرنا لازم نہیں اگر وضو کر کے آئے تو ازسرنو سعی کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ بس بقیہ چکر پورے کر لے خواہ شروع سعی میں وضو ٹوٹا ہو یا بعد میں۔

سعی سے فارغ ہو کر مسجد حرام میں کسی بھی جگہ دو رکعت نفل پڑھنا بھی مستحب ہے۔ یہ نماز سر منڈوانے سے پہلے پڑھی جائے گی۔

واضح رہے کہ سعی صرف عمرہ یا حج کے ارکان کے ساتھ مشروع ہے۔ بلا عمرہ یا بلا حج نفلی سعی ثابت نہیں۔ بعض لوگ خواہ مخواہ سعی کرتے نظر آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نفلی طواف کی طرح سعی بھی ہوتی ہے۔ یہ محض جہالت ہے۔

سر کے بال منڈوانا یا کتروانا

☆ سعی کی تکمیل کے بعد عمرہ کرنے والا (تمتع والے) حضرات سر حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دیں گے۔

☆ واضح رہے کہ حلق یا قصر کے بغیر احرام کی پابندیاں ختم نہیں ہو سکتیں اور حنفی مسلک میں کم از کم چوتھائی سر کا حلق یا قصر لازم ہے۔ اور پورے سر کا حلق یا قصر سنت ہے۔

☆ جس شخص کے سر میں ایک انگلی کے پورے سے کم بال ہوں اس کے لیے قصر جائز نہیں، بلکہ حلق (منڈوانا) ضروری ہے۔

☆ حلق یا قصر حدودِ حرم میں ہونا ضروری ہے ورنہ دم لازم ہوگا۔

☆ عمرہ کرنے والا۔ یا حج کرنے والا جب سب ارکان ادا کر چکے اور صرف حلق یا قصر باقی رہ جائے تو اپنے بال خود بھی کاٹ سکتا ہے اور اپنے جیسے دوسرے محرم کے بال بھی بنا سکتا ہے۔ لیکن بال کے کاٹنے سے پہلے ناخن وغیرہ کاٹے ورنہ دم لازم ہو جائے گا۔

☆☆

عمرہ کے بعد مکہ معظّمہ میں قیام

عمرہ کی تکمیل کے بعد تمتع والا حاجی حلال ہوجاتا ہے۔ اب مکہ معظّمہ کے قیام کو غنیمت خیال کریں اور زیادہ سے زیادہ طواف۔ حرم میں نماز باجماعت اور تلاوت واذکار کا اہتمام رکھیں۔ یہاں پر ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ گنا ملتا ہے۔

اگر چاہیں تو اس درمیان زمانہ میں آپ نفلی عمرے بھی کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں حدودِ حرم سے باہر تنعیم (مسجد عائشہؓ) یا جعرانہ وغیرہ جاکر احرام باندھنا ہوگا۔

منیٰ کے لیے روانگی

یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کی رات ہی سے منیٰ کی روانگی شروع ہوجاتی ہے۔ اس لیے آپ ۷/ ذی الحجہ کی شام ہی سے احرام وغیرہ کی تیاریاں مکمل کرلیں تاکہ معلم کی بسوں کے نظام کے مطابق آپ منیٰ جاسکیں۔ کیونکہ ناواقف اور ناتجربہ کار لوگوں کے لیے معلم کی بسوں کے بغیر منیٰ کی قیام گاہ پر پہنچ پانا بہت ہی دُشوار ہوتا ہے۔ البتہ جو حضرات واقف کار ہیں وہ اطمینان سے آٹھویں تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز کے بعد منیٰ روانہ ہوں۔

حج کا احرام اگرچہ مکہ معظّمہ میں اپنی قیام گاہ پر بھی باندھا جاسکتا ہے۔ لیکن مسجد حرام میں جاکر نیت اور تلبیہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

جو حضرات طوافِ زیارت کے بعد کی بھیڑ سے بچنا چاہیں وہ آج ہی ایک نفلی طواف (مع رمل واضطباع) کرکے حج کی سعی قدم بھی کرسکتے ہیں۔ اگر اس وقت سعی کرلی تو بعد میں سعی کی ضرورت نہ ہوگی۔

منیٰ جاتے وقت ایک جوڑا کپڑا، لوٹا۔ چٹائی۔ چھتری اور پانی کا تھرمس اور کچھ کھانے کی خشک چیزیں (بسکٹ۔ نمکین وغیرہ) جیسے ضروری سامان لے لیں۔ زیادہ بوجھ نہ لیں۔

منیٰ میں آٹھویں تاریخ سے نویں تاریخ کی صبح تک مقیم رہ کر پانچ نمازیں ادا کرنا مسنون ہے۔

منیٰ میں اب خیمے آگ پروف عمدہ بن گئے ہیں جن میں کولر کا بھی انتظام ہے۔ مگر یہ سب یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے حجاج کرام اپنے خیمے کی پہچان اچھی طرح کرلیں

اور اپنے خیمے سے زیادہ دور نہ جائیں ورنہ گم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اور اپنا تعارفی کارڈ ہر وقت ساتھ رکھیں۔

خیموں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہونے دیں۔ بلکہ درمیان میں چادر ڈال کر دونوں کے حصے الگ کر دیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔

ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مردوں کے لیے بلند آواز سے اور عورتوں کے لیے آہستہ آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق (**اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔**) پڑھنا واجب ہے۔

عرفات کے میدان میں

معلم کی بسیں رات ہی سے عرفات لے جانے شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن سنت یہی ہے کہ فجر پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہوں۔

عرفات جاتے وقت نہایت ذوق وشوق کیساتھ تلبیہ کا ورد کریں اور عاشقانہ انداز اور کیف ومستی کے عالم میں رحمت خداوندی کے امیدوار بن کر عرفات کا قصد کریں کیونکہ آج ہی کا دن پورے حج کا ماحصل ہے۔

عرفات میں اگر اپنی جائے قیام کا پہلے سے پتہ لگا لیا جائے تو سہولت رہتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معلم کی بسیں ٹریفک کی مجبوریوں کیوجہ سے اتنی دیر کر دیتی ہیں کہ وقوف کا وقت بسوں میں بیٹھے بیٹھے ضائع ہونے لگتا ہے۔ اگر قیام گاہ کا پتہ پہلے سے معلوم ہو تو عرفات میں کہیں بھی اُتر کر پیدل اپنی قیام گاہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ نیز منیٰ سے ٹیکسیوں کے ذریعے بھی آسکتے ہیں۔

عرفہ کا وقوف جو فرض ہے وہ زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے زوال سے پہلے ہی پوری تیاری کر لیں۔ تاکہ بعد میں کوئی وقت ضائع نہ ہو۔

آج کے دن جو لوگ مسجد نمرہ میں امام عرفات کے پیچھے نمازیں پڑھیں وہ تو ظہر اور عصر دونوں نمازیں ظہر کے وقت ادا کرینگے۔ مگر جو حضرات اپنے اپنے خیموں میں انفرادی یا

اجتماعی نمازیں پڑھیں ان کے لیے دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھنی ضروری ہیں۔ اگر وہ ظہر کے وقت میں عصر پڑھ لیں گے تو ان کی عصر ادا نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا خاص خیال رکھیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ منظّم طریقہ پر سب ہی لوگوں کو ایک ہی وقت میں جمع بین الصلوٰتین کی تلقین کرتے ہیں۔ حنفی حضرات کو ان کی تلقین پر عمل کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ آج کل امام عرفات نجد سے تشریف لاتے ہیں اور وہ مسافر رہتے ہیں اور عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں قصر پڑھاتے ہیں۔ لہٰذا جو حجاج آج کے دن مسافر ہیں وہ تو امام صاحب کے ساتھ ہی سلام پھیر دیں۔ اور جو حجاج مقیم ہیں۔ (یعنی حج سے پندرہ دن قبل سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں) وہ دونوں نمازوں میں امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دو رکعتیں پوری کر لیں۔

غروب آفتاب تک عرفات میں قیام کرنا واجب ہے۔

وقوفِ عرفات کا پورا وقت دعا۔ ذکر۔ تلبیہ اور دیگر عبادات میں گزاریں۔ البتہ جو لوگ، امام عرفات کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین کر چکے ہیں وہ اب کوئی نماز نہ پڑھیں۔ اور خیموں میں رہنے والے حضرات ظہر سے عصر کے درمیان جتنی چاہیں نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ آج کے قیمتی لمحات سستی میں ہرگز ضائع نہ کریں۔ غروب سے کافی پہلے ہی معلم کے آدمی حاجیوں کو بسوں میں بٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر بس میں بیٹھ بھی جائیں تو ذکر واذکار اور دعا سے غافل نہ ہوں۔ یہ بسیں غروب سے پہلے عرفات سے نہیں نکل سکتیں۔ اس لیے اپنی سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے دعا۔ تلبیہ اور اذکار میں مشغول رہیں۔ (عرفات سے غروب سے پہلے نکلنے پر دم ہے)۔

غروب ہونے اور رات آنے کے باوجود عرفات میں مغرب کی نماز ادا نہیں کی جائیگی۔

مزدلفہ کو روانگی

سورج غروب ہونے کے بعد عرفات سے مزدلفہ کو روانگی ہوگی۔ اب جب بھی آپ مزدلفہ پہنچیں تو عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ ان دونوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا سب پر ضروری ہے۔ خواہ اکیلے نماز پڑھیں یا امام کے ساتھ۔

مزدلفہ کی یہ رات بہت ہی متبرک ہے۔ بعض علماء نے اسے شب قدر سے بھی افضل بتایا ہے۔ اس لیے رات میں تکان کے باوجود عبادت کرنا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ اسے محض سوکر ضائع نہ کریں۔

مزدلفہ میں عام طور پر کھلے آسمان کے نیچے اپنی اپنی چٹائیوں پر رات گزاری جاتی ہے۔ نیز بہت کچھ انتظامات کے باوجود پانی وغیرہ کی قلت کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ عرفات ہی سے پانی وغیرہ کا انتظام کرلیں۔ اور کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی ہمراہ لے لیں۔

حنفیہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا اصل واجب وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ اس لیے اول وقت فجر کی نماز پڑھ کر جتنی دیر ہوسکے مزدلفہ کا وقوف کریں اور الحاح وزاری کے ساتھ دعا میں مشغول رہیں۔

مزدلفہ میں قبلہ کی تعیین کی آسان شکل یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے اوپر ایک پہاڑی پر بہت بڑا ٹاور لگا ہوا ہے اس پر سفید لائٹ جلتی بجھتی رہتی ہے۔ یہ مکہ معظمہ کے اردگرد میلوں سے نظر آتی ہے۔ رات کے وقت قبلہ معلوم کرنے کی یہ آسان صورت ہے۔ مزدلفہ میں آپ جس مقام پر بھی ہیں اس لائٹ کو دیکھ کر قبلہ کی تعیین کرلیں۔

مزدلفہ میں شیطان کی رمی کے لیے چنے کے دانے کے بقدر کنکریاں جمع کرلیں اور اگر ناپاکی کا یقین ہو تو انہیں پانی سے دھو کر پاک کرلیں۔

مزدلفہ سے واپسی

۱۰/ ذی الحجہ کو وقوفِ مزدلفہ کے بعد منیٰ کے لیے روانگی ہوگی۔

اگر ہمت اور طاقت ہو اور منیٰ میں اپنی جائے قیام کا صحیح پتہ معلوم ہو اور ضعیف خواتین وغیرہ ساتھ نہ ہوں تو مزدلفہ سے منیٰ کے لیے بسوں سے سفر کرنے کے بجائے پیدل آنے میں زیادہ سہولت ہے۔ اس سے آپ کا وقت کافی بچ جائے گا۔

دوبارہ منیٰ میں

منیٰ پہنچ کر سب سے پہلا عمل آخری جمرہ (بڑے شیطان) کو کنکری مارنا ہے۔ آج

بکل صبح کے وقت انتہائی ہوشربا اژدہام ہوتا ہے۔ اس بھیڑ میں کمزوروں اور خواتین کا کام نہیں۔ بسا اوقات جان تک کا خطرہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے زیادہ شوق میں آکر جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں بلکہ منیٰ پہنچ کر اولاً اپنی قیام گاہ پر آرام کریں۔ اور دوپہر یا اس کے بعد اطمینان سے جاکر رمی کریں۔ بالخصوص ضعفاء اور خواتین کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

رمی شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ بند کردیا جائے۔

اگر صرف حج کا احرام ہو تو رمی کے بعد حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دیں۔ اور خواتین کے لیے حلق جائز نہیں۔ وہ صرف اتنا کریں کہ چوٹی کے سرے سے انگلی کے پوروں کے برابر اپنے بال کاٹ لیں۔

اگر قران یا تمتع کا احرام ہے تو پہلے واجب قربانی کریں اس کے بعد ہی سر منڈوائیں۔

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق قارن اور متمتع کے لیے رمی۔ قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے۔ اس لیے پوری کوشش کرنی چاہئے کہ یہ ترتیب قائم رہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے ضعف یا نئے سعودی قوانین یا کسی اور عذر کی بناء پر ترتیب قائم نہ رکھ سکے تو صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر اس پر دم واجب نہ ہوگا۔

طواف زیارت

قربانی اور حلق کے بعد طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائیں۔ یہ طواف فرض ہے۔ اور ۱۰/ سے ۱۲/ ذی الحجہ کی غروب آفتاب تک کیا جاسکتا ہے۔

جو عورت ناپاک ہو وہ اس وقت طواف زیارت نہ کرے بلکہ منیٰ ہی میں مقیم رہے اور بعد میں پاک ہونے پر طواف کرے۔ اس تاخیر سے اس پر کوئی جرمانہ نہ ہوگا۔

اگر پہلے حج کی سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرنی ہوگی اور اس طواف کے شروع کے تین چکروں میں رمل (اکڑ کر چلنا) کیا جائے گا اور جب حلق کے بعد سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کریں تو اضطباع نہ ہوگا اور سعی بھی سلے ہوئے کپڑوں میں ہوگی۔

ایام منیٰ ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ۔ میں رات کا اکثر حصہ منیٰ میں گزارنا مسنون ہے۔

رمی جمار

۱۱/ اور ۱۲/ تاریخ کو زوال کے بعد سے تینوں جمرات کی رمی کی جائے گی۔ اس میں بھی اول وقت بھیڑ میں جانے کی کوشش نہ کریں بلکہ اطمینان اور آرام کے ساتھ کچھ دیر کے بعد میں رمی کریں۔

ان دو دِنوں میں زوال سے قبل رمی جائز اور معتبر نہیں ہے۔ اس کا خیال رکھیں۔

کمزور اور خواتین اگر رات میں رمی کریں تو ان پر کراہت نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ رات کے وقت میں رمی کرنے پر قادر ہوں ان کی طرف سے دوسرے کی رمی درست نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا بھی خوب خیال رکھیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ حقیقی عذر کے بغیر رمی میں نیابت کرا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی رمی معتبر نہیں ہوتی اور ان پر ترکِ رمی کی وجہ سے دم واجب ہو جاتا ہے۔

کنکری اس طرح ماریں کہ وہ گول دائرہ کے اندر ہی گریں اس سے باہر نہ جائیں۔

جمرہ عقبہ اور جمرہ وسطیٰ کے بعد قبلہ رو ہو کر دعا مانگنا مسنون ہے۔ آخری جمرہ کے بعد دعا کا حکم نہیں ہے۔

منیٰ کے ایام خاص طور پر ذکر خداوندی کے دن ہیں۔ اس دوران عبادات کا خاص اہتمام رکھیں۔ اور دین کی اشاعت کی بھی فکر کریں۔

۱۲/ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہو جائیں۔

اگر ۱۳/ ذی الحجہ کی صبح صادق تک منیٰ میں رک گئے تو ۱۳ ویں تاریخ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی۔

مکہ معظّمہ میں واپسی اور طوافِ وداع

مکہ معظّمہ واپس ہو کر جو حضرات فوراً وطن جانا چاہتے ہیں ان پر جانے سے پہلے طوافِ وداع کرنا واجب ہے۔ اگر بلا عذر اسے چھوڑ دیا تو دم لازم ہو جائے گا۔

طواف زیارت کے بعد کیا گیا نفلی طواف بھی طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص طوافِ وداع کئے بغیر میقات سے باہر چلا جائے تو اس پر دم واجب ہو جائے گا۔ اس دم سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ دوبارہ عمرے کا احرام باندھ کر حرم میں آئے اور اولاً عمرہ کرے پھر طوافِ وداع کرے، صرف طوافِ وداع کے لیے باہر سے بلا احرام عمرہ آنا منع ہے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔

جو عورت واپسی کے وقت ناپاک ہو اس کے لیے طوافِ وداع کے لیے رکنا لازم نہیں ہے۔ وہ بلا طواف وداع کئے وطن لوٹ سکتی ہے۔

مکہ معظمہ میں جتنا بھی قیام نصیب ہوا ہے غنیمت سمجھیں اور زیادہ سے زیادہ طواف اور عمروں کا اہتمام رکھیں۔ زندگی میں یہ مواقع بار بار نصیب نہیں ہوتے۔ اور واپسی کے وقت نہایت حزن وملال کا اظہار کریں۔ اور بیت اللہ کی جدائی پر گریہ وزاری کے ساتھ واپس ہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بار بار ادب اور مقبول حاضری کی دولت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

ضروری انتباہ

مسجد حرام (مکہ مکرمہ) میں نماز پڑھتے وقت اس کا ضرور دھیان رکھا جائے کہ نمازی کا رخ کعبہ مشرفہ کی طرف اس طرح رہے کہ اگر نمازی کے چہرے سے سیدھی لکیر کھینچی جائے تو وہ بیت اللہ شریف کے کسی حصہ سے گزر کر آگے جائے۔ اس کی علامت کے طور پر پوری مسجد حرام میں پتھر کی پٹیاں ترتیب سے لگائی گئی ہے۔ ان کا خیال کرکے نماز میں کھڑے ہوں۔ بہت سے حضرات اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں اور جدھر موقع ملے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ مسجد حرام کے اندر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ مسجد حرام کے باہر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں بلکہ مسجد کی طرف رخ کرنا کافی ہوتا ہے۔ اور دور دراز علاقوں کے لیے مسجد حرام کی بھی شرط نہیں بلکہ صرف جہت کافی ہے۔

(بشکریہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری۔ ندائے شاہی حج وزیارت نمبر جنوری ۲۰۰۱)۔

عمرہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''حج اور عمرہ ایک ساتھ کرو، کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔'' اس حدیث شریف سے معلوہوا کہ حج وعمرہ سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ انسان سے ان دونوں کی برکت سے فقر وفاقہ بھی دور ہو جاتا ہے اور ظاہر وباطن اور دنیا وآخرت کی دولتوں سے۔ حج اور عمرہ کرنے والا مالا مال ہو جاتا ہے۔ لیکن اخلاص کے ساتھ۔
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا رمضان میں عمرہ (کا ثواب) ایک حج کے برابر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس حج کے برابر ہے جو میرے ساتھ کیا ہو۔
نیز حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ حج وعمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتے ہیں۔ تو وہ قبول فرماتے ہیں اور اگر خطائیں معاف کرواتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف کرتے ہیں۔
(معلم الحجاج: ص ۲۰۸ وہکذا فی معارف القرآن ومعارف الحدیث الترغیب والترہیب ومظاہر حق جدید)

رمضان المبارک میں عمرہ کرنا؟

مسئلہ:۔ ایام حج یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک پورے سال میں صرف یہ پانچ دن ایسے ہیں جن میں عمرہ کرنا ناجائز اور ممنوع ہے اور ان پانچ دن کے علاوہ پورے سال میں جب بھی گنجائش ہو عمرہ کر سکتے ہیں۔ گو رمضان المبارک میں اعمال کا ثواب ستر گنا زائد ہو جاتا ہے۔ اور بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''رمضان کا عمرہ پورے حج کے برابر ہوتا ہے۔'' (بخاری شریف: ج ۱/ص ۲۳۹ ومسلم شریف: ج ۱/ص ۴۰۹)
مسئلہ:۔ جو شخص حج تمتع کرتا ہے اس کو حج سے پہلے شوال ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ یعنی ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۲۱ ورحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۱۸۳)
مسئلہ:۔ بعض علماء کے نزدیک متمتع ارکان عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جب دوسرا عمرہ

۔ کرے گا تو اس کے ذریعہ تمتع باطل ہو جائے گا۔ یہ اس لیے صحیح نہیں کہ جب دوسرا عمرہ کرے گا اس کے ذریعہ سے تمتع ہو جائے گا اور جب تیسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہو جائے گا۔ الغرض جتنے عمرے کرے گا ان میں سے آخر والے کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۲/ص ۱۸۳)

مسئلہ:۔ مکی حضرات (مکہ والوں) کے لیے ایام حج کے علاوہ باقی سال کے تمام دنوں میں عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (غنیۃ المناسک: ص ۱۵۵)

عمرہ کیا ہے؟

عمرہ کے لغوی معنیٰ "زیارت" کے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی کی زیارت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے "اعمرہ" یعنی میں اس کی زیارت کرتا ہوں۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد اس خاص طریقہ سے خانہ کعبہ کی زیارت کرنا یعنی میقات یا حِل سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف وسعی کرنے کے ہیں۔

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا بشرط استطاعت وقدرت سنت مؤکدہ ہے۔ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے (الحج مکتوب والعمرة تطوع) یعنی حج فرض ہے اور عمرہ تطوع ہے (یعنی رضا کارانہ یا نفل عبادت ہے)۔

اللہ کا ارشاد (اتمّوا الحج والعمرة لله.) میں شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنے کا حکم ہے۔ اور کوئی بھی عبادت شروع کی جائے تو اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے خواہ وہ نفل ہی عبادت ہو۔

اس آیت سے عمرہ کی فرضیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ رہی حج کی فرضیت وہ تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے (ولله على الناس حج البيت.) اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جو حج کے بیان میں بتائے گئے ہیں۔

ابو رزین العقیلی سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے کہ میرا باپ عمر رسیدہ ہے نہ تو حج کر سکتا ہے نہ عمرہ کر سکتا ہے۔ اور نہ سفر کرنے کے قابل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "باپ کی طرف سے تم حج وعمرہ کرلو"۔ اس حدیث شریف کو بخاری، مسلم، ابوداؤد،

نسائی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی سے اس کو صحیح بتایا ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ا/ص ۱۱۲۳)
مسئلہ:۔ رمضان المبارک میں عمرہ کی زیادہ تاکید اس بناء پر ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (عمرة فی رمضان تعدل حجة.) یعنی رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ (کتاب الفقہ: ف ا/ص ۱۱۲۷ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۲۰۶ و مظاہر حق ج:۳/ص ۲۶۲)
مسئلہ:۔ عمرہ سے حلال ہو کر حدود میقات سے باہر جائے تو واپسی کے وقت احرام ضروری ہے۔ میقات کی حد سے اگر باہر نہیں گیا تو احرام کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۶۲۶)
مسئلہ:۔ احرام عمرہ میں سعی کے بعد قصر یا حلق (بال کٹوانا ومنڈوانا) کرانا چاہئے۔
(معلم الحجاج: ص ۱۷۷)
مسئلہ:۔ کثرت سے عمرہ کرنا مکروہ نہیں۔ بلکہ مستحب اور افضل ہے۔ نیز طواف کثرت سے کرنا بمقابلہ زیادہ عمرہ کرنے کے افضل ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۷۷)
مسئلہ:۔ تلبیہ عمرہ میں عمرہ کا طواف شروع کرنے تک تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۰۴)

عمرہ اور حج میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ:۔ عمرہ سنت یا واجب ہونے کی شرائط حج کے مثل ہیں اور اس کے احرام کے احکام بھی مثل حج کے احرام کے ہیں۔ جو چیزیں وہاں حرام و مکروہ و مسنون اور مباح ہیں وہ یہاں بھی ہیں۔ البتہ ان امور میں حج اور عمرہ میں فرق ہے۔ حج کے لیے ایک خاص وقت معین ہے۔ عمرہ تمام سال میں ہوسکتا ہے۔ صرف پانچ روز یعنی نویں ذی الحجہ سے تیرہ تک مکروہ تحریمی ہے۔

حج فرض ہے۔ عمرہ فرض نہیں۔ حج فوت ہوجاتا ہے عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ حج میں وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ اور نمازوں کا اکٹھا پڑھنا اور خطبہ ہے۔ عمرہ میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ حج میں طواف قدوم اور طواف وداع ہوتا ہے۔ عمرہ میں دونوں نہیں ہوتے۔ نیز عمرہ فاسد کرنے سے یا جنابت کی حالت میں طواف کرنے سے۔ بکری ذبح کرنی کافی ہے اور حج میں کافی نہیں۔ عمرہ کی میقات تمام لوگوں کے لیے حل ہے بخلاف حج کے اہل مکہ مکرمہ کو حج کا احرام حرم شریف میں باندھنا ہوتا ہے۔ البتہ آفاقی شخص جب باہر سے آئے اور عمرہ کا ارادہ ہو تو اپنی میقات سے احرام باندھ کر آئے۔ عمرہ میں طواف شروع کرنے کے وقت تلبیہ بند کیا

جاتا ہے اور حج میں جمرہ اخریٰ کی رمی شروع کے وقت موقوف کیا جاتا ہے۔
(معلم الحجاج: ج ۲۰۴ و ہکذا فی مظاہر حق: ج ۳۔/ص ۲۷۰)
مسئلہ:۔آفاقی شخص اگر عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئے تو اپنی میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے۔
مسئلہ:۔مکہ مکرمہ سے عمرہ کرنے والوں کے لیے عمرہ کے احرام کی میقات حل ہے۔ اس لیے حل میں جا کر جس جگہ چاہئے احرام باندھے لیکن افضل تنعیم (مسجد عائشہ) ہے یا اس کے بعد جعرانہ سے احرام باندھے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۰۷)

مناسک عمرہ ایک نظر میں

احرام، طواف مع رمل واضطباع۔ سعی۔ سر منڈوانا۔

اشہر حج میں عمرے کرنا؟

سوال:۔ایک شخص نے حج کے مہینوں میں جا کر عمرہ ادا کیا۔ اور وہ حج تک وہاں ٹھہرتا ہے تو کیا اس دوران وہ مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟
جواب:۔حج تمتع کرنے والے کے لیے حج وعمرہ کے درمیان اور عمرے کرنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۱)
مسئلہ:۔آفاقی کے لیے ایک عمرہ سے زائد کرنا اشہر حج میں جائز ہے نیز حج تمتع کرنے والا ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶/ص ۳۹۷ و ہکذا فی آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۰)

عمرے کے مکروہ ایام

مسئلہ:۔یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) سے تیرہ ذی الحجہ تک پانچ دن حج کے ہیں۔ ان دنوں میں عمرہ کی اجازت نہیں۔ اس لیے عمرہ ان دنوں میں مکروہ تحریمی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۰)



احرام باندھنے کے بعد جو عمرہ نہ کر سکے؟

سوال:۔ میں نے عمرہ کرنے کے لیے احرام باندھا لیکن طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے عمرہ ادا نہ کر سکا اور وہ احرام عمرہ ادا کئے بغیر کھول دیا۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ کے ذمہ احرام توڑ دینے کی وجہ سے دم) حدود حرم میں ایک بکری ذبح کرنا) واجب ہے اور عمرہ کی قضاء بھی لازم ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۰)

جدہ میں رہنے والا اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے؟

سوال:۔ ہم لوگ جدہ میں بغرض ملازمت مقیم ہیں یہاں والوں کے قول کے مطابق ہم لوگ ''حلی'' ہیں حرم سے باہر میقات کے اندر مقیم ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ حلی اشہر حج میں عمرہ نہیں کر سکتا صحیح کیا ہے؟

جواب:۔ اگر اسی سال حج کا ارادہ ہے تو عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ اگر حج کا ارادہ نہیں ہے تو مکروہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ مکہ والوں کو اور جو شخص مکہ والوں کے حکم میں ہے یعنی داخل میقات پر رہنے والا (یا عین میقات پر رہنے والا) اور جو شخص پہلے اشہر حج (شوال، ذی قعدہ۔ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ) سے مقیم مکہ ہے۔ جیسے کہ آفاقی اشہر حج سے پہلے حلال ہو مکہ مکرمہ میں رہا ہو پھر اس پر اشہر حج آ گیا ہو تو ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہے اور اگر اس سال حج نہ کرے تو عمرہ اشہر حج میں کرنا ان سب پر مکروہ نہیں ہے۔ اسی سال حج کا ارادہ ہوتے ہوئے عمرہ کیا تو دم جبر لازم ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۲۲ بحوالہ شامی: ج ۲/ ص ۲۰۸ و زبدۃ المناسک: ج ۱/ص ۲۵۵ و در مختار مع شامی: ج ۲/ص ۲۷۰)

ایام حج میں عمرہ کرنا؟

مسئلہ:۔ عمرہ تمام سال میں کرنا جائز ہے۔ صرف حج کے پانچ دن۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ان ایام میں احرام نہیں باندھا بلکہ پہلے سے احرام بندھا ہوا تھا۔ تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص پہلے سے احرام باندھ کر آیا اس کو حج نہیں ملا

اوراس نے ان ایام میں عمرہ کرلیا تو مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ان پانچ روز کے بعد عمرہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج٦/ص ٤٠٥ وہکذا فی معلم الحجاج: ص ٢٢٣)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے ان پانچ روز میں عمرہ کا احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے کی وجہ سے اس پر عمرہ کرنا لازم ہوگیا۔ مگر چونکہ ان ایام میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے اس لیے اس پر عمرہ کا ترک کرنا واجب ہے تا کہ گناہ سے بچ جائے اور ان ایام کے گزرنے کے بعد عمرہ کی قضا اور ایک دم واجب ہوگا۔ اور اگر عمرہ ترک نہیں کیا انہی ایام (پانچ دنوں) میں کرلیا تو عمرہ ہوگیا لیکن ایک دم مکروہ کے ارتکاب کی وجہ سے واجب ہوگا۔ اور اگر ان ایام میں احرام تو عمرہ کا باندھا مگر عمرہ کے افعال ان ایام میں نہیں کئے بلکہ ایام تشریق کے بعد کئے تو عمرہ ہوگیا اور دم بھی واجب نہیں ہوگا مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ احرام کھولنا اسی صورت میں واجب تھا۔ (معلم الحجاج: ص ٢٠٦)

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے والے پر حج؟

سوال:۔ شوال، ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ اشہر حج (حج کے مہینے) ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان مہینوں میں کوئی شخص عمرہ ادا کرتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج بھی ادا کرے۔

اگر ہم شوال یا ذی قعدہ میں عمرہ کر کے ریاض آجائیں (حدود حرم سے باہر) اور دوبارہ حج کے موقع پر جائیں تو اس وقت نیت حج تمتع کی ہوگی یا حج مفرد کی۔ حج تمتع کے لیے دوبارہ عمرہ کی ضرورت ہوگی یا پہلا عمرہ کافی ہے؟

جواب:۔ آفاقی شخص (جو میقات کے حدود سے باہر رہتا ہو۔ جیسے ہندوستانی۔ پاکستانی۔ مصری۔ شامی۔ عراقی۔ ایرانی وغیرہ) اگر اشہر حج میں عمرہ کر کے اپنے وطن لوٹ جائے تو دوبارہ اس کو حج یا عمرہ کے لیے آنا ضروری نہیں ہے اور اگر وہ اسی سال حج بھی کرے تو اس پہلے عمرہ کی وجہ سے متمتع نہیں ہوگا۔ نہ اس کے ذمہ تمتع کا دم لازم ہوگا۔ اگر ایسا شخص تمتع کرنا چاہتا ہے تو اس کو دوبارہ عمرہ کا احرام باندھ کر آنا ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج٤/ص ٦٧)



عمرہ کے بعد کونسا حج کہلائے گا؟

سوال:۔ میں شوال ہی میں ایک عمرہ اپنی طرف سے کرونگا اور اس کے بعد حج کرنے کا ارادہ ہے۔ اس کی نیت کس طرح ہوگی اور یہ حج کون سی قسم سے ہوگا؟

جواب:۔ نیت تو جس طرح الگ عمرے کی اور الگ حج کی ہوتی ہے اسی طرح ہوگی۔ مسائل بھی وہی ہیں۔ البتہ یہ حج تمتع بن جائے گا اور دس ذی الحجہ کو سر منڈوانے سے پہلے قربانی لازم ہوگی جس کو ''دم تمتع'' کہتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۶۶)

مسئلہ:۔ حج تمتع کرنے والے پر طواف قدوم واجب نہیں۔ عمرہ کرنے کے بعد جس قدر چاہے طوافِ نفل کرسکتا ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۲۱)

کیا عمرہ حج کا بدل ہے؟

مسئلہ:۔ یورپ وامریکہ جاتے آتے ہوئے اگر عمرہ کی سعادت نصیب ہوجائے تو عمرہ کرلینا چاہئے لیکن عمرہ حج کا بدل نہیں ہے جس شخص پر حج فرض ہو۔ اس کا حج کرنا ضروری ہے محض عمرہ کرنے سے فرض ادا نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۹ وہکذا احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۱۵۹)

ملازمت کا سفر او عمرہ؟

سوال:۔ ہم لوگ ملازمت کے سلسلے میں سعودی عرب جدہ میں آئے اور پھر ایک ہزار میل دور کام کرنے کے لیے چلے گئے۔ تو کیا پہلے ہمیں عمرہ کرنا چاہئے تھا یا بعد میں؟

جواب:۔ چونکہ آپ کا یہ سفر عمرہ کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ ملازمت کے لے تھا۔ اس لیے آپ جب بھی چاہیں عمرہ کرسکتے ہیں۔

پہلے عمرہ کرنا آپ کے لیے ضروری نہیں تھا۔ خصوصاً جب کہ اس وقت آپ کو مکہ مکرمہ جانے کی اجازت ملنا بھی دشوار تھا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۱)

عمرہ کا ثواب مرحومین کو کس طرح کیا جائے؟

سوال:۔ میں عمرہ اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے کرنا چاہتا ہوں۔ عمرہ اپنی طرف

سے کر کے ثواب ان کو بخش دوں؟ یا عمرہ ان کی طرف سے کروں؟

جواب:۔ دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ آپ کے لیے آسان یہ ہے کہ عمرہ اپنی طرف سے کر کے ثواب بخش دیں اوا گر ان کی طرف سے عمرہ کرنا ہو تو احرام باندھتے وقت یہ نیت کریں کہ اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں، یا اللہ! یہ عمرہ میرے لیے آسان فرما۔ اور میری والدہ مرحومہ کی طرف سے اس کو قبول فرما۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۵۱)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کرتے وقت دل میں نیت کرے کہ اس عمرہ کا ثواب میرے فلاں رشتے دار۔ یا دوست (زندہ یا مرحوم) کو ملے۔ تو مل جاتا ہے جس طرح دوسرے نیک کاموں کا ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ عمرہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۵۱)

مسئلہ:۔ عمرہ زندوں کی طرف سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جن کی طرف سے کیا جائے ان پر حج فرض نہیں ہو جاتا جب تک وہ صاحب استطاعت نہ ہو جائیں۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۶)

مسئلہ:۔ نفل عمرہ نماز کی مانند ہے ایک عمرہ کے ثواب میں ایک سے زیادہ کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر چند لوگوں نے آپ سے عمرہ کرنے کی درخواست کی ہو کہ ہماری طرف سے عمرہ کرنا۔ تب تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ کرنا ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۶)

شرائط عمرہ

مسئلہ:۔ عمرہ کی شرطیں وہی ہیں جو حج کی ہیں اور عمرہ کا صرف ایک رکن ہے اور وہ ہے ''طواف کے چکروں کی بیشتر تعداد ہے''۔ یعنی چار چکر۔ رہا احرام تو وہ رکن نہیں ہے بلکہ شرط ہے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔ اور بال کٹوانے یا منڈوانے کی بھی وہ ہی حیثیت ہے جو سعی کی ہے۔ یعنی صرف واجب ہے رکن نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۱۲۳)

مسئلہ:۔ عمرہ کے صرف تین کام ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ میقات سے یا اس سے پہلے عمرہ کا احرام باندھے۔

(۲) دوسرے مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔

(۳) تیسرے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اس کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام ختم کر دے۔ (احکام حج: ص۷۲ حضرت مفتی شفیعؒ وہکذا فی عالمگیری اردو: ص۳۹ کتاب الحج)

فرائض اور واجبات عمرہ

مسئلہ:۔عمرہ میں دو فرض ہیں۔ایک احرام دوسرا طواف اور احرام کے لیے تلبیہ اور نیت دونوں فرض ہیں اور طواف کے لیے نیت فرض ہے۔صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔سر کے بال منڈوانا یا کتروانا واجب ہے۔(معلم الحجاج:ص ۲۰۵)

عمرہ کا احرام کہاں سے باندھا جائے؟

سوال:۔(۱)اگر کوئی شخص ''حج کے اردہ سے نہیں ہے''۔بلکہ صرف عمرہ کا ارادہ رکھتا ہے اور باوجود آفاقی ہونے کے حدود حرم سے باہر مثلاً جدہ میں احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲)نیز جدہ میں ایک دو روز قیام کرنے کے بعد عمرہ کا ارادہ ہو تو اس پر ''اہل حل'' کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔(۱)جو شخص بیرون ''حِل'' سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔اس کو میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں بلکہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنا اس پر لازم ہے۔اگر بغیر احرام کے گزر گیا تو میقات کی طرف واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔اگر واپس نہ لوٹا تو دم لازم ہوگا۔

(۲)جو شخص مکہ مکرمہ کے قصد سے گھر سے چلا ہے اس کا جدہ میں ایک دو روز ٹھہرنا لائق اعتبار نہیں اور وہ اسکی وجہ سے ''اہل حِل'' میں شمار نہیں ہوگا۔ہاں اگر کسی کا ارادہ جدہ جانے کا ہی تھا وہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے کا قصد ہوا تو اس پر ''اہل حِل'' کا اطلاق ہوگا۔

اس مسئلہ کے سمجھنے کے لیے چند اصطلاحات ذہن میں رکھئے گا۔

(۱)میقات: مکہ مکرمہ کے اطراف میں چند جگہیں مقرر ہیں۔باہر سے مکہ مکرمہ جانے والے شخص کو ان جگہوں سے احرام باندھنا لازم ہے۔بغیر احرام کے ان سے آگے بڑھنا ممنوع ہے۔

(۲)آفاقی: جو شخص میقات سے باہر رہتا ہو۔

(۳)حرم: مکہ مکرمہ کے حدود جہاں شکار کرنا۔درخت کاٹنا وغیرہ ممنوع ہے۔

(۴) حِل: حرم سے باہر اور میقات کے اندر کا حصہ ''حل'' کہلاتا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۲ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۱۸)

مسئلہ:۔ جولوگ میقات کے اندر رہتے ہیں۔ وہ عمرہ یا حج کا احرام حرم کے باہر جہاں سے چاہیں باندھ سکتے ہیں ''حِل'' کی کل زمین ان کے حق میں میقات ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۲۳)

طائف سے بغیر احرام کے عمرہ کرنا؟

سوال:۔ جو حضرات سعودی عرب میں جدہ اور طائف میں ملازم ہیں اگر وہ عمرہ کی نیت سے خانہ کعبہ جاتے ہیں تو میقات سے احرام باندھنا پڑھتا ہے۔ یہاں پر مقیم حضرات بغیر احرام کے طواف کرنے چلے جاتے ہیں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ کا سوال بہت اہم ہے۔ اس سلسلے میں چند مسئلے اچھے طرح ذہن نشین کرلیں۔

(۱) مکہ شریف کے چاروں طرف کا کچھ علاقہ ''حرم'' کہلاتا ہے۔ جہاں شکار کرنا اور درخت کاٹنا ممنوع ہے۔''حرم'' سے آگے کم وبیش فاصلے پر کچھ جگہیں مقرر ہیں جن کو ''میقات'' کہا جاتا ہے۔ اور جہاں حاجی لوگ احرام باندھتے ہیں۔

(۲) جولوگ ''حرم'' کے علاقہ میں رہتے ہیں یا میقات کے اندر رہتے ہوں۔ وہ تو جب چاہیں مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر جاسکتے ہیں۔ لیکن جو شخص میقات کے باہر سے جائے۔ اس کے لیے میقات پر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا لازم ہے۔ گویا ایسے شخص پر حج یا عمرہ لازم ہو جاتا ہے۔ خواہ اس شخص کا مکہ مکرمہ جانا حج وعمرہ کی نیت سے نہ ہو۔ بلکہ محض کسی ضروری کام سے مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو یا صرف حرم شریف میں نماز جمعہ پڑھنے یا صرف طواف کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے۔

الغرض خواہ کسی مقصد کے لیے بھی مکہ مکرمہ میں جائے وہ میقات سے احرام کے بغیر نہیں جاسکتا۔

(۳) اگر کوئی شخص میقات سے احرام کے بغیر گزر گیا تو اس پر لازم ہے کہ مکہ شریف میں

داخل ہونے سے پہلے پہلے میقات پر واپس لوٹے اور وہاں سے احرام باندھ کر جائے۔

(۴) اگر وہ واپس نہیں لوٹا تو اس کے ذمہ ''دم'' واجب ہوگا۔

(۵) جو شخص میقات سے بغیر احرام مکہ مکرمہ چلا جائے۔ اس پر حج یا عمرہ لازم ہے اگر کئی بار بغیر احرام کے میقات سے گزر گیا تو ہر ایک بار ایک حج یا عمرہ واجب ہوگا۔

ان مسائل سے معلوم ہوا کہ جو لوگ میقات سے باہر رہتے ہیں۔ وہ صرف طواف کرنے کے لیے مکہ مکرمہ نہیں جا سکتے بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر جایا کریں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جتنی بار بغیر احرام کے جا چکے ہیں ان پر اتنے دم اور اتنے ہی عمرے واجب ہونگے۔

(۶) جدہ میقات سے باہر نہیں۔ لہٰذا جدہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آنا صحیح ہے۔ جب کہ طائف میقات سے باہر ہے۔ لہٰذا وہاں سے بغیر احرام کے آنا صحیح نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۵ وہکذا فی احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۷ وکتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۰)

ایک احرام سے کتنے عمرے کئے جاسکتے ہیں؟

سوال:۔ میں پانچ عمرے ادا کرنا چاہتا ہوں۔ ان عمروں کے لیے حدود حرم کے باہر تنعیم یا جعرانہ جا کر عمرہ کا احرام باندھا جائے گا۔ کیا پانچ مرتبہ یعنی ہر عمرہ کے لیئے علیحدہ علیحدہ یا ایک مرتبہ احرام باندھ کر ایک دن میں ایک مرتبہ عمرہ کیا جائے یا اسی احرام میں ایک دن میں دو یا تین مرتبہ عمرہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ ہر عمرہ کا الگ احرام باندھا جاتا ہے۔ احرام باندھ کر طواف سعی کر کے بال کٹوا کر احرام کھول دیتے ہیں اور پھر تنعیم یا جعرانہ جا کر دوبارہ احرام باندھتے ہیں۔ ایک احرام کے ساتھ ایک سے زیادہ عمرے نہیں ہو سکتے اور عمرہ (یعنی طواف وسعی) کرنے کے بعد جب تک (حلق یا قصر کے ذریعہ) بال کٹوا کر احرام نہ کھولا جائے۔ دوسرے عمرے کا احرام باندھنا بھی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ جو شخص عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ چلا جائے اور عصر و مغرب کی نمازیں پڑھنے کے بعد میقات سے گزر کر جدہ واپس آجائے اور رات گزار کر صبح پھر مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے

لیے روانہ ہو۔ اور مکہ کے قریب میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کرے۔ تو اگر اس شخص کا میقات سے گزرتے وقت مکہ مکرمہ جانے کا قصد تھا تو میقات پر اس کے لیے احرام باندھنا ضروری تھا۔ اور اس کے کفارہ کے طور پر دم واجب ہے۔ اور اگر اس وقت جدہ آنے ہی کا ارادہ تھا۔ یہاں آ کے عمرہ کا ارادہ ہوا تو دم لازم نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۵ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۹۰)

عمرہ کرنے کا طریقہ

عمرہ حج اصغر ہے یعنی چھوٹا حج۔ جو ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے علاوہ ایام حج کے۔ اس کے لیے کوئی مہینہ تاریخ اور دن مقرر نہیں ہے جب اور جس وقت جی چاہے میقات یا حل سے احرام باندھے اور احرام کے محرمات و مکروہات سے بچے اور مکہ مکرمہ میں انہی آداب کو ملحوظ رکھ کر مسجد حرام میں باب السلام یا باب العمرۃ سے (یا جس گیٹ سے بھی موقع ہو) داخل ہو اور ''اضطباع'' یعنی احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکل کر بائیں کندھے پر ڈال کر طواف کرے اور جب پہلی بار کالی پٹی پر کھڑے ہو کر حجر اسود کا استلام یعنی اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرے تو جو تلبیہ احرام باندھنے کے وقت شروع کیا تھا وہ بند کر دے نیز طواف میں ''رمل'' یعنی طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر ذرا تیزی سے چلنا (صرف مردوں کے لیے ہے) اگر بھیڑ نہ ہو اور چلنے میں کوئی دشواری بھی نہ ہو تو ورنہ جیسے موقع ہو طواف کرے اور طواف کے بعد دوگانہ طواف نفل پڑھ کر حجر اسود کی طرف ہاتھ سے پہلے کی طرح اشارہ کر کے باب الصفا سے نکل کر حج کی طرح سعی کرے اور سعی ختم کر کے مروہ (یا دوکان یا قیام گاہ) پر بال منڈوا کر یا کٹوا کر حلال ہو جائے یعنی عام کپڑے پہن لے احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں اور سعی کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔ بس عمرہ ہو گیا۔ (معلم الحجاج: ص ۲۰۴)

<u>نوٹ</u>:۔ طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا واجب اور سعی کے بعد مستحب ہے۔)

☆☆

عمرہ سے فارغ ہوکر حلق سے پہلے کپڑے پہننا؟

سوال:۔ میں نے آخری دن جب عمرہ کیا تو فلائٹ کی جلدی میں تھا اسی جلدی میں عمرہ سے فارغ ہوکر پہلے حلق کرانے کے بجائے پہلے احرام کھول کر کپڑے پہن کر بال کٹوائے۔ کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اس غلطی کی وجہ سے آپ کے ذمہ دم لازم نہیں آیا۔ بلکہ صدقہ فطر کی مقدار صدقہ آپ پر لازم ہے۔ اور یہ صدقہ آپ کسی بھی جگہ دے سکتے ہیں۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۳)

مسئلہ:۔ حج وعمرہ دونوں ہی میں بال منڈوانا افضل ہے۔ لیکن اگر عمرہ۔ اعمال حج شروع ہونے کے کچھ ہی قبل کرے تو افضل بال کٹوانا ہے۔ تاکہ حج میں بال منڈوا سکے۔ اس لیے کہ حج عمرہ سے بہتر ہے۔ تو بہتر کام بہتر وقت میں کرنا چاہئے اور اگر عمرہ ایام حج سے بہت پہلے کرے تو ایسی صورت میں سر منڈوالے۔ تاکہ فضیلت کو پا سکے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بال منڈوانے والوں کیلئے تین مرتبہ مغفرت ورحمت کی دعا فرمائی جبکہ بال کٹوانے والوں کیلئے صرف ایک بار، اس لیے بال منڈوانا ہی افضل ہے۔ (حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۵۹)

عمرہ میں طواف وداع کا کیا حکم ہے؟

سوال:۔ عمرہ میں طواف وداع کیا واجب ہے؟

جواب:۔ عمرہ میں طواف وداع واجب نہیں ہے۔ البتہ افضل ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بغیر طواف وداع کئے رخصت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حج میں طواف وداع واجب ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک روانہ نہ ہو جب تک خانہ کعبہ کا طواف نہ کرلے“۔ اس کے مخاطب حجاج تھے۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۵٦ وہکذا فی آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۹)

مسئلہ:۔ عمرہ کا طواف پورا یا اکثر یا کم اگرچہ ایک ہی چکر ہو۔ اگر جنابت (ناپاکی) یا حیض یا نفاس کی حالت میں یا بے وضو کیا تو دم واجب ہوگا۔ اور اگر طواف کا اعادہ کرلیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ عمرہ کے کسی واجب کے ترک کرنے سے بدنہ یعنی پورا اونٹ۔ پوری گائے یا صدقہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف دم یعنی ایک بکری یا ساتواں حصہ گائے کا یا اونٹ کا واجب ہوتا ہے۔ لیکن عمرہ کے احرام میں ممنوعات احرام کے ارتکاب سے مثل احرام حج کے دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ (احکام حج: ص ۱۰۶)

عمرہ میں وقوف عرفہ نہ ہونے کی وجہ؟

سوال:۔ حج کے بنیادی ارکان دو ہیں وقوف عرفہ طواف زیارت اور اسکے بعد سعی کرنا۔ اور عمرہ حج اصغر ہے پھر اس میں صرف ایک رکن طواف مع سعی کیوں ہے؟ اس میں وقوف عرفہ کیوں نہیں؟

جواب:۔ عمرہ میں وقوف عرفہ اس وجہ سے مشروع نہیں کیا گیا کہ عمرہ کرنے کا کوئی وقت متعین نہیں۔ ایام حج کے علاوہ پورے سال عمرہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے میدان عرفات میں اجتماعی طور پر جمع ہونے کی کوئی صورت نہیں اور انفرادی وقوف میں کچھ فائدہ نہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حج کی طرح عمرہ کے لیے بھی وقت مقرر کیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر وہ عمرہ کہاں رہے گا۔ وہ تو حج ہو جائے گا۔

اور سال میں دو مرتبہ لوگوں کو حج کی دعوت دینے میں جو زحمت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ عمرہ میں مقصود بالذات۔ بیت اللہ کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالانا اور یہ مقصد صرف طواف سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے میدان عرفات میں جمع ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۱۲)

حج بدل کا جواز

مسئلہ:۔ عبادات کی تین قسمیں ہیں: محض بدنی عبادات جیسے نماز اور روزہ ان دونوں کی غرض اللہ تعالیٰ (کی خوشنودی) کے لیے نفس کو عاجزی و فروتنی میں ڈالنا ہے۔ اس عبادت میں مال کو دخل نہیں ہے۔

محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ وصدقہ سے غرض خیرات لینے والوں کی مالی امداد

ہے۔دونوں (مالی وبدنی) کی مرکب عبادت حج ہے کہ اس میں طواف اور سعی وغیرہ (مناسک حج) کی بجا آوری میں جہاں خشوع وخضوع ہے وہاں اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں (اپنے بجائے کسی دوسرے کوعبادت کے لیے) نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ کہ اپنے بجائے کسی اورکو نماز روزہ ادا کرنے کے لیے نائب بنادے۔ایسا کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت میں نائب بنانے کی گنجائش ہے۔لہٰذا مال کے مالک کو جائز ہے کہ وہ مال کی زکوٰۃ اپنی طرف سے نکالنے یا صدقہ دینے کے لیے کسی کو اپنا نائب بنادے۔

تیسری قسم کی عبادت حج ایسی عبادت ہے جس میں نیابت کی گنجائش ہے لہذا اگر کوئی حج کرنے سے شرعاً عاجز ہوتو واجب ہے کہ حج کے لیے اپنا نائب بنائے جو اس کے بدلہ میں حج کرے۔ (کتاب الفقہ: ج۱/ص۶۴ او ہکذا معلم الحجاج: ص۲۸۱)

مسئلہ:۔حج بدل صحیح ہے۔ اور جو صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں چونکہ حج بدل کا حکم نہیں ہے۔اس لیے حج بدل کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کی بات لغو اور بیکار ہے۔ حج بدل پر صحیح احادیث موجود ہیں اور علماء امت کا اسکے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۴۸)

حج بدل کے صحیح ہونے کی شرطیں؟

مسئلہ:۔حج بدل کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔(۱) اجرت کی شرط نہ ہو۔(۲) بھیجنے والے کے مال ہی سے حج کیا جائے لیکن اگر زیادہ تر خرچ میت کے (یا عاجز اور ہر اُس شخص کے) مال سے (جس کی طرف سے حج بدل کیا جارہا ہے) ہو اور کچھ تھوڑا بہت جانے والے کا خرچ ہو تو بھی جائز ہے۔ (۳) اگر حج بدل والا میت کی رقم کو اپنی رقم سے علیحدہ رکھے تب تو امانت ہے۔ اگر باوجود احتیاط کے ضائع ہوجائے تو ضامن نہ ہوگا۔ اور اگر اپنی رقم کے ساتھ ملادے گا تو ضامن ہوگا۔ (۴) اگر (میت کے) ثلث مال میں وسعت ہو تو حج سوار ہوکر کرنا چاہئے۔ اگر پورا سفر حج پیدل کرے گا اور کرایہ کی رقم اپنے لیے بچائے گا تو ضمان دینا واجب ہوگا۔ اگرچہ بھیجنے والے نے پیدل حج کرنے کی اجازت بھی دیدی ہو۔

اور سوار ہونا مکہ مکرمہ سے عرفات تک اور وہاں سے مکہ کی واپسی تک واجب ہے باقی سفر میں اگر بھیجنے والے کی اجازت سے پیدل چلے تو جائز ہے۔ (۵) حج میت کے وطن سے کرانا چاہئے۔ (۶) احرام کے وقت حج کی نیت میت کی طرف سے کرنا چاہئے یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں اور اگر نام بھول جائے تو یہ کہے کہ جس شخص کی طرف سے مجھ کو حج کے لیے بھیجا گیا ہے۔ میں اس کی طرف سے حج کی نیت کرتا ہوں۔ (۷) احرام میقات سے باندھنا چاہئے بغیر اجازت بھیجنے والے کے عمرہ کا احرام میقات سے نہ باندھے نہ تمتع کرے۔ ہاں اگر وہ اجازت دیدے اور یوں کہہ دے کہ جس طرح چاہو حج ادا کر دینا تو تمتع بھی جائز ہے۔ (۸) حج بدل والے کو جو روپیہ دیا جائے اس میں بہت زیادہ احتیاط لازم ہے ورنہ حق العباد کا مؤاخذہ سر پر ہوگا۔ سفر کے بعد جو کچھ رقم اور سامان رقم سے خریدا ہوا باقی بچے وہ سب واپس کر دے اور بہتر یہ ہے کہ بھیجنے والا پہلے ہی کہہ دے کہ اگر خرچ میں کوئی بے عنوانی اتفاقاً ہو جائے میری طرف سے معاف ہے۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۸۷ و ہکذا فی معلم الحجاج: ص ۲۸۱)

حج بدل کہاں سے کرایا جائے؟

سوال: ۔حج بدل کہاں سے کرانا چاہئے۔ اگر کسی مکی سے حج بدل کرا لیا تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔اگر زندہ معذور کی اجازت یا مردہ کی وصیت سے حج بدل کیا جا رہا ہو تو وصیت کرنے والے یا آمر (زندہ معذور) کے وطن سے حج کرنا ضروری ہے۔ اگر ثلث مالی ناکافی ہو اور ورثہ زیادہ کی اجازت نہ دیں تو جہاں سے بھی ثلث مال سے حج بدل ہو سکے کرا دے۔ اگر وصیت کرنے والے یا آمر نے خود کوئی جگہ یا کچھ مال متعین کر دیا ہو تو وہیں سے کیا جائے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ سے ہی ہو۔ مگر صاحب استطاعت کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر حج کا امر یا وصیت نہیں کی بلکہ کسی کی طرف سے تبرعاً کوئی شخص حج کرانا چاہتا ہے۔ تو مکہ مکرمہ سے بھی جائز ہے۔ البتہ صاحب استطاعت کے لیے میقات سے حج کرانا افضل ہے۔ اور مکہ مکرمہ سے حج کرانے کی صورت میں اس کا خاص اہتمام کیا جائے کہ حج کرنے والا متقی۔ دین دار اور قابل اعتماد ہو۔ کیونکہ بعض لوگ متعدد حضرات کی طرف سے حج بدل

کرلیتے ہیں۔ جس سے کسی کا بھی حج نہ ہوگا۔ نیز حج بدل میں اجارہ کی صورت نہ ہونے پائے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۲۰ وہکذا فی نظام الفتاویٰ: ج۱/ص۱۵۱ وفتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۸ واحکام حج: ص۱۲۰)

حج بدل کس کی طرف سے کرایا جائے؟

مسئلہ:۔ جس شخص پر حج فرض ہوگیا اوراس نے زمانہ حج کا پایا مگر کسی وجہ سے حج نہیں کرسکا پھر کوئی عذر ایسا پیش آگیا جس کی وجہ سے خود حج کرنے پر قدرت نہیں رہی مثلاً ایسا بیمار ہوگیا جس سے شفاء کی امید نہیں۔ یا نابینا ہوگیا یا اپاہج ہوگیا یا بوڑھاپے کی وجہ سے ایسا کمزور ہوگیا خود سفر کرنے پر قدرت نہیں رہی تو اس کے ذمہ فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو بھیج کر حج بدل کرادے یا وصیت کردے کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے میرے مال سے حج بدل کرادیا جائے۔

اپنا فرض حج بطور بدل کرانے میں یہ تفصیل ہے کہ جس عذر کی وجوہ سے حج خود نہیں کرسکا اگر حج بدل کردینے کے بعد یہ عذر جاتا رہا تو اب خود حج ادا کرنا اس پر فرض ہے پہلا حج جو بطور بدل کرایا تھا وہ نفلی ہوگیا۔ (احکام حج: ص۱۱۸)

مسئلہ:۔ اگر حج بدل کرانے والے نے حج بدل کرنے والے کو اس قسم کی اجازت دیدی ہو کہ چاہے تم حج بدل پر چلے جاؤ۔ چاہے تم کسی کو اپنی جگہ بھیج دو تو وہ شخص دوسرے کو بھیج سکتا ہے اور اگر یہ اجازت نہیں تھی۔ تو وہ رقم لینے والے کو خود جانا ضروری ہے۔ خود جائے یا رقم واپس کردے۔ (کتاب الفقہ: ج۱/ص۳۲۲)

مسئلہ:۔ جس شخص پر حج فرض ہوا تھا اوراس نے حج کی ادائیگی کے لیے وصیت بھی کی تھی تو اس کا حج بدل اس کے وطن سے ہونا چاہیے سعودی عرب سے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر بغیر وصیت کے یا بغیر فرضیت کے کوئی بھی شخص اپنے عزیز کی طرف سے حج بدل کرے ہے تو وہ حج نفل برائے ایصال ثواب ہے۔ وہ ہر جگہ سے ہوسکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۶۸)

☆☆

نبی کریم ﷺ کی طرف سے حج کرنا؟

سوال:۔ کیا نفل حج کا ثواب نبی اکرم ﷺ کو پہنچایا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ نفل حج کا ثواب جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کرنا بلا شبہ جائز بلکہ انتہائی قابل سعادت ہے اس میں پیغمبر ﷺ کے عظیم احسانات کی شکرگزاری اور عقیدت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ علامہ شامی نے ردالمختار میں علامہ ابن حجر مکیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی طرف سے عمرہ فرمایا کرتے تھے۔ اور علامہ ابن الموفق نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے ستر حج ادا فرمائے۔ (شامی طبع بیروت: ج ۳/ص ۱۴۳)

(جو حضرات بار بار نفل حج کرتے رہتے ہیں۔ انکو چاہئے کہ محسن اعظم ﷺ کی طرف سے بھی نفل حج کیا کریں۔ (محمد رفعت قاسمی)

معذور باپ کی طرف سے جدہ میں مقیم بیٹے کا حج کرنا؟

سوال:۔ میری عمر ستاسی سال کی ہے میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میرا بیٹا کئی سال سے جدہ میں ملازم ہے کیا وہ میری طرف سے حج بدل کر سکتا ہے۔ یا اپنا حج کیا ہوا مجھ کو بخش سکتا ہے؟

جواب:۔ اگر آپ کے ذمہ حج فرض ہے تو حج بدل کے لیے کسی کو اپنے وطن سے بھیجنا ضروری ہے۔ خواہ آپ کا بیٹا جائے یا کوئی اور۔ اگر آپ پر حج فرض نہیں تو آپ کا بیٹا جدہ سے بھی آپ کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے۔ اور وہ اپنا ایک حج آپ کو بخش دے تب بھی آپ کو اس کا ثواب مل جائے گا۔

لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے پھر ادا شدہ حج کے ثواب بخشنے سے وہ فرض، پورا نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ بیٹا جو آپ کے وطن سے جدہ جا رہا ہے۔ اگر وہ آپ کے خرچہ سے یہاں سے (آپ کے وطن سے) احرام باندھ کر آپ کی طرف سے حج کی نیت کر کے حج کے مہینوں میں جائے اور حج ادا کر لے تو آپ کا حج بدل عذر کی وجہ سے ادا ہو جائے گا۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۴۷)

مجبوری کی وجہ سے حج بدل؟

سوال :۔ میں دل کا مریض ہوں تکلیف نا قابل برداشت ہوگئی ہے۔ تو کیا میں اپنے عزیز کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہوں؟ اور حج پر جانے سے پہلے کے جو واجبات ہیں وہ میں ادا کروں یعنی معافی وغیرہ۔

جواب :۔ اگر آپ خود جانے کے قابل نہیں معذور ہیں تو کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے۔ آپ کا حج ہو جائے گا۔ کہا سنا معاف کرنا ہی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۷۲)
(اور حقوق العباد وغیرہ ادا کر کے ہی جانا چاہئے)۔

مسئلہ :۔ معذور خسر کے حکم سے داماد اپنے سسر کی جگہ حج بدل کر سکتا ہے۔
(آپ کے مسائل: ج۴/ص۷۵)

سفر کی تکلیف کے ڈر سے حج بدل کرانا؟

سوال :۔ ایک مالدار شخص حج کو جانے کے قابل ہے۔ محض سفر کی تکلیف کے خوف سے دوسرے شخص کو روپیہ دے کر حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اس کا حج ادا ہو گا یا نہیں؟ اور اس کا مال سودی کاروباری کا ہے؟

جواب :۔ اس شخص کو حج کے لیے خود جانا چاہئے۔ بحالت موجودہ دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنے سے اس کا حج فرض ادا نہ ہو گا۔ اور حرام روپیہ سے حج نہ کرنا چاہئے۔ وہ حج مقبول نہ ہو گا۔ اگر چہ فرضیت ساقط ہو جائے گی اور یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ وہ شخص قرض لے کر حج کرے پھر وہ قرض ادا کر دے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص۵۶۱)

حج بدل کون کر سکتا ہے؟

مسئلہ :۔ حنفی مسلک کے مطابق جس نے اپنا حج نہ کیا ہو۔ اس کا کسی کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے۔ مگر مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۶۹)

مسئلہ :۔ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو۔ اس کو حج بدل پر بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے تاہم اگر چلا جائے تو حج بدل ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کو بھیجا جائے جو پہلے حج کر چکا ہو۔

خواہ وہ غریب ہو یا امیر اس مسئلہ میں غریب وامیر کی بحث نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ ص ۶۷ وہکذا فی فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ ص ۵۷۳ واحکام حج: ص ۱۸۸ و کتاب الفقہ: ج ۱/ ص ۱۳۲۲)

مسئلہ:۔ کسی خاتون کی طرف سے حج بدل کرانا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ کوئی خاتون ہی حج بدل کرے۔ عورت کی طرف سے مرد بھی حج بدل کرسکتا ہے۔ اور مرد کی طرف سے عورت بھی کرسکتی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ ص ۷۵)

مسئلہ:۔ نابالغ حج بدل نہیں کرسکتا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ ص ۷۷)

مسئلہ:۔ عورت کی طرف سے حج بدل مرد بھی کرسکتا ہے اور مقلد کی طرف سے غیر مقلد بھی کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ ص ۵۷۴)

مسئلہ:۔ حج بدل کرنے والا صاحب شعور ہو۔ لہٰذا کسی لڑکے (بچے) کا جو سنِ شعور کو نہ پہنچا ہو حج بدل کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں کم عقل انسان (جو پاگل نہ ہو) حج بدل سکتا ہے نیز عورت اور غلام بھی حج بدل کرسکتے ہیں۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ ص ۱۱۶۶)

حج بدل پر جانے والا کیا نقصان معاش لے سکتا ہے؟

سوال:۔ حج بدل کرنے والا حج بدل کرانے والے سے اپنا نقصان معاش کا معاوضہ لے۔ تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ معاوضہ نقصان معاش اور کاروبار کا ہے تو نقصان کاروبار کوئی عین متقوم نہیں (ایسا نہیں جس کی قیمت لگائی جائے اور) جس کا معاوضہ لینا جائز ہو اور اگر یہ معاوضہ اپنی مشقت ومحنت کا ہے جو سفر میں لاحق ہوگی تو اس صورت میں اجارہ ہوگیا اور حج بدل اجارہ کے ساتھ ناجائز ہے۔

بعض اقوال پر وہ حج ہی نہ ہوگا اور راجح یہ ہے کہ اجارہ فاسد ہے یعنی اجرت لے کر حج کرنے کا یہ غلط طریقہ ہے اور حج تو ہو جائے گا۔ البتہ معاوضہ کے طور پر نہ ہو بلکہ بھیجنے والا خوشی سے اجازت دیدے کہ میں تم کو یہ رقم حج کے لیے دیتا ہوں اور حج کے بعد جو رقم بچے اس کے متعلق تم کو وکیل کرتا ہوں کہ فاضل رقم اپنے کو میری طرف سے ہبہ کرلینا تو اس صورت میں وہ فاضل رقم اور سامان وکپڑے وغیرہ جو حج کے بعد باقی رہے وہ حج بدل کرنے والا اپنی

ملکیت میں لاسکتا ہے۔ اس طرح اگر کسی شخص کے ذمہ اہل وعیال کا نفقہ (ضروری خرچہ) واجب ہے اور دوسرا شخص اس کو حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہے اور یہ صاحب اہل وعیال۔ یوں کہے کہ مدت حج کے لیے میں نفقہ عیال اس وقت نہیں دے سکتا تم اگر مجھ کو بھیجنا چاہتے ہو تو میرے اہل وعیال کا خرچہ بھی اس قدر ادا کردو۔

اور یہ گفتگو بطورِ معاوضہ معاملہ کے نہ ہو بلکہ دوستانہ طور پر ہو اور اس کے بعد بھیجنے والا خوشی سے اس کے اہل وعیال کا خرچہ بھی ادا کردے تو جائز ہے، بشرطیکہ حج بدل کرانے والا خود زندہ ہو اور اگر وہ وصیت کر کے مر گیا ہے تو اس کے حج بدل میں خرچہ سفر حج متعارفہ سے زیادہ دینے کا اختیار ورثہ بالغین کو ہے نابالغوں کے حصہ میں سے جائز نہیں اگر ورثہ نابالغ ہوں تو ضرورت کے مطابق حج کے لیے میت کے تہائی مال میں سے دیا جائے اور تبرعاً۔ فاضل (زیادہ خرچ) یا خرچہ اہل وعیال کے لیے بالغین اپنے حصہ میں سے رقم دیں اور خرچہ اہل وعیال مامور میں یہ تفصیل ہے کہ ضروری خرچہ پر بھی جانے والے دستیاب ہوں۔ یعنی ایسی (تنہا) لوگ بھی حج بدل کو تیار ہوں جن کے ساتھ اہل وعیال کا خرچہ لگا ہوا نہیں اور وہ صرف سفر حج کا خرچہ لے کر جاسکتے ہیں۔ اور اگر صاحب اہل وعیال کے علاوہ کوئی شخص معتبر باقاعدہ حج کو صحیح ادا کرنے والا نہ ملتا ہو تو اس صورت میں تہائی مال سے بھی بھیجنے والے کے اہل وعیال کا خرچہ دینا جائز ہے۔ بلکہ ورثہ پر لازم ہے جب مرنے والے نے حج کی وصیت کی ہو اور تہائی مال میں وسعت بھی ہو۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۹۲)

حج بدل پر جانے والے کو سفر خرچ کتنا دیا جائے؟

مسئلہ:۔ حج فرض میں کسی دوسرے کو اپنے عوض حج کے لیے بھیجنے میں یہ شرط ہے کہ خود کسی طرح حج کو نہ جاسکے بالکل معذور ہو۔ عذر کی صورت میں اگر کسی کو اپنی طرف سے نیابتاً حج کو بھیجے تو اس کا خرچ دیدے۔ سفر خرچ میں یہ شرط نہیں کہ امیرانہ دیوے یا متوسط۔ یا بقدر کفایت جس طرح حج کرنے والا راضی ہو جائے جس طرح خرچ کرے وہ مال آمر سے (حج بدل کرانے والے کی طرف سے) ہونا چاہیے۔ اگر آمر امیرانہ خرچ دیدے۔ یہ بھی درست ہے۔ اور متوسط خرچ دے یا بقدر کفایت اور حج بدل پر جانے والا راضی ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

(غرض یہ کہ مامور (جسکو بھیجا جا رہا ہے) جیسے خرچ کا عادی ہو اور جس طرح اس کو اسائش ہو وہ کام کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۶۹)

مسئلہ:۔ حج بدل کے لیے ضروری ہے کہ پورا خرچ سفر حج کرنے والے کو دیا جائے حج کرانے والے کے مکان سے تمام خرچہ مکہ مکرمہ وغیرہ تک۔ جانے کا اور واپسی کا۔ حج کرانے والے کے مال میں سے ہو ورنہ حج بدل فرض ادا نہ ہوگا۔ البتہ نفل کا ثواب ہو جائیگا۔ اور اگر حج بدل کرنے والے کو روپیہ دیا گیا اور اس نے حج آمر کی طرف سے نہ کیا تو آمر کا حج نہیں ہوا اور گناہ اس پر ہوا جس نے حج نہ کیا اور وہی مواخذہ دار ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۶۷ و ہکذا فی احکام حج: ص ۱۱۹)

حج بدل پر جانے والے کے پاس رقم کم یا زائد ہو تو؟

مسئلہ:۔ حج بدل کرنے والے کو اس روپیہ میں سے جو اس کو سفر خرچ کے لیے ملا۔ سفر کے خرچ سے زائد رکھنا اس صورت میں درست ہے کہ روپیہ دینے والے نے اس کو وکیل بالہبہ بنا دیا یعنی یہ اجازت اور اختیار دیدیا کہ زائد رقم تم خود رکھ لینا۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۷۳)

مسئلہ:۔ حج بدل کے مسئلہ میں جب حج بدل کرنے والے کے پاس خرچ نہ رہے وہ اپنے پاس سے کسی سے قرض لے کر چلا آئے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ سفر حج میں زیادہ خرچ بھیجنے والے کے مال سے ہوا ہے یا حج بدل کرنے والے کی رقم سے۔ صورت اول میں تو حج بدل صحیح ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں حج بدل صحیح نہیں ہوا۔ بلکہ وہ حج خود کرنے والے کی طرف سے ہو گیا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ بھیجنے والے نے اس کو اپنے پاس سے یا قرض کر کے خرچ کرنے کی اجازت نہ دی ہو اور اگر اجازت دیدی ہو کہ خرچ کم ہو جائے تو تم اپنے پاس سے یا قرض لے کر خرچ کر لینا۔ ہم تم کو دیدیں گے پھر ہر حال میں حج درست ہے۔ خواہ بھیجنے والے کی دی ہوئی رقم کم ہو یا زیادہ۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۸۸ و ہکذا فی فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۷۷ و احکام حج: ص ۱۲۰ بحوالہ رد المختار: ج ۱/ص ۳۳۴)

مسئلہ:۔ حج کرنے کی کوئی اجرت مقرر نہ کی جائے۔ حج کرانے والے پر عام اخراجات ادا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ حج کے اخراجات کے لیے جو رقم دی گئی ہے۔ اگر اس

میں کچھ بچ جائے تو حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ باقی بچی ہوئی رقم حج کرانے والے کو واپس کردے ہاں ثواب کے خیال سے حج کرانے والا یا وارث وہ رقم چھوڑ دیں تو اور بات ہے یعنی جائز ہے (کتاب الفقہ: ج۱/ص ۱۱۶۷)

حج بدل کرنے والے سے اپنی فرضیت ختم ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اگر کسی مالدار مرنے والے کی طرف سے کسی مفلس غریب نے حج بدل ادا کیا جس نے ابھی حج ادا نہیں کیا ہے تو مرحوم کا حج تو ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن مفلس حج بدل کرنے والے کے ذمے سے بھی فرضیت حج ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اگر ایسے مفلس سے عمر بھر کو فرضیت ساقط نہیں ہوتی تو اپنے تمام کام و آرام و عیال کو چھوڑ کر حج بدل پر جانے سے کیا فائدہ؟

جواب:۔ جس مفلس نے اپنا حج نہیں کیا ہے وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے۔ جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو۔ باقی اُس مفلس کے ذمہ سے جس نے اپنا حج کئے بغیر دوسرے کا حج فرض بدلاً کیا ہے عمر بھر کے لیے فرض اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوا بلکہ اگر کسی وقت اس کے پاس مال زیادہ ہو گیا جس میں حج بشرائط ہو سکے تو اس کو اپنی طرف سے دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔ کیونکہ حج بدل تو دوسرے کا تھا اس کی طرف سے تو تھا ہی نہیں۔ رہا یہ سوال کہ جب اس کے ذمہ سے حج فرض (اپنا) ساقط نہیں ہوتا تو اپنے کاروبار و آرام چھوڑ کر سفر حج کی صعوبت اٹھانے میں کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو اس کو بے فائدہ سمجھے اس کو واقعی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہرگز نہ جائے بلکہ ایسے شخص کو بھیجنا چاہئے جو ایک بار اپنا حج کر کے بیت اللہ شریف اور بیت رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر چکا ہو وہ بتلائے گا کہ سفر کی صعوبت برداشت کرنے میں کیا فائدہ ہے یہ تو نفع "عاجل" یعنی جلدی ملنے والا ہے جس کا علم ایک بار حج کرنے والے کو دنیا ہی میں ہو جاتا ہے اور جو ثواب مرنے کے بعد سامنے آئے گا اسکا علم قبر میں پہنچ کر ہو جائے گا۔

دوسروں کی طرف سے حج کرنے کا ثواب بعض وجوہ سے اپنے حج کے ثواب سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ (امداد الاحکام: ج۲/ص ۱۹۰، ۱۹۱)

حج بدل کرنے پر کیا حج فرض ہو جائے گا؟

مسئلہ:۔حج بدل پر جانے والے کا یہ خیال غلط ہے کہ اگر میں حج بدل کیلئے جاؤں گا تو آئندہ سال باوجود عدم استطاعت کے حج کیلئے جانا ضروری ہوگا۔(بیت اللہ کو دیکھنے کی وجہ سے) یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ اس کے اوپر حج جب فرض ہوگا جب اسکے پاس مصارف ہوں۔ نیز حج بدل پر جانے والے کے گھر والوں کے واپسی تک مصارف بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو حج بدل کیلئے بھیج رہا ہو اور جانے سے آنے تک مصارف بھیجنے والے کے ذمہ ہونگے۔

حج بدل میں نیت کس کی کرے؟

مسئلہ:۔حج بدل میں حج کرانے والے کی طرف سے حج کی نیت کرنا لازم ہے۔لہٰذا حج بدل کرنے والے کو یوں کہنا چاہئے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا اور تلبیہ کہتا ہوں۔ اور یہ نیت دل میں کرلینا کافی ہے۔اگر نائب نے یعنی حج بدل کرنے والے نے حج کی نیت اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

(کتاب الفقہ:ج ۱/ص ۱۶۵ وہکذا فی احکام حج:ص ۱۲۰)

مسئلہ:۔حج بدل میں جس کی طرف سے حج بدل کیا جاتا ہے اس کا نام لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ دل میں یہ نیت کافی ہے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھا ہوں۔ اگر احرام کے وقت اس کی طرف سے احرام کی نیت نہیں کی اور اعمال حج شروع کر دیئے تو حج بدل صحیح نہیں ہوگا۔(فتاویٰ محمودیہ:ج ۱۷/ص ۲۰۰ ومعلم الحجاج:ص ۱۰۲)

ایک حج بدل دو کی طرف سے کرنا؟

مسئلہ:۔اگر دو اشخاص نے اپنے اپنے حج (بدل) کا نائب بنایا اور حج بدل کرنے والے نے دونوں کی طرف سے احرام باندھا اور حج بدل کیا۔تو وہ حج درست نہ ہوگا۔اور وہ دونوں کے اخراجات کی واپسی کا ذمہ دار ہوگا۔(کتاب الفقہ:ج ۱/ص ۱۱۶۶)

مسئلہ:۔حج بدل کرنے والا دیندار اور قابل اعتماد ہو۔ کیونکہ بعض لوگ متعدد حضرات کی طرف

سے (رقم لے کر) حج بدل کر لیتے ہیں۔ جس سے کسی کا بھی حج نہ ہوگا۔

(احسن الفتاوی: ج ۴/ص ۵۲۰ وہکذا احکام حج: ص ۱۲۰)

مسئلہ:۔ حج بدل کے لیے احرام ایک ہی باندھا جائے۔ اگر ایک احرام حج بدل کا اور دوسرا حج بدل کرنے والے نے اپنے حج کا باندھا (یعنی ایک ساتھ دونوں کی ایک احرام میں نیت کرلی) تو اس طرح دونوں میں سے کسی کا حج نہ ہوگا۔ بجز اسکے کہ دوسرے احرام کو توڑ دے (یعنی دوسرے احرام کی نیت ختم کردے)۔ کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۶۶)

مسئلہ:۔ حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ جس کے روپیہ سے سفر حج کیا اور جس کا روپیہ صرف کیا اس کی طرف سے حج کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۴/ص ۵۶۴ بحوالہ عالمگیری مصری: ج ۱/ص ۲۴۰)

میت کی طرف سے حج بدل کروانا؟

مسئلہ:۔ جس شخص پر حج فرض ہو اور اس نے اتنا مال چھوڑا ہو کہ اس کے تہائی حصہ سے حج کرایا جاسکتا ہو اور اس نے حج بدل کرانے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج بدل کرانا اس کے وارثوں پر فرض ہے۔

مسئلہ:۔ جس شخص کے ذمہ حج فرض تھا۔ مگر اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا یا اس نے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی۔ اس کی طرف سے حج بدل کرانا وارثوں پر لازم نہیں۔ لیکن اگر وارث اس کی طرف سے خود حج بدل کرے یا کسی دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیج دے تو اللہ کی رحمت سے اُمید کی جاتی ہے کہ مرحوم کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ اور جس شخص کے ذمہ حج فرض نہیں اگر وارث اس کی طرف سے حج بدل کریں یا کرائیں تو یہ نفلی حج ہوگا اور مرحوم کو انشاء اللہ اس کا ثواب ضرور پہنچے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۶۹)

مسئلہ:۔ اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا۔ یعنی صاحب استطاعت نہیں تھے۔ بیٹا صاحب استطاعت ہے تو والدین کیلئے حج وعمرہ کرسکتا ہے۔ لیکن یہ نفل حج ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۳ وہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۱۵)۔

مسئلہ:۔ میت کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں اگر اس نے وصیت کی تھی تو اس کے ترکہ سے اس کا حج بدل ادا کیا جائے گا۔ اگر تہائی مال سے ممکن نہ ہو تو پھر اگر سب وارث بالغ اور حاضر

ہوں اور کل مال سے حج بدل کی اجازت دیدیں تو کل مال سے بھی اس صورت میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تھی تو ورثاء کی صوابدید اور رضا پر ہے۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں بھی اس کا حج قبول فرما کر اس کے گناہوں کو معاف فرمائیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۰ وہکذافی فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۹۵ وفتاویٰ دارالعلوم: ج ۶/ص ۵۶۳ و کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۶۶)

مسئلہ:۔ جس زندہ یا مردہ پر حج فرض نہیں۔ اس کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے۔ مگر یہ نفلی حج ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر ماں باپ نادار ہیں اور ان پر حج فرض نہ ہو تو اولاد کا ان کی طرف سے حج بدل کرنا ضروری نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۲ وہکذافی فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۱۸۷ و مظاہر حق جدید: ج ۳/ص ۲۶۴)

بغیر وصیت کے حج بدل کرانا؟

مسئلہ:۔ اگر والدین کے ذمہ حج فرض تھا اور انہوں نے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی۔ تو اگر اولاد ان کی طرف سے حج کرادے یا خود (اپنے والد اور والدہ کی طرف سے) کرلے تو امید ہے کہ ان کا فرض ادا ہو جائے گا۔ اور حج کے تینوں اقسام میں سے جونسا بھی حج کرلے صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۳ وہکذافی فی امدادالاحکام: ج ۱/ص ۱۸۸ و کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۶۵ و فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۳۵)

مسئلہ:۔ اگر مرحوم کے ذمہ حج فرض تھا اور کوئی شخص اس کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا ہے تو اس مرحوم کی طرف سے احرام باندھنا لازم ہوگا۔ ورنہ حج فرض ادا نہیں ہوگا۔ اور اگر مرحوم کے ذمہ حج فرض نہیں تھا تو حج کا ثواب بخشنے سے مرحوم کو حج کا ثواب مل جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۶ و ہکذا فتاویٰ دارالعلوم: ج ۶/ص ۵۲۷ و نظام الفتاویٰ: ج ۱/ص ۱۴۲)

معذور کی طرف سے بغیر اجازت کے حج بدل کرانا؟

سوال:۔ آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) کسی مرنے والے یا معذور شخص کی طرف سے اس کی وصیت یا حکم کے بغیر از خود اپنے خرچ سے حج بدل کرے تو کیا اس کے لیے

بھی اس شخص کے وطن سے جانا ضروری ہے جس کی طرف سے وہ حج بدل کر رہا ہے؟

جواب:۔ مرنے والے یا معذور کی طرف سے فرض حج ادا کرنے کے لیے اس کا حکم یا اجازت ضروری ہے۔ بغیر حکم کے کسی اجنبی نے حج کیا تو یہ حج کرنے والے کا ہوگا۔ وہ اس کا ثواب جس کو چاہے بخش دے لہٰذا اس میں میقات وغیرہ کی قید نہیں اگر وارث نے مرنے والے کی وصیت کے بغیر اس کی طرف سے حج کیا تو اس سے مرنے والے کا فرض ادا ہونے کی امید ہے۔ مگر اس میں بھی مرنے والے کے میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں۔ جس میقات سے چاہے باندھ سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۲)

بلا تقسیم ترکہ حج بدل کرانا؟

مسئلہ:۔ یہ جائز نہیں ہے کہ بلا تقسیم ترکہ حج بدل کرائے یا صدقہ وخیرات مرنے والے کیلئے برائے ایصال ثواب کرے۔ البتہ اپنے حصہ میں سے یا جو بالغ وارث راضی ہوں ان کے حصہ میں سے حج بدل کرا سکتے ہیں اور صدقہ وخیرات بھی کر سکتے ہیں۔ نابالغوں کے حصہ میں سے نہیں کر سکتے۔ ان کا حصہ علیحدہ کر دینا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ص ۶/ص ۵۶۳)

مسئلہ:۔ وصیت صرف تہائی مال میں ہوتی ہے۔ اس لیے تہائی مال سے حج بدل کرایا جائے گا۔ چاہے وصیت کرنے والے نے تہائی کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ البتہ (سب) وارث اگر تہائی سے زیادہ دے تو ان کو اختیار ہے۔

مسئلہ:۔ تہائی ترکہ حج کے مصارف سے زیادہ ہے یا حج کے بعد کچھ بچتا ہے تو ورثہ کو واپس کرنا واجب ہے۔ ان کی بلا اجازت حج کرنے والے کو رکھنا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج: ص ۲۹۰)

حج بدل میں خرچ کے کم ہونے کی وجہ سے میقات کے قریب ترین مقام سے حج کرانا؟

سوال:۔ حج بدل کرنے والا پیسے کی کمی کی وجہ سے بھیجنے والے کے میقات سے حج نہ کر سکے تو اپنے میقات یا دوسرے میقات سے احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ بھیجنے والے کے وطن سے سفر حج شروع کیا

جائے۔لیکن اگر پیسے کی کمی کی مجبوری کی وجہ سے دوسری جگہ سے جہاں سے خرچ کفالت کرتا ہوسفر شروع کرے۔ یہ درست ہے اور جس راستہ سے پہنچ سکتا ہو۔ سفر کرے۔ جس میقات سے گزرے احرام باندھے۔(فتاویٰ دار العلوم: ج۶ ص ۵۷۰ وہکذا کتاب الفقہ: ج۱/ص ۱۱۶۷)

مسئلہ:۔جس مرحوم نے حج بدل کی وصیت کی ہے اس کے تہائی مال میں سے حج بدل کرانا ضروری ہے ورنہ ورثاء گنہگار ہونگے۔تہائی مال حج بدل کے لیے ناکافی ہوتو جہاں سے تہائی مال میں سے حج ہوتا ہو حج کرادیں۔مثلاً جدہ سے حج کراسکیں اتنا ہی مال ہے تو وہاں سے کرادیں۔مکہ شریف سے حج کرادیں۔اتنا ہی مال ہے تو وہاں سے کرادیں۔اگر بالغ ورثاء اپنے مال میں سے باقی رقم ملا کر مرحوم کے وطن سے حج کرادیں تو بہتر ہے لیکن نابالغ ورثاء کی رضامندی معتبر نہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۱۴ بحوالہ درمختار مع شامی: ج ۲/ص ۳۳۹ ومنتخب نظام الفتاویٰ: ج ۱/ص ۱۵۲)

حج خرید کر ثواب پہنچانا؟

مسئلہ:۔یہ تو جائز ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر کسی شخص کو خرچ دے کر اس سے نفلی حج کرا کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص یعنی نفلی حج کرنے والا احرام کے باندھنے کے وقت اسی میت کی طرف سے حج کی نیت کرے اور اس کی طرف سے احرام باندھے۔اور یہ درست نہیں ہے کہ کسی کا پہلا کیا ہوا حج خرید کر اسکا ثواب میت کو پہنچایا جائے۔کیونکہ حج کی خرید و فروخت نہیں ہوسکتی۔(فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۶۳)

مسئلہ:۔اگر کسی نے حج کی اجرت مقرر کی کہ میں تم کو حج بدل کرنے کے عوض میں اتنی رقم دوں گا تو وہ حج ہی سرے سے جائز نہ ہوگا۔ نہ اس کا حج ہوگا اور نہ اجرت پر حج کرنے والے کا حج ہوگا اور اس قسم کا معاملہ فضول ہوگا یعنی بیکار۔(کتاب الفقہ : ج ۱/ص ۱۱۶۶)

(حج بدل کرنے والا صرف مصارف حج لے اور حج کی اجرت واپس کردے تو حج بدل ادا ہو جائے گا۔)

☆☆

حج بدل میں قربانی کا حکم؟

مسئلہ:۔حج بدل کرنے والے کو حج مفرد یعنی صرف حج کا احرام باندھنا چاہئے اور حج مفرد میں حج کی وجہ سے قربانی نہیں ہوتی۔اس لیے جس نے حج بدل کرایا یعنی آمر کی طرف سے قربانی کی ضرورت نہیں۔جو حج بدل کر رہا ہے اگر مقیم اور صاحب استطاعت ہو تو اپنی طرف سے (واجب) قربانی کرے اور مسافر غیر مستطیع پر عام قربانی واجب نہیں ہے۔جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ حج بدل کرنے والوں کو حج مفرد یعنی صرف حج کا احرام باندھنا چاہئے۔اگر وہ تمتع کریں (یعنی میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں) تو تمتع کی قربانی ان کے مال سے لازم ہے۔حج بدل کرانے والے آمر کے مال سے نہیں۔الا یہ کہ آمر نے اس کی اجازت دیدی ہو تو اس کے مال سے قربانی کر سکتے ہیں۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص ۷۸)

مسئلہ:۔حج بدل کرنے والوں کو افراد کرنا چاہئے (یعنی صرف حج کا احرام باندھنا) اور بھیجنے والے کی اجازت سے تمتع وقران بھی ہو سکتا ہے۔مگر قربانی اپنے پاس سے کرنی ہوگی۔اگر بھیجنے والا قربانی کی قیمت ادا کر دے تو جائز ہے۔اس زمانہ میں عرفاً آمر کی طرف سے تمتع وقران اور قربانی کی اجازت ثابت ہے۔اس لیے صراحتاً اجازت ضروری نہیں۔ویسے صراحتاً اجازت حاصل کر لینا بہتر ہے۔(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص ۵۱۳)

مسئلہ:۔حج بدل میں افراد یعنی صرف حج کا احرام باندھنا ہوتا ہے۔البتہ بھیجنے والے کی طرف سے اجازت ہو تو قران یعنی حج وعمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھ لے۔اور تمتع کی اجازت ہو تو اس کا احرام باندھ لے۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص بھیجنے والے سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے۔(فتاویٰ رحیمیہ :۸/ص ۳۱۳ بحوالہ شامی: ج۲/ص ۳۲۹ وزبدۃ: ج۲/ص ۲۵۸)

حج بدل کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔حج بدل کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ حج بدل کرانے اور حج بدل کرنے والا دونوں

مسلمان اور عاقل ہوں۔

مسئلہ:۔ دیوانے (پاگل) کا حج صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر حج واجب ہونے کے بعد جنون لاحق ہوا تو اس کی طرف سے کسی کو حج کیلئے روانا کرنا درست ہے۔

مسئلہ:۔ کسی کی طرف سے نفلی حج ادا کرنے کے لیے شرط یہ بھی ہے کہ حج بدل کرنے اور کرانے والے مسلمان عاقل اور صاحب شعور ہوں اور حج کی اجرت نہ لی گئی ہو۔

(کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۱۶۷)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل کرنے کے لیے گیا اور وہیں پر قیام کرنے کے بعد اگلا حج کر کے واپسی آیا تو واپسی کا خرچ تو بھیجنے والے کے ذمہ ہوگا۔ لیکن قیام مکہ مکرمہ کا خرچ خود دوسرا حج کرنے والا اپنے پاس سے کرے۔ (امداد الاحکام: ج۲/ص۱۹۵)

مسئلہ:۔ معذور کا حج بدل کرا دینا جائز ہے اگر یہ عذر جو اس وقت ہے عمر بھر رہا تو یہ حج بدل عمر بھر معتبر رہے گا اور اگر کسی وقت عذر موجودہ زائل ہو گیا تو معذور کو حج فرض دوبارہ خود ادا کرنا ہوگا اور پہلا حج جو بطور بدل کرایا تھا وہ نفلی ہو گیا۔ (احکام حج: ص۱۱۸ او ہکذا فی امداد الاحکام: ج۲/ص۱۹۵ و فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص۵۶۹)

مسئلہ:۔ جو شخص تمام زندگی قید میں رہے اس کی طرف سے حج بدل جائز ہے لیکن قید سے رہائی مل جائے تو فریضۂ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا یعنی دوبارہ حج فرض ادا کرنا ہوگا۔

(کتاب الفقہ: ج۱ص۵۶۹)

مسئلہ:۔ جو پیروں سے معذور ہو گیا ہو۔ لیکن اتنی استطاعت ہے کہ اپنے ساتھ اپنے خرچہ سے ایک آدمی کو حج کے لیے لے جا سکتا ہے تو ایسی معذوری میں اس پر خود حج کرنا تو فرض نہیں لیکن حج بدل کر دینا ضروری ہے لیکن بعد میں اگر تندرست ہو گیا تو دوبارہ خود حج کرنا پڑے گا۔

(امداد الاحکام: ج۲/ص۱۵۲ او ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۹۹)

مسئلہ:۔ جب ایسی تکلیف ہو کہ حج کے سفر سے بالکل عاجز ہو جائے تو حج بدل کے لیے کسی کو اپنے زندگی میں بھیج دینا جائز ہے۔ پھر اگر عجز ہی کی حالت میں انتقال ہو جائے تب تو یہ حج کافی ہو جائے گا اور اگر وہ عجز زائل ہو جائے تو حج ذمہ رہے گا۔ اور اگر حج بدل کی وصیت کرنے میں اپنی اولاد پر اطمینان نہیں کہ وہ پورا کر دینگے تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی

دوسرے معتمد کو حج کے لیے وصیت کردے اور خود اس کو حج بدل کے لیے روپیہ (رقم) سپرد کردے۔ (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۱۹۸ و ہٰکذا فی فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۶۶)

مسئلہ:۔ جب میت کے ذمہ فرض نہیں تھا اور ان کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو مدرسہ و مکتب میں رقم دینے میں ثواب زیادہ ہے۔ حج بدل کرانے سے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۴/ص ۱۳۱)

مسئلہ:۔ اس کو لازم ہے کہ جب اس پر حج فرض ہے اور وہ خود نہیں کرسکتا اور عذر شرعی ہے تو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کرادے۔ اور اس روپیہ کو دوسرے کسی مصرف میں مثلاً مسجد و مدرسہ کے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۶۷)

حج بدل کرنے والا اگر خلاف ورزی کرے تو؟

مسئلہ:۔ مأمور یعنی حج بدل کرنے والے پر لازم ہے کہ آمر یعنی حج بدل کرانے والے کی ہدایات کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔ اگر خلاف کیا تو اس کا حج بدل ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ حج مأمور کی طرف سے ہو جائے گا۔ اور اس پر لازم ہوگا کہ آمر کی جو رقم اس حج میں خرچ کی ہے وہ اس کو واپس کرے۔ نیز خلاف کرنے پر اگرچہ یہ حج مأمور کی طرف سے ہو جائے گا۔ مگر اس سے مأمور کا بھی حج فرض ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ نفلی حج ہوگا۔ اگر بعد میں اس کے پاس اتنا مال جمع ہو گیا جو حج کے لیے کافی ہو اور باقی شرائط حج صحیح ہو گئیں تو اس کو اپنا حج فرض پھر ادا کرنا پڑے گا۔ (احکام حج: ص ۱۲۱)

حج بدل کرنے والے سے اگر غلطی ہو جائے؟

مسئلہ:۔ اگر حج بدل کرنے والے سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حج کو فاسد کردے اور یہ کام عرفہ میں وقوف سے پہلے سرزد ہوا ہو تو اخراجات حج کی واپسی کی ذمہ داری حج بدل کرنے والے پر عائد ہوگی لیکن اگر وقوف عرفہ کے بعد ایسا امر سرزد ہوا تو عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ حج کا رکن اعظم یعنی وقوف عرفہ ادا ہو گیا ہے۔ تاہم تمام غلطیوں کا کفارہ حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے۔ کیونکہ اس کا سبب وہ خود ہے۔ البتہ احصار یعنی حج سے روکے جانے کی قربانی حج کرانے والے پر ہے۔ کیونکہ احصار میں یعنی احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے پر حج بدل کرنے والے کو کچھ اختیار نہ تھا۔ بلکہ وہ مجبور تھا۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۶۷)

حج بدل کرنے والے کا راستہ میں انتقال ہو گیا تو؟

سوال:۔ایک شخص نے حج بدل کے واسطے اپنی طرف سے دوسرے شخص کو بھیجا وہ راستہ میں فوت ہو گیا۔ مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا۔ ایسی صورت میں بھیجنے والے کا حج پورا ہوا یا نہیں؟

جواب:۔اس کا حج نہیں ہوا۔ اگر اس کے ذمہ یعنی بھیجنے والے کے ذمہ حج فرض ہے تو کسی دوسرے شخص کو بھیج کر حج بدل کرانا چاہئے یعنی جب کہ خود نہ جا سکتا ہو اور خود حج کرنے سے عاجز ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ٦/ص ٥٧٦ بحوالہ ردالمختار: ج ٢/ص ٢٠٢)

مسئلہ:۔میت کی طرف سے حج کرنے والا اگر وقوف عرفہ کے بعد مر جائے تو میت کا حج ہو جائے گا۔ (معلم الحجاج: ص ٢٩١)

مسئلہ:۔اگر حج بدل کرنے والا حج ادا کرنے سے قبل ایسا بیمار یا معذور ہو جائے کہ از خود حج ادا کرنے کی طاقت و قدرت نہیں رہی تو ایسی صورت میں اگر حج بدل کرانے والے نے اس طرح اجازت دے رکھی تھی کہ میرے طرف سے جس طرح چاہو حج کر دینا۔ تو اس اجازت کی صورت میں حج بدل کرنے والا چاہے خود کرے یا دوسرے سے کروالے دونوں درست ہے۔ اسی طرح وہ مریض کسی دوسرے کو اسی مقام سے حج بدل کا اپنا وکیل بنا سکتا ہے۔ اور اگر اس طرح عام اجازت نہیں دی گئی تھی تو حج بدل کرانے والے سے فون وغیرہ کے ذریعہ سے اپنی معذوری کی اطلاع کر کے اجازت حاصل کر کے دوسرے کو اسی جگہ سے اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ جہاں پر بیمار ہو گیا اور مناسک خود ادا کرنے کی امید نہ رہی۔ ویسے حج بدل کرانے والے کو حج بدل کرنے کے سلسلہ میں ہر طرح کا اختیار پہلے دینا ہی مناسب ہے۔ تاکہ حساب و خرچ۔ قربانی تمتع یا کوئی حادثہ وغیرہ کے سلسلے میں مزید اجازت کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اور حج بدل کرنے والے کو بھی ضروری ہے کہ بہت ہی ایمان داری و دیانت داری کا ثبوت دے اور یہ خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

(مستفاد در مختار کراچی: ج ٢/ص ٦٠٤ وہکذا معلم الحجاج: ص ٢٨٩)



حج بدل کے بعد آمر کے گھر آنا؟

سوال:۔ کیا یہ بھی ضروری ہے کہ حج بدل کرنے والے کے مکان پر حج بدل کرنے والا واپس آئے؟

جواب:۔ واپس آنا حج بدل کرانے والے کی جائے سکونت پر ضروری نہیں ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم: ج۶/ص ۶۷۸)

مسئلہ:۔ جو حج بدل کر کے واپس آئے وہ "حاجی" کہلائے گا۔ اپنے حج کے بغیر ہی "حاجی" کہلائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص ۶۷)

میقات کیا ہیں؟

سوال:۔ احرام کہاں اور کس وقت باندھا جائے؟

جواب:۔ اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیلؑ کی نشاندہی پر) متعین فرمائیں ہیں۔ جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ حج کا احرام باندھے یا عمرہ کا۔ ان مقامات کو میقات کہتے ہیں۔ اور جمع مواقیت آتی ہے۔ مواقیت کا تعین احادیث صحیحہ میں منقول ہے اور یہ پابندی میقات سے باہر رہنے والوں پر عام ہے جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات میں داخل ہوں خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے جا رہے ہوں یا عزیزوں دوستوں سے ملاقات کے لیے بہر حال بیت اللہ کا یہ حق ان کے ذمہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں اگر حج کا وقت ہے تو حج کا ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں اور پہلے بیت اللہ کا یہ حق ادا کریں پھر اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں (بدائع الصنائع)

ہاں اگر جدہ کا سفر ہو نیت مکہ مکرمہ کی نہ ہو بلکہ جدہ یا مدینہ کی نیت سے ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے جس جگہ پر بھی ان میں سے (جو مواقیت ہیں) کسی میقات کی محاذات آئیگی اس محاذات کے اندر داخل ہونے سے پہلے پہلے احرام باندھنا

واجب ہے۔ یہ مواقیت ان لوگوں کے لیے ہیں جو حدود میقات سے باہر ساری دنیا میں کہیں بھی رہتے ہیں۔

اصطلاح میں مواقیت سے باہر ساری دنیا کو آفاقی نام سے تعبیر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو اصطلاح میں آفاقی کہا جاتا ہے۔ (احکام حج: ص۳۵ وہکذا فی معارف القرآن: ج۱/ ص۴۲٦ و معارف الحدیث: ج۴/ص۲۰۰)

مسئلہ:۔ کسی کے راستہ میں دو میقات پڑتی ہیں تو اس کو پہلی میقات سے احرام باندھنا افضل ہے اگر دوسری میقات تک مؤخر کر دیا تو جائز ہے مؤخر کرنے کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دو میقاتوں کی محاذات پڑتی ہیں تو پہلی میقات کی محاذات سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (معلم الحجاج: ص۹۳)

مواقیت پانچ ہیں

ذوالحلیفة:۔ مدینہ طیبہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے جو مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف تقریباً چھ میل پر مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہے یہاں پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ آج کل مقام بیر علی کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔

جحفة:۔ ملک شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے جو کہ مکہ مکرمہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل:۔ یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے مکہ مکرمہ سے تقریباً تیس، پینتیس میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ میں ایک پہاڑی ہے۔

یلملم:۔ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے ایک پہاڑی ساحل سمندر سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ اصل میں اہل یمن وعدن کا میقات ہے۔ پہلے زمانہ میں جب جدہ کی بندرگاہ نہ تھی ہندوستان و پاکستان اور دوسرے مشرقی ممالک سے بحری راستے پر آنے والے حجاج کا بھی یہی راستہ تھا۔

اس لیے اہل پاکستان و ہندوستان کے لیے بھی یہی میقات مشہور ہے۔ (جب ہندو پاک سے سمندری راستہ سے سفر ہوتا تھا تو جدہ جاتے ہوئے جہاز یلملم کی محاذات سے

گزرا کرتے تھے۔ اس لیے ہندوپاک کے لیے یہی میقات مشہور ہوگئی تھی۔ لیکن ہوائی سفر میں یہ میقات نہیں پڑتی بلکہ قرن المنازل والی میقات پڑتی ہے)۔(محمد رفعت قاسمی)

ذات عرق:۔عراق کی طرف سے آنے والوں کیلئے میقات ہے۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً پچاس میل کے قریب ہے۔ جن لوگوں کا راستہ خاص ان مقامات پر سے نہ ہو تو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے جس جگہ پر بھی ان میں سے کسی میقات کی محاذات آئیگی اس محاذات کے اندر داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا واجب ہے۔ یہ مواقیت ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جو حدود میقات سے باہر ساری دنیا میں کہیں رہتے ہیں۔

اصطلاح میں مواقیت سے باہر ساری دنیا کو آفاق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اصطلاح میں آفاقی کہا جاتا ہے۔

(احکام حج: ص ٢٦ حضرت مفتی شفیعؒ وہکذافی معارف الحدیث: ج ۴/ص ٢٠٠)

میقات کے بورڈ اور تنعیم میں فرق

سوال:۔ مکہ مکرمہ کی حدود سے پہلے جہاں میقات کا بورڈ لگا ہوتا ہے اور لکھا ہوتا ہے کہ غیر مسلم آگے داخل نہیں ہوسکتے۔ وہاں سے احرام باندھے یا تنعیم جا کر مسجد عائشہ سے احرام باندھے؟ نیز میقات کے بورڈ اور تنعیم میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ یہ میقات کا بورڈ نہیں۔ بلکہ حدود حرم کا بورڈ ہے۔

تنعیم بھی حدود حرم سے باہر ہے۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اہل مکہ مسجد تنعیم سے جو احرام باندھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قریب ترین جگہ ہے۔ جو حدود حرم سے باہر ہے۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہؓ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئی تھیں اور بعض حضرات عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے مکہ مکرمہ سے جعرانہ جاتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ غزوہ حنین کے بعد وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کے لیے تشریف لائے تھے۔

اہل مکہ کے احرام عمرہ کے لیے ان جگہوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ وہ حدود حرم سے باہر کہیں سے احرام باندھ کر آجائیں صحیح ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ٨٧)

احترام کعبہ کے لیے تین دائرے مقرر ہیں

پہلے یہ جان لینا مناسب ہے کہ کعبہ مکرمہ نہایت ہی اشرف واعلیٰ مقام ہے۔حق تعالیٰ نے اس کے احترام کے لیے اس کے گرد تین دائرے بنائے ہیں۔اور ہر دائرہ کے کچھ مخصوص احکام ہیں۔

(۱) پہلا دائرہ مسجد حرام کا ہے جس کے درمیان بیت اللہ شریف واقع ہے۔ بیت اللہ کے بعد سب سے زیادہ اشرف واعلیٰ مقام ہے۔ جو اس دائرہ سے محدود ہے جس کو مسجد حرام کہا جاتا ہے۔اس کے ساتھ بہت سے احکام مخصوص ہیں۔مگر ان کا خصوصی تعلق احرام سے نہیں ہے۔اس لیے انکی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) دوسرا دائرہ حدود حرم کا ہے جو کہ مکرمہ کے چاروں طرف حرم مکی کی طرف کچھ حدود مقرر ہیں جہاں علامات حرم لگی ہوئی ہیں ان حدودِ حرم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کسی طرف تین میل کسی طرف نو میل ہے اور کسی طرف کم وبیش ہے۔ جو لوگ اس دائرہ کے اندر رہنے والے ہیں وہ اہل حرم کہلاتے ہیں۔

(۳) تیسرا دائرہ مواقیت کا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرے دائرہ یعنی حدودِ حرم کے رہنے والوں کو اہل حرم کہا جاتا ہے اور حدودِ حروم سے باہر مگر دائرہ میقات کے رہنے والوں کو اہل ''حل'' کہا جاتا ہے اور ان سب دائروں سے باہر رہنے والوں کو اہل آفاق کہا جاتا ہے۔

احرام کے بارے میں اہلِ آفاق کا حکم تو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات یعنی ان کی محاذات سے مکہ مکرمہ کی طرف بڑھیں اس سے پہلے ان پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ ان کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو یا کوئی تجارتی غرض یا دوستوں سے ملاقات وغیرہ مقصود ہو۔

دوسرے دائرہ یعنی حدود میقات کے اندر مگر حدود حرم سے باہر رہنے والے جن کو اہل حِل کہتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جب وہ حج یا عمرہ کے قصد سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو اپنے گھر سے یا حدود حرم سے پہلے پہلے احرام باندھ لیں اور اگر کسی تجارتی

مقصد یا کسی اور ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں توان پر احرام کی کوئی پابندی نہیں جب چاہیں مکہ مکرمہ جا سکتے ہیں۔

اور پہلے دائرے یعنی حدود حرم کے اندر رہنے والوں پر بھی احرام کی کوئی پابندی نہیں جب وہ عمرہ کرنا چاہیں تو حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھ لیں اور جب حج کرنا چاہیں تو حرم شریف ہی سے احرام باندھ لیں۔ (احکام حج:ص ۳۵)

میقات کی حکمت؟

حج کے لیے لوگ مختلف اطراف وجوانب سے لمبی مسافت طے کر کے آتے ہیں (پہلے زمانہ میں پیدل وسمندری سفر کی وجہ سے کافی مدت میں پہنچتے تھے) اگر گھر سے ہی احرام باندھ کر آنا واجب ہوتا تو بڑی مشکل ودقت ہوتی اس لیے شارع علیہ السلام نے ہماری مصلحت وفائدہ کے لیے مکہ مکرمہ کے چاروں طرف خاص خاص مشہور مقامات مقرر کر دیئے کہ اس جگہ سے دربار خداوندی کی تعظیم واحترام کے لیے خاص صورت بنا کر (احرام باندھ کر) داخل ہونا ضروری ہے اور مدینہ منورہ کی میقات سب میقاتوں سے فاصلہ پر مقرر کی۔ کیونکہ مدینہ منورہ کو مہبط وحی ومرکز ایمان اور دار ہجرت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے اس کے باشندوں کو سب سے زیادہ احترام وتعظیم کرنا چاہیے۔ دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہوتا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔

(معلم الحجاج:ص ۹۷ وہکذا فی معارف الحدیث: ج ۴/ص ۱۹۸)

حج کے ایام میں دوسرے کو تلبیہ کہلوانا؟

سوال:۔حج کے ایام میں دیکھا گیا ہے کہ بس میں سوار ایک آدمی تلبیہ پڑھتا ہے اور باقی سب حاجی اسی کی تکرار کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔عوام کی آسانی کے لیے اگر ایسا کیا جاتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ آواز ملا کر تلبیہ نہ کہا جائے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۷)

اَن پڑھ تلبیہ کیسے پڑھے؟

مسئلہ:۔ حج میں تلبیہ پڑھنا فرض ہے اس کے بغیر احرام نہیں بندھے گا۔ جس کو تلبیہ یاد نہ ہو ان کو تلبیہ سکھا دیا جائے۔ حج ان کا ہو جائے گا اور اگر ان کو تلبیہ کے الفاظ دیا نہیں ہوتے تو کم از کم اتنا تو ہو سکتا ہے کہ احرام باندھتے وقت ان کو تلبیہ کے الفاظ کہلا دیئے جائیں۔ اور وہ آپ کے ساتھ کہتے جائیں اس سے تلبیہ کا فرض ادا ہو جائے گا (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۷)

تلبیہ کہاں پڑھا جائے اور کہاں بند کیا جائے؟

مسئلہ:۔ بعض لوگ طواف کے دوران تلبیہ پڑھتے ہیں یہ درست نہیں ہے بلکہ عمرہ کے احرام میں طواف شروع کرنے سے پہلے تلبیہ ختم کر دینا ضروری ہے اور حج کے احرام میں دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبیٰ کی (بڑے شیطان کی) رمی کے وقت پہلی کنکری مارنے کے وقت تلبیہ ختم کر دینا ضروری ہے ہاں اگر کسی نے حج افراد یا حج قرآن کا احرام باندھا ہے اس کے لیے طواف کے دوران تو تلبیہ نہیں بلکہ طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کے دوران تلبیہ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا ہے اور منیٰ کو جانے سے پہلے سعی (مقدم) کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے سعی سے پہلے ایک نفلی طواف کرنا ضروری ہے۔ پھر اس طواف کے بعد سعی کے دوران تلبیہ پڑھنا جائز ہے۔

(معلم الحجاج: ص ۱۰۴، بحوالہ فتح القدیر: ج ۲/ص ۴۹۵ و غنیۃ المناسک: ص ۵۵)

تلبیہ کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔ تلبیہ یعنی پوری لبیک کا زبان سے کہنا شرط ہے اگر دل سے کہہ لیا تو کافی نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ گونگے کو زبان ہلانی چاہئے گو الفاظ نہ کہہ سکے۔

مسئلہ:۔ ہر ایسا ذکر جس سے حق تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہو تلبیہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے جیسے (لا اله الا الله. الحمدلله. الله اكبر) وغیرہ۔

مسئلہ:۔ تلبیہ اُردو فارسی ترکی سب زبانوں میں جائز ہے۔ مگر عربی میں پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی اور دوسرا ذکر احرام کے وقت کر لے گا تو احرام صحیح ہو جائے گا۔ لیکن تلبیہ

چھوڑنا مکروہ ہے۔
مسئلہ:۔احرام باندھنے کے وقت تلبیہ یا کوئی ذکر ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے اور اس کی تکرار (بار بار پڑھنا) سنت ہے۔جب تلبیہ کہے تو تین مرتبہ کہے۔
مسئلہ:۔تغیر حالات کے وقت مثلاً صبح وشام اٹھتے بیٹھتے باہر جاتے وقت اندر آنے کے وقت۔ لوگوں سے ملاقات کے وقت۔ رخصت کے وقت ۔ سو کر اٹھتے وقت۔ سوار ہونے کے وقت۔سواری سے اترتے ہوئے۔ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔نشیب میں اترتے ہوئے۔ وغیرہ میں تلبیہ مستحب اور مؤکد ہے۔یعنی اور مستحبات کے مقابلہ میں اسکی تاکید زیادہ ہے۔
مسئلہ:۔تلبیہ کے درمیان کلام نہ کیا جائے اور جو شخص تلبیہ پڑھ رہا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔
مسئلہ:۔فرض اور نفل نماز کے بعد بھی تلبیہ پڑھنا چاہئے اور ایام تشریق میں پہلے تکبیر کہنی چاہئے۔اس کے بعد تلبیہ اگر اول تلبیہ پڑھ لیا تو تکبیر ساقط ہوگئی مگر تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔باقی ایام میں صرف تکبیر کہی جائے۔
مسئلہ:۔اگر چند آدمی ساتھ ہوں تو ایک ساتھ مل کر تلبیہ نہ کہیں علیحدہ علیحدہ کہیں۔
مسئلہ:۔تلبیہ میں آواز بلند کرنا مسنون ہے۔لیکن اتنی زیادہ نہیں کہ جس سے اپنے آپ کو یا نمازیوں کو یا سونے والوں کو تکلیف ہو۔
مسئلہ:۔مسجد حرام۔منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں بھی تلبیہ پڑھو۔لیکن مسجد میں زور سے نہ پڑھو۔
مسئلہ:۔طواف اور سعی میں تلبیہ نہ پڑھو، نیز عورت کو تلبیہ زور سے پڑھنا منع ہے۔
(معلم الحجاج ص ۱۰۴)

احرام کی حکمت؟

احرام حج وعمرہ کے لیے مثل تکبیر تحریمہ کے ہے جس طرح نیت خالص کر کے اللہ اکبر کہہ کر نمازی نماز شروع کرتا ہے اور بہت سی چیزیں اس کے لیے نماز کی حالت میں ناجائز ہو جاتی ہے اسی طرح حج وعمرہ کے لیے احرام وتلبیہ ہے۔

احرام سے بندہ حج وعمرہ کے ارادہ کی پختگی اور اِخلاص وعظمت کا اظہار اور اپنی عبودیت اور عاجزی کی صورت اختیار کرتا ہے دل وزبان سے اقرار کرتا ہے۔تمام لذات

وآرائش وزیبائش کوچھوڑ کرصرف دو کپڑے پہن لیتا ہے اوراپنے آپ کومیت یعنی مُردوں جیسابنالیتا ہے۔ نیز خاص لباس (احرام) میں یہ بھی حکمت ہے کہ امیر وغریب۔شاہ وگداخدا کے دربار میں ایک لباس میں حاضر ہوتے ہیں کسی کوفخر کاموقع نہیں ملتا۔

شریعت نے اس لباس یعنی احرام کوپسند کیا۔سادگی وصفائی اورسہولت میں یہ بے نظیر ہے۔اورطبی حیثیت سے بھی مفید ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۱۱ اور حمتہ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۱۸۹)

احرام کی چادریں کیسی ہوں؟

مسئلہ:۔احرام کا کپڑا ساتھ لیناضرورخیال رکھیں احرام کی ایک چادراوڑھنے کے لیے (تقریباًڈھائی میٹر) اورایک چادرتہبند باندھنے کے لیے (تقریباًسوادومیٹر) سفید لٹھے کا ہونا بہتر ہے تیزگرمی وتیزسردی کے ایام میں دوبڑے تولیئے کااحرام بہتر ہے جوچادراور تہبند کاکام دے سکیں اوراگراللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تودوتین احرام رکھ لیں کہ ایک میلا ہوجائے تودوسرااستعمال کرسکے۔(احکام حج:۲۴)

مسئلہ:۔احرام کی چادراتنی لمبی ہوکہ داہنے کندھے سے نکال کربائیں کندھے پرسہولت سے آجائے اورتہبند اتنالمباہوکہ ستر (ناف سے لے کرگھٹنے تک) اچھی طرح چھپ جائے۔

(معلم الحجاج:ص ۱۰۵)

مسئلہ:۔احرام کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی چادراورایک ہی لنگی اول سے آخرتک بدن پررہے بلکہ چادراورلنگی کوبدلتے رہنا جائز ہے۔(امدادالاحکام:ج ۲/ص ۱۷۷)

مسئلہ:۔مردوں کے لیے احرام دوچادروں کی شکل میں ہوتا ہے۔مردوں کواحرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۲۵۴)

مسئلہ:۔سفید کپڑا احرام کاہونامستحب ہے۔ورنہ سیاہ وغیرہ بھی جس میں خوشبونہ ہوجائز ہے۔

(امدادالاحکام:ج ۲/ص ۱۶۴ بحوالہ ردالمختار:ج ۲/ص ۲۵۴)

مسئلہ:۔احرام اگرسیاہ یادوسراکوئی رنگ کاہوتوبھی جائز ہے۔(گوافضل سفید ہے) سردی کے وقت گرم چادراورکمبل سے بھی یہ کام (احرام کا) لیاجاسکتا ہے اورتولیہ سے بھی۔

(احکام حج:ص ۳۱)

مسئلہ:۔ احرام میں ایک کپڑا بھی (جب کہ ناف سے گھٹنے تک چھپ جائے) کافی ہے اور دو سے زائد بھی جائز ہیں۔ (معلم الحجاج:ص۱۰۵)

احرام کی چادر لنگی کی طرح سینا؟

سوال:۔ احرام کی چادر لنگی کی طرح سلی ہوئی ہوتو اس کو استعمال کی گنجائش ہے یانہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں کو کھلی چادر بطور لنگی استعمال کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ خاص کر سونے کی حالت میں تو کیا احرام کی لنگی کو سی سکتے ہیں؟

جواب:۔ ستر (ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ) کھلنے کا اندیشہ ہوتو احرام کی چادر سی لینے کی گنجائش ہے۔ بلاضرورت سینا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۸/ص۲۸۶،بحوالہ غنیۃ المناسک ص۴۷)

مسئلہ:۔ تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے اگر کسی نے ستر عورت (ناف سے لیکر گھٹنے تک) کی خاطر حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج:ص۱۱۴)

مسئلہ:۔ ایک چادر احرام کے لیے ناکافی ہو اس لیے دو چادروں کو (آپس میں ملاکر) سی لیا ہو تو ایسی سلی ہوئی چادر سے احرام باندھ سکتا ہے۔ نیز سلے ہوئی چادر سے احرام باندھ سکتا ہے۔ نیز سلے ہوئے کپڑے (فرش کی چادر وغیرہ) پر محرم سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:ج۵/ص۲۱۹)

مسئلہ:۔ گو افضل یہی ہے کہ احرام میں بالکل سلائی نہ ہو۔ لیکن اگر دو پاٹوں کے جوڑنے کی سلائی کی جائے تب بھی جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ:ج۲/ص۱۶۴،بحوالہ ردالمختار:ج۲ص۲۵۴ وہکذا فی معلم الحجاج:ص۱۰۵)

مسئلہ:۔ احرام کی چادر (لنگی) میں نیفہ موڑ کر کمر بند ڈال کر باندھنا مکرہ ہے۔ نیز احرام کی چادر میں گرہ دے گردن پر باندھنا۔ چادر اور تہبند میں گرہ لگانا یا سوئی اور پن وغیرہ کا لگانا۔ تاگے یا رسی سے باندھنا مکروہ ہے۔ (معلم الحجاج:ص۱۱۴)

مسئلہ:۔ احرام کی چادر تہبند میں روپیہ یا گھڑی رکھنے کے لیے جیب لگانا جائز ہے۔ (معلم الحجاج:ص۱۱۵)



احرام کی نیت کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔صرف حج کی نیت دل میں کر لینے سے احرام درست نہیں ہوتا بلکہ تلبیہ اور کوئی ذکر جو اس کے قائم مقام ہو۔ کرنا ضروری ہے اسی طرح بلا نیت کے محض تلبیہ پڑھ لے تب بھی محرم نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ احرام کے لیے نیت اور تلبیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔احرام کی نیت دل سے ہونا ضروری ہے زبان سے کہنا صرف مستحسن ہے جس چیز کا احرام باندھنا ہے اس کی دل میں نیت کرنی چاہئے کہ حج افراد کا احرام باندھتا ہوں یا قران کا یا تمتع کا اگر دل سے نیت کر لی اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو نیت ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔دل میں نیت قران کی کی۔ اور زبان سے افراد یا تمتع نکل گیا تو جو دل میں تھا اس کا اعتبار ہوگا۔ زبان کے الفاظ کا اعتبار نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔اگر کسی شخص نے صرف احرام باندھ لیا اور حج یا عمرہ کسی چیز کی نیت نہیں کی تو احرام صحیح ہو گیا اور اسکو حج یا عمرہ کے افعال شروع کرنے سے پہلے پہلے اختیار ہے اس احرام کو حج کے لیے کر دے یا عمرہ کے لیے۔

مسئلہ:۔حج کا احرام باندھا لیکن فرض یا نفل کی تعین نہ کی تو یہ احرام حج فرض کا ہوگا۔ اس پر حج فرض ہے اور اگر نذر یا نفل یا کسی دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کر لی تو جیسی نیت کرے گا ویسا ہی ہوگا۔

مسئلہ:۔اگر حج بدل ہے تو جس کی طرف سے حج کرنا ہے اس کی طرف نیت کرو اور زبان سے بھی کہو کہ فلاں کی طرف سے حج کی نیت کی اور اس کی طرف سے احرام باندھا۔

(معلم الحجاج:ص۱۰۲)

مسئلہ:۔احرام دو باتوں سے بندھتا ہے ایک نیت کرنا دوسرے اس کے ساتھ تلبیہ کہنا اور اگر کسی نے صرف نیت کی تلبیہ نہ پڑھا یا تلبیہ پڑھا لیکن نیت نہیں کی تو احرام نہ ہوگا۔

(کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۴۵)

مسئلہ:۔صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا بلکہ الفاظ تلبیہ پڑھنے سے شروع ہوتا ہے۔ تلبیہ کے الفاظ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے تلبیہ پڑھنے سے پہلے

سر کو چادر وغیرہ سے کھول دیا جائے۔ (احکام حج: ص۴۲)

(بعض مرتبہ جہاز لیٹ بھی ہوجاتے ہیں احرام میں رہنا اور احرام کی پابندی کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے گھر یا ایئر پورٹ پر دو رکعت نفل پڑھ کر احرام باندھ لیں لیکن نیت وتلبیہ جہاز میں سوار ہونے کے بعد ہی پڑھیں تاکہ مذکورہ ودیگر پریشانی نہ ہو)۔ (محمد رفعت قاسمی)

عام پہنے ہوئے کپڑوں میں احرام کی نیت کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے سلے ہوئے (عام پہنے ہوئے) کپڑوں میں ہی احرام باندھ لیا یعنی احرام کی نیت کرکے تلبیہ پڑھ لیا تو اگر تلبیہ پڑھنے کے بعد پورے دن سلے ہوئے کپڑے پہنے رہا تو دم واجب ہوگا اور ایک دن سے کم پہنے رہا تو صدقہ بقدر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ (تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت)۔

مسئلہ:۔ جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا یا بنا ہوا ہو اگر اس کو پہنا اور پورے دن یا پوری رات پہنے رہا جنایت کامل یعنی دم لازم ہوگا۔ اور اس سے کم وقت استعمال کیا تو صدقہ واجب ہوگا۔ (احکام حج: ص۹۵ وہکذا مظاہر حق: ج۳/ص۳۶۷)

مسئلہ:۔ اور آدھی رات سے آدھے دن تک ایک دن شمار ہوگا۔

(احکام حج: ص۹۱ حضرت مفتی شفیعؒ بحوالہ زبدہ)

احرام باندھنے کا طریقہ

مسئلہ:۔ احرام کے لیے غسل مسنون ہے۔ یہ غسل محض صفائی کے لیے ہے۔ اس لیے حائضہ ونفساء اور بچے کے لیے مستحب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر احرام کے لیے غسل کیا اور پھر احرام باندھنے سے پہلے وضو ٹوٹ گئی تو غسل کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر غسل نہ کرسکے تو وضو کرلے بغیر غسل اور وضو کے احرام باندھنا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر پانی نہ ہو تو احرام کے لیے غسل کا تیمّم کرنا مشروع نہیں ہاں اگر نماز پڑھنی ہے اور پانی نہیں ہے تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لے۔ (معلم الحجاج: ص۱۰۴)

مسئلہ:۔ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو پہلے غسل کرے اور وضو کر لینا بھی کافی ہے اور درست یہ ہے کہ وضو یا غسل سے پہلے ناخن کاٹے۔ مونچھوں کے بال کٹوا کر پست کریں۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو صاف کریں۔ اگر سر پر بال ہوں کنگھے سے ان کو درست کریں۔

احرام کے لیے دونئی یا دھلی ہوئی چادریں ہونا سنت ہے ایک کا تہبند بنایا جائے۔ دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھا جائے۔

احرام پہننے کے بعد سنت یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ یعنی طلوع یا غروب یا زوال کا وقت نہ ہو۔ کیونکہ ان اوقات میں نماز مکروہ ہے۔ اور پہلی رکعت میں الحمد شریف کے بعد (**قل یاایھاالکفرون**) اور دوسری رکعت میں (**قل ھو اللہ احد**) پڑھنا اولیٰ ہے۔ اگر کوئی دوسری سورۃ پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

اس نماز کے وقت جو چادر (احرام) اوڑھی ہوئی ہے اسی سے سر بھی چھپالے۔ کیونکہ ابھی احرام شروع نہیں ہوا جس میں سر کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور دو رکعت نفل کے بعد حج کی تینوں قسموں میں جس قسم کے حج کا ارادہ ہے اس کے مطابق دل میں بھی نیت کرلے اور زبان سے بھی وہ الفاظ اپنی مادری زبان میں کہہ لے جس قسم کا حج کر رہا ہے۔ اس کے بعد تلبیہ کے کلمات کہے اور تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں ان کو اچھی طرح یاد کرلیا جائے ان میں سے کوئی لفظ کم کرنا مکروہ ہے۔

لبیک اللھم لبیک. لبیک. لاشریک لک، لبیک،

ان الحمدو النعمة لک والملک، لاشریک لک.

مسئلہ:۔ جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہنا چاہئے اور مسجد میں اتنی بلند آواز سے نہ کہے کہ نمازیوں کو تشویش ہو۔ اور عورتیں آہستہ آواز سے کہیں۔

(احکام حج: ص ۳۱ و ہکذا فی کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۴۸)

مسئلہ:۔ فرض نماز کے بعد اگر احرام کی نیت کرلی تو یہ بھی کافی ہے۔ لیکن مستقل دو رکعت نفل پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ احرام بغیر نماز نفل کے باندھنا جائز ہے۔ لیکن مکروہ ہے۔ اگر وقت مکروہ ہے تو پھر بغیر نماز کے مکروہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ احرام کی نفل کے بعد اور نمازیں سر کھول کر پڑھی جائے گی جب تک احرام رہے گا۔ احرام کی حالت میں نماز میں بھی سر ڈھانکنا منع ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۰۶)

جھوٹ بول کر بغیر احرام کے میقات سے گزرنا؟

سوال:۔ بعض لوگ جھوٹ بول کر بغیر احرام کے حدود حرم میں چلے جاتے ہیں۔ اور پھر مسجد عائشہ جا کر احرام باندھتے ہیں، کیا اس صورت میں دم لازم ہے؟

جواب:۔ بغیر احرام کے حدود حرم میں داخل ہونا گناہ ہے اور ایسے شخص کے ذمہ لازم ہے کہ واپس میقات پر جا کر احرام باندھ کر آئے۔ اگر یہ شخص دوبارہ میقات پر گیا اور وہاں سے احرام باندھ کر آیا تو اس کے ذمہ سے دم ساقط ہو گیا۔ اگر واپس نہ گیا تو اس پر دم واجب ہے اور یہ دم اس کے ذمہ ہمیشہ واجب رہے گا۔ جب تک اس کو ادا نہ کرے اور اس ترک واجب کا گناہ بھی اس کے ذمہ واجب رہے گا۔

نوٹ:۔ جو لوگ میقات کے باہر سے آئے ہوں۔ ان کے لیے مسجد عائشہ سے احرام باندھ لینا کافی نہیں۔ بلکہ ان کو دوبارہ بیرونی میقات پر واپس جانا ضروری ہے۔ اگر بیرونی میقات پر دوبارہ واپس نہیں گئے اور مسجد عائشہ سے احرام باندھ لیا تو دم لازم آئے گا۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۶ و ہکذا احکام حج: ص ۱۰۰)

مسئلہ:۔ جو لوگ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کا قصد رکھتے ہوں ان کو "ذوالحلیفہ" سے (جو کہ مدینہ شریف کی میقات ہے) احرام باندھنا لازم ہے ان کا احرام کے بغیر میقات سے گزرنا جائز نہیں اور اگر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کا قصد نہیں بلکہ جدہ جانا چاہتے ہیں تو انکے احرام باندھنے کا سوال ہی نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۲۸)

احرام کی غلطی پر دم کیوں؟

سوال:۔ ایک شخص حج کی نیت سے سعودی عرب گیا لیکن پہلے اس نے ریاض میں

قیام کیا پھر مدینہ طیبہ آ گیا۔ اس کے بعد احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جا کر عمرہ ادا کیا پھر ریاض واپس آ گیا۔ اس کے بعد حج سے ایک ہفتہ پہلے بغیر احرام کے پھر مکہ مکرمہ آیا۔ اسکو بتایا کہ تم نے غلطی کی ہے یہاں مکہ میں بغیر احرام کے نہیں آنا چاہئے تھا۔ لہٰذا اس نے مسجد عائشہ جا کر احرام باندھ کر عمرہ کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال مکہ مکرمہ جانے کی نیت نہیں کی تھی۔ بلکہ ریاض اور پھر مدینہ منورہ جا کر وہاں سے احرام باندھنے کا ارادہ تھا۔ اس لیے اس پر بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا دم واجب نہیں۔

دوسری دوسری دفعہ جو یہ شخص ریاض سے مکہ مکرمہ بغیر احرام کے آیا۔ اس کیوجہ سے اس پر دم (قربانی) واجب ہو چکا ہے۔ مسجد عائشہ پر آ کر احرام باندھنے سے اس غلطی کا ازالہ نہیں ہوا۔ اور دم ساقط نہیں ہوا۔ ہاں! اگر یہ شخص میقات پر واپس لوٹ جاتا اور وہاں سے حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ کر آتا تو دم ساقط ہو جاتا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۷)

حج کا احرام طواف کے بعد بغیر حج کو کھول دیا؟

سوال:۔ میں نے وطن سے حج کا احرام باندھ لیا تھا۔ (احرام حج افراد یا حج قران تھا) مکہ مکرمہ میں طواف کرنے کے بعد احرام کھول دیا۔ کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آپ پر حج کا احرام توڑنے کی وجہ سے دم لازم ہوا اور حج کی قضا لازم ہوگی۔ حج تو آپ نے کر لیا ہوگا۔ دم آپ کے ذمہ رہا۔ اس فعل پر ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار بھی کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۵)

(اور دم حرم شریف میں ہی ادا کروائیں۔ جو کہ غرباء ومساکین ہی اس کے مستحق ہیں دوسرے نہیں)۔ محمد رفعت قاسمی۔

میقات سے بغیر احرام کے گزر جانے کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص مسلمان (مرد وعورت) عاقل بالغ جو میقات سے باہر رہنے والا ہے

اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے خواہ حج و عمرہ کی نیت سے ہو یا کسی اور غرض سے میقات پر سے بلا احرام باندھے آگے گزر جائے گا تو گنہگار ہوگا اور میقات کی طرف لوٹنا واجب ہوگا۔ اگر لوٹ کر میقات پر نہیں آیا اور میقات سے آگے سے ہی احراب باندھ لیا تو ایک دم دینا واجب ہوگا۔ اور اگر میقات پر واپس آ کر احرام باندھ لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر میقات سے کوئی شخص بلا احرام کے گزر گیا اور آگے جا کر احرام باندھ کر واپس آیا اور تلبیہ میقات پر نہیں پڑھا تو دم ساقط نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر میقات سے بلا احرام گزر گیا اور آگے جا کر احرام باندھ لیا اور مکہ مکرمہ میں بھی داخل ہو گیا مگر افعال حج شروع نہیں کیئے (مثلاً طواف کا ایک چکر بھی نہیں کیا) اور میقات پر واپس آ کر تلبیہ پڑھا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر بلا احرام میقات سے گزر گیا اور پھر آگے احرام باندھ لیا تو میقات پر آنا واجب ہے۔ اگر واپس نہیں آیا تو گنہگار ہوگا اور دم بھی واجب ہوگا۔ یعنی واپسی کا وقت ہو اور حج کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو میقات پر واپس آ کر تلبیہ پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ میقات پر لوٹنا اس وقت واجب ہے جب واپسی میں جان و مال کا خوف نہ ہو اور کوئی مرض وغیرہ نہ ہو۔ ورنہ واجب نہیں لیکن گناہ سے توبہ استغفار کرنا چاہئے اور ایک دم بھی دینا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر میقات سے گزر کر احرام باندھا اور پھر میقات پر واپس نہیں آیا۔ یا کچھ افعال شروع کرنے کے بعد واپس آیا تو دم ساقط نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو شخص کسی میقات سے بلا احرام کے گزرا ہے اس پر یہ واجب نہیں کہ اسی میقات پر واپس آئے بلکہ کسی میقات پر مواقیت مذکورہ (پانچ مواقیت یعنی ذوالحلیفہ۔ جحفہ۔ قرن المنازل۔ یلملم۔ ذات عرق میں) سے آنا کافی ہے ہاں افضل یہی ہے کہ اسی میقات پر واپس آئے جس سے گزرا تھا۔

مسئلہ:۔ آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حِل میں ہے (حرم شریف سے باہر اور میقات کے اندر کا حصہ حِل کہلاتا ہے)

کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے مکہ مکرمہ جانے اور حج یا عمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ مکرمہ بھی بلا احرام جا سکتا ہے اور اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ شخص بھی اس جگہ کے لوگوں کے حکم میں ہو گیا وہاں سے اگر حج اور عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کی میقات یعنی حِل سے احرام باندھنا ہوگا۔

مسئلہ:۔ آفاقی شخص اگر حرم شریف میں یا مکہ مکرمہ میں بلا احرام کے داخل ہو جائے تو اس پر ایک حج یا عمرہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کئی مرتبہ بلا احرام کے داخل ہوا ہو تو ہر دفعہ کے لیے بلا احرام جانے کی وجہ سے ایک عمرہ یا حج واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۹۶ و ہکذا فی بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۴۳)

مسئلہ:۔ جو لوگ میقات کے رہنے والے ہیں یا میقات اور حرم شریف کے درمیان رہتے ہیں اگر وہ حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ جائیں تو احرام باندھنا ان پر واجب ہے اور اگر حج وعمرہ کے ارادہ سے نہ جائیں تو ان کے لیے احرام باندھ کر جانا ضروری نہیں۔ بلا احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ایسے ہی وہ آفاق جو وہاں حج وعمرہ کے بعد مقیم ہو گیا ہو۔ وہ بھی ان کے حکم میں ہے یا کوئی آفاقی شخص کسی ضرورت سے کسی جگہ حِل میں (حدود حرم سے باہر اور میقات کے اندر کا حصہ) اپنے وطن گیا اور وہاں سے مکہ مکرمہ کا ارادہ ہو گیا تو وہاں سے وہ مکہ مکرمہ بلا احرام جا سکتا ہے وہ اہل حِل کے حکم میں ہے انکو بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۹۴ تا ۹۶ و ہکذا فی حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۴۳)

(حج کے زمانہ میں سعودیہ میں رہنے والے حضرات قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے بغیر احرام کے حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر بعد میں پریشان ہوتے ہیں کہ کیا کریں؟

ایسے حضرات کی سہولت کے پیش نظر میقات کے مسائل کچھ تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

☆☆

جدہ سے مکہ آنے والوں کے لیے احرام؟

سوال:۔ کیا جدہ میں مستقل مقیم یا جس کی نیت پندرہ دن قیام کی ہو یا اس سے کم مدت ٹھہرے۔ تو کیا وہ جدہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جدہ میں رہنے والوں کو بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آنا جائز ہے جب کہ وہ حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ نہ جائیں۔ یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جو کسی کام سے جدہ آئے تھے پھر وہاں آنے کے بعد ان کا ارادہ مکہ مکرمہ جانے کا ہو گیا۔ انکو بھی احرام کے بغیر آنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جو شخص جدہ گیا۔ وہاں چند دن قیام کیا۔ پھر مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کی نیت سے گیا۔ لیکن احرام نہیں باندھا بلکہ پہلے حرم شریف کے پاس ہوٹل میں کمرہ لیا اور پھر مسجد عائشہ جا کر احرام باندھ لیا۔ اس نے غلط کیا کیونکہ جب یہ شخص عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کو چلا تو حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے اسکو عمرہ کا احرام باندھنا لازم تھا اور حدود حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا اس کے لیے جائز نہیں تھا۔ اس لیے بغیر احرام کے حدودِ حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے گنہگار رہوا۔ تاہم جب اس نے حرم سے باہر آکر تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو دم ساقط ہو گیا۔ مگر گناہ باقی رہا تو بہ واستغفار کرے۔

مسئلہ:۔ اگر یہ شخص عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کو نہ جائے بلکہ یوں ہی جائے یا طواف کی نیت سے جائے اور حرم شریف کے باہر ہوٹل میں کمرہ لے لے اور طواف کر کے واپس ہو جائے۔ یا ہوٹل میں قیام کے بعد عمرہ کرنے کا ارادہ پیدا ہوا اور مسجد عائشہ جا کر احرام باندھا تو اس صورت میں گنہگار نہیں۔ کیونکہ یہ شخص عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ نہیں آیا تھا بلکہ مکہ شریف پہنچنے کے بعد اس کا ارادہ ہوا کہ عمرہ بھی کرلوں۔ اس لیے بغیر احرام کے حرم شریف میں آنے کا گناہ اس کے ذمہ نہیں۔ اب اگر یہ عمرہ کرنا چاہتا ہے تو اہل مکہ کی طرح حرم سے باہر جا کر احرام باندھ کر آئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۲ وھکذا فی فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۲۶ وجواہر الفقہ: ص ۴۸۷)



بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا؟

سوال:۔ میں طائف میں سروس کرتا ہوں۔ میں ہر جمعہ کو مکہ مکرمہ جا کر نماز جمعہ پڑھتا ہوں اور بھائی وہاں پر مقیم ہیں ان سے ملاقات کرتا ہوں۔ میرے ساتھی کا کہنا ہے کہ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے دم دینا پڑے گا کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ جو لوگ میقات سے باہر رہتے ہیں۔ اگر وہ مکہ مکرمہ آئیں خواہ انکا آنا کسی ذاتی کام ہی کے لیے ہو۔ ان کے ذمہ میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا لازم ہے۔ اگر وہ احرام کے بغیر مکہ مکرمہ چلے گئے اور واپس آکر میقات پر احرام نہیں باندھا تو وہ گنہگار ہونگے اور ان کے ذمہ حج یا عمرہ بھی واجب ہوگا۔

حنفی مذہب کے مطابق آپ جتنی مرتبہ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ گئے آپ کے ذمہ اتنے عمرے لازم ہیں اور جو کوتاہی ہو چکی اس پر استغفار بھی کیا جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۸ وہکذ فی فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۱ وہدایہ ص ۲۱۴)

مسئلہ:۔ کیونکہ طائف میقات سے باہر ہے۔ لہٰذا وہاں سے بغیر احرام کے آنا صحیح نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۵)

جس کی فلائٹ یقینی نہ ہو وہ احرام کہاں سے باندھے؟

سوال:۔ میں پی، آئی، اے کا ملازم ہوں، عمرہ کرنے کا ارادہ ہے ملازمین کو فری ٹکٹ ملتا ہے مگر ان کی سیٹ کا تعین نہیں ہوتا جس دن جس جہاز میں خالی سیٹ ہوتی ہے اس وقت ملازم جا سکتا ہے۔ سیٹ کے لیے اکثر دو تین دن تک چکر لگانے پڑتے ہیں۔ ایسے میں گھر سے احرام باندھ کر چلنا محال ہے۔ کیا جدہ پہنچ کر ایک دو دن قیام کے بعد عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے؟

جواب:۔ جب منزل مقصود جدہ نہیں ہے۔ بلکہ مکہ مکرمہ ہے۔ تو احرام میقات سے پہلے باندھنا ضروری ہے۔ ائیر لائن کے ملازمین کو چاہئے کہ جب ان کی سیٹ کا تعین ہو جائے اور بورڈنگ کارڈ مل جائے تب احرام باندھیں۔ اگر انتظار گاہ میں احرام باندھنے کا

وقت ہوتو وہاں باندھ لیں۔ورنہ جہاز پرسوار ہوکر باندھ لیں۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص۹۴)
مسئلہ:۔احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا۔نوافل پڑھنا شرط نہیں مستحب ہے۔لہٰذ عذر کی صورت میں (ٹکٹ کنفرم نہ ہونے میں) صرف سلے ہوئے کپڑے اتار کر چادریں پہن لیں اور عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں۔بس احرام بندھ گیا۔اور یہ کام جہاز میں سوار ہونے سے پہلے بھی ہوسکتا ہے۔ اور جہاز پرسوار ہوکر بھی ہوسکتا ہے۔ جدہ جا کراحرام باندھنا درست نہیں۔کیونکہ پرواز کے دوران جہاز میقات سے (بلکہ بعض اوقات حدودِحرم سے) گزر کر جدہ پہنچتا ہے۔اس لیے جہاز پرسوار ہونے سے پہلے یاسوار ہوکراحرام باندھ لیناضروری ہے۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص۹۵)

(نیت اورتلبیہ کے بغیراحرام کے احکامات جاری نہیں ہوتے۔اس دشواریً سے بچنے کے لیے گھر یاائیر پورٹ سے اگر وقت ہونفل پڑھ کراحرام باندھ لیں لیکن تلبیہ ونیت جہاز میں سوار ہوکر کریں۔(محمد رفعت قاسمی)

غیرممالک سے جدہ پہنچنے والے کہاں سے احرام باندھیں؟

مسئلہ:۔اگر پاکستان (یاانڈیا) سے عمرہ کرنے کاارادہ سے گئے ہیں تو پھر جدہ میں احرام نہیں باندھنا چاہئے۔اپنے وطن سے احرام باندھ کر جانا چاہئے یاجہاز میں احرام باندھ لیاجائے۔ اگرکسی نے جدہ سے احرام باندھاتواس کے ذمہ دم لازم ہے یانہیں؟اس میں اکابر کا اختلاف رہاہے۔احتیاط کی بات یہ ہے کہ کوئی ایسا کر چکاہوتودم دیدیاجائے اورآئندہ کے لیےاس سے پرہیز کیاجائے۔(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۰۱)

جدہ سے احرام کب باندھ سکتا ہے؟

مسئلہ:۔اگرکوئی شخص کراچی سے جدہ کاسفرعزیزوں سے ملنے کے لیے کررہاہے اورکراچی سے اسکی نیت عمرہ کے سفر کی نہیں تواس کومیقات سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں۔جدہ پہنچ کراگراسکاارادہ عمرہ کرنے کاہوجائےتوجدہ سے احرام باندھ لے۔اگرعمرہ ہی کیلئے سفر کررہاہوتواسکومیقات سے پہلے احرام باندھناضروری ہے۔لہٰذامذکورہ صورت میں جب

پہلے جدہ کا ارادہ ہے تو احرام باندھنا ضروری نہیں۔ اسکے بعد پھر جب جدہ سے عمرہ کا ارادہ کرے تو وہاں سے احرام باندھے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص ۱۰۱ وہکذنی فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۹۲ وزبدۃ المناسک: ج۱/ص ۴۵)

ہندوستانی اور پاکستانی کہاں سے احرام باندھیں؟

مسئلہ:۔ یہ بات یاد رکھیں آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لیے میقات یا میقات کی محاذات پر احرام باندھ لینا واجب ہے بغیر احرام کے میقات یا محاذات میقات سے مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا تو س پر دم لازم ہوگا۔ البتہ میقات یا محاذات میقات سے پہلے ہی کوئی احرام باندھ لے تو یہ جائز بلکہ افضل ہے۔ (احکام حج: ۳۹)

مسئلہ:۔ جو حجاج کرام ہندوستان یا پاکستان سے مکہ مکرمہ جانے کیلئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے پہلے یا ہوائی جہاز پر روانہ ہو کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر جانے پر احرام باندھ لینا چاہئے۔ جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز نہیں ہے اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا۔ اس لیے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدود میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے۔ اسلئے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کیساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن و مستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص ۴۱۰ وہکذانی جواہر الفقہ: ص۴/۷۴ وعدۃ الفقہ: ج۲/ص۹۲ واحکام حج: ص۱۰۰)

مسئلہ:۔ اگر آپ کا جہاز اتنی بلندی سے پرواز کرتا ہوا خط میقات پر سے گزرا ہے کہ وہ زمین پر سے نظر نہیں آسکتا ہے تو آپ پر کوئی دم دینا واجب نہیں ہے۔ اور اگر آپ کا ہوائی جہاز اتنا نیچے نیچے پرواز کر کے گیا ہے کہ زمین پر سے نظر آسکتا ہے تو ایک دم واجب ہوگا۔ ہوائی جہاز کے محکمہ سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ ہوائی جہاز کتنی بلندی سے پرواز کرتا ہے۔

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ج۱/ص۱۴۰)

مسئلہ:۔ بغیر احرام باندھے میقات سے گزرنا حرام ہے اسکی تلافی کے لیے دم دینا لازم ہے۔

بشرطیکہ اس کے آگے جہاں سے اس کو گزرنا ہے کوئی اور میقات نہ ہو۔ اور افضل یہ ہے کہ پہلے ہی سے احرام باندھ لے۔ بشرطیکہ اپنے نفس کی طرف سے اطمینان ہو کہ منافی احرام کوئی حرکت سرزد نہ ہوگی۔ اور اگر یہ اطمینان نہ ہو تو افضل یہ ہی ہے کہ آخری میقات پر جہاں سے گزرنا ہے احرام باندھ لے۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۴۶ و ہکذا فی معلم الحجاج: ص ۹۲)

ریاض سے سفر کرنے والا احرام کہاں سے باندھے؟

سوال:۔ ریاض سے جب عمرہ یا حج کرنے کے لیے ہوائی جہاز سے جدہ جاتے ہیں۔ تو دوران سفر ہوائی جہاز کا عملہ اعلان کرتا ہے کہ میقات آگئی احرام باندھ لیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاز میں جو اعلان ہوتا ہے میقات آنے کا وہاں اگر احرام نہ باندھا جائے تو کیا حرج ہے؟

جواب:۔ ایسے لوگ جو میقات سے گزر کر جدہ آتے ہیں۔ انکو میقات سے پہلے احرام باندھنا چاہئے۔ احرام باندھنے کیلئے نفل پڑھنا سنت ہے۔ اگر موقع نہ ہو تو نفلوں کے بغیر بھی احرام باندھنا صحیح ہے۔ جدہ سے مکہ جاتے ہوئے راستہ میں کوئی میقات نہیں البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ جدہ میقات کے اندر ہے یا خود میقات ہے۔

جو لوگ ہوائی جہاز سے سفر کر رہے ہوں ان کو چاہئے کہ ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے احرام باندھ لیں یا کم از کم چادر ہی پہن لیں اور جب میقات کا اعلان ہو جائے تو جہاز میں احرام باندھ لیں۔ یعنی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں جدہ پہنچنے کا انتظار نہ کریں۔

مسئلہ:۔ احرام باندھنا میقات سے پہلے فرض ہے۔ ہوائی جہاز سے سفر ہو تو ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے احرام باندھ لیا جائے۔ جدہ تک احرام کے مؤخر کرنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ احتیاط کی بات یہی ہے کہ احرام کو جدہ تک مؤخر نہ کیا جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۲)

بحری جہاز کے ملازم احرام کہاں سے باندھیں؟

سوال:۔ اگر یہ بحری جہاز کے ملازمین صرف جدہ تک جائیں گے اور پھر واپس

آجائینگے ان کو مکہ مکرمہ نہیں جانا ہے تو وہ احرام نہیں باندھیں گے۔ ان کا ارادہ مکہ مکرمہ جانے سے پہلے مدینہ طیبہ جانے کا ہے تب بھی ان کو احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ حج کا قصد رکھتے ہیں اور جدہ پہنچتے ہی ان کو مکہ مکرمہ جانا ہے تو ان کو "یلملم" سے احرام باندھنا لازم ہے۔ اس لیے جو ملازمین ڈیوٹی پر ہوں وہ سفر کے دوران صرف جدہ جانے کا ارادہ کریں۔ وہاں پہنچ کر جب ان کو مکہ مکرمہ جانے کی اجازت مل جائے تب وہ جدہ سے احرام باندھ لیں۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۹۳)

مکہ میں آیا ہوا شخص احرام کہاں سے باندھے؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص کسی کام سے ڈیوٹی پر۔ یا کسی رشتہ دار سے ملنے یا مریض کی عیادت کے لیے۔ یا تجارت وغیرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ آیا ہوا ہے اور حج کا وقت آ گیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں حج کرلوں تو اپنی جائے اقامت سے ہی حج کی نیت کر کے احرام پہن لے۔

مسئلہ:۔ اگر یہ شخص (جو مکہ میں آیا ہوا ہے) عمرہ کی نیت کرے تو حرم شریف سے نکل کر مسجد عائشہ یا جعرانہ یا کسی جگہ حدود حرم سے باہر احرام باندھنے کے لیے جانا ہوگا۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۲۸)

مسئلہ:۔ جو شخص مکہ مکرمہ میں پہنچ گیا اور عمرہ کر کے حلال ہو گیا تو اسکی میقات اب مثل مکہ مکرمہ والوں کی میقات کے ہے یعنی حج کے لیے حرم شریف اور عمرہ کرنے کیلئے مسجد عائشہ سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۹۳)

مکی، حج کا احرام کہاں سے باندھے؟

سوال:۔ ہم مکہ مکرمہ کی حدود میقات کے اندر مقیم ہیں۔ ہم فریضۂ حج یا عمرہ کے لیے اپنی رہائش گاہ سے احرام باندھ سکتے ہیں یا میقات جانا ہوگا؟

جواب:۔ جو لوگ میقات اور حدود حرم کے درمیان رہتے ہیں انکے لیے "حِل" میقات ہے۔ حج و عمرہ دونوں کا احرام حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے باندھ لیں۔ اور جو لوگ مکہ مکرمہ میں یا حدود حرم کے اندر رہتے ہیں۔ وہ حج کا احرام حدود حرم کے اندر سے

باندھیں اور عمرہ کا احرام حدود حرم سے باہر نکل کر ''حِل'' سے باندھیں چنانچہ اہل مکہ حج کا احرام مکہ سے باندھتے ہیں اور عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے ''مسجد عائشہ'' جاتے ہیں یا جعرانہ جاتے ہیں۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۹۲)

مسئلہ:۔ اگر مکی شخص میقات سے باہر نکل جائے گا تو واپسی میں اس کو بھی مثل آفاقی کے میقات سے احرام باندھنا واجب ہے۔ (معلم الحجاج: ص۹۴)

مسئلہ:۔ متمتع عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا اور عمرہ کر کے حلال ہو کر مکہ میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ شخص حج کا احرام حدود حرم کے اندر جہاں سے چاہے باندھ سکتا ہے اپنے کمرہ میں سے بھی باندھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۳۰۴ بحوالہ ہدایہ اولین ص۲۴۱ باب تمتع)

مسئلہ:۔ تمتع کرنے والے کو چاہئے کہ جب عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو جائے تو سر منڈوا کر یا بال کترواکر حلال ہو جائے اور آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھے۔ اس احرام میں نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ تک احرام باندھنے میں تاخیر جائز ہے جب کہ عرفات میں وقوف کرنا اس کے وقت میں ممکن ہے۔ (کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۱۴۳)

مسئلہ:۔ مکی اور جو مکہ والوں کے حکم میں ہے یعنی داخل میقات رہنے والے یا عین میقات پر رہنے والے ہیں اس کے لیے صرف حج افراد کرنا ہے۔ تمتع اور قران ممنوع ہے۔

اگر حج تمتع کر لیا تو حج میں خرابی نہ آئے گی یعنی فاسد نہیں ہوگا البتہ دم دینا پڑے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۱ بحوالہ ہدایہ اولین: ۲۴۳ و در مختار مع الشامی: ج۲/ص۲۷۰)

بے ہوش و مریض کا احرام

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے وقت بے ہوش ہو جائے تو ساتھی کو چاہئے کہ اپنے احرام باندھنے سے پہلے یا بعد میں بے ہوش کی طرف سے بھی احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے۔ جب ساتھی نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیا تو بے ہوش کا احرام باندھ گیا۔

مسئلہ:۔ بے ہوش کی طرف سے احرام باندھنے کے لیے اس کے حکم یا اجازت کی ضرورت نہیں اس نے حکم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ساتھی اگر اس کی طرف سے اس کے احرام باندھ دے گا

تو بہر صورت اس کا احرام صحیح ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ جس وقت بیہوش کو ہوش آجائے تو تعیین احرام کی کر کے باقی افعال حج خود ادا کرے اور ممنوعات احرام سے بچے اور اور اگر ہوش نہ آئے تو جس شخص نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کی ہے وہ یا کوئی دوسرا شخص وقوف عرفہ اور طواف وغیرہ اس کی طرف سے نیت کر کے اگر ادا کرے گا تو حج ہو جائے گا بیہوش کو ساتھ لے جانا ضروری نہیں ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ساتھ لے جائے۔

مسئلہ:۔ اور جو شخص ایسے بے ہوش کی طرف سے طواف اور سعی کرے اس کو اپنا طواف اور سعی علیحدہ کرنا ہوگی۔ ایک طواف اور سعی دونوں کی طرف سے کافی نہ ہوگا۔ (جبکہ بے ہوش ساتھ نہ ہو)۔

مسئلہ:۔ بے ہوش کو ساتھ لے جانے کی حالت میں ایک طواف اور سعی دونوں کی طرف سے ہو جائے گا۔ کیونکہ بے ہوش خود طواف اور سعی میں موجود ہے۔ البتہ بے ہوش کی طرف سے نیت الگ کرنی ہوگی۔

(وہیل چیر وغیرہ پر جب مریض یا بے ہوش کو ساتھ لے کر طواف وسعی کر رہے ہیں یا کرا رہے ہیں تو اس کی نیت بھی خود کرانے والا کر لے تو دونوں کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ بے ہوش سے کوئی فعل ممنوعات احرام میں سے ہو گیا گو بلا ارادہ ہو۔ اس کی جزاء بے ہوش ہی پر ہوگی۔ جس نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کی ہے اس پر واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ جو شخص خود بھی احرام باندھے اور بے ہوش کی طرف سے بھی احرام باندھا ہے اگر وہ کوئی فعل ممنوعات۔ احرام میں سے کرے گا تو صرف ایک ہی جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر احرام کے بعد کوئی بے ہوش ہو جائے تو اس کو عرفات اور طواف وغیرہ میں ساتھ لے جانا واجب ہے۔ دوسرے شخص کی نیابت کافی نہ ہوگی۔ اور جب ایسے بے ہوش کو کوئی دوسرا شخص طواف کرائے تو کرانے والے کے لیے طواف کی نیت کرنی شرط ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایسے بے ہوش کو خود اٹھا کر طواف کرایا اور اپنی طرف سے طواف کی نیت بھی کر لی تو دونوں کو ایک طواف کافی ہو جائے گا بشرطیکہ بے ہوش کی طرف سے بھی نیت طواف کی ہو۔

مسئلہ:۔اگر اٹھانے والا (طواف کرنے والا) حج کا طواف کرتا ہے اور بے ہوش کو عمرہ وغیرہ کا طواف کراتا ہے تب بھی جائز ہے نیت مختلف ہونے سے کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن بے ہوش کی طرف سے طواف کی نیت کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔کوئی شخص مریض ہے بے ہوش نہیں ہے اور وہ احرام کے وقت سو گیا اور کسی دوسرے شخص کو احرام باندھنے کے لیے اس نے کہہ دیا تھا اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے اس کے احرام باندھ دیا تو احرام صحیح ہو گیا۔جاگنے کے بعد باقی افعال حج خود ادا کرے اور ممنوعات احرام سے بچے اور اگر اس کے حکم کے بغیر کسی نے اس کی طرف سے احرام باندھ دیا تو اس کا احرام صحیح نہ ہوگا اسی طرح ایسے مریض کو دوسرا کوئی طواف سونے کی حالت میں کرائے تو اس کے لیے بھی اس کا حکم اور فوراً طواف کرانا شرط ہے۔اگر بغیر اس کے حکم کے یا کچھ دیر کے بعد طواف کرایا تو طواف نہ ہوگا۔(معلم الحجاج:ص ۱۰۸)

احرام باندھنے کے بعد بغیر حج کے واپسی؟

سوال:۔اتفاق سے کوئی حاجی جو گھر سے احرام باندھ کر چلا ہو کسی مجبوری کے سبب ائیر پورٹ سے واپس آجائے اور حج کے لیے نہ جا سکے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔گھر سے احرام کی چادریں پہن لینی چاہیے۔مگر احرام نہ باندھا جائے احرام اس وقت باندھا جائے جب سیٹ پکی ہو جائے۔احرام باندھنے کا مطلب ہے حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لینا۔

اور اگر احرام باندھ چکا تھا یعنی احرام کا کپڑا پہن کر تلبیہ پڑھ کر حج یا عمرہ کی نیت کر چکا تھا اس کے بعد نہیں جا سکا تو وہ احرام نہیں اتار سکتا جب تک قربانی کی رقم کسی کے ہاتھ مکہ مکرمہ نہ بھیج دے اور آپس میں یعنی جس کے ہاتھ رقم بھیج رہا ہے یہ طے ہو جائے کہ فلاں دن قربانی کا جانور ذبح ہوگا۔جب قربانی کا جانور ذبح ہو جائے تب یہ احرام کھولے اور آئندہ اس حج کی قضاء کرے۔(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۱۰۶)



احرام باندھنے والا احرام میں شرط لگا لے

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص احرام باندھنے والا یہ کہے کہ اگر مجھے کوئی مانع پیش آ گیا تو میرا احرام وہیں پر کھل جائے گا یا اسی طرح احرام باندھتے وقت کوئی اور الفاظ کہے۔اور اس کے بعد کسی حادثہ کیوجہ سے عمرہ و حج کے اعمال پورے نہ کر سکا تو اس کے لیے احرام کھول دینا جائز ہوگا۔ اس پر کوئی جرمانہ واجب نہ ہوگا۔تو یہ عذر شرعی ہوگا اور احرام کھول دینا جائز ہوگا۔(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص ۷)

مسئلہ:۔سنت یہی ہے کہ اگر مانع پیش آنے کا ڈر ہو تو احرام باندھتے وقت شرط لگا دے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ جب ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ سے کسی مرض کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص ۴۱)

حالت احرام میں عذر کے مسائل

اگر کوئی واجب ترک کیا جاتا ہے تو اگر بے عذر ترک کیا گیا تو قربانی کرنی ہوگی اور بعذر ترک کرنے میں کچھ نہیں نہ قربانی نہ صدقہ۔

اگر ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب بلا عذر کیا جائے تو کہیں قربانی واجب ہوتی ہے کہیں صدقہ جیسا کہ گزشتہ بیان سے واضح ہو چکا اور کسی عذر سے ارتکاب کیا جائے تو اگر اسکے بے عذر ارتکاب سے قربانی واجب ہوتی تھی تو اب اختیار دیا جائے گا چاہے قربانی کرے چاہے قربانی کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک مقدار صدقہ فطر کی دیدے چاہے تین روزے رکھ لے جہاں چاہے رکھے اور جس وقت چاہے رکھے اور اگر اس کے بے عذر ارتکاب سے صدقہ واجب ہوتا تھا تو اب اختیار دیا جائے گا چاہے صدقہ دیدے اور چاہے ہر صدقہ کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔(افضل یہ ہے کہ یہ مسکین مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہوں۔ ان مسکینوں کی تعداد ''چھ'' کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص چھ مسکینوں کی مقدار صدقۂ فطر تین یا چار مسکینوں کو دیدے تو کافی نہیں)

عذر کی مثالیں

(۱) بخار (مثلاً کسی کو بخار چڑھا اور اس نے سر ڈھانک لیا یا کوئی سلا ہوا کپڑا پہن لیا)۔

(۲) سردی (مثلاً کسی کو سردی بہت معلوم ہوئی اس نے کوئی سلا ہوا کپڑا پہن لیا۔ بغیر سلا ہوا گرم کپڑا کوئی اس کے پاس نہ تھا)۔

(۳) زخم (مثلاً زخم پر پھاہا وغیرہ رکھنے کیلئے بال اس مقام کے منڈائے یا کوئی خوشبودار مرہم اس مقام پر رکھا۔

(۴) دردِ سر (مثلاً دردسر کے دور کرنے کے لیے کوئی خوشبودار لیپ استعمال کیا)۔

(۵) جوئیں (مثلاً جوئیں سر میں پڑ گئیں اور اس ضرورت سے اس نے بال منڈوا ڈالے)۔

عذر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت رہے نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے خوف مرجانے کا ہو بلکہ صرف تکلیف اور مشقت کا ہونا کافی ہے۔ خطا اور نسیان اور بیہوشی اور مجبور ہونا (مثلاً کسی محرِم سے کسی نے کہا کہ میں تجھ کو قتل کیئے ڈالتا ہوں نہیں تو تو اپنا سر منڈ والے یا یہ خوشبودار لباس پہن لے) اور سونا (مثلاً کسی محرم نے سونے کی حالت میں اپنا سر چادر میں ڈھانک لیا یا اور کوئی فعل کیا) اور مفلسی کا شمار عذر میں نہیں ہے بلکہ ان حالتوں میں جو جنایت صادر ہوگی اس کا کفارہ ضرور دینا ہوگا ہاں آخرت کا گناہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔

(مفلسی سے مراد یہ ہے کہ کسی سے کوئی جنایت صادر ہوئی اور اس کی وجہ سے اس پر قربانی یا صدقہ واجب ہوا اور اس کے پاس اس قدر روپیہ نہیں ہے جو وہ قربانی کر سکے یا صدقہ دے سکے تو وہ شخص معذور نہ سمجھا جائے گا اس پر جو قربانی یا صدقہ واجب ہوا تھا واجب رہے گا ہاں یہ اس کو اختیار ہے کہ جب اس کو مقدور ہو تب کفارہ ادا کرے اور اگر مرتے دم تک اتنی قدرت حاصل نہ ہوئی تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے۔

(علم الفقہ مع حاشیہ: ج۵، ص۵۰)

احرام میں کیسا جوتا پہنا جائے؟

مسئلہ:۔ موزے اور ایسا جوتا جو قدم کے بیچ میں ابھری ہوئی ہڈی کو چھپالے یہ احرام میں ممنوع

ہے۔ اگر ایسا جوتا یا موزہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہا تو دم واجب ہے اور اس سے کم میں صدقہ بقدر صدقۃ الفطر۔ (احکام حج: ص ۹۵)

مسئلہ:۔ بعض لوگ احرام میں ایسا سلیپر یا جوتہ استعمال کرتے ہیں جس سے قدم کے بیچ کی ہڈی (جو نیچے سے اوپر کی جانب ہے اور اٹھی ہوئی ہے) چھپ جاتی ہے۔ ایسا سلیپر اور جوتہ احرام میں مردوں کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ جس سے ہڈی چھپ جائے اس لیے یا اتنا حصہ کاٹ دیا جائے یا اس کے اگلی جانب کپڑا دیدے تا کہ ہڈی کھلی رہے۔

(معلم الحجاج: ص ۳۵۸ و ہکذا فی فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۵)

مسئلہ:۔ محرم نے احرام کی حالت میں اگر بوٹ پہنا اور کعبین چھپے رہے (اٹھی ہوئی ہڈی) تو اس کے ذمہ جنایت لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۵ بحوالہ بدائع: ج ۱/ص ۱۸۶)

احرام کی حالت میں پیر کی ہڈی کہاں تک کھلی رہے؟

مسئلہ:۔ احرام میں کعب سے مراد وہ جوڑ (پنڈلی اور قدم کا) ہے جو قدم کے درمیانی حصہ میں اس جگہ ہوتا ہے جس جگہ جوتہ کے تسمے باندھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف وضو میں کعب سے مراد وہ دو ہڈیاں (ٹخنے) ہیں جو پاؤں میں ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور حدیث (جس میں خفین کو کعب کے نیچے تک کاٹنے کا حکم ہے) میں کعب کے مذکورہ دو مصداق میں سے کوئی مصداق معین نہیں ہے۔ لیکن کعب کا دونوں معنوں میں استعمال موجود ہے۔ اس لیے احتیاطاً پہلے معنی پر محمول کیا گیا ہے۔ فتح القدیر میں یہی مذکور یعنی مسئلہ احرام میں بتقاضہ احتیاط کعب سے مراد وسط قدم کا مذکورہ جوڑ مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسے معنیٰ مراد لیے جائیں جس میں پاؤں کا زیادہ سے زیادہ حصہ کھلا رہے۔

(بحر الرائق: ج ۲/ص ۳۲۴ و شامی: ج ۲/ص ۴۹۰ میں تفصیل دیکھئے)۔

حاصل یہ کہ احرام کی حالت میں دونوں ٹخنے اور پیروں کے اوپر جہاں بال اگتے ہیں جو ابھرا ہوا حصہ ہے اس کا کھلا رہنا ضروری ہے۔ پس احرام کی حالت میں مردوں کو بہتر ہو تو ہوائی چپل پہننا ہے اور اگر جوتہ یا چپل ایسا ہو جو ٹخنوں اور مذکورہ پیروں کے بالائی حصہ کو نہ چھپاتا ہو تو اس کا پہننا بھی درست ہے۔ البتہ اگر ایڑی۔ پنجہ انگلیاں چھپی رہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

احرام کی حالت میں پھول وغیرہ کا استعمال؟

مسئلہ:۔احرام پہننے کے بعد گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا مکروہ ہے۔عام طور پر لوگ اس طرف خیال نہیں کرتے ہیں اور خوشبودار پھول قصداً سونگھنا بھی مکروہ ہے مگر اس سے کچھ لازم نہیں آتا۔(احکام حج:ص۹۴)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں خوشبو، چھونا یا سونگھنا، خوشبو والے کی دوکان پر خوشبو سونگھنے کیلئے بیٹھنا، خوشبودار میوہ اور خوشبودار گھاس کو سونگھنا اور چھونا مکروہ ہے۔اگر بلا ارادہ خوشبو آجائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔(معلم الحجاج:ص۱۱۴)

مسئلہ:۔احرام باندھنے کے بعد دھونی دیا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔(معلم الحجاج:ص۱۱۴)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں پھول اور خوشبودار پھل سونگھنے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوتی لیکن سونگھنا مکروہ ہے۔(معلم الحجاج:ص۲۲۷ وہکذا کتاب الفقہ:ج۱/ص۱۰۵۶)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں عطر والے کی دوکان پر بیٹھنے سے کوئی مضائقہ نہیں البتہ سونگھنے کی نیت سے بیٹھنا مکروہ ہے۔(معلم الحجاج:ص۲۲۹)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں ایسے مکان میں داخل ہوا جس میں کسی چیز کی دھونی دی گئی تھی اور احرام والے کے کپڑوں میں خوشبو آنے لگی اور خوشبو کپڑوں کو بالکل نہیں لگی تو کچھ بھی واجب نہیں ہے۔(معلم الحجاج:ص۲۳۰)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں خوشبو یعنی عطریات (وغیرہ) کا سونگھنا یا اسکا پاس رکھنا مکروہ ہے۔

(کتاب الفقہ:ج۱/ص۱۰۵۶)

مسئلہ:۔حالت احرام میں حجر اسود کا بوسہ نہ لیں۔اور نہ ہاتھ لگائیں کیونکہ اسمیں خوشبو لگی ہوتی ہے۔(معلم الحجاج:ص۲۳۲)

احرام سے پہلے خوشبو لگانا؟

سوال:۔غسل کرنے کے بعد احرام باندھنے سے پہلے بدن پر اور احرام کے کپڑوں پر خوشبو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔احرام باندھنے سے پہلے تیل اور سرمہ لگانا جائز ہے۔ اور خوشبو لگانے میں یہ تفصیل ہے کہ بدن کو خوشبو لگانا مطلقاً جائز ہے اور کپڑوں کو ایسی خوشبو لگانا جائز ہے۔ جس کا جسم پر اثر باقی نہ رہے۔ اور جس خوشبو کا اثر باقی رہے وہ کپڑوں پر لگانا ممنوع ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۸۷)

مسئلہ:۔احرام باندھنے سے پہلے (جسم پر) عطر لگایا اور احرام باندھنے کے بعد (بدن پر) اس کی خوشبو باقی ہے تو کچھ حرج نہیں چاہے کتنی مدت تک باقی رہے۔ (معلم الحجاج: ص۲۲۹)

مسئلہ:۔ بنا خوشبو کا سرمہ احرام کی حالت میں لگانا جائز ہے اور اگر خوشبودار ہو تو صدقہ ہے۔ لیکن اگر دو مرتبہ سے زیادہ لگایا تو دم واجب ہوگا۔

(معلم الحجاج: ص۲۳۲ وہکذا فی کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۵۸ و احکام حج: ص۹۴)

احرام سے پہلے خوشبو لگانے کی وجہ یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد محرم خاک آلود ہو جائے گا۔ اس کے جسم و کپڑوں سے پسینہ اور میل کی بو آنے لگے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے اس کی کچھ تلافی کر لی جائے۔ تاکہ صورت حال کچھ دیر سے بگڑے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج۴/ص۳۱۸)

احرام میں گردن و کان ڈھانکنا؟

سوال:۔احرام کی حالت میں ضرورت کے وقت کانوں پر گردن و پیشانی پر رومال باندھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ گردن اور کانوں پر کپڑا اڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔ پیشانی ڈھانکنا جائز نہیں۔ البتہ ضرورت کے وقت جائز ہے۔ مگر جزاء بہر حال لازم ہوگی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر چہرہ یا سر کا چوتھائی حصہ یا چوتھائی سے زیادہ ایک دن ایک یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔ اور چوتھائی سے کم یا ایک دن یا ایک رات سے کم ڈھانکا تو نصف صاع صدقہ واجب ہے یعنی مقدار صدقۂ فطر۔ اور عذر سے ڈھانکا تو پہلی صورت میں اختیار ہے، دم دے یا تین صاع چھ مساکین پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے۔

اور دوسری صورت میں نصف صاع ایک مساکین کو صدقہ دے یا ایک دن کا روزہ رکھے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۳۳ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۲۲۷ وہکذا احکام حج: ص۹۵)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں علاوہ سر اور منہ کے پورے بدن کوڈھانپنا جائز ہے نیز کان وگردن اور پیروں کورومال وچادروغیرہ سے ڈھانپنا جائز ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۱۵)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں ناک۔تھوڑی۔اوررخسار کو کپڑے سے چھپانا مکروہ ہے۔ہاتھ سے چھپانا جائز ہے۔

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں تکیہ پرمنہ کے بل لیٹنا مکروہ ہے اورسر یارخسار کا تکیہ پررکھنا جائز ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۱۴)

احرام میں لحاف اوڑھنا؟

مسئلہ:۔مُحرم کوحالت احرام میں سردی سے حفاظت کے لیے لحاف اوڑھنا درست ہے مگر سر کھلا رکھے۔باقی تمام بدن پرلحاف رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ:ج ۷/ص ۲۱۲)

مسئلہ:۔پس جوکوئی سلے ہوئے کپڑوں میں احرام باندھے اتو اگر بعد احرام کی نیت کرنے کے پورے دن پہنے رہے تو دم دے۔اورکم میں صدقہ۔اورجوسونے میں سرڈھکا تو حسب قلت وکثرت وقت کے کفارہ کردے۔کیونکہ سونا جاگنا اس باب میں برابر ہے۔مگر سوتے کو گناہ نہیں ہوتا۔)زبیدہ)اورگناہ نہ ہونا اس وقت ہے کہ جب سونے کے وقت ارادہ سے نہ ڈھانکے۔اورجب جاگے اس وقت معلوم ہوتو اتاردے(زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک:ص ۳۲۴)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں سردی یاکسی اوروجہ سے کان میں روئی رکھنا جائز ہے۔ مگرخوشبو کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔(یعنی خوشبو سے تر کی ہوئی روئی کا رکھنا جائز نہیں ہے)۔(فتاویٰ محمودیہ:ج ۱۷/ص ۲۰۱)

احرام کی حالت میں غسل کرنا؟

مسئلہ:۔ضرورت کے لیے یعنی پاکی حاصل کرنے کے لیے یاٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا غباردورکرنے کے لیے خالص پانی سے ٹھنڈا ہو یا گرم غسل کرنا جائز ہے۔لیکن میل دورنہ کرے۔

(مسئلہ:۔صابن(بلاخوشبو والے سے)یادوسری میل کاٹنے والی چیز سے غسل کرنا احرام والے کے لئے جائز ہے۔لیکن اس سے جوئیں نہ مرنے پائیں۔(کتاب الفقہ ج ۱ص ۱۰۶۳)

مسئلہ:۔بغر خوشبو کے خالص صابن سے دھونے میں کوئی چیز واجب نہیں لیکن احرام والے کو میل دور کرنا مکروہ ہے۔(معلم الحجاج:ص ۲۳۱)

احرام کی حالت میں مہندی لگانا؟

مسئلہ:۔احرام والے کو مہندی کا خضاب کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی خوشبو ہے اور حالت احرام میں خوشبو ممنوع ہے ۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ مہندی کا خضاب ہاتھوں میں لگایا جائے یا سر میں یا بدن کے کسی اور حصے میں۔(کتاب الفقہ :ج ا/ص ۱۰۵۶)

مسئلہ:۔ساری ڈاڑھی یا پوری ہتھیلی پر مہندی لگانے سے دم واجب ہوتا ہے۔ نیز اگر درد سر کی وجہ سے خضاب کیا تو جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔اگر سارے سر یا چوتھائی سر کا مہندی سے خضاب کیا اور مہندی پتلی پتلی لگائی خوب گاڑھی نہیں لگائی تو دم واجب ہے اور اگر گاڑھی لگائی تو دو دم واجب ہونگے۔اگر سارے دن یا ساری رات لگائے رکھا۔ اور اگر ایک دن یا رات سے کم لگایا تو ایک دم ایک صدقہ واجب ہوگا۔ایک دم خوشبو کی وجہ سے اور ایک سر ڈھانکنے کی وجہ سے۔ یہ مرد کا حکم ہے عورت پر ایک ہی واجب ہوگا کیونکہ اس کے لیے سر ڈھانکنا ممنوع نہیں ہے۔

(معلم الحجاج:ص ۲۲۳ وہکذا فی احکام حج:ص ۹۳)

حالت احرام میں بالوں یا بدن پر تیل لگانا؟

مسئلہ:۔جن اشیاء کو انسان کے جسم پر لگایا جاتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ایک تو وہ خالص خوشبو کی چیز ہے اور خوشبو ہی کے لیے لگائی جاتی ہے۔ مثلاً مشک۔ کافور۔ عنبر وغیرہ ایسی چیزوں کا تیل وغیرہ میں استعمال احرام کی حالت میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

دوسری چیز وہ ہے جو خالص خوشبو کی چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس کے معنی خوشبو کے ہیں اور نہ کسی طرح اس پر خوشبو کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے چربی ایسی چیز کا استعمال چکنائی وغیرہ کے طور پر حالت احرام میں جائز ہے۔ اور اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔

تیسری وہ چیز جو گو بذاتِ خود خوشبو نہ ہو لیکن خوشبو کی طرح ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کبھی

تو خوشبو اور چکنائی کے لیے اور کبھی دوا کے طور پر کام میں لائی جاتی ہے۔ جیسے روغن زیتون کے اگر اس کو خوشبو دار چکنائی کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ خوشبو کے حکم میں ہے اور احرام کی حالت میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر دوا کے طور پر استعمال ہو تو اس کا لگانا اور کھانا جائز ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ۲/ص ۱۰۵۹)

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں زخم یا ہاتھ پاؤں کی پھٹن میں تیل لگانا جائز ہے بشرطیکہ خوشبو والی نہ ہو نیز احرام کی حالت میں گھی، تیل۔ چربی کا کھانا جائز ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۱۶)

مسئلہ:۔ زیتون یا تِل کا تیل زخم پر یا ہاتھ پاؤں کی بوائیوں یعنی پھٹن میں لگایا، یا ناک کان میں ٹپکایا تو دم وصدقہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ زیتون یا تِل کا خالص تیل اگر ایک بڑے عضو یا اس سے زیادہ پر خوشبو کے طور پر لگایا تو دم واجب ہے اور اگر اس سے کم پر لگایا تو صدقہ واجب ہے۔ اور اگر اس کو کھالیا یا دوا کے طور پر لگایا تو کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ تل کے یا زیتون کے تیل میں اگر خوشبو ملی ہوئی ہے جیسے گلاب یا چمبیلی وغیرہ کے پھول ڈال دیئے جاتے ہیں اور اس کو روغن گلاب کہتے ہیں یا کوئی اور خوشبودار تیل اگر ایک عضو کامل پر لگایا جائے گا تو دم ہوگا اور اس سے کم پر صدقہ۔

مسئلہ:۔ چربی۔ گھی۔ روغنِ بادام۔ کڑوا تیل (سرسو کا تیل یا رفائنڈ تیل وغیرہ) کھانا یا لگانا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جو چیزیں خود خوشبو ہیں مثلاً عنبر۔ مشک۔ کافور وغیرہ ان کے استعمال سے جزاء واجب ہوتی ہے۔ اگر چہ دوا کے طور پر ہو۔ (معلم الحجاج: ص ۲۲۲)

احرام کی حالت میں خوشبودار غذا کھانا؟

مسئلہ:۔ پلاؤ۔ بریانی۔ زردہ وغیرہ کی پکی ہوئی چیز میں زعفران۔ الیچی۔ دارچینی وغیرہ خوشبودار چیز ڈالی ہو تو ایسی پکی ہوئی چیز کھانا جائز ہے۔ چاہے جتنی مقدار میں خوشبودار چیز ڈالی گئی ہو۔ اس کے کھانے سے کچھ واجب نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۳ بحوالہ شامی: ج ۲/ص ۲۷۷ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۱۱۴)

مسئلہ:۔اور جو (خوشبوئیں حقیقی کہلاتی ہیں جیسے مشک، عنبر، زعفران اگر) پکے ہوئے کھانے میں ملا ہوا کھایا تو کچھ واجب نہیں۔ اگر چہ غالب ہو اور جو پکا ہوا نہ ہو یعنی جو کھانا پکایا ہی نہیں جاتا ہو تو اگر خوشبو کی چیز غالب ہے اگر چہ خوشبو نہ دے۔ تو دم واجب ہے۔اور جو مغلوب (کم) ہو اگر چہ خوشبو خوب دے تو کچھ نہیں۔نہ دم نہ صدقہ مگر مکروہ ہے۔

(زبدۃ المناسک: ج۲/ص۳۵۵)

مسئلہ:۔اگر کسی نے بہت سی خالص خوشبو کھائی یعنی اتنی کہ منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم واجب ہے۔اور اگر تھوڑی کھائی یعنی منہ کے اکثر حصہ میں نہیں لگی تو صدقۂ فطر کے مقدار واجب ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ خالص خوشبو کھائے اور اگر اس کو کسی کھانے میں ڈال کر پکایا تو کچھ واجب نہیں۔اگر چہ خوشبو کی چیز غالب ہو۔

(معلم الحجاج:ص۲۴۷و ہکذا کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۵۷ و احکام حج:ص۹۵)

مسئلہ:۔پان میں خوشبو دار تمباکو یا ایچی ڈال کر کھانا احرام والے کیلئے بالاتفاق مکروہ ہے اور کتب فقہ کی بعض عبارات سے دم لازم ہونے کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔(احکام حج:ص۹۴و ہکذا معلم الحجاج:ص۱۱۶ و امداد الاحکام:ص۱۶۳)

حالت احرام میں خوشبودار شربت پینا؟

مسئلہ:۔ایسی بوتل۔شربت اور پھولوں کا رس جن میں خوشبو ڈالی گئی ہو احرام کی حالت میں نہ پی جائیں۔اگر کوئی تھوڑی مقدار میں ایک مرتبہ پیئے گا تو صدقہ (پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت) واجب ہوگا۔ اور اگر زیادہ مقدار میں پیا تھوڑا تھوڑا دو تین بار تو دم واجب ہوگا۔ اور جس بوتل میں بالکل خوشبو نہ ڈالی گئی ہو وہ پینا جائز ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۲/ص۳۰۲ بحوالہ شامی: ج۲/ص۲۷۷)

مسئلہ:۔اگر خوشبو پینے کی چیز میں ملائی اگر خوشبو غالب ہے تو دم دے اور اگر مغلوب ہے تو صدقہ دے مگر جو مغلوب کو بار بار استعمال کرے تو دم واجب ہے۔پس اگر بہت پیا تو دم اور تھوڑا پیا تو صدقہ ہے اور اگر تھوڑا تھوڑا دوبارہ پیا تو دم لازم ہے۔

(زبدۃ المناسک: ج۲/ص۱۴۱ و ہکذا کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۵۸ و احکام حج:ص۹۲)

مسئلہ:۔ پینے کی چیز میں مثلاً چائے، قہوہ وغیرہ میں خوشبو ملائی تو اگر خوشبو غالب ہے تو دم واجب ہے اور اگر خوشبو مغلوب ہے تو صدقہ ہے۔ لیکن اگر کئی مرتبہ پیا تو دم واجب ہوگا اور پینے کی چیز میں خوشبو ملا کر پکانے کی وجہ سے کچھ فرق نہیں آتا پینے کی چیزیں خوشبو ڈال کر پکایا جائے یا نہ پکایا جائے بہرصورت جزاء ہے۔

مسئلہ:۔ لیمن، سوڈا یا کوئی اور بوتل یا شربت جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو احرام کی حالت میں پینی جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہو اگرچہ برائے نام ہو۔ وہ اگر پی جائے گی تو صدقہ واجب ہوگا۔ لیکن اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار پیئے تو دم واجب ہوگا اور اگر خوشبو غالب ہو تو ایک ہی بار پینے میں دم واجب ہو جائے گا۔ (احکام حج :ص ۹۲ و ہکذا معلم الحجاج :ص ۳۲۱)

احرام کی حالت میں وِکس و بام استعمال کرنا؟

سوال:۔ وِکس بام جو درد سر یا سردی کی وجہ سے لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح بام یا دوائیں جن میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی ہے۔ مرض یا درد کی وجہ سے احرام کی حالت میں لگانا کیسا ہے؟

جواب:۔ وِکس و بام خوشبودار چیز ہے اور اسکی خوشبو تیز ہے اگر پوری پیشانی پر لگایا دم لازم ہوگا تصحیح کریں ص ۱۵۳)۔ فقہاء کرام نے ہتھیلی کو بڑا عضو شمار کیا ہے ہاتھ کے تابع نہیں کیا۔ اس لیے پیشانی بھی بڑا عضو ہونا چاہئے۔ (فتاویٰ رحیمیہ :ج ۸/ص ۲۸۴)

مسئلہ:۔ اگر خوشبو کو دوا کے طور پر لگایا، یا ایسی دوا لگائی جس میں خوشبو غالب ہے۔ اور پکی ہوئی نہیں ہے تو اگر زخم ایک بڑے عضو کے برابر یا اس سے زیادہ نہیں تو صدقہ واجب ہے۔ اور اگر ایک بڑے عضو کے برابر ہے۔ تو دم واجب ہے۔ عذر کی وجہ سے بام لگایا ہو تب بھی یہی حکم رہیگا۔ (معلم الحجاج :ص ۲۴۸)

احرام کی حالت میں چٹنی یا اچار کھانا؟

مسئلہ:۔ حالت احرام میں ایسی چیز کھائے جس میں خوشبو ملائی گئی ہو۔ مگر وہ پکایا نہیں گیا۔ جیسے چٹنی۔ اچار وغیرہ تو اگر خوشبو غالب ہے تو دم واجب ہوگا جب کہ مقدار کھانے کی زیادہ

ہواور اگر تھوڑا سا کھائے تو صدقہ دے اگرچہ خوشبو نہ آتی ہو۔ کیونکہ اس صورت میں جزاء کا مدار جزاء پر ہے نہ کہ خوشبو آنے پر۔ اگر اس طرح کھانا تھوڑا تھوڑا کئی بار کھایا تو دم لازم ہوگا۔(احکام حج)

حالت احرام میں منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا؟

مسئلہ:۔اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں لونگ، کافور، الائچی، یا خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں اور وہ پکی ہوئی نہ ہو اور مقدار کے اعتبار سے خوشبودار چیز مغلوب ہو یعنی کم مقدار میں ہو تو ایسا منجن احرام کی حالت میں کرنا مکروہ ہوگا۔ مگر صدقہ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں خوشبودار چیز غالب ہو تو چونکہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا اکثر حصہ میں لگ جائیگا۔ لہٰذا دم واجب ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں مسواک ہی استعمال کرے منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال نہ کرے۔ اس سے سنت بھی ادا نہ ہوگی۔ اس لیے مسواک کو اختیار کرنا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۵ بحوالہ غنیۃ المناسک: ص ۱۳۲)

بدن پر خوشبو استعمال کرنے کی جنایت

محرم نے اگر کسی بڑے عضو، مثلاً سر یا ڈاڑھی یا ہتھیلی یا ران یا پنڈلی کے پورے عضو پر خوشبو لگائی تو جنایت کامل ہوگئی اگرچہ ذرا دیر ہی استعمال کی ہو۔ اس صورت میں بغیر عذر کے دم لازم ہے اگر فوراً ہی اس کو دھوڈالا ہو تب بھی دم ساقط نہیں ہوگا۔ اور عذر کی صورت میں مذکورہ سابق تین اختیار ہے کہ دم دے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو بقدر صدقۃ الفطر ادا کرے۔ اگر کسی چھوٹے عضو جیسے ناک، کان۔ آنکھ، مونچھ، انگلی کو خوشبو لگائی یا بڑے عضو کے کسی حصہ کو خوشبو لگائی پورے عضو کو نہیں تو جنایت ناقص ہے اس میں صدقہ بقدرِ صدقۃ الفطر واجب ہے اور عذر کی حالت میں تین روزے بھی قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ یہ اس وقت ہے جب کہ خوشبو تھوڑی مقدار میں ہو اور اگر خوشبو زیادہ ہو تو پھر چھوٹے بڑے عضو کا اور عضو کامل اور ناقص کا کوئی فرق نہیں ہر حال میں دم لازم ہوگا۔ اور تھوڑا زیادہ ہونا ہر خوشبو کا الگ الگ ہوتا ہے۔ جس کو عرفی طور پر زیادہ سمجھا جائے وہ زیادہ کہلائی جائے

گی مثلاً مشک کی قلیل مقدار بھی جو عام استعمال کے لحاظ سے کثیر سمجھی جائے وہ کثیر ہی میں داخل ہوگی۔ (احکام حج: ص ۹۱)

کپڑے میں خوشبو استعمال کرنے کی جنایت

مسئلہ:۔ محرم اگر خوشبو دار کپڑے پہنے تو اگر خوشبو بہت ہے مگر بالشت دو بالشت سے کم مقدار میں لگی ہوئی ہو یا خوشبو تھوڑی ہے مگر بالشت دو بالشت سے زیادہ میں لگی ہے تو ایسے کپڑے کو سارے دن یا ساری رات پہنے رہے تو دم ہے۔ اگر تھوڑی خوشبو جو بالشت دو بالشت سے کم میں لگی ہو تو صدقہ دے اگرچہ سارا دن پہنے رہے اور ایسے کپڑے کو ایک دن سے کم پہننے کی صورت میں بھی صدقہ واجب ہے۔

اور ایک دن سے کم میں اگرچہ بہت خوشبو ہو اور بالشت دو بالشت میں بھرا ہوا ہو تو صدقہ ہے اور آدھی رات سے آدھے دن تک ایک دن شمار ہوگا۔

(احکام حج: ص ۹۱ و علم الفقہ: ج ۵ ص ۴۸)

مسئلہ:۔ جس بستر میں خوشبو لگائی ہوئی ہو احرام والے کے لیے اس پر لیٹنا آرام کرنا جائز نہیں۔ اس کی جزاء کو خوشبو میں بھرے ہوئے کپڑے پر قیاس کرلیں۔ (احکام حج: ص ۹۳)

مسئلہ:۔ حجر اسود پر اگر خوشبو لگی ہو (حج کے موسم میں بعض لوگ اس پر خوشبو لگا دیتے ہیں) اور طواف کرنے والا احرام پہنے ہوئے ہو تو اسکا ''استیلام'' جائز نہیں بلکہ ہاتھوں سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دے لے اگر احرام والے نے حجر اسود کا استیلام کیا اسکے منہ یا ہاتھ کو، پس اگر خوشبو بہت لگی تو دم اور تھوڑی لگی تو صدقہ لازم ہوگا۔ (احکام حج: ص ۹۳)

بال منڈوانے کی جنایت

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں چوتھائی سر یا چوتھائی ڈاڑھی یا اس سے زیادہ کے بال منڈوائے یا کتروائے یا کسی اور چیز کے ذریعہ دور کرے یا اکھاڑے خواہ اختیار سے ہو یا بلا اختیار ہر حال میں جنایت کاملہ ہے جس کی جزاء میں دم لازم ہے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح ایک پوری بغل منڈوائی یا زیر ناف کے پورے بال صاف کئے یا پوری

گردن کے بال صاف کرائے تو دم لازم ہے۔
مسئلہ:۔ ناخن چاروں ہاتھ پاؤں کے ایک مجلس میں کاٹے یا صرف ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پورے ناخن کاٹے تو جنایت کاملہ ہے دم لازم ہوگا۔
مسئلہ:۔ اگر دو تین بال منڈے یا کاٹے تو ہر بال کے بدلے میں ایک مٹھی گندم کا صدقہ دیدے اور تین بال سے زائد میں پورا مقدار صدقۃ الفطر واجب ہے۔
مسئلہ:۔ اگر بال از خود بغیر محرم کے کسی فعل کے گر جائیں تو کچھ لازم نہیں اور اگر محرم کے ایسے فعل سے گرے جس کا وہ مامور (اس کو حکم دیا گیا ہے) ہے جیسے وضو تو تین بال میں بھی ایک مٹھی گندم کا صدقہ کافی ہے۔ (احکام حج:ص ۹۷)
مسئلہ:۔ وضو کرتے ہوئے یا کسی اور طرح اور ڈاڑھی کے تین بال گر گئے تو ایک مٹھی گیہوں صدقہ کردے اور اگر خود اکھاڑے تو ہر ایک کے بال کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں صدقہ کردے اگر تین بال سے زائد اکھاڑے تو آدھا صاع صدقہ کرے۔ (صدقۂ فطر کی مقدار)
(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۲۳ وہکذا احکام حج:ص ۹۶ ومعلم الحجاج:ص ۲۵۵ وغنیۃ:ص ۱۳۷)
مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں سر اور ڈاڑھی کے بال جتنے گریں اتنی قربانیاں دینے کا مسئلہ غلط ہے۔ البتہ احتیاط سے وضو کرنا چاہئے تاکہ بال نہ گریں۔ اور اگر گر جائیں تو صدقہ کردینا کافی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۸)
مسئلہ:۔ ڈاڑھی میں خلال کرنا بھی مکروہ ہے۔ اگر کرے تو اس طرح کرے کہ بال نہ گریں۔
(معلم الحجاج:ص ۱۱۴)

سر یا چہرہ ڈھانپنے کی جنایت

مسئلہ:۔ اگر مرد نے سر یا چہرہ اور عورت نے چہرہ کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ لیا تو اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل اسی طرح رکھا تو جنایت کامل ہوگی یعنی دم لازم ہوگا۔ اس سے کم میں صدقہ واجب ہوگا۔ اور عورت کو احرام کی حالت میں بھی سر چھپانا اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح عام حالات میں۔ اگر اس نے سر کھول دیا تو اس پر تو کچھ واجب نہیں کیونکہ سر کا چھپانا عورت کیلئے احرام کا جزء نہیں ہے۔ بلکہ یہ عورت کیلئے ایک عام حکم ہے۔ (احکام:ص ۹۵)

مسئلہ:۔ اگر سلا ہوا کپڑا سارے دن پہنے رہے یا سر و چہرہ دن بھر ڈھانکے رکھا اور اس کا کفارہ ایک دم دیدیا مگر کپڑا بدستور استعمال کرتا رہا تو دوسرا کفارہ دینا ہوگا اور اگر بیچ میں کفارہ دم نہیں دیا تو ایک ہی دم کافی ہو جائے گا۔

نوٹ:۔ چوتھائی سر یا چوتھائی چہرہ کا ڈھانکنا سارے سر اور سارے چہرہ کے حکم میں ہے۔ (احکام حج:ص ۹۵)

جوئیں مارنے کی جنایت

مسئلہ:۔ محرم نے اگر ایک جوں ماری یا کپڑا دھوپ میں ڈالا تاکہ جوئیں مر جائیں یا کپڑا جوئیں مارنے کے لیے دھویا تو ایک جوں کے بدلہ میں روٹی کا ٹکڑا اور دو تین کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں دیدے اور تین سے زیادہ کے بدلے میں اگرچہ کتنی ہی ہو پورا صدقہ دے۔

مسئلہ:۔ اگر کپڑا دھوپ میں ڈالا یا دھویا اور جوئیں مر گئی لیکن جوئیں مارنے کی نیت نہ تھی تو کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ:۔ اپنے بدن کی جوں کو کسی دوسرے سے مروانا یا پکڑ کر زمین میں زندہ ڈال دینا یا خود پکڑ کر کسی دوسرے کو مارنے کے لیے دے دینا سب برابر ہے سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی۔ (احکام حج:ص ۹۴)

احرام کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں سردی کی وجہ سے گرم چادریں مثلاً کمبل، لحاف، رضائی وغیرہ استعمال کر سکتا ہے۔ مگر سر نہیں ڈھانک سکتا ہے نیز حالت احرام میں جرابیں (موزہ و خفین وغیرہ) کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۸ و ہکذا معلم الحجاج:ص ۱۰۵ و احسن الفتاوی: ج ۴/ص ۵۳۱ و رد المختار: ج ۲/ص ۱۷۷)

مسئلہ:۔ احرام میں کرتہ، پاجامہ، شیروانی، صدری، بنیان وغیرہ پہننا منع ہے اور جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا ہو اس کا پہننا احرام میں جائز نہیں ہے۔ (معلم الحجاج:ص ۱۰۵)

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں اگر کسی موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو، پسو، چھپکلی، گرگٹ، بھڑ،

مکھی مارا جائے تو ایسے موذی جانوروں کو حرم میں اور حالت احرام میں مارنا جائز ہے۔
(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۵۸)

مسئلہ:۔حالت احرام میں آگے مذکورہ جانور اگر محرم پر حملہ نہ بھی کرے تو بھی اسکو بغیر حملہ کے مار سکتا ہے۔ مثلاً سانپ۔ بچھو۔ کوا۔ چیل۔ کاٹنے والا کتا۔ چوہا۔ مچھر۔ چیچڑی وغیرہ۔ ان کے مارنے سے کوئی کفارہ یا جزاء لازم نہیں آتا۔
(کفایت المفتی: ج۴/ص۳۳۱ وہکذا معلم الحجاج: ص۱۱۶)

مسئلہ:۔آنت اترنے کی وجہ سے حالت احرام میں پٹی باندھنا جائز ہے اور یہ اس سلے ہوئے میں داخل نہیں ہے۔ جس کی احرام میں ممانعت ہے احرام میں ایسا سلا ہوا کپڑا ممنوع ہے جو جسم کے موافق سلا ہوا ہو۔ (امدادالاحکام: ج۲/ص۱۷۷)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں آنت اترنے کے عذر کی وجہ سے لنگوٹ باندھنا جائز ہے اور بغیر عذر مکروہ ہے۔ مگر اس پر کوئی جزاء واجب نہیں۔ نیز احرام کے نیچے نیکر پہننا ہر حال میں ناجائز ہے اور پہننے والے پر سلے ہوئے کپڑا پہننے کی جزاء واجب ہے۔
(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۳۱ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۱۷۱)

(جن کو پیشاب یا مذی کے قطرے آنے کا عذر ہو وہ احرام کے نیچے لنگوٹ پہن سکتا ہے۔ یعنی وہ بغیر سلا ہوا کپڑا جسکو پہلوان باندھتے ہیں)۔

مسئلہ:۔نوٹ روپیہ پیسے کی حفاظت کے لیے احرام کی حالت میں تھیلی (بیلٹ) وغیرہ باندھ سکتے ہیں۔ (امدادالاحکام: ج۲/ص۱۷۷ وہکذا معلم الحجاج: ص۱۱۵)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں محرم یعنی احرام پہنے ہوئے چشمہ (چھتری) لگا سکتا ہے۔
(امدادالاحکام: ج۲/ص۱۸۰)

مسئلہ:۔ربڑ یا تار کی پٹی (بیلٹ) وغیرہ سے احرام کا تہبند باندھ سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔محرم احرام کی چادر (اوپر والی چادر) گرمی کی وجہ سے اتار سکتا ہے ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پسینہ وغیرہ کی وجہ سے علیحدہ کی جا سکتی ہے (فتاویٰ دارالعلوم: ج۶/ص۵۵۳)

مسئلہ:۔احرام کی حالت میں دیگ، طباق، چارپائی، سبزی وغیرہ سر پر اٹھانا جائز ہے۔
(معلم الحجاج: ص۱۱۵)

مسئلہ:۔ احرام کا لباس پہن کر سر ڈھانک کر نفل پڑھیں۔ پھر سر کھول کر تلبیہ پڑھے۔
(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۶)

مسئلہ:۔ احرام کی نفلوں سے فراغت کے بعد ٹوپی اتارنا یاد نہ رہا تو اگر ٹوپی ایک گھنٹہ سے کم پہنی تو ایک مٹھی گیہوں۔ اور اس سے زائد پر نصف صاع صدقہ۔ بارہ گھنٹے یا زیادہ پر دم واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۳)

مسئلہ:۔ کسی حاجی کے لیے عمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے بعد سے حج کا احرام باندھنے تک جو وقفہ ہے۔ اس میں جس طرح کسی اور چیز کی پابندی نہیں۔ اسی طرح میاں بیوی کے تعلق کی بھی پابندی نہیں ہے۔ اس لیے عمرہ سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھنے سے پہلے بیوی سے ملنا (جماع، صحبت کرنا) جائز ہے اس سے حج کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔ نہ آئندہ سال حج کرنا لازم آتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۵)

مسئلہ:۔ حالت احرام میں عورت یا مرد (بغیر صحبت کے) کسی عذر کی بنا پر ناپاک ہو جائیں تو ان پر دم نہیں ہے نیز ناپاکی کی وجہ سے احرام کی نچلی چادر (تہبند) کا بدلنا جائز ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۲۳ و ہکذا احکام حج: ص ۹۶ و معلم الحجاج: ص ۲۵۵)

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں چھتری لگانا یا کسی اور چیز کے سایہ میں بیٹھنا، گھر اور خیمے کے اندر داخل ہونا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ احرام کی حالت میں ہیضہ کا انجکشن اور چیچک وغیرہ کا انجکشن لگوانا جائز ہے۔
(معلم الحجاج: ص ۱۱۵)

مسئلہ:۔ ہر مرتبہ عمرہ کرنے کیلیے احرام کی چادروں کا ہر بار دھونا کوئی ضروری نہیں جب کہ وہ چادریں پاک ہوں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۸)

مسئلہ:۔ احرام کی چادر زمزم میں تر کی ہوئی بوسیدہ ہونے سے پہلے پہلے اس کو استعمال کر لینا چاہیئے کہ بوسیدہ ہونے کے بعد کفن کے بھی قابل نہیں رہے گی۔ آپ مالک ہیں اس کو بیچ بھی سکتے ہیں۔ مالی حالت اچھی ہو تو کسی کو بخشش کے طور پر دینا بھی بہتر ہے، رشتہ داروں اور نیک لوگوں کے کفن کے لیے دینا بھی بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰/ص ۴۹۹)

مسئلہ:۔ حج وعمرہ کرنے کے بعد چادر خود بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کسی کو دینا چاہیں تو دے بھی سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ احرام جو کہ تولیہ کے کپڑے کا ہے اس کو عام استعمال میں تولیہ کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ حج اور عمرہ کے دوران جو کپڑا احرام میں استعمال کرتے ہیں اس کو گھر میں استعمال کر سکتے ہیں۔ یعنی تولیہ کو تولیہ کی جگہ اور لٹھے کو شلوار اور قمیص بنا کر پہن سکتے ہیں نیز احرام کے کپڑوں کا عام استعمال جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۸)

حج میں بال کٹوانے کی حکمت

حلق یعنی حج میں بال کٹوانے کی حکمت یہ ہے کہ احرام کی حالت سے باہر آنے کا یہ خاص متعین طریقہ ہے اگر یہ طریقہ مقرر نہ کیا جائے تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش کے مطابق اپنا احرام ختم کرنا اور احرام سے باہر آنے کے لیے الگ الگ طریقے تجویز کرتے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اعمال حج کے ختم پر سر منڈوانا یا بال کتروانا بھی ایک عبادت ہے اور یہ گویا فریضۂ حج سے فراغت کا نشان ہے۔ جیسے نماز کے لیے سلام یا روزہ کے لیے افطار۔

احرام کی حالت میں بال ٹوٹنے پر پابندی تھی اب ان تمام یا بیشتر بالوں کو کاٹ کر اس حد بندی کے خاتمہ کی تعلیم خود حد لگانے والی شریعت ہی دی رہی ہے اس وقت وہ عبادت تھی اب یہ عبادت ہے۔

سر پر بال رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلے میں لوگوں میں تین طرح کے مزاج وذوق ہوتے ہیں۔

(۱) کسی کو بال رکھنا بوجہ اپنی صحت یا ذوق کے ناپسند ہوتا ہے اسے منڈوا دینے میں کوئی تکلیف ہی نہ ہوگا۔

(۲) کسی کو بالوں کا رکھنا پسند تو ہوتا ہے مگر کبھی کبھی منڈوا دینا بھی اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

(۳) اور کچھ لوگ بال رکھنے کے ایسے شوقین ہوتے ہیں کہ بالوں کا منڈوانا ان کے لیے بہت بڑی دولت کا لٹ جانا ہوتا ہے۔ شریعت کی نظر میں اصل پسندیدہ طریقہ تو یہی ہے کہ حج سے فارغ ہوتے ہی سر اُسترے سے بالکل صاف کر دیا جائے چنانچہ بار بار آنحضرت ﷺ

کی دعائیں بھی منڈوانے والوں ہی کے لیے ہیں لیکن تیسرے مزاج والوں کی رعایت میں اس کی بھی اجازت ہے کہ قینچی سے بالوں کے سرے اس طرح لئے جائیں کہ تمام بال اکثر بال یا ایک ڈیڑھ انگل کے بقدر کٹ جائیں۔

یادرہے کہ بال منڈوانے کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔عورتیں اپنی چوٹی کے آخر سے صرف ایک انگل بال کاٹ لیں۔(الترغیب:ج۳/ص۹۵)

بال کتروانے سے منڈوانا افضل کیوں ہے؟

قربانی کے بعد احرام کھولا جاتا ہے۔ احرام کھولنے کا افضل طریقہ حلق یعنی سر منڈوانا ہے۔قصر کرانا یعنی سر کے بالوں کو چھوٹا کرانا دوسرا طریقہ ہے۔ یہاں افضل طریقہ کی حکمت بیان کی گئی ہے۔جس طرح نماز کے تحریمہ سے نکلنے کا طریقہ سلام پھیرنا ہے۔اسی طرح احرام سے نکلنے کا طریقہ سر منڈوانا ہے اور یہ طریقہ دو وجہوں سے تجویز کیا گیا۔

پہلی وجہ احرام سے نکلنے کا یہ مناسب طریقہ ہے وقار کے خلاف نہیں ہے۔اس لیے یہ طریقہ متعین کیا گیا ہے کیونکہ اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں منافی احرام عمل کے ذریعہ احرام سے نکل سکتے ہیں تو معلوم نہیں لوگ کیا کیا حرکتیں کرتے۔کوئی جماع کرتا۔کوئی شکار کرتا۔اور کوئی کچھ اور عمل کرتا۔جیسے نماز سے نکلنے میں آزادی دیدی جائے کہ لوگ کوئی بھی منافی نماز عمل کر کے نماز سے نکل سکتے ہیں۔تو لوگ معلوم نہیں کیا کیا مناسب اور نامناسب حرکتیں کر کے نماز سے نکلیں گے۔اس لیے سلام پھیرنے کے ذریعہ نماز سے نکلنا واجب کیا گیا۔کیونکہ یہ ایک باوقار طریقہ ہے اور فی نفسہ بھی ایک ذکر ہے اسی طرح احرام سے نکلنے کے لیے بھی ایسی راہ تجویز کی گئی جو متانت کی منافی نہیں ہے۔

دوسری وجہ احرام میں سر مٹی سے بھر جاتا ہے بالوں کی جڑوں میں میل جم جاتا ہے۔اس لیے سر میل کچیل سے اسی وقت دور ہوسکتا ہے جب کہ سر منڈوا دیا جائے اس لیے یہ افضل ہے۔(رحمۃ اللہ الواسعۃ:ج۴/ص۲۰۷)

نیز جب بادشاہوں کے دربار جاتے ہیں تو صفائی کا خوب اہتمام کرتے ہیں حجاج کرام اِحرام کھول کر طواف زیارت کے لیے دربارے خداوندی میں حاضری دینگے۔پس ان

کو بھی خوب صاف ہو کر حاضر ہونا چاہئے اور سر منڈوانے سے سر کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے۔اس لیے یہ افضل ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سر منڈا کر احرام کھولنے کا اثر کئی دن تک باقی رہتا ہے جب تک بال بڑھ نہیں جائینگے ہر دیکھنے والا محسوس کرے گا۔ کہ اس نے حج کیا ہے پس اس عبادت (حج) کی شان بلند ہوگی اس لیے قصر سے حلق افضل ہے۔ (رحمتہ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۴۸)

جس کے سر پر بال نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال:۔ایک شخص حج کے لیے گیا اس نے کئی عمرے کئے چونکہ ہر روز یا دوسرے روز عمرہ کرتا تھا اس لیے بہت معمولی بال کٹتے تھے۔قریب ایک سوت کے یا اس سے کم نظر آتے تھے۔کیا یہ حلق صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب:۔صورت مسئولہ میں جب پہلے حلق کرانے کی وجہ سے سر پر بال نہیں تو صرف اُسترہ یا اس کے قائم مقام مشین پھیر دینا کافی ہے اور یہ پھیرنا واجب ہے۔اور جو مقدار بال کاٹنے کی پورو ے کے برابر لکھی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ سر پر بال ہوں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۴/ص ۷۰ وہکذ فتاویٰ عالمگیری: ج ۱/ص ۱۴۹)

احرام کھولنے کے لیے کتنے بال کاٹنا ضروری ہے؟

سوال:۔عمرہ پر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد بال کاٹے بغیر احرام کھول دیتے ہیں۔یا بعض لوگ چاروں طرف سے معمولی معمولی بال کاٹ لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سر کے بال کے چوتھائی حصہ کاٹنے کا حکم ہے جو کہ اس طرح پورا ہو جاتا ہے اور بعض لوگ مشین سے کاٹتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ان ان کا احرام اتارنا کیا دم وغیرہ کو لازم کرتا ہے۔یا نہیں اور مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔حج وعمرہ کا احرام کھولنے کے لیے چار صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ ہر ایک کا حکم الگ الگ لکھتا ہوں۔ اول یہ ہے کہ حلق کرایا جائے یعنی استرے سے سر کے سب بال اتار دیئے جائیں۔ یہ صورت سب سے افضل ہے اور حلق کرنے والوں کے لیے

آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ رحمت کی دعاء فرمائی ہے جو شخص حج وعمرہ پر جاکر بھی آنحضرت ﷺ کی دعائیں رحمت سے محرم رہے۔اس کی محرومی کا کیا ٹھکانا؟

اس لیے حج وعمرہ پر جانے والے تمام حضرات کومشورہ دیتاہوں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی دعاء سے محروم نہ رہیں۔ بلکہ حلق کراکراحرام کھولیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قینچی یا مشین سے پورے سر کے بال اتار دیئے جائیں۔ یہ صورت بغیر کراہت کے جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کم سے کم چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے جائیں۔ یہ صورت مکروہ تحریمی اورناجائز ہے۔ کیونکہ ایک حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ مگراس سے احرام کھل جائے گا۔

اب خودسوچیئے کہ جو شخص حج وعمرہ جیسی مقدس عبادت کا خاتمہ ایک ناجائز فعل سے کرتا ہےان کاحج وعمرہ کیا قبول ہوگا؟

چوتھی صورت میں جب کہ چند بال ادھر سے چند ادھر سے کاٹ دیئے جائیں جو چوتھائی سر سے کم ہواس صورت میں احرام نہیں کھلے گا بلکہ آدمی بدستوراحرام میں رہے گا۔ اوراس کوممنوعات احرام کی پابندی لازم ہوگی۔ اورسلا ہوا کپڑا پہننے اور دیگرممنوعات کا ارتکاب کرنے کی صورت میں اس پردم لازم ہوگا۔

آج کل بہت سے ناواقف لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی اسی چوتھی صورت پرعمل کرتے ہیں۔مسئلہ کی روسے یہ لوگ ہمیشہ احرام میں رہتے ہیں اسی احرام کی حالت میں تمام ممنوعات کاارتکاب کرتے ہیں وہ اپنی ناواقفی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ہم نے چند بال کاٹ کراحرام کھول دیاحالانکہ ان کااحرام نہیں کھلااوراحرام کی حالت میں خلاف احرام چیزوں کاارتکاب کرکے اللہ تعالیٰ کے قہراورغضب کومول لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لوگوں میں کوئی ایک آدھ ہوگا جس کاحج وعمرہ شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔باقی لوگ سیر سپاٹا کرکے آجاتے ہیں اورحاجی کہلاتے ہیں۔

عوام کوچاہیئے کہ حج وعمرہ کے مسائل اہل علم سے سیکھیں اوران پرعمل کریں محض دیکھا دیکھی سے کام نہ چلائیں۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۲۴)

کیا تمام سر کے بال برابر کرنا واجب ہے؟

مسئلہ:۔اگر انگلی کے پوروے کی لمبائی کے برابر بال کاٹے جاسکتے ہیں تو چوتھائی سر کے بال پوروے کی لمبائی کے برابر کاٹنے سے حلال ہو جائے گا۔مگر پورے یعنی تمام سر کے بال برابر کرنا واجب ہے(چند بال اِدھر اُدھر سے نہ کاٹے جائیں)۔اور اگر پوروے کی لمبائی کے برابر بال نہ کاٹے جاسکتے ہوں یعنی بال چھوٹے ہوں تو منڈوانا ضروری ہے۔بغیر منڈوائے احرام نہ کھلے گا۔تفصیل بالا کے مطابق سر کے بال کاٹ کر یا منڈوا کر حلال ہوں اور جتنی بار شرعی طریقہ سے حلال ہوئے بغیر احرام کھلا ہے ہر بار کیلئے دم دیں۔اور احرام کھولنے کے بعد محظورات (ممنوعات) احرام میں سے جتنے افعال بھی کئے ہوں ان پر کوئی دم وغیرہ نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۶)

احرام کھولنے کا کیا طریقہ ہے؟

مسئلہ:۔احرام کھولنے کے لیے حلق یعنی استرے سے سر کے بال صاف کر دینا افضل ہے۔اور قصر (بال کتروانا، چھوٹے کروانا) جائز ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احرام کھولنے کے لیے یہ شرط ہے کہ کم سے کم چوتھائی سر کے بال ایک پوروے کے برابر کاٹ دیئے جائیں اگر سر کے بال چھوٹے ہوں اور ایک پوروے سے کم ہوں تو استرے سے صاف کرنا ضروری ہے اس کے بغیر احرام نہیں کھلتا۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۲)

مسئلہ:۔اگر کسی دوا یا صابن وغیرہ سے سر کے بال کو ختم کر دے تب بھی کافی ہے۔نیز اگر سر پر بال ہی نہیں یا گنجا ہے تو صرف استرہ پھیر لینا کافی ہوگا۔اگر سر پر زخم ہو اور استرہ بھی نہ پھیر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۳/ص ۱۸۰ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۱۷۶)

مسئلہ:۔قصر (بال چھوٹے کروانا) اسی وقت ہوسکتا ہے۔جب سر کے بال انگلی کے پوروے کے برابر ہوں لیکن اگر بال اس سے چھوٹے ہوں تو حلق متعین ہے قصر صحیح نہیں۔اس لیے جو حضرات بار بار عمرہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں ان کو لازم ہے کہ ہر عمرہ کے بعد حلق کرایا کریں۔قصر سے انکا احرام نہیں کھلے گا۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۲)

مسئلہ:۔اگر مشین ایسی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا بال بھی کاٹ دیتی ہے تو ٹھیک ہے سب عمرہ درست ہونگے۔ البتہ ایسی حالت میں احتیاط یہ ہے کہ استرہ پھیر دیا کریں۔(جب کہ بال بہت ہی چھوٹے ہوں اور مشین میں نہ آتے ہوں)۔(فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۱۸۳)

مسئلہ:۔اگر کوئی جنگل یا کسی ایسی جگہ میں چلا گیا ہو کہ وہاں پر اُسترہ یا قینچی نہیں ہے۔ تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔ جب تک سر منڈائے یا کتروائے گا نہیں حلال نہیں ہوگا۔

(معلم الحجاج: ص ۱۷۶)

احرام کی حالت میں ایک دوسرے کے بال کاٹنا؟

سوال:۔قربانی سے فارغ ہو کر بال کٹوانے کے لیے ہم نے حجام کو تلاش کیا لیکن کوئی حجام (نائی) نہیں مل سکا۔ اس پر میرے دوست نے خود ہی میرے بال کاٹ دیئے جب کہ وہ احرام میں تھا، تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔احرام کھولنے کی نیت سے محرم یعنی احرام دلانے خود بھی اپنے بال اتار سکتا ہے۔ اور کسی دوسرے محرم کے بال بھی اتار سکتا ہے۔ آپ کے دوست نے آپ کا احرام کھلوانے کے لیے جو آپ کے بال اتادیئے تو ٹھیک کیا اس کے ذمہ دم واجب نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۳)

مسئلہ:۔حلق سے پہلے کے تمام ارکان سے دونوں فارغ ہو چکے ہوں اور اب صرف حلق (بال کاٹنے) ہی باقی ہو تو اس وقت ایک دوسرے کا حلق جائز ہے)۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۲ بحوالہ غنیۃ ص ۹۳ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج ۳/ص ۱۱۵)

مسئلہ:۔احرام کھولنے کے لیے شوہر اپنی بیوی کے اور باپ اپنی بیٹی کے بال کاٹ سکتا ہے۔ عورتیں یہ کام آپس میں خود بھی کر سکتی کرتی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۴)

مسئلہ:۔حاجی متمتع ہو یا قارن یا مفرد، جب وہ حلق سے پہلے کے تمام ارکان ادا کر چکا ہو اور سر منڈا کر حلال ہونے کا وقت آ گیا ہو اسی طرح دوسرا محرم بھی تمام ارکان ادکر چکا ہو تو اب خود اپنے بال کاٹنا یا دوسرے کے بال کاٹنا اس کے حق میں محظورات احرام میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ محرم اپنا خود بھی حلق کر سکتا ہے۔ اور اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال بھی کاٹ سکتا ہے۔

بخاری شریف :ص ۳۸۰ جلد ۱/ ایک میں صلح حدیبیہ کے تعلق سے ہے کہ ''صلح مکمل ہوگئی اور آپ ﷺ نے قربانی کی اور حلق کیا تو آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی قربانی کی اور ایک دوسرے کا حلق کیا باوجود یہ کہ وہ محرم تھے۔'' اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کے بعد محرم ایک دوسرے کا حلق کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ :ج ۸/ص ۲۹۶ غنیۃ المناسک ص ۹۳ و ہکذا معلم الحجاج :ص ۱۹۲ و زبدۃ المناسک ص ۷۷ و فتاویٰ محمودیہ :ج ۱۷/ص ۱۹۲)

حرم سے باہر حلق کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال :۔ایک شخص نے عمرہ کیا اس کے بعد جدہ آگیا اور جدہ میں آکر سر منڈوایا جو کہ حدود حرم سے باہر ہے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب :۔عمرہ یا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے حدود حرم میں حلق یا قصر ضروری ہے اگر حدود حرم سے باہر سر منڈوایا تو دم لازم ہوگا۔

مسئلہ :۔اگر حج یا عمرہ میں حرم سے باہر حلق کیا تو دم دے اور ایسا ہی جو حج میں ایام نحر کے بعد حلق کرے تو دم دے۔

مسئلہ :۔اگر عمرہ کے احرام سے حلال کرنے کے لیے حرم سے باہر سر منڈوایا یا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لیے حرم سے باہر ایام نحر کے بعد سر منڈوایا تو دم واجب ہوگا۔ اور دو دم واجب ہونگے ایک حرم سے باہر سر منڈوانے کا دوسرا تاخیر کا۔ صورت مسئولہ میں جب کہ جدہ میں پہنچ کر سر منڈوایا تو ایک دم لازم ہوگا اور یہ دم حرم میں ہی ذبح کرنا ضروری ہے۔ (منیٰ تمام ذبح گاہ ہے اور اسی طرح مکہ کے گلی کوچے) (فتاویٰ رحیمیہ :ج ۵/ص ۲۳۴ بحوالہ زبدۃ :ج ۲/ص ۸۶ و معلم الحجاج :ص ۲۴۷ و ہدایۃ اولین ص ۲۵۶)

مسئلہ :۔حجامت دسویں سے بارہویں تک کرائیں خواہ دن میں یا رات میں، رمی اور قربانی کے بعد اور بال کٹوانا حرم میں ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر مذکورہ وقت کے اور حرم کے علاوہ کسی دوسرے وقت اور جگہ میں حجامت کرائے گا تو حلال ہو جائے گا۔ لیکن دم واجب ہوگا۔

(معلم الحجاج :ص ۱۷۶)

مسئلہ :۔عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا اگر حدود حرم سے باہر نکل جائے اور پھر حرم واپس آکر

سر منڈ وائے تو کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اگر حاجی ایام نحر کے بعد آ کر سر منڈ وائے تو ایک دم تاخیر کا واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۲۴۷)

مسئلہ:۔ اگر مفرد یا قارن یا متمتع نے رمی سے پہلے سر منڈ وایا، یا قارن اور متمتع نے ذبح سے پہلے سر منڈ وایا یا قارن اور متمتع نے رمی سے پہلے ذبح کیا تو دم واجب ہوگا۔ کیونکہ ان چیزوں میں ترتیب واجب ہے۔ مفرد کیلئے صرف رمی اور سر منڈ وانے میں ترتیب واجب ہے۔ کیونکہ ذبح اس پر واجب نہیں ہے۔ اور قارن اور متمتع کو تینوں یعنی رمی، ذبح اور سر منڈ وانے میں ترتیب واجب ہے۔ اول رمی کریں۔ اس کے بعد ذبح کریں اس کے بعد سر منڈ وائیں۔ اگر تقدیم یا تاخیر کی تو دم واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۲۴۷)

فضائلِ طواف

طواف کی بہت ہی فضیلت ہے اور احادیث میں بہت ترغیب دلائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتے ہیں (جس میں سے) ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے۔ اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لیے اور بیس بیت اللہ کو دیکھنے والوں کے لیے۔'' (طبرانی)

دوسری روایت یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا طواف کرتا ہے وہ ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ایک خطاء معاف کر دیتے ہیں اور ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ (جمع الفوائد و کنز الاعمال)

مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جس قدر ہو سکے طواف کرتے رہو یہ نعمت ہمیشہ میسر نہ ہوگی۔ اکثر اوقات حرم شریف میں گزارو اور بیت اللہ کو دیکھتے رہو، کیونکہ بیت اللہ شریف کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۲۴)

جو محبت وشوق سے بیٹھا ہوا کعبہ شریف کو صرف دیکھ رہا ہے رحمتوں میں حصہ اسے بھی ملتا ہے۔ کیونکہ کعبہ کو محبت کی نظر سے دیکھنا درحقیقت خدا ہی سے محبت کا نتیجہ ہے۔ دوسرے کسی چیز کو دیکھنا خود محبت پیدا کرنے کا ایک مؤثر کامیاب طریقہ ہے۔ کسی چیز کو محبت

کی نظر سے جتنا بار بار دیکھا جاتا ہے اسی قدر اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور دل اس کی طرف کھینچتا ہے۔ اور کعبۃ اللہ کو چونکہ خدا کا گھر ہونے کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے اس لیے اس کو دیکھنا گویا کہ خدا ہی کے تجلیات کا مشاہدہ کرنا ہے۔

(الترغیب والترہیب: ج ۳/ص ۶۴ ومعارف الحدیث)

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے طواف کے سات چکر پورے کئے اور اس دوران کوئی فضول حرکت نہیں کی تو گویا اس نے جان آزاد کردی۔ یعنی ایک غلام کو آزاد کرا کر اپنے پیروں پر کھڑا کر دینے سے جو اجر وثواب ہے۔ طواف کے عمل پر وہی ثواب ہوگا۔ (الترغیب: ج ۳/ص ۶۴)

طواف افضل ہے یا عمرہ کرنا؟

مسئلہ:۔ زیادہ طواف کرنا افضل ہے مگر شرط یہ ہے کہ عمرہ کرنے پر جتنا وقت خرچ ہوتا ہے اتنا وقت یا اس سے زیادہ طواف پر خرچ کر دے۔ ورنہ عمرہ کی جگہ ایک دو طواف کر لینے کو افضل نہیں کہا جاسکتا ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۲۸)

مسئلہ:۔ باہر کے رہنے والوں کے لیے نفلی طواف نفلی نماز سے افضل ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۵۰)

طواف کے علاوہ کندھے ننگے رکھنا؟

سوال:۔ حج یا عمرہ میں جو احرام باندھتے ہیں اس میں اکثر لوگ کندھا کھلا رکھتے ہیں، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ حج وعمرہ کے جس طواف کے بعد صفا ومروہ کی سعی ہو۔ اس طواف میں ''رمل'' اور ''اضطباع'' کیا جائے۔ اور رمل سے مراد ہے کہ پہلوانوں کی طرح کندھے ہلا کر قدرے تیز تیز چلنا (صرف شروع کے تین چکروں میں اگر جگہ وموقع ہو تو) اور اضطباع سے مراد داہنا کندھا کھولنا ہے۔ ایسے طواف کے علاوہ خصوصاً نماز میں کندھے ننگے رکھنا مکروہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۹۰)

مسئلہ:۔ عام حالات میں اضطباع یعنی دائیں بغل سے احرام کی چادر نکال کر بائیں کندھے

پر ڈالنا، نہ کیا جائے۔ خاص کر نماز میں اضطباع نہ کرے۔ جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو۔ اس طواف میں اضطباع مسنون ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۱ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۲۹)

ہوائی جہاز میں بیٹھ کر طواف اور وقوف عرفہ کرنا؟

دو مسئلے ہیں: ایک ہوائی جہاز میں طواف کرنے کا۔ دوسرے ہوائی جہاز میں وقوف عرفہ کرنے کا۔ مذکورہ مسئلوں کے متعلق جو کچھ مجھ کو فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا۔ بشرطیکہ ہوائی جہاز مسجد کی حدود میں داخل رہے۔ لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا۔ جیسا کہ ہوائی جہاز کے علاوہ میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا حکم ہے۔ اور ہوائی جہاز میں سوار ہو کر عرفات میں سے گزرنے سے وقوف عرفہ نہ ہوگا۔ چونکہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت (خانہ کعبہ کے چاروں طرف گھومنا) ہے اور امکان طواف حول البیت (طواف کرنے کی جگہ خانہ کعبہ سے مرتفع (بلند) ہو کر بھی جائز ہے۔ اس لیے ہوائی جہاز میں بشرائط مذکورہ طواف صحیح ہو جائے گا۔ لیکن وقوف عرفہ سے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ زمین سے لیکر آسمان تک وقوف عرفہ ہے بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو زمین کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(امداد الاحکام: ج ۲/ص ۲۰۰ بحوالہ بحرالرائق: ج ۲/ص ۳۳۹ و عالمگیری: ج ۱/ص ۱۴۸)

کیا حج کے احرام کے بعد طواف ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کر کے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے جانا مستحب ہے۔ یہ طواف فرض یا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷/ص ۲۰۷)

طواف کا ایک چکر حطیم میں کر لیا تو؟

سوال:۔ ہم عمرہ کا طواف کر رہے تھے۔ چونکہ جم غفیر تھا اس لیے ہم تیسرے یا چوتھے چکر میں حطیم کے اندر سے گزر گئے۔ پہلے ہم کو علم نہیں ہو سکا جب حطیم کے دوسری طرف سے نکلے تو معلوم ہوا یہ حطیم ہے۔ کیا دم آئے گا؟

جواب:۔آپ پر اور آپ کے دوست پر عمرہ کے طواف کا ایک چکر ادھورا چھوڑنے کی وجہ سے دونوں پر ایک ایک دم واجب ہے۔اور یہ جو قاعدہ ہے کہ قران والے کے ذمہ دو دم ہوتے ہیں وہ یہاں جاری نہیں ہوتا۔دم ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ کسی مکہ جانے والے کے ہاتھ اتنی رقم بھیج دیں جس سے بکرا خریدا جا سکے اور وہ صاحب بکرا خرید کر حدود حرم میں ذبح کرادیں اور گوشت فقراء ومساکین میں تقسیم کردیں۔(غنی اور مالدار لوگ اس گوشت کو نہ کھائیں۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۰۸ وہکذا کتاب الفقہ:ج۱/ص۱۰۷۴)

مسئلہ:۔طواف مسجد کے اندر ہو۔اگر کعبہ کا طواف زمزم یا ستون کے اوپر کی طرف سے کیا جائے تب بھی جائز ہے۔لیکن اگر مسجد کے باہر سے طواف کیا تو یہ طواف درست نہ ہوگا۔

(کتاب الفقہ:ج۱/ص۱۰۷۰)

طواف کے چودہ چکر لگانے کا حکم

سوال:۔ہم نے طواف کے سات چکر کی جگہ چودہ چکر لگا دیئے اور اس کے بعد سعی وغیرہ کی۔کیا یہ عمل درست ہے؟

جواب:۔طواف تو سات ہی شوط (چکر) کا ہوتا ہے گویا آپ نے مسلسل دو طواف کر لئے۔ایسا کرنا نا مناسب تھا۔مگر اس پر کوئی کفارہ یا جرمانہ نہیں۔البتہ آپ کے ذمہ دونوں طوافوں کے دو دوگانہ لازم ہو گئے تھے۔یعنی چار رکعتیں۔اگر آپ نے نہ پڑھی ہو تو اب پڑھ لیں۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۱۲)

مسئلہ:۔اگر قصداً کسی نے آٹھواں چکر کر لیا تو طواف کا اور چھ چکر ملا کر پورا طواف کرنا واجب ہے۔گویا اب دو طواف ہو جائینگے۔

مسئلہ:۔ساتویں چکر کے بعد وہم یا وسوسہ سے آٹھواں چکر بھی طواف کا کر لیا تب بھی اس کو دوسرا طواف پورا کرنا لازم ہے۔(معلم الحجاج:ص۱۳۵)(گویا اس صورت میں دو طواف ہو گئے ہیں۔اس لیے دو رکعت دو طوافوں کی الگ الگ پڑھنا واجب ہے۔)



بغیر وضو کے طواف کر لئے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ مجھے مذی نکل آتی ہے جس کی وجہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے میں نے طواف زیارت کیا۔اور فارغ ہوا تو کپڑے پر مذی کا اثر معلوم ہوا تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔اگر پورا یا اکثر طواف زیارت بے وضو کیا۔تو دم واجب ہے اور اگر نصف سے کم (تین یا اس سے کم چکر) طواف زیارت بلا وضو کیا ہو تو ہر چکر کے لیے آدھا صاع گندم صدقہ کرے اور تمام شوط کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے تو تھوڑا سا کم کردے۔اور اگر ان صورتوں میں وضو کر کے طواف زیارت کا اعادہ کر لیا خواہ ایام نحر میں یا ایام نحر گزرنے کے بعد تو دم کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔طواف قدوم یا طواف وداع یا نفلی طواف بغیر وضو کیا تو ہر شوط کے لے آدھا صاع گیہوں صدقہ کرے۔اس صورت میں بھی اگر تمام شوط کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے۔ تو کچھ تھوڑا سا کم کر دے اور اگر وضو کر کے اعادہ کر لیا تو جزاء ساقط ہو جائے گی۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۲۱ بحوالہ غنیۃ المناسک: ص ۱۴۵ و شامی: ج ۲/ص ۲۸۱ و ہکذا احکام حج: ص ۱۰۰ و معلم الحجاج: ص ۲۲۴ و عمدۃ الفقہ: ج ۴/ص ۵۲۱ و کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۷۷)

دوران طواف وضو ٹوٹ جائے؟

مسئلہ:۔طواف کے لیے وضو شرط ہے اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے دوبارہ طواف کیا جائے اور اگر چار پانچ چکر پورے کر چکا ہو تو وضو کر کے باقی پھیرے پورے کر لے ورنہ نئے سرے سے طواف شروع کرے البتہ سعی کے دوران وضو شرط نہیں ہے۔ اگر بغیر وضو کے سعی کر لی تو ادا ہو جائے گی۔یہی حکم وقوف عرفات کا ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۹ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۱۹ و عمدۃ الفقہ: ص ۱۹۶ و حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۵۵)

طواف میں نیابت کرانا؟

مسئلہ:۔طواف میں اس طرح نیابت جائز نہیں کہ جس کے اوپر طواف لازم ہو اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص طواف کر دے۔ایسی صورت میں جس کی طرف سے طواف کیا جائے گا۔

اوراس کی طرف سے ذمہ داری ساقط نہیں ہوگی اس لیے عذر یا بیماری کی وجہ سے سواری پر طواف کرنا جائز ہے۔(غنیۃ المناسک :ص ۷۰)

(اور جو طواف کرائے اگر وہ اپنے طواف کی نیت بھی کرلے گا تو اس کا بھی طواف ادا ہو جائے گا)۔

ریاحی مریض طواف کیسے کرے؟

سوال:۔ایک شخص کے جبڑوں سے ہروقت خون نکلتا رہتا ہے۔ اور یہ حالت مسلسل جاری ہے علاج کے باوجود افاقہ نہیں اسی طرح ریاحی مریض ہے پیٹ میں ریاح بہت ہو جاتی ہے۔اور یہ مرض بھی مسلسل رہتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ طواف کے دوران یہ عارضہ پیش آئے گا تو طواف کرنا کیسا ہے؟ گناہ تو نہیں؟

جواب:۔اگر معذور ہونے کے تمام شرائط موجود ہوں تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہوا ہے اس عذر کے پیش آنے سے وہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح عذر کی حالت میں وہ نماز پڑھ سکتا ہے ۔ لہٰذا جس طرح وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ معذور طواف بھی کرسکتا ہے۔ اور جس طرح عین نماز میں اس عذر کے پیش آنے سے گنہگار نہیں ہوتا۔اسی طرح طواف کے درمیان اس عذر کے پیش آنے سے وہ معذور شخص گنہگار نہ ہوگا۔ البتہ معذور کا وضو نماز کا وقت نکل جانے سے ٹوٹ جاتا ہے اور طواف کے درمیان کسی نماز کا وقت نکل جائے تو وہ معذور شخص کیا کرے۔ اس مسئلہ کی وضاحت معلم الحجاج :ص ۱۵۱/ میں ہے کہ معذور شخص کو جس کا وضو نہیں ٹھہرتا یا کوئی زخم جاری ہے اس کا وضو چونکہ صرف نماز کے وقت تک رہتا ہے نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوتا ہے اس لیے اگر چار چکروں کے بعد وقت نکل جائے تو دوبارہ وضو کر کے طواف پورا کرے اور اگر چار چکروں سے کم کئے ہیں تب بھی دوبارہ وضو کر کے پورا کرسکتا ہے۔ لیکن چار چکر سے کم کی صورت میں شروع سے کرنا افضل ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ :ج ۸/ص ۳۲۰ بحوالہ عمدۃ الفقہ :ج ۴/ص ۱۹۶ و احسن الفتاویٰ :ج ۴/ص ۵۴۷)

مسئلہ:۔جمع تقدیم کی شرائط اگر موجود ہوں تو معذورِ شرعی میدان عرفات میں ظہر کی نماز کے

ساتھ عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ معذور شرعی کا وضو نماز کا وقت خارج ہونے سے ٹوٹتا ہے۔ اور جمع تقدیم میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ ظہر کا وقت خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا معذور شرعی کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۲۰ و ہدایہ اولین: ص ۵۱۰)

اذان شروع ہونے کے بعد طواف کرنا؟

سوال:۔ کیا اذان شروع ہونے کے بعد طواف شروع کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اذان اور نماز کے درمیان اتنا وقفہ ہو کہ طواف کر سکتا ہے تو اذان کے وقت طواف شروع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۰ و ردالمختار: ج ۲/ص ۲۲۹)

مسئلہ:۔ جماعت کیلئے اقامت ہو رہی ہو اور جب امام خطبہ کیلئے کھڑا ہو اس وقت طواف کرنا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ کسی وقت میں طواف مکروہ نہیں ہے اگرچہ وہ اوقات ہوں جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہوتی ہے۔ (احکام حج: ص ۴۷)

طواف کے دوران ایذا رسانی؟

مسئلہ:۔ حج میں دیکھا گیا ہے کچھ لوگ طواف کے دوران تیز دوڑتے ہیں اور سامنے آنے والوں کو دھکا دے کر آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طواف کے دوران لوگوں کو دھکے دینا بہت برا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۰۰)

مسئلہ:۔ حجر اسود کو بوسہ دینے میں یا ہاتھ لگانے میں اس کا خیال رکھیں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے اگر پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس کو چھوڑ دے کیونکہ حجر اسود کا بوسہ دینا مستحب ہے۔ اور ایذاءِ مسلم حرام ہے۔ (احکام حج: ص ۴۶)

طواف کرنے کا طریقہ

مسئلہ:۔ طواف کے معنی کسی چیز کے گرد گھومنے کے ہیں۔ طواف کی نیت کر کے بیت اللہ کے گرد (چاروں طرف) سات مرتبہ گھومنے کو طواف کہتے ہیں اور ایک چکر کو "شوط" کہتے ہیں بیت اللہ کے سوا کسی چیز یا کسی مقام کا طواف کرنا جائز نہیں ہے۔

طواف کے لیے نیت طواف فرض ہے۔ بغیر نیت کے کتنے ہی چکر لگائے طواف

نہیں ہوگا۔طواف کی نیت (عربی کے علاوہ بھی کسی زبان میں) اس طرح کرے ''یااللہ میں تیری رضاء کے لیے طواف کاارادہ کرتاہوں۔اس کومیرے لیے آسان کردے اورقبول فرما''۔دل سے یہ نیت کرنا فرض ہےاورزبان سے کہہ لینا بھی افضل ہے۔

خانہ کعبہ کے جس کونہ میں حجر اسود لگا ہوا ہے اس کے بالکل سامنے زمین پر ایک کالے رنگ کی پٹی صحن کے فرش پر تقریباً ایک بالشت چوڑی چلی گئی ہے کوہِ صفاء کی طرف گویا یہ نشان بنا ہوا ہے کہ حجر اسود کا سامنا ہے۔آپ مسجد حرام میں چاہے جس دروازہ سے بھی آئیں ہوں اس پٹی پر آ کر ٹھہرنا ہے اور تلبیہ موقوف کرنا ہے۔طواف کی نیت کرنے کے بعد احرام کی چادر کے داہنے پلے کو اپنی داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لیں۔اس کو''اضطباع'' کہتے ہیں اور یہ طواف کے پورا ہونے تک رہے گا۔اوراس پٹی پرآ کراس طرح کھڑے ہونا ہے کہ حجر اسود آپ کے سامنے ہواور آپ اس پٹی سے ذرا سے بائیں جانب کھڑے ہوں داہنا قدم تو پٹی سے ملا ہوا ہواور بایاں قدم اس سے الگ اس طور پر کہ داہنا مونڈھا حجر اسود کے کنارے کے سامنے پڑتا ہواور بدن حجر اسود کے بغل میں بائیں جانب پڑے یعنی آپ حجر اسود کے بالمقابل بنی ہوئی پٹی پراس طرح کھڑے ہو جائیں کہ حجر اسود آپ کے چہرہ کے سامنے ہو جائے پھر (**بسم الله الله اکبر ولله الحمد**) پڑھتے ہوئے اس طرح دونوں ہاتھ اٹھائیں جیسے نماز میں اٹھاتے ہیں۔یعنی دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اوردونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں خانہ کعبہ اورحجر اسود کی طرف رہیں پھر دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دیں اس عمل کواستقبال کہتے ہیں۔اور یہ صرف شروع میں کرنا ہے باقی چکروں میں استقبال نہیں کیا جائے گا یعنی تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نہیں چھوڑے جائیں گے۔بلکہ''استیلام'' کرینگے۔یعنی دونوں ہاتھ حجر اسود کے سامنے اس طرح پھیلائیں کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رخ حجر اسود کی طرف رہے اور ہاتھوں کی پشت اپنے چہرہ کی طرف رکھیں۔

ہاتھ اٹھاتے ہوئے یہ پڑھیں (**بسم الله الله اکبر ولله الحمد**) یہ پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں کو بوسہ دیں اور چومتے وقت چٹخارے کی آواز پیدا نہ ہو۔ اس عمل کو ''استیلام'' کہتے ہیں۔

''استیلام'' سے فارغ ہوکر طواف شروع کردیں اگر آپ کا طواف عمرہ کا طواف ہے۔ اور اس طواف کے بعد آپ کو سعی بھی کرنی ہے۔ اس لیے اس طواف کے شروع کے تین چکروں میں ''رمل'' کرینگے۔ ''رمل'' کا مطلب یہ ہے کہ (اگر ممکن ہو بھیڑ نہ ہو موقع بھی ہو تو) دونوں شانے ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح سینہ تان کر قریب قریب قدم رکھتے ہوئے قدرے تیزی سے چلیں۔ پہلے تین چکروں میں رمل کے بعد آخر کے چار چکروں میں اعتدال کے ساتھ چلیں۔ ان چکروں میں ''رمل'' نہیں کیا جائے گا۔ اور عورتیں کسی بھی چکر میں رمل نہیں کریں گی۔

ہر چکر کے پورا ہونے پر حجر اسود کا ''استیلام'' کرینگے۔ یعنی جب لوٹ کر حجر اسود پر پہنچیں تو پھر (**بسم الله الله اکبر ولله الحمد**) کہہ کر حجر اسود کو بوسہ دینے ہاتھ لگانے اور ہاتھ کو بوسہ دینے کا وہی عمل کریں جو پہلے کیا تھا اس طرح ایک شوط (چکر) پورا ہوگیا اب اسی طرح سات چکر حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود تک کرینگے۔ تو ایک طواف مکمل ہوگا۔ سات چکر پورا کرنے کے بعد آٹھویں مرتبہ بھی حجر اسود کا استیلام یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی حجر اسود کی طرف کر کے ہاتھ چوم لیں گے۔ اور یہ استیلام ہر چکر کے شروع میں ہوگا اور آخری چکر پورا کر کے حجر اسود کا استیلام کر کے واپس جانا ہے۔ گویا ایک طواف میں آٹھ استیلام ہونگے۔ (احکام حج: ص ۴۵ و ہکذا کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۹۵ اور رحمۃ اللہ الواسعہ: ج ۴/ص ۲۰۸)

طواف کے ہر چکر میں نئی دعاء پڑھنا؟

مسئلہ:۔ طواف کے سات چکر ہوتے ہیں اور ہر چکر میں نئی دعا پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ جس دعاء یا ذکر میں خشوع زیادہ ہو۔ اس کو پڑھے۔ آنحضرت ﷺ سے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان: (**ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.**) منقول ہے۔

طواف کے ساتھ چکروں کی دعائیں کتابوں میں جو لکھی ہیں یہ آنحضرت ﷺ سے منقول نہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہیں۔ عام لوگ نہ تو ان کا صحیح تلفظ کر سکتے ہیں۔ نہ ان کے معنی ومفہوم سے واقف ہیں۔ اور پھر طواف کے دوران چلا چلا کر پڑھتے ہیں۔ جس سے

دوسروں کو بھی تشویش ہوتی ہے اور بعض حضرات قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرتے ہیں۔ایسا کرنا نامناسب ہے۔

تیسرا کلمہ۔درود شریف یا کوئی دعا جس میں دل لگے۔زیرِ لب۔(ہلکی آواز جس سے دوسروں کو تکلیف یا تشویش نہ ہو) پڑھتے رہنا چاہئے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۲ و احکام حج: ص ۴۷)

مسئلہ:۔مقامات حج میں کوئی دعاء معین کرانا اچھا نہیں ہے۔جس میں دل لگے اور جس کی ضرورت سمجھے وہ دعاء کرے کیونکہ الفاظِ معینہ کی پابندی سے رقتِ قلب اور خشوع اکثر نہیں رہتا اسلئے بہتر یہ ہے کہ اپنی زبان اور اپنے محاورہ میں دعاء کرے۔(احکام حج: ص ۴۸)

طواف کی مسنون دعائیں کون سی ہیں؟

سوال:۔حج کی کتابوں میں اس طرح نظر آتا ہے کہ طواف اس طرح شروع کرے اور یہ پڑھے، فلاں رکن پر یہ دعاء وغیرہ پڑھے۔کیا یہ دعائیں مسنون ہیں؟

جواب:۔ان دعاؤں میں سے اکثر کی سند ضعیف ہے۔لہٰذا اس کو سنت سمجھنا جائز نہیں۔طواف کی مروجہ دعاؤں کا کوئی ثبوت نہیں ان دعاؤں میں بہت غلو ہونے لگا ہے۔اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں۔

(۱) ان دعاؤں کا عام اہتمام اور دینی اداروں کی طرف سے ان کی روز افزاں اشاعت کے باعث عوام ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں ایسی حالت میں امرِ مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔چہ جائے کہ جس کا ثبوت ہی نہ ہو۔

(۲) اکثر لوگوں کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں۔طواف میں کتاب دیکھ کر پڑھتے ہیں۔اور ازدحام میں کتاب پڑھتے ہوئے چلنے سے خشوع نہیں رہ سکتا۔

(۳) ازدحام میں کتاب پر نظر رکھنا اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی باعث ایذا (تکلیف دہ) ہے۔بالخصوص دعاؤں کی خاطر جتھوں کی صورت میں چلنا سخت تکلیف دہ ہے۔جو حرام ہے۔غیر ثابت امر کی خاطر ارتکاب حرام کیا جاتا ہے۔

(۴) جتھوں کی صورت میں چلا چلا کر دعائیں پڑھنے سے دوسروں کے خشوع میں خلل پڑتا ہے۔

خدا کرے علماء دین کو مفاسد مذکورہ کی طرف التفات ہو اور وہ غیر ثابت دعاؤں کی اشاعت کی بجائے ان سے اجتناب کی تبلیغ میں مصروف ہو کر اپنا فرض ادا کریں۔
(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۴۷)

(۵) عوام دعاؤں کے الفاظ صحیح ادا نہیں کر پاتے تو معلم (یا قافلہ کا بڑا) جتھے کو روک کر الفاظ کہلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ طواف میں ٹھہرنا (بلاضرورت) مکروہ تحریمی ہے علاوہ ازیں اس صورت میں بعض لوگوں کی پشت یعنی پیٹھ یا سینہ بیت اللہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ بھی مکروہ تحریمی ہے اور اسی حالت میں کچھ لوگ اگر آگے سرک گئے تو اتنے حصے کے طواف کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۹)

(مقامات حج یا طواف وغیرہ کے ہر چکر کے لیے دعائیں بعض حضرات نے شائع کی ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور تو ہیں مگر خاص طواف وغیرہ کے لیے نہیں۔ اگر کسی کو یاد ہوں اور ان کو سمجھ کر دعاء کرے تو سبحان اللہ بہت اچھا ہے۔ مگر بہت سے عوام جو کتابیں ہاتھ میں لے کر طواف کی حالت میں ان الفاظ کو بے سمجھے مشکل سے ادا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ جو کچھ اپنی سمجھ میں آئے اپنے محاورے میں اور اپنی ہی مادری زبان میں دعاء کریں۔ اور سب سے فائدہ مند اور آسان قرآنی دعاء جو ہے اس کا ورد اکثر زبان پر رکھیں۔

(ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار) یعنی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی اور بہتری بھی مانگتے ہیں۔ اور آخرت کی بہتری بھی اور عذابِ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس میں لفظ حسنہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے۔ مثلاً دنیا کی حسنہ میں بدن کی صحت، اہل وعیال کی صحت، رزق حلال میں وسعت و برکت دنیاوی سب ضروریات کا پورا ہونا اعمالِ صالحہ۔ اخلاق محمودہ۔ علم نافع۔ عزت و جاہت۔ عقائد کی درستی۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت۔ عبادات میں اخلاصِ کامل سب داخل ہیں۔ اور آخرت کی حسنہ میں جنت اور اس کے بے شمار اور لازوال نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رضاء اور اس کا دیدار یہ سب

چیزیں شامل ہیں۔الغرض یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیاوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں۔ دنیاوآخرت دونوں جہاں میں راحت وسکون میسر آتا ہے۔ آخیر میں خاص طور پراس میں جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔اگر یاد آجائے تو احقر ''محمد رفعت قاسمی'' کو بھی اس موقع پر دعاؤں میں یادرکھیں)۔

طواف کے بعد کی دورکعت کا حکم

مسئلہ:۔طواف کے ہر سات چکر کے بعد دورکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔خواہ وہ طواف فرض ہو۔یاواجب۔یاسنت۔یانفل۔اور نفل یہ ہے۔کہ طواف اور دورکعت نفل بلاانقطاع ادا کئے جائیں جب کہ مکروہ وقت نہ ہو۔اور اگر مکروہ وقت ہوتو بعد میں کسی وقت بھی دورکعت نماز پڑھنا لازم ہے۔خواہ وطن واپس آکر ہی پڑھے۔گویااس میں تاخیر مکروہ نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ:ج۱/ص۱۰۷۵ وہکذا احکام حج:ص۴۹)

مسئلہ:۔اگر کسی نے مکہ مکرمہ میں نماز طواف نہیں پڑھی تواس کوادا کرنا واجب ہے کہ اس کے ذمہ ساقط نہ ہوگی تمام زندگی میں ادا کرسکتا ہے۔(معلم الحجاج:ص۱۳۳ وحج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص۵۳)

(ہر طواف کے بعد دورکعت پڑھنا واجب ہے۔اور حرم شریف میں پڑھنا سنت ہے۔یعنی جہاں پرشکار کرنا جائز نہیں۔اس لیے مسجد حرام کے علاوہ اپنے ہوٹل وقیام گاہ میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔اور اگر دورکعت نفل طواف پڑھنا ہی یاد نہیں رہا بھول گئے اور اپنے وطن پہنچ گئے تو اپنے وطن میں ہی پڑھ لے۔اس پر تاخیر کی وجہ سے کوئی دم وغیرہ نہیں ہوگا واجب اداہوجائے گا۔)۔(محمد رفعت قاسمی)

کیا مقام ابراہیم پر نفل ادا کرنا ضروری ہے؟

سوال:۔بعض یہ جانتے ہوئے کہ مجمع زیادہ ہے مگر مقام ابراہیم پر طواف کی واجب نفل پڑھنے لگتے ہیں۔جس سے ان کو بھی چوٹ وغیرہ لگنے کا اندیشہ ہے۔نیز ضعیف ومستورات کے زخمی ہونے کا احتمال ہے۔کیا یہ نماز ہجوم سے ہٹ کر نہیں پڑھی جاسکتی؟

جواب:۔ہجوم سے ہٹ کر ضرور پڑھی جا سکتی ہے۔ اور اگر مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے سے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مقام ابراہیم پر نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ کسی کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

مسئلہ:۔ اگر جگہ ہو (اور کسی کو تکلیف بھی نہ پہنچے) تو مقام ابراہیم پر طواف کی دو رکعت نفل پڑھنا افضل ہے۔ یا حطیم میں گنجائش ہو تو وہاں پڑھ لے۔ ورنہ کسی جگہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ سارے حرم شریف میں کہیں بھی پڑھے یا مسجد حرم شریف سے باہر اپنے قیام گاہ پر پڑھے تب بھی جائز ہے کوئی کراہت نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۴)

مسئلہ:۔ طواف کے دو رکعت مقام ابراہیم کے پیچھے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مقام ابراہیم نمازی اور بیت اللہ کے درمیان آجائے مقام ابراہیم سے جتنا قریب ہو سکے بہتر ہے اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لوگوں کو تکلیف دے کر آگے پہنچنا جہالت ہے۔

مسئلہ:۔ ازدحام کے وقت بالکل قریب جانے میں اپنے کو تشویش اور دوسرے کو ایذا ہوتی ہو تو اس سے بہتر ہے کہ کچھ فاصلہ سے پڑھ لے۔

مسئلہ:۔ دوگانہ طواف کیلئے جس کو مقام ابراہیم کے قریب جگہ مل جائے تو اسکو چاہئے کہ مختصر قرأت کیساتھ دو رکعت پڑھے اور مختصر دعاء کر کے جگہ چھوڑ دے تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ طویل دعا یا اور نوافل نہ پڑھے۔ (احکام حج: ص ۵۰ حضرت مفتی شفیعؒ)

متعدد طواف کی ایک ساتھ نفل پڑھنا؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لیے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر (مکروہ وقت نکلنے کے) بعد میں ہر طواف کے لیے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۳/ص ۱۸۳ و احکام حج: ص ۵۰)

معذور شخص طواف کے نفل کیسے پڑھے؟

مسئلہ:۔ معذور شخص جیسے فرض نماز پڑھتا ہے ویسے ہی دوگانہ پڑھے۔ یعنی کھڑے ہو کر۔

اگراس کی طاقت واستطاعت نہ ہوتو پھر بیٹھ کر پڑھ لے۔ اور طواف خود یا کسی کے سہارے سے کرے یا وہیل چیر پر جیسے عام معذور لوگ وہاں کرتے ہیں کرے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۱۳)

طواف کے نفل ممنوع اوقات میں پڑھنا؟

مسئلہ:۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ممنوع اوقات یعنی عصر کے بعد سے مغرب تک۔ فجر کے بعد سے اشراق تک اور زوال کے وقت۔ دوگانہ طواف ادا کرنا جائز نہیں ہے اس دوران جتنے طواف کئے ہوں۔ مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد ان کے دوگانہ طواف الگ الگ ادا کرے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۱۴ وفتاویٰ محمودیہ: ج۳/ص۱۸۲)

مسئلہ:۔اگر یہ دوگانہ مکروہ وقت میں پڑھا تو بلا اتفاق ادا نہیں ہوگا۔ درمیان میں مکروہ وقت کا خیال آجائے تو منقطع کردے یعنی توڑ دے اور اگر تمام کرلیا تو مکروہ وقت گزرنے کے بعد دوبارہ پڑھے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۲۷ بحوالہ ردالمختار: ج۱/ص۲۴۶ ومعلم الحجاج: ص۱۳۳)

نفل بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا؟

مسئلہ:۔طواف کے بعد دورکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے۔ اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے پہلے یاد آجائے تو اس کو چھوڑ کر دورکعت پڑھ لے۔ اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آجائے تو یہ طواف پورا کرلے اس کے بعد دورکعت پہلے طواف کے لیے پڑھے اور دورکعت دوسرے طواف کے لیے پڑھے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۳/ص۱۸۳ وہکذا معلم الحجاج: ص۱۳۳)

طواف کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔طواف شروع کرنے سے پہلے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا جیسا کہ نماز میں اٹھاتے ہیں صرف پہلی بار ہے سات بار نہیں ہے۔ ''استیلام'' یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رخ حجر اسود کی طرف رہے گویا حجر اسود پر رکھے ہوئے ہیں۔ اور ہاتھوں کی پشت اپنے چہرہ کی طرف رکھے اس کے بعد ہاتھوں کو بوسہ دینا آٹھ مرتبہ ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۴۶)

مسئلہ:۔حجر اسود کا ''استیلام'' یعنی بوسہ دینا پہلی مرتبہ اور آٹھویں مرتبہ باتفاق سنت مؤکدہ

ہے۔ بیچ والے چکروں میں زیادہ تاکید نہیں ہے۔ (احکام حج: ص ۴۷)

مسئلہ:۔ جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے اسمیں اول کے تین چکروں میں ''رمل'' بھی ہوتا ہے اور جس طواف کے بعد سعی نہیں ہوتی اس میں رمل نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ اگر طواف رمل کیساتھ شروع کیا اور ایک دو چکر کے بعد اتنا ہجوم ہوگیا کہ رمل نہیں کرسکتا تو رمل چھوڑ دے اور طواف پورا کرے۔

مسئلہ:۔ کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے اگر رمل نہیں کرسکتا تو کچھ حرج نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ سارے طواف یعنی ساتوں چکروں میں رمل کرنا مکروہ ہے۔ لیکن کرنے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۴)

(رمل طواف کے شروع کے صرف تین چکروں میں مردوں کے لیے ہے اگر پہلے چکر میں بھول جائے تو صرف دو چکر میں کرے اور اگر دوسرے میں بھی بھول گیا تو صرف تیسرے چکر میں کرے اور اگر تیسرے میں بھی بھول گیا تو اب رمل نہیں ہے۔ جس طرح شروع کے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے۔ اسی طریقے سے آخر کے چار چکروں میں رمل نہ کرنا مسنون ہے۔ یعنی ایک سنت اگر چھوٹ گئی تو دوسری سنت کو نہیں چھوڑنی چاہئے۔ ہاں ''اضطباع'' آخر طواف تک رہے گا۔ اور دو رکعت نماز طواف پڑھتے وقت اضطباع ختم کر کے یعنی مونڈھے ڈھانک کر تب نماز پڑھے لیکن سر کھلا رہے گا کیونکہ حالت احرام میں سر نہیں ڈھانکنا چاہئے۔ غرض یہ کہ اگر رمل یا اضطباع یا استیلام چھوٹ جائے تو کوئی جزاء وغیرہ لازم نہیں ہے)۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ طواف کی جگہ بیت اللہ کے چاروں طرف مسجد کے اندر اندر ہے۔ چاہے بیت اللہ سے قریب ہو یا دور اور چاہے ستون وغیرہ کو درمیان میں لے کر طواف کرے۔ طواف ہوجائے گا۔ نیز اگر کوئی مسجد حرام کی چھت پر چڑھ کر طواف کرے۔ اگرچہ بیت اللہ سے اونچا ہوجائے تب بھی طواف ہوجائے گا۔ لیکن مسجد حرام سے باہر نکل کر اگر طواف کرے گا تو طواف نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۷)

مسئلہ:۔ طواف کرتے وقت سینہ یا پیٹھ بیت اللہ شریف کی طرف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر اسی

حالت میں کچھ فاصلہ (طواف کا) طے کیا تو اتنے کا طواف کا اعادہ واجب ہے۔

مسئلہ:۔ طواف میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھنا مستحب ہے۔ بیت اللہ کی طرف یا کسی دوسری طرف کرنا خلاف استحباب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۴۸ بحوالہ غنیۃ ص ۶۵)

مسئلہ:۔ طواف میں بالکل خاموش رہنا اور کچھ نہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ نیز طواف کرتے وقت دعاء پڑھنا یا دعاء کرنا ہو تو دعاء میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۷)

مسئلہ:۔ طواف کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے ہیں مگر ذکر افضل ہے۔ تلاوت کرنا ہو تو بلند آواز سے نہ کرے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ احکام حج: ص ۴۹)

مسئلہ:۔ ذکر یا دعاء یا قرآن شریف کی تلاوت بلند آواز سے کرنا یا کسی اور وجہ سے آواز کو بلند کرنا جس سے طواف کرنے والوں کو اور نمازی کو تشویش ہو۔ مکروہ ہے۔

(عمدۃ الفقہ: ج ۴/ص ۱۸۹)

مسئلہ:۔ طواف کی ابتداء حجر اسود سے کی جائے۔ اگر کسی نے نہیں کی تو قیام مکہ کے دوران دوبارہ طواف کرنا واجب ہے۔ اور اگر طواف دوبارہ نہ کیا اور حج سے واپس آ گیا تو قربانی دینا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ طواف شروع کرنے کے وقت افضل یہ ہے۔ کہ پورا جسم حجر اسود کے سامنے ہو۔ یہاں تک کوئی حصہ بدن اس کے مقابل ہونے سے نہ رہ جائے۔

مسئلہ:۔ واجبات میں سے ہے کہ باب کعبہ کے قریب دائیں جانب سے طواف کرے اور کعبہ کو اپنی بائیں جانب رکھے۔ کیونکہ کعبہ امام کے مانند ہے۔ اور مقتدی اکیلا ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے۔ اگر طواف اُس نے الٹ کیا یعنی بائیں طرف سے شروع کیا اور کعبہ کو دائیں جانب رکھا تو دوبارہ طواف کرنا یا دم دینا واجب ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۷۴)

مسئلہ:۔ مریض ومعذور کو طواف کرانے کے لیے اجرت پر طواف کرانا جائز ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۶)

مسئلہ:۔ طواف کے لیے لباس۔ بدن اور جگہ کا نجاست سے پاک ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کسی نے طواف کیا اور اس کا لباس تمام نجس تھا تو سنت ترک ہوئی لیکن اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۷۴)

مسئلہ:۔ اگر طواف کرانے والے نے نیت نہیں کی اور طواف کرنے والا معذور بے ہوش نہیں تھا اس نے خود نیت طواف کی کرلی تو طواف ہو گیا اور اگر بے ہوش تھا تو طواف نہیں ہوا۔ طواف کراتے والا نیت کر لیتا تو طواف ہو جاتا۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۶)

مسئلہ:۔ ستر عورت جس طرح نماز میں واجب ہے۔ طواف میں بھی واجب ہے۔ لہٰذا بدن کے جن حصوں کا ڈھکنا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا تو واجب ترک ہو گیا۔ لہٰذا پھر سے طواف کرنا یا قربانی دینا واجب ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ا/ص ۱۰۷۴)

مسئلہ:۔ طواف میں اگر عورت مرد کے ساتھ ہو جائے تو طواف فاسد نہیں ہوتا نہ مرد کا نہ عورت کا۔ (معلم الحجاج: ص ۱۳۶)

مسئلہ:۔ طواف کے درمیان حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے انتظار نہ کریں۔ بلکہ موقع مل جائے تو بہتر ہے ورنہ دوسے ہاتھوں سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو چوم لیں۔ ٹھہریں نہیں۔ کیونکہ طواف کے درمیان ٹھہرنا خلاف سنت ہے۔ البتہ طواف کے شروع میں یا بالکل آخر میں بوسہ کے انتظار میں ٹھہرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۶ کتاب الحج)

طواف زیارت سے پہلے احرام کیوں کھولتا ہے؟

سوال:۔ یہاں پر ایک سوال ذہن میں آتا ہے۔ کہ حج کا اہم رکن طواف زیارت ابھی باقی ہے پھر اس سے پہلے احرام کیوں کھول دیا جاتا ہے؟

جواب:۔ جب لوگ بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتے ہیں۔ تو خوب صفائی کر کے۔ بن سنور کے حاضر ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو طواف زیارت کے لیے اپنا حال درست کر کے حاضر ہونا چاہئے۔ سر گرد سے صاف کرلیں۔ بدن سے میل دور کرلیں۔ اور سلے ہوئے موزوں کپڑے پہن کر دربار خداوندی میں طواف زیارت کے لیے حاضری دیں۔ اسی مقصد سے طواف زیارت سے پہلے احرام کھولنا شروع کیا گیا۔ چنانچہ یہ احرام جزوی طور پر کھلتا ہے۔ یعنی صرف تزین کی حد تک کھلتا ہے۔ بیوی کے ساتھ صحبت کرنے میں ابھی احرام باقی ہے۔ کیونکہ ابھی حج کا ایک اہم رکن طواف زیارت باقی ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۰۸)

طواف زیارت کا وقت؟

سوال:۔کوئی مرد یا عورت کمزوری کی حالت میں ہو۔ دس ذی الحجہ یا گیارہ کو حرم شریف میں بہت ہجوم ہوتا ہے۔ تو کیا یہ سات یا آٹھ ذی الحجہ کو طواف زیارت (مقدم) کر سکتے ہیں؟ نیز اگر تیرہویں یا چودھویں تاریخ کو طواف زیارت کرے تو کیا فرض ادا ہو جائے گا؟

جواب:۔طواف زیارت کا وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ (یوم النحر) کی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے طواف زیارت جائز نہیں ہے۔ اور اس کو بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ادا کر لینا واجب ہے۔ پس اگر بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو گیا۔ اور اس نے طواف زیارت نہیں کیا تو اس کے ذمہ دم لازم آئے گا۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۶۴ و ہکذا احکام حج: ص ۹۷ و معلم الحجاج: ص ۱۷۷)

مسئلہ:۔طواف زیارت حج کا رکن اعظم ہے۔ بارہویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک اسکی ادائیگی کا وقت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۴ و ہکذا کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۶۵)

طوافِ زیارت رمی کے بعد کرنا؟

سوال:۔رمی کے بعد احرام کی حالت میں مسجد حرام میں جا کر طواف زیارت کر لیا جائے اور پھر منیٰ آ کر قربانی اور بال کٹوائے جائیں تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو۔ اس کے لیے تین چیزوں میں ترتیب واجب ہے۔ (۱) جمرہ عقبیٰ کی رمی کرے۔ (۲) پھر قربانی کرے۔ (۳) پھر بال کٹوائے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف کیا تو دم لازم ہوگا۔ لیکن ان تینوں چیزوں کے درمیان اور طواف زیارت کے درمیان ترتیب واجب نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ پس ان تینوں چیزوں سے علی الترتیب فارغ ہو کر طواف زیارت کیلئے جانا سنت ہے۔ لیکن اگر کسی نے ان تین چیزوں سے پہلے طواف زیارت کر لیا تو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ مگر اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۵)

مسئلہ:۔طواف زیارت کو رمی۔ ذبح۔ اور حلق کے بعد کرنا سنت ہے۔ واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص رمی، ذبح اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے تو اس پر دم لازم نہ ہوگا۔ مگر خلاف سنت اور مکروہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۸۳ و معلم الحجاج: ص ۱۹۵)

مسئلہ:۔قربانی سے پہلے طواف زیارت جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ قربانی کے بعد طواف زیارت کرے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۰۵)

طوافِ زیارت کا طریقہ؟

سوال:۔کیا طوافِ زیارت میں رمل، اضطباع اور سعی ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔اگر پہلے سعی نہ کی ہو بلکہ طواف زیارت کے بعد کرنی ہو تو اس میں ''رمل'' ہوگا۔ مگر طواف زیارت عموماً سادہ کپڑے پہن کر ہوتا ہے۔ (کیونکہ حلق و قربانی کے بعد عام کپڑے پہن لیے جاتے ہیں)۔ اس لیے اسمیں اضطباع نہیں ہوگا۔ البتہ اگر احرام کی چادریں نہ اتاری ہوں تو اضطباع بھی کرلیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۶)

مسئلہ:۔طوافِ زیارت کے لیے مستقل احرام کی ضرورت نہیں ہے، جس احرام سے حلال ہوا ہے وہ ہی اس کے لیے کافی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۶۴)

مسئلہ:۔طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا واجب ہے، اور جو شخص اس سعی کو مقدم کر چکا ہے اس کے لیے طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا واجب نہیں ہے۔ (احکام حج: ص ۸۵ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۱۸۷)

ترک طواف زیارت کا حکم

سوال:۔آپ سے دریافت کیا تھا کہ جس شخص نے طواف زیارت عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ تو پھر کیا تدارک ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ طواف زیارت کر لے۔ اب سوال یہ ہے کہ طواف زیارت حج کے موسم میں کرے یا جب چاہے جا کر طواف زیارت کرسکتا ہے؟

جواب:۔جب چاہے طواف کرسکتا ہے۔ نیا احرام باندھے بغیر ویسے ہی جا کر طواف کرے اور تاخیر کی وجہ سے دم دے۔

طواف زیارت سے قبل دوسرے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ بیوی سے صحبت کرنا بھی حرام ہے۔ اگر بیوی سے صحبت کر دی تو دم تاخیر کے علاوہ بدنہ یعنی پوری گائے یا پورا اونٹ بھی واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۲۹ بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص۱۹۸)

مسئلہ:۔ طواف زیارت کسی حال میں نہ فوت ہوتا ہے اور نہ اسکا بدل دے کر ادا سکتا ہے۔ بلکہ آخر عمر تک اسکی ادائیگی فرض رہے گی اور جب تک اسکو ادا نہیں کریگا بیوی سے مباشرت اور بوس وکنار حرام رہے گی۔ (احکام حج: ص۷۹)

مسئلہ:۔ یہ صحیح ہے کہ طواف زیارت نہ کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک طواف زیارت نہ کرے بیوی حلال نہیں ہوتی۔ گویا بیوی کے حق میں احرام باقی ہے۔
(معلم الحجاج: ص۱۰۵)

مواد نکلنے کی حالت میں طواف زیارت کرنا؟

سوال:۔ ایک شخص کے پیر میں چوٹ لگ گئی، ایسی حالت میں طواف زیارت کیا پیر سے پانی یا مواد کبھی کبھی نکلتا جاتا ہے۔ اس کے باوجود طواف زیارت کرلیا۔ تو کیا طواف زیارت ہوگیا یا نہیں؟۔

جواب:۔ ایام نحر کے اندر زخم سے خون بند ہونے کا انتظار کرنا واجب تھا۔ لیکن اگر طواف کرلیا تو ہوگیا۔ لیکن واجب طہارت (پاکی) چھوٹنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ البتہ بعد میں اس طواف کا اعادہ کرلیا تو دم ساقط ہوگیا اگرچہ ایام نحر کے بعد اعادہ کیا ہو۔
(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۲۵ وہکذا احکام حج: ص۱۰۲)

مسئلہ:۔ اگر بدن یا کپڑے پر طواف فرض یا واجب یا نفل کرتے وقت نجاست لگی ہوئی تھی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ لیکن مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر پورا طواف یا اکثر طواف زیارت جنابت (ناپاکی) یا حیض ونفاس کی حالت میں کرلیا تو پورا ایک اونٹ یا پوری گائے، بیل، کٹڑا، واجب ہوگا۔ اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا طواف نفل ان حالتوں میں کیا تو ایک بکری (یا ساتواں حصہ) واجب ہوگی۔ اور ان سب صورتوں میں طہارت کے ساتھ طواف کا اعادہ کرلینے سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔
(معلم الحجاج: ص۲۴۴)

طواف زیارت سے پہلے صحبت کرلی؟

سوال:۔ حج میں غلطی ہوگئی وہ یہ کہ بارہ ذی الحجہ کو آخری کنکریاں مارنے کے بعد، رات کو ہم میاں بیوی نے صحبت کرلی اور ہم نے طوافِ زیارت تیرہ ذی الحجہ کو کیا۔ کیا یہ حج ہوگیا؟

جواب:۔ آپ دونوں کا حج تو بہر حال ہوگیا۔ لیکن حج میں دو جرم کئے۔ ایک طواف زیارت کو بارہویں تاریخ سے مؤخر کرنا اور دوسرا طواف زیارت سے پہلے صحبت کرلینا۔ پہلے جرم پر دونوں کے ذمہ دم لازم آیا۔ یعنی حدود حرم میں دونوں کی طرف سے ایک ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ اور دوسرے جرم پر دونوں کے ذمہ "بڑا دم" لازم آیا۔ یعنی دونوں کی جانب سے ایک ایک اونٹ یا گائے پوری حدود حرم میں ذبح کیا جائے (اور اس کا گوشت صرف فقراء ومساکین ہی کھا سکتے ہیں)۔ اور اس کے علاوہ دونوں کو استغفار بھی کرنا چاہئے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۷)

مسئلہ:۔ حج میں حلق کرانے (بال کٹوانے) کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے تمام ممنوعات احرام جائز ہوجاتے ہیں۔ لیکن میاں بیوی کا تعلق (صحبت) جائز نہیں جب تک کہ طواف زیارت نہ کرلے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۶ وہکذا احکام حج: ص ۷۹)

مسئلہ:۔ اگر وقوفِ عرفات کے بعد سر منڈوانے سے پہلے جماع (صحبت) کرلیا تو حج فاسد نہیں ہوا مگر ایک اونٹ پورا یا پوری سالم گائے ذبح کرنا ہوگا۔

مسئلہ:۔ اور اگر سر منڈوانے سے پہلے جماع (صحبت) کرلیا تو اس صورت میں بھی حج فاسد نہ ہوگا۔ لیکن جزاء میں ایک بکری واجب ہوگی۔ بعض حضرات نے اس صورت میں بھی پورا اونٹ وگائے ہی واجب کہا ہے۔ (احکام حج: ص ۹۸)

مسئلہ:۔ طواف زیارت فرض رکن حج ہے اس طواف کے بغیر احرام سے نہیں نکلتا اور بیوی سے صحبت حلال نہیں ہوتی۔ یہ طواف کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۱)

(نفلی طواف مرحومین اور زندہ حضرات کے لیے بھی کرسکتے ہیں۔ آپ اپنے متعلقین کے لیے طواف کریں تو کم سے کم ایک احقر "محمد رفعت قاسمی" کے لیے بھی کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کا حج۔ عمرہ اور طواف وغیرہ بھی قبول فرمائے۔ آمین)
(محمد رفعت قاسمی)

حجر اسود کی فضیلت

یہ حجر اسود جنت سے آیا ہوا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا گیا تاکہ وہ کعبہ شریف کے کونہ میں اس کو لگا دیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارک میں مزید قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس جگہ پر نصب فرمایا۔

طواف کی ابتداء وانتہاء اسی مبارک پتھر کے مقابل ہوتی ہے۔ تاریخ کے طویل وترین دور میں بے شمار حضرات انبیاءؑ اور خاتم الانبیاء والرسول ﷺ اور لاکھوں صحابۂ کرام واولیاء عظام اور لاتعداد حجاج ومعتمرین کے مبارک ہونٹ اس مبارک پتھر سے ملے ہیں۔ اور اس کے قریب دعاء بھی قبول ہوتی ہے اور قیامت کے دن یہ پتھر (حجر اسود) اپنے بوسہ لینے والوں کے حق میں گواہی دے گا۔ (تاریخ مکہ: ص ۴۵)

حجر اسود کا بوسہ لینے کے آداب

مسئلہ:۔ بوسہ لینے کے لیے کسی کو دھکا یا کوئی تکلیف نہیں دینی چاہئے اس لیے کہ بوسہ لینا سنت ہے جبکہ لوگوں کو ایذا دینا منع ہے۔ لہٰذا سنت پر عمل کرنے کے لیے ممنوع کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے اور ازدحام کی حالت میں ہاتھ یا چھڑی وغیرہ کے ساتھ۔ حجر اسود کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھ یا چھڑی کے بوسہ پر اکتفا کر لینا چاہئے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کا بوسہ بھی لیا ہے اور ازدحام کے وقت اشارہ بھی کیا (جب کہ آنحضرت ﷺ کو بھیڑ میں جگہ مل سکتی تھی اور صحابۂ کرام بخوشی راستہ دیتے لیکن آپ ﷺ نے اشارہ پر ہی اکتفا کیا تاکہ امت بھیڑ کے وقت میں اس سنت پر عمل کر لے)۔ لہٰذا یہ دونوں عمل آپ ﷺ کی مبارک سنت ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حجر اسود پر ازدحام نہ کرو نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ خود کسی کی تکلیف کا نشانہ بنو۔

حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ صرف تکبیر واشارہ پر اکتفا کر لینا اور حجر اسود کا بوسہ نہ لینا میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ کسی کو ایذا دے کر بوسہ لوں، نیز یہ بھی فرماتے ہیں

جب حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے اپنے ہاتھوں کو چومے تو اس میں آواز بلند نہ کریں۔

مسئلہ:۔عورتوں کو مردوں کی بھیڑ میں گھس کر بوسہ لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے البتہ جب بھیڑ نہ ہو تو عورتیں حجر اسود کا بوسہ لے سکتی ہیں۔

مسئلہ:۔حجر اسود کی سیدھ میں جو علامتی پٹی یا لکیر کا نشان مطاف میں ہے اس پر دعاء کے لیے یا نماز کے لیے کھڑے نہ ہونا چاہئے بالخصوص ازدحام کے وقت۔اس لیے کہ ایسا کرنے سے طواف کرنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے۔(تاریخ مکہ:ص ۴۵ بحوالہ اخبار مکہ للفا کہی)

حجر اسود کو بوسہ کیوں دیتے ہیں؟

سوال:۔غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان حجر اسود کو بوسہ دے کر اس کی پوجا (عبادت) کرتے ہیں۔ان کو کیا جواب دیا جائے؟

جواب:۔مذکورہ اعتراض کا جواب آج سے چودہ سال پہلے دیا جا چکا ہے۔نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کے قریب ہو کر فرمایا تھا۔''مجھے معلوم ہے تو ایک پتھر ہے نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔میرا رب تجھے بوسہ دینے کا حکم نہ کرتا تو میں بوسہ نہ دیتا''۔

اسی طرح اس مسئلہ کی تنقیح کرنے والے حضرت عمر فاروقؓ کہ ایک مرتبہ طواف فرما رہے تھے اس وقت کچھ نو مسلم دیہاتی بھی موجود تھے۔حضرت عمرؓ حجر اسود کے قریب پہنچے تو بوسہ دینے سے پہلے ذرا ٹھہر گئے اور فرمایا''میں جانتا ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔(معبود نہیں ہے) نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے۔اور نہ نفع۔اگر میں نے آنحضرت ﷺ کو بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا میں بھی تجھے نہ چومتا۔''

ذرا سوچئے کہ مسلمان حجر اسود کو قابل پرستش اور حاجت روا اور نفع ونقصان کا مالک جانتے ہوتے تو اس طرح کا خطاب کا کیا مطلب؟اس سے مترشح ہوتا ہے۔کہ بوسہ صرف جذبۂ محبت میں دیتے ہیں۔اپنی اولاد کو اور بیوی کو بھی بوسہ دیتے ہیں کیا انہیں معبود اور حاجت روا سمجھ کر بوسہ دیا جاتا ہے؟ہرگز نہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ:ج ۸/ص ۳۲)

مسئلہ:۔کسی چیز کی جو تعظیم وتکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا حکم ہے۔تو وہ تعظیم برحق ہے۔لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع وضرر رساں اور بناء بگاڑ کا مختار یقین

کر کے اس کی تعظیم کی جائے وہ شرک کا ایک شعبہ ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ (معارف الحدیث: ج ۴/ص ۲۵۲ و ہکذا مظاہر حق: ج ۳/ص ۳۱۸)

مسئلہ:۔ حجر اسود دنیاوی سنگ (پتھر) نہیں ہے کہ اس کو اس پر قیاس کیا جائے بلکہ یہ جنت کی محبوب و معظم شئی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو ایسی اہمیت دی ہے۔

(منتخب نظام الفتاویٰ: ج ۱/ص ۱۵۳)

مسئلہ:۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''حجر اسود جنت سے نازل ہوا اور آخرت میں وہ بھی اٹھایا جائے گا۔ اور بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دے گا۔ (کفایت المفتی: ج ۴/ص ۳۳۲)

حدیث شریف میں ہے کہ حجر اسود ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب و محبت کے ساتھ اس کو بلا واسطہ چومتا ہے اور اسکا استیلام کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اسکو دیکھنے والی اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کر دیگا۔ اور وہ ان بندوں کے حق میں گواہی دے گا۔ جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ اس کا استیلام کرتے تھے۔ (معارف الحدیث: ج ۴/ص ۲۵۱ و ہکذا مظاہر حق: ج ۳/ص ۳۱۴)

کیا حجر اسود جنت سے سفید آیا تھا؟

سوال:۔ میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے حجر اسود لوگوں کی کو کثرتِ گناہوں کی وجہ سے کالا ہو گیا۔ تو کیا یہ جنت سے آیا تھا۔ اس وقت اس کو حجر اسود نہ کہتے تھے۔ کیونکہ اسود کے معنی ہیں ''کالا''؟

جواب:۔ جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ترمذی، نسائی وغیرہ میں ہے۔ اس کو صحیح حسن کہا ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ اس وقت سفید رنگ کا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ نازل ہوا ہوگا اس وقت اس کو ''حجر اسود'' نہ کہتے ہونگے (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۶)

حجر اسود اور رکن یمانی کا بوسہ لینا؟

مسئلہ:۔ حجر اسود کا استیلام سنت ہے بشرطیکہ بوسہ لینے سے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو ایذا نہ ہو۔ اگر اس میں دھکم پیل کی نوبت آئے اور کسی مسلمان کو ایذا پہنچے تو یہ فعل حرام ہے، اور طواف

میں فعل حرام کا ارتکاب کرنا اور اپنی اور دوسروں کی جان کو خطرے میں ڈالنا بہت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ اگر آدمی آسانی سے حجر اسود تک پہنچ سکے تو اس کو چوم لے ورنہ دور سے اپنے ہاتھوں کو چوم لے۔ اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور رکن یمانی کو بوسہ نہیں دیا جاتا۔ نہ اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر چلتے چلتے اس کو داہنا ہاتھ لگانے کی گنجائش ہو تو ہاتھ لگا دے اور ہاتھ کو بھی نہ چومے اور اگر ہاتھ نہ لگا سکے تو بغیر اشارہ کئے گزر جائے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۰ و ہکذا احکام حج: ص ۴۶)

مسئلہ:۔ جب حجر اسود کی طرف منہ کریں تو اسی حالت میں دائیں جانب کو ہرگز نہ سر میں بلکہ وہیں دائیں طرف کو گھوم جائیں اور پھر آگے چلیں۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۷)

مسئلہ:۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت چاندی کے حلقہ پر ہاتھ نہ ٹیکیں۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۷)

مسئلہ:۔ صرف حجر اسود کا بوسہ لیا جا سکتا ہے۔ بیت اللہ کی دیوار وغیرہ یا کسی اور جگہ کا چومنا ادب کے خلاف ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۲ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۳۵۱)

مسئلہ:۔ حجر اسود یا ملتزم پر اگر خوشبو لگی ہو تو محرم (احرام والے) کو اس کا چھونا جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۸۸)

مسئلہ:۔ حجر اسود کا بوسہ اس حالت میں جائز نہیں جب کہ بھیڑ کی وجہ سے اپنے نفس کا یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو۔ اور عورتوں کیلئے اس حال میں حجر اسود چومنا بالکل حرام ہے جب کہ اجنبی مردوں کیساتھ جسم لگنے کا احتمال ہو۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۶)

(حجر اسود والے کونے اور کالی پٹی سے طواف شروع ہو کر اور یہیں پر آکر ایک چکر ہوتا ہے۔ اور طواف ختم بھی یہیں پر ہوتا ہے۔ کعبۃ اللہ کے تین کونوں کے چکر لگانے کے بعد جب چوتھے کونے پر پہنچیں گے اس کا نام "رکن یمانی" ہے۔ رکن یمانی کو دونوں ہاتھوں سے یا صرف دائیں ہاتھ سے چھونا سنت ہے، جب کہ دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر وہاں تک پہنچنا ممکن ہو ورنہ بغیر ہاتھ لگائے ہی وہاں سے گزر جائے اور اسکی طرف ہاتھ کا اشارہ بھی نہ کرے۔ جیسا کہ بعض حضرات اسکا استیلام کرتے ہیں۔ اور ہاتھوں کو چومتے ہیں۔ یہ غلط طریقہ اور خلاف سنت ہے۔

اگر ہاتھ لگانا ممکن نہیں ہے۔ تو صرف وہاں پر سے گزرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرامؓ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے صرف (ربنا آتنافی الدنیاحسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار) پڑھتے ہوئے گزر جائے۔ اس میں سب کچھ مانگ لیا گیا ہے۔ اور اس کے الفاظ نہایت مختصر ہیں۔ پس اس مختصر وقفہ کے لیے یہی دعا مناسب ہے۔ یعنی رکن یمانی سے چل کر حجر اسود تک پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اسلئے اس موقع پر یہی مختصر دعا مناسب ہے)۔ (محمد رفعت قاسمی)۔

حجر اسود کی توہین کا حکم؟

سوال:۔ ایک خاتون نے حج سے آ کر بتایا دوران حج سنگ اسود کا بوسہ دینے کے لیے جب میں گئی تو وہاں پر لوگوں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھ کر مجھ کو گھن آئی۔ میں نے بوسہ نہیں دیا۔ ایسی عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر اس عورت نے حجر اسود کی توہین و بے عزتی کے ارتکاب کی نیت سے یہ گفتگو کی ہو اور اس کا مقصد حجر اسود کی توہین ہو اور بوسہ دینے کے عمل سے نفرت ہو تو یہ کلمہ کفر ہے۔ اس پر تجدید ایمان واجب ہے۔ اور اس کا نکاح شوہر سے ٹوٹ گیا۔ اور اگر اس کا ارادہ یہ ہو کہ چونکہ اس پر لوگوں کا لعاب وتھوک پڑتا ہے۔ جو قابل نفرت ہے۔ یا اس کا مقصد تکبر کی بناء پر لوگوں کی اہانت ہے تو کفر کا حکم نہیں ہوگا۔ لیکن بدترین قسم کا فسق ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اس عورت پر توبہ واجب ہے۔

اور اگر اس خاتون کو اس بات سے گھن آئی کہ سب مرد۔ عورتیں۔ اکٹھے بوسے دے رہے ہیں۔ اور اس کو حیا مانع آئی کہ وہ مردوں کے مجمع میں گھس کر بوسہ دے تو اس کا یہ فعل بلاشبہ صحیح ہے۔ اور کسی مسلمان کے قول وعمل کو حتی الواسع اچھے معنی پر ہی محمول کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۱)

مسئلہ:۔ حجر اسود کا بوسہ نہ لینے سے کفارہ جنایت بھی لازم نہ آئے گا اور فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔ (منتخب نظام الفتاویٰ: ۱/ص ۱۵۲)

حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے پتھر ہیں جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو حکمت

الٰہی نے چاہا کہ ان پر دنیاوی زندگی کے احکام مرتب ہوں۔ کیونکہ جگہ کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آتی ہے۔ ایک اقلیم کا آدمی دوسری اقلیم میں جا بستا ہے تو رنگ، مزاج، اور قد وغیرہ میں تبدیلی آجاتی ہے۔ چنانچہ زمین میں اتارنے کے بعد انکی روشنی مٹادی گئی اور وہ زمین کے پتھروں جیسے نظر آنے لگے۔ اس صورت میں ان کی فضیلت کی وجہ انکا جنتی پتھر ہونا ہے۔

(رحمتہ اللہ الواسعۃ: ج۴/ص۲۴۲)

زمزم کی فضیلت وآداب

بیت اللہ سے مشرق کی جانب ایک تاریخی کنواں ہے۔ جس کو زمزم کہتے ہیں حدیث شریف میں اس کنوئیں کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے پانی کی بھی بڑی برکت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو مکہ کے بے آب وگیاہ ریگستان میں لاکر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کھا کر اس چٹیل میدان میں ان کے لیے زمین کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے (ھی ھزمة جبریل وسقیا اسمٰعیل.) (دار قطنی) یہ جبرائیلؑ کا کھودا ہوا کنواں اور اسماعیلؑ کا سقادہ ہے۔

طواف کے بعد یا سعی صفا ومروہ اور بال کٹوانے سے فارغ ہوکر زمزم کا پانی خوب ہی پیٹ بھر کر پینا چاہئے۔

زمزم کا پانی اس افراط کے ساتھ پینا کہ پسلیاں تن جائے۔ ایمان کی علامت ہے ایمان سے محروم منافق اتنا نہیں پی لیتا کہ اس کی پسلیاں تن سکے۔ ابن ماجہ میں آپ میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ "ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک امتیازی علامت یہ ہے کہ منافق زمزم کا پانی اتنا پیٹ بھر کر نہیں پیتے کہ ان کی پسلیاں تن جائیں"۔ آبِ زمزم کی فضیلت وبرکت بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ "آبِ زمزم جس مقصد سے پیا جائے۔ وہ اسی مقصد کے لیے مفید ہو جاتا ہے۔ شفاء کے لیے پیو تو اللہ تعالیٰ شفاء بخشے گا۔ پیٹ بھرنے اور آسودہ ہونے کے لیے پیو تو خدا تمہیں آسودہ کردے گا۔ پیاس

بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا۔ یہ وہ کنواں ہے جس کو جبرائیلؑ نے اپنی ٹھوکر کی قوت سے ”اللہ کے حکم سے“ کھودا تھا اور یہ اسماعیلؑ کی سبیل ہے۔ (دار قطنی)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”روئے زمین کے ہر پانی سے زیادہ افضل زمزم کا پانی ہے یہ بھوکے کیلئے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفاء ہے۔“ (ابن ماجہ)

مسئلہ:۔آبِ زمزم کثرت سے پینا مستحب اور ایمان کی علامت ہے نیز زمزم کو قربت کی نیت سے دیکھنا بھی عبادت ہے جیسے کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۳۰۳ و ہکذا تاریخ مکہ: ۸۵)

آبِ زمزم پینے کا طریقہ

سوال:۔ زمزم کے متعلق حدیث شریف میں حکم ہے کھڑے ہوکر پیا جائے عرض یہ ہے کہ یہ حکم صرف حج وعمرہ ادا کرتے وقت ہے یا کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ؟

جواب:۔ آبِ زمزم کھڑے ہوکر اور قبلہ رخ ہوکر پینا مستحب ہے حج وعمرہ کی تخصیص نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۱۶)

مسئلہ:۔ وضو کا بچا ہوا پانی اور زمزم کے پانی کو کھڑے ہوکر پینے کی کراہت واستحباب میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ بلا کراہت جائز ہے۔ (کھڑے ہوکر پینا) مگر مستحب نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۲۰ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۰۲ و ج ۱/ص ۱۲۱)

مسئلہ:۔ زمزم پیتے ہوئے یہ دعاء پڑھے: ”اللھم انی اسئلک رزقا واسعا وعلما نافعا وشفاء من کل داء“ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۷۶ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۱۹۷)

آبِ زمزم اپنے ساتھ لانا؟

سوال:۔ زمزم شریف کو اپنے ساتھ متبرک سمجھ کر حجاج کرام اپنے وطن لاتے ہیں، کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے ”ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنے ساتھ زمزم لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ زمزم شریف لے جاتی تھے“

(ترمذی شریف کتاب الحج: ج ۱/ص ۱۱۵)

اس سے ثابت ہوا کہ حجاج کرام کا زمزم لانا جائز ہے اور باعث برکت، اس پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص ۲۹۸)

مسئلہ:۔ آبِ زمزم سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔ تبرکاً (حرم شریف میں) زمزم سے وضو یا غسل کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص ۲۲۳، بحوالہ ردالمختار: ج۲/ص ۵۲ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۳۰۲)

مسئلہ:۔ کسی ناپاک چیز کو آبِ زمزم سے نہ دھویا جائے کپڑا ہو یا کوئی اور ناپاک چیز اور جنبی یعنی ناپاک شخص کو اس سے غسل بھی نہ کرنا چاہئے۔

مسئلہ:۔ آبِ زمزم کا کنواں مسجد کے اندر ہے اس کے چاروں طرف کی زمین مسجد ہے اس لیے اس میں ناپاکی کا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز اس طرح تھوکنا یا ناک کی ریزش ڈالنا یا جنابت کی حالت میں داخل ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ (ردالمختار: ج۱/ص ۶۹۱، احکام حج)

سعی کیا ہے؟

مسئلہ:۔ صفا و مروہ کی دو پہاڑیاں جو مسجد حرام کے قریب ہی ہیں۔ (اب مسجد حرام میں ہی شامل کرلیا گیا) ''سعی'' کے لفظی معنی دوڑنے کے ہیں۔ اور شرعاً صفا و مروہ کے درمیان مخصوص طریقہ پر سات چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں۔ یہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ ہاجرہؓ کے ایک خاص عمل کی یادگار ہے اور عمرہ اور حج دونوں میں یہ سعی کرنا واجب ہے (احکام حج: ص ۵۳)

مسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ) کی لمبائی ۳۹۴،۵ میٹر ہے۔ یہ پیمائش صفا کی بلندی پر دیوار سے شروع ہوکر مروہ کی بلندی پر دیوار تک ہے۔ مسعی پٹی کا عرض (چوڑائی) بیس میٹر ہے۔ (تاریخ مکہ: ص ۹۴)

سعی کے شرائط وآداب

مسئلہ:۔ سعی کا طواف کے بعد ہونا شرط ہے۔ اگر کوئی طواف سے پہلے سعی کرلے تو وہ سعی معتبر نہیں طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنی ہوگی۔

مسئلہ:۔ سعی طواف کے بعد فوراً کرنا ضروری نہیں۔ مگر طواف کے متصل کرنا سنت ہے۔ اگر تکان یا کسی دوسری ضرورت کی وجہ سے درمیان میں کچھ وقفہ کرلے تو مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:۔ جو سعی وقوف عرفات کے بعد طواف زیارت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس میں احرام

شرط نہیں بلکہ افضل و مستحب یہ ہے کہ۔ دسویں تاریخ کو منیٰ میں قربانی اور حلق کر کے احرام کھول لینے کے بعد طواف زیارت کرے۔ اگر چہ یہ بھی جائز ہے۔ کہ احرام کھولنے سے پہلے طواف زیارت کرے لیکن حج کی جو سعی وقوف عرفات سے پہلے کی جائے۔ اس میں احرام شرط ہے۔ اسی طرح عمرہ کی سعی کے لیے بھی احرام شرط ہے۔

مسئلہ:۔ سعی پیدل کرنا واجب ہے کوئی عذر ہو تو سواری وغیرہ پر بھی کر سکتے ہیں۔ اگر بلا عذر کے سواری پر سعی کی تو دم یعنی قربانی واجب ہے۔ (احکام حج: ص۵۴)

سعی میں تاخیر اور چکروں میں فاصلہ کرنا؟

مسئلہ:۔ سعی ہمارے نزدیک واجب ہے۔ طواف کے بعد فوراً کرنا سنت ہے۔ واجب نہیں۔ اگر کسی عذر یا تکان کی وجہ سے فوراً طواف کے بعد سعی نہ کر سکے تو مضائقہ نہیں بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔ (معلم الحجاج: ص۴۳ او کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۷۷)

مسئلہ:۔ طوافِ زیارت، حلق، رمی، قربانی۔ حج کے یہ سارے اعمال ایام نحر کے اندر اندر کرنا واجب ہے۔ لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی کا ایام نحر کے اندر کرنا لازم نہیں بلکہ بعد میں کرنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا اگر کسی عذر یا تھکاوٹ دور کرنے کے لیے آرام کرنا چاہے تو آرام کر سکتا ہے۔ آج نہیں تو کل یا دس پندرہ دن کے بعد بھی سعی کرنا جائز ہے اسی طرح سعی کے ساتوں چکروں کو پے در پے (مسلسل) کرنا سنت ہے۔ واجب نہیں لہٰذا اگر چند چکر کے بعد تھکاوٹ کی وجہ سے بقیہ چکر کو موقوف کر دیا اور بعد میں کسی موقع پر ان چکروں کی تکمیل کی جائے تو سعی مکمل اور صحیح ہو جائے گی اور اس پر کوئی جرمانہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے متفرق طور پر سعی کی مثلاً ایک دن میں سعی کا ایک چکر اور سات دن میں سات چکر کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن ایسا کرنا عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ اور بلا عذر خلاف سنت ہے۔ (غنیۃ المناسک: ص۶۸ و ہکذا معلم الحجاج: ص۱۴۷/ واحکام الحج: ص۴۳)

(سعی کے مکمل ہونے کے بعد ہی حلال ہوگا اس وقت تک ممنوعات احرام سے بچنا لازم ہے)۔



سعی کرنے کا مسنون طریقہ

جس طواف کے بعد سعی ہو تو چاہئے کہ طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کا ''استیلام'' کرے جیسے طواف کے شروع میں اور طواف کے آخیر میں استیلام کیا تھا (ہاتھوں کو حجر اسود کے مقابل کر کے ان کو بوسہ دے اور (بسم اللہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ) کہے یہ دونوں استیلام ایک مرتبہ سعی کرنے والوں کے لیے مستحب ہے۔ استیلام کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق باب الصفاء سے باہر آئے اور کسی دوسرے دروازے سے جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ کہ پھر صفاء پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ شریف بھی نظر آسکے پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر سعی کی نیت اس طرح کرے۔ کہ ''یا اللہ میں آپ کی رضا کے لیے صفا و مروہ کے درمیان سات چکر سعی کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لیے آسان اور قبول فرمائے۔ (نیت زبان سے یا دل میں کسی بھی زبان میں کر سکتا ہے عربی زبان میں ضروری نہیں) اور یہ نیت دل میں کرنا کافی ہے۔ مگر زبان سے بھی کہنا افضل ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے جیسے دعاء میں اٹھائے جاتے ہیں۔ (نماز تکبیر تحریمہ کی طرح نہ اٹھائے جیسے بہت سے ناواقف لوگ کرتے ہیں)۔ اور تکبیر و تہلیل یعنی (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت و ھو علیٰ کل شیء قدیر.) بلند آواز سے کہے اور درود شریف آہستہ آواز سے پڑھے پھر خوب خشوع و خضوع سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دعاء مانگے یہ بھی قبولیتِ دعاء کا مقام ہے اور جو چاہے دعاء مانگے۔ اور دعاء مانگنا سعی کے آداب میں ہے۔

اب سعی شروع کرے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ اضطباع کیا تھا یہ اضطباع ختم ہو گیا طواف کی دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے پہلے۔ لہٰذا اسی حال میں یعنی مونڈھا ڈھکے ہوئے کی حالت میں سعی کرے۔ لوگوں کو دیکھا دیکھی میں اضطباع نہ کرے۔ پھر ذکر کرتا ہوا صفا سے مروہ کی طرف چلے تھوڑی دور چل کر دہ ہرے نشانات آجائیں گے جس کو کتابوں میں ''میلین اخضرین'' کہا گیا ہے۔ اب وہاں نہ ستون ہے۔ نہ پتھر ہے اب تو صرف ہرے رنگ کی ٹیوب لائٹ کی پٹی دیواروں اور چھت پر نظر آئے گی۔ یہ ٹیوب لائٹ کی ہری پٹی

دوجگہ چھت پر ہیں۔ ان دونوں جگہوں کے درمیان۔ یہاں پر صرف مردوں کو جب یہ کچھ فاصلہ پررہ جائے تو دوڑ کر چلے مگر متوسط طریقے سے دوڑے (عورتوں کو دوڑنا نہیں ہے)۔ جب دونوں میلوں سے نکل جائے تواس کے بعد مروہ تک کی مسافت اپنی چال اور میانہ روی سے چل کر پورا کرنا ہے۔ یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے۔ اور کشادہ جگہ پر رک جائے ذرا داہنی جانب کو مائل ہوکر خوب بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہواور پھر جس طرح صفا پر ذکراور دعاء کی تھی یہاں پر بھی کرے۔ یہاں بھی دعاء قبول ہوتی ہے۔ یہ صفا سے مروہ تک ایک شوط (چکر) ہوگیااس کے بعد مروہ سے پھر صفا کی طرف چلے اور دونوں میلوں کے درمیان پہلے کی طرح مرد دوڑ کر چلیں اور پھر صفا پر پہنچ کر پھر اسی طرح دعاء اور ذکر کریں جیسے شروع میں کیا تھا۔ یہ مروہ سے صفا تک دو پھیرے ہوگئے۔ اسی طرح سات پھیرے کرے۔ پھر سعی کے ساتھ پھیرے پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز نفل مسجد حرام میں پڑھے۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز جو ہے وہ واجب ہے لیکن سعی کے بعد دو رکعت نماز مستحب ہے۔ اگر کسی نے نہیں پڑھی تو قضا نہیں کرنی۔ نیز یہ نماز مروہ پر ادا نہیں کرنی بلکہ مسجد حرام میں پڑھنی ہے۔

مسئلہ:۔ طواف میں ایک شوط مکمل ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف ایک چکر لگانے کے بعد اور سعی میں صفا سے مروہ تک ایک شوط اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط ہوتا ہے۔ پورا پھیرا کرنے کا نام شوط نہیں ہے۔ (احکام حج: ص ۵۶ و ہکذا معلم الحجاج: ص ۱۴۲ و کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۷۵)

صفا کے بجائے مروہ سے سعی کرنا؟

مسئلہ:۔ صفا سے سعی کرنا واجب ہے اگر بجائے صفا کے مروہ سے سعی شروع کی تو واجب چھوٹنے کی وجہ سے پہلا چکر غیر معتبر ہے۔ اس کے بعد سات چکر پورے کرلے۔ اگر اس وقت ساتواں چکر نہیں کیا تو بعد میں جب چاہے ایک چکر کر لے۔ البتہ سعی حج کی تکمیل سے قبل وقوف عرفات کرلیا۔ تو پوری سعی دوبارہ کرے۔ اگر نہیں کی تو دم واجب ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۱۸ و حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۵۸)

مسئلہ:۔ سعی صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا ہے۔ اگر مروہ سے کسی نے ابتداء کی تو یہ پھیرا سعی کا شمار نہ ہوگا بلکہ صفا سے لوٹ کر آئے گا۔ تو سعی شروع ہوگی اور سات چکر اس

پھیرے کے علاوہ کرنے ہونگے۔ جو مروہ سے شروع کیا تھا۔ (معلم الحجاج: ص۱۴۶)
مسئلہ:۔ سعی کو صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا واجب ہے۔ (معلم الحجاج: ص۱۴۴)
مسئلہ:۔ نفلی طواف تو ہوتا ہے لیکن نفلی سعی نہیں ہوتی۔ (معلم الحجاج: ص۱۵۰)

سعی کی غلطی کا حکم

مسئلہ:۔ اگر پوری سعی یا اکثر چکر سعی کے بلا عذر ترک کئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو حج ہو گیا۔ لیکن دم واجب ہوگا اور پیدل اعادہ کرنے سے دم ساقط ہو جائے گا اور اگر عذر کی وجہ سے سوار ہو کر سعی کی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر ایک یا دو تین چکر سعی کے چھوڑ دیئے یا بلا عذر سوار ہو کر کئے تو ہر چکر کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔ (احکام حج: ص۱۰۳)
مسئلہ:۔ سعی کا ایک چکر چھوڑ دیا تو صدقہ دے۔ اسی طرح دو یا تین چکر چھوڑ دیئے تو ہر چکر کے عوض میں صدقہ واجب ہے۔ چار یا اس سے زیادہ چکر چھوڑنے پر دم لازم ہے۔
(احسن الفتاوی: ج۴/ص۵۱۸ و ہکذا حج بیت اللہ کے اہم فتاوی: ص۵۸)

سعی مقدم کرنا

مسئلہ:۔ اگر حاجی ازدحام (بھیڑ) سے بچنے کے لیے ساتویں، آٹھویں، ذی الحجہ کو منیٰ روانہ ہونے سے قبل سعی سے فراغت پانا چاہتا ہے۔ تو سعی سے فارغ ہو جانا بلا کراہت جائز ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سعی سے قبل احرام باندھ کر ایک نفلی طواف کرے۔ کیونکہ ہر سعی سے پہلے ایک نفلی طواف کا ہونا بھی شرط ہے۔ اور اس طواف میں مردوں کے لیے احرام کی چادر کا اضطباع کرنا اور دوران طواف رمل کرنا بھی مسنون ہے۔ اگر سعی مقدم نہیں کرتا تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے۔ (معلم الحجاج: ص۲۲۱ بحوالہ اوجز المناسک: ج۳/ص۳۶۷)

سعی کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔ اگر سواری پر سعی کر رہا ہے یعنی وہیل چیر وغیرہ پر تو دونوں سبز میلوں کے درمیان سواری کو تیز کر دے بشرطیکہ دوسرے لوگوں کو اس سے تکلیف وایذا نہ پہنچے۔ اور نہ اپنے کو تکلیف ہو۔
مسئلہ:۔ پیدل یا سواری کا دوڑانا سعی میں اس حد تک سنت ہے۔ کہ دوسروں کو تکلیف دینے

کا سبب نہ بنے۔ (احکام حج: ص ۵۷)

مسئلہ:۔ میلین اخضرین (سبز ٹیوب) کے درمیان زیادہ تیز دوڑنا مسنون نہیں بلکہ متوسط طریقے سے اتنا تیز چلنا چاہئے کہ رمل سے زیادہ اور بہت دوڑنے سے کم رفتار ہو۔

مسئلہ:۔ میلین کے درمیان ہر چکر میں جھپٹ کر تیز چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ:۔ میلین کے درمیان جھپٹ کر نہ چلنا یا تمام سعی میں جھپٹ کر چلنا برا ہے لیکن اس سے دم صدقہ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ اگر ہجوم کی وجہ سے میلین کے درمیان دوڑنے میں دوسروں کو یا اپنے نفس کو تکلیف ہو تو دوڑنا سنت نہیں ہے۔ جہاں موقع پائے دوڑے یا تیز چلنے والوں کی طرح حرکت کرے۔
(معلم الحجاج: ص ۱۴۵)

مسئلہ:۔ اگر سعی کرتے ہوئے جماعت کھڑی ہو جائے۔ یا نماز جنازہ ہونے لگے تو سعی چھوڑ کر نماز میں شریک ہو جائے اور پھیرے بعد میں پورے کرلے۔ اسی طرح اگر کوئی عذر پیش آجائے تو باقی پھیرے پھر پورے کرسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ جائز بات چیت کرنا جو مشغول کرنے والا اور خشوع وخضوع کے منافی نہ ہو اور ایسا کھانا پینا جو سعی کے چکروں میں موجب فصل نہ ہو مباح ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۴۹)
(طواف وسعی نماز کی طرح نہیں ہے کہ ضروری بات چیت وغیرہ سے ٹوٹ جائے۔)

مسئلہ:۔ سعی کے سات چکر ہیں صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوتا ہے۔ اور مروہ سے صفا تک دوسرا یہ چکر ہوتا ہے۔ اسی طرح سات چکر ہونے چاہئیں۔ (معلم الحجاج: ص ۱۴۴)

مسئلہ:۔ خود سعی کرنا اگر چہ (معذوری میں) کسی سواری پر سوار ہو کر کرے نیز سعی میں نیابت جائز نہیں ہے۔ مگر یہ احرام سے پہلے کوئی شخص بے ہوش ہو گیا تو اس کی طرف سے دوسرا شخص سعی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ سعی کے وقت تک ہوش نہ آیا ہو۔ (معلم الحجاج: ص ۱۴۶)

مسئلہ:۔ ستر عورت یعنی ناف سے مردوں کو گھٹنے تک ڈھکنا گو ہر حال میں یہ ستر ڈھکنا فرض ہے۔ مگر یہاں احرام میں اور زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۴۹)
(کیونکہ بعض مرتبہ احرام ہوا سے اڑنے لگتا ہے یا سوتے وقت بے پردگی ہو جاتی ہے)۔

مسئلہ:۔سعی میں باوضو ہونا اور کپڑوں کا پاک ہونا مستحب ہے۔ اور اس کے بغیر بھی سعی ہو جاتی ہے۔(احکام حج:ص ۵۹ وحج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص ۵۵)

مسئلہ:۔سعی کے دوران وضو شرط نہیں ہے۔اگر بغیر وضو کے سعی کر لی تو ادا ہو جائیگی اور یہی حکم وقوف عرفات کا ہے۔(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۱۰۹ و ہکذا فتاویٰ رحیمیہ:ج ۸/ص ۳۱۹)

مسئلہ:۔اگر طواف وسعی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے تب بھی کوئی جزاء واجب نہیں ہوتی۔(معلم الحجاج:ص ۱۴۳)

مسئلہ:۔طواف کے بعد سعی ہو اور سعی کے سات چکر ہوں۔ان میں سے ہر پھیرا واجب ہے۔

مسئلہ:۔سعی پیدل ہو اگر بلا عذر سوار ہو کر سعی کی تو دوبارہ سعی کرنا یا دم دینا لازم ہے۔

مسئلہ:۔سعی طواف کے بعد ہے اگر سعی طواف سے قبل کی تو دوبارہ سعی کرنا لازم ہے۔

مسئلہ:۔سعی طواف کے بعد ہے۔اگر سعی طواف سے پہلے کر لی اور طواف بعد میں کیا تو وہ سعی شمار میں نہیں آئے گی۔اور جہاں تک ممکن ہو اس کو پھر کرنا واجب ہے۔

(کتاب الفقہ:ج ۱/ص ۱۰۷۷ و ہکذا معلم الحجاج:ص ۱۴۸)

مسئلہ:۔صفا ومروہ کے درمیان سعی میں نیابت جائز نہیں ہے۔اگر عذر ہو تو سعی سواری پر کی جا سکتی ہے۔(غنیۃ المناسک:ص ۷۰)

سعی سے فارغ ہو کر کیا کرنا چاہئے؟

مسئلہ:۔اگر احرام صرف عمرہ کا ہے۔یا حج میں تمتع کا ہے تو اب احرام اور عمرہ کے افعال تمام ہو گئے یعنی اب عمرہ کے تین عمل مکمل ہو گئے۔ایک احرام۔دوسرے طواف۔تیسرے سعی۔

اور اب مستحب یہ ہے کہ آپ مطاف میں دو رکعت نماز پڑھیں اور طواف کے بعد جو دو رکعت نماز ہے وہ واجب ہے۔لیکن سعی کے بعد دو رکعت نماز جو ہے وہ مستحب ہے۔ اگر کسی نے ادا نہیں کی تو اس کی قضاء نہیں کرنی ہے۔اور یہ نماز مروہ پر نہیں پڑھنی بلکہ مطاف پر آ کر ادا کرے۔

اب صرف آخری کام رہ گیا حلق یعنی بال منڈوانا اور قصر بال چھوٹے کروانا۔ مردنائی کی دوکان پر جا کر اپنے بال منڈوائے یا چھوٹے کروائے یا ساتھ میں کچھ ساتھی ہوں

وہ آپس میں مونڈھ لیں تو بھی جائز ہے۔ اس میں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔ کہ اگر دو ساتھی ہیں تو ایک دوسرے کے بال کیسے بنائیں؟ لہٰذا پہلے نائی سے ایک بنوائے تب وہ دوسرے کے بنائے۔

یہ غلط بات ہے۔ بلکہ جب وہ سب کام عمرہ کے یا حج کے کر چکا ہے۔ اور صرف اب احرام کھولنا باقی ہے۔ تو اب اس کے لیے سب جائز ہے۔ اپنے ساتھی کے پہلے بنا دے۔ یا خود اپنے بنالے۔ یا ساتھی اس کے پہلے بنا دے ہر صورت جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عورت کے بال کاٹنے کی یہ صورت ہوگی کہ سر کے سب بال اکٹھا کر کے آخر کے مٹھی میں پکڑے جو دو چار بال کچھ لمبے ہوں ان کو پہلے کاٹ کر نکال دے پھر اسکے بعد تقریباً انگلی کے ایک پورے کے برابر قینچی سے چاہے عورت خود ہی کاٹ لے یا اس کا شوہر ایک عورت کے بال کاٹ دے۔ لیکن کسی غیر محرم سے نہ کٹوائے اور نہ مسجد میں بال گرائے بلکہ اپنے کمرہ پر یا مروہ کے باہر بال کاٹنے کی جگہ پر کاٹے اور حدود حرم میں ہی بال کاٹنا ضروری ہے۔

غرض بال کاٹنے کے بعد عمرہ کا عمل مکمل ہوگیا۔ حج تمتع میں دو چیزیں تھیں ایک حج دوسرے عمرہ تو عمرہ کا عمل پورا ہوگیا۔ اب آپ مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں اس میں آپ کی حیثیت اب وہی ہے۔ جو کسی مکہ مکرمہ کے باشندے کی۔ مکہ مکرمہ کے باشندہ کی طرح وہاں پر رہنا ہے مکہ مکرمہ میں جس طریقے سے مکی شخص حج کا احرام اپنے گھر سے باندھتا ہے۔ اسی طریقے سے آپ کو اپنی قیام گاہ سے حج کا احرام باندھنا ہے۔

بہر حال مکہ مکرمہ میں جو قیام ہے، اس کے دوران نفل طواف کثرت سے کریں۔ نماز باجماعت کا پورا اہتمام کریں کم از کم ایک قرآن کریم حرم شریف میں ختم کرنے کی کوشش کریں۔ اور موقع بہ موقع مکہ والوں کی طرح مسجد عائشہ جا کر نفلی عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر نفلی عمرہ کی سعادت کبریٰ حاصل کرتے رہیں۔ نیز مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں جو نفلی طواف کئے جائینگے۔ ان میں اضطباع اور رمل نہیں ہوگا۔ اضطباع اور رمل ہر اس طواف کے بعد ہوتا ہے۔ جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے۔ لیکن نفلی طواف کے بعد بھی دو رکعت طواف پڑھنا واجب ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ مفرد اور قارن جب طواف قدوم اور سعی سے فارغ ہو جائے تو اس کو احرام بندھے ہوئے ہی مکہ مکرمہ میں رہنا چاہئے۔ اور ممنوعات احرام سے بچتا رہے۔ اور متمتع جس وقت عمرہ کے طواف اور سعی سے فارغ ہو جائے تو بال منڈ والے۔ یا چھوٹے کروالے۔ اس کے بعد وہ حلال ہو گیا۔ جو چیزیں احرام کی وجہ سے اس کے لیے منع ہو گئی تھیں اب وہ حلال ہو گئیں۔ اور جب دوبارہ احرام نہ باندھے گا حلال رہیں گی۔ اور حج کے لیے آٹھ تاریخ کو یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا ہوگا۔ (احکام حج:ص ۵۸ و ہکذا معلم الحجاج:ص ۱۵۰)

حج کے فرائض

حج کے اصل فرض تین ہیں:۔(۱) احرام۔(۲) وقوف عرفات یعنی نو ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے وقت سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک عرفات میں کسی وقت ٹھہرانا۔ اگرچہ ایک لحظہ ہی کیوں نہ ہو۔(۳) طواف زیارت جو دسویں ذی الحجہ کی صبح سے لے کر بارہویں ذی الحجہ تک سر کے بال منڈ وانے یا کتر وانے کے بعد کیا جاتا ہے۔

ارکان حج

(۱) طوافِ زیارت۔(۲) وقوفِ عرفہ۔ ان دونوں میں زیادہ اہم اور اقویٰ وقوف عرفہ ہے۔
مسئلہ:۔ ان تینوں فرضوں میں سے اگر کوئی چیز چھوٹ جائے گی۔ تو حج صحیح نہ ہوگا۔ اور اس کی تلافی دم یعنی قربانی وغیرہ سے بھی نہیں ہو سکتی۔
مسئلہ:۔ ان تینوں فرائض کا ترتیب وار ادا کرنا اور ہر فرض کو اس کے مخصوص مکان (جگہ) اور وقت میں کرنا بھی واجب ہے۔

حج کے واجبات

حج کے واجبات چھ ہیں:۔

(۱) مزدلفہ میں وقوف کے وقت ٹھہرنا۔

(۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

(۳) رمی احجار یعنی کنکریاں مارنا۔

(۴) قارن اور متمتع کو قربانی کرنا۔

(۵) سر کے بال منڈ وانا یا کتر وانا۔

(۶) آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والے کو طواف وداع کرنا۔

مسئلہ:۔ واجبات کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی واجب چھوٹ جائیگا۔ تو حج ہو جائے گا۔ خواہ قصداً چھوڑا ہو یا بھول کر۔ لیکن اسکی جزاء لازم ہوگی۔ خواہ قربانی یا صدقہ (جیسا کہ جنایات میں آئے گا)۔ البتہ اگر کوئی فعل کسی معتبر عذر کی وجہ سے چھوٹ گیا تو جزاء لازم نہیں آئے گی۔ (معلم الحجاج: ص ۸۹ و فتاویٰ عالمگیری کتاب الحج: ص ۱۱ و مظاہر حق: ج ۳/ص ۴۱۶)

حج کی سنتیں

(۱) طواف قدوم۔ (۲) طوافِ قدوم میں یا طوافِ فرض میں اکڑ کر چلنا۔ (۳) دونوں سبز نشانوں کے درمیان سعی میں جلدی چلنا۔ (۴) قربانی کی راتوں میں سے ایک رات منیٰ میں قیام کرنا۔ (۵) سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات جانا۔ (۶) سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ آجانا۔ (۷) مزدلفہ میں رات گزارنا۔ (۸) تینوں جمرات میں ترتیب قائم رکھنا۔ (فتاویٰ عالمگیری کتاب الحج: ص ۱۸)

مسئلہ:۔ سنت کا حکم یہ ہے کہ ان کا قصداً چھوڑنا برا ہے اور کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ اور ان کے ترک یعنی چھوڑنے سے جزاء لازم نہیں آتی ہے۔

(معلم الحجاج: ص ۹ و کتاب الفقہ: ص ۱۰۴۴ و علم الفقہ: ج ۵/ص ۲۵)

مسئلہ:۔ مکروہات کا حکم یہ ہے کہ جس عمل میں کسی مستحب کو ترک (چھوڑے گا) کرے گا۔ اس کے ثواب میں کمی آئے گی۔ اور سنت مؤکدہ کے ترک پر سختی اور ڈانٹ بھی ہوگی۔ اور واجب کے ترک کرنے پر عذاب ہوگا۔ (جب کہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے) اور جزاء میں دم (قربانی) یا صدقہ دینا بھی لازم ہوگا۔ اور واجبات کے علاوہ اور چیزوں یعنی مستحبات و سنن کے ترک پر قربانی یا صدقہ کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۱۷ بحوالہ عمدۃ الفقہ: ج ۴/ص ۷۸)

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں:۔

(۱) حج افراد۔　　(۲) حج قران۔　　(۳) حج تمتع۔

(۱) حج افراد:۔　　افراد کے لغوی معنیٰ ہیں اکیلا کرنا۔ تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاح شرع میں افراد سے مراد وہ حج ہے۔ جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے۔ صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے ارکان وغیرہ ادا کیئے جائیں۔ اس قسم کے حج کا نام افراد ہے اور ایسا حج کرنے والے کو ''مفرد'' کہتے ہیں۔ مفرد احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکان حج ادا کرے نیز مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ حج افراد میں جو احرام باندھا جائے گا۔ (مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے عمرہ نہیں کرے گا)۔ وہ افعالِ حج پورے کرنے تک باقی رہے گا۔

(۲) حج قران:۔　　قران یعنی حج اور عمرہ کو ایک ساتھ کرنا۔ قران کے معنی لغت میں دو چیزوں کو باہم ملانے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں قران حج اور عمرہ کا احرام دونوں ایک ساتھ باندھ کر (یعنی ایک ہی احرام میں دونوں کی نیت کر کے) ایک ساتھ حج اور عمرہ کے ارکان ادا کرنے کو قران کہتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔

قران کا طریقہ یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں میقات پر پہنچ کر یا اس سے پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر احرام کے کپڑے پہن کر دو رکعت نماز سر احرام کی چادر سے ڈھانک کر پڑھو سلام کے بعد سر کھولو اور دل میں حج اور عمرہ دونوں کے احرام کی نیت کرلو اور باقی احکام احرامِ عمرہ کے سب وہی ہیں جو حج مفرد کیلیئے ہیں۔

جب مکہ مکرمہ پہنچو تو مسجد حرام میں مسجد کے آداب کے مطابق داخل ہو کر اول عمرہ کا طواف مع اضطباع (یعنی احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال کر) اور ''رمل'' (یعنی تین چکروں میں اکڑ کر شانہ ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر بھیڑ نہ ہو تو تیزی سے چلنا طواف میں) کے طواف سے فارغ ہو کر نماز طواف دو رکعت اور آبِ زمزم وغیرہ سے فارغ ہو کر حجر اسود کا استیلام (یعنی ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے

چومنا اگر بوسہ نہ ہو سکے تو) کر کے باب الصفا سے نکل کر عمرہ کی سعی کرو۔ سعی کے بعد عمرہ کے افعال پورے ہو گئے لیکن عمرہ کی سعی کے بعد حجامتِ (بال) نہ بنواؤ کیونکہ تم نے حج کا احرام بھی باندھا ہے۔ سعی کے فوراً بعد یا ٹھہر کر مگر جہاں تک ہو سکے طوافِ قدوم جلدی کر لو ورنہ وقوفِ عرفہ سے پہلے پہلے طوافِ قدوم سے فارغ ہو جاؤ۔

عمرہ اور طواف قدوم سے فارغ ہو کر احرام باندھے ہوئے احرام کی پابندی کی رعایت رکھتے ہوئے مکہ مکرمہ میں قیام کرو اور اس کے بعد آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جاؤ اور نویں کو عرفات جاؤ۔ عرفات اور مزدلفہ کے احکام میں حج قران اور حج افراد کے احکام میں کچھ فرق نہیں۔ پھر دسویں تاریخ کو منیٰ میں آ کر جمرہ اخریٰ کی رمی کرو اسکے بعد قران کے شکریہ میں قربانی کرو اور اس کے بعد سر کے بال منڈوا کر یا کتروا کر تم حلال ہو گئے۔ علاوہ عورت سے صحبت و بوس و کنار کے وہ سب چیزیں جو احرام کی وجہ سے منع تھیں جائز ہو گئیں۔ اس کے بعد طواف زیارت کرلو۔ (علم الفقہ: ج۵/ص۷۳ و علم الحجاج: ص۱۱۳/ احکام حج: ص۲۸۔ معارف القرآن: ج۱/ص...... و معارف الحدیث کتاب الحج)

(۳) حج تمتع:۔ تمتع کے لغوی معنیٰ ہیں کچھ وقت تک فائدہ اٹھانا اور اصطلاح شرع میں تمتع کے معنیٰ ہیں حج تمتع کرنا۔ حج تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں۔ اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔ اس طرح حج میں چونکہ عمرے اور حج کی درمیان مدت میں احرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے اس لیے اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔ بخلاف قارن کے کہ وہ عمرے سے فارغ ہو کر بھی احرام کی حالت میں رہتا ہے۔ اور ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ تمتع قران سے افضل نہیں ہے۔ لیکن افراد سے افضل ہے۔

تمتع کا طریقہ:۔ تمتع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے پہلے عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر حج کے مہینوں میں عمرہ کیا جائے۔

عمرہ سے فارغ ہوکر بال منڈا کر یا کتروا کر حلال ہو جائے یعنی احرام اتار کر عام کپڑے پہن لے احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اس کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کرے یا کسی اور جگہ جانا چاہے۔ جائے (مدینہ۔ جدہ وغیرہ) مگر اپنے وطن نہ جائے اور جب حج کا وقت آجائے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرے اور دس ذی الحجہ کو رمی۔ قربانی اور بال کٹوا کر احرام کھولا جائے۔

مسئلہ:۔تمتع کے لیے آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والا ہونا شرط ہے۔ مکہ مکرمہ میں رہنے والے اور میقات کے اندر رہنے والے کو تمتع جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔حج تمتع کرنے والا ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا۔ قارن۔ تمتع والے پر واجب ہے مفرد کے لیے مستحب ہے۔

مسئلہ:۔حج کی تینوں قسموں میں نیت کا دل سے کر لینا کافی ہے اور زبان سے اپنے اپنے محاورہ میں ادا کر لینا درست ہے۔ اور عربی زبان میں کہے تو بہتر ہے۔ مثلاً

حج افراد میں نیت اس طرح کرے۔

(اللهم انی اریدالحج فیسره لی وتقبله منی.)

یااللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لیے آسان فرمائے اور قبول فرمایئے۔

اور حج قران میں اس طرح نیت کرے۔

(اللهم انی اریدالحج والعمرةفیسرهما لی وتقبلهما منی.)

یااللہ میں حج وعمرہ دونوں کا ارادہ کرتا ہوں یہ دونوں میرے لیے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمایئے۔

اور تمتع کی صورت میں پہلے احرام کے وقت اس طرح نیت کرلے۔

(اللهم انی اریدالعمرة فیسرها لی وتقبلها منی.)

یااللہ میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اسکو میرے لیے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمایئے۔

یہاں پر نیت کے عربی اور اُردو دونوں طرح کے الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں۔ کسی کو

عربی الفاظ یاد کرنے میں دشواری ہوتو اُردو۔ فارسی۔ پنجابی۔ سندھی۔ بنگلہ۔ پشتو۔ غرض یہ کہ جو بھی اپنی مادری زبان ہو اس میں یہ مضموم ادا کر دینا صحیح ہے۔ (احکام حج: ص ۳۰ و معلم الحجاج: ص ۲۲۰ علم الفقہ: ج ۵ عالمگیری۔ معارف القرآن: ج ۱/ص ۴۲۶ معارف الحدیث کتاب الفقہ علی المذاہب: ص ۱۳۸/ اور آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۷)

مسئلہ:۔ حج کا احرام باندھنے والے کو افراد یا قران یا تمتع کا اختیار ہے۔ البتہ حج قران باقی دونوں سے افضل ہے۔ اور تمتع افراد سے بہتر ہے۔

یاد رہے کہ قران کا افضل ہونا اُسی حالت میں ہے کہ جب ممنوعات احرام میں سے کسی امر ممنوع کے سرزد ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ کیونکہ حج قران میں لمبے عرصہ تک حالتِ احرام میں رہنا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ایسی بات کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہو تو تمتع ہی سب سے افضل ہے۔ کیونکہ اس میں احرام کی حالت میں احرام کے اندر تھوڑے دن رہنا ہوتا ہے۔ اور اس میں انسان کے لیے اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان ہے۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۳)

حج کے بعض ضروری مسائل

مسئلہ:۔ بھیک مانگ کر حج کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اس طرح حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر سوال کرنے کا گناہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷/ص ۱۹۰ و طحطاوی: ج ۲/ص ۳۹۴ و فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۱۸ بحوالہ بحر الرائق: ج ۲/ص ۳۳۵)

مسئلہ:۔ کوئی شخص غریب کو حج کیلئے رقم دے اور وہ قبول کرلے تو اس پر حج فرض ہو جائیگا۔ بشرطیکہ دوسرا کوئی عذر نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۱۳ و شامی: ج ۱/ص ۱۹۶)

مسئلہ:۔ جس پر حج فرض ہو اس کو پہلے حج کرنا چاہئے اسکے بعد اگر گنجائش ہو مسجد بھی تعمیر کرائے وہ بھی کارِ ثواب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۲۱، رد المحتار: ج ۲/ص ۱۹۰) (حج فرض ہونے کے بعد پہلے اس کی ادائیگی ضروری ہے بقیہ چیزوں کا درجہ اس کے بعد ہے)۔

(محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ یتامیٰ و فقراء کو روپیہ دینے سے فریضۂ حج سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ البتہ دوسری صورت یعنی حج بدل ہو سکتی ہے۔ (جب کہ جانے سے معذور ہو) (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۳۲)

مسئلہ:۔ جو شخص حج تمتع کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا اور عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہو گیا تو اس کے بعد وہ مدینہ منورہ جا سکتا ہے۔ اور جب مدینہ منورہ سے واپس لوٹے تو بہتر یہ ہے کہ حج افراد کا احرام باندھ کر آئے اور اگر عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ اور ایام حج آنے پر پھر حج کا احرام باندھ کر حج کرلے اس کا تمتع صحیح ہو جائے گا۔ اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا۔ البتہ قران کا احرام باندھ کر آنا ممنوع ہے۔ اس لیے کہ یہ حکماً مکی ہے اور اگر قران کا احرام باندھ کر آئے گا تو دم لازم ہوگا (فتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص۳۹۴)

مسئلہ:۔ ہوائی جہاز میں پرواز سے قبل نماز صحیح ہے۔ حالت پرواز میں بلا ضرورت صحیح نہیں۔ قضاء کا خطرہ ہو تو بحالت پرواز ہی پڑھ لیں بعد میں اعادہ واجب نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۶۶)

مسئلہ:۔ آفاقی حاجی کا اشہر حج میں میقات سے باہر نکلنے سے تمتع باطل نہیں ہوتا مگر نکلنا بہتر نہیں ہے۔ اور اگر نکل جائے تو حج افراد کا احرام باندھ کر آنا بہتر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص۲۹۹ بحوالہ زبدۃ المناسک: ج۲/ص۱۵)

مسئلہ:۔ غیر شادی شدہ حج کر سکتا ہے جب کہ حج فرض ہو چکا ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج۵،ص۲۳۶)

مسئلہ:۔ کافر کے روپیہ سے مسلمان حج کر سکتا ہے۔ جب کہ اس نے ہبہ کر دیا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج۱۷/ص۱۹۲)

مسئلہ:۔ حجاج کرام کے لیے مسافر خانہ تعمیر ہو اس میں تعاون کرنا بڑا ثواب کا کام ہے۔ کسی مرحوم کے لیے بھی اس میں رقم دے سکتے ہیں۔ مرحوم کو ثواب پہنچ جائے گا۔ لیکن زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ اس میں دینا درست نہیں ہے۔ البتہ صدقاتِ نافلہ دے سکتے ہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۱۹)

مسئلہ:۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ جب کہ شرائط حج موجود ہوں۔ نیز ایک مرتبہ سے زیادہ حج کرے گا۔ تو وہ نفل ہوگا۔ (معلم الحجاج: ص۴۷)



طریقہ حج تمتع ایک نظر میں

(۱) میقات سے احرام باندھیں۔(۲) مکہ آکر طواف کریں (یہ سات چکر ہیں۔ جو حجر اسود سے شروع ہونگے اور اسی پر ختم ہونگے اس کے لیے وہاں فرش پر ایک موٹی سی لکیر ہوتی ہے۔اور دیوار پر اس کی سیدھ میں سبز رنگ کا راڈ)۔

طواف کے بعد دو رکعتیں واجب ہیں (مکروہ وقت میں فوراً نہ پڑھیں، بلکہ مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد پڑھیں) یہ دو رکعتیں کعبہ کی طرف منہ کر کے مقام ابراہیم کو سامنے کر کے پڑھیں۔اس کے بعد دو رکعت پڑھیں،اور اب سر پر اُسترا پھرائیں (حلق کرائیں)۔

یہ عمرہ ہوا۔اب احرام کھولو۔اس طرح سے حج تمتع ہوگا۔اب مکہ میں اپنے کپڑوں میں رہیگا۔طواف کرتا رہے وہاں پر بڑی عبادت طواف ہی ہے جتنا وقت فرض وغیرہ سنتوں سے بچے اسی میں لگائے۔اور حرم پاک میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ یہاں تک کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ آئے۔۸/ ذی الحجہ کو طواف کر کے سعی کرے اور منیٰ جائے۔(یہ سعی مقدم ہوگی)۔

۸/ ذی الحجہ سے منیٰ میں ظہر سے لے کر ۹/ ذی الحجہ کو سورج نکل آئے تو وہاں عرفات کے لیے چلے۔زوال سے پہلے عرفات پہنچے۔وہاں کچھ دیر لیٹے بیٹھے۔ظہر کا وقت آئے تو ظہر پڑھے۔(اگر امام الحج کے پیچھے پڑھے تو ظہر اور عصر اکٹھے پڑھے گا۔ پہلے ظہر پھر عصر اگر اپنے خیمہ میں ہو تو صرف ظہر پڑھے گا) پھر وقوف کریں۔دعائیں پڑھے۔ کلمہ طیبہ۔شہادت۔تمجید۔استغفار۔جس قدر ہوسکے پڑھے۔کھڑے ہو کر پڑھتا رہے۔ کھڑے کھڑے تھک جائے تو بیٹھ کر پڑھے۔

عصر کا وقت آئے تو عصر پڑھے۔پھر غروب تک اس طرح دعا اور ذکر میں مشغول رہے۔یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے۔غروب کے بعد وہاں سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوجائے۔ابھی مغرب کی نماز نہ پڑھے۔مزدلفہ میں مغرب اور عشاء اکٹھے ہی عشاء کے وقت پڑھ لے۔پھر جی چاہے سو جائے۔ویسے بیداری بھی بہتر ہے۔اٹھ کر تسبیح۔درود۔استغفار میں مشغول ہوجائے۔تہجد پڑھ لے۔حتیٰ کہ صبح صادق ہوجائے۔فجر کی نماز غلس

(اندھیرے میں) لیکن صبح صادق کے بعد پڑھ لے۔ یہاں وقوف کرے اور کھڑا ہوکر کچھ دیر دعا کرے یہ ۱۰/ ذی الحجہ آ گئی۔ یہیں مزدلفہ سے کنکریاں اٹھائے ۴۹ یا ۷۰ (اُنچاس یا ستر) احتیاطاً کچھ زائد کنکریاں ساتھ رکھے۔ اور یہاں سے روانہ ہوکر واپس منیٰ آئے۔ جمرۂ عقبہ پر سات کنکریاں مارے۔ واپس آئے اور منیٰ میں ہی قربانی کرے سر منڈائے۔ اب احرام کھولے کپڑے پہن کر مکہ آئے اب طواف زیارت کرے۔ یہ طواف رُکن (فرض) ہے۔ طواف کے بعد واپس منیٰ آئے۔ رات کو وہیں رہے۔ صبح کو اُٹھ کر یہ ۱۱/ ذی الحجہ ہے بعد زوال پہلے شیطان کو سات کنکریاں مار کر ایک طرف ہوکر دعا کرے۔ پھر دوسرے شیطان کو کنکریاں مار کر کچھ دور ہوکر دعا کرے۔ پھر تیسرے کو کنکری مارے اور دعا کئے بغیر واپس آئے۔ اب پھر منیٰ میں رات کو رہے۔ صبح کو یہ ۱۲/ ذی الحجہ کی صبح ہے پھر زوال کے بعد اسی طرح کنکریاں مارے رات پھر منیٰ میں ٹھہرنا چاہئے۔ اور صبح ۱۳/ ذی الحجہ کو اسی طرح کنکریاں مار کر تب مکہ واپس آئے۔ اگر ۱۲/ کو ہی کنکریاں مار کر مکہ واپس جانا چاہے تو بھی جائز ہے۔ مگر غروب سے قبل منیٰ سے نکلے۔ مکہ آئے حج مکمل ہو گیا۔

(بیان فرمودہ: حضرت مولانا اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند)۔ (ماہنامہ النور جنوری ۲۰۰۲ء)

☆ مناسک حج ایک نظر میں ☆

حج کا پہلا دن ۸ ذی الحجہ

مکہ سے منیٰ کو روانگی

منیٰ میں آج کے دن

ظہر

عصر

مغرب

عشاء پڑھنی ہے

رات منیٰ میں قیام

حج کا دوسرا دن ۹ ذی الحجہ

فجر کی نماز منیٰ میں ادا کرکے عرفات کو روانگی

ظہر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے

وقوف عرفات

عصر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے

مغرب کے وقت مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کو روانگی

مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت مزدلفہ میں ادا کرنی ہیں

رات میں مزدلفہ میں قیام کرنا

حج کا تیسرا دن ۱۰ ذی الحجہ

مزدلفہ میں فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو روانگی

پہلے

بڑے شیطان کی رمی

پھر

قربانی کرنا

پھر

سر کے بال منڈوانا یا کتروانا اس کے بعد احرام اتاریں

پھر

طواف زیارت کرکے مکہ جانا رات منیٰ میں قیام

حج کا چوتھا دن ۱۱ ذی الحجہ

منی میں رمی کرنا زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک

پہلے

چھوٹے شیطان کی

پھر

درمیانے شیطان کی

پھر

بڑے شیطان کی

رمی کرنا ہے

طواف زیارت اگر کل نہیں کیا تھا تو آج کرلیں

رات منی میں قیام

حج کا پانچواں دن ۱۲ ذی الحجہ

منی میں رمی کرنا زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک

پہلے

چھوٹے شیطان کی

پھر

درمیانے شیطان کی

رمی کرنا ہے

طواف زیارت اگر نہیں کیا تھا تو آج مغرب سے پہلے ضرور کرلیں

۱۳ ذی الحجہ کو اگر قیام کا ارادہ ہے تو کنکریاں زوال سے پہلے ماری جاسکتی ہیں

نوٹ:۔رمی جمرہ عقبیٰ وقربانی وسر کے بال منڈانا۔ان تینوں میں ترتیب واجب ہے۔لیکن طواف زیارت کی ترتیب واجب نہیں ہے۔

طوافِ زیارت کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب آفتاب یعنی مغرب تک ہے۔نیز طوافِ زیارت سے رات کے کسی حصے میں بھی فارغ ہو سکتے ہیں۔

(محمد رفعت قاسمی)

حج کا پہلا دن ۸/ ذی الحجہ

آٹھ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد احرام کی حالت میں سب حاجیوں کو منیٰ جانا ہے۔مفرد جس کا احرام حج کا ہے اور قارن جس کا احرام حج وعمرہ دونوں کا ہے۔ان کے احرام تو پہلے سے بندھے ہوئے ہیں۔متمتع جس نے عمرہ کرکے احرام کھول دیا تھا۔اسی طرح اہل حرم آج پہلے احرام باندھیں۔سنت کے مطابق غسل کرکے احرام کی چادریں پہن کر مسجدِ حرام میں آئیں اور مستحب یہ ہے کہ طواف کریں اور دوگانہ طواف ادا کرنے کے بعد احرام کے لیے دو رکعت پڑھیں اور حج کی نیت اس طرح کریں کہ ''یا اللہ میں آپ کی رضا کے لیے حج کا اردہ کرتا ہوں اس کو میرے لیے آسان کر دیجئے اور قبول فرمائے۔'' اس نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھیں ''**لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک**'' تلبیہ پڑھتے ہی احرام حج شروع ہوگیا۔اب احرام کی تمام پابندیاں لازم ہوگئیں۔اس کے بعد منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔(مکہ مکرمہ سے منیٰ تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے) آٹھویں تاریخ کی ظہر سے نویں تاریخ کی صبح تک منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے۔اگر اس رات کو مکہ مکرمہ میں رہا یا پہلے عرفات میں پہنچ گیا تو مکروہ ہے۔(احکام: حج ص ۶۰)

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص آٹھویں تاریخ سے پہلے ہی منیٰ میں موجود ہو تو وہ وہیں سے احرام کی نیت کرے گا۔اور تلبیہ کہنا شروع کردیگا۔مکہ مکرمہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۳۴)

حج کا دوسرا دن ۹/ ذی الحجہ) (یوم عرفہ)

مسئلہ:۔نویں ذی الحجہ یوم عرفہ آج حج کا سب سے بڑا رکن ادا کرنا ہے۔ جس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ آج سورج نکلنے کے بعد جب دھوپ پھیل جائے منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو جایئے۔ (تقریباً مکہ سے نومیل کے فاصلہ پر عرفات حدود حرم سے باہر ہے) وقوف کے لفظی معنیٰ ٹھہرنے کے ہیں۔نویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے صبح صادق تک کے درمیانی حصہ میں کسی قدر ٹھہرنا حج کا رکنِ اعظم ہے اورنویں تاریخ کے غروب تک عرفات میں ٹھہرنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ مستحب یہ ہے کہ زوالِ آفتاب سے پہلے غسل کرکے اور اگراس کا موقع نہ ملے تو وضو بھی کافی ہے۔اس طرح تیاری کرکے جائے وہاں پرامام خطبہ دے گا جو کہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔ پھرظہر وعصر کی دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں ایک ساتھ پڑھائے گا۔ اس صورت میں ظہر کی دوسنتیں بھی چھوڑ دی جائینگی۔

مسئلہ:۔وقوف عرفات جوحج کا رکن اعظم ہے حدود عرفات سے باہر نہ ہو۔ نیز مسجد نمرہ میدان عرفات کے بالکل کنارہ پر ہے اس کی مغربی دیوار کے نیچے کا حصہ عرفات سے خارج ہے۔ اس کو بطن عرفہ کہا جاتا ہے۔ یہ حصہ عرفات میں داخل نہیں ہے۔لہٰذا یہاں کا وقوف معتبر نہیں بطن عرفہ والے وقوف کے وقت اس سے نکل کر حدودِ عرفات میں آجائیں توحج درست ہو جائے گا۔ ورنہ ان کا حج ہی نہیں ہوگا۔

اس بات کوخوب سمجھ لیا جائے بعض معلموں کے کہنے پر نہ رہیں۔ عرفات کے پورے میدان میں جس جگہ چاہے ٹھہر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔نو ذی الحجہ کی نماز فجر کے بعد سے تکبیر تشریق ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھیں اور تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک تمام فرض نمازوں کے بعد یہ تکبیر پڑھنی ضروری ہے۔(احکامِ حج:ص ۶۱)

عرفات سے مزدلفہ کو روانگی

جیسے ہی سورج غروب ہو جائے تو عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیں اور مزدلفہ منیٰ

سے مشرق کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم کے اندر ہے۔ عرفات کے وقوف سے فارغ ہو کر دسویں ذی الحجہ کی شب میں مزدلفہ پہنچنا ہے۔ اور مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا ہے۔ اس کے راستہ میں ذکر اللہ اور تلبیہ پڑھتا ہوا چلے۔ اس روز حجاج کے لیے مغرب کی نماز عرفات میں یا راستہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ واجب ہے کہ مغرب مؤخر کر کے مزدلفہ میں عشاء کیساتھ پڑھے اور مغرب کے فرض کے فوراً بعد عشاء کے فرض پڑھے مغرب کی سنتیں اور عشاء کی سنت اور وتر سب بعد میں پڑھے۔ (احکام حج: ص ۶۸)

(یہ رات آپ کو مزدلفہ میں گزارنی ہے۔ مزدلفہ میں ساری رات جاگنا افضل ہے۔ لیکن لیٹنا یا سونا منع نہیں ہے۔ عرفات سے تھکاوٹ ضرور ہوگی۔ اس لیے آپ کو چاہئے۔ کہ مغرب وعشاء سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر سو جائیں اور پھر تازہ دم ہو کر عبادت میں مشغول ہو جائیں)۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ وقوفِ مزدلفہ واجب ہے۔ اس کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے سے کچھ پہلے تک ہے۔ اگر کوئی طلوع فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر منیٰ کو چلا جائے طلوع آفتاب کا انتظار نہ کرے تو بھی واجب وقوف ادا ہو گیا اور واجب کی ادائیگی کیلئے اتنا بھی کافی ہے۔ کہ نماز فجر مزدلفہ میں پڑھ لے مگر سنت یہی ہے کہ سورج نکلنے تک ٹھہرے۔

مسئلہ:۔ جب سورج نکلنے میں کچھ دیر بقدر دو رکعت کے باقی رہے تو مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے اس کے بعد تاخیر کرنا خلاف سنت ہے۔ اور روانہ ہونے سے قبل ہی رمی کے لیے تقریباً ستر کنکریاں بڑے چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر مزدلفہ سے اٹھا کر ساتھ لے جائے۔ یا راستہ میں یا کسی اور جگہ سے اٹھانا درست ہے۔ لیکن جمرات کے پاس سے نہ اُٹھائے۔ حدودِ حرم میں جہاں سے چاہے اٹھا سکتا ہے۔ (معلم الحجاج: ص ۲۰۰ و احکام حج: ص ۷۶)

حج کا تیسرا دن دس ذی الحجہ

آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور حج کا تیسرا دن اس میں حج کے بہت سے کام واجبات وفرائض ادا کرنے ہیں۔ پہلا واجب وقوفِ مزدلفہ کا ہے اسی لیے حجاج کرام سے

نمازِ عید معاف کر دی گئی ہے جیسے ہی آپ مزدلفہ سے منیٰ لوٹ کر آئیں سب سے پہلے اپنے خیمے پہنچ کر اپنا سامان وغیرہ رکھ کر اگر آرام وغیرہ کرنا چاہیں تو کرلیں اس کے بعد آپ کو منیٰ میں تین کام بالترتیب کرنے ہیں اور اس ترتیب کا باقی رکھنا واجب ہے خلاف ورزی کی صورت میں دم واجب ہوگا۔

(۱) منیٰ میں آنے کے بعد سب سے پہلا کام جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی ہے۔ جو آج کے دن واجب ہے یعنی سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔

(۲) دوسرا کام حج کی قربانی کرنا ہے۔ (۳) تیسرا کام سر کے بال منڈوانا یا کتروانا ہے۔

آج ذی الحجہ کو بڑے شیطان کو کنکریاں مارنی ہیں۔ اور کنکریاں مارنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اب کنکریاں مارنے کے وقت بند ہو جاتا ہے۔

منیٰ میں تین مقامات پر جمرات کے نشان نصب ہیں۔ یہاں پر مختلف زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔ پہلا جمرہ مسجد خیف کے نزدیک ہے اس کو ''جمرۂ اولیٰ'' کہتے ہیں۔ اور دوسرا جمرہ اس سے تھوڑی دور پر اسی راستہ میں آتا ہے اس کو ''جمرہ وسطیٰ'' کہتے ہیں۔ تیسرا جمرہ منیٰ کے آخر میں ہے اس کو ''جمرہ عقبہ'' کہتے ہیں۔ آج دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) پر سات کنکریوں کے رمی کرنا ہے اور رمی کے معنیٰ کنکری یا پتھری مارنے کے ہیں۔ دسویں تاریخ ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت طلوع آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔

رمی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک کنکری داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے چٹکی سے پکڑیں اور مرد ہاتھ اتنا اٹھائیں کہ بغل کھل جائے اور ہر کنکری مارتے وقت (بسم الله الله اکبر) کہتا رہے اور یاد رہے تو یہ دعا بھی پڑھے۔

رغما للشيطان ورضى للرحمن اللهم اجعله
حجاً مبروراً وسعيًا مشكورًا وذنبًا مغفوراً

پہلے دن رمی کے بعد دعاء کے لیے ٹھہرنا سنت نہیں ہے اور اس تاریخ میں دوسرے جمرات کی رمی کرنا جہالت ہے۔

دسویں تاریخ کا تیسرا واجب۔ قارن اور متمتع پر قربانی واجب ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوکر اس وقت تک بال نہ کٹوائے جب تک اپنی واجب قربانی نہ کرلے۔ اگر اس سے پہلے بال کٹوالئے تو دم واجب ہوگا۔ البتہ مفرد بالحج جس نے صرف حج کا احرام (یعنی میقات سے) باندھا ہے اس کے لیے قربانی واجب نہیں ہے۔ مستحب ہے۔ وہ قربانی نہ کرے اور بال کٹوالے تو جائز ہے۔

قربانی سے فارغ ہونے کے بعد مرد کے لیے بال منڈوانا یا کتروانا واجب ہے۔ عورت کے لیے انگلی کے ایک پوروے کے برابر کاٹنا ہے۔ اگر کسی وجہ سے دس ذی الحجہ کو قربانی نہیں کرسکا تو پھر گیارہ کو قربانی کریں اور اگر گیارہ ذی الحجہ کو بھی نہ کرسکیں تو بارہ کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے ضرور قربانی کرلیں اور جب تک قربانی نہیں ہوگی اس وقت تک نہ تو احرام اتار سکتے ہیں اور نہ بال کٹوا سکتے ہیں۔

دسویں تاریخ کا سب سے بڑا کام طواف زیارت ہے۔ احرام کے بعد حج کے رکن اور فرض کل دو ہیں۔ ایک وقوف عرفات، دوسرے طواف زیارت۔ جو دس تاریخ کو ہوتا ہے۔ اس طواف کی سنت یہ ہے کہ رمی۔ قربانی اور حلق کے بعد کیا جائے۔ اگر ان سے پہلے طواف زیارت کرلے گا تو بھی فرض ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ منیٰ کے قیام کے دوران مکہ جا کر طواف زیارت کر کے پھر منیٰ واپس آنا ہے نیز اگر قربانی کر کے بال کٹوالئے تو روزمرہ کے لباس میں طواف زیارت کریں۔

مسئلہ:۔ جو عورت حالتِ حیض یا نفاس میں ہو اس کے لیے طوافِ زیارت کرنا جائز نہیں ہے۔ دسویں تاریخ کو یا اس سے پہلے حیض یا نفاس شروع ہوگیا اور بارہویں تاریخ تک بھی فراغت نہ ہو تو وہ طواف زیارت کو مؤخر کرے اور اس تاخیر پر اس کے ذمہ دم لازم نہیں ہے۔ جب تک حیض ونفاس سے پاک نہ ہو جائے طواف زیارت نہیں ہوسکتا اور طوافِ زیارت کے بغیر اپنے وطن واپس نہیں ہوسکتی اگر واپس ہو جائے تب بھی عمر بھر یہ فرض لازم رہیگا اور دوبارہ حاضر ہوکر طواف کرنا پڑے گا۔ اس لیے حیض ونفاس سے پاک ہونے کا انتظار لازمی ہے۔ لیکن حج کے تمام امور انجام دیں صرف طواف پاک ہونے تک نہ کریں۔

(احکام حج: ص ۷۹ و معلم الحجاج: ص ۱۷۵)

حج کا چوتھا دن گیارہ ذی الحجہ

اب حج کے واجبات میں مختصر کام رہ گئے ہیں۔ دو یا تین دن منیٰ میں رہ کر تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے۔ ان دنوں کی راتیں بھی منیٰ میں گزارنا سنت مؤکدہ ہے۔

اگر قربانی یا طواف زیارت کسی وجہ سے دس تاریخ کو نہیں کر سکا تو آج گیارہویں تاریخ کو کرلے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے اس سے فارغ ہو جائے زوالِ آفتاب کے بعد نماز ظہر کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنے کے لیے روانہ ہو جائے۔ اور گیارہویں تاریخ کی رمی اس ترتیب سے کرے کہ پہلے جمرہ اولیٰ پر آکر سات کنکریوں سے رمی اسی طریقہ سے کرے جس طرح دس تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی کر چکا ہے۔ اس کی رمی سے فارغ ہو کر مجمع سے ہٹ کر قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرلے۔ (اگر وقت وموقع ہو تو دعاء کرے) اس کے بعد جمرہ وسطیٰ پر آئے اور اسی طرح سات کنکریاں جمرہ کی جڑ میں مارے جس طرح پہلے کر چکا ہے۔ اسکے بعد بھی مجمع سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر پہلے کی طرح دعاء واستغفار میں کچھ دیر مشغول رہے پھر جمرہ عقبہ پر آئے اور یہاں بھی حسب سابق سات کنکریوں سے رمی کرے اور اس کے بعد دعاء کے لیے نہ ٹھہرے کیونکہ آخیر جمرہ کی رمی کے بعد دعاء کرنا سنت نہیں ہے۔

آج کی تاریخ کا اتنا ہی کام تھا جو پورا ہو گیا باقی اوقات اپنی جگہ پر منیٰ میں گزارے۔ ذکر اللہ اور تلاوت اور دعاء میں مشغول رہے۔ غفلتوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔ (احکام حج: ص ۸۰ و معلم الحجاج: ص ۱۸۰)

حج کا پانچواں دن بارہ ذی الحجہ

مسئلہ:۔ اگر قربانی یا طواف زیارت گیارہویں تاریخ کو بھی نہ کر سکا تو آج بارہویں تاریخ کو کرے اور آج کا اصل کام صرف تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے زوال کے بعد بالکل اسی طریقہ سے تینوں جمرات کی رمی کرے جس طرح گیارہ ذی الحجہ کو کی ہے۔ اب تیرہویں تاریخ کو رمی کیلئے منیٰ میں مزید قیام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے اگر چاہے تو آج بارہویں کی رمی

سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے۔
اگر بارہویں تاریخ کا آفتاب منیٰ میں غروب ہوگیا تو اب منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے۔ اگر چلا گیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر منیٰ میں تیرہویں تاریخ کی صبح ہوگئی تو رمی اس دن کی بھی اس کے ذمہ واجب ہوجاتی ہے۔ اگر بغیر رمی کے جائے گا تو دم واجب ہوگا البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی میں یہ سہولت ہے کہ وہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے۔ (احکام حج: ص۸۲)

مسئلہ:۔ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوکر صبح صادق تک رہتا ہے۔ اگر کوئی اس سے پہلے کرے گا تو اس کی رمی ادا نہیں ہوگی۔ اور اگر اس روز صبح صادق سے پہلے اس کا اعادہ نہیں کیا تو اس کے ذمہ دم واجب ہوگا۔

(احکام حج: ص۸۲ ومعلم الحجاج: ص۱۸۵)

مقیم ومسافر ہونے کے مسئلہ میں اب منیٰ اور مزدلفہ کا حکم مکہ معظّمہ کی طرح ہے

مشاہدہ کے بعد ہندو پاک کے معتبر علماء ومفتیان کا اہم فتویٰ:۔

ہر سال حج کے موقع پر ہندو پاک سے جانے والے حجاج کے لیے یہ مسئلہ بحث ومباحثہ کا موضوع بنا رہتا ہے کہ انہیں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں نمازیں پوری پڑھنی ہیں یا قصر کرکے پڑھنی ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر بعض مذاہب میں نمازوں کا قصر کرنا حج کے اعمال میں شامل ہے یعنی خواہ حاجی مقیم ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ایام حج میں قصر کریگا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک قصر واتمام کا مدار حج پر نہیں بلکہ حاجی کے مقیم یا مسافر ہونے پر ہے۔ اگر حاجی شرعاً مقیم ہے۔ تو اسے ایام حج میں پوری نمازیں پڑھنی ہونگی اور اگر مسافر ہے تو وہ قصر کرے گا۔ اسی بناء پر قصر واتمام سے متعلق سوالات کا جواب دیتے وقت اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ سائل منیٰ جانے کے دن سے پہلے مکہ معظّمہ میں مقیم ہے یا نہیں؟ اسی طرح منیٰ سے واپسی کے بعد اسے مکہ معظّمہ میں پندرہ دن رہنا ہے یا نہیں؟ اسی اعتبار سے حکم بتادیا تھا۔ لیکن حج

۱۴۲۰ھ میں مکہ معظّمہ کے بعض معتبر علماء نے اس جانب توجہ دلائی کہ اب مکہ معظّمہ کی آبادی منیٰ تک پہنچ رہی ہے۔ اور منیٰ کو بھی مکہ معظّمہ کی میونسپلٹی کی حدود میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اور وہاں کا بڑا اسپتال سال بھر اپنی خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔ نیز رابطۂ عالم اسلامی کا دفتر بھی کھلا رہتا ہے۔ اور شاہی محل بھی آباد رہتا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر موجود ہندوپاک کے چنیدہ مفتیانِ کرام نے مشاہدہ کرکے انکے بیان کردہ حقائق کی توثیق کی اور یہ فتویٰ جاری کیا کہ اب فناءِ شہر میں داخل ہونے کی وجہ سے قصر واتمام، اقامت جمعہ۔ اور مالی قربانی کے وجوب کے مسائل میں منیٰ کا حکم بھی مکہ معظّمہ کے مانند ہوگیا ہے۔ (یہ فتویٰ ندائے شاہی کے حج وزیارت نمبر میں شائع ہو چکا ہے)۔

تاہم گذشتہ سال ۱۴۲۴ھ میں مشاہدہ سے یہ بات سامنے آئی کہ نہ صرف منیٰ بلکہ مزدلفہ بھی مکہ معظّمہ کے ''فناء'' میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اس کو مکہ معظّمہ سے الگ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ شہر کی ضروریات (مثلاً جمعرات جمعہ کو اہل شہر کا تفریح اور پکنک کے لیے یہاں جمع ہونا اور یہاں کے میدانوں میں نوجوانوں کا کھیل کود کرنا وغیرہ) اس سے کسی نہ کسی حد تک متعلق ہیں۔ اور عزیزیہ آبادی مزدلفہ کی حدود تک پہنچ چکی ہے۔

لہٰذا اب حنفی حجاج کے لیے قصر واتمام کا مسئلہ طے کرنا بہت آسان ہوگیا کہ وہ مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد بس یہ دیکھ لیں کہ مکہ سے واپسی تک انکے قیام کی مدت پندرہ دن ہو رہی ہے یا نہیں؟ اگر ہو رہی ہے تو وہ مکہ میں رہتے ہوئے اور منیٰ ومزدلفہ عرفات سب جگہ نمازیں پوری پڑھیں گے۔ اور اگر واپسی تک کی مدت ۱۵/ دن سے کم ہے تو پھر ہر جگہ قصر پڑھینگے۔ اسی طرح ایام منیٰ میں اگر جمعہ کا دن پڑے تو جمعہ کی نماز ادا کی جائے گی اور جو مال دار لوگ ان ایام میں مقیم ہیں انہیں مالی قربانی بھی ادا کرنی ہوگی خواہ وہ اپنے وطن میں کروائیں۔

ذیل میں اہل علم کے ملاحظہ کے لیے متعلقہ فقہی عبارات لکھی جاتی ہے:

(۱) (فالقول بالتحديدبمسافة يخالف التعريف المتفق على ماصدق عليه بانه المعدلمصالح المصر. فقد نص الأمة على أن الفناء ماأعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل و الدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذلك. والى موضع يحدبمسافة يسع عساكرمصر.

ویصلح میدانا للخیل والفرسان ورمی النبل والبندق البارود واختیار المدافع وهذایزید علی فراسخ فظهرأن التحدید بحسب الأمصار.)(شامی بیروت:۳/۹)

(۲) (أقول وینبغی تقیید مافی الخانیة والتاترخانیة بمااذالم یکن فی فناء المصرلمامرأنهاتصح اقامتهافی الفناء ولومنفصلاًبمزارع فاذاصحت فی الفناء لأنه ملحق بالمصریجب علی من کان فیه ان یصلیهالأنه أهل المصرکمایعلم من تعلیل البرهان والله الموفق.)۔(شامی بیروت:ج۳/ص۲٦)

(۲) (ومنی مصر لاعرفات)فتجوزالجمعة بمنی ولاتجوز بعرفات. اماالأول فهوقولهماوقال محمد:لاتجوزبمنی کعرفات واختلفوافی بناء الخلاف فقیل مبنی علی انهامن توابع مکة عندهما خلافاله. وهذا غیرسدیدلأن بینهماأربع فراسخ. وتقدیر. التوابع للحصریة غیرصحیح. والصحیح أنهامبنی علی انهاتتمصرفی ایام الموسم عندهاالخ. وشمل التجمیع بهافی غیرایام الموسم وفی المحیط قیل:انماتجوزالجمعة عندهمابمنیٰ فی ایام الموسم لافی غیرها. وقیل تجوزفی جمیع الایام لان منیٰ من فناء مکة وقدعلمت فسادکونهامن فناء مکة فترجح تخصیص جوازهابایام الموسم وانهاتصیرمصرافی تلک الایام وقریة فی غیرها.)(البحرالرائق:ج۲/ص۱۴۲)

(۴) (وانمااقتصرالمصنف علی هذالوجه من التعلیل دون التعلیل بان منیٰ من افنیة مکه لأنه فاسدٌلان بینهمافرسخین وتقدیرالفاء بذلک غیرصحیح .قال محمدفی الأصل اذانوی المسافرأن یقیم بمکة ومنی خمسة عشرویوماًلایصیرمقیمافعلم اعتبارهاشرعاًموضعین.)

(فتح القدیر:ج۲/ص۵۴)

(۵) (وقال بعض مشائخناأن الخلاف بین أصحابنافی هذابناء علی أن منیٰ من توابع مکة عندهما. وعندمحمد لیس من توابعها. وهذا غیرسدیدلأن بینهماأربعة فراسخ وهذاقول بعض الناس فی تقدیرالتوابع.

فأما عندنا فبخلافه على مامر. الصحيح أن الخلاف فيه بناء على أن المصر الجامع شرط عندنا الا أن محمدا يقول: ان منىٰ ليس بمصر جامع بل هو قرية فلا تجوز الجمعة بها كما لا تجوز بعرفات. وهما يقولان. انها تتمصر في أيام الموسم.) (بدائع الصنائع: ج۱/ص ۵۸۵،۵۸٦)

نوٹ:۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شیخین کے قول کی تعلیل کرتے ہوئے بعض قدیم فقہاء نے بھی منیٰ کو فناء مکہ میں شامل قرار دیا تھا۔ جسکی اس وقت اس بناء پر تردید کی گئی تھی کہ منیٰ اور مکہ معظّمہ میں ۴ فرسخ کا طویل فاصلہ تھا۔ لیکن اب جب کہ مکہ مکرمہ کی آبادی منیٰ اور مزدلفہ تک پہنچ چکی ہے۔ تو اب ان کے فناء مکہ ہونے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد اب وہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جو ہندو پاک کے معتبر علماء و مفتیان نے حج ۱۴۲۴ھ کے موقع پر مشاہدہ کے بعد جاری فرمایا تھا۔ (مرتب)

(نحمده ونصلي على رسوله الكريم امابعد.)

پہلے دور میں مکہ معظّمہ۔ منیٰ۔ مزدلفہ اور عرفات سب الگ الگ مقامات تھے اور ان مقامات کے درمیان آبادی کا کوئی اتصال نہیں تھا۔ چنانچہ عرصۂ دراز سے اسی اعتبار سے قصر واتمام کے مسائل بتائے جاتے تھے۔ لیکن گزشتہ چند سالوں سے مکہ معظّمہ کی آبادی اس تیزی سے پھیلنی شروع ہوئی کہ تین جانب سے مکہ معظّمہ کی آبادی سے متصل ہوگیا۔ چنانچہ ۱۴۲۰ھ میں معتبر علماء و مفتیان کرام نے بذات خود مشاہدہ کر کے منیٰ کو مکہ معظّمہ میں شامل ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔

اب اس سال ۱۴۲۴ھ میں دوبارہ مذکورہ مقامات کا مشاہدہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اب مزدلفہ بھی مکہ معظّمہ کی آبادی سے عزیزیہ کی جانب متصل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب قصر واتمام کے بارے میں مزدلفہ کا حکم بھی مکہ معظّمہ اور منیٰ ہی کے حکم میں ہے۔ اور جن حجاج کرام کا مکہ معظّمہ میں آمد اور واپسی کا درمیانی وقفہ پندرہ دن کا ہو رہا ہو وہ سب اتمام کرینگے۔ اور اس مدت میں منیٰ اور مزدلفہ میں رات گزارنا ان کے مقیم ہونے میں مانع نہیں ہوگا۔ کیونکہ منیٰ اور مزدلفہ اب مکہ معظّمہ ہی کے حکم میں ہیں اور عرفات میں چونکہ صرف دن کا قیام ہوتا ہے۔ لہٰذا وہاں بھی اتمام کا حکم ہوگا۔

واضح رہے کہ اس فتوے کا تعلق مشاعر مقدسہ۔ (منیٰ۔ مزدلفہ۔ عرفات) کی حدودشرعیہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب توقیفی ہیں ان میں ترمیم واضافہ کا کسی کوحق نہیں ہے۔ البتہ قصر واتمام کے مسائل میں حکم وہ ہوگا جو مذکورہ فتوے میں بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بروز شنبہ۔ بمدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ)۔

(۱) (حضرت مولانا) عبدالحق غفرلہٗ (مفتی اعظم محدث دارالعلوم دیوبند)

(۲) (حضرت مولانا مفتی) محمود حسن غفرلہٗ (بلندشہری مفتی دارالعلوم دیوبند)

(۳) (حضرت مولانا مفتی) شبیر احمد عفا اللہ عنہ (مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

(۴) (حضرت مولانا مفتی) شیر محمد علی (مفتی دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۵) (حضرت مولانا مفتی) محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ (نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

(۶) (حضرت مولانا مفتی) مشرف علی تھانوی (دارالعلوم الاسلامیہ اقبال ٹاؤن لاہور)

(۷) (حضرت مولانا مفتی) محمد فاروق غفرلہٗ (جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ)

(۸) (حضرت مولانا مفتی) مبین احمد قاسمی (جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ)

(۹) (حضرت مولانا مفتی) مقصود عالم (خادم لاسلام ہاپوڑ ضلع غازی آباد یوپی الہند)

(۱۰) (حضرت مولانا مفتی) محمد ابوالکلام (مرکزی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ بھوپال۔ ایم پی)

(۱۱) (حضرت مولانا مفتی) عبدالستار (دارالافتاء افضل العلوم تاج گنج آگرہ)

(بشکریہ ندائے شاہی: دسمبر ۲۰۰۴ء)

دوران سفر حج وعمرہ میں قصر

مسئلہ:۔ کراچی (اپنے وطن) سے مکہ مکرمہ تک تو سفر ہے اس لیے قصر کریگا اگر مکہ مکرمہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا موقع ہو تو مقیم ہوگا اور پوری نماز پڑھے گا اور اگر مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا۔ تو مکہ مکرمہ میں بھی مسافر ہی رہے گا۔ اور نمازیں قصر کرے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۳)

(نماز قصر کے مکمل مسائل دیکھئے احقر کی مرتبہ کردہ مسائل سفر)

آٹھویں ذی الحجہ کو کس وقت منیٰ جانا چاہئے؟

مسئلہ:۔ آٹھویں ذی الحجہ کو کسی بھی وقت منیٰ جانا مسنون ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد جائے اور ظہر کی نماز وہاں پر پڑھے۔ سورج نکلنے سے پہلے جانا خلاف اولیٰ ہے مگر جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۲۱)

مسئلہ:۔ معلم حضرات ساتویں ذی الحجہ کو بہت سے حجاج کو منیٰ لے جاتے ہیں تو ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ جاسکتے ہیں کوئی کراہت نہیں بلکہ افضل ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص۲۹۸ وشرح وقایہ: ج۱/ص۳۴۴)

منیٰ کی حدود سے باہر قیام کیا تو حج ہوا یا نہیں؟

سوال:۔ جدہ سے گروپ کے ساتھ منیٰ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گروپ والوں کے خیمے حکومت کی بنائی ہوئی منیٰ کی حدود کے عین باہر ہیں۔ اب ایسے وقت میں نہ رقم واپس مل سکتی ہے اور نہ باوجود کوشش کرنے کے کسی اور جگہ متبادل انتظام ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہم سب نے تمام مناسک حج وہاں پر ہی (حدود حرم کے باہر) پورے کئے اور منیٰ میں وہیں قیام کیا جو کہ منیٰ سے چند قدم باہر تھا۔ کیا ہمارے حج میں کوئی نقص رہا یا نہیں؟

جواب:۔ منیٰ کی حدود سے باہر رہنے کی صورت میں منیٰ میں رات گزرانے کی سنت ادا نہیں ہوگی۔ لیکن حج ادا ہو جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۲۲)

مسئلہ:۔ منیٰ کی حدود شرعاً متعین ہیں جہاں حکومتِ سعودیہ نے بڑے بڑے نیلے بورڈ لگا رکھے ہیں لیکن موسم حج ۱۴۲۰ھ سے حکومت نے خیموں کی پلاننگ زیادہ محفوظ طریقہ پر کرنے کے لیے خیموں کا سلسلہ منیٰ کے اندر تک محدود نہ رکھ کر مزدلفہ کے کافی حصہ تک وسیع کر دیا ہے۔

مزدلفہ میں بنے ہوئے ان خیموں میں ہزارہا حاجیوں کے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ اس صورتِ حال میں منیٰ میں رات گزارنے کی جو خاص سنت ہے وہ متروک ہو رہی ہے۔ اس لیے مزدلفہ میں ٹھہرنے والے حجاج اگر بسہولت منیٰ کے حدود میں (آنے کا) انتظام کرسکیں تو فبہا (بہت ہی اچھا) ورنہ اگر مزدلفہ میں ہی رہنا پڑے جیسا کہ عام حجاج کا حال ہے

تو اس کی وجہ سے ان پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہے۔اور حکومتی نظام کی مجبوری کی وجہ سے انشاء اللہ وہ ترکِ سنت کے گنہگار بھی نہ ہوں گے اور یہاں ٹھہرنے والے حضرات اگر عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ کی حدود میں اپنے بنے ہوئے خیموں میں آ کر رات گزاریں تو ان کا وقوف مزدلفہ کا عمل محقق ہو جائے گا۔(انشاء اللہ تعالیٰ)۔

(ندائے شاہی: جنوری ۲۰۰۱ء بحوالہ چھٹا فقہی اجتماع ۱۴۱۷ھ)

رات منیٰ سے باہر گزارنا؟

سوال:۔ایک شخص نے منیٰ میں قربانی کرنے کے بعد اور احرام کھولنے کے بعد دس اور گیارہ ذی الحجہ کو درمیانی رات مکمل اور گیارہ ذی الحجہ کا آدھا دن مکہ مکرمہ میں گزارا اور باقی دن منیٰ میں۔اور وہاں بارہ ذی الحجہ رمی تک رہا۔اس شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے۔اس لیے اس نے خلاف سنت کیا۔ مگر اس کے ذمہ دم وغیرہ واجب نہیں۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۲)

عرفات میں زوال کے بعد پہنچنا؟

مسئلہ:۔عرفات کے میدان میں زوال سے غروب آفتاب تک وقوف واجب ہے اگر کوئی شخص اپنی غفلت اور سستی یا کسی عذر مثلاً سواری نہ ملنے یا راستہ بھول جانے سے غروب سے کچھ قبل عرفات میں پہنچنے اور غروب کے بعد میدان سے نکل جائے تو اس کا وقوف ہو جائے گا۔دم واجب نہیں ہے۔(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۶)

عرفات میں غروب کے بعد پہنچنا؟

سوال:۔عرفات کے میدان میں سواری نہ ملنے۔یا راستہ بھول جانے کی وجہ سے کوئی شخص نویں ذی الحجہ کے غروب تک بھی نہ پہنچ سکے اور غروب کے بعد دسویں کی صبح صادق سے پہلے پہنچ جائے تو فرض وقوف تو ہو جائے گا۔لیکن کیا اسکو نویں ذی الحجہ کی غروب تک واجب وقوف نہ کرنے کی وجہ سے کیا دم دینا ہوگا؟

جواب:۔اگر کسی قدرتی عذر کیوجہ سے تاخیر ہوئی تو دم نہیں ہے۔اور اگر اپنی غفلت

یا مخلوق کی طرف سے عذر کے باعث تاخیر ہوئی تو دم واجب ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۸ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۱۷ وہدایہ: ج ۱/ص ۲۷۵)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کو کسی مجبوری سے نویں تاریخ کے زوال سے مغرب تک وقوف عرفہ کا موقع ملا تو وہ غروب آفتاب کے بعد دسویں شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے وقوف کرے ایسا کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا۔ (احکام حج: ص ۶۸)

عرفات میں کب تک رہے؟

مسئلہ:۔ میدان عرفات میں غروب آفتاب تک رہنا چاہئے۔ اگر سورج غروب ہونے سے پہلے واپس چلا گیا تو دم لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ج ۶/ص ۵۴۷ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۳۶)

مسئلہ:۔ جو شخص غروب آفتاب سے قبل عرفات کی حدود سے نکل گیا اس پر لازم ہے کہ واپس آئے اور غروب کے بعد عرفات سے باہر نکلے اگر ایسا نہ کیا تو اس پر دم واجب ہے یعنی قربانی۔ (احکام حج: ص ۶۸)

مسئلہ:۔ حج کے دو رکن ہیں وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت۔ بحالت احرام ادا کر لینے سے حج ادا ہو جائے گا۔ بقیہ امور حج میں واجب۔ سنت اور مستحب ہیں۔ جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا ثواب میں کمی آتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۷/ص ۱۹۴)

مسئلہ:۔ ''میدانِ عرفات'' عرفة کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ حضرت آدم وحواءؑ جنت سے زمین پر اترے تو دونوں ایک دوسرے سے دور تھے۔ بالآخر اس میدان میں پہنچ کر انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اسی مناسبت سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو احکام حج سکھائے اور یہاں آکر پوچھا ''هل عرفت'' کیا آپ نے متعلقہ احکام کو پہچان لیا؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں پر لوگ اپنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کرتے ہیں اس لیے اس کو عرفات کہا جاتا ہے۔ (تاریخ مکہ: ص ۱۲۷)



وقوفِ عرفہ کی نیت کب کرنی چاہیے؟

مسئلہ:۔ وقوفِ عرفہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔ یوم عرفہ کو زوال کے بعد جس وقت بھی میدان عرفات میں داخل ہو جائے وقوفِ عرفہ کی نیت کر لینی چاہیے۔ اگر نیت نہ بھی کرے اور وقوف ہو جائے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۴)

وقوفِ عرفات نویں ذی الحجہ کے روز زوالِ آفتاب کے بعد سے یوم نحر کی فجر تک ہے۔ اس میں نہ نیت شرط ہے اور نہ عقل کا بجا ہونا شرط ہے۔ پس جو شخص ان اوقات میں عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج درست ہو گیا۔ خواہ اس نے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور خواہ یہ جانتا ہو کہ عرفات میں ہے یا نہ جانتا ہو۔ یا حالت جنون یا بے ہوشی کے عالم میں ہو۔ سو رہا ہو یا بیدار ہو۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۸۲)

عرفات میں ظہر و عصر کی نماز قصر کیوں؟

سوال:۔ نویں ذی الحجہ کو مقام عرفات میں مسجد نمرہ میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں وہ ہمیشہ قصر کیوں پڑھی جاتی ہے۔ جب کہ مکہ مکرمہ سے عرفات کے میدان کا فاصلہ تین چار میل ہے؟

جواب:۔ ہمارے نزدیک عرفات میں قصر صرف مسافر کیلئے ہے۔ مقیم پوری نماز پڑھے گا۔ سعودی حضرات کے نزدیک قصر مناسک کی وجہ سے ہے۔ اسلئے امام خواہ مقیم ہو۔ قصر ہی کریگا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۵)

عرفات میں نماز ظہر و عصر جمع کرنے کی شرائط کیا ہیں؟

مسئلہ:۔ مسجد نمرہ کے امام کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قصر صرف امام مسافر کر سکتا ہے اگر امام مقیم ہو تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ سنا یہ تھا کہ مسجد نمرہ کا امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہے اس لیے حنفی حضرات ان کیساتھ جمع نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر تحقیق یہ ہو جائے کہ امام مسافر ہوتا ہے۔ تو حنفیہ کے لیے امام کی نمازوں میں شریک ہونا صحیح ہے۔ ورنہ دونوں نمازیں اپنے

اپنے وقت پر اپنے اپنے خیموں میں ادا کریں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۶)

مسئلہ:۔ اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ مسجد نمرہ میں امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں تو ان کی قتداء میں مسافر حنفی مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(فتاوی رحیمیہ: ج ۸/ص ۳۲۰ وشامی: ج ۲/ص ۲۳۸ واحکام حج: ص ۶۳)

مسئلہ:۔ عرفات میں ظہر اور عصر جمع کرنے کے لیے امام اکبر کے ساتھ جو مسجد نمرہ میں ظہر و عصر کی نماز پڑھاتا ہے اس جماعت میں شرکت شرط ہے۔ پس جو لوگ مسجد نمرہ کی دونوں نمازوں (ظہر وعصر) یا کسی ایک کی جماعت میں شریک نہ ہو ان کیلئے ظہر وعصر کو اپنے اپنے وقت پر پڑھنا لازم ہے۔ خواہ جماعت کرائیں یا اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔ ان کیلئے ظہر وعصر کو جمع کرنا (ایک ساتھ پڑھنا) جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۵ و معلم الحجاج: ص ۱۵۷)

مسئلہ:۔ عرفات میں نویں تاریخ کو ظہر وعصر۔ ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ اکٹھی پڑھی جاتی ہیں اس کے جمع کرنے میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں خواہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو۔

مسئلہ:۔ جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے تو مؤذن تکبیر کہے اور ظہر کی نماز پڑھائے۔ اس کے بعد پھر دوسری تکبیر کہنے کے بعد عصر کی نماز پڑھائے دونوں نمازوں میں قرأت پڑھے زور سے نہ پڑھے۔ نیز خطبہ ان نمازوں سے پہلے سنت ہے شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ ظہر کے فرضوں کے بعد تکبیر تشریق تو کہہ لے لیکن سنت مؤکدہ یا نفل نہ پڑھے اور عصر کی نماز کے بعد بھی ظہر کی نفل یا سنت نہ پڑھے۔ نیز دونوں نمازوں کے درمیان اور کوئی کام کرنا۔ کھانا پینا وغیرہ مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر امام مقیم ہو تو عرفہ میں دونوں نمازیں پوری پڑھے اور مقتدی بھی پوری پڑھیں خواہ مقیم ہوں یا مسافر اور اگر امام مسافر ہے تو قصر کرے اور جو مقتدی مسافر ہیں وہ بھی قصر کریں اور جو مقیم ہوں وہ پوری پڑھیں۔

مسئلہ:۔ مقیم شخص کو قصر کرنا جائز نہیں خواہ مقتدی ہو یا امام اور اگر مقیم امام ہو اور قصر کرے تو اس کی اقتداء نہ مسافر کو جائز ہے نہ مقیم کو۔ اگر کوئی امام مقیم قصر کرے گا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز نہ ہوگی۔ (احکام حج: ص ۱۵۷)

میدانِ عرفات میں قصر کا حکم؟

اس زمانہ میں تحقیق سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ عرفات۔ مزدلفہ۔ منیٰ میں نماز پڑھانے والا امام صوبہ نجد سے آتا ہے اور مسافر ہی رہتا ہے اس لیے موجودہ زمانہ میں امیرِ حج کے پیچھے شافعی۔ حنفی۔ مسلک کے لوگ بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا حنفی۔ اور شافعی مسلک کے مسافر حجاج امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیر دیا کریں۔ اور مقیم حجاج امام کے سلام کے بعد دو رکعت مزید پڑھ کر اپنی نماز کی تکمیل کر لیا کریں اور دونوں رکعتوں میں کسی قسم کی قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے (ایضاح المسالک: ص ۱۴۱ بحوالہ ایضا لطحاوی: ض ۳/ ص ۵۱۵

وقوفِ عرفات کا مسنون طریقہ؟

مسئلہ:۔ مستحب وقت عرفات میں جانے کا یہ ہے کہ یوم عرفہ نویں ذی الحجہ میں سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات روانہ ہو اور وہاں پہنچ کر حسب قاعدہ نماز ظہر وعصر سے فارغ ہو کر وقوفِ عرفات کرے اور وقوفِ عرفات کا وقت زوال یوم عرفہ سے طلوع فجر یوم نحر تک ہے یعنی دسویں تاریخ کی تمام رات بھی وقوف ہے اس عرصہ میں سے کسی وقت بھی عرفات پہنچ گیا تو فرض وقوف ادا ہو گیا۔

اور مزدلفہ کی طرف لوٹنے کا مستحب وقت وہی ہے جو مشہور ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد (نویں تاریخ کو) چل کر مزدلفہ پہنچے اور رات کو وہاں رہے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر وقوف مزدلفہ کرے اور اس وقوف کا وقت طلوع فجر یوم نحر سے طلوع آفتاب تک ہے اور یہ وقوف واجب ہے۔

اور جو حاجی عرفہ کے دن شام کو بعد غروب آفتاب یا عشاء کے وقت یا اسکے بھی بعد میں صبح صادق سے پہلے پہلے عرفات پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا۔ وہ عرفات میں کچھ دیر ٹھہر کر اسی وقت وہاں سے لوٹ کر مزدلفہ پہنچ کر وقوف مزدلفہ بھی اگر وقت مزدلفہ کا باقی ہو کر لے تاکہ واجب ساقط نہ ہو۔ اور اگر وقوفِ مزدلفہ نہ ہو سکا کہ اس کا وقت نہ ملا تو ترکِ واجب ہوا۔ اسلئے دم واجب ہو گیا۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ ۸ ص ۵۴۸ ورد المختار: ج ۲/ ص ۲۰۲ کتاب الحج)

مسئلہ:۔نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک پورے میدانِ عرفات میں جہاں چاہے وقوف کر (ٹھہر) سکتا ہے۔ نیز وقوفِ عرفات کے لیے پاک ہونا بھی شرط نہیں ہے اگر کوئی عورت حیض ونفاس کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں ہو یا مرد ناپاک ہو تو اس حالت میں بھی وقوف عرفات درست ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔افضل واعلیٰ تو یہ ہے کہ قبلہ رُخ کھڑے ہو کر مغرب تک وقوف کرے اگر پورے وقت میں کھڑا نہ ہو سکے تو جس قدر کھڑا ہو سکتا ہے۔ کھڑا رہے پھر بیٹھ جائے پھر جب قوت وہمت ہو کھڑا ہو جائے اور پورے وقت میں خشوع وخضوع کے ساتھ بار بار تلبیہ پڑھتا رہے گریہ وزاری کے ساتھ ذکر اللہ اور تلاوت اور درود شریف اور استغفار میں مشغول رہے اور دینوی مقاصد کے لیے اپنے واسطے اور اپنے متعلقین واحباب کے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگتا رہے۔ یہ وقت مقبولیت دعاء کا خاص وقت ہے اور یہ ہمیشہ نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے اس دن بلاضرورت آپس کی جائز گفتگوؤں سے بھی پرہیز کرے پورے وقت کو دعاؤں اور ذکر اللہ میں صرف کرے۔

مسئلہ:۔وقوف کی دعاؤں میں دعاء کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ جب تھک جائے ہاتھ چھوڑ کر بھی دعاء مانگ سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ (**الله اکبر و لله الحمد**) کہا اور پھر یہ دعاء پڑھی: (**لاالہ الا الله وحده لاشریک لہ لہ الملک و له الحمد. اللهم اهدنی بالهدیٰ ونقنی بالتقویٰ واغفرلی فی الآخرۃ والاولیٰ.**)

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔ اے اللہ تو مجھے ہدایت پر رکھ اور تقویٰ کے ذریعہ پاک فرما اور مجھے دنیا وآخرت میں بخش دے۔"

اس کے بعد پھر ہاتھ اُٹھا کر وہی کلمات اور دعاء پڑھیں پھر اتنی دیر ہاتھ چھوڑے رکھے اور پھر تیسری مرتبہ وہ ہی کلمات اور دعاء مانگی۔ اصل بات یہ ہے کہ جو دعاء دل سے اور خشوع کے ساتھ مانگی جائے وہی بہتر ہے خواہ کسی زبان میں مانگے۔ یاد رہے کہ دعاء کا پڑھنا مقصود نہیں بلکہ دعاء مانگنا مقصود ہے۔ (احکام حج: ص ۶۵ و معلم الحجاج: ص ۱۵۵)

عرفات کے ضروری مسائل؟

مسئلہ:۔عرفات مکہ مکرمہ سے مشرق کی جانب تقریباً نومیل اور منیٰ سے چھ میل ایک میدان ہے۔نویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے دسویں کی صبح صادق تک کسی وقت اس میں ٹھہرنا گوایک لحظہ ہی ہو حج کا رکنِ اعظم ہے۔(گویا اس میدان میں نویں تاریخ کو جو شخص ایک لحظہ کے لیے احرام کے ساتھ پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا)۔

مسئلہ:۔عرفات کا میدان سارا موقف یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے جہاں جی چاہے ٹھہرے علاوہ بطنِ عرفہ کے۔

مسئلہ:۔عرفات میں پہنچ کر تلبیہ۔ دعاء اور درود شریف وغیرہ کثرت سے پڑھتا رہے جب زوال ہو جائے وضو کرے غسل افضل ہے۔ضروریات کھانا۔ پینا وغیرہ سے زوال سے پہلے فارغ ہو جائے اور بالکل اطمینان وسکون قلب کے ساتھ اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو۔

مسئلہ:۔وقوف عرفہ کے لیے نیت شرط نہیں۔ اگر نیت نہ کی تب بھی ہو جائے گا۔عرفات میں وقوف کے وقت کھڑا رہنا مستحب ہے شرط اور واجب نہیں ہے۔ بیٹھ کر۔ لیٹ کر جس طرح ہو سکے سوتے۔ جاگتے وقوف کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔وقوف میں ہاتھ اٹھا کر حمد وثناء درود، دعاء، اذکار، تلبیہ وغیرہ پڑھتے رہنا مستحب ہے اور خوب دعائیں کریں یہ قبولیت کا وقت ہے۔

مسئلہ:۔وقوف کے لیے حیض ونفاس وجنابت سے پاک ہونا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔نویں ذی الحجہ کو زوال سے لے کر غروب ہونے تک عرفات میں رہنا واجب ہے۔ اگر سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات کی حد سے نکل جائے گا تو دم واجب ہوگا۔لیکن اگر سورج غروب ہونے سے پہلے پھر واپس عرفات میں آجائے تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر غروب کے بعد عرفات میں واپس آئے گا۔تو دم ساقط نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ جمعہ کے روز اگر وقوفِ عرفہ (حج) ہو تو اس کی فضیلت اور دن کے وقوف سے ستر درجہ زیادہ ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۶۳)

مسئلہ:۔عرفات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔(معلم الحجاج:ص ۱۵۷)

میدانِ عرفات میں کیا پڑھے؟

مسئلہ:۔ایک روایت میں آیا ہے۔کہ جو مسلمان عرفہ کو زوال کے بعد موقف میں وقوف کرے اور قبلہ رخ ہوکر سو مرتبہ (لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر.) پھر سو مرتبہ (قل ھو اللہ احد) پوری سورت پھر سو مرتبہ نماز کا درود شریف (درود ابراہیمی) پڑھے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔"میرے فرشتو! کیا جزاء ہے میرے اس بندے کی کہ اس نے میرے تسبیح وتہلیل کی اور بڑائی وعظمت کی اور ثناء کی اور میرے نبی پر درود بھیجا۔

میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی شفاعت کو اس کے نفس کے بارے میں قبول کیا۔اور اگر میرا بندہ اہلِ موقف کی بھی شفاعت کرے گا تو قبول کرونگا۔اور جو دعاء چاہے مانگے۔(فتاویٰ رحیمیہ:ج۹/ص۱۱۸ومعلم الحجاج:ص۱۷۵واحکام حج:ص۱۲۵وحج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص۶۰)

غروب کے بعد عرفات سے واپسی کی وجہ؟

زمانۂ جاہلیت میں لوگ عرفہ سے غروب آفتاب سے پہلے ہی لوٹ آتے تھے۔اور مزدلفہ میں پہنچ کر فخر وصابات کی محفلیں جماتے تھے۔اور نمود کا بازار گرم ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور حجۃ الوداع میں غروب کے بعد واپسی فرمائی کیونکہ غروب سے پہلے واپسی کے لیے کوئی ایسا وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا تھا۔جس میں کسی کا ابہام نہ ہو۔

جب کہ ایسے بڑے اجتماع کے لیے ایسے واضح تعیین ضروری ہے۔اور غروب ایک ایسی واضح علامت تھی جس میں ذرا بھی ابہام نہیں تھا۔چنانچہ واپسی کے وقت کا انضباط غروب شمس سے کیا گیا۔

علاوہ ازیں خطہ گرم ہے۔علاقہ پہاڑی ہے اور شام کو تپش تیز ہوتی ہے اس لیے غروب سے پہلے واپسی میں پریشانی ہے۔اس لیے بھی واپسی کے لیے موزوں وقت غروب کے بعد ہے جیسے منیٰ سے عرفات کیلئے روانگی فجر کے فوراً بعد تجویز کی گئی تا کہ ٹھنڈے وقت میں لوگ ٹھکانے پہنچ جائیں۔(رحمۃ اللہ الواسعۃ:ج۴/ص۲۰۲)

مزدلفہ میں شب گزارنے کی وجہ؟

عرفات سے واپسی میں مزدلفہ میں رات گزارنا ایک قدیمی دستور تھا۔ شریعت نے اس کو باقی رکھا ہے۔ کیونکہ حج کا اجتماع ایک عظیم اجتماع ہے۔ لوگوں نے ایسا اجتماع شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ اور عرفات سے واپسی غروب کے بعد ہوتی ہے یعنی رات شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے اندیشہ تھا کہ لوگ واپسی میں دھکا دھکی کرینگے اور ایک دوسرے کو چور چور کر دینگے۔ پھر لوگ دن بھر کے تھکے ماندے ہوتے ہیں۔ دور دراز سے چل کر عرفات میں آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اکثریت پیدل چلنے والوں کی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر ان کو حکم دیا جاتا کہ منیٰ میں پہنچو تو وہ اور بھی ٹوٹ جاتے اور آئندہ کل کے لیے نہ رہتے۔ اس لیے راستہ میں قیام تجویز کیا گیا تا کہ وہاں سستا کر صبح کو اگلی منزل کا رخ کریں (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۰۳)

نیز مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ وقوفِ عرفہ، غروب آفتاب کے بعد ختم کیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ کے لیے روانہ ہونگے تو بہت تاخیر ہو جائے گی اور رات کا بڑا حصہ سفر کی نذر ہو جائے گا اور وقوفِ مزدلفہ میں خلل پڑے گا۔ اس لیے وقوفِ عرفہ ختم کرتے ہی مزدلفہ کے لیے روانگی ہو جاتی ہے۔ لوگ جلد از جلد مزدلفہ پہنچ کر دونوں نمازیں (مغرب وعشاء) ایک ساتھ ادا کر کے آرام کرتے ہیں اور صبح تازہ دم ہو کر وقوفِ مزدلفہ کرتے ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۳۴)

مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنا؟

سوال:۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جو جمع کر کے ایک ساتھ پڑھتے ہیں اس کی کیا شرائط ہیں؟ عورت و مرد تمام پر ضروری ہے؟

جواب:۔ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کا جمع کرنا حاجیوں کیلئے ضروری ہے۔ مغرب کو مغرب کے وقت پڑھنا ان کیلئے جائز نہیں ہے۔ اسمیں مرد اور عورت دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۶)

مسئلہ:۔ یوم عرفہ کی شام کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ جاتے ہیں اور نماز مغرب وعشاء دونوں مزدلفہ پہنچ کر ادا کرتے ہیں۔

اگر کسی نے مغرب کی نماز عرفات میں یا راستہ میں پڑھ لی تو جائز نہیں ہے۔
مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ مغرب کی نماز پڑھے۔ اسکے بعد عشاء کی نماز پڑھے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۵)

مسئلہ:۔ اگر کوئی تنہا (یا جماعت کے ساتھ) عرفہ کے دن مغرب کی نماز عرفات میں پڑھے اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں پڑھے تو اس شخص کو مغرب کی نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے۔
(امداد الفتاویٰ: ج ۱/ص ۱۷)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے جمع کرنے میں امام الحج کی شرط نہیں ہے۔ پس اگر تنہا پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ج ۲/ص ۱۷۱)

مسئلہ:۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب وعشاء جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں اگر جماعت نہ ملے تو اکیلے پڑھ لے۔ نیز دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنتیں نہ پڑھی جائیں بلکہ سنتیں بعد میں پڑھیں اور اگر مغرب کی نماز پڑھ کر اس کی سنتیں پڑھیں تو عشاء کی نماز کے لیے دوبارہ اقامت کہی جائے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۵ و احکام حج: ص ۶۸)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازیں عشاء کے وقت جمع کرنا یعنی دونوں کو ایک ساتھ پڑھنا واجب ہے اور اس کے لیے جماعت بھی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ گیا تو ابھی مغرب کی نماز نہ پڑھے عشاء کے وقت کا انتظار کرے۔ اور عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو جمع کرے۔

مسئلہ:۔ مزدلفہ کی رات میں جاگنا اور عبادت کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ:۔ دسویں شب ذی الحجہ یعنی عید کی شب مزدلفہ میں قیام کرنا سنت مؤکدہ ہے۔
(احکام حج: ص ۹۹)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھنے کے لیے جماعت شرط نہیں۔ جماعت سے پڑھے یا تنہا دونوں کو اکٹھا پڑھے لیکن جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھنا واجب ہے۔ بخلاف ظہر وعصر کے عرفات میں ان کا جمع کرنا مسنون ہے اور مزدلفہ میں جمع کے لیے بادشاہ یا اس کا نائب ہونا شرط نہیں

اور جماعت بھی شرط نہیں۔ اور خطبہ بھی یہاں نماز سے پہلے مسنون نہیں۔ اور تکبیر بھی دونوں نمازوں کے لیے ایک ہی ہوتی ہے۔ اور ایک ہی اذان یعنی ایک اذان اور ایک تکبیر سے مغرب وعشاء کی نماز پڑھے۔ (معلم الحجاج: ص ۱۶۵)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں مغرب وعشاء میں ترتیب واجب ہے۔ پہلے مغرب پڑھیں پھر عشاء اور اگر پہلے عشاء پڑھ لی تو بترتیب اعادہ واجب ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ج ۲/ص ۱۷۱)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں مغرب کی نماز میں ادا کی نیت کرے قضا کی نیت نہ کرے۔ گو قضا کی نیت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ (معلم الحجاج: ص ۱۲۴)

مسئلہ:۔ اگر راستہ میں عرفات واپس ہوتے ہوئے کوئی ایسی وجہ پیش آجائے تو اگر اندیشہ ہو کر مزدلفہ پہنچنے تک فجر کی نماز کا وقت ہو جائے گا۔ تو راستہ میں مغرب اور عشاء پڑھنا جائز ہے۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار: ج ۲/ص ۵۰۹ و معلم الحجاج: ص ۱۶۵)

مزدلفہ میں وتر وسنتوں کا حکم؟

مسئلہ:۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وتر نماز تو واجب ہے۔ اور اس کا ادا کرنا مقیم اور مسافر ہر ایک کے ذمہ لازم ہے۔ باقی رہی سنتیں! سنن مؤکدہ کا ادا کرنا مقیم کے لیے تو ضروری ہے۔ مسافر کو اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۲۱۸)

مسئلہ:۔ مزدلفہ میں عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد۔ مغرب وعشاء دونوں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں سنت ونفل کچھ نہ پڑھیں بلکہ مغرب اور عشاء کی سنت اور وتر عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں۔ اگر اتفاق سے جماعت سے نماز نہ پڑھ سکا اور تنہا نماز ادا کی تو تب بھی سنتوں کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح تکبیر تشریق بھی عشاء کی نماز کے بعد کہے مغرب کے بعد نہ کہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۱۸)

مشعرِ حرام میں وقوف کی وجہ؟

مشعرِ حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پاس وقوف فرمایا ہے۔ پس وہاں وقوف کرنا افضل ہے۔ اور تمام مزدلفہ میں جہاں بھی قیام اور وقوف کرے جائز ہے۔

مزدلفہ میں لوگ پہنچ کر مغرب وعشاء ایک ساتھ ادا کر کے سو جاتے ہیں۔ صبح فجر کے بعد وقوفِ مزدلفہ شروع ہوتا ہے اور یہ وقوف اس لیے مشروع کیا گیا ہے۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ یہاں پر تفاخر ونمود کی محفلیں جماتے تھے۔ اسلام نے اس کو کثرتِ ذکر سے بدل دیا۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۹۸ میں ہے: ﴿فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ﴾

یعنی جب تم لوگ عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو۔ اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے۔ اگر چہ قبل ازیں تم گمراہوں میں سے تھے۔ یعنی جاہلیت میں جو کچھ یہاں کیا جاتا تھا وہ گمراہی تھی۔

یہاں پر کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ جاہلیت کی عادت کا انسداد ہو جائے یعنی یہ ذکر ان کو تفاخر کا موقع ہی نہ دے۔

نیز اس جگہ ذکر الٰہی کے ذریعہ توحید کی شان بلند کرنا ایک طرح منافست اور ریس کی ترغیب ہے کہ دیکھیں تم خدا کی یاد زیادہ کرتے ہو یا مشرکین کی تفاخرت کا پلہ بھاری ہے۔
(رحمتہ اللہ الواسعۃ: ج۴/ص۲۰۳)

مسجدِ مشعر حرام کہاں ہے؟

یہ مسجد سڑک نمبر پانچ پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے قبلہ کی سمت میں قیام فرماتے تھے۔ اس جگہ پر مسجد بنی ہے۔ بالآخر سعودی حکومت نے اس مسجد کی تعمیر جدید وتوسیع کی ہے اس کی لاگت تقریباً پچاس لاکھ ریال ہے۔ اس کا طول مشرق سے مغرب کی جانب ۹۰ میٹر اور عرض ۵۶ ہے اور کل رقبہ ۵۰،۴۰ مربع میٹر ہے۔ اس میں بارہ ہزار سے زیادہ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

مسجد مشعر حرام سے خیف کا فاصلہ پانچ کلومیٹر ہے جبکہ مسجد نمرہ کا فاصلہ سات کلومیٹر ہے۔ (تاریخ مکہ مکرمہ: ۱۲۵/ از ڈاکٹر عبد الغنی صاحب)

☆☆

مزدلفہ میں وقوف کب ہوتا ہے؟

سوال:۔ مزدلفہ میں تو رات کو میدان عرفات سے پہنچیں گے اس کے بعد اس کا وقوف کب سے شروع ہوتا ہے۔ اور کب تک رہتا ہے۔ نیز فجر کی نماز کس وقت پڑھینگے؟ اور اگر کوئی وادی محسر میں جس میں اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا تھا نماز پڑھ لے؟

جواب:۔ وقوف مزدلفہ کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کو صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے سے پہلے تک ہے۔

سنت یہ ہے کہ صبح صادق ہوتے ہی اول وقت نماز فجر ادا کی جائے۔ نماز سے فارغ ہو کر وقوف کیا جائے اور سورج نکلنے سے پہلے تک دعاء واستغفار اور تضرع وابتہال میں مشغول ہوں۔ جب سورج نکلنے کے قریب ہو تو منیٰ کی طرف چل پڑیں۔ اور وادی محسر میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر بے خبری میں پڑھ لی تو خیر نماز تو ہوگئی لیکن وادی محسر میں وقوف جائز نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۸)

مسئلہ:۔ مزدلفہ سب کا سب ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر میں نہ ٹھہرے (معلم الحجاج: ص ۱۶۶)

مسئلہ:۔ فجر سے پہلے مزدلفہ میں آنا خواہ گھڑی بھر کے لیے ہو۔ اگر طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ کی موجودگی رہ گئی تو قربانی (دم) لازم ہوگی۔ البتہ اگر اس کی تاخیر کا سبب کوئی خاص عذر ہو یا مرض تو کچھ لازم نہیں آتا۔ (کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۸۹ و شامی: ج ۱/ص ۵۱۱)

وقوف مزدلفہ چھوٹ جائے؟

سوال:۔ سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ نہیں پہنچا۔ تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ اگر وقوفِ مزدلفہ کسی قدرتی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکا مثلاً کوشش کے باوجود عرفات سے مزدلفہ طلوع آفتاب سے پہلے نہ پہنچ سکا تو کوئی جزاء واجب نہیں۔ البتہ مخلوق کی طرف سے کسی رکاوٹ کی وجہ سے یا عمداً (جان بوجھ کر) ترکِ وقوف سے دم واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۱ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۱۹۴ و احکام حج: ص ۱۰۳)

منیٰ ومزدلفہ میں قیام کا حکم؟

مسئلہ:۔ایام نحر کی راتوں کو منیٰ میں رہنا اور قربانی کی رات عرفات سے نکلنے کے بعد رات کو مزدلفہ میں رہنا اور مزدلفہ سے آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جانا سنت ہے۔
(کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۰۹۳)

صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ جانا؟

مسئلہ:۔مریض۔ضعیف۔مستورات۔عذر کیوجہ سے مزدلفہ میں وقوف نہ کریں تو جائز ہے۔ مگر انکے ساتھ کی وجہ سے تندرست مرد بھی وقوف نہ کرے۔اور صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ چلا جائے تو اس تندرست پر دم واجب ہوگا۔اسلئے کہ اس کا ترکِ وقوف بلا عذر ہے۔
(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۲۱ وفتاویٰ رحیمیہ: ج۶/ص۴۰۱ وفتاویٰ محمودیہ: ج۱۳/ص۱۸۱)

مسئلہ:۔جوکوئی کمزور لوگوں اور عورتوں کے ساتھ مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے۔اس کا حکم ان ہی لوگوں یعنی معذوروں جیسا حکم ہے۔(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۶۷)
(جو معذوروں کے ساتھ ہے وہ بھی معذوروں کے حکم میں ہے)۔

مسئلہ:۔مزدلفہ میں وقوف کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔اگر کوئی شخص سورج نکلنے کے بعد یا صبح صادق سے پہلے مزدلفہ کا وقوف کرے گا تو وقوف صحیح نہ ہوگا۔

اس وقت وقوف کرنا واجب ہے گو ذراسی دیر ہو۔اگر راستہ چلتے بھی اس وقت میں مزدلفہ میں کو گزر جائے گا تو وقوف ہو جائے گا۔خواہ سوتے۔جاگتے۔بیہوشی یا کسی حال میں ہو مزدلفہ کا علم ہو یا نہ ہو۔جیسے وقوفِ عرفات کا حکم ہے۔کہ ہر حال میں صحیح ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔اگر عورت ہجوم کی وجہ سے نہ ٹھہرے تو دم واجب نہ ہوگا۔لیکن اگر مرد ہجوم کی وجہ سے نہ ٹھہرے گا تو دم واجب ہوگا۔

اور اگر صبح صادق کے بعد اندھیرے ہی میں مزدلفہ سے چل دیا تو دم واجب نہ ہوگا۔کیونکہ مقدار واجب وقوف ہو گیا۔

(کیونکہ وقوف مزدلفہ کا وقت واجب کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔ اس میں ایک لمحہ بھی وہاں پر چلا جائے یا گزر جائے تو واجب ادا ہو جائے گا۔(محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔اگر مزدلفہ میں اس وقت (صبح صادق کے بعد سورج نکلتے تک) وقوف نہ کیا اور رات ہی کو صبح صادق سے پہلے وہاں سے چلا گیا تو دم واجب ہوگا۔ البتہ عذر کی وجہ سے نہ ٹھہرا مثلاً مریض ہے یا کمزور ہے تو دم واجب نہ ہوگا۔

نیز مغرب وعشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مزدلفہ میں ٹھہرے اور مزدلفہ میں صبح صادق تک ٹھہرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ (معلم الحجاج:ص ۱۶۷)

(صبح صادق سے سورج نکلنے تک کا وقت واجب ہے)

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص عرفات میں بالکل اخیر وقت یعنی صبح صادق کے قریب پہنچا اور صبح صادق کے بعد سورج نکلنے تک مزدلفہ میں نہ آسکا تو اس پر بھی دم واجب نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج:ص ۱۶۷)

مسئلہ:۔صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا۔ اور ترک واجب کیوجہ سے دم لازم ہوگا۔ (یعنی صبح صادق سے پہلے مزدلفہ سے نہ نکلے) اگر رات کو مزدلفہ نہیں پہنچ سکا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اس وقت ہی پہنچا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

مسئلہ:۔سورج نکلنے میں جب دو رکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے اس وقت تک ٹھہرنا سنت مؤکدہ ہے لیکن ضعیف اور عورت اگر صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے تو ان کے لیے اجازت ہے بلکہ جو زیادہ ضعیف ہو اور برداشت نہ کرسکیں (مزدلفہ میں ٹھہرنا) وہ اگر اندھیرے ہی میں صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہو جائیں تو ان پر عذر کی وجہ سے دم لازم نہیں آئے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ:ج ۱۳/ص ۱۸۱)

شیطان کو کنکریاں مارنے کی کیا علت ہے؟

سوال:۔حج کے موقع پر شیطان (جمرات) کو جو کنکریاں ماری جاتی ہیں کیا اس کی علت حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے جس میں شیطان نے متعدد دفعہ بہکایا تھا؟

جواب:۔غالباً ابراہیمؑ والا واقعہ ہی اس کا سبب ہے مگر یہ علت نہیں۔ ایسے امور کی علت تلاش نہیں کی جاتی۔ بس جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جاتی ہے اور حج کے اکثر افعال اور ارکان عاشقانہ انداز کے ہیں کہ عقلاء ان کی علتیں تلاش کرنے سے قاصر ہیں۔

(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۱۳۰)

کنکریاں مارنے کا وقت

مسئلہ:۔ پہلے دن دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ (بڑا شیطان) کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے مگر طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرنا خلاف سنت ہے۔ اس کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے۔ زوال سے غروب تک بلا کراہت جواز کا وقت ہے۔ اور غروب سے اگلے دن کی صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی عذر ہو تو غروب کے بعد بھی بلا کراہت جائز ہے۔ گیارہویں اور بارہویں کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے رمی نہ کر سکے تو غروب کے بعد بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ:۔ تیرہویں تاریخ کی رمی کا مسنون وقت تو زوال کے بعد ہے۔ لیکن صبح صادق کے بعد زوال سے پہلے اس دن کی رمی کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۳۲ و معارف القرآن: ج۱/ص۴۳۶)

کنکریاں مارنے کا صحیح مقام کیا ہے؟

مسئلہ:۔ منیٰ میں تین مقام ہیں جن پر قد آدم ستون بنا کر چاروں طرف نشان لگا دیا گیا ہے۔ یعنی ستون کے چاروں طرف گول حوض بنا دی گئی ہے اور ان تینوں جگہ کو جمرات یا جمار کہتے ہیں۔ عام طور پر لوگ ان ستونوں کو بت (یا شیطان) سمجھتے ہیں اور ان ہی میں کنکریاں مارتے ہیں۔ جمار یعنی کنکری پھینکنے کی جگہ ستون کے نیچے کی اور نشان نما حوض کے اندر کی زمین ہے۔ اس لیے کنکریاں ستون میں نہ مارنا چاہئے بلکہ اسی جگہ پر مارنی چاہئے جہاں کنکریاں جمع ہوتی ہیں اگر ستون پر کنکری ماری اور وہ نیچے گر گئی تو رمی ہو جائے گی اور گر ستون کے اوپر جا کر ٹھہر گئی نیچے نہ گری تو رمی نہ ہوگی۔ (معلم الحجاج: ص۳۵۵)

مسئلہ:۔ کنکری کا جمرہ (ستون) پر لگنا ضروری نہیں ہے۔ اگر کنکری جمرہ کے قریب (حوض کے اندر) گر گئی تو بھی جائز ہے اور قریب کی حد دیوار کا احاطہ ہے جو ہر جمرہ کے گرد (حوض نما) بنا دیا گیا ہے اور جو کنکری احاطہ میں نہ گری تو اس کی جگہ دوسری کنکری مارے۔

(احکام حج: ص۷۶ و احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۶۸ کتاب الحج)

کنکریاں کیسی اور کتنی ہوں؟

مسئلہ:۔مزدلفہ سے کنکریاں مثل کھجور کی گٹھلی یا چنے اور لوبۓ کے دانے کے برابر اٹھا نا رمی کرنے کے لیے مستحب ہے اور کسی جگہ سے یا راستہ سے بھی اٹھانا جائز ہے۔مگر جمرے کے (جس جگہ پر کنکری ماری جاتی ہے اس کے) پاس سے نہ اٹھائے۔اگر کوئی ان کو وہاں سے اٹھا کر مارے گا۔جائز تو ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:ج۹/ص۱۱۱۶/ ومعلم الحجاج:ص۱۸۴)

مسئلہ:۔بڑے پتھروں کو توڑ کر چھوٹی کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔اگر بڑے بڑے پتھر مارے تو جائز تو ہے۔لیکن مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔کنکریوں کو دھوکر مارنا مستحب ہے اگر چہ پاک جگہ سے اٹھائی ہوں اور جو کنکریاں یقیناً ناپاک ہوں ان کو مارنا مکروہ ہے اور شک کا اعتبار نہیں ہے۔نیز ناپاک جگہ کی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے۔اس لیے ناپاک جگہ سے نہ اٹھائے۔

مسئلہ:۔سات کنکریاں پہلے دن دس تاریخ کو صرف جمرہ عقبیٰ پر ماری جاتی ہیں اور باقی گیارہ بارہ کو اکیس اکیس کنکریاں تینوں جمرات یعنی ہر ایک پر سات ماری جاتی ہیں۔

(معلم الحجاج:ص۱۶۸)

منیٰ سے اٹھا کر کنکریاں مارنا؟

سوال:۔اگر حاجی کنکریاں مزدلفہ سے نہیں لائے بلکہ منیٰ سے اٹھا کر مارے تو کیا دم لازم ہوگا؟

جواب:۔سنگریزے اگر مزدلفہ سے نہیں لایا بلکہ منیٰ سے اٹھا کر رمی کی تو اس سے دم لازم نہیں آتا۔لیکن اگر جمرہ (شیطان) کے پاس سے اٹھائے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم:ج۶/ص۵۵۵ وعالمگیری مصری:ج۱/ص۲۱۸ کتاب الحج)

جمرات کے قریب سے کنکریاں اُٹھانا؟

سوال:۔کیا جمرات کے آس پاس سے کنکریاں لے کر مارنا جائز ہے؟

جواب:۔ہاں جائز ہے۔اسلئے کہ قرین قیاس یہی ہے کہ ان کنکریوں سے رمی نہیں کی گئی ہے۔البتہ جو کنکریاں جمرات کے حوض میں ہیں ان سے رمی کرنی صحیح نہیں ہے۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ:ص۱۷)

کون سے ہاتھ سے رمی کی جائے؟

مسئلہ:۔سیدھے ہاتھ سے کنکری مارنا مسنون ہے۔ثواب زیادہ ملتا ہے لہٰذا حتی الامکان سیدھے ہی ہاتھ سے رمی کرے۔اگر سیدھے ہاتھ سے رمی کر ہی نہ سکے تو بائیں (الٹے) ہاتھ سے رمی کرے (کنکری مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۹)

مسئلہ:۔جن کنکری سے رمی کی گئی ہواور وہ کنکری جمرے کے قریب گری ہوئی ہو وہ کنکری وہاں سے اٹھا کر اس سے رمی کرنا مکروہ ہے۔کہ وہ مردود ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج۹/ص۱۱۶)

دسویں ذی الحجہ کو مغرب کے وقت رمی کرنا؟

سوال:۔دسویں ذی الحجہ کو رمی کرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔ہم نے صبح کے بجائے مغرب کے وقت رمی کی۔کیا یہ عمل صحیح ہے؟

جواب:۔مغرب تک رمی کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔لیکن یہ شرط ہے کہ جب تک رمی نہ کرلیں تب تک۔تمتع اور قران کی قربانی نہیں کرسکتے۔اور جب تک قربانی نہ کرلیں۔بال نہیں کٹوا سکتے۔اگر آپ نے اس شرط کو ملحوظ رکھا تو ٹھیک کیا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۳۲)

مسئلہ:۔دسویں تاریخ کی رمی اگرچہ عورتوں اور بیماروں کے علاوہ دوسروں کے لیے مغرب کے بعد مکروہ ہے۔مگر رات میں طلوع فجر سے پہلے پہلے کرنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔اگر دسویں تاریخ کے بعد کی رات گزر گئی اور رمی نہیں کی تو اس کی قضاء بھی واجب ہے اور رات کے بعد کرنے سے دم دینا بھی لازم ہے۔(احکام حج: ص۴۷)

مسئلہ:۔رمی اور قربانی کرنے میں اتنی جلدی کرنا کہ ازدحام (بھیڑ) کیوجہ سے اپنے نفس کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو حرام ہے۔غروب سے کچھ قبل اطمینان سے رمی کریں۔اگر اس وقت بھی ہجوم وازدحام ہو تو غروب کے بعد رمی کریں۔ایسی حالت میں غروب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔(احسن الفتاویٰ: ج۴/ص۵۶۸ کتاب الحج)

رات کے وقت رمی کرنا؟

طاقت ور مردوں کورات کے وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔البتہ عورتیں اور کمزور مرد اگر عذر کی بناء پر رات کو رمی کریں تو ان کیلئے نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۱، وعمدۃ الفقہ: ۲۳۳)

سنت یہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے وقت (بسم اللہ اللہ اکبر.) کہا جائے۔
(کتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۰۸۹)

رمی جمار میں ترتیب بدل گئی؟

ایک صاحب نے تین یوم میں بھول یا غلطی سے جمرہ عقبیٰ سے شروع ہو کر جمرہ اولیٰ پر رمی ختم کیں تو اس غلطی یا بھول کی سزا و جزا کیا ہے؟ اس سے حج میں فرق آیا کیا؟

جواب:۔ چونکہ جمرات میں ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے اور ترکِ سنت پر دم نہیں آتا۔ اسلئے حج میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ اور نہ دم واجب ہوگا۔ البتہ ترک سنت سے کچھ اساءت آتی ہے۔ یعنی خلاف کام کیا۔

صورت مسئولہ میں اگر یہ شخص جمرہ اولیٰ کی رمی کے بعد علی الترتیب جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبیٰ کی رمی دوبارہ کر لیتا تو اس کا فعل سنت کے مطابق ہو جاتا اور اساءت ختم ہو جاتی۔ (لیکن حج ہو گیا دم وغیرہ لازم نہیں آیا ہے) (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۱ وفتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۶ وعالمگیری مصری: ج ۱/ص ۲۱۸ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۶/ص ۴۲ ومعلم الحجاج: ص ۱۸۳)

۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا؟

سوال:۔ اکثر دیکھا گیا کہ لوگ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنے نکل جاتے ہیں کہ بعد میں رش ہو جائے گا۔ اس لیے قبل از وقت مار کر نکل جاتے ہیں۔ کیا یہ عمل درست ہے؟

جواب:۔ صرف دس ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے ہے۔ گیارہ، بارہ کی رمی زوال کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اگر زوال سے پہلے کر لی تو وہ رمی ادا نہیں ہوئی۔ اس صورت میں دم واجب ہوگا۔ البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کر کے جانا جائز ہے۔
(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۳۳ و معلم الحجاج ص ۱۸۲ و احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۸)

بارہ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں رمی کرنا؟

سوال:۔عورتوں اور ضعفاء کے لیے تو رات کو کنکریاں مارنا جائز ہے لیکن بارہویں ذی الحجہ کو اگر غروب آفتاب کے بعد ٹھہریں اور رات کو رمی کریں تو کیا ان پر تیرہویں کی رمی بھی لازم ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔بارہویں تاریخ کو بھی عورتیں ودیگر ضعفاء کمزور حضرات رات کو رمی کر سکتے ہیں۔بارہویں تاریخ کو منیٰ سے غروب آفتاب کے بعد بھی تیرہویں کی فجر سے پہلے آنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔اس لیے اگر تیرہویں تاریخ کی صبح صادق ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل جائیں تو تیرہویں تاریخ کو رمی لازم نہیں ہوگی اور اس کے چھوڑنے پر دم لازم نہیں آئے گا۔ہاں!اگر تیرہویں کی فجر بھی منیٰ میں تو پھر تیرہویں کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے۔اس کے چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔(آپ کے مسائل:ج ۴/ص ۱۳۴)

مسئلہ:۔تیرہویں تاریخ کی شب میں منیٰ کا قیام اور تیرہویں تاریخ کی رمی اصل سے واجب نہیں مگر افضل ہے۔البتہ تیرہویں کی صبح منیٰ میں ہو جائے تو اس دن کی بھی رمی واجب ہو جاتی ہے۔(احکام حج:ص ۸۳)

ترکِ رمی کا حکم

سوال:۔اگر کوئی شخص دسویں ذی الحجہ کی رمی نہ کر سکے تو کیا اس کی قضاء گیارہویں یا بارہویں کو بھی کر سکتا ہے؟اسی طرح جو شخص گیارہویں یا بارہویں کی رمی نہ کر سکے تو کیا اس کی قضاء بارہویں یا تیرہویں کو کر سکتا ہے۔دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر کسی دن رمی معین وقت میں نہ کر سکے تو اس کی قضاء تیرہویں تاریخ تک کسی دن کر سکتا ہے یا صرف دوسرے ہی دن کر سکتا ہے۔اور بعد میں صرف دم دے؟

جواب:۔قضاء اور دم دونوں واجب ہیں قضاء کا وقت تیرہویں تک ہے اس کے بعد نہیں۔اور دم کی تفصیل یہ ہے کہ سب ایام کی یا ایک دن کی پوری یا نصف سے زائد کنکریاں چھوڑ دیں۔تو دم واجب ہے۔اور ایک دن کی نصف سے کم چھوڑ دیں تو ہر کنکری

کے عوض نصف صاع صدقہ واجب ہے۔ اگر صدقہ کا مجموعہ دم کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس سے کچھ کم کر دے۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۵ بحوالہ ردالمختار: ج ۲/ص ۲۲۵ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۵/ص ۲۳۲)

رمی مؤخر ہونے پر قربانی بعد میں؟

سوال:۔ ہجوم کی وجہ سے اگر عورت رات تک رمی مؤخر کر دے تو کیا اس کے حصے کی قربانی پہلے کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ جس شخص کا تمتع یا قران کا احرام ہو۔ اس کے لیے رمی اور قربانی میں ترتیب واجب کرے۔ کہ پہلے رمی ہے، پھر قربانی، پھر احرام کھولے۔ پس جس عورت نے تمتع یا قران کیا ہوا گر وہ ہجوم کی وجہ سے رات تک رمی کو مؤخر کرے تو قربانی کو بھی رمی سے فارغ ہونے تک مؤخر کرنا لازم ہوگا۔ جب تک وہ رمی نہ کرلے اس کے حصہ کی قربانی نہیں ہوسکتی اور جب تک قربانی نہ ہو جائے۔ اس کا احرام نہیں کھل سکتا ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۷ وفتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷/ص ۱۹۵)

منیٰ سے بارہویں کے غروب کے بعد نکلنا؟

سوال:۔ بارہویں تاریخ کو ہم نے رات میں رمی کا فعل ادا کیا۔ غروب کے بعد نکلنے سے تیرہ کا ٹھہرنا ضروری تو نہیں ہوگیا۔ کیونکہ یہاں پر لوگوں نے بتایا بارہ کو منیٰ سے دیر سے نکلنے پر تیرہ کی رمی کرنا واجب ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے۔ مگر اس صورت میں تیرہویں تاریخ کی رمی لازم نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے منیٰ سے نکل گیا ہو۔ اور اگر منیٰ میں تیرہویں تاریخ کی صبح صادق ہوگئی تو اب تیرہویں تاریخ کی رمی بھی واجب ہوگئی۔ اب اگر رمی کئے بغیر منیٰ سے جائے گا تو دم لازم ہوگا۔ البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی میں یہ سہولت ہے کہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی جائز ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۵)

رمی کے لیے کنکریاں دوسروں کو دے کر چلے جانا؟

سوال:۔اس مرتبہ حج کرنے کا ارادہ بھی اور اپنے وطن جا کر گھر والوں کے ساتھ عید کرنے کا بھی۔چاند کی دس تاریخ جمعرات کو ہے۔اس طرح سے حج جمعرات کو ہو جاتے ہے لیکن شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے تین دن تک منیٰ میں رکنا پڑتا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ صبح والی فلائٹ سے اپنے وطن روانہ ہو جائیں اور اپنی کنکریاں مارنے کے لیے کسی دوسرے کو دیدیں؟ کیا اس صورت میں حج کے تمام فرائض ادا ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔جمعرات کی رمی واجب ہے،اور اس کے چھوڑنے پر دم لازم آتا ہے۔ بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔اپنی کنکریاں کسی دوسرے کے حوالے کر کے خود چلے آنا جائز نہیں ہے۔حج ناقص رہے گا۔دم لازم آئے گا۔ اور قصداً حج کا واجب چھوڑنے کیوجہ سے گنہگار ہونگے۔

تعجب ہے کہ ایک شخص اتنا خرچ کر کے آئے اور پھر حج کو ادھورا اور ناقص چھوڑ کر بھاگ جائے۔اگر ایک سال عید گھر والوں کے ساتھ نہ کی جائے تو کیا حرج ہے؟

واضح رہے کہ جو شخص خود رمی کرنے پر قابو ہو اس کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا رمی کر دینا کافی نہیں۔بلکہ اس کے ذمہ بذات خود رمی کرنا لازم ہے۔البتہ اگر کوئی ایسا بیمار ہو یا معذور ہو کہ خود جمرات تک آنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کی طرف سے نیابت جائز ہے۔کہ اس کے حکم سے دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کر دے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۳۴)

کسی سے کنکریاں مروانا؟

سوال:۔ایک شخص بیماری یا کمزوری کی حالت میں حج کرتا ہے اب وہ جمرات کی رمی کس طرح کرے؟ کیا وہ کسی دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے؟

جواب:۔جو شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو تو وہ معذور ہے اور اگر اس کو آنے میں مرض بڑھنے یا تکلیف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اب اس کو خود رمی کرنا ضروری

ہے۔اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر سواری یا اٹھانے والا نہ ہو تو وہ معذور ہے اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔ جس کو معذوری نہ ہو اس کا دوسرے کے ذریعہ رمی کرانا جائز نہیں ہے۔

بہت سے لوگ محض ہجوم کی وجہ سے دوسرے کو کنکریاں دے دیتے ہیں۔ ان کی رمی نہیں ہوتی البتہ سخت ہجوم میں ضعیف وناتواں لوگ پھنس جاتے ہیں گو وہ چلنے سے معذور نہیں لہٰذا ان کیلئے رات کو رمی کرنا افضل ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۲ و احکام حج: ص ۴۷)

ہجوم کے وقت خواتین کا کسی سے کنکریاں مروانا؟

سوال:۔ ہجوم کے وقت خواتین کا خود کنکریاں مارنے کے بجائے دوسروں سے کنکریاں مرواسکتی ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ رات کی وقت رش نہیں ہوتا۔ عورتوں کو اس وقت رمی کرنی چاہئے خواتین کی جگہ کسی دوسرے کا رمی کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا مرض ہو کہ رمی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی جگہ رمی کرنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۲ و حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۶۶)

رمی میں عورتوں کی طرف سے مجبوری میں نیابت

سوال:۔ زید نے رمی جمرات ۱۲/ تاریخ کو عورتوں کی طرف سے نیابت کی کیونکہ قافلہ چل رہا تھا عورتوں کا رمی کرنا بہت دشوار تھا۔ کیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں؟ یا دم واجب ہوگا؟

جواب:۔ رمی جمار واجب ہے اور ترک واجب اگر بسبب کسی عذر کے ہو تو اس میں کچھ نہیں آتا۔ پس اس صورت میں بسبب عذر ازدحام کے جو عورتوں کی رمی ترک ہوئی تو اس میں دم واجب نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ج ۶/ص ۵۵۴ بحوالہ بحر الرائق ورد المختار باب الجنایات: ج ۲/ص ۲۷۵)

رمی میں معذور کی تعریف؟

مسئلہ:۔ جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو یا جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں سخت تکلیف ہو یا مرض بڑھ جائے یا مرض پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو معذور ہے۔

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ص ۱۵۷ بحوالہ زبدۃ المناسک: ص ۱۶۵)

مسئلہ:۔ ایسے مریض اور کمزور اور بوڑھے اور اپاہج وغیرہ کی طرف سے رمی جمرات میں نیابت جائز ہے جو از خود جمرات پہنچ کر رمی کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور رمی کرنے والا نائب بوقت رمی انکی طرف سے رمی کی نیابت کریگا۔ (غنیۃ المناسک:ص ۱۰۰)

مسئلہ:۔ اگر معذور کا عذر دوسرے سے رمی کرانے کے بعد رمی کے (وقت) کے رہتے ہوئے زائل ہو جائے تو بھی دوبارہ خود رمی کرنا ضروری نہیں رہتا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی فدیہ لازم ہے۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ج ۱/ص ۱۵۷ بحوالہ زبدۃ المناسک:ص ۱۶۶ و معلم الحجاج:ص ۱۸۵)

دوسرے کی طرف سے رمی کرنے کا طریقہ

مسئلہ:۔ ہر جمرہ پر اپنی سات کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی دوسرے کی طرف سے اسی وقت سات کنکریوں سے رمی کر دی پھر دوسرے اور تیسرے جمرہ پر اسی طرح کیا یعنی پہلے اپنی سات کنکریاں ختم کر کے پھر دوسرے کی طرف سے سات کنکریاں مارنا جائز ہے اور آج کل شدید ازدحام کی وجہ سے اس میں سہولت ہے۔

مسئلہ:۔ معذور کی طرف سے دوسرے کو رمی کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس کو اپنا نائب بنا کر خود بھیجے یعنی اجازت واختیار دے۔ اگر بغیر معذور کی اجازت کے دوسرے نے رمی کر دی تو وہ معتبر نہیں البتہ بے ہوش اور چھوٹے بچوں اور مجنون کی طرف سے ان کے اولیاء خود بغیر اجازت کے رمی کر دیں تو یہ جائز ہے۔ (احکام حج:ص ۵۷ و آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۳)

رمی کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔ اگر کسی روز کی رمی اس کے وقتِ معین میں نہ ہو سکی تو قضا واجب ہوگی اور دم بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر بالکل کسی روز بھی رمی نہیں کی اور رمی کا وقت گزر گیا تب بھی ایک ہی دم واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ رمی کی قضاء کا وقت تیرہویں کے غروب تک ہے۔ غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور قضاء کا وقت نہیں رہتا۔ صرف دم واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو رمی نہیں کی تو اس روز کے بعد والی رات

میں رمی کرسکتا ہے۔ مثلاً دسویں کو رمی نہیں کی تو دسویں اور گیارہویں کی درمیانی شب میں رمی جائز ہے کیونکہ ایام حج میں بعد والی رات پہلے دن کی شمار ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ رمی میں کنکریاں پے درپے (لگا تار) مارنا مسنون ہے تاخیر اور فاصلہ کنکریاں مارنے میں مکروہ ہے۔ نیز ایک جمرہ کی رمی کے بعد دوسرے جمرہ کی رمی میں علاوہ دعاء کی وجہ سے تاخیر کرنا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ رمی کرنے کے لیے کوئی خاص حالت اور ہیبت شرط نہیں بلکہ جس حالت میں اور جس جگہ کھڑے ہوکر رمی کرے گا صحیح ہوجائے گی۔ البتہ امور مذکورہ کی رعایت مسنون ہے۔

مسئلہ:۔ سات کنکریاں علیحدہ علیحدہ مارنا۔ اگر ایک سے زائد یا ساتوں ایک دفعہ مارے تو ایک ہی شمار ہوگی۔ اگرچہ سب الگ گری ہوں۔ باقی چھ پوری کرنی ضرور ہونگی۔

مسئلہ:۔ کم عقل، مجنون، بچہ اور بے ہوش اگر بالکل رمی نہ کریں تو ان پر فدیہ واجب نہیں البتہ اگر مریض رمی نہ کرے گا تو ترکِ رمی کی جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ:۔ عورت اور مرد کے لیے رمی کے احکام برابر ہیں کوئی فرق نہیں البتہ عورت کو رمی رات میں کرنا افضل ہے۔

مسئلہ:۔ ہر جمرہ پر سات کنکری سے زیادہ قصداً مارنا مکروہ ہے۔ شک ہوجانے کی وجہ سے زیادہ مارے تو کوئی حرج نہیں۔ (معلم الحجاج: ص ۱۸۷)

مسئلہ:۔ تیرہویں تاریخ کی رمی اس وقت واجب ہوتی ہے۔ جب کہ منیٰ میں تیرہویں تاریخ کی صبح ہوجائے اس صورت میں اگر کسی نے صرف تیرہویں تاریخ کی رمی چھوڑ دی تب بھی دم واجب ہوگا۔ (احکام حج: ص ۱۰۴)

آج کل ترتیب بدلنے پر دم کیوں؟

سوال:۔ یوم النحر کے چار کام ہیں۔ رمی، ذبح، سر منڈانا، اور طواف زیارت کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سے بھول کی وجہ سے ترتیب میں تقدم وتاخر ہوا۔ ہر شخص آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ مجھ سے بجائے اس کے ایسا ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی گناہ نہیں۔ اب اس ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہو تو دم واجب بتایا جاتا ہے۔ کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یوم النحر کے چار افعال ہیں۔ یعنی رمی، ذبح، حلق اور طوافِ زیارت۔ اول الذکر تین چیزوں میں تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم واجب ہوگا۔ مگر طواف زیارت اور تین افعال مذکورہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ پس اگر طوف زیارت ان میں سے پہلے کرلیا جائے تو کوئی دم لازم نہیں۔

حدیث شریف میں ان تین افعال کے آگے پیچھے کرنے والوں کو جو فرمایا گیا ہے کہ کوئی حرج نہیں۔ حنفیہؒ اس میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس وقت افعالِ حج کی تشریع ہو رہی تھی۔ اس لیے خاص موقع پر بھول چوک کر تقدیم وتاخیر کرنے والوں کو گناہ سے بری قرار دیا۔

مگر چونکہ دوسرے دلائل سے ان افعال میں ترتیب کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس لیے دم واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۸)

مسئلہ:۔ حالتِ احرام میں غلطی قصداً کرے یا بھول کر یا خطاءً۔ مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اپنی خوشی سے کرے یا کسی کی زبردستی سے۔ سوتے ہوئے یا جاگتے ہوئے۔ نشہ میں ہو یا بے ہوش ہو۔ مالدار ہو یا تنگدست۔ خود کرے یا کسی کے کہنے پر، معذور ہو یا غیر معذور سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی۔ (معلم الحجاج: ص ۲۴۲)

دم کہاں ادا کیا جائے؟

مسئلہ:۔ حج وعمرہ کے سلسلے میں جو دم واجب ہوتا ہے۔ اس کا حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ دوسری جگہ ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ (آپ پر اگر دم واجب ہو۔ اور اپنے وطن آجائیں تو) آپ کسی حاجی کے ہاتھ اتنی رقم بھیج دیں اور اس کو تاکید کردیں کہ وہ وہاں بکرا خرید کر حدود حرم میں ذبح کرادے۔ اس کا گوشت صرف فقراء ومساکین کھاسکتے ہیں۔ مالدار لوگ نہیں کھاسکتے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۲۹ وفتاویٰ رحیمیہ: ج ۸/ص ۲۹۹)

مسئلہ:۔ دم ادا ہونے کے لیے مساکین کا عدد شرط نہیں ہے۔ اگر ایک مسکین کو سارا گوشت یا ایک ہی دفعہ دے دیا جائے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ:۔ دم کا گوشت ہر فقیر کو دینا جائز ہے۔ حرم شریف کا فقیر ہونا شرط نہیں اور حرم میں صدقہ

کرنا بھی شرط نہیں۔اس لیے اگر حرم سے نکل کر فقراء کو دے دیا تو بھی جائز ہے صرف حرم میں ذبح کرنا شرط ہے۔البتہ حرم کے فقراء کو دینا افضل ہے۔لیکن اگر دوسرے فقراء حرم کے فقراء سے زیادہ محتاج ہوں تو پھر انکو دینا افضل ہے۔

مسئلہ:۔دم کے بدلہ قیمت دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی نے اپنے دم سے کھالیا کہ جس سے کھانا جائز نہیں تھا یا اس کو تلف کر دیا تو اس کھائے ہوئے اور تلف کئے ہوئے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔(معلم الحجاج:ص۲۶۴)

کیا حاجی پر عید کی بھی قربانی واجب ہے؟

سوال:۔جو حضرات حج کیلئے جاتے ہیں وہاں حج کے دوران ایک قربانی واجب ہے یا دو واجب ہیں؟

جواب:۔جو حاجی صاحبان مسافر ہوں انہوں نے حج تمتع یا قران کیا ہو ان پر صرف (ایک) حج کی قربانی واجب ہے۔اور اگر انہوں نے حج مفرد کیا ہو (حج مفرد یہ ہے کہ میقات سے گزرتے وقت صرف حج کا احرام باندھا جائے۔اس کے ساتھ عمرہ کا احرام نہ باندھا جائے (عمرہ کی نیت نہ ہو) حج سے فارغ ہونے تک یہ احرام رہے گا) تو ان کے ذمہ کوئی قربانی واجب نہیں۔اور جو حاجی مسافر نہ ہوں بلکہ مقیم ہوں ان پر بشرط استطاعت عید کی قربانی بھی واجب ہے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۳۶)

مسئلہ:۔حج افراد میں قربانی نہیں ہوتی۔خواہ پہلا حج ہو یا دوسرا، تیسرا حج قران ہو تو قربانی لازم ہوتی ہے۔خواہ پہلا ہو، یا دوسرا، یا تیسرا۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۳۶)

مسئلہ:۔قربانی دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک قربانی تو وہ ہے جو صاحب نصاب مقیم پر واجب ہوتی ہے خواہ حج کرنے جائے یا نہ جائے۔

اگر حاجی نصاب ہے اور مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ کا مکین بھی۔پندرہ دن سے زیادہ قیام کی نیت کرے تو یہ قربانی واجب ہو جائے گی اس کے بارے میں اختیار ہے چاہے تو مکہ مکرمہ میں یا مدینہ طیبہ میں یا گھر پر ہی (اپنے وطن میں) کرنے کا انتظام کرے۔یا اپنے وطن میں اس قربانی کے لیے رقم بھیج دے (یا دے کر آئے) کہ وطن کے لوگ وطن میں اس کی طرف

سے قربانی کر دیں۔(منتخبات نظام الفتاویٰ: ج۱/ص ۱۴۸ وفتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص ۲۱۹)
مسئلہ:۔حج سفر کے دوران حاجی سفر میں ہوتا ہے اس لیے اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب نہیں، البتہ حاجی نے حج تمتع یا قران کا احرام باندھا ہے تو اس پر حج کی قربانی واجب ہوگی عید الاضحیٰ کی نہیں۔البتہ عید الاضحیٰ کی قربانی بھی کر لے تو ثواب ہوگا۔
(آپ کے مسائل: ج۴/ص ۱۳۶ وفتاویٰ محمودیہ: ج۳/ص ۱۸۵)

قربانی کے تین دن ہیں؟

مسئلہ:۔قربانی کے تین دن مقرر ہیں۔عید کا دن اور اس کے بعد دو دن۔یہ دن قران، یا تمتع کی قربانی کے ہیں۔اس قربانی کو جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کرنا چاہئے۔ اگر ان ایام نحر کے بعد ذبح کیا تو تب بھی قربانی ہو جائے گی۔لیکن اس تاخیر کے باعث بھی قربانی لازم ہوگی۔(قربانی تک احرام کی پابندی لازم ہونگی)۔
مسئلہ:۔قران اور تمتع کی قربانیوں کے علاوہ کسی اور قربانی کے ذبح کرنے کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بہر حال حرم میں ہونا چاہئے۔اور جو قربانی ایام نحر میں ذبح کی جائے اُسے منیٰ میں ذبح کرنا سنت ہے۔البتہ نذر کی قربانی ہو تو اس کو حرم میں ذبح کرنے کی پابندی نہیں ہے۔(کتاب الفقہ: ج۱/ص ۱۱۴۶)

حج میں قربانی کریں یا دم شکر؟

سوال:۔ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ قربانی کے دنوں جو قربانی ہوتی ہے وہ دم ہے حج کا۔اور قربانی کرنا حاجی پر ضروری نہیں۔کیونکہ وہ مسافر ہوتا ہے؟
جواب:۔جس شخص کا حج تمتع یا قران ہو اس پر حج کی وجہ سے قربانی واجب ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔اسی طرح اگر حج یا عمرہ میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اس کی وجہ سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اس کو"دم" کہتے ہیں۔بقرعید کی عام قربانی دو شرطوں کیساتھ واجب ہے۔ایک یہ کہ آدمی مقیم ہو۔مسافر نہ ہو، دوم یہ کہ حج کے ضروری اخراجات ادا کرنے کے بعد اس کے پاس قربانی کی گنجائش ہو۔اگر مقیم نہیں تو قربانی واجب نہیں اور

اگر حج کے ضروری اخراجات کے بعد قربانی کی گنجائش نہیں تب بھی اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۷ واحکام حج: وکتاب الفقہ: ج ۱/ص ۱۱۴۳)

مسئلہ:۔ حج تمتع یا قران میں جو جانور منیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے اُسے ''دم شکر'' کہتے ہیں اور عید کی قربانی الگ واجب ہے۔ حاجی پر سفر کی وجہ سے عید کی قربانی واجب نہیں۔ البتہ اگر کوئی ۸/ ذی الحجہ سے کم از کم ۱۵/ روز قبل مکہ مکرمہ میں آکر رہا تو وہ مقیم ہوگیا۔ اس۔ لیے قربانی کے دنوں میں اگر وہ صاحبِ نصاب ہو تو اس پر دمِ شکر کے علاوہ عید کی قربانی بھی واجب ہے۔ خواہ منیٰ میں ذبح کرے یا اپنے وطن میں کرائے، اگر کسی نے دمِ شکر کو عید کی قربانی سمجھ کرادا کیا تو دمِ شکرادا نہیں ہوا۔ اگر دمِ شکرادا کرنے سے پہلے احرام کھول دیا تو اُس پر دمِ شکر کے علاوہ ایک اور دم بھی واجب ہوجائے گا۔ اور اگر ایام نحر کے اندر دمِ شکر نہیں دیا تو تاخیر کی وجہ سے تیسرا دم واجب ہوجائے گا۔ اس طرح اُسے چار جانور ذبح کرنے پڑینگے۔

(احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۶۸ کتاب الحج)

حج میں قربانی سے پہلے رقم چوری ہوگئی؟

سوال:۔ منیٰ میں قربانی کرنے سے پہلے کسی کی رقم چوری ہوگئی، اب وہ قربانی نہیں کرسکتا تو کیا کرے؟

جواب:۔ اگر صرف حج افراد تھا تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ اور اگر حج تمتع یا قران تھا تو حلق کر کے (بال کٹوا کر) احرام کھول ڈالے، اور جب قدرت ہو تو ایک جانور بہ نیت دم شکر حدودِ حرم میں ذبح کرے (یا ذبح کروادے) اور اس پر دم جنایت بھی نہیں کیونکہ یہ معذور ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ص ۴/ص ۵۲۵ بحوالہ بحر الرائق: ج ۲/ص ۳۶۲)

(یہ شکل جب ہی ہوسکتی ہے۔ کہ رقم بالکل نہ رہے اور نہ ساتھی سے قرض ملے)۔

(محمد رفعت قاسمی)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص قربانی کی طاقت نہیں رکھتا (گنجائش نہیں) تو اسے ایام حج میں تین روزے رکھنے ہوں گے سات روزے اپنے ملک واپس جانے کے بعد۔

(حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ: ص ۱۴)

کسی ادارہ کورقم دے کرقربانی کروانا؟

سوال:۔قربانی کے لیے مکہ مکرمہ میں مدرسہ ''صولتیہ''میں رقم جمع کروائی، اپنے ہاتھ سے یہ قربانی نہیں کی، یہ عمل صحیح ہوایانہیں؟

جواب:۔حاجی کومزدلفہ سے منیٰ آکر چارکام کرنے ہوتے ہیں۔

(۱)رمی۔ (۲)قربانی۔(۳)حلق۔(بال کٹوانا)(۴)طوافِ اضافہ پہلے تین کاموں میں ترتیب واجب ہے یعنی سب سے پہلے رمی کرے پھرقربانی کرے۔(جبکہ حج تمتع یاقران کاہو)اس کے بعد بال کٹوائے۔اگران تین کاموں میں ترتیب قائم نہ رہی مثلاً رمی سے پہلے قربانی کردی یاحلق کرالیا۔یاقربانی سے پہلے حلق کرالیاتودم واجب ہے۔

اب آپ نے جوصولتیہ میں رقم جمع کروائی توضروری تھاکہ وہ قربانی آپ کی رمی کے بعداورحلق سے پہلے ہو۔اگرآپ نے رمی نہیں کی تھی۔انہوں نے آپ کی طرف سے قربانی کردی تودم لازم آیا۔انہوں نے قربانی نہیں کی تھی اورآپ نے حلق کرالیاتب بھی دم لازم آگیاان سے تحقیق کرلی جائے کہ انہوں نے قربانی کس وقت کی تھی۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آپ نے حج قران یاتمتع کیاہو۔لیکن اگرآپ نے صرف حج مفردکیاتھاتوقربانی آپ کے ذمہ واجب نہیں تھی۔آپ رمی کے بعدحلق کراسکتے ہیں۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۳۸)

بینک کے ذریعہ قربانی کروانا؟

مسئلہ:۔جس شخص کاحج تمتع یاقران کاہواس کے ذمہ قربانی واجب ہےاوریہ بھی واجب ہے کہ پہلے قربانی کی جائے اس کے بعدحلق کرایاجائے۔اگرقربانی سے پہلے حلق کرالیاتودم لازم ہوگا۔آپ نے بینک میں جورقم جمع کرائی۔آپ کوکچھ معلوم نہیں کہ آپ کے نام کی قربانی ہوجانے کے بعدآپ نے حلق کرایایاپہلے کرالیا۔اس لیے احتیاطاًدم لازم ہے۔

مسئلہ:۔جولوگ بینک میں قربانی کی رقم جمع کرادیتے ہیں انکے لیے ضروری ہے کہ بینک والوں سے وقت کاتعین کرالیں اورپھرقربانی کے دن قربان گاہ میں اپناآدمی بھیج کراپنے نام

سے قربانی کوذبح کرادیں اس کے بعد حلق کرائیں۔ جب تک کسی حاجی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی قربانی ہو چکی ہے۔ یا نہیں اس وقت تک اس کا حلق (بال کٹوانا) جائز نہیں ورنہ دم لازم آئے گا۔ اس لیے یا تو اس طریقہ پر عمل کیا جائے جو میں نے لکھا ہے یا پھر بینک میں رقم جمع ہی نہ کرائی جائے بلکہ اپنے طور پر قربانی کا انتظام کیا جائے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۳۹ تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ: ج ۱۰/ص ۱۸۴)

(حنفی مسلک کے لوگوں کو اس معاملہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلک حنبلی میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لیے بینک یا معلم کے توسط سے اگر قربانی کی جاتی ہے اور رمی، قربانی، حلق میں ترتیب بدل جاتی ہے تو ان کے یہاں پر دم نہیں ہوتا مگر حنفی مسلک میں ترتیب بدل جانے سے دم لازم ہو جاتا ہے)۔ (محمد رفعت قاسمی)

ایک قربانی پر دو شخص دعویٰ کریں تو؟

سوال:۔ حج کے دوران میرے دوست نے وہاں موجود قصائی کو قربانی کے لیے رقم ادا کی۔ جب جانور ذبح ہو گیا میرے دوست نے اس میں کچھ گوشت نکالنا چاہا تو وہاں کچھ لوگ آگئے اور انہوں نے کہا یہ جانور ہمارا ہے قصائی کو ہم نے اس کی رقم ادا کی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ قصائی نے دونوں پارٹیوں سے الگ الگ پیسے لئے اور ایک ہی جانور ذبح کر دیا۔ کیا میرے دوست کو قربانی کا فرض ادا ہو گیا یا دوبارہ کرنی ہو گی؟

جواب:۔ چونکہ قصائی نے دوسری پارٹی سے پہلے سودا کیا تھا اس لیے وہ جانور ان کا تھا۔ پتہ چلنے پر آپ کے دوست کو اپنی رقم واپس لے کر دوسرا جانور خرید کر ذبح کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال قربانی ان کے ذمہ باقی ہے اور چونکہ انہوں نے قربانی سے پہلے احرام اتار دیا اس لئے ایک دم اس کا بھی ان کے ذمہ لازم آیا۔

اب دو قربانیاں کریں۔ اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ ان کا احرام تمتع یا قران کا ہو۔ اور اگر حج مفرد کا احرام تھا تو ان کے ذمہ کوئی چیز بھی واجب نہیں۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۰)

مسئلہ:۔ حج کی قربانی کے احکام مثل عید الاضحیٰ کی قربانی کے ہیں جو جانور وہاں جائز ہے یہاں

بھی جائز ہے اور جس طرح وہاں اونٹ، بھینس، گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ یہاں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ اونٹ۔ گائے۔ بھینس میں سات آدمیوں سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔

مسئلہ:۔ منیٰ میں چونکہ عید الاضحیٰ کی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے وہاں پر ذبح کے لیے نماز عید کا پہلے ہونا شرط نہیں ہے۔ (لیکن قربانی کا رمی کے بعد ہونا شرط اور اس کے بعد حلق)۔

(معلم الحجاج: ص۲۴۷)

حاجی کس قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے؟

مسئلہ:۔ حج تمتع یا حج قران کرنے والا ایک ہی سفر میں حج وعمرہ ادا کرنے کی بناء پر جو قربانی کرتا ہے اسے دم ''شکر'' کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم بھی عام قربانی جیسا ہے اس سے خود قربانی کرنے والا۔ امیر وغریب سب کھا سکتے ہیں۔ البتہ جن لوگوں پر حج وعمرہ میں کوئی جنایت (غلطی) کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے وہ دم ''جبر'' کہلاتا ہے۔ اسکا فقراء ومساکین میں صدقہ کرنا ضروری ہے۔ مالدار اور دم دینے والا خود اس کو نہیں کھا سکتا۔

(آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۴۰)

مسئلہ:۔ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا مستحب ہے۔ لیکن نذر (منت کی) اور دم کی قربانی کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ اگر کھایا تو اس قدر گوشت کی قیمت فقیروں کو ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ صدقہ ہے۔ (کتاب الفقہ: ج۱/ص۱۱۴۸)

ترتیب قائم نہ رہنے پر گنجائش کی شکل

مسئلہ:۔ نئی صورت حال میں حنفی حجاج کرام کیلئے رمی، قربانی، اور حلق کے درمیان ترتیب قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے جا رہا ہے حکومت سعودیہ کا پورا زور اس پر ہے کہ لوگ قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے بجائے بینکوں سے قربانی کے ٹوکن خرید لیں اور مطمئن ہو جائیں اسی طرح کی مشکلات کے مداوے کیلئے ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ العلماء ہند کے چھٹے فقہی اجتماع

منعقد ۱۶ تا ۱۸ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ میں حنفی حجاج کو سہولت دیتے ہوئے یہ تجویز منظور کی گئی ہے۔ متمتع اور قارن کیلئے رمی ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم کے قول پر جو مفتی بہ ہے۔ ترتیب لازم ہے اس کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اسکے ترک پر دم لازم نہیں ہے۔ آج کل حجاج، ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

اس تجویز کا مقصود یہ ہے کہ اولاً تو پوری کوشش یہ کی جائے کہ ترتیب قائم رہے خواہ اس کے لیے کچھ دقت ہی اٹھانی پڑے لیکن اگر کوشش کے باوجود ترتیب باقی رہنے کی کوئی شکل نہ رہے تو صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے دم واجب نہ ہوگا۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۱ء ص ۱۷۵)

منیٰ و میدانِ عرفات میں جمعہ آجائے تو؟

آپ ﷺ کے آخری حج کے دن یعنی اس سال وقوفِ عرفہ کے دن جمعہ تھا آنحضرت ﷺ نے زوال کے بعد پہلے خطبہ حج الوداع کا دیا اس کے بعد ظہر و عصر کی دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔

حدیث شریف میں صاف ظہر کی نماز کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی اور جو خطبہ آپ ﷺ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا۔ بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا۔

جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے بلکہ وادی صحراء ہے اور جمعہ بستیوں میں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ (معارف الحدیث: ج ۴/ص ۲۳۱)

مسئلہ:۔ میدان عرفات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ (معلم الحجاج: ص ۱۵۷)

مسئلہ:۔ اگر آٹھویں تاریخ کو جمعہ ہو تو زوال سے پہلے منیٰ کو جانا ہے اور اگر زوال تک نہ گیا تو زوال کے بعد جمعہ پڑھنا واجب ہے پھر نماز جمعہ سے قبل جانا منع ہے۔ (جمعہ کی نماز پڑھ کر ہی جائے)۔ (معلم الحجاج: ص ۱۵۳)

مسئلہ:۔ اگر منیٰ ک ایام (۱۰۔۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحجہ) میں جمعہ کا دن پڑ جائے تو وہاں (منیٰ

میں) جمعہ قائم کرنا ضروری ہوگا اگر مسجد میں نماز جمعہ قائم نہ ہو تو خیموں میں الگ الگ جماعتوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ بھی مکمل شہر کے درجہ میں ہو چکا ہے۔ حجاج کرام اس کا خاص خیال رکھیں۔ (کیونکہ مکہ مکرمہ کی آبادی منیٰ سے بھی متجاوز ہو چکی ہے۔ اور منیٰ مکہ مکرمہ کا ایک محلہ جیسا ہو گیا ہے)۔

(ندائے شاہی ص: ۴۷ حج وزیارت نمبر جنوری ۲۰۰۱ء)

منیٰ سے مکہ مکرمہ کو واپسی پر کیا کرنا ہے؟

منیٰ سے تینوں جمرات کی رمی سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ واپس آنے پر آپ کے ذمہ حج کے کاموں میں سے صرف ایک طواف وداع باقی رہا ہے جو مکہ مکرمہ سے واپس ہونے کے وقت واجب ہے۔ میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے کہ جب مکہ شریف سے واپس جانے لگیں تو رخصتی کا طواف کریں اور یہ حج کا آخری واجب ہے اور اس میں حج کی تینوں قسمیں برابر ہیں۔ کیونکہ ہر قسم کا حج کرنے والے پر واجب ہے۔ اور جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہے دوسرے نفلی طواف اپنی قدرت کے مطابق کثرت سے کرتا رہے اور دیگر عبادت بھی کرتا رہے۔

مسئلہ:۔ جو عورت حج کے سب ارکان و واجبات ادا کر چکی ہے اور اس کا محرم روانہ ہونے لگے اور عورت کو اسی وقت حیض یا نفاس ہو جائے طوافِ وداع اس عورت کے ذمہ واجب نہیں رہتا۔ اس کو چاہئے کہ مسجد حرام میں داخل نہ ہو مگر دروازہ کے پاس کھڑی ہو کر دعاء مانگ کر رخصت ہو جائے۔ نیز عورت پر عذر کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ طواف وداع کے لیے نیت بھی ضروری نہیں ہے اگر واپسی سے پہلے کوئی طواف نفلی کر لیا ہے تو وہ طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ مستقل نیت سے واپسی کے عین وقت پر یہ طواف کرے۔

مسئلہ:۔ اگر طواف وداع کرنے کے بعد کسی ضرورت سے پھر مکہ مکرمہ میں قیام کرے تو پھر چلنے کے وقت (اگر وقت ہو تو) طوافِ وداع کا اعادہ مستحب ہے۔

مسئلہ:۔ طواف وداع کے بعد دوگانہ طواف پڑھے پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر زمزم پیئے۔

پھر حرم شریف سے رخصت ہو۔

مسئلہ:۔طواف وداع روزمرہ کے لباس میں کیا جائے گا اور اس طواف میں رمل نہیں ہے اور نہ بعد میں سعی ہے۔

مسئلہ:۔طواف وداع سے پہلے مکہ مکرمہ میں قیام کے زمانہ میں یہ بھی اختیار ہے کہ عمرے زیادہ کرتا رہے جس کیلئے حدودِ حرم سے باہر جا کر (مسجد عائشہ وغیرہ سے) احرام باندھنا ضروری ہے۔(احکام حج:ص ۸۵ ومعلم الحجاج:ص ۱۸۷)

(بعض حضرات بارہویں یا تیرہویں تاریخ کو کنکریاں مارنے سے قبل منیٰ سے مکہ آتے ہیں اور طواف وداع کرتے ہیں۔ پھر منیٰ جا کر کنکریاں مارتے ہیں۔ اور وہیں سے اپنے شہر یا ملک کی طرف واپس ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں آخری کام رمی جمار ہوتا ہے نہ کہ طوافِ بیت اللہ۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "مکہ مکرمہ سے روانگی سے قبل آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے"۔ اس لیے ضروری ہے کہ طواف وداع (رخصتی طواف) حج کے کاموں سے فراغت کے بعد اور مکہ مکرمہ کے سفر کے کچھ پہلے ہونا چاہئے۔

نیز بعض حضرات طواف وداع کے بعد مسجد حرام سے الٹے پاؤں اور کعبہ کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے واپس نکلتے ہیں۔اور رخ بیت اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں خانہ کعبہ کی تنظیم ہے حالانکہ یہ سراسر بدعت ہے۔ دین میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ یا صحابۂ کرامؓ سے منقول نہیں ہے۔

اور الٹے پاؤں چلنے میں خود کو چوٹ لگنے اور دوسروں کو ایذاء کا اندیشہ ہے۔

اس آخری طوافِ وداع کے موقع پر جو کچھ چاہیں دل کھول کر اپنے لیے اور اپنے اعزاء واقارب کے لیے دعائیں مانگیں۔ مغفرت، صحت وتندرستی، سلامتی ایمان، دوبارہ حج وعمرہ اور کاروبار میں خیر وبرکت وخاتمہ بالخیر غرض جو بھی مرادیں ہوں مانگ کر حزن وملال کے ساتھ واپسی کریں اور احقر کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھ لیں۔ (محمد رفعت قاسمی)

طوافِ وداع کی حکمت

حدیث شریف:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ (حج سے فارغ ہو کر منیٰ سے)

ہر طرف چل دیتے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی ہرگز کوچ نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کی آخری ملاقات بیت اللہ سے ہو جائے۔ مگر بے شک آپ ﷺ نے حائضہ سے حکم ہلکا کیا۔'' (مشکوٰۃ شریف حدیث: ۲۶۶۸)

تشریح:۔ طوافِ وداع کر کے ہی وطن لوٹنے میں دو حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت:۔ مناسک کی ترتیب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر حج کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم وتکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں حاضری کے بعد سب سے پہلا عمل طوافِ قدوم ہے یعنی حاضری کا طواف۔ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی یہ طواف کیا جاتا ہے۔ تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی۔ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد آفاقی جب وطن کی طرف کورخ کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہے کہ آخری وداعی طواف کر کے لوٹے۔ یہ اس بات کی منظرکشی ہے کہ مقصود صرف بیت اللہ ہی ہے۔

دوسری حکمت:۔ لوگ جب بادشاہوں سے رخصت ہوتے ہیں تو الوداعی ملاقات کر کے ہی کوچ کرتے ہیں۔ طوافِ وداع میں اس کی موافقت پیش نظر ہے۔ یعنی حجاج کرام کو بھی جو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ پاک سے ملاقات کر کے اپنے وطنوں کو مراجعت کرنی چاہئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی یہی صورت ہے کہ ان کے گھر کے پھیرے لگا کر لوٹے کیونکہ ان کی ہستی غیر محسوس ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ج ۴/ص ۲۱۴)

طوافِ وداع کب کیا جائے؟

سوال:۔ کیا طواف وداع کے بعد حرم شریف میں نہ جانا چاہئے یعنی مغرب کے بعد اگر طوافِ وداع کیا اور عشاء کے بعد مکہ مکرمہ سے جانا ہے روانگی ہے تو عشاء کی نماز کے لیے حرم شریف میں نہ جائے۔ کیا یہ خیال درست ہے؟

جواب:۔ اگر کسی نے طوافِ وداع کر لیا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ میں رہا تو وہ مسجد حرام میں جا سکتا اور اس پر طواف وداع کا اعادہ واجب نہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ جب مکہ

شریف سے چلنے لگے (وقت ہو) تو طواف وداع کرے تا کہ آخری ملاقات بیت اللہ کیساتھ ہو۔ (دوسرا طواف کرے تا کہ نکلنے کیساتھ اس کا طواف متصل ہو) الغرض یہ خیال کہ طوافِ وداع کے بعد حرم شریف میں نہیں جانا چاہئے غلط ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۴۹)

مسئلہ:۔ مکہ مکرمہ سے واپسی رخصت ہونے کا طواف یعنی طوافِ وداع فرض نہیں ہے واجب ہے اس کے ترک سے صرف ایک دم لازم آتا ہے۔ واپس جانے کی اوراس طواف کو کرنے کی ضرورت نہیں صرف دم دینا ہوگا حرم شریف میں۔ (فتاویٰ دار العلوم: ج ۶/ص ۵۵۱)

طوافِ وداع اگر رہ جائے؟

سوال:۔ اس سال خانہ کعبہ کے حادثہ کی وجہ سے بہت سے حاجی صاحبان کو یہ صورت پیش آئی کہ حادثے سے پہلے وہ جب تک مکہ شریف میں رہے نفلی طواف کرتے رہے مگر آتے وقت طوافِ وداع کی نیت سے طواف نہیں کر سکے؟

جواب:۔ فتح القدیر ج ۲: ص ۸۸ میں ہے "مستحب تو یہ ہے کہ ارادہ سفر کے وقت طوافِ وداع کرے۔ لیکن اس کا وقت طوافِ زیارت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب کہ سفر کا عزم ہو (مکہ مکرمہ رہنے کا ارادہ نہ ہو)۔

ردالمختار ج ۲/ص ۵۲۳ میں ہے۔ کہ "اگر سفر کا ارادہ ہونے کے بعد نفل کی نیت سے طواف کریں تو طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔

اس عبادت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہیں۔

ایک یہ کہ طواف وداع کا وقت طوافِ زیارت کے بعد شروع ہو جاتا ہے بشرطیکہ حاجی مکہ شریف میں رہائش پذیر ہونے کی نیت نہ رکھتا ہو بلکہ واپسی کا عزم رکھتا ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ طوافِ وداع کے وقت میں اگر نفل کی نیت سے طواف کرلیا جائے تب بھی طواف وداع ہو جاتا ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ واپسی کے ارادہ کے وقت طوافِ وداع کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے طواف زیارت کے بعد نفلی طواف کئے ہیں ان کا طواف وداع ہو گیا۔ ان کے ذمہ دم واجب نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۰ بحوالہ طحطاوی: ج ۲/ص ۴۴۵ وردالمختار: ج ۲/ص ۲۵۵)

مسئلہ:۔ جس نے طواف زیارت کے بعد کوئی نفل طواف کرلیا وہ طوافِ وداع کا قائم مقام ہوگیا۔ اس لیے اس پر دم واجب نہیں۔ اور اگر نفل طواف نہیں کیا تو اس پر دم واجب ہے۔ کیونکہ یہ عذر (کئی دن تک مسجد حرام بندرہی بوجہ باغیوں اور مدعیانِ مہدویت بندرہی) بندوں کی جانب سے ہے جو مسقط حق اللہ تعالیٰ نہیں۔

عذر کی وجہ سے ترک واجب میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ عذر مطلقاً مسقط دم ہے۔ دوسرا یہ کہ جن اعذار کا مسقط ہونا منصوص ہے ان کے سوا دوسرے اعذار مسقط دم نہیں۔ تیسرا یہ کہ عذر بندوں کی طرف سے نہ ہو۔ عذر سماوی مسقط ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۳۰)

طوافِ وداع کا طریقہ

سوال:۔ کیا طواف وداع میں رمل، اضطباع اور سعی ہوگی؟

جواب:۔ طواف وداع اس طواف کو کہتے ہیں جو اپنے وطن کو واپسی کے وقت بیت اللہ شریف سے رخصت ہونے کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ سادہ طواف ہوتا ہے۔ اس میں رمل۔ اور اضطباع نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے بعد سعی ہوتی ہے۔ رمل اور اضطباع ایسے طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۰)

(طوافِ وداع کو طوافِ صدر اور طوافِ واجب و طوافِ اضافہ اور طوافِ رخصت بھی کہتے ہیں)۔

طوافِ وداع کس پر واجب ہے؟

سوال:۔ اکثر مقیمین، جدہ سے معلم کا انتظار کرتے ہیں۔ جو جدہ سے سیدھے منیٰ وغیرہ اور بارہ تاریخ کو زوال کے بعد منیٰ سے سیدھے جدہ لے جاتے ہیں تو اس طرح طواف وداع کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ کیا طوافِ وداع طوافِ زیارت کے بعد ایک اور طواف کرلینے سے ادا ہوجاتا ہے؟

جواب:۔ اہل جدہ پر طواف وداع واجب نہیں۔ آفاقی پر (جو شخص میقات سے باہر رہتا ہو) واجب ہے۔ اور طواف زیارت کے بعد ایام نحر میں بھی (طوافِ وداع) جائز ہے۔ اگرچہ رمی باقی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج ۴/ص ۵۲۹ و احکام حج: ص ۸۴)

مسئلہ:۔طواف وداع باہر کے رہنے والے حاجی پر واجب ہے۔خواہ حج افراد کیا ہو یا قران یا تمتع، بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، معذور نہ ہو۔ اہل حرم، اہل حل، اہل میقات اور حائضہ، نفساء مجنون اور نابالغ پر واجب نہیں ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ج۸/ص ۳۸۹ معلم الحجاج: ص ۲۰۷)
مسئلہ:۔طوافِ وداع صرف حج میں واجب ہے عمرہ میں نہیں۔ نیز مسجد حرام کی تحیۃ المسجد طواف ہے۔(آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۰۹)

طوافِ وداع کے ضروری مسائل

مسئلہ:۔طوافِ وداع مکی اور میقاتی کے لیے مستحب ہے۔
مسئلہ:۔جو شخص مکہ مکرمہ یا حوالی مکہ مکرمہ کو مستقل طور سے وطن بنالے تو اس سے یہ طوافِ وداع ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ بارہویں ذی الحجہ سے پہلے نیت اقامت دائمی کی کرے اگر بارہویں کے بعد اقامت کی (ٹھہرنے) نیت کی تو یہ طواف ساقط نہ ہوگا۔
مسئلہ:۔اگر نیت اقامت کے بعد مکہ مکرمہ سے سفر کرنے کا ارادہ ہو گیا تو بھی طواف وداع واجب نہ ہوگا۔جیسے کہ مکرمہ میں رہنے والا اگر کہیں جائے تو اس پر واجب نہیں ہوتا۔
مسئلہ:۔اگر کسی نے مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہیں بنایا، تو طوافِ وداع ساقط نہ ہوگا۔اگر چہ سالہا سال رہے۔
مسئلہ:۔اول وقت طوافِ وداع کا طواف زیارت کے بعد ہے۔ نیز اگر طواف وداع کے بعد اگر کچھ قیام ہو گیا تو چلنے کے وقت دوبارہ طواف وداع (اگر وقت ہو) مستحب ہے۔
مسئلہ:۔جو شخص بلا طواف وداع کے مکہ مکرمہ سے چل دیا ہے تو جب تک میقات سے نہ نکلا ہوا اس کو مکہ مکرمہ واپس آکر طواف کرنا واجب ہے (جب کہ واپس آنا اپنے اختیار میں ہو) احرام کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میقات سے نکل گیا تو اب اس کو اختیار ہے کہ دم بھیج دے۔
مسئلہ:۔طوافِ زیارت کے بعد چلتے وقت طوافِ وداع کرنا افضل ہے طواف زیارت کے بعد اگر نفل طواف کر چکا ہے تو وہ بھی طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔

(معلم الحجاج: ص ۱۹۲)

مکہ مکرمہ کے اہم تاریخی مقامات

(۱) اوقات نماز میں مسجد حرام میں باجماعت نماز ادا کرنا افضل ترین عبادت ہے۔ جس کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

(۲) بقیہ اوقات میں حج وعمرہ کے ارکان کی ادائیگی کے علاوہ طواف کعبہ کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہئے۔

(۳) کچھ حضرات تاریخی حوالہ سے بعض مقامات دیکھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ ان مقامات پر کوئی ایسا عمل نہ کریں جو شرک وبدعت کے زمرے میں آتا ہو۔ زبانی عشق ومجذوبی کے دعوے اور ہوتے ہیں پیغمبر ﷺ کی اطاعت کے تقاضے اور ہوتے ہیں۔

ان مقامات کو چومنا، ان سے چمٹنا، یا اپنے مزعومہ مقاصد کے لیے دھاگے باندھنا، یہاں رقعے پھینکنا اور پیسے رکھنا کہ اس سے مرادیں پوری ہونگی۔ یہ سب کچھ شرعی طور پر درست نہیں، اس لیے کہ ہمارے پیارے نبی رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ نے یہاں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور پھر آپ ﷺ کے سچے عاشق ومحبّ حضرات صحابہ کرام واولیائے عظام نے اپنے طور پر ایسا نہیں کیا۔ اندریں صورت حال کسی شرکیہ عمل کو توحید کا عنوان نہیں دیا جا سکتا۔ تو کسی بدعت پر نام نہاد محبت کا لیبل لگا دینے سے وہ سنت نہیں بن جاتا بلکہ سچی محبت کا تقاضا ہے کہ توحید وسنت پر قائم رہیں اور شرکت وبدعت سے بچیں۔

(۴) بعض لوگ تاریخی مقامات سے مٹی یا پتھر اٹھا کر لے جاتے ہیں جبکہ حرم کی مٹی اور پتھر کو حدود حرم سے باہر لے جانا شرعاً منع ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی جائے پیدائش

یہ وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی اس دنیا میں تشریف لائی۔ مروہ کے مقابل اور شعب ابی طالب کے قریب آج بھی یہ جگہ مشہور ومعروف ہے۔ اسی شعب ابی طالب کے گرد نواح میں آنحضرت ﷺ کا قبیلہ بنو ہاشم آباد تھا۔

شیخ عباس قطانؒ نے ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۰ء میں ایک لائبریری تعمیر کرادی تھی۔

جواب مسجد حرام کی مشرقی صحن سے متصل برلب سڑک ہے۔اس پر "مکتبۃ المکرمۃ" کا بورڈ لگا ہوا ہے۔
اس مقام کی تاریخی حیثیت واہمیت مسلم ہے۔ مگر اسکو چومنا اس سے چمٹنا اسکے دروازے کھڑکیوں پر مزعومہ مقاصد کیلئے دھاگے باندھنا شرعی طور پر ثابت نہیں اور حضرات صحابہ کرامؓ واولیائے عظامؒ نے ایسا نہیں کیا۔

غارِ حرا

یہ غار جبل نور کی چوٹی پر مسجد حرام کے شمال میں واقع ہے اسے جبل حراء کہتے ہیں۔
سطح سمندر سے اس کی بلندی ۶۲۱ میٹر اور سطح زمین سے ۲۸۱ میٹر ہے اس پہاڑ کی چوٹی پر موجود غار تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے اس مبارک غار میں رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت سے قبل عبادت کیا کرتے تھے۔ غار کی شمالی سمت دروازہ ہے جس تک پہنچنے کے لیے دو پتھروں کے درمیان سے گزر کر جانا پڑتا ہے جن کا درمیانی فاصلہ صرف ۶۰ سینٹی میٹر ہے۔ غار کی لمبائی تین میٹر بلند اور دو میٹر چوڑائی کہیں کم کہیں زیادہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۳۰، امیٹر ہے۔ اس میں دو آدمی ایک دوسرے کے آگے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ داہنی سمت بھی تھوڑی سی جگہ ہے جس پر ایک آدمی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔
اس غار کی اہمیت اور عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہاں جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی کے لیے تشریف لائے۔ (اقرأ باسم ربک الذی خلق.) (سورۃ العلق:۱)

غارِ ثور

یہ غار جبل ثور میں مسجد حرام سے چار کلومیٹر جنوبی سمت میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس پہاڑ کی بلندی ۷۵۸ میٹر ہے۔ اور سطح زمین سے ۴۵۸ میٹر ہے۔ یہ غار اس کشتی کے مشابہ ہے جس کا نچلا حصہ اوپر کو کر دیا جائے۔ اس غار کی اندرونی بلندی ۲۵، امیٹر ہے اور طول عرض ۵، ۵۳، ۳ میٹر ہے اس غار کے دو دہانے ہیں ایک مغربی سمت میں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے تھے اس دروازہ سے لیٹ کر ہی اندر جایا جاسکتا تھا نویں صدی ہجری کے آغاز سے تیرہویں صدی ہجری تک اس دہانے کو مرحلہ وار وسیع کیا جاتا رہا اب اس کی

اونچائی والی سیڑھی کو ملا کر تقریباً ایک میٹر ہے۔ دوسرا دروازہ مشرقی سمت میں ہے جو مغربی دھانے سے زیادہ کشادہ ہے اور بعد میں بنایا گیا ہے۔ تا کہ لوگوں کو غار میں داخل ہونے اور نکلنے میں سہولت ہو۔ ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ ۳،۵ میٹر ہے۔ اس غار تک چڑھنا دشوار ہے عموماً غار تک پہنچنے میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔ غار کا محل وقوع پہاڑ کی چوٹی سے ذرا نیچے ہے۔

مسجد بیعت

یہ مسجد منیٰ میں اس جگہ واقع ہے جہاں انصار مدینہ نے نبوت کے بارہویں سال ۶۲۱ء میں آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جس میں قبیلہ اوس اور خزرج کے بارہ سربرآوردہ افراد شریک تھے۔ دوسری بیعت جس کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے وہ نبوت کے تیرہویں سال ۶۲۲ء میں اسی جگہ منعقد ہوئی اس میں بیعت کرنے والے ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھی۔ اس دفعہ انصار مدینہ نے آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت بھی دی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

یہیں جلوہ افروز تھے میرے آقاً بہر طرف تھے جان نثار اللہ۔

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۴۴ھ ۷۶۱ء میں اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کرادی جس کے نام کا کتبہ مسجد کی قبلہ رخ دیوار میں بیرونی جانب نصب ہے۔ اس کا محل وقوع جمرۃ عقبہ سے تقریباً ۳۰۰ میٹر کے فاصلہ پر منیٰ سے مکہ کی طرف اترنے والے پل کے داہنی سمت پہاڑ کی گھاٹی میں ہے۔

مسجد جن

یہ مسجد معلاۃ جاتے ہوئے بائیں جانب ہے اور کراسنگ پل سے متصل ہے۔ اس کو "مسجد جن" اس لیے کہتے ہیں کہ اس جگہ پر جنات کی ایک بڑی جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے زمین پر ایک خط حد فاصل کے طور پر کھینچ دیا۔

واضح رہے کہ اس سے قبل نبوت کے دسویں سال طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں بھی کچھ جنات نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تھی۔

۱۴۲۱ھ میں مسجد کی تجدید ہوئی۔ اس مسجد کا دوسرا نام مسجد حرس بھی ہے۔

مسجد رایہ

(جھنڈے والی مسجد) امام بخاری رحمتہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کا جھنڈا حجون کے مقام پر گاڑ دیا جائے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ کی بالائی جانب (معلاۃ) کی طرف سے داخل ہوئے اور وہیں پر آپ ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اسی جگہ پر حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے عبداللہ بن عباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے مسجد تعمیر کرادی جو مسجد رایہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ فاکہی (متوفی ۲۷۲ھ) کہتے ہیں کہ مکہ کے بالائی حصہ میں جبیر بن معطمؓ کے کنویں کے پاس ایک مسجد ہے۔ اس کنویں کو ''بئیر علیا'' بھی کہتے ہیں اس کے قریب ہی وہ بندھ تھا۔ جس کو حضرت عمر بن خطابؓ نے معلاۃ کی طرف سے مسجد حرام آنے والے سیلابی پانی کو روکنے کے لیے تعمیر کرایا تھا۔

مسجد شجرہ

(درخت والی مسجد) ازرقی (متوفی ۲۴۴ھ ۸۵۸ء) کہتے ہیں کہ مسجد شجرہ مسجد جنکے مقابل واقع ہے۔ اسکے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مسجد اسی جگہ پر بنائی گئی ہے۔ جہاں سے آپ ﷺ نے درخت کو بلایا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ مسجد جن کے قریب تشریف فرماں تھے۔ درخت چل کر آیا جب آپ ﷺ نے اس کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔

مسجد خالد بنِ ولیدؓ

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ سے شہر میں داخل ہوں اور آبادی کے شروع میں اسلامی جھنڈا گاڑ دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے ان کو حکم دیا کہ اللیط (جرول کی سمت نشیبی جگہ کا نام) سے

شہر میں داخل ہوں۔ چنانچہ جس جگہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جھنڈا گاڑا تھا وہاں ایک مسجد تعمیر کردی گئی۔ اس مسجد اور اس سے متصل سڑک کو حضرت خالدؓ کے نام سے منسوب کردیا گیا۔ حارۃ الباب میں یہ مسجد ربع الرسال کے مقام پر واقع ہے۔ اس کی تعمیر جدید ۱۹۵۸ء میں مکمل ہوئی۔

جموم کی مسجد فتح

مرالظہر ان وادی سے پہلے جموم بھی ایک منزل ہے۔ یہاں بنوسلیم قبیلہ آباد تھا اب یہ جگہ مدینہ منورہ روڈ (طریق ہجرۃ) پر مکہ مکرمہ کے شمال میں ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے مسجد عائشہ سے اس کا فاصلہ صرف ۱۸/کلومیٹر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ میں حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ایک گروپ کو بنوسلیم سے جنگ کے لیے روانہ فرمایا۔

آپ ﷺ نے جموم میں جہاں قیام فرمایا اور نمازیں ادا کیں اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کردی گئی جو مسجد فتح کے نام سے موسوم ہے۔

مسجد صخرہ

یہ مسجد عرفات میں جبل رحمت کے دامن میں بائیں طرف کی چڑھائی پر سطح زمین سے تھوڑی بلندی پر واقع ہے اس کے گرد چھوٹی سی چاردیواری ہے جس کے اندر چٹانیں ہیں جن کے نزدیک رسول اللہ ﷺ عرفات کے دن قصواء اونٹنی پر تشریف فرما دعاؤں میں مشغول تھے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ''آپ ﷺ نے ظہر وعصر کی نماز مسجد نمرہ کی جگہ پر ادا فرمائی تھی پھر اونٹنی پر سوار ہوکر موقوف پر تشریف لائے اور اپنی اونٹنی کی پشت چٹانوں کی طرف کی۔ اپنے سامنے لوگوں کے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اور خود قبلہ رو ہوکر غروب شمس تک دعاؤں میں مشغول رہے۔

یہیں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (سورۂ مائدہ:۳)

ترجمہ:۔آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور میں نے اپنی

نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین منتخب کیا ہے۔
اس جگہ کی نشاندہی کے لیے ایک چار دیواری بنا دی گئی ہے قبلہ کی سمت اور دیوار کی لمبائی ۳، ۱۳ میٹر داہنی اور بائیں جانب کی دیوار کی لمبائی آٹھ میٹر ہے جب کہ عقبی دیوار دائرہ کی شکل میں گول ہے۔
شیخ بکر ابوزید کہتے ہیں۔ کہ پہاڑ کی چڑھائی کے داہنی طرف جنوبی سمت میں ایک ہموار ٹیلہ ہے جس کو تقریباً نصف میٹر اونچی دیوار سے گھیر دیا ہے، یہی مسجد صخرۃ ہے۔

جبل رحمت

یہ ایک چھوٹا پہاڑ جس کا مشہور نام ''جبل رحمت'' (رحمت کا پہاڑ) ہے اس کو اِلال اور نابت بھی کہتے ہیں۔ قرین بھی ایک نام ہے۔ میدان عرفات کی مشرقی سمت میں سڑک نمبر ۷ اور ۸ کے درمیان ہے یہ سخت پتھر والی پہاڑ ہے۔ اس کا محل وقوع خط عرض ۲۰، ۲۱، ۲۲، شمال میں اور خط طول، ۵، ۶۹، ۳۹ مشرق میں ہے مسجد نمرہ سے اس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر ہے اس پر چڑھنے کے لیے جو سیڑھیاں بنائی گئیں ہیں۔ ان کی تعداد ۱۶۸ ہے اس پہاڑ کی سطح کشادہ اور ہموار ہے۔ جسکے چاروں طرف ۷۵ سینٹی میٹر اور اونچی منڈیر ہے، اس کے درمیان میں تقریباً ۴۰ سینٹی میٹر اونچا چبوترہ ہے جس کے ایک طرف آٹھ میٹر بلند، مربع ستون ہے جو دور سے اس پہاڑ کو متعین و نمایاں کرتا ہے۔ اس کا ہر ضلع ۸۰، ا میٹر ہے اس پہاڑی کے نیچے مسجد صخرہ ہے۔ قریب ہی نہر زبیدہ کی گزرگاہ تھی اس پہاڑی کے اردگرد تقریباً ۴ میٹر بلند پائپ ہیں جن سے ہلکی ہلکی پھوار فضا میں پھیل کر موسم کو خوشگوار بناتی ہے۔ اور گرمی کی شدت میں تخفیف ہوتی ہے۔

دار الندوۃ

آنحضرت ﷺ کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے قصی بن کلاب نے دار الندوہ تعمیر کرایا۔ اسمیں مشورے ہوتے جنگ وجدال کے لیے جھنڈے تقسیم ہوتے نیز اجتماعی امور سے متعلق مشورے کے لیے اس عمارت کا استعمال ہوتا۔ گویا یہ قبیلہ قریش کی

پارلیمنٹ تھی۔ یہی وہ مکان ہے۔ جس میں قریش کے سردار اکٹھے ہوتے اور اسلام کے خلاف مشورے کرتے۔ حتیٰ کہ وہ آخری مشورہ بھی یہی طے پایا جس میں معاملات پر اس انداز میں سوچا گیا کہ بہت سے صحابہ کرامؓ مدینہ ہجرت کر چکے ہیں۔ اب امکان ہے کہ محمد ﷺ مدینہ چلے جائیں گے۔ اور ان سب کا وہاں جمع ہونا ہمارے لیے خطرناک ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کو یہیں قتل کر دیا جائے مگر اللہ کی قدرت سے آپ ﷺ ان کے درمیان سے نکل کر ہجرت فرماں گئے اور اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوا یہ دار الندوۃ چونکہ مسجد حرام سے متصل تھا اس لیے حج وعمرہ کے دوران بہت سے امراء وخلفاء اس میں قیام کرتے۔ ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے بھی اس میں قیام فرمایا پھر عباسی خلیفہ معتضد باللہ نے سنہ ۲۸۴ھ/۸۹۷ء میں اس جگہ کو مسجد حرام میں شامل کر دیا۔ اس کا رقبہ ۳۷×۳۶ = ۱۳۳۲ مربع میٹر ہے اس کی جگہ کعبہ کے شمال مغرب میں مطاف اور مسقّف حصے میں ہے۔ یادگار کے طور پر اسی سمت میں ایک دروازہ کا نام باب الندوہ رکھ دیا گیا ہے۔

مقبرۃ المَعلی

یہ مقبرہ مکہ مکرمہ کے تاریخی مقامات میں سے ایک ہے۔ جو مسجد حرام کی مشرقی جانب ایک پہاڑی کی گھاٹی میں واقع ہے فاکہی کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی گھاٹیوں کا طبعی رُخ ٹھیک قبلہ کی طرف نہیں ہے۔ سوائے مقبرہ المعلیٰ کی اس گھاٹی کے کہ اس کا رخ خط مستقیم سے قبلہ کی طرف ہے۔ اس مقبرہ کی فضیلت میں کچھ روایات کتب حدیث میں مذکورہ ہیں جن میں سے ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”یہ قبرستان کیا ہی اچھا ہے“۔ (حدیث حسن)

اسی قبرستان میں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی قبر مبارک ہے نیز بہت سے صحابہ وتابعین اور بزرگان دین کی قبریں ہیں اس قبرستان کے علاوہ مکہ مکرمہ میں اور بھی تاریخی قبرستان ہیں۔ (ماخوذ تاریخ مکۃ المکرّمہ از ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی صاحب)

جنت المعلی مکہ معظّمہ کا تاریخی قبرستان ہے اس کے دو حصے ہیں۔ درمیان میں سڑک ہے سڑک کے شمالی جانب قبرستان کا جو حصہ ہے اس میں اسلام کی شیر دل اور سب سے

پہلی محسنہ خاتون اُم المؤمنین وسیدۃ المؤمنات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مزار مبارک ہے۔ جنت المعلیٰ کے ان دونوں حصوں میں تقریباً چھ ہزار جلیل القدر صحابہؓ، اور لاتعداد نامی گرامی علمائے اسلام اور صلحائے امت پیوندِ زمین حرم محرم ہیں۔ اس خاک پاک کا ہر ذرہ اپنی زبان حال سے ترجمان ماضی ہے۔ یہ مقام جوار بیت اللہ میں عالم ارواح کا مکہ معظمہ ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار مبارک سے پہلے چند قدم پر ہندوستان کی قابلِ فخر اور مایہ نازدو مقدس ہستیاں (۱) مجاہد اسلام حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ صاحبؒ بانی مدرسہ صولتیہ۔ (۲) حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ ہندوستانی مہاجر مکی ایک چھوٹے سے احاطے میں مکین جنت وقرین رحمت ہیں۔

قبرستان شبیکہ

مکہ معظمہ کا دوسرا تاریخی قبرستان مدرسہ صولتیہ کے قریب ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ کفارِ قریش کی عداوت وحالات کی پیچیدگی سے مسلمانوں کی تدفین میں دشمنانِ اسلام مزاحم ہوئے تو اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی یہ زمین مسلمانوں کے قبرستان کے لیے دے دی جس میں اس زمانے سے تقریباً نوے سال قبل تک بے شمار اللہ کے صالح ومقبول بندے اس یادگار زمانہ قبرستان میں دفن ہوتے رہے ~~۱۳۱۰~~ ۱۳۱۰ھ کے تباہ کن ہیضہ میں جس کی ابتداء منیٰ سے ہوئی۔ اور ہزاروں حجاج اور مقامی لوگ اس وبائی مہلک مرض کے شکار ہوئے اس لیے مجبوراً مکہ معظمہ کے دونوں قبرستان (جنت المعلیٰ اور مقبرہ شبیکہ) کھول دیئے گئے۔ یہ قبرستان شبیکہ عرصہ سے چاروں طرف آبادی کے وسط میں آچکا تھا۔ اس لیے حکومت عثمانیہ کی وزارتِ صحت کے حکم سے اس متعدی مرض کے بعد یہاں تدفین بند کردی گئی۔ حج کے زمانہ میں نیک حجاج یہاں بھی فاتحہ اور ایصال ثواب کے لیے بکثرت آتے رہتے ہیں۔

مکان حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا)

مکان محلّہ قشاشیہ کے زقاق (گلی) بن حجر جس کا اب نیا نام ''شارع الصاغۃ'' ہے

یہاں دوطرفہ سنارں کی دکانیں ہیں اور عام طور پر مولد سیدہ فاطمہؓ کے نام سے مشہور ہے اسی مکان میں نبی کریم ﷺ کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہوئی یہیں نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیاں سیدہ رقیہ (رضی اللہ عنہا) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور آپ کے صاحبزادے قاسم وعبداللہ (جن کی کنیت طیب وطاہر ہے) پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی یہ چاروں صاحبزادیاں مدینہ منورہ (جنت البقیع) میں اور دونوں صاحبزادے مکہ معظّمہ (جنت المعلی) میں آرام فرماں ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ہجرت مدینہ منورہ تک نبی کریم ﷺ اسی مکان میں قیام فرماں رہے۔ اس یادگار زمانہ مکان میں ایک کمرہ آپ ﷺ ک عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ اور اسی میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔

مزار حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

مدینہ منورہ جاتے ہوئے موقع ملے یا نہ ملے۔ زمانۂ قیام مکہ معظّمہ میں یہاں سے تقریباً پانچ چھ میل کی مسافت پر ''وادی فاطمہ'' (ایک مشہور آبادی) کے قریب پختہ سڑک کے بائیں طرف پندرہ بیس قدم پر پہاڑ کے دامن میں ''اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا'' کی قبر مبارک ہے۔ اس مقام کا نام ''سرف'' ہے۔ یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ ۷ھ میں نبی کریم ﷺ عمرہ کے لیے تشریف لائے تو اس مقام ''سرف'' میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا (یہ آپ کی آخری بیوی) یہیں وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ۵۱ھ میں اسی مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مزار

امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے زبردست محدث، اور اپنے متقی، پرہیزگار، فاتح وغازی باپ کے ہم پلہ تھے، آپ مکہ معظّمہ میں مدفون ہیں۔

عمرہ کے لیے تنعیم کو جاتے ہوئے محلّہ ''شہدا'' سے آپ گزریں گے۔ یہاں سڑک سے بائیں طرف ایک بہت چھوٹی سی مسجد سے چند قدم پر پہاڑ کے دامن میں آپ کی قبر

مبارک ہے۔ اس جگہ صرف تین قبریں ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی، دوسری آپ کے وفادار غلام کی (تیسری قبر کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس کی ہے۔) ذی علم اور باخبر حجاج کرام فاتحہ وایصال ثواب کے لیے یہاں آتے رہتے ہیں۔

مسجد حضرت بلال رضی اللہ عنہ

یہ مسجد جبل ابوقبیس کی چوٹی پر ہے۔ جو مسجد حرم محترم کے صحن سے بجانب مشرق نظر آتی ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی کچھ زیادہ نہیں، اسی مبارک پہاڑ پر نبی کریم ﷺ سے معجزۂ شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا) ظہور میں آیا۔

مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ مسجد محلّہ ''مسفلہ'' میں ہے، یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ جو درحقیقت مکہ معظمہ میں سب سے پہلی مسجد ہے۔ اس مکان میں ہجرت سے قبل مسلمان باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہیں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔

مسجد استراحہ

منیٰ سے آتے ہوئے مکہ مکرمہ کا پہلا محلّہ ''معابدہ'' ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ۱۳/ ذی الحجہ کو حج سے واپسی پر اس جگہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھی اور آرام فرمایا۔ اس لیے اس مسجد کا نام ''مسجد استراحہ'' ہے۔ اس علاقے میں گنجان آبادی کی وجہ سے یہ مسجد سڑک سے کچھ دور ہے۔

مسجد تنعیم

یہ ''مسجد عائشہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ تنعیم اس مقام کا نام ہے۔ جو حدود حرم سے باہر ہے اور یہاں سے نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع (اپنے آخری حج) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کرنے کے لیے حکم دیا تھا۔ اس لیے یہاں سے عمرہ کرنا افضل ہے۔ یہ مسجد اس جگہ کے قریب بنائی گئی ہے یہاں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے احرام عمرہ کی نیت فرمائی تھی۔

مسجد حدیبیہ

اب یہ جگہ ''شمیسی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں بیس روز قیام فرمایا۔

مسجد جعرانہ

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع، اپنے آخری حج، میں یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا، یہ جگہ بھی حدود حرم ہے۔ یہاں ایک مسجد اور تاریخی کنواں ہے۔ جس کا پانی پتھری اور گردہ کی صفائی کے لیے مسلسل پیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کرتا ہے۔ اس مقام سے عمرہ کرنے کو عام اصطلاح میں ''بڑا عمرہ'' اور تنعیم سے عمرہ کرنے کو ''چھوٹا عمرہ'' کہا جاتا ہے۔ ان دونوں مقامات کی مسافت کے لحاظ سے یہ نام رکھ دیئے گئے ہیں۔ ورنہ عمرہ کا چھوٹا یا بڑا ہونا کوئی حقیقی چیز نہیں، دونوں مقامات (جعرانہ تنعیم) سے عمرہ کے اجر وثواب میں کوئی فرق نہیں۔

مسجد خیف وغار مرسلات

یہ منیٰ میں سب سے بڑی اور مشہور مسجد ہے۔ جس میں دس ہزار سے زیادہ آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (خیف) پہاڑ کے دامن کو کہتے ہیں۔ یہ مسجد چونکہ پہاڑ کے نیچے ہے۔ اس لیے اس کا نام ''مسجد خیف'' ہے۔ اس کے وسط میں ایک گول عمارت (گنبد) ہے۔ حجۃ الوداع میں اس جگہ نبی کریم ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا اور آپ نے یہاں پانچ نمازیں (۸/ ذی الحجہ کو ظہر، عصر مغرب وعشاء ۹/ ذی الحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہو گئے) ادا فرمائیں، اس لحاظ سے مسجد خیف قابل ذکر وزیارت ہے، مسجد خیف کی جنوبی سمت میں ''جبل صفائح'' کے دامن میں ایک چھوٹا سا غار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس پہاڑ کے سائے میں آرام فرمایا، آپ غار میں تشریف لے گئے، تو ''سورۂ مرسلات'' (پارہ ۲۹/ نازل ہوئی، اس لیے یہ ''غار مرسلات'' کے نام سے مشہور ہے، اس بابرکت مقام کی زیارت کے لیے حجاج بکثرت جاتے ہیں۔

مسجد نمرہ

یہ مسجد حرام اور حدود عرفات سے باہر ''وادی عرنہ'' میں ہے۔ اس خاص جگہ کا نام ''نمرہ'' ہے۔ جہاں یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس لیے اس کا نام مسجد نمرہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ قیام فرمایا۔ یہاں ظہر وعصر، کی نماز اور خطبہ کے بعد آپ نے ''جبل رحمت'' کے قریب وقوفِ عرفات کا وقت (زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک) پورا کیا۔ آج یہاں امام وخطیب مسجد نمرہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ اسی بابرکت جگہ پر نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی تھی۔

مسجد مزدلفہ

اس کو مسجد ''مشعر الحرام'' بھی کہتے ہے۔ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع (آخری حج) کے موقع پر مزدلفہ کی بابرکت رات میں جس جگہ ذکر وفکر، عبادت ودعاء میں ہمہ تن متوجہ رہے یہ مسجد اس مبارک مقام کی یاد کو صدیوں سے زندہ کئے ہوئے ہے۔ مزدلفہ کی رات بڑی عظمت وفضیلت کی رات ہے۔

مسجد عقبہ

مکہ مکرمہ سے جاتے ہوئے منیٰ کی ابتداء میں بائیں جانب پختہ سڑک سے ہٹ کر پہاڑ کے دامن میں یہ تاریخی مسجد ہے اس جگہ انصار مدینہ منورہ کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ سے آپ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں بیعت کی۔ اسلیے اس کو ''مسجد بیعت'' بھی کہتے ہیں۔

مسجد کوثر

یہ منیٰ کی آبادی کے وسط میں درمیانی شیطان کے قریب ایک اچھی سی مسجد ہے۔ اس جگہ نبی کریم ﷺ پر ''سورۂ کوثر'' نازل ہوئی جسکی یادگار میں یہ مسجد ہے۔ یہاں بھی حجاج زیارت مسجد کے لیے آتے ہیں۔

مسجد منیٰ

اس کو ''مسجد نحر'' بھی کہتے ہیں۔ یہ جمرۂ اولیٰ (پہلا شیطان) اور جمرۂ وسطیٰ کے درمیان عرفات کے لیے جانے والی سڑک کے داہنی جانب واقع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی اور قربانی کے جانور ذبح کئے۔ (میم نامہ حج ص ۲۵ تا ۲۷۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ)

وادی محسر

منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو تباہ کیا تھا۔ جس کا ذکر سورۂ فیل میں ہے۔ یہاں پر حاجیوں کے لیے مسنون یہ ہے کہ تیزی سے چلیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ وادی محسر سے گزرے تو آپ ﷺ نے رفتار تیز کردی۔'' صحیح مسلم کتاب الحج حدیث نمبر ۱۲۱۸)

ابن قیم رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی ایسی جگہ سے گزرتے جہاں عذابِ الٰہی نازل ہوا ہوتو تیزی کے ساتھ گزر جاتے، اس وادی محسر میں بھی ہاتھیوں والے لشکر پر عذاب نازل ہوا تھا۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے قبائل یہاں جمع ہوتے اور اپنے آباء واجداد کے کارنامے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے۔ لہذا ان کی مخالفت کے طور پر شریعت اسلامیہ میں یہ مستحب قرار پایا کہ یہاں سے جلدی گزرا جائے۔ (زاد المعاد ج۱/ص ۲۷۴)

مدینہ منورہ کی حاضری

مدینہ منورہ میں حاضری بلاشبہ حج کا کوئی رکن نہیں ہے۔ لیکن مدینے کی غیر معمولی عظمت وفضیلت، مسجد نبوی میں نماز کا بے پایاں اجر وثواب اور دربارِ نبوی میں حاضری کا شوق، مومن کو کشاں کشاں مدینے پہنچا دیتا ہے۔ اور اُمت کا ہمیشہ سے یہی دستور بھی رہا ہے۔ آدمی دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے اور دربار نبوی میں درود وسلام کا تحفہ پیش کئے بغیر واپس آئے، یہ زبردست محرومی ہے۔ ایسی محرومی کہ اس کے تصور سے مومن کا دل دکھنے لگتا ہے۔

مدینہ منورہ کے فضائل

مدینہ منورہ کی تقدس اور اس کی عظمت شان صرف اسی بات سے ظاہر ہے کہ وہ بہترین انبیا ﷺ کا مسکن تھا اور اب ان کا مدفن ہے یہ ایک ایسی بڑی فضیلت ہے جو کسی دوسرے مقام کو نصیب نہیں اور کوئی دوسری فضیلت کیسی ہی کیوں نہ ہو اس کی ہمسری کسی طرح نہیں کر سکتی۔

مدینہ منورہ کے نام احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں یہ بھی ایک شعبہ اس کی فضیلت کا ہے۔ منجملہ ان کے چند نام یہاں لکھتا ہوں طابہ طیبہ طبیبہ طائبہ، اور بھی بہت سے نام ہیں جو علماء نے ذکر کئے ہیں سب سے زیادہ مشہور نام مدینہ ہے۔ احادیث میں مدینہ منورہ کے فضائل بہت وارد ہوئے ہیں۔ اس مقام پر صرف چند حدیثیں صحیح صحیح لکھی جاتی ہے۔

(۱) جب شروع شروع میں رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت وہاں کی آب وہوا نہایت ناقص وخراب تھی اکثر وبائی بیماریاں رہتی تھیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آتے ہی سخت بیمار ہو گئے تھے اسوقت رسول خدا ﷺ نے یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے جیسا کہ ہم لوگوں کو مکہ سے محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اے اللہ ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور مدینہ کی آب وہوا کو درست کر دے اور اسکا بخار جحفہ کی طرف بھیج دے۔ (صحیح بخاری)

(۲) آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ جب کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو لوٹتے وقت جب مدینہ منورہ قریب رہ جاتا اور اس کی عمارتیں دکھائی دینے لگتیں تو حضرت اپنی سواری کو کمال شوق میں تیز کر دیتے اور فرماتے کہ یہ طابہ آگیا۔ (صحیح بخاری) اور اپنی چادر مبارک اپنے شانۂ اقدس سے گرا دیتے۔ اور فرماتے کہ یہ طیبہ کی ہوائیں ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہ میں جو کوئی بوجہ گرد وغبار کے اپنا منہ بند کرتا تو آپ منع کرتے اور فرماتے کہ مدینہ کی خاک میں شفا ہے۔ (جذب القلوب)

(۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایمان مدینہ کی طرف لوٹ آئے گا جیسے کہ سانپ

اپنے سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے۔ (صحیح بخاری)

(۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دجال کا گزر ہر شہر میں ہوگا۔ مگر مکہ و مدینہ نہ آنے پائے گا۔ فرشتے ان شہروں کی محافظت کرینگے۔

(۵) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدینہ بُرے آدمیوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جیسے لوہے کی بھٹی لوہے کے میل کو نکال دیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

یہ خاصیت مدینہ منورہ میں ہر وقت موجود ہے اور خاص کر اس خاصیت کا ظہور قیامت کے قریب بہت اچھے طور پر ہوگا۔ تین مرتبہ مدینہ میں زلزلہ آئے گا۔ کہ جس قدر بدباطن لوگ اس وقت وہاں پناہ گزیں ہوئے ہوں گے نکل جائیں گے۔

(۶) نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے چلنے لگے تو دعاء کی کہ اے پروردگار اگر تو مجھے اس شہر سے نکالتا ہے جو تمام مقامات سے زیادہ مجھے محبوب ہے تو اس مقام میں مجھے لے جا جو تمام شہروں سے زیادہ تجھے محبوب ہے۔

(۷) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ جس سے یہ بات ہو سکے کہ مدینہ میں مرے اس کو چاہئے کہ مدینہ میں مرے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرجائے گا قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کرونگا۔ اور اس کے ایمان کی گواہی دونگا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جن لوگو کو میرے شفاعت کی دولت نصیب ہوگی وہ اہل مدینہ ہونگے بعد اس کے اہل مکہ، بعد اس کے اہل طائف۔

(۸) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میرے ہجرت کا مقام ہے اور وہی میرا مدفن ہے۔ اور وہیں سے میں قیامت کے دن اٹھونگا جو شخص میرے پڑوسیوں یعنی اہل مدینہ کے حقوق کی حفاظت کریگا قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کرونگا اور اسکے ایمان کی گواہی دونگا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کریگا وہ ایسا گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

(۹) مدینہ کی خاک پاک میں اور وہاں کے میوہ جات میں حق تعالیٰ نے تاثیر شفا ودیعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ ایک مقام ہے وادی بطحان وہاں

کی مٹی سرور عالم ﷺ مرض تپ میں تجویز فرماتے تھے اور فوراً ہی شفا ہوتی تھی اکثر علماء نے اس مٹی کے متعلق اپنا تجربہ لکھا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں، میں مقیم تھا میرے پیر میں ایک مرض سخت پیدا ہوگیا کہ تمام اطباء نے اس امر پر اتفاق کرلیا کہ اس مرض کا آخری نتیجہ موت ہے۔ صحت دشوار ہے۔ میں نے اسی خاک پاک سے اپنا علاج کیا تھوڑے ہی دنوں میں بہت آسانی سے صحت حاصل ہوگئی۔ اسی قسم کی خاصیتیں وہاں کی کھجور میں بھی مروی ہیں اور لوگوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ (علم الفقہ: ج ۵/ص ۷۹)

مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا؟

مسئلہ:۔ یہ آپ نے غلط سنا یا غلط سمجھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی نیت سے سفر نہیں کر سکتے۔ اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ مسجد نبوی ﷺ کی نیت سے سفر کرنا صحیح ہے البتہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر جائز نہیں۔ لیکن جمہور اکابر امت کے نزدیک روضۂ شریف کی زیارت کی بھی ضرور نیت کرنی چاہئے۔ اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر شفاعت ممنوع نہیں۔ فقہائے امت نے زیارت نبوی ﷺ کے آداب میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ بارگاہ عالی میں سلام پیش کرنے کے بعد شفاعت کی درخواست کرے۔ امام جزری ''حصن حصین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ (کی قبر مبارک) کے پاس دعاء قبول نہ ہوگی تو اور کہاں ہوگی؟ صلوٰۃ وسلام اور شفاعت کی درخواست پیش کرنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعاء مانگئے اور مدینہ طیبہ میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے اور قرآن کریم کی تلاوت کی مقدار بھی بڑھا دینی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۵۲ او فتاویٰ محمودیہ: ج ۱۷/ص ۱۷۷)

کیا روضہ مبارک کی زیارت میں بھی بدلیت ہے؟

مسئلہ:۔ حج بدل میں زیارت روضہ اطہر داخل نہیں ہے۔ اگر وہ شخص جو حج بدل کے لیے بھیجا گیا ہے زیارت روضۂ اطہر کرے تو اس کے لیے بہت اچھا ہے۔ اور موجب ثواب ہے مگر اس میں نیابت اور بدلیت نہیں ہے۔ جو کوئی زیارت کرے گا اس کو ثواب ملے گا۔ اور جس نے

اس کام (حج بدل) کے لیے روپیہ دیا ہے اس کو صدقہ کا ثواب ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم: ج ۲/ص ۵۶۷)

حاجی کا روضۂ مبارک کی زیارت کئے بغیر آجانا؟

سوال:۔ اگر کوئی حج کیلئے جائے اور زیارت روضہ کئے بغیر آجائے تو اس کا حج مکمل ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کئے بغیر جو شخص واپس آجائے، حج تو اس کا ادا ہو گیا یعنی اس نے بے مروتی سے کام لیا اور زیارت شریفہ کی برکت سے محروم رہا۔ یوں کہہ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے جانا ایک مستقل عمل مندوب ہے جو حج کے اعمال میں تو داخل نہیں مگر جو شخص حج پر جائے اس کے لیے یہ سعادت حاصل کرنا آسان ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں فرمایا ''جس شخص نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ سے بے مروتی کی۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۱)

مسئلہ:۔ جو شخص حج کرے اور مجبوراً پیسے خرچہ کی کمی کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور پورا ہونے میں کچھ شبہ اور تردد نہیں ہے۔ البتہ استطاعت کے باوجود اگر مدینہ شریف نہ جاتا تو برا تھا، اور بڑی محرومی قسمت کی بات تھی، لیکن جب خرچہ کی کمی کی وجہ سے مجبور رہا تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۶/ص ۵۸۱ و مشکوٰۃ شریف: ج ۳۲/ص ۳۵۲)

مسجد نبوی میں کیا چالیس نمازیں پڑھنا ضروری ہے؟

سوال:۔ عمرہ ادا کر کے مسجد نبوی ﷺ میں حاضری دی اور واپس آگیا یعنی مدینہ طیبہ میں چالیس نمازیں پوری نہیں کی کیا کوئی گناہ ہے؟

جواب:۔ گناہ تو کوئی نہیں مگر مسجد نبوی ﷺ میں اس طرح چالیس نمازیں پڑھنے کی ایک خاص فضیلت ہے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو۔ یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

ایک حدیث شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرنے کی خاص فضیلت آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ''حضرت انس رضی اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح ادا کیں کہ اس کی کوئی بھی نماز (باجماعت) فوت نہ ہو اس کے لیے دوزخ سے اور عذاب سے برأت لکھی جائے گی۔ اور نفاق سے بری ہوگا۔

(مسند احمد: ج۳/ص۱۵۵، آپ کے مسائل: ج۴/ص۵۳ وفتاوی محمودیہ: ج۳/ص۱۸۶)

مسئلہ:۔ مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں باجماعت ادا کرنا افضل ہے ملازمت کی وجہ سے (وقت نہ مل سکا) نہ ہوسکے تو کوئی قباحت نہیں۔ حج میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ج۵/ص۲۲۲)

مسئلہ:۔ روزانہ پانچویں وقت یا جس وقت موقع ہو روضۂ اقدس ﷺ پر حاضر ہوکر درود وسلام پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ روضہ اقدس ﷺ کا طواف کرنا حرام ہے اور روضہ کے سامنے جھکنا اور سجدہ کرنا حرام ہے۔

مسئلہ:۔ روضہ کی طرف بلا ضرورت شدیدہ پشت نہ کرے نہ نماز میں اور نہ نماز کے علاوہ۔

مسئلہ:۔ جب کبھی روضہ مبارک کے برابر سے گزرے، حسب موقع تھوڑا بہت ٹھہر کر سلام پڑھے اگرچہ مسجد سے باہر ہی ہو۔

مسئلہ:۔ مدینہ منورہ کے قیام میں درود وسلام، روزہ، صدقہ اور مسجد کے خاص ستونوں کے پاس نماز اور دعاء کی کثرت رکھے بالخصوص حضور ﷺ کے زمانہ کی جو مسجد ہے اس کا خیال رکھے اگرچہ ثواب ساری مسجد میں برابر ہے۔

مسئلہ:۔ روضہ مبارک کی طرف دیکھنا ثواب ہے۔ اور اگر مسجد کے باہر ہو تو قبہ کو بھی دیکھنا ثواب ہے۔ (معلم الحجاج: ص۳۲۵)

مسجد نبوی ﷺ کی عظمت وتاریخ

مسجد نبوی ﷺ کی عظمت اور فضیلت کے لیے یہی بات کیا کم ہے کہ اس کی تعمیر خود نبی ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور برسوں سے اس میں نماز پڑھی اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس کو اپنی مسجد کہا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور ہر عذاب سے برات لکھ دی جائے گی اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔'' (مسند احمد، الترغیب)

سرور کائنات ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کے لیے ایک مرکز کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نماز ادا کرنے کے لیے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے حکم فرمایا

حضرت ابو یوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے سامنے ایک ناہموار زمین کا ٹکڑا تھا جو دراصل نخلستان تھا۔

یہ زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ بچے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر پرورش تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان یتیم بچوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ زمین ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں مسجد تعمیر کی جائے۔ ان یتیم بچوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! ہم یہ زمین بلا معاوضہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے رسول اللہ ﷺ راضی نہیں ہوئے اور یہ زمین دس دینار میں خرید لی۔ اور یہ دس دینا رحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کے درخت کاٹ دیئے جائیں اور ٹیلوں کو برابر کردیا جائے۔ چند روز تک اسی حالت میں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ پھر اس کی تعمیر کا انتظام فرمایا۔

مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیر مسجد کے لیے پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ آپ ﷺ بھی بہ نفس نفیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تعمیر مسجد میں مصروف رہتے۔ ابتداء اسلام میں قبلہ شمالی کی جانب بیت المقدس کی سمت تھا۔ سن دو ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم آیا تو کعبۃ اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں کھجور کے پتے اور تنے استعمال ہوئے تھے۔ بارش ہوتی تھی تو چھت ٹپکتی تھی اور حضور اکرم ﷺ اور جلیل القدر رفقاء اس گیلی زمین پر بھی بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوجاتے۔ تقریباً دس سال تک سرور کائنات دو عالم ﷺ نے اس مسجد میں نمازیں ادا فرمائیں۔

ریاض الجنۃ

مسجد نبوی کا وہ حصہ جو منبر اور قبر شریف کے درمیان ہے۔ وہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے۔ اس مقام کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو جگہ میرے گھر اور منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

یعنی یہ جگہ حقیقت میں جنت کا ٹکڑا ہے جو اس دنیا میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن یہ ٹکڑا جنت میں شامل ہو جائے گا۔

محراب النبی ﷺ

اس ریاض الجنۃ میں حضور ﷺ کا مصلیٰ بھی ہے جہاں آپ ﷺ کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے۔ اس جگہ اب ایک خوبصورت محراب بنی ہوئی ہے۔ جو محراب نبوی ﷺ کہلاتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد مصلیٰ رسول جیسی متبرک جگہ کی تعظیم کو برقرار رکھنے کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھنے کی جگہ پر دیوار بنوادی تھی البتہ قدم مبارک کی جگہ چھوڑ دی تا کہ آپ ﷺ کے سجدہ کی جگہ لوگوں کے قدموں سے محفوظ رہے۔ چنانچہ اب اگر کوئی حاجی مصلیٰ رسول کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو سجدے میں اس کی پیشانی حضور اقدس ﷺ کے قدموں کی جگہ ہوتی ہے۔

گنبد خضراء

روضہ اقدس ﷺ کے اوپر گنبد خضریٰ ہے۔ اس سبز گنبد سے نور پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جو اطراف واکناف کو روشن کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مینار نور ہے۔ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو۔ اس کی سب سے بڑی تمنا وآرزو یہی تھی ہے کہ گنبد خضریٰ کو ایک نظر دیکھ لے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں بار بار اسے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

سب سے پہلے ۶۷۸ھ میں الملک المنصور قلادن صالحی کے عہد میں روضہ اقدس پر گنبد (قبہ) بنایا گیا۔ گنبد نیچے سے مربع اور اوپر سے مثمن (یعنی آٹھ گوشہ) تھا۔ دیواروں

کے سروں پر لکڑی کی تختیاں اور ان کے اوپر سیسے کی پلیٹیں لگا دی گئیں۔

۸۸۶ھ میں الملک اشرف قائت بائی نے سنقر جمالی کو مسجد کی تعمیر و مرمت کی خدمت انجام دینے کے لیے بھیجا۔ سنقر جمالی نے روضہ اقدس کی دیواروں پر ایک گنبد بنایا اور اس گنبد کے اوپر ایک دوسرا گنبد بھی تعمیر کرایا۔ پھر اس کے بعد ایک بہت بڑا گنبد بنایا جس نے دونوں گنبدوں کو گھیر رکھا تھا انہوں نے مسجد شریف کی مرمت اور چھت میں بھی چند اور گنبد تعمیر کرائے۔ اس وقت روضہ اقدس کے کا رنگ سفید تھا اور اسے قبۃ البیضا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

۸۸۸ھ میں سلطان قائت بائی نے روضہ اقدس کی لکڑی کی مبارک جالیوں کیجگہ نئی جالیاں نحاس اصغر یعنی پیتل کی بے حد خوبصورت بنوائیں۔ اس میں ریاض الجنۃ کی طرف (مغرب میں) جو دروازہ بنوایا گیا اس سے باب الرحمت یا باب الوفود کہا جاتا ہے۔ قبلہ کی جانب روضہ اقدس میں جھروکہ بنوایا گیا اور ایک دروازہ بھی رکھا۔ مشرقی سمت والے دروازے کو باب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور شمالی دروازہ کو باب تہجد کہا جاتا ہے۔ سلطان نے روضہ اقدس کے اس کچے فرش کو جس پر حضور سرور کونین رحمتہ اللعالمین ﷺ کے قدم مبارک پڑ چکے تھے۔ تبرکا اسی حال میں رہنے دیا۔

سلطان سلیمان رومی نے دسویں صدی ہجری کے وسط میں روضہ اقدس کا سنگ مرمر کا فرش بنوایا، جو آج تک موجود ہے۔ روضہ اقدس (مقصورہ شریف) کا طول شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر یعنی تقریباً ۵۲ فٹ اور شرقاً و غرباً ۱۵ میٹر یعنی تقریباً ۴۹ فٹ ہے۔ چاروں گوشوں میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے ستون ہیں جن کی بلندی چھت کے برابر تک ہے۔

۹۸۰ھ میں سلطان سلیم ثانی نے روضہ اقدس کا قابل رشک گنبد بنوایا، اسے رنگین پتھروں سے سجایا اور پھر زردوزی نے اس کے حسن کو اور اجاگر کر دیا۔ گنبد پر سبز رنگ کرایا۔ جب کہ پہلے گنبد کا رنگ سفید تھا اسی دن سے عاشقانِ رسول ﷺ اس بے نظیر قبہ مبارک کو گنبد خضرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضور پاک ﷺ کے مزار مبارک کے سامنے

تین جالیاں ہیں اور تینوں میں سوراخ ہیں۔ عام لوگ بلکہ اکثر عرب حضرات بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ پہلی جالی میں حضور پاک ﷺ دوسری جالی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تیسری جالی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرام فرمارہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ درمیان والی ہی میں تینوں آرام فرمارہے ہیں۔ درمیان والی جالی میں ایک گول سوراخ رکھا گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے اسی سوراخ سے تھوڑا ہٹ کر حضور اکرم ﷺ کا سینہ مبارک ہے جہاں پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ہے۔ یہاں بھی ایک گول سوراخ ہے جو حضرت ابوبکر کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ہے۔ ان کے چہرہ مبارک کے سامنے بھی ایک گول سوراخ بنا ہوا ہے۔ گویا درمیان کی جالی میں تینوں آرام فرمارہے ہیں۔

جب آپ درمیان کی جالیوں کے سامنے کھڑے ہونگے تو اس جگہ کی پہچان یہ ہے کہ درمیان کی جالی میں بائیں ہاتھ پر ایک گول سوراخ ہے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے۔ اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ایک دروازہ ہے جو بند رہتا ہے۔ اس کے فوراً بعد دائیں ہاتھ کی ہی طرف ایک گول سوراخ ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

مسجد نبوی کے مخصوص سات ستون

ستون حنانہ

یہ محراب النبی ﷺ کے قریب ہے حضور اقدس ﷺ اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہیں وہ کھجور کا تنہ دفن ہے۔ جو لکڑی کا منبر بن جانے کے بعد آپ کے فراق میں بچوں کی طرح رویا تھا۔

ستون عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''میری مسجد میں ایک ایسی جگہ ہے کہ اگر

لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ قرعہ اندازی کرنے لگیں''۔ (طبرانی)
اس جگہ کی نشاندہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی۔ ستون عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مقام پہ بنا ہوا ہے۔

ستون ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک صحابی حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصور سرزد ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہاں بنے ہوئے ستون سے اس نیت سے باندھ لیا تھا کہ جب تک اللہ کی جانب سے میرا قصور معاف نہیں ہوگا تب تک میں اپنے آپ کو اسی سے باندھ کر رکھونگا۔ چنانچہ ایک موقع وہ آیا کہ نبی کریم ﷺ نے ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصور کی معافی کی خوشخبری سنائی۔ اب اسی مقام پر ایک ستون بنا ہوا ہے جسے ستون ابولبابہ کہتے ہیں۔

ستون سریر

اس جگہ نبی اکرم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے، اور رات کو یہیں آپ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیا جاتا تھا۔

ستون حرس

اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی جگہ بیٹھ کر سرکار دو عالم ﷺ کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ اس کو ستون علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں۔

ستون وفود

اس جگہ نبی اکرم ﷺ باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔

ستون تہجد

نبی کریم ﷺ اس جگہ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام ستون مسجد کے اس حصہ میں ہیں۔ جو حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تھی۔ ان ستونوں کے پاس جا کر دعا و استغفار کیجئے اور جب بھی موقع ملے ان کے پاس نوافل ادا کیجئے۔ یہ بڑے متبرک مقامات ہیں۔

اصحاب صفہ

صفہ سائبان کواور سایہ دار جگہ کو کہا جاتا ہے قدیم مسجد نبوی کے شمال مشرقی کنارے پر مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترا تھا۔ یہ جگہ اس وقت باب جبرائیل سے اندر داخل ہوتے وقت مقصورہ شریف کے شمال میں محراب تہجد کے بالکل سامنے ۲ فٹ اونچے کٹہرے میں گھری ہوئی ہے اس کی لمبائی ۴۰×۴۰ فٹ ہے۔ اس کے سامنے خدام بیٹھے رہتے ہیں۔ اور یہاں لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر آپ یہاں بیٹھ کر تلاوت کرنا چاہیں تو مشکل ہی سے جگہ مل سکے گی، یہاں وہ مسلمان رہتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا۔ نہ ہی بیوی بچے اور نہ کوئی اور۔ یہ اہل صفہ کہلاتے تھے اس لیے اس جگہ کو ''صفہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے۔ اور وقتاً فوقتاً تبلیغ اسلام کے لیے دوسرے مقامات پر جاتے تھے۔ یوں تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ مگر اصحاب صفہ کی زندگیوں میں اور بھی فقر وسادگی اور دنیاوی چیزوں سے بے نیازی اور بے تعلقی پائی جاتی تھی۔ یہ لوگ دن رات تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کے حصول کی خاطر فیضان مصطفوی سے فیض یاب ہونے کے لیے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر رہتے تھے۔ نہ انہیں تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار۔ ان حضرات نے اپنی آنکھوں کو آپ ﷺ کے دیدار کانوں کو آپ کے کلمات اور جسم وجان کو آپ کی صحبت کے لیے وقف کررکھا تھا۔ یہ لوگ دین کی دولت سے مالامال تھے، مگر دنیاوی زندگی میں افلاس وناداری کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

''میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن کے پاس چادر تک نہیں تھی صرف تہبند تھا یا فقط کمبل، چادر کو گلے میں اس طرح باندھ کر لٹکا لیتے کہ وہ پنڈلیوں تک اور بعض کے گھٹنوں تک پہنچ جاتی تھی اور ہاتھ سے اسے تھامے رکھتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے۔

(بخاری شریف: ج ۱/ص ۶۳)

☆☆

زیارت روضہ مقدسہ کے فضائل

حضرت سید المرسلین کی زیارت سرمایہ سعادت دنیا وآخرت ہے اور اہل ایمان محبت کا مقصد اصلی اور حقیقی غایت اس کے فضائل بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ مگر اس بارگاہ رحمت کرامت کی فیاضی کا مقتضیٰ ہے کہ جو لوگ آستانہ عالی کی زیارت کے لیے جاتے ہیں انکے لیے علاوہ اس دولت بے بہا یعنی دیدار جمال بے مثال روضہ سرور انبیاء کے اور بھی بڑے بڑے اعلیٰ مدارج کا وعدہ کیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور میری زیارت کے سوا اس کا کوئی کام نہ ہو تو میرے اوپر ضروری ہے۔ کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص حج کرے پھر بعد میری وفات کے میری قبر کی زیارت کرے، وہ مثل اس شخص کے ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص قصد کر کے میری زیارت کو آئے وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جو شخص حرمین میں سے کسی مقام میں سے مر جائے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بے خوف لوگوں میں اٹھائے گا۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بعد وفات میری زیارت کریگا گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اور میری امت میں جس کسی کو مقدور ہو پھر وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کا کوئی عذر نہیں (سنا جائے گا۔)۔

حضرت ابن عمر کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے آتے تو سب سے پہلے روضہ مقدسہ پر حاضر ہو کر جناب نبوی ﷺ میں سلام عرض کرتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز شام سے مدینہ منورہ قاصد بھیجا کرتے تھے اس لیے کہ وہ انکا سلام بارگاہ رسالت میں پہنچا دے اور یہ زمانہ جلیل القدر تابعین کا تھا۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین

اس زیارت پر کیسے دلدادہ تھے اور اس کے لیے کتنا اہتمام کرتے تھے اور در حقیقت مومن کے لیے حق سبحانہ کے دیدار کے بعد اس سے زیادہ اور کونسی دولت اور نعمت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس قبہ نور کی زیارت کرے اور اس کس بیکساں تکیہ گاہ ہر دو جہان کی خدمت میں سلام عرض کرے اور اس کے جواب سے مشرف ہو۔ (علم الفقہ: ج ۵/ص ۸۵)

روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کا طریقہ

حضرت مصطفیٰ ﷺ کی قبر کی زیارت بلاشبہ قرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور مہتم بالشان عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ارض پاک جہاں پر خیر الرسل سرور انبیا ﷺ کا مرقد ہے اللہ کے نزدیک اسے ایسی ایک خاص اہمیت اور برتری حاصل ہے جسے معرض تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ مزید برآں زیارت قبور کا اصل مقصد آخرت کے تصور کا تازہ کرنا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت بہ صراحت آئی ہے۔ تاکہ انسان اس سے عبرت حاصل کر سکے اور آخرت کی یاد آئے۔ بس اگر زیارت قبر کا مقصد صحیح معنوں میں وہی ہے جو شارع علیہ السلام نے بتایا ہے تو بہر حال وہ امر مستحسن ہوگا۔ اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت سے اہل دل پر جتنا اثر ہوتا ہے وہ اور دوسری عبادتوں سے بہت زیادہ ہے۔ پس جو شخص حضور ﷺ کی قبر کے سامنے پہنچ کر اس امر کا تصور کرے کہ آپ کو دعوت حق دینے اور لوگوں کو شرک کے اندھیرے میں ہدایت کی روشنی دکھانے کی راہ میں کیسے کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑا اور کس طرح آپ کو دنیا میں اخلاق فاضلہ کے پھیلانے اور دنیا بھر کی برائیوں کے مٹانے اور ایک ایسی شریعت کی تبلیغ کے لیے جس کی بنیاد تمام بنی نوع انسان کی اجتماعی بہبود کے حصول اور برائیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے رکھی گئی ہے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوا تو یقیناً دلوں میں اس رسول ﷺ کی محبت جاگزیں ہو جائے گی جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا تو ضرور ہے کہ ایسے اعمال کے بجالانے کی رغبت ہوگی جن کا حضور ﷺ نے حکم دیا اور لامحالہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر شرمسار ہوگا۔ اور اتنا ہو جائے تو اس کو بڑی کامیابی کہنا چاہیے۔

یقیناً آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت اور نزول وحی کی سرزمین کے مشاہدہ اور ایسے

مخلص نیکوکاروں کے مزار پر حاضری سے جنہوں نے دین حق کی حمایت میں اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں قربان کیا، بغیر اس کے کہ انہیں حکومت کا شوق ہو ان کا دل حیات دنیوی کی لذتوں اور دل فریبیوں کی جانب راغب ہو، بلکہ وہ اپنی دولت فراواں اور عیش بے اندازہ کو ترک کر کے اللہ کی راہ میں اور اس کی خوشنودی کی خاطر اعدائے دین کے مقابلے اور دین کی حمایت کے لیے نکل پڑے ان کی پائیداری یاد تازہ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیارت کرنے والوں کے دلوں کو ایک کارگر نصیحت حاصل ہوتی ہے اور انسان ان بزرگان دین کے قول وفعل کی پیروی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اگر مسلمان حقیقی معنوں میں اس طریق عمل کو اختیار کریں جو ان قبروں میں آرام کرنے والوں نے اختیار کیا تھا، جن کے کارناموں نے روم وفارس کی سلطنتوں کو زک پہنچایا، تو انہیں نمایاں تقویت حاصل ہو۔ ہر چند کہ آج مسلمانوں کی مادی قوت دشمنان اسلام کے مقابلہ میں قابل ذکر نہیں ہے تاہم مسلم قوم ایک ایسی اہمیت کی حامل ہے جس کا مقابلہ کوئی قوم نہیں کر سکتی۔

غرض آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت اور حضور ﷺ کے نیکوکار اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارات (پر حاضری) تقرب الٰہی کا ایک بڑا ذریعہ اور خلوص نیت سے عمل کرنے والوں کے دل پر جو خدائے واحد کے پرستار اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے اور ممنوعات سے باز رہنے والے بامراد لوگ ہیں، نہایت گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ پس جب کہ قبر آنحضرت ﷺ کی زیارت بجائے خود ایک بہترین پند اور گہرے تاثر کا موجب ہو تو اسے بہترین اعمال صالحہ میں سے قرار دینے کے لیے کافی ہے، اس لیے دین حنیف نے اس کی رغبت دلائی ہے، پھر وہ مسلمان جسے حج بیت اللہ کی توفیق ہوئی اور جو قبر نبوی ﷺ پر حاضر ہونے کے قابل ہے۔ اگر زیارت سے محروم رہے تو اس کے دل کو قرار وسکون کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان مکہ میں یعنی مہبط وحی شہر مدینہ کے قریب ہو اور اس کے دل میں مدینہ پہنچنے اور مزار نبوی ﷺ کی زیارت کا شوق رہ رہ کر نہ ابھرتا ہو۔

واضح ہو کہ فقہاء نے نبی ﷺ کی قبر مبارک اور دوسری مساجد کے لیے مندرجہ ذیل آداب زیارت مقرر کیے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ جب کوئی شخص زیارت نبوی ﷺ کے لیے جانے کا ارادہ کرے تو تمام راستے کثرت سے سلام اور درود پڑھتا ہوا جائے۔ اور مکہ سے مدینہ کو جائے تو جب مدینہ منورہ کی فصیل نظر آئے تو حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجے اور یوں کہے: (اللهم هذا حرم نبيك فاجعله وقاية لي من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب.)

(بارالہا یہ تیرے نبی کا حرم ہے۔ اس کی برکت سے مجھے نار جہنم سے بچالے نیز عذاب اور سختی محاسبہ سے امان میں رکھ) اور چاہئے کہ مدینے میں داخل ہونے سے پہلے اگر موقع ہو تو اور پھر داخل ہونے کے بعد غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنا بہترین لباس زیب تن کرے اور مدینہ میں عاجزی، سکون اور وقار کیساتھ داخل ہو۔ اگر جگہ وموقع ہو تو حضور ﷺ کے منبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھے (نماز کے لیے) اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ منبر کا ستون دائیں شانے کے محاذ میں ہو۔ حضور ﷺ اس جگہ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ جگہ قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے۔ (ورنہ جہاں بھی جگہ ملے تو دو رکعت شکرانہ کی پڑھے) پھر اللہ تعالیٰ نے (یہاں تک پہنچنے کی) توفیق جو عطا فرمائی اس کا سجدہ شکر بجالائے اور جو دل چاہے مانگے۔ پھر وہاں سے چل کر آنحضرت ﷺ کی قبر کی جانب آئے اور حضور ﷺ کے سرہانے کی طرف قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو۔ پھر قبر کے تین چار ہاتھ کے فاصلہ پر پہنچ جائے، اس سے آگے نہ بڑھے، اور قبر کی دیوار پر ہاتھ نہ رہے اور اس طرح ادب سے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، اور وہاں پر حضور ﷺ کی شکل مبارک کا تصور کرے گویا وہ اپنے مرقد میں سو رہے ہیں۔ اور گویا اس کی موجودگی کو جانتے ہیں۔ اور اس کی بات سن رہے ہیں پھر کہے: (السلام عليك يانبي الله ورحمته وبركاته، اشهدانك رسول الله فقد بلغت الرسالة اديت الامانة)

(یعنی السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں اس امر کا گواہ ہوں کہ بلاشبہ آپ ﷺ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے حق رسالت پورا کر دیا اور اللہ کی امانت ادا کر دی۔ امت کو نصیحت فرمائی)۔

یااللہ! قبر نبی ﷺ پر ہماری اس حاضری کو آخری موقعہ نہ بنا بلکہ اسے ذوالجلال والاکرام ہمیں پھر واپس آنے کی توفیق عطا فرما)۔ اور اس (دعا کے وقت) نہ آواز بہت اونچی کرے اور نہ بالکل دھیمی ہو۔ اس کے بعد اس کا سلام پہنچایا جائے جس نے اپنا سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو۔ اس کے لیے یوں کہنا چاہیے:

(السلام علیک یارسول الله من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع له ولجمیع المؤمنین.)

(یعنی اے رسول اللہ! آپ پر فلاں کی جانب سے سلام ہو۔ وہ آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کا طالب ہے۔ پس اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائے)۔ پھر جدھر حضور ﷺ کا چہرہ ہے اس طرف قبلہ رخ کی جانب پشت کرکے کھڑا ہو اور جونسا درود چاہے پڑھے اور پھر کوئی ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے سامنے جائے اور تب یہ کہے:

(السلام علیک یاخلیفة رسول الله السلام علیک یاصاحب رسول الله فی الغار السلام علیک یارفیقه فی الاسفار)

(یعنی اے خلیفہ رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔ اے غار میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے والے آپ پر سلام ہو اور حضور ﷺ کے شریک سفر رہنے والے آپ پر سلام ہو) اس کے بعد وہاں سے ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی طرف آنا چاہیے، وہاں پر یوں کہنا چاہیے: **(السلام علیک یاامیر المؤمنین، السلام علیک یامظهر الاسلام، السلام علیک یامکسر الاصنام، جزاک الله عنا افضل الجزاء ورضی الله عنه.)**

(یعنی اے امیر المؤمنین آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کے پشت پناہ آپ پر سلام ہو۔ اے بتوں کو توڑنے والے آپ پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے اور اس سے راضی ہو جس نے آپ کو خلیفہ بنایا)۔

اس کے بعد جو دعا یاد ہو وہ کرے اور جو جی چاہے دعا مانگے۔

زیارت قبر نبوی ﷺ سے فارغ ہو کر (قبرستان) بقیع کی جانب جانا اور قبروں اور مزارات پر حاضر ہونا چاہئے۔ یہاں پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زین العابدین، ان کے فرزند محمد باقر اور ان کے بیٹے جعفر صادق، امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نبی ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور متعدد ازواج نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نیز دوسرے بہت سے صحابہؓ وتابعینؒ بالخصوص امام مالکؒ اور سیدنا نافعؒ کے مزارات کی زیارت کی جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ جمعرات کے روز شہدائے اُحد بالخصوص سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کی جائے اور وہاں پر کہے: () (یعنی اے اہل قبور! وہ صبر واستقامت کا جس کا تم نے مظاہرہ کیا اس پر تمہیں سلام ہو۔ دار آخرت کیسی اچھی جگہ ہے۔ ایمان والوں کی اس اقامت گاہ پر سلام ہو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔) یہاں پر آیت کرسی اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھنی چاہئے اور ہفتہ کے روز مسجد قباء پر آنا مستحب ہے۔

مستحب یہ ہے کہ جب تک مدینہ میں رہنا ہو تمام نمازیں مسجد نبوی ﷺ میں ادا کی جائیں اور جب اپنے شہر میں واپسی کا ارادہ ہو تو دو رکعت نماز وداع مسجد میں ادا کی جائے اور جو مراد ہو اس کیلئے دعا مانگی جائے اور پھر حضور ﷺ کی قبر پر آ کر دعائیں مانگے اللہ دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے (آمین) (کتاب الفقہ: علی المذاہب الاربعہ: ج ۱/ص ۱۱۸۰)

(اور یہ تصور اور خیال کرتے ہوئے کہ میں بارگاہ عالی مقام میں حاضر ہوں کہ آقا ﷺ میری گزارش بہ نفس نفیس سن رہے ہیں۔ پورے ادب کے ساتھ ہلکی آواز سے صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرے۔ اور شفاعت کی درخواست پیش کرے۔ صلوٰۃ وسلام کے صیغے مختصر بھی ہیں اور طویل بھی جس طرح کا ذوق ہو اسے اختیار کرے البتہ عام لوگوں کے لیے مختصر سلام بہتر ہوگا۔

(الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ)

''اے اللہ کے رسول آپ پر درود وسلام''

(الصلوٰة والسلام علیک یاحبیب الله)

''اے اللہ کے محبوب آپ پر درود وسلام''

(الصلوٰة والسلام علیک یاخیر خلق الله)

''اے اللہ کے مخلوق میں سب سے بہتر آپ پر درود وسلام''

(السلام علیک ایھاالنبی ورحمة الله وبرکاته)

''اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں''

طویل سلام کا ذوق ہو تو حج وزیارت پر لکھی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھا جائے جس قدر ہو سکے طاعت وعبادت میں صرف کرے۔ ہر نماز جماعت کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں ادا کرے بلکہ کوشش کرے کہ ریاض الجنۃ یا اس حصے میں پڑھے جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسجد تھی۔ درود شریف کا ورد ہر وقت جاری رکھے۔ کثرت کے ساتھ روضہ اقدس ﷺ پر حاضری دیتا رہے۔ اور سلام عرض کرتا رہے کیونکہ پھر یہ دولت کہاں نصیب ہوگی۔ اور زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی ﷺ میں گزارے۔

اکثر ہجوم کی وجہ سے مواجہہ شریف میں پہنچ کر سکون واطمینان سے صلوٰۃ وسلام اور عرض ومناجات کا موقع نہیں مل پاتا ہے۔ البتہ تجربہ کے مطابق مندرجہ ذیل تین اوقات میں اس کا موقع مل سکتا ہے۔(۱) عشاء کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد۔(۲) فجر کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد۔(۳) ظہر کے ایک گھنٹہ بعد۔

اگر مواجہہ شریف میں اطمینان وسکون کے ساتھ صلوٰۃ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا موقع نہ مل سکے تو مسجد نبوی ﷺ میں جس جگہ سے بہ سہولت ہو سکے صلوٰۃ وسلام اور درود شریف کا ورد رکھے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ہر نماز کے بعد کوشش کرے کہ احادیث مبارکہ میں وارد شدہ درود وسلام کے چالیس صیغے ایک بار پڑھ لے۔ انشاء اللہ اس کے بہت فوائد محسوس کرے گا۔ با نماز میں پڑھے جانے والا درود شریف پڑھتا رہے۔

آپ سے التجاء ہے کہ آپ جب روضہ اقدس ﷺ پر اپنا اور اپنے اقارب و احباب کا درود و سلام پیش فرمائیں تو اس گنہگار کا درود و سلام بھی پہنچا دیں۔ جو شخص میرے سلام و درود کو میرے آقا پہنچائے اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ (محمد رفعت قاسمی)

☆ مدینہ منورہ کی دیگر زیارت گاہیں ☆

جنت البقیع

مدینہ طیبہ میں مسجد شریف روضہ مقدسہ کے بعد سب سے اہم مقام وہاں کا قدیمی قبرستان جنت البقیع ہے جو حرم بنوی سے بہت تھوڑے فاصلے پر ہے اس میں اکثر ازواج مطہرات بناتِ طاہرات اور اہل بیت نبوت، جلیل القدر صحابہ کرام، تابعین، بے شمار ائمہ عظام اور اولیاء کرام محو استر راحت ہیں۔ اہل بقیع میں سب سے افضل عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مرقد ہے، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر باقی تمام ازواج مطہرات اسی جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

حضرت اکرم ﷺ کی دائی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضور ﷺ کی دیگر صاحبزادیاں حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا علی ابن حسین (زین العابدین رضی اللہ عنہ) امام محمد باقر، حضور ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، فاتح عراق حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور صاحب مذہب امام مالکؒ اسی جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

• جبلِ اُحد

اُحد وہ پہاڑ ہے جس کے متعلق رسول مقبول ﷺ نے فرمایا "حبہ تحبنا" (ہم کو اس سے محبت ہے اور اس کو ہم سے محبت ہے)۔ اسی پہاڑ کے دامن میں جنگِ اُحد شوال ۳ھ

میں ہوئی تھی جس میں آنحضرت ﷺ خود شدید زخمی ہوئے تھے اور تقریباً ستر جاں نثار صحابہ شہید ہوئے تھے۔ جن میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ سب شہداء کرام یہیں مدفون ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اہتمام سے یہاں تشریف لاتے اور ان شہیدوں کو سلام و دعا سے نوازتے تھے۔ معتمد روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ لہٰذا کم ازکم ایک مرتبہ یہاں حاضری ضرور دیں اور شہداء کرام کو مسنون طریقے سے سلام عرض کرکے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی دعا کیجئے اور اللہ و رسول کے ساتھ سچی وفاداری اور دین پر استقامت کی دعا اپنے لئے مانگئے۔

☆ مدینہ منورہ کی مساجد ☆

فضیلت مسجد قباء

اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے (لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ) (سورۂ توبہ)

ترجمہ:۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ آپ اس میں عبادت کے لیے کھڑے ہوں۔

حدیث شریف میں اس کی فضیلت کو امام بخاریؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ کے روز پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص گھر میں وضو کر کے مسجد قباء آئے اور دو رکعت نماز ادا کرے اس کو عمرہ جتنا ثواب ملے گا۔

مسجد قباء

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر جو آبادی ہے اسے قباء کہا جاتا ہے یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان میں عمرو بن عوف کا خاندان بھی تھا۔ اس خاندان کے سربراہ کلثوم بن الہدم تھے۔ آپ ﷺ نے قبا میں چار دن قیام فرمایا۔ یہ شرف اسی خاندان کے مقدر میں لکھا تھا۔

قیام قباء کے درمیان تاریخ اسلام کے زریں باب کی تعمیر مسجد جسے مقدس شاہکار سے شروع کیا گیا۔ حضرت کلثوم بن الہدم کی ایک افتادہ زمین جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ اسی مبارک قطعہ زمین پر آپ ﷺ نے اپنے دستِ حق پرست سے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ شاہ کونین ﷺ بھی مصروف کار رہے۔ بھاری اور وزنی پتھر اٹھاتے، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "یارسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان جائیں، آپ چھوڑ دیں، ہم اٹھائیں گے۔"

آپ ﷺ ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے چھوڑ دیتے مگر پھر بھی اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ اسلام کی تاریخ میں یہی مسجد سب سے پہلے تعمیر ہوئی ہے۔

مسجد الجمعہ

اس مسجد کے دو نام اور ہیں، مسجد الوادی اور مسجد عاتکہ یہ مسجد مدینہ طیبہ سے قباء جاتے ہوئے راستہ میں ملتی ہے۔ حضور ﷺ جب قباء سے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس جگہ پر پہلی نماز جمعہ پڑھی تھی۔ اس جگہ مسجد بنادی گئی ہے۔ جو مسجد الجمعہ کہلاتی ہے۔

مسجد مصلیٰ

مدینہ طیبہ سے غربی جانب یہ عیدگاہ ہے۔ یہاں حضور ﷺ عیدین کی نماز ادا فرماتے تھے اس کو مسجد غمامہ بھی کہتے ہیں۔

مسجد ابوبکر رضی اللہ عنہ

عیدگاہ کے شمال جانب ایک مسجد ہے جس میں بعض روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس جگہ نفل پڑھنا اور بعض روایات میں اپنے زمانۂ خلافت میں یہاں نماز پڑھنا مروی ہے۔

☆☆

مسجد علی رضی اللہ عنہ

یہ مسجد بھی عیدگاہ سے قریب ایک وسیع مسجد ہے۔ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عیدین کی نماز پڑھنا مروی ہے۔

مسجد بغلہ

اس مسجد کا دوسرا نام ہوظفر ہے۔ یہ مسجد جنت البقیع کے پورب میں ہے۔ اس مسجد کے پاس ایک پتھر ہے اس کے متعلق ایک روایت ہے کہ اس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کے سم کا نشان ہے اسی وجہ سے اس کو مسجد بغلہ کہتے ہیں۔

مسجد الاجابہ

یہ مسجد جنت البقیع کے اتر جانب ہے۔ بنومعاویہ بن مالک جو اوس کے ایک قبیلہ کے تھے ان کی مسجد ہے۔ یہاں حضور ایک دن تشریف لائے اور نماز ادا کی اور دیر تک دعاء کرتے رہے جو مقبول ہوئی۔

مسجد سُقیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر جاتے ہوئے یہاں نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد احزاب (فتح اعلیٰ)

یہ مسجد سلع پہاڑی کے پچھلی کنارے پر واقع ہے غزوۂ خندق کے موقع پہ تین دن مسلسل کفار پر فتح پانے کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دعا فرمائی۔ چوتھے روز دعا قبول ہوئی اور فتح نصیب ہوئی۔ اسی وجہ سے اس کو مسجد فتح بھی کہتے ہیں۔ اسی کے قریب پانچ مسجدیں اور ہیں۔ مسجد ابوبکر رضی اللہ عنہ، مسجد عمر، مسجد عثمان رضی اللہ عنہ، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسیؓ۔ یہ چھ مسجدیں (مسجد ستۂ) کہلاتی ہیں۔ یہ مسجدیں غالباً ان مقامات پر ہیں جہاں صحابۂ کرام جنگ احزاب میں مورچہ پر متعین تھے۔

مسجد بنی حرام

مدینہ منورہ سے مسجد احزاب جاتے ہوئے داہنی طرف ہے یہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اس کے قریب ایک غار ہے۔ جس کو کہف بنو حرام کہتے ہیں۔اس غار میں جنگ خندق کے موقع پر حضور اکرم ﷺ رات کو آرام فرماتے تھے۔ اس غار میں حضور ﷺ پر وحی بھی نازل ہوئی تھی۔

مسجد ذباب

یہ مسجد جبل ذباب پر ہے جنگ خندق کے موقع پر اس جگہ حضور ﷺ کا خیمہ نصیب ہوا تھا۔اور اسی جگہ آپ ﷺ نے نماز بھی پڑھی تھی۔

مسجد قبلتین

مدینہ منورہ کے شمال ومغرب میں وادی عقیق کے قریب واقع ہے۔ اس میں دو محراب بنی ہوئی ہیں۔اس میں ایک محراب بیت المقدس کی طرف اور دوسری خانہ کعبہ کی جانب بنی ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ وہاں تشریف لے گئے۔ اور ظہر کا وقت ہو گیا آپ نماز پڑھا رہے تھے۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔(**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.**)(اب آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیجئے۔)

مسجد فضیح

بنو نضیر یہودیوں کا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ فرمایا، اسی جگہ آپ ؐ کا خیمہ نصب ہوا تھا،اور چھ روز تک آپ ؐ نے اس جگہ نماز ادا فرمائی۔ یہ مسجد بلندی پر سیاہ پتھر کی بنیاد پر بشکل مربع بغیر چھت کے مسجدِ قباء کے مشرق جانب تھی۔

مسجد بنی قریظہ

یہودی بنی قریظہ کے محاصرہ کے وقت حضور ﷺ نے یہاں قیام فرمایا تھا اور ایک گوشہ میں نماز پڑھی تھی۔

مسجد ابراہیم (ماریہ قبطیہ)

ماریہ قبطیہ ابراہیم بن نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ یہیں پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ اس باغ کے ایک حصے میں نماز ادا فرماتے تھے۔ یہ مسجد بنو قریضہ کی مسجد سے شمالی کی طرف واقع ہے۔

مسجد البقیع (مسجد اُبی)

یہ مسجد جنت البقیع کے متصل ہے اس جگہ حضرت ابی ابن کعبؓ کا مکان تھا۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہاں تشریف لاتے اور نماز پڑھتے۔

مسجد ابوذر (مسجد طریق السافلہ)

یہ مسجد سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزارِ مقدس کو جو راستہ گیا ہے۔ اس پر واقع ہے۔ اس جگہ حضور ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے اور اسی مقام پر آپ ﷺ کو مژدہ دیا گیا کہ جو امتی آپ ﷺ پر درود بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے گا۔ اس مژدہ پر آپ نے بہت ہی طویل سجدۂ شکر ادا فرمایا تھا۔

(تفصیل و مکمل معلومات دیکھئے مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد از ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی صاحب)

☆ آدابِ مدینہ طیبہ ایک نظر میں ☆

آداب مدینہ طیبہ

(۱) راستے میں کثرت کیساتھ درود شریف پڑھیں جب شہر مدینہ نظر آئے تو زیادہ اشتیاق اور بے قراری کے ساتھ پڑھیں۔ (۲) مدینہ طیبہ پہنچ کر اپنا سامان اطمینان کے ساتھ رکھیں اگر ہو سکے تو غسل وغیرہ کر کے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوں۔ (۳) مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے (**بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ اللھم افتح لی ابواب رحمتک**) پڑھ کر پہلے داہنا پیر رکھیں۔ جب بھی مسجد نبوی میں داخل ہوں اعتکاف کی نیت کریں۔ (۴) مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد جگہ مل سکے تو روضۃ الجنۃ

میں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں۔ ورنہ جہاں جگہ مل جائے پڑھ لیں بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔
(۵) اس کے بعد حضور ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوں اور مواجہ شریف کے سامنے ذرا سا بائیں طرف مڑ کر کھڑے ہو کر یہ سلام پڑھیں: (**السلام علیک یارسول الله، السلام علیک یاحبیب الله، السلام علیک یاشفیع المذنبین، السلام علیک یاخاتم النبین السلام علیک وعلیٰ آلک اصحابک اجمعین، السلام علیک یاایهاالنبی ورحمة الله وبرکاته.**)
(۶) اس کے بعد تقریباً ایک ہاتھ ہٹ کر داہنی جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر اس طرح سلام کہے (**السلام علیک یاخلیفة رسول الله ﷺ ابابکر الصدیق**) (۷) اس کے بعد پھر ایک ہاتھ داہنی جانب ہٹ کر حضرت عمرؓ کو اسی طرح سلام کریں۔ (**السلام علیک یاامیر المؤمنین عمر فاروقؓ**) (۸) جتنے دن قیام مدینہ طیبہ میں رہے روزانہ اسی طرح حاضر ہو کر سلام کرنا چاہئے۔ (۹) قیام مدینہ میں درود شریف کی کثرت رہے درود شریف مختصر یہ ہے:
(**اللهم صل علیٰ محمدنِ النّبیّ الاُمّیّ وعلیٰ اٰلهٖ وسلّم تسلیما.**)
صلوٰۃ وسلام کی چہل حدیث چھپی ہوئی ملتی ہوئی ملتی ہے اس کو ساتھ رکھیں تو بہتر ہے۔ اسی کو پڑھا کریں۔ (۱۰) مسجد قبا کی زیارت کریں حدیث شریف میں ہے کہ اس میں دو رکعت نفل کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔ (۱۱) احد پہاڑ کی زیارت کریں حدیث شریف میں ہے کہ ہم کو اس سے محبت ہے اور اس کو ہم سے محبت ہے۔ (۱۲) احد پہاڑ کے دامن میں ستر جاں نثار صحابہ کرام مدفون ہیں ان کی قبروں کی زیارت کرے اور ایصال ثواب کرے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں دفن ہیں۔ (۱۳) جنت البقیع کی زیارت کریں وہاں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما، آپ ﷺ کی صاحبزادیاں رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کے صاحبزادے رضی اللہ عنہ، دوسرے اہل بیت رضی اللہ عنہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بے شمار ائمہ عظامؒ اور شہداءؒ مدفون ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ (۱۴) مدینہ طیبہ میں آٹھ روز قیام رہے تاکہ

چالیس نمازیں پوری ہوجائیں۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے اور کوئی نماز اس کی فوت نہ ہو تو اس کے لیے دوزخ سے برات لکھی جائے گی اور عذاب اور نفاق سے برات لکھی جائے گی۔ (۱۵) زیارت کے وقت روضہ کی دیواروں کو چھونا بوسہ دینا یا لپٹنا ناجائز اور بے ادبی ہے۔ (۱۶) روضہ کی طرف بلا ضرورت شدیدہ پشت نہ کرے نہ نماز میں نہ خارج نماز میں۔ (۱۷) جب کبھی روضہ مبارک کے برابر سے گزرے حسب موقعہ تھوڑا بہت ٹھہر کر سلام پڑھے اگرچہ سجدے سے باہر ہی ہو۔ (۱۸) روضہ شریف کی طرف دیکھنا ثواب ہے۔ اور اگر مسجد کے باہر ہو تو قبہ کو بھی دیکھنا ثواب ہے۔ (۱۹) جب مدینہ طیبہ سے واپسی ہو تو مسجد نبوی میں دو رکعت نفل پڑھ کر روضہ اقدس پر حاضر ہو کر آخری درود سلام پڑھے اور دعا مانگے۔ (۲۰) جب اپنا شہر قریب آئے یہ دعا پڑھے: (آئِبُوْنَ تَـآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْن) (۲۱) اگر مکروہ وقت نہ ہو تو اپنی بستی میں پہنچ کر پہلے دو رکعت نفل اپنی مسجد میں پڑھیں اس کے بعد گھر آئیں۔

(۲۲) جب گھر میں داخل ہوں یہ دعا پڑھیں:

(او با او با لربنا توبا لا یغادر علینا حوباً) (مسنون دعائیں)

(۲۳) گھر میں پہنچ کر بھی دو رکعت نفل پڑھیں اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے سلامتی اور عافیت کے ساتھ سفر پورا فرمایا اور اس سعادت کبریٰ نعمت عظمیٰ سے مشرف فرمایا۔

(۲۴) جب حاجی لوگ حج سے واپس آئیں تو ان سے ملاقات کرو سلام و مصافحہ کرو اور ان کے گھر پہنچنے سے پہلے اپنے لئے دعاء کراؤ۔ حاجی کی دعاء قبول ہوتی ہے۔

(۱۵) حاجی کو رخصت کرنے یا واپسی کے وقت لینے کے لیے عورتوں کا ساتھ چلنا، ہنگامہ اور جشن منانا، عورتوں سے مصافحہ کرنا، فوٹو گرافی کرنا، ویڈیو ریکارڈنگ کرنا، پھر پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرنا یہ سب بہت بری حرکتیں ہیں۔

(۲۶) حج کے مقبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد اعمال صالحہ کا اہتمام اور پابندی زیادہ ہو جائے، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھ جائے۔ اس لیے حج کے بعد اپنے اعمال و اخلاق کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے اور طاعت و عبادت میں خوب سعی

کرنا چاہئے۔ معصیت اور اخلاقِ رذیلہ سے نفرت اور اجتناب کرنا چاہئے۔ اور دینی اعمال کی طرف زیادہ سے زیادہ لگنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ دینی ماحول میں رہا کرے ہو سکے تو تبلیغی جماعت میں شریک رہے۔ بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتا رہے تا کہ نیک صحبت میسر ہو، کیونکہ ماحول بہت خراب ہے۔ جو آدمی کو جلدی متاثر کر دیتا ہے۔ اپنی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔ نیز اس کے لیے دعا بھی کرتا رہے۔

(بیان فرمودہ شیخ مفتی محمود حسن ؒ مفتی اعظم دار العلوم دیو بند ماہنامہ النور ۲۰۰۲ء)

حاجیوں کا استقبال کرنا؟

مسئلہ:۔ حاجیوں کا استقبال تو اچھی بات ہے ان سے ملاقات اور مصافحہ و معانقہ بھی جائز ہے اور ان سے دعا کرانے کا بھی حکم ہے۔ لیکن یہ پھول اور نعرے وغیرہ حدود سے تجاوز ہے اگر حاجی کے دل میں عجب پیدا ہو جائے حج ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے ان چیزوں سے احتراز کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج۴/ص۱۶۲)

مسئلہ:۔ حاجی کے گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا یہ سب طریقے خلاف سنت اور غلط اور قابل ترک ہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ج۳/ص۲۰۲)

مسئلہ:۔ حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا یہ ایک نمائش ہے۔ (جو کہ جائز نہیں ہے)۔ (فتاوی محمودیہ: ج۱۰/ص۸۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم حاجی سے ملو تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس کے گھر میں جانے سے پہلے اس سے اپنے لیے دعاءِ مغفرت کراؤ کیونکہ وہ بخشا یا آیا ہے۔

تشریح:۔ حج کر کے واپس آنے کیساتھ وطن کے لوگوں کو تین کام کرنے چاہئیں۔

(۱) اسکا استقبال کرنا یعنی کچھ فاصلہ سے لینے کے لیے جانا۔

(۲) سلام و مصافحہ کے بعد اس کو دعا دینا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے۔

(۳) اس سے اپنے دعاءِ مغفرت کرانا۔

اسکی ایک عمدہ صورت تو یہ ہے کہ اسٹیشن پر یا بستی میں آ کر مسجد میں (حاجی دو رکعت

نفل پڑھ کر) سب دعاء کریں، حاجی دعاء کرائے اور باقی سب آمین کہیں، اور یہ بھی مناسب ہے ہر شخص کیلئے ملاقات کے وقت علیحدہ علیحدہ مختصر اور جامع الفاظ میں دعاء کر دی جائے۔
(الترغیب الترہیب: ج ۴/ص ۲۰ بحوالہ مسند احمد: ج ۷/ص ۲۲۶ و مجمع الزوائد: ج ۴/ص ۶)

اپنے عزیز واقرباء کو اور درست واحباب کو خوشی کے موقع پر مبارک باد دینے کی عام ہدایت تو ہے ہی خاص طور سے حضور ﷺ نے حج کی مبارک بھی دی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عروہ بن مضرین طائی کو حج کی مبارک بادی دی تھی۔ (مجمع الزوائد: ج ۳/ص ۲۶۴)

اس لیے حجاج کرام کو ان کے حج کی مبارک باد بھی دیجئے گا اور انہیں ان کے حج کے مقبول ہونے کی دعاء بھی دیجئے اور اتنا کہنا بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حج وعمرہ قبول فرمائے اور اپنے لئے دعاء کی درخواست کریں کیونکہ حاجی کی دعاء قبول ہوتی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

حاجیوں کی آمد پر دعوت کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر رشتہ دار صلہ رحمی کی نیت سے یا کوئی قریبی تعلق والا اس مبارک سفر کی نسبت پر حاجی کے اعزاز میں سیدھے سادے طریقہ پر پورے اخلاص کے ساتھ اس کی دعوت کرے یا ہدیہ پیش کرے بشرطیکہ دونوں اس کو ضروری نہ سمجھتے ہوں۔ دینے والا صرف رضاء الٰہی کے لیے پیش کرے، دکھاوا، شہرت اور بڑائی ہرگز مقصود نہ ہو اور لینے والے کو بھی پورا اطمینان ہو یہ دل سے اخلاص کے ساتھ ہدیہ پیش کر رہا ہے یا دعوت کر رہا ہے۔ بدلہ چکانے یا آئندہ وصول کرنے کا بالکل شائبہ نہ ہو تو یہ فی نفسہ مباح اور انشاء اللہ باعث اجر ہے۔

مگر آج کل ان چیزوں پر جس انداز سے عمل ہو رہا ہے وہ عموماً رسم ورواج کے طور پر ہے اس لیے اس زمانہ میں ان چیزوں سے احتراز ہی ضروری ہے۔ اور ان رسم ورواج کے بند کرنے کا ہی حکم کیا جائے گا۔

آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ حج میں جانے والا اگر دعوت نہ کرے یا لوگ اس کی دعوت نہ کریں تو جانبین میں برا مانتے ہیں اور دعوتوں کو اس قدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ نہ کرنے پر شکایتیں ہوتی ہیں۔ طعنے سنائے جاتے ہیں اور گاہے ان دعوتوں میں فضول خرچی ہوتی ہے، خوب دھوم دھام ہوتی ہے۔

یہی حال ہدایا اور سوغات کی لین دین کا بھی ہے، اس کو بھی ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی شکایتیں ہوتی ہیں۔ اور نیت بھی عموماً صحیح نہیں ہوتی۔ دینے والے عموماً دیکھاوے، شہرت اور بڑائی کے خیال سے دیتے ہیں اگر نہیں دینگے تو لوگ کیا کہیں گے، خالی ہاتھ ملاقات کے لیے جانا معیوب اور اپنے لئے باعث خفت سمجھتے ہیں، ہدیہ پیش کرنے میں جو اخلاص، للہیت اور خوش دلی ہونا چاہئے وہ عموماً نہیں ہوتی۔ صرف لعن وطعن سے بچنے یا بدلہ چکانے یا آئندہ بدلہ وصول کرنے کے خیال سے ہوتا ہے۔ اور جو ہدیہ اس خیال سے پیش کیا جائے ایسا ہدیہ تو قبول کرنا بھی جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے ''کسی مسلمان کا مال اس کی دل کی خوشی کے بغیر حلال نہیں'' نیز حدیث شریف میں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ان لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے جو فخر کے لیے کھانا کھلائیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک چیز مباح کے درجہ میں تھی اسے ضروری سمجھ لیا گیا ہے اور لزوم کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اگر مباح چیز کو ضروری سمجھ لیا جائے تو وہ قابل ترک ہے۔ اور خاص کر اگر اس میں غیر شرعی امور شامل ہو جائیں تو اس کا ترک انتہائی ضروری ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰ص/۸۳ اواصلاح الرسوم۔ ۹)

حج سے واپسی پر حاجی کا دعوت کرنا؟

مسئلہ:۔ حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے اور بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی ادائیگی پر اگر کوئی شخص شکریہ کے طور پر غرباء ومساکین اور اعزہ واحباب کو کھانا کھلائے یا کچھ ہدیہ دے تو شرعاً درست ہے لیکن بعض جگہ اس میں ریاء اور فخر کی شان ہوتی ہے گویا کہ اپنے حج کا اعلان ہوتا ہے کہ حج کر کے آئے ہیں۔ اور بعض جگہ پر کھانا لازم اور ضروری تصور کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر اپنے پیسہ نہ ہو تو قرض لے کر کھلایا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کے لیے سودی قرض لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے۔ اس طرح کھلانے سے بھی اور ایسا کھانا کھانے سے بھی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج ۷/ص ۱۸۵)

☆☆

حاجیوں کا تحفے تحائف دینا؟

سوال:۔اکثر لوگ جب عمرہ یا حج کے لیے جاتے ہیں تو ان کے عزیز انہیں تحفہ میں مٹھائی، نقد روپئے وغیرہ دیتے ہیں، اور جب یہ لوگ حج کر کے واپس آتے ہیں۔تو تبرک کے نام سے ایک رسم ادا کرتے ہیں جس میں کھجوریں، زمزم، اور ان کے ساتھ دوسری چیزیں رسماً بانٹتے ہیں، کیا یہ رواج درست ہے؟

جواب:۔عزیزہ واقارب اور دوست واحباب کو تحفے تحائف دینے کا تو شریعت میں حکم ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔مگر دلی رغبت ومحبت کے بغیر محض نام کے لیے یا رسم کی لکیر پیٹنے کے لیے کوئی کام کرنا بری بات ہے۔حاجیوں کو تحفے دینا اور ان سے تحفے وصول کرنا آج کل ایسا رواج ہوگیا ہے کہ محض نام اور شرم کی وجہ سے یہ کام خواہی نخواہی کیا جاتا ہے۔یہ شرعاً چھوڑنے کے لائق ہے۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۶۱)

جو حج وعمرہ کے بعد بھی گناہ سے نہ بچے؟

سوال:۔میرے دوست نے جو کہ تبوک میں مقیم ہیں، حج وعمرہ کر کے واپس آکر وی،سی،آر پر عریاں فلمیں دیکھیں،ان کے لیے کیا حکم ہے۔وہ ابھی پچھتا رہے ہیں؟

جواب:۔معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صحیح معنوں میں حج وعمرہ نہیں کیا بس گھوم پھر کر واپس آگئے ہیں۔حج کے مقبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد آدمی کی زندگی میں انقلاب آجائے۔اور اس کا رخ خیر اور نیکی کی طرف بدل جائے۔

ان صاحبوں کو اپنے فعل سے توبہ کرنی چاہئے۔فرائض کی پابندی اور محرمات سے پرہیز کرنا چاہئے۔اگر سچی توبہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف فرمادینگے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔(آمین)۔(آپ کے مسائل:ج۴/ص۱۵۴)

حج کے بعد اعمال میں سستی آئے تو؟

سوال:۔حج کرنے کے بعد زیادہ عبادت میں سستی کاہلی آگئی، حج سے پہلے دینی کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔لیکن اب اس کے بعد برعکس ہوگیا ہے، آپ سے یہ معلوم کرنا ہے

کہ حج کرنے میں کوئی فرق تو نہیں ہو گیا، کیا دوبارہ حج کے لیے جانا ہو گا؟

جواب:۔ اگر پہلا حج صحیح ہو گیا تو دوبارہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ حج کے بعد اعمال میں سستی نہیں بلکہ چستی ہونی چاہئے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۵۵)

مسئلہ:۔ جو شخص حج سے پہلے بھی گناہوں میں ملوث تھا اور حج کے اندر بھی بے پروائی سے کام لیتا رہا اور حج کے بعد بھی گناہوں سے پرہیز نہ کیا تو اس کا حج کوئی فائدہ نہ دیگا، اگرچہ اس نے فرائض حج کو پورا کرلیا۔ (معارف القرآن: ج ۱/ص ۴۳۸)

حج کرنے کے بعد نام کیساتھ ’’حاجی‘‘ لکھنا؟

مسئلہ:۔ اپنے نام کیساتھ حج کرنے کے بعد ’’حاجی‘‘ کا لقب لگانا بھی ریاکاری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حج تو رضائے الٰہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ لوگوں سے ’’حاجی‘‘ کہلانے کے لیے نہیں، دوسرے لوگ اگر ’’حاجی صاحب‘‘ کہیں تو مضائقہ نہیں لیکن خود اپنے نام کے ساتھ ’’حاجی‘‘ کا لفظ لکھنا بالکل غلط ہے۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۱۶۱)

مسئلہ:۔ جو شخص حج بدل کر کے واپس آئے وہ ’’حاجی‘‘ کہلائے گا، اپنے حج کئے بغیر ہی وہ ’’حاجی‘‘ کہلائے گا۔ (آپ کے مسائل: ج ۴/ص ۷۶)

(مولانا اشرف علی تھانویؒ دیہات میں نماز کے وقت مسجد پہنچے، مولانا مرحوم نے مسجد میں نمازیوں سے معلوم کیا تمہارا کیا نام ہے؟

جواب دیا حاجی ابراہیم مولانا نے دوسرے شخص سے معلوم کیا تو بتایا حاجی یعقوب کئی سے معلوم کیا تو ہر ایک نے اپنے اپنے نام کے ساتھ لفظ ’’حاجی‘‘ لگا کر ہی نام بتایا۔

بعد میں ان لوگوں نے مولانا سے معلوم کیا اجی! تھارا (تمہارا) کیا نام ہے؟

(مولانا حکیم الامت ہی کہلاتے تھے اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کا نباض بنایا تھا)

فرمایا میرا نام اشرف علی نمازی ہے۔

گاؤں والے یہ سن کر چونکے اور بولے اجی! نماجی (نمازی) کیا ہوتا ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ بتاؤ کہ تم نے کتنے حج کئے اکثر نے ایک ہی بتایا، اس پر مولانا نے فرمایا کہ جب تم ایک حج کرنے کے بعد اپنے نام کے ساتھ ’’حاجی‘‘ کا لفظ لگاتے ہو

تو میں تو دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں کیوں نہ اپنے نام کیساتھ نمازی لگاؤں

ایک بات پر گاؤں والے شرمندہ ہوئے اور مولانا تھانویؒ نے اس طریقہ سے ان کی اصلاح فرمائی۔

غرض یہ کہ حج کرنے کے بعد اپنے نام کے ساتھ از خود ہی لفظ ''حاجی'' استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، اگر کوئی دوسرا احتراماً حاجی صاحب کہہ دے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں)۔

(محمد رفعت قاسمی)

میزانِ حج

ترازو کے ذریعہ آپ ہر چیز کا صحیح طور پر وزن معلوم کر لیتے ہیں۔ ہاتھ میں اگر ترازو ہے تو آنکھیں کانٹے پر لگی رہتی ہیں کہ قدر اور وزن کا یقینی علم اور اندازہ ہو جائے، سفر حج بھی حقیقت حال کی ترازو ہے، جس میں نیت و جذبات کا اصل وزن معلوم ہوتا ہے۔

ماشاء اللہ آپ ''حاجی'' ہو گئے (اللہ تعالیٰ قبول فرمائے) حج کے ذریعہ آپ نے اسلام کا پانچواں اہم رکن ادا کر کے اپنے دین کی تکمیل کی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔ کہ ''حج مبرور و مقبول کے بعد ایک نئی زندگی حاصل ہوتی ہے، گزرے ہوئے زمانہ کی کمزوریوں کا جائزہ لیجئے اور آج سے نئی زندگی کے لیے کوئی ایسے راہ اختیار کیجئے جس سے معلوم ہو کہ آپ میں نمایاں طور پر تبدیلی پیدا ہوئی اور دینی، اخلاقی، معاشرتی، اعتبار سے آپ کے خیالات، رجحانات اور ارادوں کی دنیا بدل گئی۔

حج، کوئی رسم یا شہرت یا دکھاوے کی چیز نہیں ''حاجی'' بننے کے لیے اس زحمتِ سفر، اس زیر باری کے نتیجہ میں آپ نے کیا کمایا، کیا حاصل کیا روزمرہ کے اجتماعی ماحول میں کیا خیر و اصلاح کی شکلیں پیدا ہوئیں، مناسکِ حج کی ادائیگی، مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی باریابی و شرفِ زیارت، کفن بردوش میدان عرفات و شب منیٰ و مزدلفہ کی دعاؤں اور آہ و زاری کے ساتھ ساتھ ان تمام مراحل ہدایت و ارشاد سے گزر کر اس نمونہ سفر آخرت کو پورا کر کے آپ خود ''میزان'' (ترازو، کانٹا) بن گئے، اپنے آپ کو تولتے رہئے، اپنا وزن خود معلوم کرتے رہیئے، اور ترازو کے کانٹے پر ہر وقت نگاہ رکھئے۔

کیونکہ حج حقیقت حال کی ایک کسوٹی بھی ہے۔ کہ کس نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے اور کون موقع پانے کے باوجود محروم رہ گیا۔

حج کے بعد کی زندگی اور سرگرمیاں واضح کر دیتی ہیں کہ کس کا حج واقعی حج ہے اور کون سارے ارکان ادا کرنے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود محروم رہ گیا۔

حج کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے کہ اصلاح حال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کھوٹ اور نقص وکمی رہ جائے وہ ارکان حج اور مقامات حج کی برکت سے دور ہو جائے اور وہاں سے ایسا پاک وصاف ہو کر لوٹے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے۔ حج ادا کرنے کے بعد شیطان عموماً انسان کے دل میں اپنی بڑائی وبزرگی کا خیال ڈالتا ہے۔ جو اس کے تمام اعمال کو بیکار کر دینے والا ہے۔

جس طرح حج سے پہلے اور حج کے اندر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی اطاعت لازم ہے اسی طرح حج کے بعد اس سے زیادہ ڈرنا اور گناہوں سے پرہیز کا اہتمام لازم ہے۔ کہ کہیں یہ کری کرائی عبادت ضائع نہ ہو جائے۔

اب آپ خود غور کیجئے اور اپنے اندرونی حالات کا جائزہ لیجئے کہ حج کے بعد والی نئی زندگی میں آپ نے کیا کمایا اور کیا کھویا۔ جذبات خیر واصلاح خلوص اور محبت میں اضافہ ہوا یا کمی ہوئی؟ نفع یا نقصان کا آپ خود حساب کیجئے، کیونکہ آپ حج کے بعد خود ''میزان'' (ترازو) بن گئے ہیں۔

(اللهم وفقنالماتحب وترضىٰ من القول والفعل والعمل والنية)

طالب دعا

محمد رفعت قاسمی

خادم التدریس دار العلوم دیوبند

۲۴/ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

۸/ نومبر ۲۰۰۴ء۔

چند لوگوں سے حج بدل کی رقم لے کر حج بدل کرنا کروانا؟

(حوالہ نمبر ۱۰۶۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

ایک شخص ہندوستان سے حج بدل کرانے کے لیے مختلف لوگوں سے رقم لے کر کچھ لوگوں کے ذریعے مکہ، یا اسکے آس پاس سے حج بدل کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں حج بدل درست ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کا یہ کاروبار جائز ہے۔ یا نہیں؟

فقط: محمد شاہ: امام شاکر خاں بلند شہر

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

الجواب وباللہ العصمۃ والتوفیق، حامدا ومصلیا ومسلما

ہندوستان (وطن آمر) سے حج بدل کرانے کی خاطر لوگوں سے رقم وصول کرنا اور مکۃ المکرّمہ یا اس کے آس پاس سے حج بدل کرا دینا جائز نہیں اس طرح حج کرانے سے حج بدل ادا نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں سے رقمیں لی ہیں ان کو پوری پوری رقوم واپس کرنا واجب ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے۔ (**قول وحج المامور (بنفسہ) فلیس لہ احجاج غیرہ عن المیت وان مرض مالم یأذن لہ بذاک الثانی عشر (من شرائط صحۃ الحج عن الغیر) ان یحرم من المیقات فلو اعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من مکۃ لایجوز ویضمن امج ۲/ ص ۲۳۹**) (باب الحج عن الغیر) شخص مذکور فی السؤال کا یہ کاروبار اور دھندہ جھوٹ فریب اور دیگر حرام امور کا مجموعہ نیز اسلام کے رکن اعظم (حج) میں خلل و بگاڑ کا موجب ہے پس اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

حج بدل کرانے والوں کو بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہے ان کو چاہئے کہ خوب دیکھ بھال کر ایسے شخص کو تجویز کریں کہ جو عالم ہو (اور اس ایک شخص کی طرف سے خود ہی بدل کرے) اور بہتر ہے کہ اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو لائق اعتماد ہو۔ اداءِ مناسک پر اچھی طرح قادر ہو، حج بدل کروانے کے عنوان پر لوگوں سے رقمیں نہ اینٹھتا پھرتا ہو۔ فقط

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

حررہ احقر محمود حسن غفرلہ بلند شہری دار العلوم دیو بند۔ یوم الجمعہ ۱۴۲۶ھ۔

حج سے متعلق اہم سوال وجواب

سوال:۔ اگر کوئی شخص صرف عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکۃ المکرّمہ پہنچا، اور طواف کعبۃ اللہ کے بعد سعی سے پہلے سر منڈا کر حلال ہو گیا، تو اس شخص پر کتنے دم واجب ہونگے؟

جواب:۔ اگر محرم بالعمرۃ سعی کئے بغیر سر منڈا کر حلال ہو جائے تو اس پر دو دم واجب ہونگے، ایک ترتیب کے ساقط ہونے کی وجہ سے جو واجب ہے اور دوسرا سعی کو ترک کرنے کی وجہ سے واجب ہے۔ (زبدۃ المناسک ص ۳۷۳)

سوال:۔ ایک شخص نے طواف افاضہ مسجد حرام کی چھت پر کیا، اور بھیڑ کی شدت کی وجہ سے سعی گاہ کی چھت پر سے گزرنے پر مجبور ہو گیا۔ جب کہ اسے یہ معلوم ہے کہ سعی گاہ مسجد حرام سے خارج ہے۔ تو کیا اس کا طواف صحیح ہو گیا۔ اگر نہیں ہوا تو اس پر کیا واجب ہے؟ خاص طور پر صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے ملک واپس آ گیا ہے۔ اور اس کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ دوبارہ جا کر حج کر سکے؟

جواب:۔ مذکورہ شخص نے طواف مسجد سے باہر کیا ہے۔ لہٰذا اس کا طواف نہیں ہوا، کیونکہ طواف کا مسجد کے اندر ہونا ضروری ہے۔ جس قدر ممکن ہو طواف کا اعادہ لازم ہے۔ اور اگر زندگی میں اس کی اطاعت نہ ہو سکی تو موت سے پہلے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی وصیت اس پر واجب ہو گی۔ لیکن اگر اس نے بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب سے پہلے طواف نفل کر لیا تو اس کی وجہ سے دم واجب ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر بارہ تاریخ کے بعد ذبح کرتا ہے تو تاخیر کی وجہ سے دم لازم ہو گا۔ (زبدۃ المناسک، ص ۲۰۳)

سوال:۔ کسی شخص نے قربانی کے ذمہ دار بینک کو حج تمتع کی ہدی (قربانی) کا وکیل بنایا، پھر اسے معلوم ہوا کہ رمی، ہدی (قربانی) حلق میں ترتیب ضروری ہے۔ جب کہ بینک میں اس کا خیال نہیں رکھا جاتا، چنانچہ اس نے دوسری بکری ہدی کے لیے خریدی، اور جس بکری کا بینک کو وکیل بنایا تھا۔ اس کو اپنے ذمہ واجب دم جبر کی طرف سے قربانی کرنے کی نیت کرتا ہے۔ تو کیا صرف نیت بدل لینا اس کے لیے کافی ہو گا۔ یا بینک کو اس تبدیلی نیت کی اطلاع ضروری ہے۔ جب کہ یہ دشوار مسئلہ ہے۔ تو کیا اگر بینک دم شکر کی نیت سے جانور کو

ذبح کردے، جب کہ یہ شخص اس جانور کو دم جبر کی طرف سے قربان کرنا چاہتا ہے۔ تو اس پر واجب دم جبر ساقط ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ جی ہاں نیت بدلنا کافی ہو جائے گا اسلیے کہ قربانی کے سلسلہ میں مالدار اپنے غیر کو قائم مقام کر سکتا ہے اور اس تبدیلی کی اطلاع وکیل کو دینی ضروری نہیں اور یہاں موکل کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ وکیل کی نیت کا، لیکن بینک اس کی قربانی کو دم شکر کی جانب سے ذبح کرتا ہے۔ لیکن جب مؤکل نے دم جبر کی نیت کر لی تو مؤکل کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ وکیل یعنی بینک کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (الاشباہ ص ۴۴ وغنیۃ المناسک: ص ۱۹۴)

سوال:۔ اگر باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ اٹھاتے ہوئے طواف کیا۔ اور اس بیٹے کی طرف سے بھی اس نے طواف کی نیت کر لی۔ تو کیا باپ پر اس بیٹے کی طرف سے طواف کی دو رکعت نماز پڑھنا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں باپ پر اپنے چھوٹے بیٹے کی جانب سے طواف کی دو رکعت لازم نہیں ہوگی۔ (غنیۃ المناسک: ص ۳۷)

سوال:۔ نابالغ بچہ نے اپنے والد کے ساتھ تمتع کیا، جب کہ اس کے پاس ہدی کی قیمت نہیں تو کیا والد اپنے بیٹے کی طرف سے تمتع کی ہدی اپنے اوپر لازم کر سکتا ہے۔ یا نہیں؟ کیونکہ وہی اس کی کفالت کرتا ہے۔ اور اگر باپ اپنی وسعت کے باوجود ہدی نہ دے تو کیا وہ گنہگار ہوگا۔ اور کیا اس ممیّز بچہ پر بالغ و استطاعت کے بعد کچھ واجب ہوگا یا صغیر پر تمتع میں نہ روزہ ہے نہ ہدی؟

جواب:۔ بچہ جب تک بالغ نہ ہو اس وقت تک وہ کسی شرعی حکم کا مکلّف نہیں، البتہ اس پر حج بھی فرض نہیں، اگر وہ حج کرتا ہے تو نفلی حج ہوگا اور اگر کسی محظور کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر کچھ واجب نہیں اور باپ کو بیٹے کی جانب سے دینا بھی ضروری نہیں۔ لہٰذا سوال مذکورہ میں تمتع کی وجہ سے ہدی (قربانی) بھی واجب نہیں، اور باپ کو بیٹے کی جانب سے دینا بھی ضروری نہیں ہے۔ اور نہ دینے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگا۔ اسی طرح نابالغ بچہ پر روزہ بھی واجب نہیں، لہٰذا بالغ ہونے کے بعد قضاء بھی واجب نہیں۔ (شامی ج ۳/ص ۴۶۶)

سوال:۔زید نے عمرہ کے بعد پورے سر کے بالوں کو چھانٹا (جیسا کہ آج کل قینچی سے کٹانے کا رواج ہے) لیکن انگلی کے پور سے (یعنی ایک انچ سے بھی کم) چھوڑے (کٹوائے) پھر وہ اپنے ملک واپس آ گیا۔ اور کئی سال اسی حالت میں گزر گئے تو اس کے باوجود اس کا حلال ہونا درست ہے یا وہ محرم ہی رہے گا۔ اور اتنی مدت ممنوعات کے ارتکاب کیوجہ سے اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں۔ اور اس وقت اس پر کیا واجب ہے کیا ان چھوڑے ہوئے بالوں کو کٹوائے بغیر حلال نہ ہوگا۔ اور اس شرط پر کیا دلیل ہے؟

جواب:۔اگر کوئی شخص حلق کی بجائے تقصیر کرائے تو حتمی طور پر انگلی کے پور کے بقدر اور احتیاطاً اس سے زیادہ کٹوانا ضروری ہے پور سے کم تعداد کٹوانے سے حلال نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر اسی طرح وطن لوٹ آیا اور ممنوعات احرام کرتا رہا تو اس پر دم لازم ہوتے رہینگے۔

(ایضاح المناسک: ص ۱۸۰)

سوال:۔خالد نے حج فرض ادا کیا۔ لیکن اس نے حج کی سعی نہیں کی، اور وہ حلال ہونے اور طواف کرنے کے بعد گھر واپس آ گیا پھر اگلے سال اس نے نفلی حج کیا۔ اور تمام ارکان مکمل کئے۔ جب کہ اس نے سال گزشتہ کئے ہوئے حج کی باقی ماندہ سعی کا تدارک نہیں کیا۔ تو اب اس پر کیا واجب ہوگا۔ کیا باقی ماندہ سعی پوری کرنے کے ساتھ دم جبر بھی لازم ہوگا یا صرف سعی کی قضاء کافی ہے دم لازم نہیں ہے؟

جواب:۔اگر کوئی شخص حج کے تمام ارکان ادا کر لے اور مکمل سعی یا اکثر سعی کو چھوڑ دے تو ایسی صورت میں اس پر دم واجب ہے۔ پھر اگر وہ شخص گھر آ گیا اور دوبارہ آئندہ سال حج کے لیے جائے تو اس پر اس سعی کی قضاء لازم نہیں، بلکہ دم جبر کافی ہے۔

البتہ اگر عذر شدید کی وجہ سے سعی نہ کر سکا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔

سوال:۔اگر آفاقی تجارت یا اپنے رشتہ دار سے ملنے کے لیے حِل مثلاً جدہ جانا چاہے، لیکن جس راستہ سے وہ سفر کرے گا وہ راستہ داخل حرم سے ہو کر نکلتا ہے۔ لہٰذا یہ شخص حرم کا قصد کئے بغیر داخل مکۃ المکرمۃ سے گزرنے پر مجبور ہے۔ بلکہ مسافر کی طرح ہے تو کیا اس شخص پر احرام لازم ہوگا۔ اور اگر بغیر احرام کے گزر گیا، تو اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں، یہاں

کچھ علماء عدم لزوم دم کے قائل ہیں۔ کیونکہ دم تو اس پر لازم ہوگا جو مکۃ المکرمہ کا قصد کرے نہ کہ اس کے علاوہ کا تو کیا یہ قول درست ہے؟

جواب:۔ صورت مذکورہ میں شخص مذکور پر احرام باندھ کر مرور حرم لازم ہے۔ حج یا عمرہ کے احرام کے بغیر گزرنے پر دم لازم ہوگا۔ قائل کا قول اس صورت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ (غنیۃ المناسک ص ۲۷)

سوال:۔ زید نے حج قران کی نیت کی، مگر طواف عمرہ کر لینے کے بعد سعی کرنا بھول گیا اور اسی احرام کیساتھ حج کے لیے روانہ ہوگیا۔ پھر وقوف عرفہ کر لینے کے بعد یاد آیا کہ سعی عمرہ نہیں کی، تو اب اس پر کیا لازم ہے۔ کیا حرم جا کر سعی کر سکتا ہے اور یہ سعی عمرہ کی کفایت کر سکے گی یا فدیہ دینا ضروری ہے۔

جواب:۔ جی ہاں زید کے لیے حرم جا کر وقوف عرفہ کے بعد سعی کر لینا جائز ہے اور یہ سعی عمرہ کی کفایت کر سکے گی اور اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں مگر تاخیر کی وجہ سے کراہت ضروری آئے گی۔ (غنیۃ المناسک: ص ۱۰۹)

☆ مآخذ و مراجع کتاب ☆

نام کتاب	نام مصنف
معارف القرآن	مفتی محمد شفیعؒ صاحب مفتی اعظم پاکستان
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن سابق مفتی دار العلوم دیو بند
فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحبؒ سابق مفتی دار العلوم دیو بند
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
امداد الاحکام	مولانا ظفر عثمانی و مفتی عبد الکریمؒ

فتاویٰ رشیدیہ	مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ
احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحب
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان
احکام حج	مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان
رفیق الحجاج	مولانا مفتی محمود حسن پاکستان
حج بیت اللہ کے اہم فتاویٰ	شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ
میم نامہ حج	دار العلوم حرم
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحب
معلم الحجاج	مولانا قاری سعید احمدؒ
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبد الرحیم الجزری
در مختار	علامہ ابن عابدینؒ
الترغیب والتھذیب	الامام الحافظ زکی الدین المنذری
فتاویٰ عالمگیری اردو	حضرات علماء اورنگ زیبؒ
مظاہر حق جدید	علامہ نواب قطب الدین خاں دہلویؒ
آپ کے مسائل اور انکا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
رحمۃ اللہ الواسعہ	مولانا مفتی محمد سعید صاحب پالن پوری
الجواب المتین	مولانا اصغر حسینؒ محدث دار العلوم
تاریخ مکۃ المکرّمۃ	ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی صاحب
مدینہ منورہ کی اہم تاریخی مساجد	ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی صاحب

☆ تمت بالخیر ☆

مکمل و مدلل

مسائلِ زکوٰۃ

قرآن وسنت کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کے حضرات مفتیان کرام کے تصدیق کے ساتھ

تالیف

حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

مفتی و مدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

وحیدی کتب خانہ

میونسپل کابلی پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

نام کتاب: مکمل و مدلل مسائل زکوٰۃ

تالیف: حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مفتی و مدرس دارالعلوم دیوبند

کمپوزنگ: دارالترجمہ وکمپوزنگ سنٹر (زیر نگرانی ابوبلال برہان الدین صدیقی)

تصحیح ونظر ثانی: مولانا لطف الرحمٰن صاحب

سٹنگ: برہان الدین صدیقی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی و وفاق المدارس ملتان وخریج مرکزی دارالقراء مدنی مسجد نمک منڈی پشاور، ایم اے عربی پشاور یونیورسٹی

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

ناشر: وحیدی کتب خانہ پشاور

استدعا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی کے تمام مراحل میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان کمزور ہے اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کیا جائے گا۔

منجانب: عبدالوہاب وحیدی کتب خانہ پشاور

دیگر ملنے کے پتے

کراچی: اسلامی کتب خانہ بالمقابل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
: مکتبہ علمیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
: کتب خانہ اشرفیہ قاسم سنٹر اردو بازار کراچی
: زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
: مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی جامعہ فاروقیہ کراچی
راولپنڈی: کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ بلوچستان
پشاور: حافظ کتب خانہ محلہ جنگی پشاور
: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

لاہور: مکتبہ رحمانیہ لاہور
: المیزان اردو بازار لاہور
صوابی: تاج کتب خانہ صوابی
اکوڑہ خٹک: مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک
بنیر: مکتبہ اسلامیہ سواڑی بنیر
سوات: کتب خانہ رشیدیہ منگورہ سوات
تیمر گرہ: اسلامی کتب خانہ تیمر گرہ
باجوڑ: مکتبۃ القرآن والسنۃ خار باجوڑ

فہرست مضامین

☆☆

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

راہِ خدا میں اپنے گھر کا تمام اسباب پیش کرنے والے یارِ غار خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس شمشیرِ بے نیام کے نام جس کی چمک نے سرکارِ دو عالم محبوبِ الٰہی ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مانعینِ زکوٰۃ کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور ان کی گردنیں احکامِ خداوندی اور اطاعتِ رسول ﷺ کے آگے جھکنے پر مجبور ہوگئیں۔

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ

مدرس دارالعلوم دیوبند (انڈیا) ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء۔

عرضِ مؤلف

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احقر کا دل حمد و شکر سے لبریز ہے کہ جس دینی خدمت کا آغاز کیا گیا تھا وہ بتدریج انجام پا رہی ہے اور ملت اسلامیہ اس سے برابر مستفید ہو رہی ہے اور مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے سب رب العزت کی توفیق اور اساتذہ ومفتیان کرام دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی توجہ کا ثمرہ ہے۔ اس بے بضاعت کو اس حقیقت کا اقرار واعتراف کرنے میں کوئی تامل وحجاب نہیں کہ دریائے علم کا جو قطرہ اس تہی مایہ کے حصے میں آیا ہے وہ کسی تشنہ لب کو تو کیا سیراب کرتا خود اس کی تشنگی رفع کرنے کیلئے بھی کافی نہیں، لیکن بخاری شریف کی حدیث ((بلّغوا عنّی ولو آیۃ)) کے تحت یہ نویں کتاب ''مکمل ومدلل مسائلِ زکوٰۃ'' (تقریباً نو سو مسائل کا مجموعہ) ہدیۂ ناظرین ہے جس میں زکوٰۃ کے مسائل کہ زکوٰۃ کن کن اُمور اور کن کن لوگوں پر واجب ہے۔

نیز شیئرز، فکسڈ ڈپازٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، انشورنس، فنڈ، بینک میں جمع شدہ رقومات، تجارتی اموال ومواشی، چاندادو زرعی پیداوار ومعدنیات وغیرہ کے احکامات اور زکوٰۃ وصول کنندہ

کے لیے شرعی اصول واحکام اور اس کا مصرف قابلِ ذکر ہیں۔

احقر کی استدعاء ہے کہ اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات مجھ کو دعاء میں یاد رکھیں اور خاص طور سے میرے شیخ ومربی سید فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہٗ العالی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی صحت کے لیے بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوت وصحت کلی عطا فرمائے اور تادیر صحت وعافیت کے ساتھ ہم خوردوں پر موصوف کا سایہ عاطفت قائم رکھے۔ (آمین یارب العالمین)۔

طالبِ دعا

محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند یوپی (انڈیا)

۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۵/ جولائی ۱۹۹۲ء۔

تصدیق

جامع شریعت وطریقت فقیہ الامت سیدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہ

چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب ''مسائل زکوٰۃ'' اسم بامسمّٰی ہے۔ عزیز محترم قاری محمد رفعت صاحب نے بہت محنت سے بہت سی کتابوں سے تتبع کر کے مسائلِ زکوٰۃ کو جمع کیا ہے، اور کوشش یہ کی ہے کہ اختلافی مسائل میں قولِ راجح ومفتیٰ بہ کو اختیار کریں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور ان کی محنت کو قبول فرمائے، مخلوق کو نفع دے۔ (آمین)

اس سے قبل بھی مؤلف زیدمجدہم نے متعدد کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور مخلوق کو ان سے نفع پہنچا ہے، دعاء ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

العبد محمود عفی عنہ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند

۶/ شوال المکرّم ۱۴۱۳ھ۔

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہٗ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

باسمہ تعالیٰ

نحمدہٗ وصلی علیٰ رسولہ الکریم

مجموعہ مسائل زکوٰۃ، مرتبہ جناب مولانا قاری رفعت صاحب سلمہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند نظر نواز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو مدلل وراجح مسائل کے استقصاء وانتخاب میں بے نظیر ملکہ عطا فرمایا ہے، چنانچہ موصوف کی اس شان کی یہ نویں کوشش ہے۔ اس کے قبل کی شائع شدہ کوششیں عوام وخواص سب کے نزدیک مقبول ہوچکی ہیں اور خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

مثل سابق یہ پیش نظر تالیف (مسائل زکوٰۃ) بھی ہے اور زکوٰۃ کے سینکڑوں جزئیات پر مشتمل ہے۔ خصوصاً زمانۂ حاضر کے پیچیدہ پیدا شدہ نئے مسائل کا بہترین مجموعہ ہے یہ بھی بڑی محنت ومشقت کا نتیجہ ہے۔ اور بہت زیادہ کاوش اور عرق ریزی کا پتہ دیتا ہے۔ ہر مسئلہ کے اخیر میں مستند ومقبول فتاویٰ کے حوالوں سے بھی مزین ہے جس سے اس کی نافعیت اور زیادہ ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مرتب کے درجات دنیا وعقبیٰ میں بلند فرمائیں اور اسی طرح کی مزید کوششیں کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

کتبہ العبد المسکین المدعو بمحمد نظام الدین الاعظمی غفر اللہ لہ

ولسائر مشائخہ واساتذہ واحبابہ اجمعین

۱۴۱۳/۱۰/۷ھ م ۱۹۹۳/۳/۳۰ء۔



رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زید مجدہم مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آج کی دنیا سہولت پسند ہوگئی ہے، اور ساتھ ہی ان میں عجلت بھی آگئی ہیں، الحمد للہ علماء اسلام کی حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر ہے اور موجودہ حالات کے مطابق مسلمانوں کو سہولت پہنچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، تاکہ آسانی کے ساتھ وہ دینی احکام ومسائل سے بآسانی استفادہ کرسکیں اور انہیں کچھ زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہ پڑے، اس سلسلہ میں ہمارے یہاں مولانا قاری محمد رفعت صاحب استاذ دارالعلوم بہت زیادہ مستعد پائے گئے۔ اور وہ کئی سال سے ہر عنوان پر مسائل جمع کر کے شائع کررہے ہیں، ان کی محنت اور جدوجہد ہم سب کے لیے باعثِ رشک ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ہمت کی بلندی اور ترتیب وتزئین اور جمع کی مشقت قائم رکھے، ان کی متعدد کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔ اس وقت "مسائل زکوٰۃ مدلل ومکمل" میرے سامنے ہے، فتاویٰ کی چوالیس مستند کتابوں سے انہوں نے زکوٰۃ کے مسائل کو یکجا کیا ہے، ان میں ترتیب قائم کی۔ اور جہاں سے جو مسئلہ ملا، اس کے حوالوں کے ساتھ جمع کیا اور بڑی جانفشانی سے کام لیا، مولانا موصوف کی یہ جفاکشی لائقِ صد مبارکباد ہے۔ اور اُردوداں طبقہ پر ان کا یہ بڑا احسان ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق جتنی چیزیں قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں بکھری ہوئی تھیں سب کو یکجا کردیا" تاکہ اس کتاب کو پڑھ کر آدمی اور بہت ساری کتابوں سے بے نیاز ہوجائے، اور ذہن انسانی میں جس قدر مسائل کی صورتیں آسکتی ہیں وہ سب سوال وجواب کی شکل میں اس مجموعہ میں فراہم ہوگئی ہیں۔

دعاء ہے کہ رب العالمین مؤلف موصوف کی اس گراں خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ یوم شنبہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیمoیوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم و ظھور ھم ،ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزونo

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ جو کہ اس روز واقع ہو گی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہیں جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا، سو اب جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

خلاصہ تفسیر

"یعنی جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے"

ولا ینفقو نھا کے لفظوں سے اس طرح اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ بقدر ضروری اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ جمع کیا ہوا مال ان کے حق میں مضر نہیں۔

حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے وہ کنزتم میں داخل نہیں۔ (ابوداؤد، احمد وغیرہ)

جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں، جمہور فقہاء وائمہ کا یہی مسلک ہے۔

آیت میں اس عذاب الیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے۔

ویوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزونo

یعنی زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کو یہ عذاب الیم اس دن ہو گا جب کہ ان کے جمع کیے

ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں سے تپایا جائے گا، پھران سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیئے جائیں گے، اوران سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، سو اپنے جمع کیے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاءِ عمل عین عمل ہے، جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کا عذاب بن گیا۔

اس آیت میں داغ لگانے کے لئے پیشانیوں، پہلوؤں، پشتوں کا ذکر کیا گیا ہے یا تو اس سے مراد پورا بدن ہے اور یا پھر ان تین چیزوں کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ بخیل آدمی جو اپنا سرمایہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرنا چاہتا، جب کوئی سائل یا زکوٰۃ کا طلب گار اسکے سامنے آتا ہے تو اسکو دیکھ کر سب سے پہلے اسکی پیشانی پر بل آتے ہیں پھر اس نے نظر بچانے کے لئے داہنے بائیں مُڑنا چاہتا ہے، اور اس سے بھی سائل نہ چھوڑے تو اسکی طرف پشت کر لیتا ہے۔ اس لئے پیشانی، پہلو، پُشت اس عذاب کے لئے مخصوص کیے گئے۔

(معارف القرآن ص ۳۶۳ جلد ۴)

زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں ''طہارت و برکت اور بڑھنا''۔ اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار معین کے اس حصہ کو جو کہ شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا، مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے، اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے برکت عنایت فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اُخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے، اواس کے مالک کو گناہوں سے اور دیگر بُری حصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک وصاف کر دیتا ہے، اس لئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

''زکوٰۃ'' کو صدقہ بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے ایمانی دعویٰ کی صحت اور صداقت پر دلیل ہوتا ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ۲۸۳ ج ۲ و کتاب الفقہ باب الزکوٰۃ ص ۹۵۸ ج ۱)

زکوٰۃ کی تعریف وتفسیر

اپنے مال کی ایک خاص مقدار کا کسی ایسے نادار مسلمان کو مالک بنا دینا جو نہ ہاشمی خاندان سے ہو، نہ اس شخص کا (شرعی نقطہ نظر سے) غلام ہو، اور اس عطیہ کے پیچھے نہ اس شخص کی کوئی دُنیاوی منفعت اور کسی عوض کا لالچ بھی نہ ہو، بلکہ محض خدا کی رضا پیش نظر ہو، شریعت میں لفظ زکوٰۃ کا یہ ہی مطلب سمجھا جاتا ہے۔ (عالمگیری ص۳ ج۴ بحوالہ تبیین الحقائق)

مسئلہ :۔ مسلمان مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا اس طرح مالک بنا دینا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی ہر طرح کی منفعت اس مال سے منقطع ہو جائے۔ لہذا زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی زکوٰۃ نہ اپنے اصل یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی کو دے گا، اور نہ اپنی فروع یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی اور نواسہ، نواسی کو دے گا۔ اس لئے کہ ان کے دینے میں فی الجملہ اس کی منفعت ہے۔ (یعنی زکوٰۃ کا فائدہ اس کو پہنچ رہا ہے) (دُرمختار ص٦ ج٢)

زکوٰۃ اور اس کا ثبوت

مسئلہ :۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر شخص پر فرض ہے جو شرائط (آئندہ جو بیان ہوں گی) پورا کرتا ہو۔

زکوٰۃ ۲ ہجری میں فرض ہوئی اور دین (اسلام) میں اس کا فرض ہونا بہر حال سب کو معلوم ہے۔

اس کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ "یعنی زکوٰۃ ادا کرو۔

اور حدیث میں زکوٰۃ کے حکم کے متعدد ثبوت ملتے ہیں منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے۔ آپ نے ان پانچ امور مین زکوٰۃ کا ذکر فرمایا ہے اور منجملہ ان کے وہ حدیث بھی ہے جو ترمذیؒ نے سلیم بن عامر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیںؒ کہ۔

"ابوامامہؓ سے میں نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجتہ الوداع والی تقریر سنی ہے، جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا

کرواور رمضان آئے تو روزہ رکھواور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرواور اپنے حاکم کی اطاعت کرو جنت میں جاؤ گے''۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث اس ہی مضمون کی ہیں۔ رہا اجماع سوتمام امت اس امر پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص شرائط ہیں۔

(کتاب الفقہ ص ۶۵۹ جلد ۱)

مسئلہ:۔ دُرِمختار و شامی میں ہے کہ زکوٰۃ کا حکم قرآن کریم میں نماز کے ساتھ ۳۲ جگہ آیا ہے۔ اور نماز کے علاوہ جو ذکر آیا ہے وہ نہیں لکھا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۱ جلد ۶)

زکوٰۃ کے احکام کا جاننا کب فرض ہے؟

مسئلہ:۔ آدمی جب تک نصاب زکوٰۃ یعنی ساڑھے سات تولے سونا ۸۷ گرام ۴۷۹ ملی گرام یا ساڑھے باون تولہ ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقدی، سامان تجارت وغیرہ کا مالک نہ ہو، اس وقت تک اس کو احکام عملیہ زکوٰۃ سیکھنا فرض اور ضروری نہیں گو اعتقاد فرضیت کا فرض ہے۔ اور جب مال کا مالک ہو اُس وقت احکام عملیہ زکوٰۃ سیکھنا فرض اور ضروری ہو گیا۔ اس وقت احکام عملیہ کی قید اس لئے لگائی کہ عقیدہ کے درجہ میں تو ہر شخص کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اقرار ضروری ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۱۰ بحوالہ تاسیس البیان ص ۴)

زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟

احادیث اور آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے اور فرائض خمسہ کی تاریخ وتشریع سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ سب سے پہلے پنجگانہ نمازیں شب معراج میں مسلمانوں پر فرض ہوئیں، پھر مدینہ طیبہ ۲ ہجری میں روزے فرض ہوئے اور اس کے ساتھ زکوٰۃ، فطر فرض ہوئی تا کہ روزہ دار لغو اور رفث سے پاک ہو جائے اور عید کے روز مسکینوں کی امداد ہو جائے، بعد ازاں زکوٰۃ مع نصاب اور مقادیر فرض ہوئی، لیکن اس امر پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں یہ تحدیدات (LIMITATIONS) کس سنہ میں مقرر ہوئیں۔

(فقہ الزکوٰۃ ص ۱۰۱ جلد اول فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۴۱ ج ۶)

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورۃ مُزمل کی آیت "واقیموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزّکوٰۃ" سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ یہ سورۃ بالکل ابتداءِ وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ البتہ روایاتِ احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدارِ زکوٰۃ کا بیان ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور پھر زکوٰۃ وہ صدقات کی وصول یابی کا نظام حکمانہ انداز کا فتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔ اس آیت میں باجماع صحابہؓ و تابعینؒ اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے۔ کیونکہ جو مصارف اس آیت مین متعین کیے گئے ہیں وہ صدقات فرض کے مصارف ہین، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بناہ پر بہت وسعت ہے وہ ان آٹھ مصارف مین منحصر نہیں ہیں۔ (معارف القرآن ص ۳۹۴ ج ۴)

زکوٰۃ کا حکم پہلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم پہلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔ سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوبؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ ایتاءِ الزکوٰۃ. (انبیاء) اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا۔

اور سورہ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے: وکان یأمر اھلہٗ بالصّلوٰۃ والزّکوٰۃ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ قرآن کریم کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا ہے اور یہ فرق تو

خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں رہا ہے مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی، پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں۔

اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانۂ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ چنانچہ سورۂ مؤمن ونمل اور سورۂ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر موجود ہے جبکہ یہ تینوں سورتیں مکّی ہیں۔

(معارف الحدیث ص ۲۳ ج ۴)

مکّی دور میں زکوٰۃ کا مطلب

لیکن مکّی دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔

نظام زکوٰۃ تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے، وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے، پس جن مورخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بعد میں آیا، ان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ ہاں نظام زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود تعینات ہجرت کے بعد آئے اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل وصول کا نظام تو ۸ھ کے بعد قائم ہوا۔ (معارف الحدیث صفحہ ۲۴ جلد ۴)

قانون اسلامی کی تاریخ میں مشہور بات یہی ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی ہے، اس لئے کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات مکی دور کی سورتوں میں کس حد تک ہم آہنگ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مکی دور کے قرآن میں جس زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے وہ بعینہ وہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ جو مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ جس کی مقدار مقرر اور حدود متعین ہیں اور جس کی وصولی کے لئے اور اس کے مصارف میں خرچ کرنے کے لئے کارندے بھیجے گئے اور ریاست نے اس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری سنبھالی۔

مکی دور میں جو زکوٰۃ تھی وہ مطلق تھی اور اس میں حدود اور قیود نہیں تھیں اور اس کا مدار افراد کے ایمان اور ان کے شعور اور ان کے احساس اخوت پر تھا۔ اور اس وقت مؤمنین

کے ساتھ حسن سلوک میں کبھی کم خرچ کرنا پڑا اور کبھی زیادہ خرچ کرنا پڑتا تھا۔

(فقہ الزکوٰۃ ۸۵ ج ا ز ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

مدنی دور میں زکوٰۃ کی نوعیت

مکی دور میں مسلمانوں کی دعوت اسلام انفرادی تھی اور وہ دعوت کی بناء پر معاشرے سے کٹ کر الگ تھلگ ہو گئے تھے جبکہ مسلمان مدینہ منورہ پہنچے تو ایک منظّم اجتماعی صورت میں آگئے اور مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست تشکیل پا گئی اور ان کا اقتدار قائم ہو گیا پھر اس لیے اسلامی ذمے داریوں نے بھی اس نئی صورت حال میں تعمیم اور اطلاق کی جگہ تحدید اور تخصیص کی صورت اختیار کر لی اور جو پہلے راہ نمائی کرنے والی ہدایات تھیں وہ اب لازمی قوانین کی صورت اختیار کر گئیں اور ان قوانین کے نفاذ کے لیے ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ اقتدار اور قوت سے کام لینا ناگزیر ہو گیا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں آکر زکوٰۃ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ شارع علیہ السلام (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان اموال کی تحدید فرمادی جن میں زکوٰۃ فرض ہے، اور اس کی فرضیت کی شرائط اور اس کی لازمی مقداروں کا تعین فرمادیا، اس کے مصارف مقرر کر دیئے اور اس کی تنظیم اور اس کے دائرہ کار کا ایک لائحہ عمل مقرر فرمادیا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۸۶ ج ۱)

زکوٰۃ کے تین پہلو

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو، اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اس کی رضا کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے۔

زکوٰۃ کا شمار ''عبادت'' میں اسی پہلو سے ہے، دین وشریعت کی خاص اصطلاح میں ''عبادات'' بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد وموضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم وکرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ضرورت منداور پریشان حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس مین افادیت کا یہ ہے کہ حب مال (مال کی محبت) اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک ''روحانی بیماری'' ہے زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تذکیہ کا ذریعہ ہے۔ (معارف الحدیث ص ۲۰ ج ۴)

زکوٰۃ کا ایک اور مقصد

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے، یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہوجائے جو دولت کو خزانہ بنابنا کر جمع کرے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ دولت ہمیشہ سیر وگردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد میں پھیلے اور منقسم ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثاء کے لئے تقسیم واسہام کا قانونافذ کر دیا۔ اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جوں ہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اُس کی دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی، اب واثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی اور پھر اُن میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اُسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے۔ (حقیقت الزکوٰۃ ص ۲۰)

منکرِ زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ کی اہمیت کے پیش نظر فقہائے کرامؒ نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور اسلام سے بالکل خارج ہے۔

اس سلسلے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص جو حال ہی میں اسلام لایا ہو، یا اسلامی ماحول سے دور کہیں جنگل میں پلا بڑھا ہوا اور وہ زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کر کے اسے ادا نہ کرے تو اسکو اولاً فرضیت زکوٰۃ کی وجوہ اور اسکی اہمیت بتائی جائے گی اگر وہ اس کے باوجود بدستور اپنے انکار پر قائم رہے تو اسکے کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلم معاشرے میں رہتا ہو اور اسے زکوٰۃ کی فرضیت کا علم ہو اور اسکے باوجود اسکا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے یعنی پہلے اسے توبہ کیلئے کہا جائے گا اور توبہ نہ کرنے پر قتل کر دیا جائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت کا علم لازمی ہے اور اس علم کے باوجود اسکا انکار اللہ اور اسکے رسول کی تکذیب ہے (المجموع ص ۳۳۴ ج ۵)

غرض کہ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں واضح شرعی حکم موجود ہے اور جس پر اجماع بھی ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۱۲۰ ج ۱ و کتاب الفقہ ص ۹۵۹ ج ۱)

مانعین زکوٰۃ سے جنگ

اسلام نے صرف اس امر پر اکتفا نہیں کیا کہ نادہندگان سے مالی تاوان لے لیا جائے یا اُنھیں تعزیری سزائیں دے دی جائیں بلکہ اگر صاحب قوت گروہ سرکشی اختیار کر کے ادائے زکوٰۃ سے انکار کر دے تو اسلام نے ان سے جنگ کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس فرض کی ادائیگی کی خاطر جان سے مار ڈالنے (قتل نفس) اور خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اسلام تو آیا ہی اسی لئے ہے کہ انسانوں کو جانی تحفظ فراہم کرے، اس لئے کہ جو خون حق کی خاطر بہے وہ رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے والا اسکی زمین میں عدل قائم کرنے کی خاطر مر جانے والا کبھی نہیں مرتا اور جو جانیں اللہ اور رسول کی نافرمانی کی بناء پر اور اس کا حق ادا نہ کرنے اور اس سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری نہ کرنے کی بناء پر تلف ہوں گی وہ بھی اس وجہ سے ہوں گی کہ انہوں نے اپنے طرز عمل اور اپنی بُری روش سے خود ہی تحفظ کو پامال کر دیا جو اسلام نے ان کو عطاء کیا تھا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۱۱۱ ج ۱)

سرکشی اور بغاوت کے طور پر زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے (قتال) جنگ احادیث صحیحہ سے اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ نہ دینے پر اصرار کرنے والے عربوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ موقف اختیار کیا اور بڑے بڑے صحابہ کرامؓ نے اس موقف کی تائید کی اور آپؓ کے ساتھ مانعین زکوٰۃ سے جنگ میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ اس جنگ میں ان صحابہ کرامؓ نے بھی شرکت فرمائی جو ابتداءً جنگ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے پوری طرح متفق نہیں تھے۔ (اور اس طرح اسلامی شریعت میں مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا ایک اجتماعی صورت اختیار کر گیا۔ کیونکہ جنگ کے موقف کی تائید میں حضرت ابوبکرؓ نے دلائل دیئے یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اس طرح ان کے موقف پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ (المجموع ص ۳۳۴ ج ۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کیوں کی؟

حضرت ابوبکرؓ کا مانعین زکوٰۃ سے جنگ غالباً اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی حکومت و ریاست معاشرے کے کمزور افراد اور فقراء اور مساکین کے حقوق انھیں دلانے کے لیے آمادہ جنگ ہوگئی، جبکہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ سماج کے طاقتور طبقے کمزور طبقوں کو کھاتے رہے اور احکام اور امراء نے کبھی غریبوں اور بے کسوں کی پشت پناہی نہیں کی بلکہ اکثر و بیشتر حکومت وقت نے دولت مند طبقہ کی حمایت کی ہے۔ (الا ماشاء اللہ) (فقہ الزکوٰۃ ۱۱۵ ج ۱)

اسلام اور مسئلہ غربت کا حل

اسلام نے مسئلہ غربت کا جو حل پیش کیا ہے اور جس طرح ضرورت مندوں اور کمزوروں کی کفالت کا نظام قائم کیا، اسکی آسمانی مذاہب میں یا انسانوں کے بنائے ہوئے مروّجہ قوانین میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور اسلام نے اس سلسلے میں جو نظام تربیت و راہ نمائی دی ہے اور جو قوانین و تنظیمات فراہم کیے ہیں اور جو ان قوانین کے نفاذ اور تطبیق (applctioms) کے جو قواعد بتائے ہیں ان کی دُنیا کے مذاہب و قوانین میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اسلام نے غربت کے مسئلہ کو حل کرنے کی جانب جس قدر زیادہ توجہ دی اور جتنا

زیادہ اس بات کا اہتمام کیا ہے اسکا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ اسلام نے اپنے بالکل ابتدائی دور ہی میں جبکہ مسلمان محض چند گنتی کے مجبور و بے کس افراد تھے اور جو دعوت اسلام قبول کرنے کے جُرم میں ہر قسم کے ظلم وستم سہہ رہے تھے اور جن کا کوئی سیاسی وجود نہ تھا اور نہ ہی انھیں کوئی اقتدار حاصل تھا، اسلام نے اس دور میں غریبوں کے مسئلے کی جانب پوری توجہ کی اور قرآن کریم نے اس سلسلے میں بڑی اہم ہدایات دیں۔ کبھی قرآن کریم نے اس مسئلہ کا ذکر **طعام مسکین** غریبوں کو کھانا کھلانے کے الفاظ سے کیا اور اس پر مخاطبین کو آمادہ کیا ہے، اور کبھی اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے انفاق کی نصیحت کی اور کبھی سائل اور محروم کا حق ادا کرنے کا حکم فرمایا اور کبھی مسکین اور مسافر کا حق ادا کرنے کی تاکید کی اور کبھی ''ایتاء الزکوٰۃ ''یعنی زکوٰۃ دینے کا عنوان اختیار کیا۔

غرض اس طرح مکی دور کے آغاز ہی سے قرآن کریم نے مسلمانوں کی روح میں یہ حقیقت جاگزیں کردی ہے کہ ہر انسان کے مال پر غریب اور محتاج کا لازمی حق ہے جسے بہر طور ادا کیا جانا چاہیے کیونکہ یہ محض نفلی صدقہ نہیں ہے اگر چاہے ادا کرے اور چاہے ادا نہ کرے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۷۱، ج۱)

زکوٰۃ کے فوائد

(۱)　آج پوری دینا میں سوشلزم کی بات ہورہی ہے، جس میں غریبوں کی فلاح و بہبود کا نعرہ لگا کر انھیں متمول (مالدار) طبقہ کے خلاف اُکسایا جاتا ہے۔ اس تحریک سے غریبوں کا بھلا کہاں تک ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے مگر یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امیر اور غریب کی یہ جنگ صرف اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متمول طبقہ کے ذمہ پسماندہ طبقہ کے جو حقوق عائد کیے تھے اُن سے انھوں نے پہلوتہی کی، اگر پورے ملک کی دولت کا چالیسواں حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا جائے اور یہ عمل ایک وقتی سی چیز نہ رہے بلکہ ایک مسلسل عمل کی شکل اختیار کرلے اور امیر طبقہ کسی ترغیب وتحریص اور جبر واکراہ کے بغیر ہمیشہ یہ فریضہ ادا کرتا رہے اور پھر اس رقم کی منصفانہ تقسیم مسلسل ہوتی رہے تو کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ غرباء کو امیروں سے شکایت ہی نہیں رہے گی اور امیر وغریب کی جس جنگ سے دنیا جہنم

کدہ بنی ہوئی ہے وہ اس نظام کی بدولت راحت وسکون کی جنت بن جائے گی۔

میں صرف پاکستان کی ملّت اسلامیہ سے نہیں بلکہ دنیا بھر کے انسانوں اور معاشروں سے کہتا ہوں کہ وہ اسلام کے نظام زکوٰۃ کو نافذ کر کے اس کی برکات کا مشاہدہ کریں اور سرمایہ دار ملکوں کی جتنی دولت کمیونزم کا مقابلہ کرنے پر صرف ہو رہی ہے وہ بھی اس مد میں شامل کر لیں۔

(۲)　مال و دولت کی حیثیت انسانی معیشت میں وہی ہے جو خون کی بدن میں ہے اگر خون کی گردش میں فتور آجائے تو انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دل کا دورہ پڑنے سے انسان کی اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح اگر دولت کی گردش منصفانہ نہ ہو تو معاشرہ کی زندگی خطرہ میں ہوتی ہے اور کسی وقت بھی حرکت قلب بند ہو جانے کا خوف طاری رہتا ہے۔

حق تعالیٰ نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور عادلانہ گردش کے لئے جہاں اور بہت سی تدبیریں ارشاد فرمائی ان میں سے ایک زکوٰۃ وصدقات کا نظام بھی ہے اور جب تک یہ نظام صحیح طور پر نافذ نہ ہو اور معاشرہ اس نظام کو پورے طور پر ہضم نہ کر لیں تب تک نہ دولت کی منصفانہ گردش کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ معاشرہ اختلال اور زوال سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۳)　پورے معاشرے کو ایک اکائی تصور کیجیے اور معاشرے کو اسکے اعضاء سمجھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کسی حادثہ یا صدمہ سے کسی عضو میں خون جمع ہو کر منجمد ہو جائے تو وہ گل سڑ کر پھوڑے پھنسی کی شکل میں پیپ بن کر بہہ نکلتا ہے اسی طرح جب معاشرے کے اعضاء میں ضرورت سے زیادہ خون جمع ہو جاتا ہے وہ بھی سڑنے لگتا ہے اور پھر کبھی تعیش پسندی اور فضول خرچی کی شکل میں نکلتا ہے کبھی عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں ضائع ہوتا ہے کبھی بیماریوں اور ہسپتالوں میں لگتا ہے کبھی اونچی اونچی بلڈنگوں اور محلات کی تعمیرات میں برباد ہو جاتا ہے۔

قدرت نے زکوٰۃ وصدقات کے ذریعے ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج تجویز کیا ہے جو دولت کے انجام کی بدولت معاشرے کے جسم پر نکل آتی ہیں۔

(۴)　اپنے بنی نوع سے ہمدردی انسانیت کا عمدہ ترین وصف ہے جس شخص کا دل اپنے

جیسے انسانوں کی بے چارگی، غربت وافلاس، بھوک، فقر و فاقہ، اور تنگ دستی و زبوں حالی دیکھ کر نہیں پسیجتا، وہ انسان نہیں جانور ہے اور چونکہ ایسے موقعوں پر شیطان اور نفس، انسان کو انسانی ہمدردی میں اپنا کردار ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں اس لیے بہت کم آدمی اس کا حوصلہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کمزور بندوں کی مدد کے لیے امیر لوگوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد کر دیا تاکہ اس فریضہ خداوندی کے سامنے وہ کسی نادان دوست کے مشورے پر عمل نہ کریں۔

(۵) مال جہاں انسانی معیشت کی بنیاد ہے، وہاں انسانی اخلاق کے بنانے اور بگاڑنے میں بھی اسکو گہرا دخل ہے۔ بعض دفعہ مال کا نہ ہونا انسان کو غیر انسانی حرکت پر آمادہ کرتا ہے اور وہ معاشرہ کی ناانصافی کو دیکھ کر معاشرتی سکون کو غارت کرنے کی ٹھان لیتا ہے بعض اوقات وہ چوری ڈکیتی، سٹہ اور جوا جیسی قبیح حرکات شروع کر دیتا ہے، کبھی غربت وافلاس کے ہاتھوں تنگ آکر وہ زندگی سے ہاتھ دھو لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے، کبھی وہ پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے اپنی عزت و عصمت کو نیلام کرتا ہے اور کبھی فقر و فاقہ کا مداوا ڈھونڈھنے کے لیے اپنے دین وایمان کا سودا کرتا ہے اسی بناء پر ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ فقر و فاقہ آدمی کو قریب قریب کفر تک پہنچا دیتا ہے''۔

یہ تمام غیر انسانی حرکات معاشرہ میں فقر و فاقہ سے جنم لیتی ہیں اور بعض اوقات گھرانوں کے گھرانوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ان کا مداوا (حل) ڈھونڈھنا معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور صدقات و زکوٰۃ کے ذریعہ خالق کائنات نے ان برائیوں کا سدباب بھی فرمایا ہے۔

(۶) اس کے برعکس بعض اخلاقی خرابیاں وہ ہیں جو افراط دولت سے جنم لیتی ہیں، امیر زادوں کو جو جو چونچلے سوجھتے ہیں اور جس قسم کی غیر انسانی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں انھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ صدقات و زکوٰۃ کے ذریعے حق تعالیٰ نے مال و دولت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بُرائیوں کا بھی انسداد فرمایا تاکہ ان لوگوں کو غرباء کی ضروریات کا بھی احساس رہے اور غرباء کی حالت ان کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے۔

(۷) زکوٰۃ وصدقات کے نظام میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے وہ مصائب وآفات ٹل جاتی ہیں جو انسان پر نازل ہوتی رہتی ہیں اسی بناء پر بہت سی احادیث مین بیان فرمایا گیا ہے کہ صدقہ کے ذریعے بلاؤ دور ہوتی ہے، اور انسان کی جان ومال آفات سے محفوظ رہتی ہیں۔

(۸) زکوٰۃ وصدقات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے مال ودلت میں برکت ہوتی ہے اور زکوٰۃ وصدقات میں بخل کرنا آسمانی برکتوں کے دروازے بند کردیتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جو قوم زکوٰۃ روک لیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر قحط اور خشک سالی مسلط کردیتا ہے اور آسمان سے بارش بند ہوجاتی ہے۔ (طبرانی، حاکم۔ آپ کے مسائل اوران کا حل ص ۳۳۶ ج ۳)

خُدائی فیصلہ

انسان کی مادّی ضرورتوں کا اس کائنات کی مادّی چیزوں سے وابستہ ہونا ایک قدرتی چیز ہے اور یہ بھی حکمت خداوندی کا تقاضہ اور عالم تکوین کا اٹل فیصلہ ہے کہ مادّی اسباب ووسائل تمام انسانوں کو برابر تقسیم نہ کیے جائیں بلکہ ضروری ہے کہ جو کچھ لوگوں کو وسائل زندگی اور اسباب معاش اور قدرتی فراوانی سے دیئے جائیں کہ ان کی ضروتات زندگی سے بہت زیادہ ہوں، اور کچھ لوگوں کو اس میں سے اتنا کم حصہ ملے کہ وہ اپنی روزانہ کی ضروریات بھی آسانی سے پوری نہ کرسکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوٰة الدنيا. (سورہ زخرف آیت ۳۲ پارہ ۲۵)

ترجمہ:۔ ”کہ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے اسباب معاش اس کے درمیان تقسیم کردیئے ہیں اور بعض کو بعض پر بدرجہا فائق بنایا ہے کہ ان میں کا ایک دوسرے کو اپنا تابعدار بنالیتا ہے۔

اور دنیا کا نظم ونسق قائم رکھنے اور توازن برقرار رکھنے کے لئے یہ اونچ نیچ بالکل ضروری اور لابدی چیز ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یہ اونچ نیچ مقرر کرکے دونوں فریق کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا، بلکہ جہاں ایک طرف ہزاروں ”تکوینی“ مصلحتوں کے تحت یہ اونچ نیچ رکھی گئی ہے وہیں خدائے قیوم نے ”تشریعی“ طور پر یہ حکم بھی دیا ہے:۔ ”**في اموالهم حق معلوم... الخ**“، کہ ان کے مالوں میں حصہ مقرر ہے مانگنے والوں اور (وسائل معاش سے) محروم کے لیے۔ (سورۃ المعارج آیت ۲۴ پارہ ۲۹)

یعنی مالداروں کے مالوں میں محروم اور حاجت مندوں کا حصہ طے شدہ اور متعین ہے جو ان کا حصہ نہیں دیتا وہ گویا غاصب ہے اور ناجائز طور پر اس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے چنانچہ ایک حدیث شریف سے اشارۃً یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ جس وقت واجب ہو جاتی ہے اسی وقت خدائی کھاتے میں خود بخود اس مال کا چالیسواں حصہ علیحدہ مستحق کے نام لکھ دیا جاتا ہے، اب اس کا ادا نہ کرنا ''مال کا نہ نکالنا'' نہیں ہے بلکہ اس کے مقررہ حصہ کو اپنے مال میں دوبارہ ''شامل کرنا'' ہے ارشادی نبویؐ ہے ''ماخالطت الزکوٰۃ مالاقط الااھلکتہ'' یعنی زکوٰۃ کا مال جس مال میں بھی شامل ہوگا اس کو ہلاک کر کے چھوڑے گا (مشکوٰۃ ص ۱۵۷ ج ۱)

اور ایک حدیث میں زکوٰۃ کو مال کا میل قرار دیا گیا ہے کہ:

''ان ھذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس '' (مشکوٰۃ ص ۱۶۱ ج ۱)

یعنی بلاشبہ یہ زکوٰۃ کا مال لوگوں (کے مال) کے میل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چنانچہ اسی میل سے ان مالوں کو پاک صاف کرنے کے لیے ارشاد خداوندی ہے کہ:۔ خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا o ترجمہ ''انکے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر آپ (اے محمدؐ ان کے مالوں) کو پاک کر دیجئے اور انھیں زکوٰۃ کے ذریعے پاک باطن کر دیجئے''۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۰۳۔ پارہ ۱۰)

ابوداؤد میں رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے (کہ اس کے ذریعہ) تمھارے بقیہ مال کو صاف کر دے'' (مشکوٰۃ ص ۱۵۶ ج ۱)

زکوٰۃ مال کا میل ہے

جیسے گنے کے رس کو پکا کر جب اس کا گڑ یا شکر بناتے ہیں تو کچھ دیر پکنے کے بعد اوپر جھاگ کی شکل میں میل آ جاتا ہے جس کا نکالنا ضروری ہوتا ہے اگر اس کو پورے رس سے علیحدہ نہ کیا جائے، تو پورا مال گندہ، خراب اور بدشکل تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح بقدر نصاب مال پر جب ایک سال کی مدت گزر جاتی ہے تو اس کا میل نکل کر اوپر آ جاتا ہے جس کی خبر چشم نبوتؐ نے مشاہدہ کر کے ہمیں دیدی ہے، اگر اس میل کو جو چھٹ کر خود بخود علیحدہ ہو چکا ہے، دوبارہ

اس میں شامل کر دیا جائے تو پورا مال خراب ہو جاتا ہے اور جس طرح صاف اور عمدہ مال کی مارکیٹ میں وہ گندہ اور میلا گڑ یا شکر نہیں چل سکتا، اسی طرح یہ مال اس صاحب ثروت (مالدار) آدمی کے اچھے کاموں میں خرچ نہ ہوگا بلکہ طرح طرح کی ناگہانی اور غیر متوقع آفتوں میں خرچ ہو کر ضائع وتباہ ہوگا، جس کا ارشاد اوپر والی حدیث میں بھی ہے، اور بھی متعدد احادیث اس ہی قسم کی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۶۵ ج ۲۔ کتاب الصدقات)

شریعت کا اگر صرف نظام زکوٰۃ ہی مکمل طور پر قائم ہو جائے تو دنیا کی آدھی سے زیادہ مصیبتیں و پریشانیاں خود بخود دور ہو جائیں۔ مالدار جب غریب کے پاس رقم (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) لے کر پہنچتا ہے اور چپکے سے اس کے حوالے کر دیتا ہے تو غریب کے دل میں جو اس کے مال سے بغض وحسد کی چنگاری سلگتی رہتی ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ جاتی ہے اور خود یہ مالدار جب غریبوں کے قریب ہوتا ہے اور ان کی پریشانیاں اور مشکلات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کے اندر اپنی خوش حالی پر خدا تعالیٰ کے لیے جذبۂ شکر پیدا ہوتا ہے اور وہ مال کی قدر کو پہچانتا ہے۔ (الترغیب ص ۱۶۹ ج ۲)

عالم برزخ میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کا انجام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں دیکھا آپ ؐ نے فرمایا ایک قوم پر گزر ہوا کہ انکی شرمگاہ پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور وہ مواشی کی طرح چر رہے تھے اور زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے تھے۔

آپ ؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ (نشر الطیب ص ۵۱)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے جو سزائیں خدا تعالیٰ نے آخرت میں تجویز فرمائی ہیں وہ تو الگ ہیں۔ یہ عذاب تو حشر ہی سے شروع ہو جائے گا۔ جس طرح بعض سنگین مجرموں پر مقدمہ فیصل ہونے سے پہلے ہی کچھ سختیاں حوالات ہی سے ہونے لگتی ہیں اور عدالت میں بھی ان کو ذلت و رسوائی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدا کے ان باغی

مجرموں کے ساتھ بھی حشر میں ایسا ہی ہوگا۔ (ترغیب ص ۱۸۲ ج ۲)

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

(۱) اس کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔

(۵) رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ (بخاری شریف و مسلم ص ۳۲ ج ۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی اس نے اس کے شر کو دور کر دیا۔ (کنز العمال مجمع الزوائد ص ۶۳ ج ۳)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم پر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی اس سے تم سبکدوش ہو گئے۔ (ترمذی ص ۷۸ ج ۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ کرو، اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو، اور مصائب کے طوفان کا دعاء و تضرع سے مقابلہ کرو۔ (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کی گردن سے لپٹ کر گلے کا طوق بن جائے گا۔ (نسائی ص ۳۳۳)

جس شخص کو اللہ جل شانہ نے مال عطاء کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ سانپ بن کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔

سانپ جس گھر میں بھی نکل آتا ہے، دہشت کی وجہ سے اندھیرے میں اس گھر میں جانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کہیں لپٹ نہ جائے، لیکن اللہ پاک کا پاک رسولؐ فرماتا ہے کہ یہی مال جس کو آج محفوظ خزانوں میں اور لوہے کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر کل کو سانپ بن کر تمہیں لپٹا دیا جائیگا۔

گھر کے سانپ کا لپٹنا ضروری نہیں ہوتا محض احتمال ہے کہ شاید لپٹ جائے اور اس احتمال پر بار بار فکر و خوف ہوتا ہے کہ کہیں ادھر سے نہ نکل آئے اُدھر سے نہ نکل آئے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اس کا عذاب یقینی ہے پھر بھی اس کا خوف ہم کو نہیں ہوتا (فضائل صدقات ص ۲۳۶ ج ۱)

زکوٰۃ نہ دینے پر دنیوی عذاب

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بھی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اپنے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دینا چھوڑیں گے تو ضرور آسمان سے بارشیں روک دی جائیں گی، حتیٰ کی اگر چوپائے نہ ہوں تو ایک قطرہ نہ برسے۔ (ترغیب ۱۹۰ ج ۲۔ دفقہ الزکوٰۃ ص ۱۰۷ ج ۱)

قحط کی وباء ہم لوگوں پر ایسی مسلط ہو رہی ہے کہ اس کی حد نہیں ہزاروں تدبریں اسکے زائل کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں لیکن کوئی بھی کارگر نہیں ہو رہی ہے جب اللہ تعالیٰ کوئی وبال کسی گناہ پر اتار دیں تو دنیا میں کسی کی کیا طاقت کہ اس کو ہٹا سکے، وہ تو اسکے ہٹانے سے ہٹ سکتی ہے اس نے مرض بتلا دیا ہے اور اسکا صحیح علاج بتا دیا ہے اگر مرض کو زائل کرنا مقصود ہو تو صحیح علاج (قرآن و حدیث کی روشنی میں) اختیار کیجیے گا۔

(فضائل صدقات ص ۲۵۲ ج ۱)

"جس مال کی زکوٰۃ باقی رہ جاتی ہے وہ اس مال کو خراب کر دیتی ہے"۔

حدیث مذکورہ بالا کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جس مال کی زکوٰۃ اسی مال میں باقی رہ گئی ہو اور ادا نہ ہوئی ہو تو وہ زکوٰۃ اسی مال کے ضیاع اور خرابی کا باعث بن جاتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو خود مالدار ہو اگر وہ زکوٰۃ لے لے اور اسے اپنے مال میں شامل کر لے تو اس کا سارا مال ضائع ہو جاتا ہے۔

(فقہ الزکوٰۃ ص ۱۰۸ ج ۱ بحوالہ نیل الاوطار ص ۱۲۶ ج ۴)

مسلمان کے لیے زکوٰۃ انشورنس ہے

زکوٰۃ مسلمانوں کی آپریٹو سوسائٹی ہے، یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے لیے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے، یہ ان کے لیے معذروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعہ پرورش ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ (زکوٰۃ) وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا بدھا سادا اصول یہ ہے

کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو، کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تم کو یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہو گا؟ کوئی آفات ناگہانی آ پڑی، بیمار ہو گئے، گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب آ گیا، دیوالہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گئی؟ سفر میں پیسہ نہ رہا تو کیونکر گزر بسر ہو گی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ بے فکر کر دیتی ہے، تمہارا کام بس اتنا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت میں سے ڈھائی فی صد دے کر اللہ تعالیٰ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرا لو، اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے، یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں۔ کل جب تم ضرورت مند ہو گے یا تمہاری ااولاد یا بیوی ضرورت مند ہو گی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا مال بلکہ اس سے بھی زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔

(فقہ الزکوٰۃ ص ۱۳ا۷ ج ۲)

سرمایہ داری اور زکوٰۃ

سرمایہ داری اور اسلام کے اصول و نتائج میں کُھلی تضاد نظر آتا ہے کہ سرمایہ داری کا تقاضہ یہ ہے کہ روپیہ جمع کیا جائے اور اس کو برھانے کے لیے سُود لیا جائے تا کہ ان نالیوں کے ذریعہ آس پاس کے لوگوں کا روپیہ سمیٹ کر اس جھیل میں جمع کیا جائے۔ اسلام کے بالکل خلاف یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول تو بالکل جمع ہی نہ ہو، اور اگر جمع ہو بھی تو اس میں زکوٰۃ کی نہریں نکال دی جائیں تا کہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہنچے اور گرد و پیش کی ساری زمین شاداب ہو جائے۔ سرمایہ داری کے نظام میں دولت کا مبادلہ مقید ہے اور اسلام میں آزاد، سرمایہ داری کے تالاب سے پانی لینے کے لیے ناگزیر ہے کہ خاص آپ کا پانی پہلے سے وہاں موجود ہو، ورنہ آپ ایک قطرہ آب (پانی) بھی نہیں لے سکتے۔

اس کے مقابلے میں اسلام کے خزانۂ آب کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی (مال) ہو وہ اس میں لا کر (زکوٰۃ) ڈال دے اور جس کو پانی (مال) کی ضرورت ہو وہ اس سے لے لے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے اپنی اصلی طبیعت کی لحاظ سے ایک دوسرے کی پوری ضد ہیں اور ایک ہی منظم معیشت میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ (فقہ الزکوٰۃ ۱۴۷ ج ۲)

کیا زکوٰۃ اسلامی ٹیکس ہے؟

زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں زکوٰۃ کا ایک نہایت گھٹیا تصور ہے کہ وہ اس کو حکومت کا ٹیکس سمجھتے ہیں جسطرح کہ تمام حکومتوں میں مختلف قسم کے ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں، حالانکہ زکوٰۃ کسی حکومت کا عائد کردہ نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی حکومت کی ضروریات کے لیے اس کو عائد کیا ہے بلکہ حدیث میں صاف طور پر ارشاد ہے کہ ”زکوٰۃ مسلمانوں کے متمول (مالدار) طبقہ سے لیکر ان کے تنگدست طبقہ کو لوٹا دی جائے۔

اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ زکوٰۃ دینے والے فقراء و مساکین کا مالداروں پر احسان ہے، ہرگز نہیں بلکہ خود فقراء و مساکین کا مالداروں پر احسان ہے کہ ان کے ذریعے سے ان لوگوں کی رقم خدائی بینک میں جمع ہو رہی ہے، اگر آپ کسی کو بینک میں جمع کرانے کے لیے کوئی رقم سپرد کرتے ہیں تو کیا آپ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ اگر یہ احسان نہیں تو فقراء کو زکوٰۃ دینا بھی احسان نہیں۔

پہلی اُمتوں میں مال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا جاتا اس کا استعمال کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں تھا بلکہ وہ ”سوختنی قربانی کہلاتی تھی“۔ اس کو قربان گاہ میں رکھ کر دیا جاتا تھا، اب اگر آسمان سے آگ آکر اُسے راکھ کر جاتی تو قبول ہونے کی علامت تھی۔ اور اگر وہ چیز اسی طرح پڑی رہتی تو اس کے مردود ہونے کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر یہ خاص عنایت فرمائی ہے کہ اُمراء کو حکم دیا گیا کہ وہ جو چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہیں اس کو ان کے فلاں فلاں بندوں (فقراء و مساکین) کے حوالے کر دیں۔ اس عظیم الشان رحمت کے ذریعے ایک طرف فقراء کی حاجت کا انتظام کر دیا گیا، دوسری طرف اس اُمت مرحومہ کے لوگوں کو رُسوائی اور ذلّت سے بچایا گیا ہے، اب خدا ہی جانتا ہے کہ کون پاک مال سے صدقہ کرتا ہے اور کون ناپاک مال سے؟ جو محض رضائے الٰہی

کے لیے دیتا ہے اور کون نام ونمود اور شہرت وریا کے لیے الغرض زکوٰۃ ٹیکس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے قرض حسنہ فرمایا ہے۔ ﴿مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾

(پارہ ۲ سورہ بقرہ)

یہاں صدقات کو قرض حسن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرض واجب الاداء ہے اسی طرح صدقہ کرنے والے کو مطمئین رہنا چاہیے کہ ان کا یہ صدقہ ہزاروں برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ انہیں واپس کر دیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ صدقہ فقیر کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور فقیر گویا اس دینے والے سے وصول نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ اُسی کر طرف سے دیا جا رہا ہے جو سب کا داتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۳۸ ج ۳)

اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ) میں یہ فرق ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس (زکوٰۃ) کی رقمیں غرباء، مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے اس رقم کو خرچ کرنے کے لیے آٹھ حلقے بنائے ہیں۔ (حقیقت الزکوٰۃ ص ۵۸)

زکوٰۃ اور ٹیکس کا بنیادی حق

مسئلہ: ٹیکس کی ادائیگی کو زکوٰۃ کے لیے کافی سمجھ لینا یا زکوٰۃ کی کچھ رقم کا بطور ٹیکس ادا کر دینا نہ درست ہے اور نہ کافی زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان بڑا بنیادی اور جوہری فرق ہے زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اسی لیے اسمیں نیت اور ارداہ ضروری ہے، اخلاص خداوندی مطلوب ہے اس کے لیے متعین مصارف ہیں، انہیں پر اُنکو خرچ کیا جا سکتا ہے غیر مسلموں اور عام رفاہی کاموں میں اسکا استعمال جائز نہیں ہے۔ (زکوٰۃ جن کو دی جائے وہ مستحق بھی ہوں اور مالک بننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں) اسکی ایک مقدار اور تناسب متعین ہے، واجب ہونے کے لیے دولت کی ایک حد مقرر ہے پھر اس کی ادائیگی کے لیے ایک سال کی مدت ہے بعض خصوصی اُموال ہی ہیں جن میں واجب ہوتی ہے ہر مال پر واجب نہیں ہوتی یہ سارے احکام قرآن و

سنت سے ثابت ہیں اسمیں ادنیٰ تبدیلی اور تغیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ٹیکس عبادت نہیں ہے بلکہ حکومت کی اعانت یا اس کے لیے پہنچنے والے فائدہ کا معاوضہ ہے، نہ اس کے لیے کوئی متعین تناسب اور مقدار ہے نہ کسی مال کی تعین ہے، نہ اس کے لیے نیت وارادہ کا کوئی سوال ہے، نہ اس کے مصارف وہ ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور نہ اس کے لیے وہ مناسب حدیں ہیں جو شریعت زکوٰۃ کے لیے متعین کرتی ہے، بلکہ بسا اوقات یہ ظلم کی سطح تک پہنچ جاتا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص ۱۲۵)

زکوٰۃ کا ایک نمایاں فرق

سب سے پہلا فرق زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان ان کے ناموں سے نمایاں ہے کہ زکوٰۃ کے معنی پاکی نشو نما اور برکت کے ہیں، شریعت اسلامیہ میں مال کے اس حصے کو جو زکوٰۃ دہندہ فقیر کو دیتا ہے زکوٰۃ کہا ہے۔ اس سے زکوٰۃ دہندہ کے نفس میں یہ تاثر پیدا کرنا ہے کہ اسکا یہ عمل سراسر خیر و برکت کا حامل اور اسکے مال کو نشو ونما دینے والا اور اس کو پاک کر دینے والا ہے۔

جب کہ ٹیکس (ضریبہ) کا لفظ محض جبر والزام کا مفہوم ادا کرتا ہے یعنی یہ ایک تاوان ہے جو زبردستی اور بالجبر مالدار شخص پر لاد دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ ٹیکس کو ایک بے حد ناگوار بوجھ اور انکے مال پر پڑ جانے والا ڈنڈ سمجھتے ہیں۔

زکوٰۃ کا لفظ اپنے پاکیزگی، برکت اور نشو ونما کے مفاہیم کے ساتھ اس امر کی بھی نشان دہی کرتا ہے کہ صاحب مال جس مال کو اللہ کا حق ادا کیئے بغیر جمع کرتا ہے وہ ناپاک و نجس رہتا ہے اور زکوٰۃ ہی ہے جو اس مال کو پاک کرتی ہے اور صاحب مال کو بخل اور حرص سے پاک کرتی ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ بتلاتا ہے کہ جو مال بظاہر ادائے زکوٰۃ سے کم نظر آتا ہے درحقیقت وہ نشو ونما پا رہا ہے اور اس میں افزودگی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورہ بقرہ (پارہ ۳ میں) ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو)۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۵۹۹ ج ۲)

☆

کیا زکوٰۃ کی وصولیابی حکومت پر ہے؟

رہا یہ سوال کہ جب زکوٰۃ ٹیکس نہیں بلکہ خالص عبادت ہے تو حکومت کو اسکا انتظام کیوں سپرد کیا جائے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام پورے معاشرے کو ایک اکائی قرار دے اسکا نظم ونسق اسلامی حکومت کے سُپرد کرتا ہے۔ اس لیے فقراء و مساکین جو اسلامی معاشرے کا جزء ہیں، انکی ضروریات کا تکفّل بھی اسلامی معاشرے کی قوت مقتدرہ کے سُپرد کرتا ہے۔ اوراس کفالت کے لیے اس نے صدقات وزکوٰۃ کا نظام رائج فرمایا ہے جو فقراء و مساکین کی کفالت کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی ہے۔ اس۔ لیے اس مد کے لیے مخصوص رقم کا بندوبست بھی حکومت کا فریضہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکومت کی جانب سے صدقات کی وصولی وانتظام پر مقرر ہوں، حدیث شریف میں ان کو ''غازی فی سبیل اللہ'' کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

جس میں ایک طرف ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور دوسری طرف نازک ذمہ داری کا بھی انھیں احساس دلایا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ اس فریضہ کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر ادا کریں گے تب اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گے اور اگر انہوں نے اس مال میں ایک پیسہ کی بھی خیانت روا رکھی تو انھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خدائی مال میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو اُن کے لیے آتش دوزخ کا سامان ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ''جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیا، اس کے بعد اگر اس مال سے کچھ لے گا تو وہ غنیمت میں خیانت کرنے والا ہوگا۔ (ابوداؤد)

(آپ کے مسائل ص ۳۳۹ ج ۳)

کیا سرکاری ٹیکس زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتا ہے؟

سوال:۔ سرکار تجارت کے منافع اور مکانات کے کرایہ پر ٹیکس لیتی ہے۔ کیا یہ زکوٰۃ میں محسوب ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ ٹیکس میں جو روپیہ دیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا، زکوٰۃ علیحدہ ادا کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۷ ج ۲ بحوالہ شامی باب الزکوٰۃ الغنم ص ۳۲ ج ۲)

کیا انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

مسئلہ:۔انکم ٹیکس ملک کی ضروریات کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے جبکہ زکوٰۃ ایک مسلمان کے لیے فریضہ خداوندی ہے اور عبادت ہے۔انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بلکہ زکوٰۃ الگ ادا کرنا فرض ہے۔(آپ کے مسائل ص ۳۸۷ ج ۳)

حاکم وقت اور زکوٰۃ

مسئلہ:۔اگر حاکم وقت کوئی مسلمان عادل ہے تو اس کو ہر قسم کی زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہے و تمام لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر صرف کرے گا۔

مسئلہ:۔اگر حاکم وقت کوئی ظالم یا غیر مسلم ہو تو اس کو زکوٰۃ لینے کا کچھ حق نہیں ہے اور اگر وہ جبراً لے لے تو دیکھنا چاہیے کہ اس نے اس مال کو مستحقین پر خرچ کیا یا نہیں؟ اگر مستحقین پر صرف کیا ہے تو خیر، ورنہ ان لوگوں کو دینا چاہیے کہ پھر دوبارہ زکوٰۃ نکالیں اور بطور خود مستحقین پر تقسیم کریں۔

مسئلہ:۔اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو حاکم وقت کو چاہیے کہ اس کو قید کر دے اور اس سے زکوٰۃ طلب کرے، جبراً اسکے مال کو فرق نہ کرنا چاہیے، کیونکہ زکوٰۃ کے صحیح ہونے میں نیت شرط ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اس کا مال جبراً لیا جائے گا۔تو وہ نیتِ زکوٰۃ نہ کرے گا۔

(علم الفقہ ص ۳۱ ج ۴)

اموال ظاہرہ و باطنہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔حکومت صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔اموال باطنہ کی زکوٰۃ ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق ادا کرسکتا ہے۔(آپ کے مسائل ص ۳۴۱ ج ۳)

کارخانوں اور ملوں میں تیار ہونے والا مال، تجارت کا مال اور بینک میں جمع شدہ سرمایہ اموال ظاہرہ ہیں اور جو سونا چاندی، نقدی گھروں میں رہتی ہے ان کو اموال باطنہ کہا جاتا ہے۔(محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسئلہ:۔اب وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو خود اس کا انتظام کرنا چاہیے کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ خود

قواعدِ شرعہ کے لحاظ سے نکالے اور خود اپنے طور پر مستحقین پر صرف کریے اور خود ہی اپنے صند وقچہ (صیف وغیرہ) کو زکوٰۃ کا بیت المال بنائے یعنی زکوٰۃ کا سال جس وقت ختم ہو یا عشر جس وقت واجب ہو تو فوراً اگر مستحقین دستیاب ہو جائیں تو اسی وقت تقسیم کر دے ورنہ اس کو صندوقچہ میں علیحدہ جمع رکھے جس وقت مستحقین ملتے جائیں اس مال کو صرف کرتا رہے، اس زمانہ میں جو لوگ مستعدی سے قواعدِ شریعت قادسہ پر عمل کرتے ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے، جیسا کہ احادیث صیحہ میں بصراحت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے۔ آمین (علم الفقہ ص ۱۴۱ ج ۴)

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں

(۱)　مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں (خواہ وہ پہلے مسلمان ہو یا مرتد ہونے کے بعد اسلام لایا ہو۔ اگر مرتد (اسلام سے نکلا ہوا) مسلمان ہو جائے تو اس پر ارتداد کے زمانے کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے اسی طرح صحت ادائیگی کی بھی شرط ہے، کیونکہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں اور کافر کا نیت کرنا ہی درست نہیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۹۶۰ ج ۱)

(۲)　بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳)　عاقل ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہو اور اس سبب سے اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو۔ ہاں اس قدر تفصیل ہے کہ جنون غیر اصلی (جنون اگر بالغ ہونے سے پہلے عارض ہوا ہو تو اصلی ہے ورنہ غیر اصلی) اور یہ نقصان عقل اگر پورے سال بھر رہے گا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ اور اگر پورے سال بھر نہ رہے تب بھی زکوٰۃ فرض ہوگی، البتہ اگر جنون اصلی ہے تو اس کا ہر حال میں اعتبار ہوگا، سال بھر نہ رہے تب بھی زکوٰۃ فرض نہ ہوگی مثلاً کسی کو سال بھر میں دو ایک مرتبہ جنون ہو جائے تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر فرض نہ ہوگی بلکہ جس وقت سے اس کا جنون زائل ہوا ہے اسی وقت سے اس کے سال کی ابتداء سمجھی جائے گی۔ (ردالمختار)

(۴)　زکوٰۃ کی فرضیت سے واقف ہونا یا دار اسلام میں ہونا جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت سے

ناواقف ہواور دارالاسلام میں بھی نہ رہتا ہواس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۵) آزاد ہونا، غلام پر گو وہ مکاتب (یعنی وہ غلام جسکو اسکے آقا نے اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اسکو دے دے جب تک روپیہ اس قدر کما کر نہ دے غلام رہتا ہے اور دینے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے) یا ماذون ہو زکوٰۃ فرض نہیں۔ ماذون وہ غلام جس کو آقا نے اجازت دی ہو کہ وہ کمائی کرے اور اپنے آقا مالک کو لا کر دے)۔

(علم الفقہ ص ۱۶ اج ۴)

(۶) ایسی چیز کے نصاب کا مالک ہونا جو ایک سال تک قائم رہتی ہو، جو چیز ایک سال تک قائم (باقی) نہ رہتی ہو جیسے ککڑی، کھیرا، تربوزہ، خربوزہ اور باقی ترکاریاں وغیرہ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں (بلکہ عشر ہے)۔

(۷) اس مال پر ایک سال کامل گزر جانا، بغیر ایک سال کے گزرے ہوئے زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۸) سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا پورا ہونا چاہئے، چاہے سال کے درمیان میں کم ہو جائے، ہاں اگر سال کے شروع یا آخر میں نصاب کم ہو جائے تو پھر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

(۹) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی طرف ہو سکتا ہے خواہ اللہ جل اللہ شانہ کا قرض ہو جیسے زکوٰۃ، عشر، خراج (گذشتہ سالوں کی) وغیرہ کہ حق اللہ تو ہیں مگر ان کا مطالبہ امام وقت کی طرف سے ہو سکتا ہے، یا وہ بندوں کا ہو بیوی کا مہر بھی اسی قرض میں داخل ہے۔ اگر چہ مہر موجّل ہو، (وہ مہر جو فوری طور پر واجب الاداء نہیں ہوتا)۔ جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو یا اس قدر قرض ہو کہ اس کے ادا کرنے کے بعد نصاب پورا نہ رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر ایسا قرض ہو کہ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں ہو سکتا مثلاً کسی پر کفارہ (رمضان المبارک کے روزہ کو جان بوجھ کی توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے) واجب ہو یا حج، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، سال کے درمیان میں اگر قرض ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ وہ مال فنا ہو گیا، یہاں تک کہ اگر قرض خواہ اس قرض کو معاف کر دے تب بھی زکوٰۃ نہ دینا پڑے گی، بلکہ جس وقت اس نے معاف کیا ہے اس وقت سے اس مال کے

سال کی ابتداء رکھی جائے گی۔

اگر کسی کے پاس کئی قسم کے مالوں کا نصاب ہو، اور اس پر قرض ہو تو اس کو چاہیے کہ قرض کو ایسی چیز کی طرف راجع کرے جس کی زکوٰۃ کم ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے مثلاً کسی کے پاس چاندی کا ایک نصاب ہو اور بکری کا بھی ایک ہو تو اس کو چاہیے کہ قرض کو چاندی کے نصاب کی طرف راجع کرے۔ کیونکہ چاندی کے ایک نصاب کی زکوٰۃ بہ سبب اس کے کہ چاندی کے ایک نصاب کی زکوٰۃ ہے بکری کے ایک نصاب کی زکوٰۃ سے بہت کم ہوتی ہے۔ ہاں اگر قرض اس قدر زیادہ ہو کہ ایک چیز کا نصاب اس کے لیے کافی نہ ہو تو پھر جتنے نصابوں میں اس کی ادیگی ممکن ہو اسی قدر نصابوں کی طرف راجع کیا جائے گا اور ان کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ (علم الفقہ ص ۱۸ ج ۴)

(۱۰) وہ مال اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد ہو جو مال اپنی اصلی ضرورتوں کے لیے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، پس پہننے کے کپڑوں اور رہنے کے گھر پر اور خدمت کے غلاموں پر، اور سواری کے گھوڑوں پر اور خانہ داری کے اسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں اور اسی طرح ان کتابوں پر جو تجارت کی نہ ہو، خواہ کسی طالب علم کے پاس ہوں یا کسی جاہل کے پاس ہوں۔ اور اسی طرح پیشہ وروں کے اوزار واسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ اوزار اس قسم کے ہوں کہ ان سے نفع لیا جائے اور باقی رہیں جیسے کلہاڑی، بسولی وغیرہ۔ اور اسی طرح وہ روپیہ جو اپنی اصلی ضرورتوں کے لیے رکھا ہو، اس پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اسی سال میں درپیش ہو اور اگر وہ ضرورت سال آئندہ میں پیش آنے والی ہو بالفعل نہ ہو (فی الحال سال کے اندر نہ ہو) تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ردالمختار)

(۱۱) مال کا اپنے وکیل کے قبضے میں ہونا، جو مال ملک اور قبضے میں نہ ہو، یا ملک میں ہو قبضے میں نہ ہو، یا قبضے میں ہو، ملک میں نہ ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ پس مکاتب کے کمائے ہوئے مال میں زکوٰۃ نہیں، نہ اس پر نہ اس کے مولیٰ پر اس لیے کہ وہ مال مکاتب کی ملک میں نہیں گو قبضے میں ہے۔ اور مولیٰ کے قبضے میں نہیں گو ملک میں ہے اور اسی طرح ماذون کی کمائی میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ اور رہن کی ہوئی چیز پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، نہ رہن رکھنے والے پر

اور نہ رہن کرنے والے پر، اس لیے کہ رہن رکھنے والا اس کا مالک نہیں، گو اس پر قابض ہے۔ اور رہن کرنے والا اس پر قابض نہیں گو اس کا مالک ہے۔

اسی طرح جو مال ایک مدّت تک کھویا رہا بعد اس کے مل گیا تو جس زمانہ تک کھویا رہا اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس وقت تک قبضے میں نہیں تھا اسی طرح مال دریا میں گر جائے اور کچھ زمانہ کے بعد نکل آئے یعنی مل جائے تو جس زمانہ تک گرا رہا، اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں، اسی طرح جو مال کسی جنگل میں دفن کردیا گیا ہو اور اس کا مقام یاد نہ ہو اور کچھ زمانہ بعد یاد آ جائے تو جتنے زمانہ تک بھولا رہا اسکی زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر کسی مکان میں دفن کیا گیا ہو اور اس کا مقام یاد نہ رہے اور پھر یاد آ جائے تو جس زمانہ میں بھولا رہا اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی کیونکہ وہ قبضے سے باہر نہیں ہوا۔ اسی طرح جو مال کسی کے پاس امانت رکھا گیا ہو اور بھول جائے کہ کس کے پاس رکھا تھا اور پھر یاد آ جائے تو جس زمانہ تک بھولا رہا اسکی زکوٰۃ فرض نہ ہو گی، بشرطیکہ وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی اجنبی ہو، اگر کسی جانے ہوئے آدمی کے پاس رکھی جائے اور یاد نہ رہے تو اس بھولے ہوئے زمانہ کی زکوٰۃ بھی فرض ہوگی، اسی طرح اگر کسی کو کچھ قرض دیا جائے اور قرض دار انکار کر جائے اور کوئی تحریر یا گواہی اس کی نہ ہو خواہ قرض دار مالدار ہو یا مفلس، پھر چند روز کے بعد وہ لوگوں کے سامنے یا قاضی کے روبرو اقرار کرے تو انکار کے زمانے کی زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

اسی طرح جو مال کسی سے ظلماً چھین لیا جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ اس کو مل جائے تو جس زمانہ تک وہ اس کو نہیں ملا، اس زمانہ کی زکوٰۃ اس پر فرض نہیں ہوگی۔ حاصل یہ کہ جب مال قبضہ اور ملک سے نکل جائے تو زکوٰۃ فرض نہ رہے گی۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے قبضہ اور ملک دونوں کا ہونا شرط ہے۔

(۱۲) مال میں ان تین وصفوں میں سے ایک وصف کا پایا جانا (۱) نقدیت (۲) سوم (بڑھنے والی) (۳) نیت تجارت، سونے اور چاندی میں نقدیت پائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں بہر حال زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ نیت تجارت کی ہو یا نہ ہو اور خواہ سونا چاندی مسکوک ہو غیر مسکوک، خواہ اس کے زیور یا برتن بنائے گئے ہوں، مال میں اگر تجارت کی نیت کی جائے تو

زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں ہوگی، خواہ مال کتنا ہی قیمتی ہو اور از قسم جواہر ہی کیوں نہ ہو، تجارت کی نیت مال کے خریدتے وقت ہونا چاہیے۔ اگر بعد خریدنے کی نیت کی جائے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اسکی تجارت شروع نہ کردی جائے اگر کوئی مال تجارت کے لیے خریدا گیا ہو اور خریدنے کے بعد یہ نیت نہ رہے تو وہ مال تجارتی نہ رہے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہ رہے گی پھر اس کے بعد اگر نیت کی جائے تو وہ قابل اعتبار نہ ہوگی جب تک کہ اسکی تجارت نہ کردی جائے۔

(۱۳) اس مال میں کوئی دوسرا حق مثلاً عشر یا خراج کے واجب نہ ہو، اگر عشر یا خراج اس مال پر ہوگا، تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ کیونکہ دو حق ایک مال پر فرض نہیں ہوتے۔

(علم الفقہ ص ۱۱ ج ۴)

ادائیگی زکوٰۃ کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا۔ کافر کا زکوٰۃ دینا صحیح نہیں، اگر کوئی کافر اپنے مال کی کئی سال پیشگی زکوٰۃ دیدے اور اس کے بعد مسلمان ہو جائے تو وہ زکوٰۃ دینا اس کا لیے کافی نہ ہوگا بلکہ اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہوگی۔

(۲) عاقل ہونا، مجنون اور ناقص العقل کی زکوٰۃ صحیح نہیں۔

(۳) بالغ ہونا، نابالغ کی زکوٰۃ صحیح نہیں۔

(۴) زکوٰۃ کا مال فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا یعنی اول دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا محض اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کے لیے دیتا ہوں۔ اگر کوئی زکوٰۃ دینے کے بعد نیت کرے اور مال فقیر یعنی جس کو زکوٰۃ کا مال دیا ہے ابھی تک اس کے پاس موجود ہے تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اگر مال زکوٰۃ فقیر کے پاس خرچ ہو چکا ہے تو نیت صحیح نہ ہوگی اور پھر اس کو دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی، اگر کوئی شخص اپنے وکیل، (مینجر، منیم، منشی معتمد) کو زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنے کے لیے دے اور دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلے تو درست ہے خواہ وکیل فقیروں کو دیتے وقت نیت کرلے یا نہ کرلے (کوئی حرج نہیں)۔ اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا مال علیحدہ کرلے علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت دل میں ہو تو یہ نیت کافی ہے، گو فقیروں کو دیتے وقت نیت نہ بھی کرے۔

(۵) زکوٰۃ کے مال کا جس شخص کو دیا جائے اس کو مالک اور قابض بنا دینا، اگر کوئی شخص کچھ کھانا پکوا کر فقیروں کو اپنے گھر میں جمع کر کے کھلا دے اور نیت زکوٰۃ کی کرلے تو صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر وہ کھانا فقیروں کو دیدے اور انھیں اختیار دے کہ اس کو جو چاہیں کریں، جہاں چاہیں کھائیں تو پھر درست ہے۔

(۶) زکوٰۃ کا مال ایسے شخص کو دینا جو اس کا مستحق ہو۔ (علم الفقہ ص ۲۱ ج ۴)

مال کے ضائع ہونے پر زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد اگر مال ہلاک (ضائع) ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی خواہ زکوٰۃ کے دینے کا وقت آ گیا ہو، اور حاکم وقت کی طرف سے اس کا مطالبہ بھی کیا گیا ہو، اور اس نے کسی وجہ سے زکوٰہ نہ دی ہو، ہاں اگر خود ہلاک کر دے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا ضروری ہوگی۔ مثلاً جانوروں کو چارہ (گھاس) پانی نہ دے اور وہ مر جائیں۔ یا کسی مال کو قصداً ضائع کر دے، کسی کو قرض یا عاریت دینے کے بعد اگر مال تلف ہو جائے تو اس کا شمار ہلاک کرنے میں نہ ہوگا اور اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

تجارتی مال کو تجارتی مال سے بدل لینے کے بعد مال خود ہلاک ہو جائے تو اس بدل لینے میں زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ تجارتی مال کو غیر تجارتی مال سے بدل لینا، اسی طرح سائمہ جانور کو دوسرے سائمہ جانور سے بدل لینا ہلاک کر لینا ہے۔ اور اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہو گی۔ (علم الفقہ ص ۲۹ ج ۴۔ عالمگیری صہ ۴ ج ۲)

مدہوش پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ جو شخص بے ہوش ہے خواہ اس پر مسلسل سال بھر تک بے ہوشی طاری رہے، زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (جبکہ صاحب نصاب ہو)۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۶ ج ۴)

بچے اور پاگل پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ نابالغ شرعی کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور نصوص سے بچے کا غیر مکلف ہونا اور مرفوع القلم ہونا ثابت ہے۔ اور جب نہ ہونا نماز و روزہ و حج اور جملہ عبادت وغیرہ کا

نابالغ پر، دلیل عدم وجوب زکوٰۃ کی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۳ ج ۶)

مسئلہ: ۔ حنفیہؒ کے نزدیک نابالغ بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے لہذا ان کے دلیوں سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ محض عبادت ہے، بچے اور مجنون اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں البتہ ان کے مال سے قرض اور نفقہ (ضروری خرچہ کا) ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں البتہ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ اور صدقہ فطر واجب ہے کیونکہ یہ گزارہ دینے کی مانند ہے، لہذا اس کو حقوق العباد میں شامل کیا گیا ہے۔ اور فاتر العقل (پاگل) کے مال کا وہی حکم ہے جو بچے کے مال کا ہے۔ اس کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۹۶۰ ج ۱ و فقہ الزکوٰۃ ص ۱۴۲ ج ۱)

مسئلہ: ۔ نابالغین کا حصہ جو بطور امانت ان کے سرپرستوں کے پاس ہو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۶۷ ج ۲ بحوالہ طحطاوی ص ۳۸۹ ج ۱ و احسن الفتاویٰ ص ۲۶۸ ج ۴)

مسئلہ: ۔ جب بچہ بالغ ہو تو وقت بلوغ سے ابتداء شروع ہو جائے گی۔ (عالمگیری ص ۶ ج ۴)

مسئلہ: ۔ حکومت اگر نابالغ بچے کے مال (جمع شدہ) سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۵ ج ۳)

مسئلہ: ۔ زکوٰۃ بالغ پر واجب ہے، اور بلوغ کی خاص علامتیں مشہور ہیں۔ اگر لڑکا یا لڑکی پندرہ سال کے ہو جائیں مگر کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر وہ بالغ تصور کیے جائیں گے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۴ ج ۳)

زکوٰۃ ہجری سال سے ہے یا عیسوی سے؟

مسئلہ: ۔ ایک سال کی پوری مدت گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب الاداء نہیں ہوتی جب تک کسی شخص کو اس مال کا مالک بنے رہنے کی مدت ایک سال نہ ہو جائے۔ اور سال سے مراد قمری (چاند) کے حساب کا سال ہے، شمسی (انگریزی) حساب کا نہیں۔ (کیونکہ) قمری حساب سے ایک سال تین سو چون ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے۔ اور شمسی سال کبھی تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن اس سے زیادہ ہوتا ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۹۶۴ ج ۱)

مسئلہ :۔زکوٰۃ کے ادا کرنے میں قمری سال کا اعتبار ہے، شمسی سال کا اعتبار نہیں۔اب یا تو قمری سال کے اعتبار سے ادا کرنا چاہیے اور اگر شمسی سال کے اعتبار کرنا ہی ناگزیر ہو تو دس دن کی زکوٰۃ مزید ادا کرنی چاہیے۔(آپ کے مسائل ص ۳۶۲ ج ۳ و فتاویٰ عالمگیری ص ۱۲ ج ۴ و در مختار ص ۵۰ ج ۲ و کفایت المفتی ص ۱۴۵ ج ۴)

زکوٰۃ میں مہینہ کا اعتبار ہے یا تاریخ کا؟

مسئلہ :۔زکوٰۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہے، جس تاریخ کو سال پورا ہو جائے۔ اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جس وقت بھی زکوٰۃ ادا کرے گا اعتبار اسی تاریخ وجوب کا رہے گا۔اگلے سال اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جس تاریخ پر پچھلے سال واجب ہوئی تھی۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۷ ج ۶ بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۱۵۷ ج ۱)

مسئلہ :۔اصل حکم تو یہ ہے کہ جس تاریخ سے آپ صاحب نصاب ہوئے، ایک سال کے بعد اسی تاریخ کو آپ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، تاہم زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا بھی جائز ہے اور اس میں تاریخ کی بھی گنجائش ہے، اس لیے کہ کوئی تاریخ مقرر کر لی جائے اگر کچھ آگے پیچھے ہو جائے تب بھی حرج نہیں۔(آپ کے مسائل ص ۳۶۸ ج ۳ و عالمگیری ص ۵ ج ۴)

زکوٰۃ کا سال شمار کرنے کا اصول

مسئلہ:۔جس تاریخ کو کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال آ جائے اسی تاریخ سے چاند کے حساب سے پورا سال گزرنے پر جتنی رقم اس کی ملکیت ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۷ ج ۳)

مسئلہ :۔شرعی مسئلہ یہ ہے کہ سال کے کسی مہینے میں بھی جس تاریخ کو کوئی شخص نصاب کا مالک ہوا ہو، ایک سال گزرنے کے بعد اسی تاریخ کو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی خواہ محرم کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو۔اور اس شخص کو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔(آپ کے مسائل ص ۳۶۸ ج ۳)

☆

صاحب نصاب کو اگر تاریخ یاد نہ رہے

آپ قمری ماہ کی جس تاریخ کو صاحب نصاب ہوئے تھے ہمیشہ وہی تاریخ آپ کی زکوٰۃ کے حساب کے لیے متعین رہے گی۔ اس تاریخ میں آپ کے پاس سونا چاندی، مال تجارت اور نقدی جو کچھ بھی ہو خواہ ایک روز قبل ملا ہو سب پر زکوٰۃ فرض ہوگی، زکوٰۃ کا حساب ہمیشہ اسی تاریخ میں ہوگا، ادا جب چاہیں کریں۔ (جلدی ادا کرنا بہتر ہے، موت کا اطمینان نہیں) اگر درمیان سال میں بقدر نصاب مال نہیں رہا مگر متعین تاریخ میں نصاب پورا ہو گیا تو بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر درمیان میں مال بالکل نہ رہا تو اب پھر جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوں گے وہ متعین ہوگی، اگر صاحب نصاب بننے کی قمری تاریخ یاد نہ رہے تو غور وفکر کے بعد جس تاریخ کا ظن غالب ہو وہ متعین ہوگی، اگر کسی تاریخ کا بھی ظن غالب نہ ہو تو خود کوئی قمری تاریخ متعین کر لیں۔ (احسن الفتاویٰ صفحہ ۲۵۵ جلد۴)

اختتام سال کا اعتبار ہے

مسئلہ:۔ قمری سال کے ختم ہونے پر جس کے پاس جتنا مال ہو اس پر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کا سال زکوٰۃ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے، تو اگلے سال یکم محرم کو اس کے پاس جتنا مال ہوا، اس پر زکوٰۃ ادا کرے، خواہ اس میں کچھ حصہ دو مہینے پہلے ملا ہو یا دو دن پہلے۔ الغرض سال کے دوران جو مال آتا رہے اس پر سال گزرنے کا حساب الگ سے نہیں لگایا جائے گا بلکہ جب اصل نصاب پر سال پورا ہوگا، تو سال کے اختتام پر جس قدر بھی سرمایہ ہو، اس پورے سرمایہ پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی خواہ کچھ حصوں پر سال پورا نہ ہوا ہو۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۲ ج ۳)

زکوٰۃ ادا کرنے پر اگلے سال کا شمار کب سے؟

سوال:۔ گزشتہ سال زکوٰۃ ادا نہیں کی جا سکی دوسرا سال شروع ہو گیا تو نئے سال کا حساب کس طرح کیا جائے؟

جواب:۔ جس تاریخ کو پہلا سال ختم ہوا، اس دن جتنی مالیت تھی، اس پر پہلے سال کی زکوٰۃ

فرض ہوگی۔ اگلے دن سے دوسرا سال شروع سمجھا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۸ ج ۳)

کیا رمضان میں ہی زکوۃ دینا چاہئیے؟

مسئلہ :۔ رمضان شریف کے علاوہ اور مہینوں اور دنوں میں زکوۃ دینا رسے ہے، رمضان شریف کی اس میں کچھ تخصیص نہیں، بلکہ جس وقت بھی مال پر سال پورا ہوا سی وقت زکوہ دینا بہتر ہے۔

البتہ جن کا سال زکوۃ رمضان المبارک میں پورا ہو وہ رمضان میں زکوۃ دیدے، یہ ضرور ہے کہ رمضان المبارک میں زکوۃ دینے سے ثواب ستر گناہ زیادہ ہوتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۰ ج ۶)

مسئلہ :۔ ادائے زکوۃ کے لیے شرعاً کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں، البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کو اس میں دخل ضرور ہے، یعنی فی نفسہ متبرک ہے جیسے رمضان المبارک کہ اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینہ میں ادائے زکوۃ واجب ہے اس مہینہ میں ادا کرے اور پھر اس مہینہ کو مقرر کر لے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷ ج ۶ بحوالہ شامی ص ۱۵ ج ۲)

زکوۃ کو رمضان المبارک تک روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوۃ کے ادا کرنے میں ایک مثال حساب کے غلط ہونے کی بہت باریک ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر ہے، اس لیے رمضان المبارک میں زکوۃ نکالتے ہیں اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہیں۔ پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونے کی تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان سے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہو گیا تھا تو اس شخص نے رمضان المبارک سے حساب رکھنے کے لیے تین چار ماہ کی زکوۃ بھی دی۔ پھر آئندہ کے لیے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہر رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے، تو یہ رمضان

میں زکوٰۃ ادا کر کے اپنے کو جلدی سبکدوش سمجھ لیتا ہے مگر غلطی اس میں یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان میں یہ شخص زکوٰۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف میں اس کی ملکیت میں ہے یہ اسی کی زکوٰۃ نکالتا ہے، حالانکہ احتمال ہے کہ جو ختم سال اس کا واقعی ہے اس میں نصاب اس وقت سے زیادہ ہو اور زکوٰۃ واقع میں اسی زیادہ حساب سے واجب ہوگی تو اس طور پر حساب سے کچھ زیادہ زکوٰۃ اس کے ذمہ رہ جائے گی۔ اور اس طرح سے یہ حساب غلط ہو جائے گا مثلاً اس کا سال رجب میں ختم ہوتا ہے اور اس وقت اس کے پاس ایک ہزار روپے تھا، جس کی زکوٰۃ پچیس روپے ہوتی ہے اور رمضان شریف میں اس کے پاس آٹھ سو روپے رہ گئے جس کی زکوٰۃ بیس روپے ہوتی ہے تو اب اگر اس شخص نے اسی وقت کا نصاب دیکھ کر بیس روپے ادا کیے تو پانچ روپے اس کے ذمہ رہ گئے، اسی طرح اگر اس کا سال ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے اور رمضان میں اس کے پاس آٹھ سو روپے تھے مگر ذی الحجہ میں ہزار ہو گئے تب بھی بعینہ یہی غلطی ہوئی، اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہے۔

سو فرض کیجیے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال پر تو ہزار روپے ہوتے ہیں اور رمضان میں آٹھ سو روپے تو پانچ روپے سال مین جمع ہو کر پانچ سال میں پچیس روپے اس کے ذمے واجب الاداء رہے، تو یہ ایسا ہو گیا جیسے پانچ سال میں چار سال کی زکوٰۃ دی اور ایک سال میں نہ دی، اس لیے یہ ضرور ہے کہ ختم سال پر نصاب کو ضرور دیکھا جائے اور اس کی زکوٰۃ کی مقدار کو یاد رکھے، پھر اگر سال رمضان سے پہلے ختم ہوا ہے تو رمضان شریف میں اس مقدار کی برابر خیال کر کے زکوٰۃ دے اور اگر رمضان کے بعد سال ختم ہوتا ہے تو رمضان میں جتنا انداز سے دیا ہے اس کو یاد رکھیں پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوٰۃ کی ہے اس ادا کی ہوئی کو اس سے ملا دے، اگر کچھ ادا کرنے سے رہ گیا ہو تو پورا کرے اور اگر زیادہ دے دیا ہو تو اگلے سال میں لگا لینا جائز ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۳۴ تا ص ۳۶)

زکوٰۃ کا نصاب قدیم وجدید کا اوزان سے

مسئلہ:۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی بقدر ساڑھے باون تولہ ہے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور اگر زیور دونوں طرح کا ہو تو سونے کی قیمت کر کے چاندی میں

شامل کرکے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ دینا واجب ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۳ ج ۶ بحوالہ ہدیہ باب زکوٰۃ المال ص ۱۷۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ سونے کا نصاب ساڑھے باون تولہ سونا اور موجودہ اوزان سے ستاسی گرام، چار سو اناسی ملی گرام (۸۷ گرام ۴۷۹ گرام) اس شخص کے لیے جس کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو، اسی طرح چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ اور موجودہ اوزان سے چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا، مال تجارت اور نقدی (یعنی کیش) بالکل نہ ہو، اگر سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرا مال زکوٰۃ بھی ہے تو سب کی قیمت لگائی جائے گی، اگر سب کی مالیت ستاسی ۸۷ گرام چار سو اُناسی ۴۷۹ ملی گرام سونے یا چھ سو بارہ ۶۱۲ ملی گرام پینتیس گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔

خلاصۂ نصاب

زکوٰۃ کے نصاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سونا ساڑھے سات تولہ ستاسی گرام چار اُناسی ملی گرام یا چاندی ساڑھے باون تولہ، چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام، یا مال تجارت یا نقدی یا ان چارواں چیزوں (سونا، چاندی، مال تجارت، نقدی) میں سے بعض کا مجموعہ سونے یا چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر ہو. (احسن الفتاویٰ ص ۲۵۴ ج ۴۔ وقفہ الزکوٰۃ ص ۲۰۱ ج ۱)

زکوٰۃ کا نصاب کونسا معتبر ہے؟

مسئلہ:۔ نصاب چاندی (جس مقدار پر زکوٰۃ ہے) ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) ہوتا ہے، کیونکہ شریعت میں دراہم کے اندر وزن سبعہ معتبر ہے اور اس کی تصریح فقہاء کی کتابوں میں ہے اور وزن سبعہ یہ ہے، کہ دس درہم برابر سات مثقال کے ہوں، اس حساب سے دو سو درہم برابر ایک سو چالیس ۱۴۰ مثقال کے ہوگئے اور مثقال وزن مشہور ساڑھے چار ماشہ ہے۔

چنانچہ اس کی تصریح بہت جگہ موجود ہے اور علمائے کبار نے اس کو اختیار کیا ہے۔ پس

دوسودرہم برابرچھسوتیس ۶۳۰ ماشہ کے ہوئے اوراس کوبارہ میں تقسیم کرنے سے ساڑھے باون تولہ خارج قسمت نکلا، یہی نصاب فقہ ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۹۷ج۶ بحوالہ ردالمختارص ۳۸ ج ۲)

نصاب کے کیامعنیٰ ہیں؟

نصاب مال کی وہ خاص مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔مثلاً اُونٹ کے لئے پانچ اور پچیس وغیرہ کے اعداد بکری کیلئے چالیس اور ایک سواکیس وغیرہ کا عدد، اور چاندی کیلئے دوسودرہم اور سونے کیلئے بیس مثقال۔(عالمگیری ص ۷ ج ۴)

چاندی کے نصاب کومعیار بنانے کی وجہ

سوال۔عام طور پر زکوٰۃ کے لیے شرط نصاب جو سننے میں آتا ہے وہ ہے ساڑھے باون تولہ چاندی یاساڑھے سات تولہ سونایاان کی مالیت معلوم یہ کرنا ہے کہ ایک شخص کے پاس سونا ہے نہ چاندی بلکہ پانچ ہزارروپے نقد ہیں۔اسے کس نصاب پرعمل کرنا چاہئے سونے پریاچاندی پر؟

جواب۔ آپ کے سوال کے سلسلہ میں چند باتیں سمجھ لیناضروری ہیں۔اول کس مال میں کتنی مقدارواجب الاداء ہے؟ کس مال میں کتنے نصاب پرزکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ یہ بات محض عقل وقیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لیے ہمیں آنحضرتؐ کے ارشادات کی طرف رجوع کرناضروری ہے۔پس آنحضرت نے جس مال کاجونصاب مقررفرمایاہے۔اس کوقائم رکھناضروری ہے۔اوراس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں، ٹھیک اسی طرح کہ جس طرح نماز کی رکعت میں ردوبدل کی گنجائش نہیں۔

دوم یہ کہ انخضرتؐ نے چاندی کا نصاب دوسودرہم (یعنی ساڑھے باون تولے تقریباًچھ سوبارہ گرام پینتیس ملی گرام۔اورسونے کا نصاب مثقال (ساڑھے سات تولے یعنی تقریباًچارسواناسی گرام ۷۸ ملی گرام مقررفرمایا۔اب خواہ سونے چاندی کی قیمتوں کے درمیان تناسب جوآپؐ کے زمانے میں تھا قائم رہے یانہ رہے سونے چاندی کے ان نصابوں میں تبدیلی کرنے کاہمیں حق نہیں۔جس طرح فجر کی نماز میں دو کے بجائے چاررکعتیں اور مغرب کی نماز میں تین کے بجائے دویاچاررکعتیں پڑھنے کاکوئی اختیارنہیں۔

سوم:۔ جس کے پاس نقد روپیہ پیسہ یا مال تجارت ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے سونے چاندی میں سے کسی ایک نصاب کو معیار بنانا ہوگا۔ رہا یہ کہ چاندی کے نصاب کو معیار بنا یا جائے یا سونے کے نصاب کو؟ اس کے لیے فقہائے اُمت نے جو در حقیقت حکمائے اُمت ہیں فیصلہ دیا ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ بھی نصاب پورا ہو جائے اسی کو معیار بنایا جائے گا۔ مثلاً چاندی کی قیمت سے نصاب پورا ہوتا ہے (اور یہ ہی آپ کے سوال کا بنیادی نکتہ ہے) تو چاندی کی قیمت سے حساب لگایا جائے گا۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ زکوٰۃ فقراء کے نفع کے لیے ہے اور اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے دوسرے یہ کہ اس میں احتیاط بھی زیادہ ہے کہ جب کہ نقدی (کیش) چاندی کے نصاب کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے سونے کے ساتھ نصاب پورا نہیں ہوتا تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہوگا کہ جس نصاب کے ساتھ (سونے یا چاندی کے) پورا ہو جاتا ہے۔ اسی کا اعتبار کیا جائے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۵۶ ج ۳)

جب یہ پتہ نہ ہو کہ کب سے صاحب نصاب ہوا ہے؟

مسئلہ:۔ گمان غالب کے موافق جس وقت سے وہ نصاب والا ہو گیا ہے اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دی جائے اور گمان غالب سے سوچ لیا جائے یا قرائن سے اندازہ لگایا جائے اور احتیاطاً کچھ زیادہ ہی مدت لگائی جائے۔ مثلاً اگر ڈھائی سال کا گمان ہو تو تین سال کی زکوٰۃ دی جائے علیٰ ہذا القیاس کچھ زیادہ ہو جائے تو بہتر ہے، ثواب زیادہ ہے، اور کم ہونے کی صورت میں عتاب کا خوف ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۴۴ ج ۶ بحوالہ درمختار کتب الزکوٰۃ ص ۶ ج ۲)

زکوٰۃ غفلت کی وجہ سے نہ دی تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی صاحب نصاب ایک سال زکوٰۃ دینے سے غفلت کی وجہ سے قاصر رہا تو دوسرے سال اسکو موجودہ اور پچھلے سال کی زکوٰۃ دینی چاہیئے اور حساب یہ ہے کہ پچھلے سال کے ختم پر جس قدر مال روپیہ وغیرہ ہو، اسکی زکوٰۃ دے دے۔ اور اس سال جس قدر روپیہ

وغیرہ ہے اسکی زکوٰۃ دیدے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۵ ج ۶ بحوالہ درمختار ص ۹ ج ۲)

صاحب نصاب کو جو مال دوران سال حاصل ہوا

سوال:۔ میرے پاس سال بھر سے کچھ رقم تھی جو خرچ ہوتی رہی شوال کے مہینے سے ماہِ رجب تک میرے پاس دس ہزار روپے بچے اور رجب میں ہی ۳۵ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی کیا رمضان المبارک میں صرف دس ہزار کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا ۳۵ ہزار بھی اس میں شامل کیے جائیں گے؟ جبکہ ۳۵ ہزار کو صرف تین ماہ گزرے ہیں؟

جواب:۔ جو آدمی ایک نصاب کا مالک ہو جائے تو جب اس نصاب پر ایک سال گزرے تو سال کے دوران حاصل ہونے والے کل سرمایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہر رقم پر الگ الگ سال گزرنا شرط نہیں، اس لیے رمضان المبارک میں آپ پر کل رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی جو اس وقت آپ کے پاس ہو۔ (آپ کے مسائل ص ۳۵۶ ج ۳۔ علم الفقہ ص ۳۰ ج ۴)

زکوٰۃ کا نصاب نقد میں کتنا ہے؟

سوال:۔ کسی شخص کے پاس سونے و چاندی کا مقرر کردہ نصاب نہیں ہے تو فی زمانا کتنے روپے نقد ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی؟

جواب:۔ جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے، اتنے روپے کے مالک کو صاحب نصاب (نصاب والا شخص) قرار دیا جائے گا۔ اور زکوٰۃ مال کا چالیسواں حصہ نکالنا ہوگی۔ (بہشتی زیور ص ۲۳ ج ۳ بحوالہ درمختار ص ۱۳۴ ج ۱ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۱۳ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰ ج ۳)

نقد کے ساتھ نصاب سے کم سونے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے پاس اڑسٹھ ہزار ۶۸ ہزار روپے اور چھ تولہ سونا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ دی جائے یا صرف نقد روپے کی؟

جواب:۔ اس صورت میں زکوٰۃ سونے پر بھی واجب ہے، سال پورا ہونے کے دن جو قیمت ہو اس کے حساب سے چھ تولے سونے کی مالیت کو بھی رقم میں شامل کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۵۶ ج ۳)

نصاب سے کم سونے کا حکم

مسئلہ :۔اگرکسی کے پاس صرف (نصاب سے کم سونا ہو،اس کے ساتھ چاندی یانقدروپیہ (کیش)اور دیگر قابل زکوٰۃ چیزیں نہ ہو،تو ساڑھے سات تولہ (۸۷گرام ۴۷۹ ملی گرام) سے کم سونے پرزکوٰۃ نہیں ہے۔(آپ کے مسائل ص ۳۵۹ ج ۳)

نصاب سے کم سونے وچاندی کا حکم

سوال :۔ایک عورت کے پاس کچھ زیور چاندی کا ہے اور کچھ سونے کا مگر دونوں نصاب سے کم ہیں توزکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔اس صورت میں قیمت کا حساب لگا کرزکوٰۃ واجب ہوگی ۔مثلاً سونے کو،چاندی کی قیمت میں کر کے کل مجموعہ کو دیکھا جائے گا۔اگر نصاب چاندی کا پورا ہو گیا تو زکوٰۃ لازم ہوگی ۔(فتاویٰ دارلعلوم ص۱۲۳ ج ۶ بحوالہ بحرالرائق ص ۲۳۰ ج ۲)

(یعنی سونے کی قیمت کودیکھا جائے گا کہ اس قیمت سے کیاباوٴن تولہ چاندی آسکتی ہے اگرآجائے توزکوٰۃ واجب ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

قیمت بڑھ کرنصاب کوپہنچ جانے کا حکم

مسئلہ :۔اگرکسی شخص کے پاس کوئی تجارتی مال ہومگراس کی قیمت نصاب سے کم ہوتو پھر چند روز کے بعداس چیز کے گراں (مہنگی)ہو جانے کے سبب اس کی قیمت بڑھ کر بقدرنصاب ہوجائےتو جس وقت سے قیمت بڑھی ہے اسی وقت سے اس کے سال کی ابتدء سمجھی جائے گی۔

مسئلہ :۔ ہر چیز کا نفع جوسال کے اندر حاصل ہوا ہو،اس کی اصل کے ساتھ ملالیا جائے گا اوراخیر سال میں جب اس کی اصل کی زکوٰۃ دی جائے گی تو اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی،گو اس پرسال پورانہیں گزرا۔(علم الفقہ ص ۳۰ ج ۴)

دونصابوں کا حکم

اگرکسی کے پاس ایک مال کے دونصاب ایسے ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملایا

نہیں جا سکتا مثلاً زکوٰۃ دیئے ہوئے جانوروں کی قیمت کا کچھ روپیہ اس کے علاوہ ہو، پھر اس کو کہیں سے کچھ روپیہ اور مل جائے تو یہ روپیہ کے ساتھ ملا لیا جائے گا جس کا سال ختم ہوتا ہو ،یعنی اگر بکریوں کی قیمت کے روپے کا سال پہلے ختم ہوتا ہو،تو یہ روپیہ اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔اور اگر دوسرے روپے کا سال پہلے ختم ہوتا ہو،تو یہ روپیہ اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔(علم الفقہ ص ۱۳۱ ج ۳)

صاحب نصاب کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ لینا

مسئلہ:۔ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے مگر وہ ادا نہیں کرتا،تو کسی محتاج کو یہ اجازت نہیں کہ بغیر اس صاحب مال کی اطلاع کے اس کے مال میں سے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم لے لے۔اگر کسی ضرورت مند اور محتاج نے (یہ حرکت کی اور اس طرح) مال لے لیا،تو مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال واپس لے لے،اگر فی الوقت اس محتاج کے پاس موجود ہے،اور اگر موجود نہیں، ختم ہو گیا تو وہ فقیر (زبردستی یا بغیر اجازت لینے والا) اس کا ضامن ہوگا۔

(فتاوی عالمگیری ص ۲۸ ج ۴)

صاحب نصاب سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا؟

مسئلہ:۔زکوٰۃ اور چرم قربانی وصدقہ فطر کا روپیہ برادری کے چودھر (بڑے افراد) اگر جبراً اصول کریں تو یہ جائز نہیں ہے (فتاوی دارالعلوم ص ۲۸۶ ج ۲ بحوالہ درمختار ص ۴۶ ج ۲ فتاوی محمودیہ ص ۱۴۵ ج ۱۱)

(بعض جگہ یہ دستور اور آپسی قانون پنچایت کا ہے کمیٹی والے یا گاؤں کا چودھری و پردھان وغیرہ زکوٰۃ وغیرہ صاحب نصاب سے زبردستی وصول کر کے تقسیم کرتے ہیں جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں نیت شرط ہے وہ یہاں پائی نہیں جائی گی .محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

ضرورتِ اصلیہ کی ہے؟

مسئلہ:۔جو مال آدمی کے پاس موجود ہو وہ اس کی حاجت اصلی ہے یعنی اسکی بنیادی ضروریات زندگی کے علاوہ ہو،جیسے رہائشی مکانات،بدن کے کپڑے،گھریلو سامان،سواری، کے جانور (یا مشین موٹر سائیکل کار وغیرہ) خدمت گار غلام اور استعمال ہتھیاروں پر زکوٰۃ

واجب نہ ہوگی۔ایسے ہی خوردنی اشیاء پراور آرائشی ظروف پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بشرطیکہ وہ سونے چاندی کے نہ ہوں، ایسے ہی جواہرات، موتی یاقوت اور زمرد وغیرہ اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔اسی طرح اگر اخراجات کے لیے کچھ سکے خریدے تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔اسی طرح اہل علم کی کتابوں پر (جو ذاتی مطالعہ واستفادہ کے لیے ہوں) اور پیشہ وروں کے آلات کاریگری پر زکوٰۃ واجب نہیں۔(یہ سب ضرورت اصلیہ میں داخل ہوں گی)۔فتاویٰ عالمگیری اُردو ص ۷ ج ۲ علم الفقہ ص ۱۴ ج ۴)

کیا اولاد کا نکاح حوائج اصلیہ میں داخل ہے؟

مسئلہ:۔حامداً ومصلیاً۔اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں، بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد (لڑکوں) پر خود ہے اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا ظاہر ہے۔

اولاد کا نکاح حوائج اصلیہ میں داخل نہیں، صرف عدم بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ (ضروری خرچہ) واجب ہوتا، ہے، وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں اتنا نہ ہو کہ جس کے ذریعے سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۹۳ ج ۳ بحوالہ زیلعی ص ۶۲ ج ۳)

مسئلہ:۔اولاد نابالغ یا بالغ معذورین کا نفقہ (ضروری خرچہ) تو باپ کے ذمہ ہے اس لیے محض نفقہ حوائج اصلیہ میں داخل ہے لیکن ان کی شادیوں کے رسمی اخراجات کا تصور حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور نہ وہ مانع وجوب زکوٰۃ ہے۔(کفالت المفتی ص ۱۴۴ ج ۴)

زکوٰۃ کن چیزوں پر ہے؟

سوال:۔زکوٰۃ کس کس چیز پر فرض ہے؟

جواب:۔زکوٰۃ مندرجہ ذیل چیزوں پر فرض ہے:۔

(۱) سونا۔جب کہ ساڑھے سات تولہ (۷۹۴ ملی گرام، ۸۷ گرام) یا اس سے زیادہ ہو۔

(۲) چاندی جب کہ ساڑھے باون تولہ (۳۵ ملی گرام، ۶۱۲ گرام) یا اس سے زیادہ ہو۔

(۳) روپیہ، پیسہ اور مال تجارت، جب کہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولہ (۶۱۲،۳۵ گرام) کے برابر ہو۔

نوٹ:۔ اگر کس کے پاس تھوڑا سا سونا ہے، کچھ چاندی ہے، کچھ نقد روپے ہیں، کچھ مال تجارت ہے، اور ان کی مجموعی مالیت ساڑھے باوٗن تولہ (۶۱۲،۳۵ گرام) چاندی کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح اگر کچھ سونا ہے، کچھ چاندی ہے کچھ نقد روپیہ ہے یا کچھ چاندی کچھ مال تجارت ہے تب بھی ان کو ملا کر دیکھا جائے گا کہ ساڑھے باوٗن تولہ چاندی کی مالیت بنتی ہے یا نہیں؟ اگر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہ ورنہ نہیں العرض سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت مین سے دو چیزوں کی مالیت جب چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴) ان چیزوں کے علاوہ چرنے والے مویشیوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اور بھیڑ بکری، گائے، بھینس اور اُونٹ کے الگ الگ نصاب ہیں۔

(۵) عشری زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰہ فرض ہے جس کو عشر کہا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۵۴ ج ۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۷ ج ۴ و کتاب الفقہ ص ۹۶۸ ج ا و علم الفقہ ص ۲۲ ج ۴)

کیا زکوٰۃ ہر سال ہے؟

مسئلہ:۔ جس روپیہ اور زیور پر ایک سال زکوٰۃ دی جائے گی، جب دوسرا سال پورا ہوگا پھر زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ ہر سال زکوٰۃ واجب الاداء ہوتی ہے، خواہ اس روپے سے کچھ نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۳ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ کفایت المفتی ص ۱۴۴ ج ۴)

زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جب مال پر پورا سال گزرا جائے تو فوراً ادا کر دیا جائے نیک کام میں دیر لگانا اچھا نہیں کہ شاید اچانک موت آجائے اور یہ مواخذہ اپنی گردن پر رہ جائے۔ اور اگر سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا نہیں کی، یہاں تک کہ دوسرا سال بھی گزر گیا تو گناہ ہوا، اب توبہ کر کے دونوں سالوں کی زکوٰۃ دے دے باقی نہ رکھے۔

غرض اپنی زندگی میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ جوادا نہیں کی تھی وہ ضرور ادا کرے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۲ ۳ ج ۲ بحوالہ فتح القدیر ص ۴۸۲ ج ا وامداد مسائل الزکوٰۃ ص اے و در مختار ۱۳۰ ج ا)

زکوٰۃ میں نیت کا حکم

نیت بہر حال ضروری ہے، نیت ہی کے تحت فعل کے اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں اسلئے جب زکوٰۃ ادا کی جائے اسی وقت نیت ضروری ہے یا اپنے مال سے واجب شدہ مقدار کو علٰیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کہ کی نیت ہونی چاہیے اگر ایسی صورت ہوئی کی زکوٰۃ کی نیت تو فی نفسہ کر لی مگر اس وقت اس غرض سے کوئی رقم اپنے سرمائے سے علٰیحدہ نہیں کی بلکہ آخیر سال تک بتدریج کچھ نہ کچھ زکوٰۃ دیتا رہا اور اس پوری مدت میں کسی وقت بھی زکوٰۃ کی نیت مال نکالتے اور ادا کرتے وقت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ہاں اگر اس طرح زکوٰۃ کا مال دینے کے دوران اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا دے رہے ہو تو وہ بلا تامل جواب دے کہ زکوٰۃ ہے تو اس کو نیت کہا جائے گا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر یہ کہا کہ اخیر سال تک جو کچھ صدقہ کروں گا، وہ سب زکوٰۃ کی نیت سے ادا ہو گا تو یہ جائز نہیں۔ (سراجیہ)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو اس کو رقم دیتے وقت نیت کر لینی کافی ہے۔ اگر وکیل بناتے وقت نیت نہں کی، البتہ زکوٰۃ کی رقم وکیل کو دیتے وقت نیت کر لی تو یہ صورت بھی درست ہے۔ (جوہرہ نیرّہ)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں مؤکل کی نیت معتبر ہوتی ہے نہ کہ وکیل کی۔ (معراج الدرایہ)

مسئلہ:۔ کسی ذمی کو زکوٰۃ کی تقسیم کی ذمہ داری سُپرد کی جاسکتی ہے اس لیے کہ جس نے زکوٰۃ دی ہے اس کی نیت کافی ہے۔ (محیط السرخسی)

مسئلہ:۔ وکیل کو رقم دینے کے بعد مؤکل کی نیت بدل گئی ہے جبکہ وکیل نے زکوٰۃ تقسیم نہ کی ہو، اب یہ رقم بعد والی نیت کے تحت ادا ہو گی جبکہ وکیل کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کچھ رقم دی، مگر روپیہ تقسیم کرنے سے قبل مؤکل نے یہ رقم اپنی نذر (منت) میں دینے کی نیت کر لی تو اب یہ رقم نذر کی شمار ہو گی۔ (سراج الوہاج)

مسئلہ:۔ اگر کسی نادار شخص کی امانت کسی صاحب امانت کے پاس ضائع ہو جائے اور رفع

نزاع کی خاطر وہ اس امانت کے بقدر رقم زکوٰۃ کی نیت سے اس شخص کو ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

مسئلہ:۔ کسی محتاج کو نیت کے بغیر کچھ رقم دی اور پھر اس نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو یہ نیت اس وقت صحیح ہوگی جب کہ نیت کے وقت تک اس محتاج شخصنے وہ رقم خرچ نہ کی ہو، اگر خرچ کرلی تو اب زکوٰۃ کی نیت درست نہیں، (اگر زکوٰۃ کی نیت کربھی لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی)۔

(معراج الدرایہ، بحرائق عینی، ھدایہ فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی جانب سے خود ہی اسی کے مال سے اس کی زکوٰۃ ادا کردی، پھر اس شخص نے اس کی اجازت دے دی تو اس وقت تک اگر دی ہوئی رقم اس مستحق کے پاس موجود ہے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، ورنہ ادا نہ ہوگی۔ (سراجیہ)

مسئلہ:۔ جس نے اپنا سارا مال خیرات کردیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسان اس کے ذمے سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، یعنی قیاس کا تقاضہ تو یہ ہی تھا کہ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو، مگر چونکہ اب اس کے پاس کوئی مالیت باقی نہ رہی اس لیے اس صورت کے تحت زکوٰۃ اس کے ذمے سے ساقط ہوجائے گی۔ (عالمگیری ص ۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی مقدار کو باقی مال سے جدا کرتے وقت کی نیت بھی کافی ہے اگرچہ یہ خلاف اصول ہے، کیونکہ مستحقین کو دیتے وقت نیت علیٰحدہ علیٰحدہ ہوگی اور ہر مرتبہ نیت کرنے میں دشواری ہوگی، اس لیے زکوٰۃ کی رقم علیٰحدہ کرتے وقت کی نیت کافی ہوگی۔ لیکن محض جدا کرنے سے عہدہ برا نہیں ہوگا، بلکہ فقراء کو دے کر عہدہ برا ہوگا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۳۳۱ ج ۱)

بلانیت زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جو رقم بلانیت زکوٰۃ خیرات کی گئی وہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگی اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۶ ج ۶) و درمختار ص ۱۳۰ ج ۱) (اور اگر کسی نے سارا مال ہی خیرات کردیا تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، کیونکہ مال ہی ختم ہوگیا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

☆

کیا گھر والے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم دے سکتے ہیں

سوال:۔ جس شخص کو زکوٰۃ دینی ہو، اگر اس کے گھر کے افراد زکوٰۃ کی نیت سے کسی کو کچھ دیدیں اور مالک کو اطلاع کردیں تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر مالک (صاحب نصاب) نے پہلے سے اپنے گھر کے آدمیوں کو اجازت دے رکھی ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کی، تب تو جس وقت اسکے گھر کے افراد نے بہ نیت زکوٰۃ کسی کو کچھ دیا زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر مالک کی اجازت دینے تک اگر وہ روپیہ زکوٰۃ کا اسکے پاس موجود ہے۔ جسکو دیا گیا تو نیت زکوٰۃ صحیح ہوگی اور زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور اگر خرچ ہوگیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۱ ج ٦ بحوالہ ردالمختار ص ۱۴ ج ۲)

کیا زکوٰۃ وصدقہ کا ثواب سب گھر والوں کو ملے گا؟

سوال:۔ اگر کسی گھر میں نو یا دس افراد ہیں اور ایک شخص کا اختیار تمام چیزوں پر ہے اور مختار سب کی خوشی سے بنایا گیا ہے، اگر صدقہ دے گا تو اسی کو ثواب ملے گا یا سب گھر والوں کو؟

جواب:۔ جب صدقہ وخیرات سب کے مال مشترکہ سے ان کی اجازت سے ہے تو سب کو ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۴۰ ج ٦)

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ ادا کی جائے اور کسی شرعی وجہ سے وہ ادا نہ ہو تو ثواب ملے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (القرآن)۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۳ ج ٦)

زکوٰۃ ادا کیے بغیر مرجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ ایک صاحب نصاب کے ذمہ مال کی زکوٰۃ واجب الادا تھی، مگر وہ زکوٰۃ ادا کیے بغیر ایک نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہوگیا، تو کیا بیوی اس مال میں سے زکوٰۃ نکالے؟

جواب:۔ بغیر وصیت کے مرنے والے کے مال متروکہ مشترکہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ وارث نابالغ لڑکا بھی ہے اس کے حصہ میں بلا وصیت کے یہ تصرف نہیں کرسکتا۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۰ ج ٦ بحوالہ ردالمختار ص ۹۸ ج ۲ باب صدقۃ الفطر)

مرحوم شوہر کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ مرحوم شوہر کی زکوٰۃ بیوہ کے ذمہ فرض نہیں ہے، اس کے مرحوم شوہر کے ذمہ ہے وہی گناہ گار ہوگا اس کی طرف سے اگر وارث ادا کر دیں تو اچھا ہے۔
(آپ کے مسائل ص ۲۴۷ ج ۳ و فقہ الزکوٰۃ ص ۳۸۰ ج ۲)

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد انتقال ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ :۔ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد مر جائے تو اسکے مال کی زکوٰۃ نہ لی جائے گی، ہاں اگر وہ وصیت کر گیا ہو تو اسکا تہائی مال زکوٰۃ میں لے لیا جائے گا۔ گو یہ تہائی پوری زکوٰۃ کو کفایت نہ کرے اور اگر اس کے وارث تہائی سے زیادہ دینے پر تیار ہوں تو جس قدر وہ اپنی خوشی سے دے دیں لے لیا جائے گا۔ (علم الفقہ ص ۳۱ ج ۴)

زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے فوت ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال :۔ زکوٰۃ کی نیت سے زکوٰۃ کی رقم الگ کر لی یا وکیل کو دے دی۔ اس حالت میں ادئیگی سے قبل انتقال ہو گیا تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ اگر میت نے وصیت بھی کی ہو تو یہ رقم زکوٰۃ میں دی جائے گی، بشرطیکہ کل ترکہ کی ایک تہائی سے زائد نہ ہو، اور اگر وصیت نہیں کی ترکہ میں شمار کر کے وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ وکیل مزکی (مرنے والے نے اپنی زکوٰۃ کا وکیل بنایا تھا اختیار دیا تھا) فقیر کے قائم مقام نہیں، اور جس پر کہ زکوٰۃ واجب ہوئی تھی، اس کی موت سے یہ معزول ہو گیا ہے، اس لیے اس کو یہ رقم زکوٰۃ میں صرف کرنے کا اختیار نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۵ ج ۴)

کیا میّت کے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی؟

مسئلہ :۔ میّت کے مال سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ کے لیے نیت شرط ہے، وہ اس صورت میں پائی نہیں گئی، اور اگر مرنے والے نے زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت کی تھی تو زکوٰۃ کا اس کے تہائی مال سے لینا معتبر ہوگا، کل مال سے لینا معتبر نہیں ہے، کیونکہ

وصیت تہائی مال میں جاری ہوتی ہے، البتہ اگر ورثاء کل مال سے دینا چاہیں تو کل مال سے لینا درست ہوگا۔ (درمختار ص ۴۹ ج ۲ و عالمگیری ص ۴۶ ج ۴)

کیا کاغذ کے نوٹ مال کے حکم میں ہیں؟

سونے اور چاندی کو خصوصیت قانون شرعی میں اس لیے دی گئی ہے کہ پوری دنیا میں وہی معیار زر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں کھایا نہیں جاسکتا۔ اور اوڑھا نہیں جاسکتا، بچھایا نہیں جاسکتا، ان کی اہمیت فقط یہ ہے کہ ان کے بدلے دوسری ضروریات حاصل کی جاسکتی ہے، ایک گرام سونا دے کر آپ اپنی ضروریات زندگی فراہم کرسکتے ہیں اور یہ کاغذ کا نوٹ ہی دے کر آپ چاندی اور سونا بھی خرید سکتے ہیں۔ لہذا اس کاغذ کے نوٹ کی قانونی حیثیت جو بھی ہو، وہ مسلمہ طور پر مال اور دولت ہے محض ظاہر شکل و ہیت نے اس کی افادیت میں کوئی فرق واقع نہیں کیا۔ قرآن شریف میں دسیوں جگہ پر اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) ﴿واللّٰہ یرزُقُ مَن یَّشاءُ بِغَیرِ حِسَابٍ﴾ اللہ جسے چاہیے بے حساب رزق دیتا ہے

(۲) ﴿یرزُقُکُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ﴾ وہ تمھیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے

ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ ایسی تمام آیات میں رزق سے مراد محض پکا ہوا کھانا، یا اناج (جنس) یا چاندی سونا یا جائیداد نہیں بلکہ وہ چیز ہے جسے محاورے میں ''مال و منال'' کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کے پاس سونا چاندی نہ ہو مگر ایک کروڑ روپے کاغذی نوٹوں کی شکل میں جمع ہوں تو اسے مفلس و غریب نہیں بلکہ مالدار کہیں گے، ان نوٹوں پر ''رزق'' کا اطلاق ہوگا کیونکہ یہ کاغذ کی بے فائدہ رسیدیں نہیں بلکہ اپنی پشت پر حکومت وقت کی ضمانت لیے ہوئے سکے ہیں جن سے ہر چیز پلک جھپتے ہی خریدی جاسکتی ہے اور آج تو عرف عام میں سونا چاندی بھی ان کی کنیز و غلام ہیں۔ کیونکہ زندگی گزارنے کا ہر سامان یہ چٹکی بجاتے ہی مہیا کرسکتے ہیں۔

مزید دیکھئے گا سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے۔

﴿الذین ینفقون اموالھم باللیل و النھار سرًّا وَّ عَلانیة....الخ﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال دن رات، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے اللہ کے پاس ان کا اجر ہے۔ (پار ۳ سورہ بقرہ)

کیا آدمی دن رات غرباء کو سونا چاندی بانٹے گا؟ کیا اس آیت میں مال کا اطلاق سوائے ان سکّوں کے بھی کسی اور چیز پر ہوتا ہے جن سے ہر چیز خریدی جاتی ہے۔

قرآن بار بار لفظ ''اموال'' بھی استعمال کرتا ہے، اموال مال ہی کی جمع ہے۔ مال ہر وہ شے ہے جس کے بدلے آپ کوئی ضرورت زندگی حاصل کر سکیں اس کاغذ کے نوٹ سے بڑھ کر مال اور کیا ہوگا جسے کسی بھی ملک میں اس سرے سے لے کر اُس سرے تک ہر فرد بلا تامل قبول کر کے بدلے میں مطلوبہ چیز دیتا ہے ہندوستان کا نوٹ پاکستان میں اور پاکستان کا نوٹ امریکہ میں نہ چلے، بغیر تبدیلی کرنسی کے تو اس سے اس کی حیثیت پر کیا اثر پڑا، جو زکوٰۃ کا بنیادی موجب ہے، یعنی اہل حاجت کی حاجت براری آپ یہ کاغذی نوٹ ہندوستان میں بیٹھ کر کسی امریکی غریب کو تو دے نہیں رہے ہیں جو اس کو امریکہ لے جا کر غلّہ وغیرہ خریدنے کی کوشش کرے گا۔ آپ اپنے ہی ملک کے ان غرباء کو دے رہے ہیں جو اسی ملک میں اس سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کریں گے۔ پھر بتائیے کیا وجہ ہو کہ اس کاغذی نوٹ پر زکوٰۃ عائد نہ ہو جو تمام ضروریات کی شاہ کلید ہے۔

(یعنی اس کاغذ کے نوٹ ہی سے تمام چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

سونے و چاندی کی اہمیت کیوں ہے؟

سونا اور چاندی دونوں ایسی قیمتی نادر اور نفیس اشیاء ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں اشیاء کو نوع انسان کے لیے اس قدر مفید بنایا ہے کہ انسانیت کے آغاز آفرینش سے یہ دونوں چیزیں معاشرے میں زر نقد اور قیمتِ اشیاء کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اسی لیے شریعت نے ان دونوں معدنی اشیاء کی فطری طور پر افزئش پذیر دولت (مال نامی یعنی بڑھنے والی) قرار دیا ہے اور ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، خواہ یہ زر نقد کی صورت میں ہوں یا ان کے پرے اور تختیاں ڈھال لی گئی ہوں یا ان کے برتن مجسمے، آرائشی اشیاء اور زیورات وغیرہ بنا لیے گئے ہوں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۳۲۱ ج اول)

انسان جہاں بھی رہا اس نے سونے، چاندی کی دریافت کے بعد انھیں مالی معاملات اور کاروباری لین دین کے لیے معیار اور پیمانہ قرار دیا ہے، دُنیا کی تمام مادی اشیاء

کی قدر و قیمت اسی کے تحت قائم کی جاتی ہے اور تبادلہ اجناس میں بھی اس کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ دین الٰہی نے بھی اپنی تشریح و تفصیل میں انسانی زندگی کے ہر اُتار چڑھاو کو ملحوظ رکھا ہے، چونکہ انسانی آبادیوں میں سونے اور چاندی کو ایک بنیادی پیمانے کی حیثیت دائمی طور پر حاصل ہوگئی ہے، اس لیے اسلام نے بھی اس پیمانے کو برقرار رکھا ہے۔
(عالمگیری ص ۲۰ ج ۴)

سونے چاندی کے نصاب میں اس قدر تفاوت کیوں؟

سوال:۔ زکوٰۃ ان لوگوں پر واجب ہے جنکے پاس ساڑھے باوَن تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا سال بھر تک رہا ہو، سمجھ نہیں آتا کہ ان باون تولہ چاندی کو ساڑھے سات تولہ سونے سے کیا نسبت ہے، مثلاً چاندی کا بھاؤ (ریٹ) اگر روپیہ تولہ ہے تو اسکی قیمت باون روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے اور اگر سونے کا ریٹ تیس روپیہ تولہ ہو تو اس کی قیمت دوسو پچیس روپے ہو جاتے ہیں۔ کیا پہلے زمانہ میں مذکورہ بالا وزن سونے اور چاندی کی قیمت برابر تھی؟
جواب:۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں اور اس کے بعد ایک زمانے تک چاندی اور سونے کی قیمت میں تقریباً اسی قدر تفاوت تھا، جس قدر ان کے نصاب میں ہے۔ اس زمانہ میں ایک دینار سونے کا دس درہم نقرہ (چاندی) کی قیمت کے برابر تھا۔ اس حساب سے سونا تقریباً دس روپے تولہ ہوتا تھا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۰۷ بحوالہ ردالمختار ص ۴۲ ج ۲ باب المال)

سونے و چاندی پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

سوال:۔ یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو تقریباً ختم ہو جائیں گے مثلاً جس روپے سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہے، یا زیور کہ تجارت کے کام ہی کا نہیں تو نشو نما کچھ ہو گا نہیں، اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکالا کرے گا تو یوں ہی فنا (ختم) ہو جائے گا؟
جواب:۔ اس کا یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے۔ اگر خود نہ کر دتو شریعت اس کی ذمہ دار نہیں۔

اسی طرح چاندی، سونا، زیور کے لیے اصل خلقت میں وہ ثمن ہے (یعنی روپیہ سکّہ رائج الوقت) جو تجارت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ سو زیور تم نے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اس کی ذمہ دار نہیں ہے، جب تم چاہو اس سے سکّہ (روپے) بدل کر تجارت کر سکتے ہو اور جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل و متحمل ہو سکتا ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۰ ج)

مسئلہ:۔ شریعت اسلامیہ نے مقدار پر زکوٰۃ فرض کر کے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ اس سرمایہ کو بے کار نہ پڑا رہنے دے بلکہ اسے افزائش بخش کاموں (تجارتوں) میں لگائیں، خود فائدہ اُٹھائے اور معاشرے کو اور سماجی اقتصادیات کو فائدہ پہنچائے۔

(فقہ الزکوٰۃ ص ا ج ا)

مسئلہ:۔ جب تک بقدر نصاب روپیہ (و زیور) موجود ہے تو زکوٰۃ واجب ہونا خلاف عقل نہیں ہے کیونکہ جو شخص مالک نصاب ہے وہ شرعاً اور عرفاً غنی (مالدار) کہلاتا ہے اور مالدار کو محتاجوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے پاس سے کچھ دینا مروّت اور عقل کا مقتضیٰ ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۳ ج ۶)

(اسلام کے اس قانون زکوٰۃ کا منشاء یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ روپے جمع کر کے بے کار نہ رکھ چھوڑیں بلکہ اسے کاروبار میں یا زمین و جائیداد میں لگائیں تاکہ ملک و قوم کو اس سے فائدہ ہو اور زکوٰۃ بار نہ گزرے نقد جمع رکھنے سے ملک اور قوم کا کھلا نقصان ہے، کیونکہ اس روپے میں یا سونے چاندی میں نمو اور بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے، اب کوئی اسے روک کر رکھے خرچ نہ کرے اور جو کام اس سے لینا ہے نہ لے، تو یہ روکنے یعنی جمع کرنے والے کا قصور ہے، زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب زیادتی نہیں، اس مالیت میں خود صلاحیت موجود ہے، (محمد رفعت قاسمی غفرلہ،)

زکوٰۃ کے ڈر سے مسلم کو غیر مسلم لکھوانا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک صاحب نے ایک عورت کو مشورہ دیا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو غیر مسلم لکھوا دیں تو زکوٰۃ نہیں کٹے گی (سرکاری طور پر) کیا ایسا کرنے سے ایمان پر اثر نہیں پڑے گا؟

جواب:۔ کسی شخص کا اپنے آپ کو غیر مسلم لکھوانا کفر ہے۔ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کرنا

ڈبل کفر ہے اور کسی کو کفر کا مشورہ دینا بھی کفر ہے۔ پس جس شخص نے غیر مسلم لکھوانے کا مشورہ دیا اس کو اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنا چاہئے۔ اور اگر بیوہ عورت نے اس کے کفر یہ مشورہ پر عمل کرلیا ہو تو اس کو بھی از سر نو ایمان کی تجدید کرنی چاہئے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۴۳ ج ۳)

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مال کا ہبہ کرنا؟

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنا مال کسی کو ہبہ (بغیر پیسوں کے) کر دے ایک سال کے بعد رجوع کرے یعنی وہ ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے لے تو اس کی زکوٰۃ واہب (ہبہ کرنے والے) پر ہو گی نہ کہ موہب (جس کو دیا) پر۔ اور ہبہ کرنے سے پہلے جتنے زمانہ تک وہ مال واہب کے قبضہ میں رہا تھا وہ زمانہ کالعدم سمجھا جائے گا، اس کا حساب نہ کیا جائے گا، مثلاً کسی نے زکوٰتی مال (جس مال پر زکوٰۃ واجب) ہوئی تھی دس مہینے تک اپنے پاس رکھ کر کسی کو ہبہ کر دیا پھر چند روز کے بعد اس سے واپس لے لیا تو اب وہ زمانہ محسوب کر کے دو مہینے کے بعد اس پر زکوٰۃ دینے کا حکم نہ دیا جائے گا، بلکہ از سر نو پورا سال گزر جائے گا، تب زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

اور اگر کوئی شخص خاص کر زکوٰۃ کے ساقط (ختم) کرنے کی نیت سے یہ حیلہ کرے کہ زکوٰۃ کا سال جب ختم ہونے کے قریب آئے تو وہ مال کسی کو ہبہ کر دے پھر واپس لے لے تو اگر چہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مگر یہ فعل اس کا مکروہ تحریمی ہوگا، کیونکہ اس میں فقیروں کا نقصان اور ان کے حق کا باطل کرنا اور زکوٰۃ کے دروازے کا بند کرنا ہے۔ (علم الفقہ ص ۳۴ ج ۴)

صاحب نصاب دیوالیہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ کسی کے مال پر پورا سال گزر گیا، لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں نکالی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا، یا اور کسی طرح سے جاتا رہا تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی۔ اگر خود اپنا مال کسی کو دے دیا، یا اور کسی طرح اپنے اختیار سے ہلاک کر ڈالا تو جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی تھی وہ معاف نہیں ہوئی، بلکہ دینا پڑے گی۔ (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ ہدایہ ص ۱۷۳ ج ۱)

مسئلہ:۔ سال پورا ہونے کے بعد کسی نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا تب بھی زکوٰۃ معاف ہوگی۔ (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ ہدایہ ۱۶۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس دو سو روپے تھے، ایک سال کے بعد اس میں سے ایک سو روپے چوری ہو گئے یا ایک سو روپے خیرات کر دیئے تو ایک سو روپے باقی ماندہ کی زکوٰۃ دینا پڑے گی اور ایک سو کی زکوٰۃ معاف ہوگی۔ (بہشتی زیور ص ۲۷ ج ۳ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۵۹ ج ۱)

سونے و چاندی کا چالیسواں حصہ اگر پیسوں سے نکالا تو آئندہ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میرے پاس نصاب کا سونا آٹھ تولہ ہے میں نے آٹھ تولے کی زکوٰۃ ادا کی (پیسوں سے) آئندہ سال تک میں نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا اور پچھلے سال کی زکوٰۃ نکال کر یہ سونا نصاب سے کم ہے یعنی موجود تو آٹھ تولے ہی ہے لیکن چونکہ میں آٹھ تولے کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ادا کر چکا ہوں تو وہ چالیسواں حصہ نکال کر پھر حساب نبے گا یا ہر سال آٹھ تولے پر ہی زکوٰۃ دینا ہوگی؟

جواب:۔ پہلے سال آپ کے پاس آٹھ تولہ سونا تھا، آپ نے اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے پیسوں سے ادا کر دی اور وہ سونا جوں کا توں آٹھ تولے محفوظ رہا تو آئندہ سال بھی اس پر زکوٰہ واجب ہوگی۔ ہاں اگر آپ نے سونا ہی زکوٰۃ میں دیدیا اور سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے سے کم ہوگئی ہوتی اور آپ کے پاس کوئی اثاثہ (سامان وغیرہ) بھی نہ ہوتا جس پر زکوٰۃ آتی ہو تو اس صورت میں آپ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۶ ج ۳)

مسئلہ:۔ لیکن سونے کی یہ مقدار تو آپ کے پاس محفوظ ہے اور سال پورا ہونے تک محفوظ رہے گی۔ اس لیے آئندہ سال بھی اس پوری مالیت پر زکوٰۃ لازم ہوگی، البتہ اگر سونے ہی کا کچھ حصہ زکوٰۃ میں ادا کر دیتیں اور باقی ماندہ سونا بقدر نصاب نہ رہتا تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس سونے کے علاوہ تو آپ کے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہے مثلاً نقد روپیہ یا تجارتی مال یا کسی کمپنی کے حصص (شیئرز) وغیرہ پس اگر سونے کے علاوہ کوئی

اور چیز بھی موجود ہو جس پر زکوٰۃ آتی ہے اور وہ سونے کے ساتھ مل کر نصاب کی مقدار کو پہنچ جاتی ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۵ ج ۳)

مسئلہ :۔ جس روپے کی زکوٰۃ ایک سال ادا کردی گئی ہے تو اگر وہ روپے (نصاب کے برابر) آئندہ سال تک محفوظ رہے اور بقدر نصاب ہو تو پھر اس میں آئندہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور جب نصاب سے کم ہو جائے تو زکوٰۃ نہیں ہے (کفایت المفتی ص ۱۵۴ ج ۴)

کیا کاغذ کے نوٹوں پر زکوٰۃ ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں درہم (چاندی کے سکے) کے وہ بنیادی اکائی تھی جس پر سارے لین دین چالو ہوتے تھے اس کے بعد سونے کے دینار (سکے) کو یہ درجہ حاصل تھا لیکن زیادہ تر کاروبار درہموں ہی پر ہوتا تھا اس وقت باہر کی ترقی یافتہ دنیا بھی انہی پیمانوں سے آشنا تھی اس لیے اس وقت شریعت نے مالی اعتبار سے لین دین زکوٰۃ صدقات وخیرات وغیرہ کی جتنی تفصیلات بیان کی ہیں وہ زیادہ تر درہم کو سامنے رکھ کر بیان کی ہیں اس میں وزن کا بھی لحاظ کیا گیا ہے اور درہم کی عددی حیثیت کو بھی زکوٰۃ میں خاص اہمیت حاصل ہے اس وقت دنیا درہم کے چلن سے خالی ہو چکی ہے مگر درہم کی مالیت کا بدلہ رائج الوقت سکوں کو قرار دے کر زکوٰۃ کا تعلق ان سے قائم کر کے کیا جائے گا۔ خواہ کسی جگہ روپے وقت کا سکہ ہو یا شلنگ یا پاونڈ ہو یا ڈالر یا روبل ہو لیرہ یا دینار ہو، دوسو درہم کی مالیت (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کے بقدر موجودہ سکوں کی مالیت قائم کر کے ان سکوں کو درہم کا قائم مقام قرار دیا جائے گا۔ اس طرح ہر ملک میں ہر وقت زکوٰۃ کا یہ نصاب چالو اور نافذ ہو سکتا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ نوٹ (کاغذ کے) جب کہ بقدر نصاب ہو زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ روپے سے ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۳ ج ۶)

مسئلہ:۔ کاغذ کے نوٹوں پر حولانِ حول یعنی سال گزرنے پر زکوٰۃ لازم ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۳ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۳ ج ۲)

مسئلہ :۔ جمہور فقہاء کے نزدیک کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ عام کاروبار

میں سونے چاندی کی جگہ ان سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا لین دین چاندی کے بجائے بغیر کسی دشواری کے ممکن ہے (کتاب الفقہ ص ۹۸۴ ج ا وفقہ الزکوٰۃ ص ۳۶۵ ج ا)

(ہر قانون کے کچھ مصالح اور مفادات ہوا کرتے ہیں زکوٰۃ کی یہ مصلحت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ضرورت سے زیادہ رزق دیا ہے وہ اپنے رزق کا کچھ حصہ ان بندگان خدا کی طرف منتقل کرے جنہیں رزق کم ملا ہے اور مزید رزق کے محتاج ہیں۔

نوٹ کی ٹھیٹ آئینی حیثیت خواہ کچھ ہو دیکھنا یہ ہے کہ اس پر مال و دولت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے سے یہ اصطلاح زبان زد خاص و عام ہے کہ فلاں شخص مالدار ہے اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے یہ شوشہ کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا کہ اس شخص کے پاس لازماً سونا چاندی جمع ہے بلکہ صرف یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ یہ شخص پیسے والا ہے اور اب بھی لکھ پتی کروڑ پتی اسے ہی کہتے ہیں جس کے پاس لاکھ کروڑ روپے جمع ہو اور کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہو خواہ چاندی یا سونے کے سکوں کے شکل میں آج کل تو کم سے کم ہمارے ملک میں چاندی یا سونے کے سکوں کا سوال ہی نہیں ناپید ہیں دولت یا تو جائیداد کی شکل میں ہوتی ہے یا کاغذی نوٹوں کی شکل میں یہ کاغذ کا نوٹ ہی وہ چیز ہے جس سے آپ بازار کی ہر چیز خریدتے ہیں خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان یہ بحث نہیں اُٹھتی کی یہ اصل دولت ہے یا اس کی رسید، سونے یا چاندی سے بڑھ کر ان کاغذوں میں تاثیر ہے کہ مثلاً ایک ماشہ چاندی یا سونا لے آپ سبزی فروش کی دوکان پر چلے جائیں کہ لا دو کلو گوبھی اور ایک کلو آلو دے دو اور باقی پیسے لوٹا دو تو وہ آپ کی صورت دیکھ کر ہنسے گا اور طرح طرح کی چہ می گوئیاں ہوگی لیکن یہ کاغذ کا نوٹ لے کر آپ جائیں تو کسی بحث اور تاخیر کے بغیر آپ کو ترکاری وغیرہ اور بقیہ ریزگاری وغیرہ مل جائی گی اس کا نام ہے دولت یہی ہے وہ چیز جسکی غریب کو حاجت ہے فاقہ کشی کے لیے پیٹ کی آگ بُجانے کے لیے آپ کا دیا ہوا یہ کاغذ کا نوٹ ہی کافی ہو جاتا ہے اور نان بائی، ہوٹل والا اس سے بحث نہیں کرتا کہ تم دولت نہیں بلکہ صرف رسید لیے پھر رہے ہو، خلاصہ یہ کہ کاغذ کے نوٹوں پر نصاب کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ ہے (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

جمع شدہ نوٹوں پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

مسئلہ :۔روپیہ حقیقۃً رکھنے (جمع) کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ کام (تجارت) بڑھانے کے لیے ہے اس کو بے کار اور محفوظ رکھنا اصل کے خلاف ہے اس لیے اس کے رہنے اور رکھنے میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہے، (کفایت المفتی ص ۱۴۵ ج ۴)

نوٹ بُھنانے پر بٹہ لینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ضرورت کے وقت نوٹ بُھنانے میں بٹہ دینا جب کہ کوئی صورت پورا روپیہ ملنے کے نہ ہو درست ہے اگر چہ اصل قاعدہ سے بٹہ (کٹوتی) دینا نوٹ پر درست نہیں لیکن بضرورت مجبوری بٹہ دینا درست ہے اور لینا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۳ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۳ ج ۲)

کیا سرکاری ٹکٹوں پر زکوٰۃ ہے؟

پوسٹ کے ٹکٹوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دولت ان ٹکٹوں میں منتقل کر کے نہں رکھتا، اگر یہ ٹکٹ رائج الوقت ہیں تو لوگ انھیں خرچ کے مطابق ہی خریدتے ہیں ،خرید کر استعمال کرتے ہیں ان پر سال گزرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر سال گزرجائے تو یہ ضروریات میں شامل ہیں، انھیں اگر کاروباری مراسلت میں صرف کیا جاتا ہے تو، ان کی زکوٰۃ فی الحقیقت اس زکوٰۃ میں شامل ہے جو کاروبار پر قواعد کے مطابق واجب ہوگی، اور اگر وہ ذاتی مراسلت کے لیے ہیں تو ان کا 'ضروریات'' میں شامل ہونا ظاہر ہی ہے، آخر غیر تجارتی کتابوں اور ذاتی رہائش کے مکانون اور مصنوعات نکالنے والی مشینوں پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

رہے وہ پرانے ٹکٹ جنھیں بعض لوگ جمع کرتے ہیں تو اگر محض شوقیہ جمع کیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بے قیمت شے ہیں اور اگر فروخت کی نیت سے کیا ہے تو ان کی قیمت ہی متعین نہیں محض اتفاق (چانس) پر منحصر ہے کہ دو پیسے والا ٹکٹ دو ہزار کا بک جائے یا دو روپے کا بھی نہ بکے۔لہذا ان پر فی الحال زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی کہ یہ مال ہی نہیں ہیں، ہاں جب فروخت ہو

جائیں گے تو حاصل شدہ رقم پر سال بھر بعد اسی قاعدے سے زکوٰۃ واجب ہوگی جس قاعدے سے روپے پیسے پر ہوتی ہے، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

ضروریات کے لیے جو رقم ہے اس کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپے جمع ہیں، اس پر سال بھی گزر چکا ہے مگر اس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو سامان ابھی شادی بھی نہیں کی، انہی ضروریات کے لیے جمع کر رکھا ہے۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۱ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر نصاب کے بقدر رقم کسی خاص مقصد مثلاً بہن وغیرہ کی شادی کے لیے جمع کر رکھی ہو تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ اپنی کسی خاص ضرورت کے لیے جو روپیہ جمع کیا ہے تو اس پر بھی ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۴ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۳ ج ۲)

(یعنی سال کے اندر اندر اگر ختم ہو جائے تو زکوٰۃ نہیں ہے اور باقی نصاب کے برابر ہے تو زکوٰۃ ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

کیا گھر کے تمام افراد کے مال کی زکوٰۃ گھر کے سربراہ پر ہے؟

سوال:۔ میں گھر کا سربراہ ہوں، میرے دونوں لڑکے صاحب روزگار ہیں۔ اور میرے لڑکوں کی بیویوں کے پاس کم سے کم بارہ بارہ تولہ فی کس زیورات ہیں اور میری اہلیہ کے پاس پانچ تولہ کے زیور اور کنواری لڑکی کی شادی کے لیے تین تولہ کے زیورات ہیں جس کو ایک سال سے خرید کر رکھا ہوں، نیز آج کل مشترکہ خاندان میں بھی زیور ہر متعلقہ عورت کی ذاتی ملکیت ہی شمار ہوتا ہے۔ ایک عورت کا زیور دوسری عورت مستقل طور پر نہیں لے سکتی، یہاں تک کہ ساس اپنی بہو کا زیور اپنی لڑکی کو نہیں دے سکتی۔ کیا ایسی صورت میں مجھے گھر کے تمام زیور کی

مالیت کے مطابق زکوٰۃ نکالنا چاہیے؟ یا افراد کے حساب سے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں ہر شخص کی انفرادی ملکیت کا اعتبار ہے۔ آپ کی بہوؤں کے پاس جو زیور ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اسکا مالک کون ہے؟ آپ کی بہوؤں کا زیور اگر ان کی ملکیت ہے تو زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہے اور اگر کچھ زیور بہوؤں کی ملکیت ہے مثلاً جو زیور ان کے میکے سے ملا ہو اور کچھ لڑکوں کی ملکیت، ہو تو اگر ہر ایک کی ملکیت نصاب کو پہنچتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں، اسی طرح آپ کی اہلیہ کے پاس جو سونا ہے وہ اگر اس کی مالک ہیں اور اس کے علاوہ ان کی ملکیت میں کوئی روپے پیسہ نہیں تو اسن کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے (کیونکہ صرف پانچ تولہ پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی) اور اگر وہ سونا آپ کی ملکیت ہے تو دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ اس زیور کی زکوٰۃ بھی آپ پر ہوگی آپ نے لڑکی کے لیے جو سونا خرید کر رکھا ہے اس کے بارے میں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ نے وہ سونا لڑکی کی ملکیت کر دیا ہے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی ملکیت نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے۔ اور اگر لڑکی کی ملکیت ہے اور اس کے پاس نقد روپیہ پیسہ نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر کچھ روپیہ اس کے پاس ہے تو زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۵۰ ج ۳)

انفرادی ملکیت پر زکوٰۃ ہے

سوال:۔ کسی گھر میں تین بھائی اکھٹے رہتے ہوں ایک ہی جگہ کھاتے ہیں لیکن کماتے الگ ہوں ہر ایک کی بیوی کے پاس ڈھائی یا تین تولہ سونا ہو اور سب کا ملا کر تقریباً ساڑھے آٹھ تولہ سونا بنتا ہو تو کیا ان کو زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

جواب:۔ اگر ان کے پاس اور کوئی مال نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو اور نصاب کی حد کو پہنچتا ہو تو ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ کیونکہ نصاب زکوٰۃ میں انفرادی ملکیت کا اعتبار ہے اور یہاں کسی کی انفرادی ملکیت بقدر نصاب نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۹ ج ۳)

مشترکہ گھرداری میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ہمارے گھر میں یہ طریقہ ہے کہ سب بھائی تنخواہ لا کر والدہ کو دیتے ہیں جو گھر کا خرچ

چلاتی ہیں، جب کہ زیور اور کچھ بچت کی رقم ہمارے پاس ہوتی ہے۔تو کیا زکوٰۃ دینی ہمارے ذمہ ہے یا والدہ صاحبہ کے؟

جواب:۔اگر وہ سونا اور بچت کی رقم اتنی ہو کہ اگر اس کو تقسیم کیا جائے تو سب بھائی صاحب نصاب ہو سکتے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ (آپ کے مسائل ۳۴۹ ج ۳ درمختار ص ۵۸ ج ۲)

مسئلہ:۔اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو ہر ایک کا حصہ علیحدہ کر کے اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ اس پر فرض ہو گی ورنہ نہیں۔ (علم الفقہ ص ۲۸ ج ۴)

جو رقم والدین کو دی جائے اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

زید نے جو روپیہ ماہواری خرچہ کے طور سے اپنے باپ عمر کو دیا اور ان کے پاس بھیجا، عمر (باپ) اس کا مالک ہو گیا۔ پھر جو کچھ روپیہ عمر نے بچایا (اگر چہ اس خیال سے بچایا ہو کہ یہ روپیہ بیٹے زید کے کام آئے گا) اس کا مالک عمر ہے اور بقدر نصاب ہو جانے پر سال بھر کے بعد اس کی زکوٰۃ عمر پر واجب ہے لیکن اگر زید عمر کی طرف سے عمر کی اجازت سے زکوٰۃ گزشتہ زمانہ کی اور آئندہ کی ادا کرے تو درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔زید کو چاہیے کہ عمر کو اطلاع کر دے کہ میں زکوٰۃ اس روپے کی گذشتہ زمانہ کی ادا کرتا ہوں اور آئندہ بھی ادا کرتا رہوں گا، آپ مجھ کو اجازت دے دیجیے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۳۸ ج ۶ بحوالہ شامی ص ۱۴ ج ۲)

جو مال کسی دوسرے کے قبضہ میں رہے اس کا حکم

سوال:۔زید کا مال اس کے والدین اور بھائی کے قبضہ میں رہا سن بلوغ سے اس وقت تک کہ اب زید کی عمر بائیس سال ہے، اب زید اپنے کل مال پر قادر و قابض ہوا ہے تو زکوٰۃ کیسے اور کب ادا کرنا چاہیے؟

جواب:۔آئندہ کو جب سے اس کے قبضے میں مال آیا ہے (ایک سال گزرنے پر) زکوٰۃ ادا کرے، گذشتہ زمانے کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارلعلوم ص ۵۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۴۸ ج ۲ باب الزکوٰۃ المال)

جو مال باپ اور بیٹے نے کمایا، اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔(۱) زید نے اپنا کمایا ہوا مال والدین کے پاس رکھ دیا اور والد کو اختیار تام حاصل ہے تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟ (۲) اور ایک مال والد اور لڑکے دونوں نے کمایا، والد کے قبضے میں ہے اور وہی متصرف ہے، زکوٰۃ کس پر ہے؟

جواب:۔(۱) جو مالک ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، یعنی لڑکے پر۔ (۲) اور اس صورت میں چونکہ والد کو تمام تصرفات اور انتظامات کے متعلق اختیار تام حاصل ہے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنا بھی انہی کے ذمہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۷۰ ج ۲ بحوالہ ہدایہ ص ۱۶۵ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

مسافر پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ مسافر پر بھی (جب کہ وہ صاحب نصاب ہو) اپنے مال کی زکوٰۃ اس لیے واجب ہے کہ وہ اپنے نائب کے ذریعہ سے اپنے مال میں تصرف کی قدرت رکھتا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۷ ج ۴)

کیا استعمال والے زیور پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ زیور جو عورت کے استعمال میں رہتے ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟ کیونکہ استعمال میں رہنے والی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہے اور بعض عرب لوگ ایسے زیور کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ روزمرہ استعمال کی چیز ہے۔

جواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے زیورات پر بھی زکوٰۃ ہے جو استعمال میں رہتے ہوں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۴ ج ۳)۔

مسئلہ:۔ زیور سونے و چاندی کا جب بمقدار نصاب ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے استعمال کرے یا نہ کرے؟ (ہدایہ ص ۱۷۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ نقد روپیہ اور زیور غرض سونے و چاندی کی ہر چیز اور سکّہ پر زکوٰۃ ایک سال گزرنے کے بعد لازم و فرض ہے اگر چہ وہ (زیور روپیہ، پیسہ بغرض حفاظت) دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۷۱ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۴۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ حنیفہؒ کے نزدیک زیورات پر بہرحال زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر، برتن ہوں یا کچھ اور، (استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں) یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے تو زکوٰۃ ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۹۷۸ ج ۱)

کھوئے ہوئے زیور کی زکوٰۃ

سوال :۔ اگر وہ زیور (مال) خرچ کر دیا تو سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔اور اگر خود گم ہوگیا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔اور اگر گم ہونے کے بعد مل گیا تو دیکھنا یہ ہے کہ اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا، تو ان ایام گم گشتگی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی، رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا، اس کا حکم ہے کہ اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی، اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کامل گزرنا شرط ہوگا۔اور اگر سال کے اندر مل گیا تب بھی دیکھنا چاہیے کہ اس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پانے کے وقت سے جب ایک سال گزر جائے تب لازم آئے گی۔اور اگر مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ مال باقی کے ساتھ دی جائے گی۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۳ ج ۲)

زیور کی زکوٰۃ سے متعلق چند سوالات

سوال:۔ (۱) مختلف اوقات میں مختلف زیور خریدے گئے، ان پر زکوٰۃ کب فرض ہوگی؟۔

(۲) زیورات کی خرید کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کہ موجودہ قیمت پر؟

(۳) زیورات کی قیمت میں موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور بنائی کی بھی اجرت لگائی جائے گی یا کہ صرف سونے کی قیمت لگائیں گے؟۔

(۴) زیور میں سونے کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی ہے کیا اس پر اسکی زکوٰۃ فرض ہے؟

جواب:۔ آپ کے پاس جس روز اتنا مال ہوگیا کی سونا، چاندی، مال تجارت اور نقدی، ان چاروں یا بعض کا مجموعہ یا ان میں سے کوئی ایک چیز ۶۱۲،۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر

ہوگی، اس روز آپ صاحب نصاب ہو گئے، اُس دن کی قمری تاریخ یاد رکھیں، ایک سال کے بعد پھر جب یہی قمری تاریخ آئے گی، اس میں آپ کے پاس مذکورہ چاروں چیزوں میں سے جو مقدار موجود ہوگی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگر چہ کوئی چیز تاریخ مذکور سے صرف ایک ہی روز پہلے آپ کی ملک میں آئی ہو، بشرطیکہ اس تاریخ میں نصاب پورا ہو، یعنی چاروں چیزوں کا مجموعہ ۶۱۲۳۵ گرام چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو۔

(۲) جس قمری تاریخ میں سال پورا ہو اس میں جو نرخ ہوا ہوگا وہ لگایا جائے گا۔

(۳) صرف سونے کی قیمت پر زکوٰۃ ہے، موتیوں اور نگینوں کی قیمت اور زیور بنوانے کی اجرت نہیں لگائی جائے گی۔

(۴) زیور بنانے میں جس حساب سے ملاوٹ شامل کی گئی، اس قسم کے مخلوط قیراطی سونے کی قیمت لگائی جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۷۰ ج ۴)

بیوی کے صاحبِ نصاب ہونے سے شوہر کا حکم

مسئلہ:۔ بیوی اگر صاحب نصاب ہو تو اس کی وجہ سے شوہر صاحب نصاب نہیں ہوتا، اور قربانی اور زکوٰۃ وغیرہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۰ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۶۷ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

بیوی کا زیور اور قرض مرد پر

مسئلہ:۔ زیور بیوی کا ہے اور قرض مرد کے ذمہ ہے، اس لیے زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس قرض کو منہا (وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ بیوی پورے زیور کی زکوٰۃ ادا کرے گی، البتہ اگر بیوی کے ذمہ قرض ہو تو وہ منہا کیا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۷ ج ۳)

کیا زکوٰۃ میں شوہر کی اجازت ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ اگر وہ زیور شوہر کا دیا ہوا اور بنوایا ہوا ہو اور اس نے بیوی کی ملک نہیں کیا جیسا کہ (بعض جگہ کا) عرف ہے تو اس کی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ ہے عورت پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں

ہے۔اگر شوہر اس کی زکوٰۃ نہ دے گا۔تو وہ گنہگار ہوگا،عورت گنہگار نہیں ہوگی۔اور اگر وہ زیور عورت کے جہیز میں اس کے والدین کی طرف سے آیا ہوا ہے تو وہ اس کی ملک ہے،اسی میں سے کچھ حصہ (یا) فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے،اور شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۵ ج ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ جب کہ شوہر نے اس زیور کا مالک بیوی کو بنا دیا تو کوٰۃ بیوی کے ذمہ ہے اگر اگر شوہر اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے،یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۱ ج ۶ ،و ص ۱۴۸ ج ۲ بحوالہ رد المختار ص ۵۰۲ ج ۲)

زیورات کی زکوٰۃ عورت کہاں سے دے؟

سوال:۔ زیور عورت کی ملکیت ہوتے ہیں اس کی زکوٰۃ کا بوجھ مردوں پر کیوں ڈالا جاتا ہے؟اور اگر عورت خود ادا کرے تو کہاں سے؟ کیونکہ اس کے پاس سوائے زیورات اور کچھ (نقد) نہیں ہے؟

جواب:۔ جو زیور عورت کا مملوکہ و مقبوضہ ہے اور نصاب کی برابر ہے،اس پر زکوٰۃ اس عورت ہی کے ذمہ واجب ہے۔اگر اس کا شوہر تبرعاً بیوی کی طرف سے دیدے یا عورت شوہر سے لیکر دیدے یا جو خرچ اس کا شوہر اس کو دیتا ہے،اس میں سے (بچا کر) ادا کر دے تو یہ جائزہ ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو سکے تو اس عورت کو اسی زیور میں سے زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۵ ج ۲ بحوالہ رد المختار ص ۴۰ ج ۲)

زیور کا کچھ حصہ بقدر زکوٰۃ دے دیا جائے گا کہ یہ فرض اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۹ ج ۶ و آپ کے مسائل ص ۳۴۵ ج ۳)

کیا بیوی کے زیور کی زکوٰۃ مرد پر ہے؟

سوال:۔ایک تھوڑی آمدنی والے شخص کی بیوی شادی کے موقع پر دس تولہ سونا زیورات کی شکل میں لاتی ہیں،کیا شوہر کے لیے ضروری ہے کہ ہر حال میں اس کی زکوٰۃ ادا کرے؟

جواب:۔ چونکہ یہ زیورات بیگم صاحبہ کی ملکیت ہیں،اس لیے ان زیورات کی زکوٰۃ بیگم صاحبہ

کے ذمہ ہے، غریب شوہر کت ذمہ نہیں، عورت کو چاہئے کہ ان زیورات کا بقدر واجب حصہ زکوٰۃ میں دے دیا کرے اپنی زکوٰۃ شوہر کے ذمہ نہ ڈالے۔

مسئلہ:۔ زیور اگر بیوی کی ملکیت (بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہے لیکن اگر بیوی کے کہنے پر اس کی طرف سے مرد زکوٰۃ ادا کردے تو ادا ہوجائے گی۔

(آپ کے مسائل ص ۳۴۵ ج ۳)

شوہر اور بیوی کی زکوٰۃ کا حساب

سوال:۔ شادی پر لڑکیوں کو جو زیورات ملتے ہیں وہ انکی ملکیت ہوتے ہیں، لیکن وہ زکوٰۃ اپنے شوہروں کی کمائی ہوئی رقم سے ادا کرتی ہیں تو کیا اس صورت میں اگر شوہروں کے پاس بھی کچھ رقم ہو لیکن نصاب سے وہ کم ہو تو کیا اس رقم کو بیویوں کے زیورات کے مالیت میں شامل کرکے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا دونوں کا حساب الگ الگ ہوگا؟

جواب:۔ دونوں کا الگ الگ حساب ہوگا (آپ کے مسائل ص ۳۴۶ ج ۳)

دولہن کو جو زیور دیا جاتا ہے اسکی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔ دولہا کا باپ دلہن کر جو زیور چڑھاتا ہے (دیتا ہے) اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

جواب:۔ وہ زیور جو دولہا (یعنی لڑکے کا) باپ دیتا ہے، وہ زیور ہمارے عرف میں دلہن کی، ملک نہیں ہے لہٰذا اسکی زکوٰۃ دولہا کے باپ کے ذمہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۷ ج ۲ و کفایت المفتی ص ۲۴۶ ج ۴) (اور جہاں عرف میں وہ زیور دلہن کی ملک قرار پاتا ہے اسکی زکوٰۃ دلہن پر ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

لڑکی کے زیور بنوا کر رکھا تو اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔ جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لیے بنوا کر رکھا جاتا ہے، تو لڑکی کے ایسے زیور پر زکوٰۃ اس کے والدین پر ہے یا لڑکی پر؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کردیا ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ بلوغ سے پہلے فرض نہیں ہے نہ لڑکی پر نہ والدین پر۔ بالغ ہونے کے بعد خود لڑکی پر فرض ہوگی، اگر لڑکی کی ملک

نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۶ ج ۱۱)

سوال:۔ زید کی بیوی کو جو زیور والدین سے ملا ہے اسکی زکوٰۃ زید پر ہے یا بیوی مذکورہ پر؟

جواب:۔ زکوٰۃ زید کی بیوی کے ذمہ ہے۔ (جو زیور ماں کے گھر سے ملا ہے، کیونکہ اس کی لڑکی ہی مالک ہوتی ہے۔ وہی ادا کرے، زید کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے، اور جب زید کو وسعت ہو جائے۔ اور وہ اپنی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ دینا چاہے تو وہ بھی دے سکتا ہے. اور کئی سال کی زکوٰۃ متفرق طور سے تھوڑی تھوڑی دینا بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ٦٦ ج ٦ بحوالہ ردالمختار کتاب الزکوٰۃ ص ١٦ ج ٢)

مہر میں جو زیور دیا گیا اُس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

مسئلہ:۔ جب وہ زیو عورت کو مہر میں دیا گیا تو وہ مالک ہوگئی زیور کی، پس زکوٰۃ اس زیور کی اسی کے (عورت) ذمہ ہوگی۔ شوہر کے ذمہ نہ ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ٥٤ ج ٦ بحوالہ ردالمختار ص ١٣ ج ٢ کتاب الزکوٰۃ)

عرف یعنی رواج کا مطلب

(شریعت نے مرد کو آزاد چھوڑا ہے کہ بیوی کے لیے جو زیور بنوائیں اسے اپنی ملکیت میں رکھ کر عاریۃً (ادھار صرف استعمال کرنے کے لیے) اسے استعمال کرائیں یا ملکیت بھی بیوی ہی کی کر دیں شریعت کسی بھی صورت میں آپ پر دباؤ یا پابندی نہیں لگاتی ہے، اب رواج کو دیکھئے گا، کہ کسی کنبے و خاندان میں زیور کے متعلق جو بھی رواج ہوگا وہ عملی نظائر کی بنا پر ہی تو ہوگا دس بیس پچاس سو واقعات ایسے ضرور پیش آئے ہوں گے جن سے واضح ہو گیا ہوگا، کہ اس کنبے کے مرد اپنی بیویوں کو زیور عاریۃً دیتے ہیں یا تحفۃً اگر تحفۃً دتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی مالک ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس کنبے کا کوئی بھی مرد اگر بیوی کو زیور دے گا اور دیتے وقت یہ صراحت نہ کرے کہ یہ عاریۃً ہے یا تحفۃً تو قدرتی بات ہے کہ بیوی کی ملک ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر تحفۃً نہیں دینا چاہتا تھا، تو اس پر لازم تھا کہ دیتے وقت وضاحت و صراحت کر دیتا کہ میں عاریۃً دے رہا ہوں، تب بے شک عورت

مالک نہ بنتی۔اسی طرح برعکس۔

اگر عملی نظائر کی بنیاد پر کنبے والے یہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں جو زیور بیویوں کو دیا جاتا ہے وہ تحفۃً نہیں دیا جاتا بلکہ عاریۃً دیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کنبے کا جو مرد اپنی بیوی کو کوئی زیور دے گا اور کسی قسم کی وضاحت نہیں کرے گا تو اس کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ کنبے کے معروف رواج کے مطابق اس نے عاریۃً دیا ہے تحفۃً نہیں، لہٰذا عورت اس کی مالک نہ بنے گی۔

یہاں اس سے بحث نہیں کہ رواج کیا ہے۔اور رواج ہے زیور عاریۃ دینے کا ہو یا تحفۃً، یہ انسانوں کی اپنی اپنی پسند کا معاملہ ہے، اسمیں جو بھی صورت خاندان پسند کرتا ہے ،شریعت اس کے لیے جواب دہ نہیں۔مثلاً جس کنبے کے آپ فرد ہیں فرض کیجیے اس میں رواج ہے کہ زیور عورتوں کو عاریۃً دیا جاتا ہے نہ کی تحفۃً۔اب آپ اپنی لڑکی کی شادی اس ہی کنبے کے کسی فرد سے کرنا چاہتے ہیں اور خواہش یہ ہے کہ جو زیور آپ کی بیٹی کو ملے وہ عاریۃً نہ ملے بلکہ تحفۃً ملے، تو بے شک آپ کو یہ خواہش کرنے کا حق ہے۔شریعت بالکل منع نہیں کرتی ،مگر شریعت کا یہ کہنا بھی معقول ہوگا کہ آپ لڑکے کے والدین پر کُھل کر اپنی خواہش کا اظہار فرمادیں تاکہ وہ غور کرسکیں کہ یہ بات ہمارے لیے قابل قبول ہے یا نہیں۔اگر آپ اظہار نہیں فرمائیں گے تو خاموشی کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جائے گا کہ جو رواج ،طریقہ ان کے کنبے کا ہے اسی کو آپ نے بھی مان لیا ہے۔پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ بعد میں کسی وقت آپ کی بیٹی یہ دعویٰ کرے کہ شوہر کا دیا ہوا زیور میری ملکیت ہے۔اس ہی کا نام ہے ''المعروف کالمشروط'' تو زکوٰۃ بھی اس پر ہی ہے جس کی ملک زیور ہو، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

لڑکیوں کے نام سونا کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ میری تین بیٹیاں ہیں، میں نے ان کی شادی کے لیے بیس تولہ سونا لے رکھا ہے اور اس کے علاوہ برتن، کپڑے وغیرہ بھی ہیں، کیا ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

جواب :۔ اگر آپ نے اس سونے کا مالک اپنی بچیوں کو بنا دیا ہے تو ان کے جوان (بالغ) ہونے تک تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، جوان ہونے کے بعد ان میں جو صاحب نصاب ہوں

ان پر زکوٰۃ ہوگی، اور اگر بچیوں کو مالک نہیں بنایا، ملکیت آپ ہی کی ہے، تو اس سونے پر زکوٰۃ فرض ہے، برتن، کپڑے، استعمال کی چیزیں آپ نے ان کے لیے رکھی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۵ ج ۳)

مسئلہ :۔ چونکہ بچیوں کے نام زیور کر دیا گیا ہے، اس لیے اس کی مالک بن گئیں اس لیے اس شخص کے ذمہ یعنی جو پہلے مالک تھا، زکوٰۃ نہیں اور ہر ایک بچی کی ملکیت چونکہ حد نصاب سے کم ہے اس لیے ان کے ذمہ بھی زکوٰۃ نہیں، البتہ جو لڑکی بالغ ہو اور اس کے پاس اس زیور کے علاوہ بھی کچھ نقد روپیہ پیسہ ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کم ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس لڑکی پر زکوٰۃ لازم ہوگی کیونکہ جب سونے چاندی کے ساتھ کچھ نقدی مل جائے اور مجموعہ کی قیمت ساڑھے باوٗن تولے چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ اور جو لڑکی نابالغ ہے اس کی ملکیت پر زکوٰۃ نہیں، جب تک کہ وہ بالغ نہیں ہو جاتی۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۳ ج ۳)

صرف نام کرنا ہی کافی نہیں ہے

مسئلہ :۔ اگر لڑکی کو زیور کا مالک بنا دیا تو جب تک وہ لڑکی نابالغ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی، جب کہ صرف یہ زیور یا اس کے ساتھ کچھ نقد روپیہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے صرف یہ نیت کرنے سے کہ یہ زیور لڑکی کے جہیز میں دیا جائے گا زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا جب تک کہ لڑکی اس کا مالک نہ بنایا جائے۔ اور لڑکی کو مالک بنا دینے کے بعد پھر اس زیور کا (بغیر لڑکی کی اجازت کے) خود پہننا جائز نہیں ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۸ ج ۳)

مسئلہ:۔ لیکن اولاد کو ہبہ کرنے کے بعد اس زیور پر آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۶ ج ۳)

کیا مہر کے وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ہے؟

سوال :۔ عورت کا مہر جو شوہر نے ادا نہیں کیا تو اس صورت میں عورت کے ذمہ مہر کی زکوٰۃ

واجب ہے یا نہیں؟
جواب:۔ زکوۃ اس پر وصول ہونے سے پہلے نہیں ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۳ ج ۲ و فتاویٰ محمودیہ ص ۸۷ ج ۳)

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک پورے طور پر مالک ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ مال قبضے میں ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کا مالک قرار پایا جو ابھی تک اس کے قبضے میں نہ آئی ہو، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، جیسے عورت کا مال مہر کہ جب تک اس کے قبضے میں نہیں آیا اس کی زکوۃ واجب نہیں، اسطرح اس مال پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔ جس پر کوئی شخص قابض ہو، لیکن اس کا مالک نہ ہو، جیسے مقروض کہ مال تو اس کے قبضہ میں ہوتا ہے، لیکن اس کا مالک دوسرا شخص ہوتا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۹۶۱ ج ۱)

(مہر وصول ہونے قبل زکوۃ واجب نہیں وصول ہونے کے بعد اس روپے پر پورا ایک سال بھی گزر جائے جب ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی اور جو روپیہ سال کے اندر خرچ ہو گیا ہے اس پر نہیں ہے صرف بچت پر ہے اور گزشتہ سالوں کی بھی نہیں ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مہر والی عورت کو زکوۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ایک عورت کا مہر ہزار روپے ہے لیکن اس کا شوہر بہت غریب ہے کہ ادا نہیں کر سکتا، تو ایسی عورت کو بھی زکوۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور اگر اس کا شوہر امیر ہے لیکن مہر نہیں دیتا، یا اس عورت نے اپنا مہر معاف کر دیا ہے تو بھی اس عورت کو زکوۃ دینا درست ہے، لیکن جس عورت کو یہ امید ہو کہ جب اپنے شوہر سے مہر مانگوں گی وہ ادا کر دے گا، تو ایسی عورت کو زکوۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے۔ (امداد مسائل الزکوۃ ص ۴۷)

کیا بیوی کا مہر زکوۃ کے واجب ہونے میں مانع ہے؟

مسئلہ:۔ مقدار نصاب کا مالک ہونے کے بعد زکوۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب آدمی پر اتنا زیادہ قرض نہ ہو کہ اس کے ادا کرنے میں نصاب زکوۃ باقی نہ رہ سکے۔ اس قرض سے

حقوق اللہ مستثنیٰ ہیں۔ یعنی بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو قرض ہیں مثلاً کفارے صدقہ فطر، حج وغیرہ ان کے اخراجات منہا (وضع) کرنے کے بعد اگر مال اتنا نہ رہتا ہو کہ زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ حقوق اللہ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۴۰ ج ۱)

البتہ بندوں کے جو حقوق ہوں ان کی ادائیگی کے بعد اگر نصاب باقی نہ رہتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس کا تقاضہ ہے کہ بیوی کے مہر کی رقم وضع کرنے کے بعد اگر نصاب باقی نہ رہ پاتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی مگر عموماً چونکہ اس زمانہ میں لوگ مہر کی طرف سے بہت غافل ہو چکے ہیں اور بیویاں عموماً اسے معاف کر دیتی ہیں اس لیے اس قرض کی وجہ سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مرد کے ذمہ مہر موجّل ہو اور اس کی ادائیگی کا رادہ نہ رکھتا ہو تو یہ فرض وجوب زکوٰۃ کے لیے رکاوٹ نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۸۹ ج ۱، وجدید فقہی مسائل ص ۲۴)

مسئلہ:۔ مہر موجّل (جو فوری طور پر واجب الادا نہیں) جیسا کہ عموماً ہوتا ہے مانع زکوٰۃ سے نہیں ہے یعنی یہ فرض (عورت کا) مہر موجّل روپیہ سے وضع نہیں کیا جائے بلکہ تمام روپیہ موجودہ کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

مثلاً اگر کسی کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہے اور پانچ ہزار کا قرض مہر موجّل بیوی کا اس کے ذمہ ہے تو وہ شخص پورے دس ہزار روپے کی زکوٰۃ ڈھائی سو روپے ادا کرے گا۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۶ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص ۶ ج ۲)

مسئلہ:۔ شوہر کے ذمہ دین مہر واجب ہے اگر وہ معجّل ہے یعنی جس وقت بھی بیوی طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے یا مہر موجّل (فوری نہیں) ہے لیکن شوہر خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تاکہ ادا کرے تو ایسا دین (قرض) مانع عن وجوب زکوٰۃ ہے۔ اگر اس مقدار دین کے علاوہ اس کے پاس بقدر نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اگر شوہر ادا کرنے کی فکر و سعی میں لگا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا نہیں کرنا تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوٰۃ نہیں ہے (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۴ ج ۱۳)

عورت کو مہر مل جانے پر زکوٰۃ کا حکم

اگر کسی عورت کو نکاح کے بعد پورا مہر مل جائے اور ایک سال تک اس کے قبضے میں رہے اور اس کے بعد اس کا شوہر خلوت صحیحہ سے قبل اس عورت کو طلاق دے دے اور دیئے ہوئے مہر میں سے نصف واپس کر لے تو اگر وہ مہر نقد یعنی سونے، چاندی کی قسم سے ہے تو اس عورت کو پورے مہر کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اور اگر وہ نقد کی قسم سے نہیں ہے تو پھر پورے مہر کی زکوٰہ اس کے ذمہ نہ ہوگی بلکہ نصف کی ہوگی۔ (علم الفقہ ص ۳۳ ج ۴)

مہر میں دی ہوئی زمین کا حکم

سوال:۔ ایک زمین جو میں نے تجارت کی نیت سے لی تھی وہ یا اس کا ایک حصہ میں اپنی اہلیہ کو اس کے مہر کی رقم کے بدلے میں دینا چاہتا ہوں کیا میری اہلیہ کو اس زمین کے حصے پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟ اگر وہ اس کو گھر بنانے کی نیت سے رکھنا چاہے؟

جواب:۔ آپ کی اہلیہ پر اس زمین کی زکوٰۃ فرض نہیں خواہ اس میں تجارت کی نیت کرے یا تعمیر کی البتہ مہر کی رقم کے عوض میں آپ سے خریدتے وقت اگر اس کی تجارت کی نیت ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۶ ج ۴)

مسئلہ:۔ عورت کا مہر مثلاً دس کوئنٹل گیہوں تھا، اس نے وصول کرتے وقت اس میں تجارت کی نیت کی کہ اس میں تجارت کروں گی، اور کھاؤں گی نہیں تو صرف نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب عمل تجارت نہ کرے (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۵ ج ۴)

کیا استعمال والے زیورات پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ زیور سونے و چاندی کا جب بمقدار نصاب ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے استعمال کرے یا نہ کرے۔ (ہدایہ ص ۱۷۷ ج ۱)

مسئلہ:۔ سونے و چاندی کی ہر چیز اور سکہ پر زکوٰۃ ایک سال گزرنے پر ہے اگرچہ وہ دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۷۷ ج ۶)

اشرفی پر زکوٰۃ

سوال:۔ کیا زکوٰۃ دونوں اقسام کے سونے، چاندی پر ہے یا صرف اشرفی کی شکل کے سونے پر، اور چاندی پر؟

جواب:۔ زکوٰۃ دونوں پر واجب ہے، یعنی زیوارت اور اشرفی دونوں پر۔ (جب کہ نصاب کو پہنچ جائے)۔ آپ کے مسائل ص ۳۶۵ ج ۳)

زیور کے نگ اور کھوٹ کا حکم

مسئلہ:۔ سونے کے زیور میں جو نگ وغیرہ لگاتے ہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں، کیونکہ ان کو الگ کیا جا سکتا ہے، البتہ جو کھوٹ ملا دیتے ہیں وہ سونے کے وزن میں شمار ہوگا۔ اس کھوٹ ملے سونے کی بازار میں جو قیمت ہوگی، اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۵ ج ۳)

جڑاؤ زیورات کی زکوٰۃ کس طرح دے؟

سوال:۔ کسی زیور میں چپڑ ابھرا ہوا ہے اور بعض میں نگ جڑے ہوئے ہیں، اگر یہ نکال دیئے جائیں تو زیور خراب ہو جائے گا، اگر اندازہ کرایا جائے تو پوری طرح پتہ نہیں چل سکتا ہے، اگر سونا نصاب سے کم ہو تو اس کی زکوٰۃ بشمول چاندی کے دی جائے گی یا سونے کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی اور سونے وچاندی کی زکوٰۃ ایک چیز سے نکالی جائے گی یا سونے کی زکوٰۃ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ چاندی سے دی جائے گی، اور اگر زکوٰۃ میں کوئی زیور نکالا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

جواب:۔ اندازہ صحیح کرا کے زیور سونے وچاندی کی زکوٰۃ دینی چاہیے، یہ درست ہے مگر اندازہ کرنے والے سے کہہ دیا جائے کہ جہاں تک ہو احتیاط کو مدنظر رکھے، مثلاً زیادہ سے زیادہ جس قدر چاندی و سونا اس میں معلوم ہو اس کا لیا جائے اور سونے کو ایسی صورت میں قیمت کرکے چاندی کو شامل کرکے چاندی سے زکوٰۃ دی جائے۔ خواہ دونوں کی زکوٰۃ سونے سے دی جائے۔ الغرض ایک چیز سے زکوٰۃ دینا درست ہے۔ ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ

دی جائے ،اور زکوٰۃ میں زیور ہی دید یا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص۱۱۹ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۴۵ج۲ باب الزکوٰۃ المال وہدایہ ص۱۷۶ج اول)

جس زیور میں جواہرات جڑے ہوں اس کا حکم

مسئلہ :۔زیور جو چاندی اور سونے کا ہو(جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں)اسمیں بقدر چاندی وسونے کے زکوٰۃ فرض ہے۔یعنی اگر اسمیں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے صرف چاندی سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے۔(کفایت المفتی ص۲۲۹ج۴ وفتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۰ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۴۲ج۲)

خالص جواہرات کے زیورات کا حکم

مسئلہ :۔جوزیور خالص جواہرات کے ہوں، مثلاً ہیرا، زمرد، لعل، یاقوت وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے مگر جب کہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۳۳ج۶)

مسئلہ :۔جوزیور خالص جواہرات کے ہوں، ان کا حکم یہ ہے کہ زیورات جواہرات کے اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔(فتاویٰ دارلعلوم ص۱۳۰ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۱۸ج۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۷ج۳)

مسئلہ:۔سچے موتیوں کے ہار وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، مگر مال تجارت پر ہے۔
(بہشتی زیور ص۲۵ج۳ ردالمختار ص۱۳۱ج۲)

مسئلہ :۔سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء کے زیورات مثلاً جواہرات، مرجان، زبرجد اور الماس کے بنے ہوئے (بغیر سونے و چاندی کے) زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ پتھر افزائش پذیر نہیں ہیں۔(فقہ الزکوٰۃ ص۲۷۷ج۲)

جن زیورات میں غش ملا ہوا ان کا حکم

سوال:۔ہمارے یہاں جوزیور سونے کا بنتا ہے اس میں تیسرا حصہ غش (کھوٹ) کا ملایا جاتا ہے۔ایسے زیور کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے گی؟

جواب:۔جس میں غالب سونا ہو، یعنی نصف سے زائد سونا ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے اور

مثل خالص سونے کے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۴۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ فیروزہ، یاقوت وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں، ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۱۳ ج ۱۳)

نوٹ:۔ اگر کسی شخص نے ہیرے و جواہرت کو شوقیہ جمع کر کے رکھا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اگر صرف زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کیا تو شرعی اعتبار سے حنفیہؒ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں، لیکن چونکہ غرباء کا حق مارا جاتا ہے تو نیت کے پیش نظر عند اللہ مواخذہ کا خوف ہے۔ (رفعت)۔

ملاوٹی اشیاء پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ حنفیہؒ کے نزدیک ملاوٹی اشیاء میں اس دھات کا اعتبار کیا جائے گا جس کا مقدار زیادہ ہو، خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات لہٰذا سونے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیاء میں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اس پوری چیز کو سونا تصور کیا جائے گا۔ اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو چاندی تصور کیا جائے گا۔ پس اگر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔

(کتاب الفقہ ص ۹۹۶ ج ادر مختار ص ۵۴ ج ۲ فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷ ج ۳)

سچے گوٹہ اور کامدار کپڑے پر زکوٰۃ

سوال:۔ عورتوں کے قیمتی کپڑے جس میں چاندی کے تار ہوتے ہیں ایسے کپڑوں کی زکوٰۃ کس طرح مشخص کی جائے کیونکہ اس میں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ چاندی کتنی ہے؟

جواب:۔ جو تار زری کے بنارسی کپڑوں وغیرہ میں ہیں ان کا اندازہ خود کر کے یا جاننے والوں سے کرا کر زکوٰۃ دینی چاہیے اور (سچے چاندی وغیرہ) گوٹے ٹھپے کا بھی اندازہ کرالینا چاہیے۔ اس کا اندازہ آسان ہے کہ مثلاً ٹھپہ کا ویسا ہی تھان تول کر دیکھ لیا جائے کہ کس قدر وزن کا ہے۔ الغرض ایسے مواقع میں اندازہ کافی ہے، اندازہ (تخمینہ) حتی الوسع ایسا کیا

جائے کہ کمی نہ رہے، چاہے کچھ زیادتی ہو جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۱ ج ۶ بحوالہ ہدایہ باب الزکوٰۃ المال ص ۷۷ ج ۱)

مسئلہ :۔ گوٹہ جب کہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، یا اگر نصاب چاندی وغیرہ کا موجود ہو تب بھی گوٹے کا اندازہ کر کے اس میں شامل کر کے زکوٰۃ دینی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۰ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب الزکوٰۃ المال ص ۱۴۱ ج ۲)

مسئلہ :۔ استعمالی برتن اور کپڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں ان کپڑوں میں اگر سچا کام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔ تجارتی سامان اور تجارتی کپڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۳ ج ۵ بحوالہ درمختار مع الشامی ص ۱۰ ج ۲ و امداد الفتاویٰ ص ۶ ج ۲)

مسئلہ :۔ کپڑوں پر چاہے جتنے قیمتی ہوں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن ان میں سچا کام اتنا ہے کہ اگر چاندی چھوڑائی جائے تو ساڑھے باون تولہ بیٹھے تو اس چاندی پر زکوٰۃ ہے اور اگر کم ہو تو زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بہشتی زیور بحوالہ جوہرہ نیرہ ص ۱۱۷ و کفایت المفتی ص ۱۵۳ ج ۴)

جو رقم ورثاء کے لیے جمع کی، کیا اس پر زکوٰۃ ہو گی؟

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی جائیداد اپنی زندگی میں فروخت کر دی اور وہ رقم اپنے ورثاء کے لیے رکھی ہے تو اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب :۔ فی الحال وہ شخص اس رقم کا مالک ہے، اس لیے اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۴ ج ۵)

ترکہ ملنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ ایک بیوہ جس کے اولاد بھی ہے جو شوہر کے ترکہ میں تقریباً چالیس ہزار روپیہ ملا ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب :۔ اس رقم کو شرعی حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ ہر ایک حصے میں جو رقم آئے، اگر وہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت) کو پہنچی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، نابالغ بچوں کے حصے پر نہیں۔ (آپ کے مسائل ۳۹۶ ج ۳)

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ جو ادا نہیں ہوئی، اسکی ادائیگی کی اب اسکے سوائے اور کچھ صورت نہیں ہوسکتی کہ اپنے خیال میں ان برسوں کا اندازہ کیا جائے کہ ہر سال میں کتنا روپیہ تخمیناً موجود تھا اور اس اندازہ سے جس قدر روپیہ ہر سال میں موجود ہونا خیال میں آئے، اسکی زکوٰۃ کا حساب کرا کر اسکو ادا کیا جائے حتیٰ الوسع تخمینہ ایسا کیا جائے کہ اپنے خیال کے موافق اس میں کمی نہ رہے، کچھ زیادہ ہی ہو جائے کہ احتیاط اسی میں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۷ ج ۶)

سابقہ زمانہ کی زکوٰۃ معلوم نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال :۔ زکوٰۃ کے واجب الاداء ہونے کی مدت کا شمار جب کہ زکوٰۃ کی رقم کا ٹھیک ٹھیک حساب کرنا دشوار ہے، کیونکہ سونے کا بھاؤ (ریٹ) حاصل کرنا مشکل ہے تو پھر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

جواب :۔ اس صورت میں تخمینہ اور اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے کہ تقریباً اتنی رقم واجب الاداء ہو گی، احتیاطاً اندازہ سے زیادہ دیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۷ ج ۳)

شادی کے بعد سے زکوٰۃ نہ دی تو کیا حکم ہے؟

سوال :۔ شادی کو نو سال ہو گئے ہیں، بیگم صاحبہ کے پاس جب سے اب تک اَسی تولہ سونا ہے، ہم نے ابھی تک زکوٰۃ ادا نہیں کی، کیونکہ میری آمدنی اتنی نہیں ہے کہ کچھ بچ جائے، اب زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

جواب :۔ اس اسّی تولہ سونے کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ آپ کی بیوی کے ذمہ ہے۔ اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پیسے نہ ہوں تو اتنا حصہ زیور کا دے دیا جائے، بہر حال گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ آپ کی بیوی کے ذمہ لازم ہے۔ ہر سال کا حساب کر کے جتنی زکوٰۃ بنتی ہے ادا کی جائے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۸ ج ۳)

زکوٰۃ خرید کردہ قیمت پر ہوگی یا موجودہ قیمت پر؟

سوال:۔ زکوٰۃ مال کی خرید کردہ قیمت پر ہوگی یا موجودہ قیمت پر؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے ادا کرتے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا، اور زکوٰۃ کا حساب یہ ہے کہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا (یا اس کی قیمت) لازم ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۱ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۱۳۰ ج ۲ زکوٰۃ الغنم)

مسئلہ:۔ ادائیگی زکوٰۃ میں مال کی قیمت جہاں مزگی (زکوٰۃ دینے والا) ہے وہاں کی معتبر نہ ہوگی بلکہ جہاں مال موجود ہو، وہاں کی قیمت معتبر ہوگی، اور حولانِ حول بھی وہاں کا معتبر ہوگا، جہاں مال موجود ہو۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۸ ج ۴)

سونے و چاندی کی زکوٰۃ کس ریٹ پر دی جائے؟

سوال:۔ سونے کا ریٹ (بھاؤ) ڈلی کا تو اور ہے اور بنے ہوئے زیور کا الگ ہے، کس نرخ (ریٹ) پر زکوٰۃ دی جائے، کیونکہ بازار والوں کا دینے کا نرخ اور ہے اور لینے کا الگ ہے۔ اگر فقراء کو سونا زکوٰۃ میں دیا جائے تو ان کا نقصان ہوتا ہے، کیونکہ بازار والے ان سے کم قیمت میں خریدتے ہیں۔

جواب:۔ جو نرخ (ریٹ) بازار میں ایسے سونے کا ہے، یعنی جس قیمت کو دوکاندار فروخت کرتے ہیں، وہ قیمت لگا کر زکوٰۃ دے۔ اور سونا ہی زکوٰۃ میں دینا ہو تو موجود سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدے یہ بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگرچہ فقراء کم قیمت کو فروخت کر دیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۴ ج ۶، بحوالہ رد المحتار زکوٰۃ الغنم ۳۰ ج ۲)

(سونے و چاندی کی قیمت لگا کر اگر زکوٰۃ دینا ہو تو جو قیمت زکوٰۃ نکالنے کے وقت چاندی سونے کی وہاں کے بازار میں ہو، اسی حساب سے ادا کرے کیونکہ خرید کے دن کے حساب کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور قیمت بھی فروخت ہونے کی وہ لگائی جائے گی جس قیمت پر وہ سونا چاندی اس دن فروخت ہو سکتا ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مسئلہ:۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ اور عشر میں وقت وجوب کی قیمت معتبر ہے، البتہ زکوٰۃ

سوائم میں وقت اداء کی قیمت کا اعتبار ہے۔ احسن الفتاویٰ ص ۲۶۸ ج ۴)

ریٹ معلوم نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال:۔ اگر قیمت سونے و چاندی کی صحیح معلوم نہ ہو تو اندازہ کرکے، دو چار ماہ پیشتر ریٹ ذہن میں رکھ کر زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اصل تو یہی ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے وقت جو قیمت ہو اُس کی تفتیش کرکے اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مگر چونکہ دو ماہ میں کوئی مزید فرق ہوتا اس وجہ سے اگر جانب احتیاط کو پیش نظر رکھ کر اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۳۰ ج ۲ باب الغنم)

قرض حسنہ کی زکوٰۃ

سوال:۔ جو روپیہ کسی کو قرض حسنہ دیا، اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وصول ہونے کے بعد اس روپیہ کی زکوٰۃ دی جائے گی، اگر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ دیدے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ قرض جو دیا گیا اگر وہ تنہا یا دوسرے روپے موجود کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اداء کرنا بعد وصول قرض کے لازم ہوتا ہے اگر قبل از وصول بھی زکوٰۃ دے دی تو اداء ہو جائے گی، اور وہ قرض جس کے عوض (بدلہ) کچھ زیور رہن رکھا ہوا اور وہ قرض جس کے عوض کچھ رہن نہ رکھا ہو زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں، دونوں کی زکوٰۃ بعد وصول ہی کے لازم ہوتی ہے، اور وہ شبہ (کہ ہمیشہ زکوٰۃ دیتے دیتے نصاب نہ رہے، جب کہ تجارت میں نہ لگا ہو) اس کا جواب یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ زکوٰۃ دیتے دیتے جب حساب سے کم ہو جائے گا اس وقت زکوٰۃ آئندہ کو ساقط ہو جائے گی، اور جب تک بقدر نصاب روپیہ موجود ہے تو زکوٰۃ واجب ہونا خلاف عقل نہیں ہے، کیونکہ جو شخص مالک نصاب ہے وہ شرعاً اور عرفاً غنی (مالدار) کہلاتا ہے، اور غنی کو محتاجوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے مال سے کچھ دینا مروّت اور عقل کا تقاضہ ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۲ ج ۶ بحوالہ ہدایہ باب زکوٰۃ المال ص ۱۷۷ ج ۱)

(اسلام کے اس قانون کا منشاء یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ روپے جمع کر کے بے کار نہ رکھ چھوڑیں بلکہ اس روپے کو کاروبار میں یا کھیت و زمین میں لگائیں تاکہ ملک و قوم کا فائدہ ہو اور زکوٰۃ بار نہ گزرے، نقد جمع رکھنے سے ملک اور قوم کا سراسر نقصان ہے، کیونکہ روپے اور سونے چاندی میں نمو اور بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے، اب جو اس کو جمع رکھے اور جو کام اس کا ہے اس سے نہ لے یعنی تجارت وغیرہ میں لگا کر نفع نہ اُٹھائے تو یہ روکنے والے کا قصور ہے زکوٰۃ کا سبب زیادتی نہیں، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

جو قرض تھوڑا تھوڑا وصول ہو، اُس کی زکوٰۃ

مسئلہ:۔ جس وقت جس قدر قرض وصول ہوتا جائے، اس وقت تک کی مع پچھلے سالوں کے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے اگر مقروض سے قرض کے بدلہ میں زمین آئی، تب بھی قرض وصول ہو گیا، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (فتاورد دار العلوم ص ۸۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۴۸ ج ۲)

جس قرض کے وصول ہونے کی اُمید نہ ہو

مسئلہ:۔ قرض میں جو روپیہ ہے اس کی زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد اداء کرنا واجب ہوتی ہے۔ پس جو روپیہ وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۷۷ ج ۶ ردالمختار ص ۱۲ ج ۲)

جس قرض کی وصولیابی کی اُمید نہ تھی اور وہ مل جائے؟

مسئلہ:۔ جس وقت قرض وصول ہو جائے اس وقت پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اور جس سے وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ اس وقت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کبھی وصول ہو گیا تو پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۷۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۲ ج ۲)

قرض کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال:۔ دس ماہ پیشتر زید نے بکر کو بیس ہزار روپے قرض حسنہ دیا۔ ادائیگی کی مدت لامحدود

ہے۔بکر نے دس ہزار روپے مکان خریدنے میں اور دس ہزار کاروبار میں لگائے ،رقم منافع کے ساتھ اب دس ہزار سے بڑھ کر تیرہ ہزار ہوگئی ہے، کیا اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی ؟اور اگر ہوگی تو کس صورت میں؟

جواب:۔ اصول یہ ہے کہ جو رقم کسی کو قرض کے طور پر دی جائے اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے، قرض لینے والے کے ذمہ نہیں ہوتی ، پس زید نے جو بیس ہزار کی رقم بکر کو دے رکھی اس کی زکوٰۃ زید کے ذمے ہے، بکر کے پاس جو سرمایہ ہے خواہ کاروبار میں لگا ہوا ہو، یا سونے ، چاندی اور نقدی کی شکل میں اس کے پاس موجود ہو، اس تمام سرمایہ کی مجموعی رقم میں بیس ہزار روپیہ منہا کر دیا جائے ، جو اس کے ذمہ قرض ہے۔ باقی سرمایہ اگر ساڑھے باوَن تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہے تو اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔

(آپ کے مسائل ص۳۵۱ ج۳ کفایت المفتی ص۲۵۱ جلد۴)

کیا قرض دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ اگر کچھ رقم کس کو قرض دی ہوئی ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟

جواب:۔ جی ہاں !اس رقم پر بھی ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔البتہ آپ کو یہ اختیار ہے کہ ہر سال جب دوسرے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اسی کے ساتھ قرض پر دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ دے دیا کریں اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب قرض وصول ہو جائے تو گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ، جو اس قرض کی رقم پر واجب ہوئی تھی وہ یک مُشت ادا کریں۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۱ ج۳)

نادہندہ قرض دار کو دی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال:۔ مجھ سے پانچ سال پہلے دوستوں نے کچھ رقم اُدھار لی تھی ، واپس دینے کی کوئی تاریخ یا تحریر نہیں لکھی گئی تھی ، کئی مرتبہ مطالبہ بھی کیا۔ پانچ سال ہو گئے ہیں کوئی اُمید نظر نہیں آتی ، اور میں نے اب نا اُمید ہو کر مانگنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس رقم پر جو کہ میرے پاس نہیں ہے، پانچ سال ہوگئی ہیں زکوٰۃ دینی گی؟

جواب:۔ جو رقم کسی کو قرض دی ہو اس پر زکوٰۃ لازم ہے۔ البتہ یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ہر سال

ادا کر دیا کرے یا وصول ہونے کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ یکمشت (ایک ساتھ) ادا کرے۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳)

مقروض کے انکار کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ اگر مقروض قرض سے منکر ہو اور قرض دہندہ کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ لازم نہیں اور وصول ہونے کے بعد بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳ و در مختار ص۱۵ ج۲ احسن الفتاویٰ ص۲۶۶ ج۴)

صاحب نصاب مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص مقروض ہے اور اس کے پاس کچھ سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ہے؟

جواب:۔ قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس جو سونا یا سونے کے زیورات ہوں وہ زیورات استعمال میں آتے ہو یا نہ آتے ہو اگر وہ ساڑھے سات تولہ ہو یا اگر کم ہو مگر اس کے پاس چاندی یا اس کا زیور ہو یا نقد رقم ہو یا تجارتی مال ہو اور سونا چاندی مل کر یا نقد رقم اور سونا یا تجارتی مال اور سونا مل کر اتنی مالیت کا ہو جائے کہ سونے یا چاندی کا نصاب بن جائے تو اس پر واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۵ ج۵ بحوالہ ہدایہ ص۱۷۶ ج۱)

زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد مقروض ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر وجوب زکوٰۃ کے بعد قرض ہوگیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

(احسن الفتاویٰ ص۲۵۱ ج۴)

مسئلہ:۔ اصول یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال بھی ہو، اور وہ مقروض بھی ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب کے برابر مالیت بچتی ہے۔ (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت یا نہیں؟

اگر قرض وضع کرنے کے بعد نصاب کے برابر بچ رہتی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ وہ قرض ادا کرے یا نہ کرے، اور اگر قرض وضع کرنیکے بعد نصاب کے برابر مالیت نہیں بچتی تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (آپ کے مسائل ۳۹۹ ج۳)

کیا مقروض قرض کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟

سوال:۔ زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا، پھر باہمی رضا مندی سے سال کے اختتام پر بکر نے اس رقم کی زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی تو کیا زید کے ذمہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟

جواب:۔ دوسرا آدمی (جس نے رقم قرض نہ لی ہو) اجازت لے کر اپنی رقم سے صاحب مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو ادا ہو جاتی ہے، مگر بکر نے زید سے روپیہ قرض لیا ہے، اس وجہ سے اس کا ادا کرنا سود شمار ہوگا، لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زید کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہے گی۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۸ ج ۵)

کسی کی طرف سے اجازت لے کر زکوٰۃ ادا کرنا

مسئلہ:۔ اگر دوسرا شخص صاحب مال کے حکم یا اجازت سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۸ ج ۳)

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا، اس نے بلا اجازت کے اس کی طرف سے اسکی زکوٰۃ اپنی طرف سے ادا کر دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اگر بعد میں اجازت بھی دے دے تب بھی درست نہیں اور جتنی رقم اس کر طرف سے دی ہے اس کی وصول کرنے کا حق بھی نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۳۰۰ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۱۲ ج ۲ و شامی ص ۱۴ ج ۲)

زکوٰۃ سے مقروض کا قرض ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی صحیح صورت یہ ہے کہ مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر قرض میں واپس لے لے، اگر وہ واپس نہ کرے تو جبراً بھی واپس لے سکتا ہے اور اگر واپس نہ کرنے کا خطرہ ہو تو اس (مقروض) سے کہا جائے کہ کسی کو اپنے طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے اس سے قرض ادا کرنے کا وکیل بنائے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۵۰ ج ۴)

بیوہ کا قرض اس نیت سے ادا کرنا کہ زکوٰۃ میں وضع کرلوں گا کیسا ہے؟

سوال:۔ایک بیوہ مستحق زکوٰۃ ہے، اگر کوئی شخص اس عورت کا قرض اس نیت سے ادا کردے کہ آئندہ زکوٰۃ میں اس روپے کو وضع کرلوں گا، جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس طرح قرض ادا کردینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ ادائے قرض کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ جس قدر روپیہ دینا ہو وہ روپیہ اس بیوہ کو دے کر اس کی ملک کردیا جائے پھر اس سے لے کر اس کے قرض میں دے دیا جائے اس طرح زکوٰۃ بھی ہو جائے گی اور قرض بھی ادا ہوجائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۸۹ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۶ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر مالک یعنی صاحب نصاب مستحق زکوٰۃ کا قرض اس کے کہے بغیر خود ہی اپنے مال زکوٰۃ سے ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ قرض تو ادا ہو جائے گا۔

(کتاب الفقہ ص ۱۰۱۴ ج ۱)

واجب الوصول رقم کی زکوٰۃ

سوال:۔ میں ایک ایسا کام کرتا ہوں کہ خدمت کی انجام دہی کی رقوم کافی لوگوں کی طرف واجب الوصول رہتی ہیں، کیا ان کی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ کاریگر کو کام کرنے کے بعد جب اس کا حق الخدمت یعنی مزدوری اُجرت وصول ہو جائے تب اس کا مالک ہوتا ہے، پس اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو جب آپ کا زکوٰۃ کا سال پورا ہو، اس وقت تک جتنی رقوم وصول ہو جائیں، ان کی زکوٰۃ ادا کردیا کیجئے۔ اور جو آئندہ سال وصول ہوں گی، ان کی زکوٰۃ بھی آئندہ سال دی جائے گی۔

(آپ کے مسائل ص ۳۴۷ ج ۳)

جو قرض قسطوں میں وصول ہو، اس کا حکم

اور اگر باقساط ہو تو جس قدر وصول ہوتا جائے اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور اگر ایک دفعہ کُل کی

زکوٰۃ دے دے خواہ پہلے یا بعد میں، یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۹۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۵ ج ۲)

کیا کسی غریب کا قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال:۔ ایک شخص پر میرے پانچ ہزار روپیہ قرض ہیں، میں بمد زکوٰۃ اس کو دے دوں (معاف کر دوں) تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے پانچ ہزار روپے اس کو دے کر اس کو مالک بنا دیا جائے، پھر وہ بمد قرض ادا کر دے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور قرض بھی وصول ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲ ج ۲ کفایت المفتی ص ۲۸۲ ج ۴)

قرض معاف کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ اگر سال بعد قرض خواہ اپنا قرض مقروض کو معاف کر دے، تو قرض خواہ کو زکوٰۃ اس ایک سال کی نہ دینا پڑے گی، ہاں اگر وہ مدیون یعنی جس کو قرض دیا تھا، مال دار ہے تو اس کو معاف کرنا مال کا ہلاک کرنا سمجھا جائے گا۔ اور دائن یعنی قرض خواہ کو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کے ہلاک کر دینے سے ساقط نہیں ہوتی۔

(امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۵۹ و فتاویٰ عالمگیری ص ۲۱ ج ۲)

قرض دی ہوئی رقم میں زکوٰۃ کی نیت کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ کوئی غریب شخص قرض لی ہوئی رقم کو آج تک واپس نہیں کر سکا، اور نہ ہی اُمید ہے۔ اب کیا ہم اسکو قرض دی ہوئی رقم کو زکوٰۃ کی نیت کر کے چھوڑ دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ جو صورت آپ نے لکھی ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ اداء کرتے وقت نیت کرنا شرط ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۳ ج ۳)

مسئلہ:۔ وصول کر کے پھر اس کو زکوٰۃ کی نیت سے دے دے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۴ ج ۲)

قرض دار جس کی ذاتی آمدنی بھی ہے؟

مسئلہ:۔ ایک شخص کے ذمہ دو ہزار روپے قرض ہیں اور کچھ سرمایہ آمدنی بھی ہے، جو قرض سے کم ہے تو جب کہ قرض اس کے ذمے سرمایہ آمدنی سے زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۵۱ ج ۶ بحوالہ ہدایہ زکوٰۃ المال ص ۱۷۷ ج اوقدوری ص ۳۷)

رہن کا روپیہ جو سال بھر رکھا رہے اس کا حکم

مسئلہ:۔ کسی شخص نے قرض لیا اور اپنی زمین وغیرہ رہن رکھی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مقروض ہے اور مدیون ہے لور مدیون پر بقدر دین (قرض) کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی پس اگر اس شخص کے پاس اور کچھ روپیہ وزیور وغیرہ علاوہ اس روپے کے بقدر نصاب نہیں ہے تو اس قرض کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۵۳ ج ۶)

گروی رکھی ہوئی چیز کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

مسئلہ:۔ گروی یعنی رہن دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ نہ دینے والے پر ہے اور نہ رکھنے والے پر ہے۔ (فتاویٰ پر رحیمیہ ص ۱۲ ج ۲ بحوالہ شامی ص ۹ جلد دوم)

قرض بتلا کر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ کسی نے قرض مانگا اور تم کو معلوم ہے کہ وہ اتنا تنگ دست اور مفلس ہے کہ کبھی ادا نہ کر سکے گا یا ایسا نادہندہ ہے کہ قرض لے کر کبھی ادا نہیں کرتا، اس کو قرض کے نام سے زکوٰۃ کا روپیہ دے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی، اگر چہ وہ اپنے دل میں یہی سمجھے کہ مجھے قرض دیا ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۶۸ وشامی ص ۱۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ مستحق زکوٰۃ فقیر بہت غیرت مند ہو، اگر زکوٰۃ کی رقم معلوم ہو جائے تو وہ نہیں لے گا اور قرض بتلایا جائے تو لے لے گا کہ یہ رقم تم کو بطور قرض دی جا رہی ہے، جب آپ کے

پاس گنجائش ہو، ادا کردینا۔ ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی نیت کرلے، تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ بعد میں اسکو کہہ دو کہ میں نے معاف کردیا، تاکہ اس کو طمینان و سکون ہو جائے۔

(شامی ص ۳۵۶ ج ۲)

قرض وصول ہونے کی اُمید نہ ہو تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ قرض دینے اولے کو اپنا قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو، یا وصول ہونے میں تردّد ہے، ٹال مٹول کر رہا ہے تو ایسے قرض کی زکوٰۃ وصول ہونے سے پہلے ادا کرنا لازم نہیں بلکہ وصول ہونے کے بعد ادا کرنا لازم ہے اور جتنا وصول ہوتا رہے گا اتنے کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے اور گزرشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔

(امداد الفتاویٰ ص ۳۵ ج ۲ و فقہ الزکوٰۃ ص ۱۸۳ ج ۱)

تجارتی قرض کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ اگر تھوک (ریٹیل میں) مال بیچا جائے اور اس کی رقم حاصل ہونے کی امید رہتی ہے لیکن دیر میں وصول ہوتی ہے تو ایسے قرض کے وصول ہونے پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے تجارت اور کاروبار (بزنس) میں یہی طریقہ رائج ہے۔ (ایضاح المسائل ص ۱۱۱ بحوالہ درمختار مع شامی ص ۳۰۵ ج ۲)

مقروض کو زکوٰۃ دے کر اپنا قرض وصول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ زید کا ایک شخص پر روپے قرض ہے اور وہ مفلس ہے زید یہ حیلہ کرتا ہے کہ اپنے روپوں کی زکوٰۃ نکال کر اس مقروض کو دیتا ہے اور پھر اس سے قرض وصول کر لیتا ہے تو اس طریقے سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی، (اور قرض بھی وصول ہو جائے گا)۔

(فتاویٰ دار العلوم ۳۳۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ج ۲)

مسئلہ:۔ مقروض کو دوسری رقم زکوٰۃ کی نیت سے دے دے جب وہ اس روپے کا مالک اور قابض ہو جائے اس سے اپنا قرض مانگے اگر نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (امداد المسائل الزکوٰۃ ص ۴۳ و فقہ الزکوٰۃ ۳۹۷ ج ۲ آپ کے مسائل ص ۳۹۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ لیکن اگر ایسی صورت میں قرض دہندہ (مالک) کو یہ خطرہ ہو کہ مقروض کے ہاتھ میں زکوٰۃ کی رقم پہنچنے کے بعد قرض کے نام سے واپس نہیں دے گا یا فرار ہو جائے گا تو اس کے حل کے لیے دو طریقے ہیں (۱) قرض دہندہ مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر فوراً اپنا ہاتھ بڑھا کر از خود اپنے قرض کے نام سے قبضہ کر لے کیونکہ مقروض شرعاً ٹال مٹول کرنے والا بن گیا ہے اور ایسے مقروض سے اپنا قرض زبردستی وصول کر لینا جائز ہے (۲) قرض دہندہ کے کسی خادم یا نوکر وغیرہ کو مقروض زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے وکیل بنائے وہ وکیل مقروض کی طرف سے قبضہ کر لے اور پھر مقروض کی طرف سے قرض ادا کرنے کا وکیل بن کر بنام قرض، قرض دہندہ کو دیں دے تو اس طرح زکوٰۃ و قرض دونوں ادا ہو جائیں گے۔

(درمختار مع شامی ص ۲۷۱ ج ۲)

مال ہبہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ ہبہ (کسی نے تحفۃً گفٹ دیا) کے لیے قبول لازم ہے قبول کے بعد سے موہوب (جو چیز بھی دی گئی ہے اس) پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے ہبہ قبول نہیں کیا آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی جس وقت قبول کر لیا اس وقت سے آپ مالک ہیں اسی وقت سے اس پر زکوٰۃ کا حساب ہوگا (اگر زکوٰۃ والی چیز ہے)۔

مال حرام کی تفصیل اور زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ حرام مال میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ مال حرام خالص ہو تب تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں، تب تو وہ مال لوٹانا واجب ہے اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر مخلوط (ملا ہوا) ہے، تب دیکھا جائے گا کہ اگر حرام مال کی مقدار اس میں سے نکال لی جائے تو بقدر نصاب بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (امداد الفتاویٰ ص ۱۴ ج ۲ و احسن الفتاویٰ، وفتاویٰ دار العلوم ص ۹۴ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۲۳ ج ۲)

مسئلہ:۔ حرام مال میں زکوٰۃ واجب ہونے یا نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس

دوسرا مال حلال بھی ہے اور اس میں حرام کو ملا دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ اس پر لازم ہے اور اگر دوسرا مال حلال بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ کل مال صدقہ کرنا واجب ہے، یعنی جب کہ لوٹانا مالکوں یا ان کے وارثوں پر متعذر ہو، (صدقہ جب ہے کہ جب مالک یا وارث نہ مل سکیں) اور مسجد بنانا حرام مال سے درست نہیں ہے، اور مدرسہ کے طلباء پر صدقہ کرنا بصورت نہ ملنے مالکوں کے یا ان کے ورثاء کے درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۸۶ بحوالہ ردالمختار ص ۳۳ ج ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص ۸۴ ج ۳)

کیا حرام کی زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے؟

مسئلہ:۔ یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے، حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں، یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسئلہ غلط ہے، حرام مال جب اپنے حلال مال میں مل گیا، وہ ملک میں داخل ہو گیا، گو ملک خبیث ہی ہو، اور وجوب زکوٰۃ کے لیے ملک ہونا شرط ہے، طیب (پاک) ہونا شرط نہیں، طیب ہونا تو مقبولیت کی شرط ہے۔ پس اس لیے زکوٰۃ واجب ہوگی، گو مقبول نہ ہوگی (ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے) کہ پھر دینے سے کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے اس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں؟

البتہ خود حرام کمائی کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے، اسکی نفی نہیں کی جاتی، لیکن نہ دینے سے دو عذابوں کا استحقاق ہونا۔ کسب حرام (حرام کمائی) کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ، اور اب ایک ہی ہوگا، تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔

(اصلاح انقلاب ص ۱۵۲ ج ۱) تفصیل کے لیے دیکھئے فقہ الزکوٰۃ ص ۴۲۱ تا ص ۴۲۸ ج ۲)

غصب و رشوت کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ غصب و رشوت کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے وہ سب مال خیرات کرنا چاہیے جب کہ مالکوں اور وارثوں کا پتہ نہ لگے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۸۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ۳۴ ج ۲ زکوٰۃ الغنم)

بینک کے سُود پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ سیونگ بینک سے جو سُود وصول کیا جائے، اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
جواب:۔ سُود کی خالص رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ وہ ساری رقم واجب التصدق (جس کا صدقہ کرنا واجب ہے) ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۴۲ ج۴)

کیا دلاّلی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ زید دلالی کرتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ فلاں شخص اتنا روپے دیتا تھا مگر میں سے اس کو نہیں دیا، گاہک اس ترغیب سے خرید لیتا ہے اور زید کو اُجرت دلالی کی دیتا ہے، زید کے پاس ایسی اجرت سے بقدر نصاب روپیہ جمع ہو گیا ہے تو زید پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
جواب:۔ اس صورت میں زید جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہگار رہوا، اور حدیث شریف میں ہے کی ایسی بیع میں برکت نہیں ہوتی لیکن زید اس رقم کا مالک ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ لازم ہوگی۔
(فتاویٰ دار العلوم ص۹۴ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۷ ج۱)

ضمانت ملازمت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بغرض ملازمت ایک ہزار روپیہ بطور ضمانت سرکار جمع کیا، جب تک وہ شخص ملازم رہے گا، اس وقت اس کو ضمان واپس نہیں ملے گا، جب پینشن یا کسی وجہ سے برخاست ہوگا تو روپیہ اس کو دیا جائے گا، تو اس روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، تو بعد واپسی کے یا ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے؟
جواب:۔ اس روپے کی زکوٰۃ واپسی کے تمام گذشتہ سالوں کی ادا کرنا لازم ہے، اگر اس خیال سے کہ بعد واپسی کے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینی پڑے گی اور زیادہ رقم ہو جائیگی ، ہر سال موجود روپے کے ساتھ زکوٰۃ دے دیا کرے تو یہ بھی درست ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۰ ج۶ بحوالہ رد المختار ص۱۲ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)
(زر ضمانت کی وجہ سے ملازمت ملی ہے گویا کہ وہ ان روپوں کے ذریعہ مال حاصل کرنے والا ہوا ہے، تو عقلاً بھی زر ضمانت پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، اگر

وہ نصاب کے برابر ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

امانت کی رقم پرزکوٰۃ کا حکم

سوال:۔میرے پاس کسی کی امانت ہےتو اس پرزکوٰۃ دینا میرا فرض ہے یا جسکی رقم ہووہ زکوٰۃ دے گا؟

جواب:۔جس شخص کی امانت آپ کی پاس ہے،آپ کے ذمہ اس کی زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کی زکوٰۃ امانت رکھوانے والے کے ذمہ لازم ہے۔اگراس نے آپ کواختیار دیدیا ہےتو آپ بھی اس رقم میں سے ادا کرسکتے ہیں۔(آپ کے مسائل ص۳۵۲ ج۳ وکفایت المفتی ص۲۴۷ ج۴)

اگرامانت کی رقم سے حکومت زکوٰۃ کاٹ لے؟

سوال:۔دوسرے شہروں کے لوگ اپنی تجارت اور امانت کےطور پرکسی کے پاس جورقم جمع کراتے ہیں تو حفاظت کے خیال سے وہ شخص اپنے نام سے بینک میں رکھ دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً ان لوگوں کی ہدایت کے پیش نظر رقم نکالتا بھی رہتا ہےتو کیا حکومت ان رقوم پرزکوٰۃ منہا کرنے کی حقدار ہے یانہیں؟

جواب:۔جس شخص کی امانت ہےاس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔مگر چونکہ آپ کے اکاونٹ میں زبردستی کاٹ لیتی ہے۔اس لیے امانت رکھوانے والےکوچاہئے کہ آپ کوزکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار دیدے،اس اختیار دینے کے بعدان کی رقم سے جوزکوٰۃ کٹے گی وہ ان کی طرف سے ہوگی۔اورآپ سے زکوٰۃ کی رقم جو کاٹ لی گئی اس کو منہا کر کے باقی رقم ان کو واپس کردیں گے۔(آپ کے مسائل ص۳۵۳ ج۳)

(یہ مسئلہ اسلامی حکومتوں میں اسلامی بینکوں کا ہے۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

رقم پیشگی وپگڑی کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال:۔کرایہ کے مکان (ودُکان) پرجورقم بطور ضمانت پیشگی کرایہ دار سے لی جاتی ہے وہ قابل واپسی ہےاورکئی سال مالک مکان کے پاس امانت رہتی ہے،اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

جواب:۔جوشخص رقم کا مالک ہو،اس کے ذمہ زکوٰۃ ہے،پس امانت کی رقم کی زکوٰۃ اس پرنہیں

ہے، بلکہ امانت رکھوانے والے مالک کے ذمہ ہے اور (جو رقم پیشگی کرایہ دار سے واپسی کی شرط پر لی ہے) زر امانت کا مالک کرایہ دار ہے، اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۵۳ ج ۳)

(اور جو رقم آج کل پگڑی کے لی جاتی ہے وہ واپس کرایہ دار کو نہیں ملتی ہے بلکہ مالک مکان و دوکان اس رقم کا مالک ہوتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ الگ بحث ہے، اگر یہ رقم واپسی کی شرط پر نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ مالک مکان پر ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

متروکہ مال کی زکوٰۃ امین پر ہے یا وُرثاء پر؟

سوال:۔ میّت کا متروکہ مال ابھی وارثوں پر تقسیم نہیں ہوا، امین کی زیر تحویل ہے اور سب وارث بالغ ہیں، بعض کے حصے مقرر اور بعض کے ابھی مقرر نہیں ہوئے، اس مناقشہ میں سال کامل گزر گیا، اس صورت میں زکوٰۃ امین پر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ مال کی بزمّہ مالکوں کے لازم ہوئی ہے، امین کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ اگر وہ مال سونا چاندی ہے تو وارثوں پر حصہ زکوٰۃ لازم ہے جس وقت انکے پاس انکا حصہ پہنچ جائے گا اور مال زکوٰۃ بقدرِ نصاب انکے پاس ہو تو زمانہ گزشتہ کی زکوٰۃ بھی ان کے ذمہ لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۸ ج ۲)

امانت کے روپے سے زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال:۔ زید کے پاس کچھ روپیہ عمر باہر چلا گیا ہو، زید کو لکھتا ہے کہ میرے امانت سے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کر دیا جائے زید نے واجب الاداء قیمت سے کچھ دینی کتابیں لے کر مصرفِ زکوٰۃ میں دے دیں؟

جواب:۔ اس طریق سے زکوٰۃ ادا کر دینا درست ہے اور زکوٰۃ عمر کی صحیح ہوگی۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۷ ج ۶)

حفاظت کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید نے اپنے بھائی عمر کو پانچ سو روپے بغرض حفاظت دیا اور کہا کہ چاہے تم ان کو

کاروبار میں لگا کر نفع نقصان اٹھاؤ یا ویسے ہی رکھے رکھو، چار سال بعد اس رقم کی واپسی ہوئی تو کیا ان چار سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب:۔ان چار سال کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۴۸ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص ۱۲ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

مقدمہ کر کے وصول ہونے پر زکوٰۃ حکم

سوال:۔ایک شخص کے (اسامی پر) نالش (مقدمہ) کرنے سے سات سو روپے وصول ہوئے اور چار سو روپے عدالت میں خرچ ہوئے اور ان چار سو روپے کی زکوٰۃ ادا کر چکا تھا، اب کل سات سو کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا بعد منہا (وضع) کرنے خرچ کے؟

جواب:۔کل روپے کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، خرچ منہا نہ ہوگا۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۷ ج ۶)

ڈگری کے ذریعہ جو مال ملے اس پر زکوٰۃ کب سے ہے؟

مسئلہ:۔جس وقت سے ڈگری ہوئی زید کے ذمہ زکوٰۃ روپیہ واجب شدہ کی اسی وقت سے لازم ہوگی اور ادائے زکوٰۃ بعد وصول روپیہ کے لازم ہوگی۔(فتاویٰدارالعلوم ص ۹۹ ج ۶)

نیوتہ لے روپے کی زکوٰۃ

سوال:۔(۱) زید ایک ہزار روپیہ نیوتہ (شادی وغیرہ کے موقع پر جو بھات یا نقد رقم وغیرہ دی جاتی ہے) دس سال بعد وصول ہوا تو کیا حکم ہے؟

(۲) زید کے پاس ہزار روپے ہیں اور پانچ سو روپے برواج برادری نیوتہ دینا ہے تو اس صورت میں کس قدر روپے کی زکوٰۃ دینا ہوگی؟

جواب:۔(۱) ایسے صورت میں روپے کی زکوٰۃ وصول ہونے کے بعد دینا لازم ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۴ ج ۶ بحوالہ ردالمختار کتاب الہبہ قبل باب الرجوع ۷۰۷ ج ۴)

(نیوتہ یعنی جو خوشی کے موقع پر دی جاتا ہے، اس میں بحث یہ ہے کہ یہ قرض کے حکم میں ہے یا ہبہ کے حکم میں ہیں، اگر قرض کے حکم میں ہے تو وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔اور جو رقم نیوتہ لوگوں کے ذمہ ہے، زکوٰۃ کے حساب کے وقت یہ رقم

وضع کر لی جائے گی اور بقیہ کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

اور اگر اس نیوتہ کو قرض یا ہبہ قرار دینے کا مدار رسم ورواج پر ہے کہ بعض برادریوں میں بطور قرض یہ رقم دی جاتی ہے اور حساب لکھا جاتا ہے اور بعد میں شادی کے موقع پر ضروری طور پر وصول کیا جاتا ہے اور بعض برادریوں میں حساب کتاب نہیں لکھا جاتا کہ اگر مل گیا تو لے لیا، ورنہ اسکا تذکرہ بھی نہیں کیا جاتا، تو گویا یہ بطور ہبہ ہوتا ہے۔

اسی لیے مفتی صاحب کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہبہ قرار دیا ہے۔ اگر ہبہ کا بدلہ آگیا تو اب آئندہ کی زکوٰۃ بشرط نصاب دے ورنہ نہیں، اور نیوتہ کی رقم جو ذمہ ہے چونکہ ہبہ کے حکم ہے لہٰذہ اسے حساب میں وضع قرار نہیں دیا۔ (بقلم مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہ، برحاشیہ فتاویٰ دار العلوم ص ۵۴ ج ۹)

حج کے لیے جو رقم رکھی ہے اس پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ ایک صاحب نے چھ سال سے حج کے لیے روپیہ علٰحیدہ نکال کر رکھ دیا ہے، امسال حج کو جانا چاہتے ہیں تو کیا اس روپیہ پر تمام گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب اس روپے کی زکوٰۃ دینا واجب ہے جب تک وہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے اس وقت تک تمام سالہائے گذشتہ کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۱۶ ج ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۷ ج ۱ و فتاویٰ محمودیہ ص ۹۴ ج ۱۳)

حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال حج کو جانے کا خیال ہے لہٰذا حج کو جانے کے لیے پیشگی رقم جمع کرائی ہے، اب اس کی روانگی شعبان میں متوقع ہے، لہٰذا جو رقم جمع کی گئی ہے اس پر زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ آمد ورفت کے کرایہ اور معلّم وغیرہ کی فیس کے لیے جو رقم دی گئی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اس کو واپس ملے گی، اس میں سے یکم رمضان المبارک تک جتنی رقم بچے گی اس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اس پر نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۶۴ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۷ ج ۱)

حج کے لیے زکوٰۃ لینا کیسا ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی حج کو جا رہا ہے اور اسکے پاس پیسے کم پڑ جائیں تو اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟
جواب:۔ جس کے پاس خرچ کم ہو، اس کو حج کے لیے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں، لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں زکوٰۃ کا پیسہ بقدر ضرورت لے لینا درست ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ص۹۴ ج ۱۳)

کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ اس پر حج فرض ہو جائے؟

سوال:۔ عالم کو اگر لوگ اتنی زکوٰۃ دیں کہ اس پر حج فرض ہو جائے، کیسا ہے؟ شامی کی عبارت سے جائز معلوم ہوتا ہے۔
جواب:۔ اتنی رقم مد مذکورہ میں دینا مکروہ ہے کہ جس سے فقیر صاحب نصاب ہو جائے، ہمارے دیار میں وجوب حج سے قبل ہی صاحب نصاب ہونا ظاہر ہے، لہٰذا اتنی رقم دینا کہ حج فرض ہو جائے بطریق اولیٰ مکروہ ہے۔ شامی کی عبارت منقطع الحاج سے مراد وہ شخص ہے جو حج کے لیے نکلا ہو مگر سفر میں اس کا مال جاتا رہا اس کو زکوٰۃ دینا بلا کراہت جائز ہے عالم بلکہ عامی کو بھی اتنی زکوٰۃ نہیں لینا چاہیے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۹۴ ج ۴ بحوالہ ردالمحتار ص۴۷ ج ۲)

زکوٰۃ کی رقم سے حج کرانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ کا روپیہ حج کرنے والے کی (اگر صاحب نصاب نہیں ہے) ملک کر دیا جائے کہ وہ اپنا حج کرے یا جس خرچ میں چاہیے صرف کرے تو یہ درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۷۳ ج ۲)

مسئلہ:۔ اپنی زکوٰۃ کے روپے سے اپنا حج درست نہیں ہے البتہ یہ جائز ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ کے روپے کا مالک بنا دیا جائے، پھر خواہ وہ اپنا حج کرے یا دیگر مصارف میں صرف کرے اسکو اختیار ہے غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے میں مالک بنا دینا محتاج کو شرط ہے بغیر اس کے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۲۷۸ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص۱۸۵ ج ۱)

(البتہ ایک شخص کو اتنی رقم زکوٰۃ کی دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے، لیکن زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اور یہ بھی جب ہے کہ وہ غریب عیال دار نہ ہو۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کسی کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحبِ نصاب ہو جائے؟

سوال:۔ کسی فقیر کو اتنی زکوٰۃ کی رقم دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس نصاب سے کیا مراد ہے؟ موجب زکوٰۃ نصاب مراد ہے یا وہ نصاب جو زکوٰۃ لینے سے منع ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ لینے سے مانع نصاب مراد ہے، یہ کراہت جب ہے کہ فقیر عیال دار نہ ہو اگر عیال دار ہے تو اس کو یک مُشت اتنی رقم مد مذکورہ سے دی جا سکتی ہے کہ اس کے عیال (بال بچوں) پر تقسیم کریں تو ان مین سے کوئی بھی صاحب نصاب نہ بنے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۳ ج ۴ بحوالہ رد المختار ص ۸۴ ج ۲)

مسئلہ:۔ یکمُشت کسی ایک کو زکوٰۃ بقدر نصاب دے دینے سے زکوٰۃ تو ادا ہو جاتی ہے، مگر کسی کو یک مُشت اتنی زکوٰۃ دے دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۷ ج ۳)

شئیرز (حصص) پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ حصص اگر بہ نیت تجارت خریدے ہوں یعنی خود حصص کی خرید فروخت مقصود ہو تو حصص کی کل قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ حصص کی صرف اس مقدار پر زکوٰۃ ہوگی جو تجارت میں لگی ہوئی ہے۔ کارخانہ کی مشینری اور مکان پر صرف شدہ مقدار پر زکوٰۃ نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۸۷ ج ۴ و فقہ الزکوٰۃ ص ۳۶۹ ج ۱)

حصص پر زکوٰۃ کون سی قیمت پر ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے تجارتی کمپنی کے حصص خریدے۔ جب کمپنی شروع ہوئی تھی اس وقت ایک حصہ پانچ سو روپے کا تھا اور جس وقت اس نے حصے خریدے اُس وقت ایک حصہ کی قیمت ایک ہزار تھی اور اس وقت ایک حصہ کی قیمت پانچ سو روپے ہے تو یہ شخص کس قدر زکوٰۃ دے؟

جواب:۔ جو قیمت اس وقت ہے یعنی پانچ سو روپے کی ادا کرے۔

(فتاوٰی دار العلوم ص ۱۴۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۳۰ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

کیا حصص پر زکوٰۃ انفرادی طور پر ہے؟

سوال:۔ تمام کمپنیاں زکوٰۃ و عشر اثاثہ جات پر زکوٰۃ منہا کرتی ہیں اور رقم زکوٰۃ فنڈ کو منتقل کر دی جاتی ہے، کیا ایک مرتبہ اجتماعی کاروبار میں سے زکوٰۃ منہا ہو جانے کے بعد بھی دوبارہ ہر حصہ دار کو اپنے حصص پر انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب:۔ اگر حصہ داروں کے حصص سے زکوٰۃ وصول کر لی گئی تو ان کو انفرادی طور پر اپنے اپنے حصوں کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں البتہ اس میں گفتگو ہو سکتی ہے کہ حکومت جس انداز سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بہت سے علماء کرام اس طریق کار کی تصویب کرتے ہیں اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جانے کا فتویٰ دیتے ہیں جب کہ بہت سے علماء کی رائے اسکے خلاف ہے اور وہ حکومت کی کاٹی ہوئی زکوٰۃ کو ادا شدہ نہیں سمجھتے ان حضرات کے نزدیک ان تمام رقوم کی زکوٰۃ مالکان کو خود ادا کرنی چاہئے جو حکومت نے کاٹ لی ہو۔

(آپکے مسائل ص ۳۷۴ ج ۳)

کیا شیئرز کی خریداری پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ زید نے ایک کمپنی کے پندرہ حصے پانچ ہزار کے خریدے، اسمیں جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سالانہ تقسیم ہو کر حصہ داروں کو ملتا ہے تو کیا زید کے ذمہ پانچ ہزار کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا منافع سالانہ کی رقم پر زکوٰۃ لازم ہوگئی؟

جواب:۔ زید کو اس رقم پانچ ہزار کی زکوٰۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے۔

(فتاوٰی دار العلوم ص ۱۴۰ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۳ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر کمپنی تجارت کرتی ہے تو زکوٰۃ جمع شدہ رقم پر ہوگی، اور اگر کرایہ وصول کرنے کی کمپنی ہے تو جمع شدہ مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ حاصل شدہ نفع پر ہوگی۔ (کفایت المفتی ص ۱۴۳ ج ۴)

مسئلہ:۔ شیئرز پر زکوٰۃ ہے، اگر کمپنی تجارت کرتی ہے، مثلاً کپڑا، لوہے، سامان مشینری وغیرہ

فروخت کرتی ہے، سیمنٹ بیچتی ہے، بجلی سپلائی کرتی ہے (جیسے الیکٹرک کمپنی) تو شیئرز کی اصل رقم (شیئرز کی قیمت) اور شیئرز کے منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے اور اگر کمپنی تجارت نہیں کرتی، صرف کرایہ وصول کیا جاتا ہے جیسے ٹرام کمپنی بس کمپنی تو اسکے شیئرز پر زکوٰۃ ہے یعنی منافع پر زکوٰۃ ہے اصل رقم پر زکوٰۃ نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۲ ج ۲ و آپ کے مسائل ص ۳۷۳ ج ۳)

شیئرز کی مختلف قسمیں اور اس کا حکم

مسئلہ:۔ صنعتی اوزاروں کے سلسلہ میں جو اصول مزکور ہوا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کارخانوں میں حصہ دار بننے کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو اس نے ایسے کارخانوں میں شرکت کی ہے جس کا کام تجارت اور خرید و فروخت نہیں ہے۔ مثلاً دھان کوٹنا آٹا پیسنا وغیرہ۔ اس میں محض اُجرت لے کر ایک کام کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں صرف آمدنی ہی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ایسا کارخانہ ہو کہ اسمیں تجارت بھی کی جاتی ہو، چیزیں خرید کر تیار کی جاتی اور فروخت کی جاتی ہوں تو اب اخراجات نکالنے کے بعد سال بھر کی آمدنی کے علاوہ خام اور تیار شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسے روئی خرید کر کپڑا بننے اور گنّا خرید کر شکر یعنی چینی بنانے والے کارخانے، جو پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں، اس لیے کہ اب اس مال کی حیثیت ،،مال تجارت،، کی ہوگی۔ ہاں البتہ کارخانہ کی عمارت، فرنیچر، اَوزار اور مشینوں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

یہاں زکوٰۃ کے سلسلہ کے جو مسائل و احکام مذکور ہوئے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تمام حصہ داروں کی نیت اور ارادہ سے یکجا وہ رقم زکوٰۃ نکال دی جائے، اور یہ بھی درست ہے کہ ہر حصہ دار اپنے طور پر حساب کرے اور اپنے حصہ کے تناسب سے زکوٰۃ نکال دے۔

(جدید فقہی مسائل ص ۱۲۳)

مسئلہ:۔ کارخانوں اور ملوں کے حصص پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کہ ان حصص کی مقدار مقدارِ نصاب ہو یا دوسری قابل زکوٰۃ چیزوں کو ملا کر نصاب بن جاتا ہو، البتہ مشینری اور فرنیچر وغیرہ کو مستثنیٰ کر کے باقی کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۴۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ سونا، چاندی مال تجارت اور کمپنی کے حصص کی جو قیمت زکوٰۃ کا سال پورا ہونے کے دن ہو گیا اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (آپکے مسائل ص ۳۴۱ ج ۳)

کمپنی میں نصاب کے برابر جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال:۔ میں نے پیسے کسی کمپنی کو دیئے ہیں، جو کہ منافع و نقصان کی بنیاد پر ہر ماہ منافع ادا کرتی ہے، جس سے ہمارے گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں، اگر زکوٰۃ ماہانہ آمدنی سے ہو تو فاقہ کی صورت پیش آتی ہے، اور اگر اصل مال سے نکلواتے ہیں تو مزید آمدنی کم ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ جو رقم آپ نے کمپنی میں جمع کر رکھی ہے، اگر وہ مالیت نصاب یعنی ساڑھے باوَن تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے، اور ادا کرنے کی جو صورت بھی ہو آپ اختیار کریں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۵ ج ۳)

سرکاری و غیر سرکاری کمپنیوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ کمپنیوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے، اجتماعاً اور انفراداً دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ جو کمپنیوں اور ادارے مکمل طور پر سرکاری ہیں، ان کے پاس کسی حصہ پر بھی زکوٰۃ نہیں، اور جو جزء سرکاری ہیں اُن کے سرکاری حصہ پر زکوٰۃ نہیں صرف غیر سرکاری حصوں پر زکوٰۃ ہے، سرکاری اموال پر اس لیے زکوٰۃ نہیں کہ یہ شخصی ملکیت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۲۸۸ ج ۴)

کیا پلاٹ کی زکوٰۃ مارکیٹ کی حیثیت پر ہے؟

مسئلہ:۔ جو زمین یا پلاٹ خریدا جائے خریدتے وقت اس میں تین قسم کی نیتیں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ نیت ہوتی ہے کہ بعد میں ان کو فروخت کر دینگے، اس صورت میں ان کی قیمت پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہوگی اور ہر سال مارکیٹ میں جو ان کی قیمت ہو، اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً پلاٹ آپ نے پچاس ہزار کا خریدا تھا، ایک سال کے بعد اس کی قیمت ستر ہزار ہوگئی، تو زکوٰۃ ستر ہزار کی دینی ہوگئی، اور اس دس سال بعد اس کی قیمت پانچ لاکھ ہوگئی تو اب زکوٰۃ بھی پانچ لاکھ کی دینی ہوگی۔ الغرض ہر سال جتنی قیمت مارکیٹ میں ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور کبھی یہ نیت ہوتی ہے کہ یہاں مکان بنا کر خود رہیں گے، اگر اس نیت سے پلاٹ خریدا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

اسی طرح اگر خریدتے وقت نہ تو فروخت کرنے کی نیت کی تھی اور نہ خود رہنے کی، اس صورت میں بھی اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ تجارت کی نیت سے خرید کردہ زمین اور مکان اور برائے فروخت تعمیر کردہ مکانات کی موجودہ مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (اصل سرمایہ پر نہ ہوگی)۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۹ ج ۴)

مکان کی خرید پر خرچ ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک ماہ قبل مکان کا سودا کر چکے ہیں۔ ہم نے دو ماہ کا وقت لیا ہے جو کہ ختم ہو رہا ہے، بیانہ ایڈوانس (پیشگی) ادا کر چکے ہیں، اب ادائیگی زکوٰۃ کس طرح ہوگی کیونکہ رقم تو اب ہماری نہیں ہے، بلکہ مالکِ مکان کی ہوگئی، اب ہمارا تو مکان ہوگیا، کیا اس رقم سے زکوٰۃ ادا کریں جو کہ مالک کو دینی ہوگی؟

جواب:۔ اگر زکوٰۃ ادا کرنے سے قبل مکان کی قیمت ادا کر دی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور اگر سال ختم ہوگیا (نصاب کا)۔ اب تک مکان کے پیسے ادا نہیں کیے بلکہ بعد میں وقت مقرر پر ادا کریں گے تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۲ ج ۳)

پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ پلاٹ (زمین) اس نیت سے خرید لیا گیا تھا کہ اس کو فروخت کریں گے، تب تو وہ مال تجارت ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر ذاتی ضرویات کے لیے خرید لیا گیا تھا تو اس پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر خریدتے وقت تو فروخت کرنے کی نیت نہیں تھی، لیکن بعد میں فروخت کرنے کا ارادہ ہوگیا، تو جب تک اس کی فروخت نہ کر دیا جائے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۰ ج ۳)

جو پلاٹ رہائشی مکان کے لیے ہو؟

سوال:۔ میرے پاس زمین کا ایک پلاٹ ہے، مکان کی تعمیر کا خیال ہے، کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ جو پلاٹ رہائشی مکان کے لیے خریدا گیا ہو، اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۰ ج ۳)

کیا تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ اگر مکانات کے پلاٹوں کی خرید وفروخت کی جائے تو کیا یہ مال تجارت ہے اوران کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہے یا نفع پر؟

جواب:۔ اگر پلاٹوں (زمین یا مکان وغیرہ) کی خرید وفروخت کا کاروبار کیا جائے اور فروخت کرنے کی نیت سے پلاٹ خریدا جائے تو پلاٹوں کی حیثیت تجارتی مال کی ہوگی اورانکی کل مالیت پر زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی

مسئلہ :۔ جو زمین مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہو، اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہر سال جتنی اس کی قیمت ہو، اس کا چالیسواں حصہ نکال لیا کریں۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۱ ج ۳)

مسئلہ :۔ اگر پلاٹ یا مکان تجارت کی نیت سے خریدا (جس وقت قیمت مقدار نصاب کو پہنچ جاتی ہو) تو یہ مال تجارت ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہے جو چیز بھی بیچنے کی نیت سے خریدی جائے وہ مال تجارت میں داخل ہے؟ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۵ ج ۴)

جو مکان کرایہ پر چلانے کے لیے خریدا گیا؟

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے رہنے کے مکان کے علاوہ ایک اور مکان کرایہ پر چلانے کے لیے خریدا اور روپیہ بھی محفوظ ہے تو کیا اس مکان کی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں مکان کی قیمت پر زکوٰۃ نہ ہوگی بلکہ کرایہ کا روپیہ نصاب کے بقدر یا زیادہ جمع ہوگا اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اسکی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۴ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۰ ج ۲)

ضرورت سے زائد مکان پر زکوٰۃ

سوال:۔ جب کہ جائیداد یا مکان ذاتی ضرورت سے زیادہ ہوں، ان سے کرایہ کی آمدنی ہو تو زکوٰۃ جائیداد کی قیمت پر ہوگی یا آمدنی پر؟

جواب:۔ جائیداد (زمین ومکان) کی قیمت پر لازم نہ ہوگی بلکہ کرایہ آمدنی پر جو نصاب کی

مقدار کو پہنچ جائے اور اس پر تنہا یا دیگر رقوم موجودہ کے ساتھ سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ لازم ہو گی، جو کرایہ کی آمدنی جمع ہو اس پر زکوٰۃ لازم ہو گی حسب شرط مذکورہ بالا۔ (فتاویٰ دار العلوم ۱۳۳ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۰ ج ۲ و آپ کے مسائل ص ۳۱۱ ج ۳ و کفایت المفتی ص ۱۴۳ ج ۴)

جس روپے سے مکان خریدا کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے پانچ ہزار کا مکان خریدا، گھر والوں نے پسند نہیں کیا، اس لیے فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا، اس صورت میں پانچ ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ان پانچ ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن سے مکان خریدا گیا، جس وقت تک وہ روپیہ موجود تھا اور مکان نہ خریدلیا، اس وقت تک کی زکوٰۃ لازم تھی۔ (اگر سال پورا ہو گیا تھا، اور اگر سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے (جب مکان خرید لیا، اس وقت سے زکوٰۃ اس کی ساقط ہو گئی، اور جس وقت مکان فروخت ہو کر نقد روپیہ حاصل ہو گا، تو اس پر مکمل ایک سال گزرنے پر اس پر زکوٰۃ لازم ہو جائے گی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۹ ج ۶ بحوالہ رد المختار کتاب الزکوٰۃ ص ۱۰ ج ۲ و ص ۱۳ ج ۲)

اجارہ کی زمین پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ جو زمین ٹھیکہ پر یعنی اجارہ پر لی جائے اور ہر سال کی اجرت معین کر کے چند سال کی اجرت پیشگی دے دی جائے تو یہ درست ہے اور اس روپے کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۳ ج ۶)

زمین و مکان کی مالیت پر زکوٰۃ ہے یا آمدنی پر؟

مسئلہ:۔ مالیت زمین و جائیداد پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ کرایہ وغیرہ کی آمدنی جو جمع ہو اور خرچ وغیرہ کے بعد سال پورا ہونے پر باقی رہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی، اور زیور و نقد پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ کی شرح یہ ہے کی چالیسواں حصہ روپیہ و زیور وغیرہ کا دینا واجب ہے یعنی اڑھائی روپے سیکڑہ۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۵۰ ج ۶ بحوالہ رد المختار باب الزکوٰۃ والمال ۳۸ ج ۲)

کیا رہائشی مکان وسامان خانہ داری پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ رہائشی مکان پہننے کے کپڑوں گھر کا سامان، سواری کے جانوروں اور استعمالی ہتھیاروں اور ایسے ظروف (برتن) اور آرائش کی چیزوں پر جو سجاوٹ کے لیے استعمال کیے جائیں اور سونے و چاندی کے نہ ہو، زکوٰۃ واجب نہیں۔ (کتاب الفقہ ص ۹۶۸ ج ۱ اور در مختار ص ۱۴ ج ۲)

زیر استعمال چیزوں پر زکوٰۃ

سوال:۔ کی آرام و آسائش کی چیزوں مثلاً ریڈیو، ٹی وی، فریج، واشنگ مشین، موٹر سائیکل وغیرہ پر بھی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ یہ چیزیں استعمال کی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں البتہ زیورات پر زکوٰۃ ہے خواہ وہ پہنے ہوئے رہتے ہوں یا نہ (جب نصاب کو پہنچ جائیں)۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۳ ج ۳ و قدوری ص ۳۷)

مسئلہ:۔ ایسے برتن (دیگ بڑے دیگچے وغیرہ) کے لیے جو استعمال کے لیے رکھے ہوں خواہ ان کے استعمال کی نوبت کم ہی آتی ہو، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۳ ج ۳)

کیا مرغی فارم اور مچھلی پالن پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ مرغی فارم اور مچھلی کے تالاب کی زمین، مکان اور متعلقہ سامان پر زکوٰۃ نہیں، مرغیاں اور چوزے خریدتے وقت اگر خود انہی کی بیچنے کی نیت ہو تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اگر ان کی بجائے ان کے انڈے اور بچے بیچنے کی نیت کی ہو تو زکوٰۃ نہیں۔ تالاب میں مچھلیاں یا اُن کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں، مرغی خانہ اور تالاب کی آمدنی پر بہر صورت زکوٰۃ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۰۰ ج ۴)

مندرجہ ذیل اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہے

مسئلہ:۔ وہ اشیا جو سمندر سے نکالی جائیں جیسے عنبر، موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ، اس پر کوئی مطالبہ نہیں (یعنی زکوٰۃ نہیں) ہاں اگر ان کی تجارت کی جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(کتاب الفقہ ص ۹۹۸ ج ۱)

(یعنی جس طرح مال تجارت پر زکوٰۃ کے احکامات ہیں، اگر مندرجہ بالا چیزوں کی تجارت کی جائے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ جوہرات پر مثلاً، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔ (کفایت المفتی ص ۹۶۸ ج ۱)

مشک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ اگر کسی کو مشک یا زباد (ایک خوشبودار چیز جو مشک بلاؤ سے نکلتی ہے) دستیاب ہو موتی، مونگا وغیرہ حاصل ہو تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے خواہ اس کی مقدار زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۰۱ ج ۱)

(اگر تجارت کی جائے گی تو تجارتی لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔محمد رفعت)

کیا سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء پر زکوٰۃ ہے؟

بعض حالات میں اور بعض خاص مصلحتوں کے پیش نظر سونے چاندی کے مصنوعی اعضاء کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے ناک، دانت، کھوکھلے دانتوں کا سونے چاندی سے بھرنا سونے کے تاروں سے کو باندھنا وغیرہ ان میں سے بعض کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو آسانی سے نکالا جاسکتا ہے، اور ان کو رکھا ہی اس طرح جاتا ہے کہ ان کو لگایا اور نکالا جاتا رہے، جب کہ بعض اعضاء میں دھات یعنی سونا چاندی اس طرح فٹ کی جاتی ہیں کہ ان کو آسانی سے نکالا نہیں جاسکتا، بلکہ وہ مستقل طور پر لگائی جاتی ہیں، جو اعضاء نکالے جاسکتے ہیں جیسے کہ ناک وغیرہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی نظیر زیورات وغیرہ ہیں، اور جو اس طرح نہ ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مال نامی یعنی ان میں نشو ونما اور بڑھوتری کی گنجائش ہو اور موجودہ صورت میں ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں، دوسرے جب وہ انسان کے جسم کا ایک ایسا عضو بن جائے جس کو الگ کیا جانا ممکن نہ ہو تو اب وہ انسان کی بنیادی ضروریات (حاجتِ اصلیہ) میں داخل ہوگیا۔ اور ایسی چیزوں میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (جدید فقہی مسائل ص ۱۲۱)

کیا ماہانہ تنخواہ پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔اپنی تنخواہ کی کتنی فی صد رقم میں دینی چاہیے؟
جواب:۔اگر بچت نصاب کی برابر ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو ڈھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں
مسئلہ:۔زکوٰۃ بچت کی رقم پر ہوتی ہے جب کہ بچت کی رقم ساڑھے باوَن تولہ یعنی (۳۵ء ۶۱۲ گرام چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے جب کچھ بچتا ہی نہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔
(آپ کے مسائل ص۳۵۹ ج۳)
مسئلہ:۔تنخواہ کی رقم جب تک وصول نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں تنخواہ کی رقم ملنے کے بعد اس پر پورا ایک سال گزرا ہوگا تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو جب نصاب پر سال پورا ہوگا اس تنخواہ کی وصول شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔
(آپ کے مسائل ص۳۶۰ ج۳)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ملازمان کی تنخواہ میں جو کچھ روپیہ وضع (کٹتا) ہوتا ہے اور پھر اس میں کچھ رقم ملا کر بوقت ختم ملازمت ملازموں کو ملتا ہے وہ ایک انعام سرکاری سمجھا جاتا ہے اسکی زکوٰۃ گزشتہ سالوں کی واجب نہیں ہوتی، آئندہ کو وصول ہونے کے بعد جب سال بھر نصاب پر گزر جائے، اس وقت دینا لازم ہوگی۔(فتاویٰ دار العلوم ص۳۳۱ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۴۹ ج۲ باب الزکوٰۃ ونظام الفتاویٰ ص۲۱۲ ج۱ وفقہ الزکوٰۃ ص۱۸۷ ج۱ وفتاویٰ محمودیہ ص۵۱ ج۳)

فنڈ کی قسمیں اور زکوٰۃ

مسئلہ:۔گورنمٹ پراویڈنٹ فنڈ اور پرائیوٹ کمپنیوں کے پراویڈنٹ فنڈ کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، جس کی وجہ سے احکام میں بھی فرق ہوگا۔گورنمٹ پراویڈنٹ فنڈ میں حکومت مستاجر ہے اور ملازم اجیر ہے، فنڈ کی رقم مستاجر (حکومت) کے قبضہ میں رہتی ہے اس پر اجیر کا قبضہ نہیں ہوتا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، وصول

ہونے کے بعد بھی اُس پر گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے (جب کہ روپیہ باقی سال بھر تک بچے) زکوٰۃ فرض ہوگی، البتہ اگر اس فنڈ میں سے ملازم نے کسی انشورنس کمپنی میں حصہ لیا تو اب بیمہ کمپنی کا قبضہ اجیر کی طرف منسوب ہوگا، اور کمپنی بمنزلہ وکیل ہوگی۔ اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا اجیر کی ملک میں آجانے کی وجہ سے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ کمپنیوں کا پراویڈنٹ فنڈ ایک مستقل کمپنی کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے جس میں ملازم کا ایک نمائندہ ہوتا ہے، یہ کمپنی چونکہ ملازمین کی وکیل ہے لہٰذا کمپنی کا قبضہ ملازم کا قبضہ شمار ہوگا، اور یہ رقم ملازم کی ملک ہوگی، اس لیے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۶۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ فنڈ کی زکوٰۃ سلسلہ میں اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ دے دے تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے کہ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوٰۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں (یعنی وصول ہونے کے بعد سال گزرنے پر زکوٰۃ ہے، گزشتہ کی نہیں)۔

(امداد و مسائل زکوٰۃ ص ۶۲)

مسئلہ:۔ جب فنڈ کی یہ رقم ملازم یا اس کے وکیل کو وصول ہوگئی تو زکوٰۃ کے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر اس کا حکم اور ضابطہ وہی ہوگا جو کسی اور نئی آمدنی اور مال مستفاد کا ہوتا ہے اور تفصیل اس ضابطہ کی یہ ہے۔

(۱) ملازم اگر وصول یابی سے پہلے بھی صاحب نصاب نہیں تھا اور فنڈ کی رقم بھی اتنی کم ملی کہ اسے ملا کر بھی اس کا کل (سب) مال نصاب کی مقدار کو نہیں پہنچتا تو زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) اگر صاحب نصاب نہیں تھا مگر اس رقم کے ملنے سے صاحب نصاب ہوگیا تو وصول یابی کے وقت سے جب تک پورا ایک قمری سال نہ گزر جائے، اسپر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہ ہوگی اور سال پورا ہونے پر بھی اس شرط پر واجب ہوگی کہ اس وقت تک یہ شخص صاحب

نصاب رہے، لہذا اگر سال پورا ہونے سے پہلے مال خرچ کیا یا چوری وغیرہ ہو کر اتنا کم رہ گیا کہ یہ شخص صاحب نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک مال بقدر نصاب نہ رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور اگر خرچ ہونے کے باوجود سال کے آخر تک تو مال بقدر نصاب بچا رہا تو جتنا بچا صرف اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جو خرچ ہو گیا اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی

(۳) اگر یہ ملازم پہلے سے صاحبِ نصاب تھا تو یہ فنڈ کی رقم مقدار نصاب سے خواہ کم ملے یا زیادہ اس کا علیحدہ شمار نہ ہوگا بلکہ جو مال پہلے سے اس کے پاس تھا جب اس کا سال پورا ہوگا فنڈ کی وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ بھی اسی وقت واجب ہو جائے گی خواہ اس نئی رقم پر ایک ہی دن کا گزرا ہو مثلاً ایک شخص کی ملکیت ساڑھے باوَن تولہ چاندی کے قیمت کے برابر نقدی بھر سے رقم موجود تھی سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے اسے پراویڈنٹ فنڈ کے ایک ہزار روپے اور مل گئے تو اب اگلے روز اسے پورے تین ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ :۔ جو شخص پہلے سے صاحب نصاب تھا اور سال پورا ہونے سے مثلاً چار ماہ پہلے اسے فنڈ کی رقم مل گئی مگر وصول یابی کے بعد چار ماہ گزرنے نہ پائے تھے کہ کچھ روپے خرچ ہو گئے تو اب باقی ماندہ مال اگر بقدر نصاب ہے تو جتنا باقی ہے اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جو خرچ ہو گیا، اس کی واجب نہ ہوگی اگر باقی ماندہ مال نصاب سے کم ہے تو بالکل واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ :۔ ملازم کو جو رقم اس کے فنڈ میں سے بنام قرض دی جاتی ہے شرعاً یہ قرض نہیں بلکہ اس کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اسی کے ایک جزو کی وصول یابی ہے۔

(امدادالمسائل زکوٰۃ ص ۶۶ بحوالہ جدید مسائل کے شرعی احکام ص ۲۳ تا ص ۶۶)

نوٹ :۔ تفصیل ملاحظہ ہو پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ۔ مولانا محمد رفیع عثمانی)

کیا بینک میں جمع شدہ مال پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :۔ بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اس کی حیثیت ''امانت'' کی ہوتی ہے، صاحب مال کبھی بھی اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے اور اس میں تصرف کر سکتا ہے، زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے عملی طور پر قبضہ ضروری نہیں ہے بلکہ اگر وہ بروقت تصرف کرنے کے موقف میں ہو تو

حکماً قابض سمجھا جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے کہ خرید کیے ہوئے مال (سامان) پر قبضہ سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ "اما المبیع قبل القبض الصحیح انه یکون نصاباً"۔
(المبسوط ص۱۹۰ ج۲، امام سرخسی)

لہٰذا بینک میں جمع شدہ رقم پر مکمل اور ہر سال زکوٰۃ واجب ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۱۹ ج۱)

مسئلہ:۔ بینک میں رقم رکھی ہوئی ہے، ایک سال اس پر گزر گیا اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۴ ج۲ فتاویٰ دار العلوم ص۱۳۴ ج۶)

فکسڈ ڈپازٹ پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ آج کل بینک میں رقم جمع کرانے کی ایک صورت وہ ہے جس کو "فکسڈ ڈپازٹ" کہا جاتا ہے، اس طرح یہ رقم ایک مخصوص مدّت تین یا پانچ سات سال وغیرہ کے لیے ناقابل واپسی ہو جاتی ہے۔ اور اس مدّت کی تکمیل کے بعد ایک قابل لحاظ شرح سود کے ساتھ یہ رقم واپس ملتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وجوب زکوٰۃ کے لیے "ملک تام" ضروری ہے، اور ملک تام یہ ہے کہ وہ شئے (چیز) اس کی ملکیت میں بھی ہو اور اس کو اس پر قبضہ بھی حاصل ہو، ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، لیکن فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جو سامان خود اپنے اختیار سے کسی دوسرے کے قبضہ میں دیدے مگر اس چیز پر اس کی ملکیت باقی ہو تو سر دست قبضہ نہ ہونے کے باوجود زکوٰۃ واجب رہتی ہے، چنانچہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ قرض پر لگی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس لیے یکسڈ ڈپازٹ کی رقوم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

البتہ ایک ہی ساتھ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب کہ رقم صاحب مال کو وصول ہو جائے۔ (جدید فقہی مسائل ص۱۲۰ بحوالہ کتاب الفقہ ص۵۹۱ ج۱)

مسئلہ:۔ بینک فکسڈ ڈپازٹ، سیونگ سرٹیفکیٹ، پرائز بانڈز اور انشورنس یہ سودی قرض ہیں، انعامی بانڈ میں سود کے علاوہ قمار بھی ہے، اس لیے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض ہے اور کل منافع حرام ہونے کی وجہ سے واجب التصدق ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۲۸۷ ج۴)

کیا بینک اور انشورنس کے انٹرسٹ پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :۔ بینک انشورنس پر جو انٹرسٹ ملتا ہے وہ سود تو ہے ہی، بسا اوقات جوا (قمار) بھی ہو جاتا ہے اور اس لیے مال حرام ہے مال حرام کو صدقہ کی نیت سے نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کارِ ثواب نہیں ہے بلکہ ایک کارِ خیر کی توہین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا **"لاصدقه فی غلول"** (ترمذی)

چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب "قنیہ" میں ہے کہ اگر پورا نصاب حرام مال ہی ہے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس تمام کے تمام مال کو دے دینا ضروری ہے (جب کہ صاحب مال کو واپس کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو، ورنہ صدقہ کر دے جب مالک نہ ملیں) پھر اس کے ایک حصہ میں زکوٰۃ واجب کرنے کا کیا حاصل؟۔ اس لیے اگر تمام مال حرام ہی ہو اور اسی قسم کی رقم پر مشتمل ہو، تب تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر مال کا غالب حصہ حلال ہو اور کچھ حصہ حرام تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے ایسے غصب کردہ مال پر زکوٰۃ واجب قرار دی ہے جس کو آدمی اپنے مال کے ساتھ مخلوط کر دے، **ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوٰة فيه**" (درمختار ص ۳۹ ج ۲ وجدید فقہی مسائل ص ۱۲۱

بانڈ وغیرہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید کے پاس اپنی حوائج ضروریہ کے علاوہ ایسا روپیہ ہے جس سے اس نے بانڈ (جو ایک قسم کا سرکاری کاغذ ہے، فکس ڈپازٹ وغیرہ) خریدے ہیں یا زید نے روپیہ کسی کو قرض بلا سود دے دیا تو اُسکا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ان سب صورتوں میں زکوٰۃ واجب الادا ہے، لیکن قرض دینے کی صورت میں وصول ہونے کے بعد گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ واجب الاداء ہے یعنی لازم ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۲)

موت کے معاوضہ پر جو رقم ملی اس کا حکم

سوال:۔ تصادم ریل (جہاز بس، موٹر وغیرہ) سے زید کا انتقال ہو گیا۔ کمپنی نے اس کی جان

کے معاوضہ میں اس کے والدین و بیوہ اور نابالغ بچوں کو مبلغ تیس ہزار روپے دیئے، تو ان بچوں اور بیوہ کی رقوم پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ بچے جب تک نابالغ ہیں ان کے حصے کے روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں اور بیوہ اور والدین کے حصے میں جو روپیہ آیا ہے اس پر زکوٰۃ (جب کہ سال بھر تک وہ رقم موجود رہے) واجب ہے اور بچے جس وقت بالغ ہو جائیں گے تو ان کے حصے کے روپے پر بھی زکوٰۃ اس وقت سے واجب ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۳۲ ج ۶ بحوالہ رد المختار کتاب الزکوٰۃ ص ۴ ج ۲)

دفینہ کا کیا حکم ہے؟

سوال:۔ جو روپیہ زمین میں مدفون ہے اور اس سے کسی قسم کا نفع نہیں ہے تو اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب اس روپے کی زکوٰۃ ہر سال دینی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۸ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۲)

کانوں اور دفینوں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ زمین کے اندر کانوں کے جو قدرتی خزانے ہیں، ان میں تین طرح کی اشیاء برآمد ہوتی ہے (۱) حرارت سے پگھلنے والی دھاتیں (۲) رقیق اور بہنے والی چیزیں (۳) یا پھر وہ چیزیں جو نہ آگ پر پگھلتی ہوں اور نہ بذات خود پتلی اور رقیق ہوں، آگ پر پگھلنے والی دھات کی قسمیں ہیں، سونا، چاندی، لوہا، رانگ، تانبا، کانسی وغیرہ۔ ان میں زکوٰۃ کا وجوب پانچویں حصے کے بقدر ہوتا ہے، کان سے دھاتیں برآمد کرنے والا آزاد آدمی ہو، یا غلام ہو، ذمی ہو یا لڑکا ہو یا عورت ہو، بہر حال پانچواں حصہ زکوٰۃ کا ادا کرنے کے بعد باقی شے کا برآمد کرنے والا مالک ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی دفینے کو برآمد کرنے میں دو شخص (ایک ساتھ) جدوجہد کریں اور ان میں سے ایک کے ہاتھ آجائے تو دفینہ کا وہی ایک شخص مالک تنہا مالک قرار دیا جائے گا، اور اگر کوئی شخص کان کنی کا ٹھیکہ لے تو کان سے جو مقدار برآمد کرے گا اس کا وہی مالک قرار دیا جائے گا۔ (بحر الرائق)

مسئلہ:۔ دوسری قسم وہ ہے جو رقیق اور پتلی ہو، جیسے گندھک، نمک، تیل، پیٹرول اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ رقیق ہو اور نہ پگھلنے والی ہو، جیسے چونا، گچ، کوئلہ، جواہر یاقوت، ان دو قسموں پر ''تہذیب'' کے مطابق زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ سیماب (پارہ) میں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کو دارالاسلام میں کسی ایسی جگہ دفینہ ہاتھ آئے، جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو جیسے صحرائی علاقہ، تو اگر مدفون سکّوں پر اسلامی سلطنت کی کوئی علامت کندہ ہو تو اس دفینہ کا وہی حکم ہے جو پڑی ہوئی چیز کے پالینے کا ہے۔ اور اگر دورِ جاہلیت کی علامت ہو تو پانچواں حصہ زکوٰۃ کا نکال کر باقی چار حصے پانے والے کی ملکیت ہونگے۔

مسئلہ:۔ کوئی دفینہ کسی شخص کی ذاتی زمین میں برامد ہو تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق اسمیں زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی جگہ سامان مثلاً گھریلو اسباب کپڑے اور نگینے برآمد ہوں تو وہ بھی خزانے کے حکم میں ہے اور اس پر زکوٰۃ کا پانچواں حصہ واجب ہوگا۔

(تفصیل دیکھئے فتاویٰ عالمگیری اُردو ص ۲۴ ج ۴ و کتاب الفقہ ص ۹۹۶ ج ۱)

مسئلہ:۔ آج کل خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان میں چونکہ بیت المال کا کچھ انتظام نہیں ہے، اس لیے بیت المال کا حصہ بطور خود ان لوگوں کو جن کا ذکر مستحقینِ زکوٰۃ کے بیان میں آئے گا، تقسیم کر دیا جائے۔ (علم الفقہ ص ۴۹ ج ۴)

معدن و پیٹرول وغیرہ پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ کان اور معدن مائع جیسے پیٹرول اور غیر منطبع (جو ڈھالے نہ جاتے ہوں۔۔۔ خمس (پانچواں حصہ) نہیں ہے، اور منطبع غیر مائع (جو ڈھالے نہ جاتے ہوں مگر بہتے۔۔۔ ہوں) پر خمس واجب ہے، البتہ زیبق کے معدن پر مائع ہونے کے باوجاد خمس ہے، اس لیے کہ یہ دوسری اشیاء کے ساتھ مل کر انطباع (ڈھالے جانے) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ایسا معدن خواہ سرکاری زمین میں پایا جائے یا اپنی مملوکہ زمین میں یا کسی گھر و مکان و دوکان میں بہر حال اُس پر خمس ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی گھر ودوکان میں پائے جانے والے معدن پر خمس نہیں، ذاتی زمین سے متعلق امام صاحب رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں ترجیح روایتِ واجب کو دی گئی ہے۔ سرکاری زمین میں معدن پایا گیا تو پانے والے کی ملک ہے اور اگر اپنی ذاتی زمین میں ہو تو مالک زمین کی ملک ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۸۸ ج ۴)

مسئلہ:۔ مائع اشیاء جیسے تارکول اور مٹی کا تیل، پیٹرول یا گیس، نمک وغیرہ کے برآمد ہونے پر کوئی مطالبہ نہیں ہے (زکوٰۃ نہیں ہے) اسی طرح ایسی اشیاء پر بھی جو نہ آگ پر پگھلائی جاتی ہوں اور نہ مائع ہوں جیسے چونا پتھر اور جواہرات وغیرہ پر کچھ عائد نہیں ہوتا، البتہ مائع اشیاء میں سے پارہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ پارہ برآمد ہو تو اس پر خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے۔ واضح ہو کہ دفینہ میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو زمین کے اندر دستیاب ہوں، مثلاً ہتھیار، آلات، سامان خانہ داری وغیرہ یعنی ان تمام اشیاء پر خمس واجب ہوگا۔

(کتاب الفقہ ص ۹۹۷ ج ۱)

کیا منّت کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے کسی آمدنی کا تیسرا حصہ اللہ کے نام مان لیا جب کوئی شخص قابل رحم نظر آیا تو اس کی امداد کی، کیا اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی، جو اس نے غریبوں کے لیے یا اللہ کے نام رکھی ہے؟

جواب:۔ اگر زبان سے نذر یا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر واجب ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہے، مگر الگ سے ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسی رقم کا چالیسواں حصہ بہ نیت زکوٰۃ دے سکتا ہے، باقی بمدِ نذر صدقہ کرے، بقدر زکوٰۃ کی نذر ساقط ہو جائے گی اگر یہ کل رقم بغیر نیت زکوٰۃ مساکین کو دے دی تو بھی اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں گیا اور باقی نذر میں، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ نذر کی رقم الگ متعین ہو، ورنہ مطلق رقم کی نذر میں یہ ساری رقم بمدِ نذر واجب التصدق ہوگی، اور اس کی زکوٰۃ الگ فرض ہوگی، اگر بغیر نیت زکوٰۃ کل رقم صدقہ کر دی تو بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی، مگر بقدر زکوٰۃ مزید بمدِ نذر صدقہ واجب ہوگا۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۶۶ ج ۴)

کیا وقف مال پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :۔ وقف شدہ مال پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ اسکا کوئی مالک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کھیتی پر بھی زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے، جو مباح (غیر مملوکہ اراضی) زمین کی پیداوار ہو کیونکہ اس کا بھی کوئی مالک نہیں ہے (کتاب الفقہ ص ۹۶۱ ج ا و فقہ الزکوٰۃ ص ۱۷۷ ج ۱)

مسئلہ :۔ اسی طرح اس حکم سے وہ مال بھی خارج ہے جو کسی کے لیے معین کیے بغیر وقف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی باغ مسجد یا سرائے کے لیے یا بالعموم فقراء و مساکین کے لیے بلا تعین وقف ہو تو اس کے پھلوں اور پیداوار پر زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے، البتہ اگر وہ زمین (وقف شدہ) ٹھیکہ دی گئی اور اس پر کھیتی کی گئی تو ٹھیکہ دار کو اس کے لگان کے علاوہ وہ زکوٰۃ (عشر) بھی دینی پڑے گی۔ (کتاب الفقہ ص ۹۶۳ ج ۱)

(یعنی وقف پر تو نہیں ہے لیکن ٹھیکہ دار نے زمین لے کر زراعت وغیرہ کی تو جو اس کے حصہ میں آئے گا، اس میں عشر ہو گا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

کیا زکوٰۃ کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال :۔ کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی اسے کسی مستحق کے حوالے نہیں کیا اور ایک سال تک رکھی رہی تو کیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہے؟

جواب :۔ زکوٰۃ پر زکوٰۃ نہیں، اس رقم کو تو زکوٰۃ میں ادا کرے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۰ ج ۳ و فقہ الزکوٰۃ ۱۷۶ ج ا و کفایت المفتی ص ۱۴۳ ج ۴)

کیا چندہ کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :۔ مدرسہ کا چندہ جو بقدر نصاب جمع ہو جاتا ہے اور سال بھر اس پر گزر جاتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۴۹ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹ ج ۱)

مسئلہ :۔ محلّہ کا وہ روپیہ جو جماعت (یا کمپنی) کا مشترک روپیہ ہو اور لوگوں کے کام آنے کے لیے جمع کیا یا مسجد کا روپیہ ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۵۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ مہتمم مدرسہ کے پاس جو رقم مدرسہ کی جمع رہتی ہے اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار کتاب الزکوٰۃ ص ۹ ج ۲)

مسئلہ:۔ جو رقم کسی کار خیر کے چندہ میں دی جائے، اس کی حیثیت مال وقف کی ہو جاتی ہے اور وہ چندہ دینے والوں کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں۔
(آپ کے مسائل ص ۳۷۲ ج ۳)

جن مدارس میں زکوٰۃ کی رقم ہو وہاں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ بعض مدارس میں زکوٰۃ کے روپے تقریباً چالیس ہزار جمع ہو جاتے ہیں تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ مدرسہ والوں کو زکوٰۃ کی رقم اسی سال میں کام میں لے لینی چاہیے، مدرسہ میں چاہے کتنی ہی زکوٰۃ ہو، دینا منع نہیں ہے، البتہ سالہا سال جو جمع رکھتے ہوں، ایسے مدارس میں نہیں دینا چاہیے، جہاں کام میں صرف کی جاتی ہے اور ضرورت ہو وہیں دینی چاہیے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۳ ج ۵ و فتاویٰ محمودیہ ۶۵ ج ۳)

بلا ضرورت زکوٰۃ وصول کرنا؟

سوال:۔ (۱) زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے بقاء اور استحکام کے پیش نظر بطور پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لے لی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کر کے حیلہ تملیک کر لے اور پھر حسب مصالح صرف کرتا رہے تو حیلہ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ (۱) حامداً و مصلیاً۔ مدرسہ کے بقاء اور استحکام کے لیے صورت مسئولہ اختیار کرنا درست ہے۔

(۲) تملیک سے زکوٰۃ فوراً ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۹ ج ۳ بحوالہ ہدایہ ص ۱۷۹ ج ۱)

کمیشن پر زکوٰۃ کا چندہ وصول کرنا

سوال:۔ مدارس میں اکثر چندہ رقم میں سے حصہ مقررہ پر چندہ مانگتے ہیں بعض کی تنخواہ مقرر

ہوتی ہے، اگر زکوٰۃ کی رقم ان کو دی جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟
جواب:۔ چندہ کے حصے پر سفیر مقرر کرنا ناجائز نہیں۔ مدارس کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ اس لیے زکوٰۃ صرف انہیں مدارس کو دی جائے جن کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ ٹھیک مصرف پر خرچ کرتے ہیں۔
(آپ کے مسائل ص ۳۰۷ ج ۳)

مسئلہ:۔ کمیشن پر چندہ کرنے کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی اچھی کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ فی صد کمیشن بطور انعام دینا جائز ہے، لیکن زکوٰۃ کے پیسے سے دینا جائز نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ میں سے دے سکتا ہے، اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے کمیشن پر چندہ اجارہ فاسد ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔
(ہدایہ ص ۲۹۱ ج ۳ وفتاویٰ دارالعلوم ج ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۲ ج ۱۳ و ۳۳۲ ج ۱۰)

زکوٰۃ وغیرہ جبراً وصول کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ جبراً وصول کر کے مدرسہ ومکتب میں صرف کرنا کیسا ہے؟
جواب:۔ جبر کرنا صدقہ نفلی میں درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۸ ج ۶)

زکوٰۃ کی رقم بلا اجازت خرچ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس مہتمم مدرسہ نے کچھ روپیہ زکوٰۃ کا طلبہ کے واسطے رکھ دیا تھا، اس کو کچھ ضرورت پڑی اس نے بلا اجازت مہتمم مدرسہ کے اپنے خرچ میں صرف کر لیا اور پھر ادا کر دیا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا، لیکن ادا کرنے کے بعد وہ بری ہو گیا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۸ ج ۶)

زکوٰۃ کی رقم میں سے کمیشن دینا؟

سوال:۔ ایک شخص اپنے رشتہ داروں کو ہندوستان میں زکوٰۃ کے پیسے بھیجتا ہے، آج کل روپوں کے بھیجنے میں کمیشن دینا پڑتا ہے تو کیا زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہیں؟ مثلاً زکوٰۃ کے

ہزار روپے بھیجیں تو مرسل الیہ کو آٹھ سو روپے پہنچتے ہیں تو یہ دوسو روپے زکوٰۃ کے ہوں گے یا جس کو بھیجے ہیں اس کی رقم قراردیں؟

جواب:۔ مذکورہ دوسو روپے زکوٰۃ کے شمار نہ ہوں گے ،لہٰذا دوسو روپے ادا کرنے ہوں گے۔(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۰ ج۲)

تجارتی مال پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے تجارت کرنا اوراس سے نفع حاصل کرنا جائز قرار دیا ہے؟ بشرطیکہ یہ تجارت کسی حرام شئے (چیز) کی نہ ہو،اور معاملات میں سچائی ،امانت داری وغیرہ کے اخلاقی اصولوں کو ترک نہ کیا جائے اور تجارت کی مشغولیت ذکر اللہ سے اور حقوق اللہ کی ادائیگی سے غافل نہ کرے۔یہ بات بھی قابل تعجب نہ ہونی چاہیے کہ اسلام نے تجارت سے حاصل ہونے والی اس دولت پر زرنقد کی طرح سالانہ زکوٰۃ مقرر کردی،تاکہ نعمتِ الٰہی کا شکر ادا ہو جائے اوراس کے بندوں میں سے ضرورت مند بندوں کا حق ادا ہو جائے اور دین اور ریاست کی عام مصالح (مفادات عامہ) میں شرکت ہو جائے جو کہ ہر زکوٰۃ کے مقاصد ہیں۔

فقہ اسلامی میں تجارت پر زکوٰۃ کے احکام بھی بیان کیے گئے تاکہ مسلمان تاجر کو معلوم ہو جائے کہ اسے کسی مال پر زکوٰۃ دینی ہے اور کس مال پر زکوٰۃ سے چھوٹ حاصل ہے۔

فقہاء تجارتی دولت کو ''عروض تجارت'' کہتے ہیں اوراس سے ان کی مراد زرنقد کے علاوہ ہر سامان ہوتا ہے جو تجارت کے لیے مہیا کیا گیا،خواہ کسی بھی قسم کا ہو،مثلاً آلات اور مشینیں ہوں، استعمالی سامان ہوں، کپڑے ہوں، کھانے پینے کی اشیاء ہوں، زیورات و جواہرات ہوں، حیوانات و نباتات ہوں، گھر ہوں یا زمین یا منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں ہوں (غرض) جو اشیاء فائدہ حاصل کی غرض سے خرید و فروخت کے لیے مہیا کی گئی ہیں، وہ سامان تجارت ہیں، غرض یہ ہے کہ جس کسی کے پاس سامان تجارت ہو اوراس پر سال گزر جائے اوراس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ کی ادیگی لازم آئے گی۔یعنی سامان کی قیمت کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فی صد جس طرح زرنقد کی زکوٰۃ کا حساب ہوتا ہے۔

(فقہ الزکوٰۃ از ص۴۱۴ تا ۴۱۶ ج۱)

اسلام نے نہ صرف تجارت اور محنت کی ترغیب دی، بلکہ تاجروں کو اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ تجارت کے مسائل اور اس کا علم حاصل کریں آج دنیا میں ہر جگہ کومرس (comoerce) کالج قائم ہیں، لیکن اس کی ابتداء سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے کی تھی۔

جامع ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہی لوگ تجارتی لین دین کریں جنکو دین کی سمجھ اور تجارت کے مسائل سے واقفیت ہو، پھر حضرت عمرؓ نے باقاعدہ اس کیلئے انسٹی ٹیوٹ (ادارہ جات) قائم کیے، جسمیں اسوقت کے علمائے کرام تشریف لے جاتے تھے اور تاجر بھی وہاں جمع ہوتے تھے، تاجر حضرات اپنے اپنے درپیش مسائل علمائے کرام سے حل کراتے تھے۔ اور امام مالک کا یہ عالم تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد سے رات کے بارہ بجے تک مدینہ طیبہ کے تاجروں کے لے کر بیٹھے رہتے تھے اور تجارتی لین دین اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل سکھایا کرتے تھے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

تجارتی مال کی زکوٰۃ کی شرائط

مسئلہ:۔ حنفیہ کے نزدیک مالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں۔

(۱) ایک شرط یہ ہے کہ اس کی (تجارت کی) قیمت سونے یا چاندی کے حساب سے نصاب پورا کرتی ہو، اور یہ اختیار ہے کہ سونے یا چاندی کے سکوں میں سے جس سکہ میں چاہے قیمت لگائی جائے (یعنی نصابوں میں سے چاندی وسونے کا جو نصاب ہے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اگر تجارت کا مال ہے تو زکوٰۃ واجب ہے اور مال کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس شہر میں ہو، اگر وہ مال کسی غیر آباد جگہ بھیجا جائے (جہاں قیمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) تو اس علاقہ کے قریب جو شہر ہو وہاں کی قیمت کے لحاظ سے اس کی مالیت لگائی جائے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اُس مال پر ایک سال گزر جائے اور اس بارے میں سال کے دونوں سروں کو دیکھا جائے گا، درمیانی حصہ کو نہ دیکھا جائیگا، لہٰذا اگر کوئی شخص (تاجر) سال

کے آغاز میں نصاب کا مالک ہو اور درمیانِ سال میں وہ مال نصاب سے کم رہ جائے لیکن سال کے ختم ہونے پر پھر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ البتہ اگر سال کے آغاز وانجام میں نصاب کم رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

(۳) ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مال سے تجارت کی نیت ہو، اور نیت کے ساتھ عملی طور پر تجارتی کاروبار شروع بھی کر دیا ہو، لہذا اگر کوئی جانور خدمت (سواری) کے لیے خریدا گیا ہو پھر ارادہ کیا کہ اس کی تجارت کی جائے تو وہ مالِ تجارت متصور نہ ہو گا، جب تک کہ فی الواقع اُسے بیچنا یا کرایہ پر دینا شروع نہ کر دے۔

اگر کسی شخص کو نقدی کے علاوہ کچھ مالِ تجارت عطیہ کے طور پر ملا، یا کسی نے اس کے حق میں وصیت کی اور عطیہ یا وصیت کے وقت اس مال سے تجارت کی نیت کی تو یہ نیت تسلیم نہ کی جائے گی جب تک کہ اس مال سے کاروبار نہ شرع کیا جائے۔

اگر کسی نے تجارتی مال کو اس طرح کسی اور مال سے تبادلہ کیا تو نیت کا انحصار اصل مالِ تجارت پر ہو گا، مبادلہ پر نیت منحصر نہ ہو گی، لہذا تبادلہ کا مالِ تجارت ہی کے لیے سمجھا جائے گا اور بنیادی طور پر جو نیت کی گئی تھی اُسے کافی سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر تبادلہ کے وقت تجارت کی نیت نہ رہی ہو تو اب وہ مالِ تجارت متصور نہ ہو گا۔

(۴) ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس مال میں یہ صلاحیت ہو کہ اس میں تجارت کرنے کی نیت درست ہو، لہذا اگر کسی نے عشری زمین (جس کی پیداوار پر عشر واجب ہوا ہے) خریدی اور اسمیں کاشت کی، یا کھڑی کھیتی اور اسکی پیداوار کو خرید لیا تو اس زمین سے جو پیداوار ہو گی اس پر عشر واجب ہو گا، زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ یہ حکم خرابی زمین کا نہیں ہے اس پر زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں ہوتی، اگر چہ زراعت (کھیتی) نہ کی گئی ہو۔

اگر کسی کا مال مویشی (جانور) ہے اور ہنوز (ابھی تک) سال نہ گزرا تھا کہ اس کی تجارت کا ارادہ ترک کر دیا اور اُسے دودھ یا نسل کشی کے لیے یا ایسے ہی کسی اور کام کیلئے جس کا ذکر سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں بتایا گیا اور جنگل میں چرانا شروع کر دیا تو مالِ تجارت کا سال منقطع ہو جائے گا اور سال اس وقت سے شروع ہو گا جب کہ اُسے سائمہ جانور بنایا گیا اور پھر

سال پورا ہو تو اسکی زکوٰۃ سائمہ جانور کے طریقہ سے نکالی جائے گی قیمت لگا کر نہیں (اس کا جانوروں کی زکوٰۃ میں بیان ہے)۔

سونے وچاندی کی تجارت ہو تو اس کی زکوٰۃ نقدی کی زکوٰۃ کے طریق (متذکرہ سابقہ) کے مطابق ادا کی جائے۔ان کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے تجارت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔اگر کسی کے پاس تجارت کا مال سالہا سال پڑا رہا پھر اس کے بعد فروخت کیا تو ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی،صرف ایک سال کی نہیں۔(کتاب الفقہ ص ۹۸۷ ج ۱ تا ص ۹۸۹ ج ۱)

زکوٰۃ کے لیے سال گزرنا کیوں شرط ہے؟

شریعت نے زکوٰۃ کے وجوب کو نہ تو حکمرانوں کی مرضی پر چھوڑا کہ جب چاہیں زکوٰۃ وصول کرنا شروع کر دیں،اور نہ بخیل لوگوں کی مرضی پر رہنے دیا کہ جب وہ چاہیں زکوٰۃ دے دیا کریں، بلکہ ایک محدود مقررہ ضابطہ کے تحت سالانہ گردش کیساتھ قائم کر دیا ہے۔ اور سال کو مقدار کے طور پر اس لیے مقرر کیا ہے کہ سال بھر میں فصلوں کے تمام تغیرات مکمل ہو جاتے ہیں، مال والوں کی آمدنیاں مکمل ہو جاتی ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں سامنے آجاتی ہیں،غرض سال کی مدت ایک ایسی معقول مدت ہے جس میں اصل مال کا بڑھنا متحقق ہو جاتا ہے، تجارت کا نفع نقصان سامنے آجاتا ہے اور مویشیوں کی نئی نسل آجاتی ہے اور چھوٹی نسل بڑی ہو جاتی ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سال زکوٰۃ اس لیے واجب فرمائی ہے کہ ایک سال میں ہر طرح کی فصلیں اور پھل تیار ہو جاتے ہیں اور یہ مدت بڑی مبنی بر انصاف ہے اس لیے کہ اگر ہر ہفتے یا ہر مہینے زکوٰۃ واجب ہوتی تو یہ صاحب نصاب (مالداروں) کے لیے باعث تکلیف ہوتا اور اگر زکوٰۃ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہوتی تو یہ بات مسکین (ضرورت مند) کے لیے باعث مضرت ہوتی۔اس لیے سال کی مدت وجوب زکوٰۃ کے معاملے میں یقیناً ایک عادلانہ مدت ہے۔(فقہ الزکوٰۃ ص ۲۲۲ ج ۲ بحوالہ ہدایۃ المجتہد ص ۲۶۱ ج او زاد المعاد ص ۳۰۷ جلد اول و حجۃ اللہ البالغہ ص ۳ جلد دوم)

کتنی تجارت پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ :۔ وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب زکوٰۃ پر پورا سال گزرنا ضروری ہے، خواہ قریب قریب پورا سال ہونے کو ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص آغازِ سال میں نصاب سے کم مال کا مالک تھا، پھر اس کم مال سے تجارت کی جس سے اتنا نفع ہوا کہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کی قیمت کے برابر مکمل ہوگیا تو جس وقت سے نصاب مکمل ہوا اُس وقت سے پورا سال گزرنا معتبر ہوگا۔ چنانچہ نصاب پورا ہونے کے بعد جب ایک سال گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر شروع سال میں نصاب پورا تھا پھر دورانِ سال میں اس سے تجارت کر کے نفع میں وہی کچھ حاصل کیا جو اُس مال کی جنس میں سے ہے تو اس مال کو جو اس کے پاس تھا اس نفع میں شامل کر کے تمام سال کی زکوٰۃ پورے اصل مال کی ادا کی جائیگی، بشرطیکہ اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو، کیونکہ اگر اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو تو اس کے فائدے کو بھی اصل مال ہی تصور کیا جائے گا۔ (کتاب الفقہ ص ۹۶۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (یعنی چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو)۔
(امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۸)

تجارت کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

مسئلہ :۔ اصل مالِ تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہئے، خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں، مثلاً کپڑا اور تانبے پیتل کا سامان۔ اسی طرح سال کے دوران جو نفع ہو اُس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے نیز تجارت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے جو مال حاصل ہو، مثلاً وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب پورا ہو اور سال بھی پورا ہو جائے تو سب کی زکوٰۃ نکالی جائے بشرطیکہ نصاب پورا ہو اور سال کے خاتمہ پر (نصاب سے) کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے۔
(کتاب الفقہ ص ۹۹۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ جب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا وقت آجائے تو اپنی نقدی اور تجارتی سامان کا جائزہ لیا جائے اور جملہ سامانِ تجارت کی نقدی میں قیمت متعین کرلو پھر اس رقم میں اس قرض کو بھی شامل کرلو جو تم نے کھاتے پیتے آسودہ حال لوگوں کو دے رکھا ہو، پھر اس مجموعی رقم میں سے وہ قرضہ جات جو تم پر واجب الاداء ہوں، منہا کر کے بقیہ رقم کی زکوٰۃ ادا کردو۔

(فقہ الزکوٰۃ ص ۲۴۲ ج ۱)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس کچھ سونا و چاندی اور کچھ روپیہ اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے بقدر نصاب کوئی چیز نہیں تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۸ و کتاب الفقہ ص ۹۶۴ جلد اول)

قرض کی قسموں پر زکوٰۃ کے احکام

مسئلہ:۔ شریعت میں جو رقم یا چیز کسی کے ذمہ باقی ہو، اُسے ''دَین'' کہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے احکام کے لحاظ سے یہ دَین چار قسم کے ہیں:۔

(۱) وہ قرض جو کسی شخص کو دیا گیا ہو یا تاجر نے وہ سامان جو تجارت ہی کے لیے تھا، بیچا ہو اور اس کی قیمت باقی ہو، اگر یہ رقم کُل کی کُل ایک ساتھ مل جائے تو سب کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور اگر کئی سالوں کے بعد ملی تو تمام سالوں کی بیک وقت زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور اگر یہ رقم تھوڑی تھوڑی وصول ہو تو جتنا روپیہ وصول ہو اتنے کی زکوٰۃ ادا کرتا جائے۔ لیکن اگر یہ رقم نصاب زکوٰۃ کے لیے ۱/۵ سے بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''دَینِ قوی'' کہتے ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی سامان کی قیمت تو باقی ہو لیکن وہ سامان اصلاً تجارت کے لیے نہیں تھا، اس مال پر بھی زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ وصول ہو جائے گا اور وصولی کے بعد اس پوری مدت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جب سے اس نے وہ سامان بیچا تھا۔ البتہ اس رقم پر اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جب یہ تمام رقم اکٹھی وصول ہو جائے اور زکوٰۃ کے نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اگر تھوڑی تھوڑی رقم وصول ہوتی رہے، کبھی سو، کبھی دوسو، کبھی

چار سو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ایسی باقی رقوم کو''دَینِ وسط'' کہتے ہیں۔

(۳) ایسی رقمیں جو کسی مال کے بدلے میں باقی نہ ہوں جیسے مہر کی رقم کہ وہ کسی مال کے عوض میں نہیں ہے بلکہ عورت کی عصمت کا معاوضہ ہے اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب مال پر قبضہ ہو جائے اور قبضہ کے بعد ایک سال گزر جائے۔فقہ کی اصطلاح میں اس کو ''دَینِ ضعیف'' کہتے ہیں۔(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۳۸ ج اول)

(۴) ایسا قرض جس کی وصولیابی یا ایسا مال جس کو حاصل کرنا دشوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ہاں اگر غیر متوقع طور پر کبھی وہ مال وصول ہو گیا تو اب اس پوری مدت کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔فقہ کی اصطلاح میں اس کو''مالِ ضمار'' کہا جاتا ہے۔(فتاویٰ ہندیہ ص ۸۹ ج ۱)

یہ فقہی احکام گو کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے جدید نہیں ہیں مگر آج کل بقایاجات اور دَین (قرض) کی جو مختلف صورتیں نئے معاشی نظام اور طریق انتظام کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں ان اصولی احکام کے ذریعہ ان کو بہ آسانی حل کیا جا سکتا ہے۔(جدید فقہی مسائل ص ۱۱۸)

نقد مال اور خرچ وغیرہ کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔آخر سال میں جس قدر روپیہ نقد اور مالِ تجارت موجود ہے سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔اور جو رقم بذمہ دوسروں کے قرض ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہے مگر اداء کرنا زکوٰۃ کا اس پر بعد وصولی کے ہے،اور جو رقم وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ ساقط ہے اور معاف ہے۔اور جو مال سال بھر کے اندر ختمِ سال سے پہلے خرچ ہو گیا اس کی زکوٰۃ لازم نہیں اور جو برتن (دوکان کا سامان فرنیچر وغیرہ) تجارت کی غرض سے نہیں خریدے گئے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔البتہ ان میں سے جو ظروف فروخت کر دیئے اور اس کی قیمت شاملِ رقم موجود ہے اسکی زکوٰۃ دی جائے گی۔(فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۲ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

مسئلہ:۔استعمالی برتن اور پہننے کے کپڑے اور کھانے کے غلہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۰ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۳ ج ۲)

☆

کیا تاجر اُدھار و نقد دونوں کی زکوٰۃ دے؟

سوال:۔ ایک تاجر ہے اس کا روپیہ کچھ اُدھار اور کچھ نقد موجود ہے تو وہ تمام روپے کی زکوٰۃ ادا کرے یا صرف نقد کی؟

جواب:۔ تمام روپے کی زکوٰۃ ادا کرے لیکن جس قدر روپیہ قرض ہے اسکی زکوٰۃ بعد وصول کے ادا کرنی لازمی ہوتی ہے۔ وصول ہونے کے بعد گزشتہ ایام کی بھی زکوٰۃ دینا لازم اور واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۱۵۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۲)

زکوٰۃ کے لیے کیا روزانہ کا حساب رکھنا ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روزانہ کا حساب رکھنے کی ضرورت نہیں۔ سال میں ایک تاریخ (چاند کی) مقرر کرلیجیے۔ مثلاً یکم رمضان المبارک کو پوری دوکان کے قابلِ فروخت سامان کا جائزہ لے کر اس کی مالیت کا تعین کرلیا جائے۔ اور اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کردیجئے۔ جس تاریخ کو آپ نے دوکان شروع کی تھی، ہر سال اسی تاریخ کو حساب کرلیا کیجیے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۸۷ ج ۳)

کیا آمدنی کا ہر سال حساب کرنا ضروری ہے؟

مسئلہ:۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے اگر صرف ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کرلینا کافی ہے اسکے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۵ جلد ۷)

تھوڑی بچت والا زکوٰۃ کس حساب سے اداء کرے؟

مسئلہ:۔ یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جس شخص کے پاس تھوڑی تھوڑی بچت ہوتی رہی جب تک اس کی جمع شدہ پونجی ساڑھے باون تولہ (چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام) چاندی کی مالیت کو نہ پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور جب اس جمع شدہ پونجی اتنی مالیت کو پہنچ جائے اور قرض سے

بھی فارغ ہوتو اس تاریخ کو وہ ''صاحب نصاب'' کہلائے گا۔اس سال کے بعد اسی قمری تاریخ کو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔اس وقت اس کے پاس جتنی جمع شدہ پونجی ہو (بشرطیکہ نصاب کے برابر ہو) اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔سال کے دوران اگر وہ رقم کم وبیش ہوتی رہی اس کا اعتبار نہیں ،بس سال کے اول وآخر میں نصاب کا ہونا شرط ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۶۰ ج ۳)

ادائیگی زکوٰۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال:۔زکوٰۃ مال خرید کردہ پر ہوگی ،یا موجودہ نرخ پر؟

جواب:۔زکوٰۃ کے ادا کرتے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۱ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ص ۳۰ ج ۲)

مسئلہ:۔زکوٰۃ میں اشیاء کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عام طور پر رائج ومعروف ہو،تاجرانہ قیمت کا اعتبار نہیں ۔ کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف ورعایت مصالحہ خاصہ پر بلکہ متفرق خریدار جس وقت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے۔اور اگر اس میں اختلاف ہوتو اکثر اور شہر کا اعتبار ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۴۲ ج ۲)

مسئلہ:۔زکوٰۃ میں مالِ تجارت کی قیمتِ فروخت لگائی جائے گی۔(احسن الفتاویٰ ص ۹۹۴ ج ۴)

جو رقم سال بھر میں گھٹتی بڑھتی رہے اس کا حکم

مسئلہ:۔سال کے اول وآخر میں نصاب کا پورا ہونا شرط ہے،اگر درمیان میں رقم کم ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔مثلاً ایک شخص سال کے شروع میں تین ہزار روپے کا مالک تھا،تین مہینے بعد اس کے پاس پندرہ سو روپے رہ گئے۔پھر چھ مہینے بعد چار ہزار روپے ہوگئے،اور سال کے ختم پر ساڑھے چار ہزار روپے کا مالک تھا تو سال پورا ہونے کے وقت اس پر ساڑھے چار ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی،درمیانِ سال میں اگر رقم گھٹتی بڑھتی رہی،اس کا اعتبار نہیں۔(آپ کے مسائل ص ۳۴۰ ج ۳ وفتاویٰ دارالعلوم ص ۷۷ ج ۶ وکتاب الفقہ ص ۹۶۹ ج ۱)

مسئلہ:۔سال کے اول وآخر میں مالدار (صاحب نصاب) ہو اور سال کے بیچ میں اس

مقدار سے کم رہ جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہے، تھوڑے دن کم ہو جانے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی، البتہ اگر سب مال جاتا رہا، اس کے بعد پھر مال ملا تو جب سے پھر ملا ہے تب سے سال کا حساب کیا جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی تھی پھر سال گزرنے سے پہلے دو دو چار تولہ یا نو دس تولہ سونا اور مل گیا تو اس سونے کا حساب الگ شمار نہیں ہوگا بلکہ جب اس چاندی کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ بعد میں ملے ہوئے سونے کا سال بھی پورا ہو گیا تو اس پورے سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت فرض ہو جائے گی۔

(ہدایہ و امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۹ بحوالہ احکام زکوٰۃ ص ۱۹)

بچت سے زیادہ قرض والے کا حکم

سوال:۔ زید نے کپڑا کمپنی میں بیس ہزار روپیہ لے کر خرید لیا ہے، اس وقت زید پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کو بچت قرض کی ادائیگی کی وجہ سے نہیں ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں جب کہ بقدرِ مالِ موجودہ کے اس کے ذمہ قرض ہے اور بچت کچھ نہیں ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۶۵ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص ۹ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

جو روپیہ بارہویں مہینہ میں خرچ ہو گیا اس کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس حاجتِ ضروریہ سے زائد روپیہ ہے، جب اس پر گیارہ ماہ گزرے تو اس نے مکان یا سامان وغیرہ خرید لیا تو اس روپیہ کی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جب تک حولانِ حول (مکمل سال نہیں ہوا اور اس نے مکان یا سامان خرید لیا جس میں زکوٰۃ ہے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۷۰ ج ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۸ ج ۱)

سال کے خرچ کے بعد جو غلہ بچے اس کا حکم

مسئلہ:۔ جو غلہ کھانے کے لیے سال بھر کے لیے خریدا اور خرچ ہو کر سال کے ختم کے بعد باقی رہ گیا، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۷۲ بحوالہ عالمگیری ص ۱۶۱ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

نقد اور مالِ تجارت موجودہ اور قرض کا حکم

سوال:۔ ایک تاجر تقریباً دس ہزار روپے نقد تحویل میں رکھتا ہے اور پانچ ہزار روپیہ کا مال تیار رکھتا ہے اور اس مال میں سے اکثر مال تبدیل ہوتا جاتا ہے اور دو ہزار روپیہ کا مال کارخانہ میں مکمل رکھتا ہے اور تقریباً پانچ ہزار روپے لوگوں کے ذمہ بقایا ہے جو کہ بتدریج وصول ہوتا ہے تو کیا نقد تحویل میں جو موجود ہے اس کی زکوٰۃ دے یا مال اور بقایا کی بھی؟

جواب:۔ نقد اور مالِ تجارت موجودہ اور اس روپے کی جو لوگوں کے ذمہ ہے سب کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ البتہ جو روپیہ لوگوں کے ذمہ ہے وصول ہونے کے بعد گزشتہ سال کی بھی لازم ہوتی ہے۔ مثلاً اگر قرض دو سال کے بعد وصول ہوا تو بعد وصول ہونے کے دونوں سالوں کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔ پس اگر وصول ہونے سے پہلے بھی دے دے تو کوئی خرج نہیں ہے۔ بہرحال زکوٰۃ سب کی لازم ہے خواہ نقد ہو خواہ مال تیار شدہ یا غیر تیار شدہ اور خواہ لوگوں کے ذمہ قرض ہو، اور جو قرض اپنے ذمہ ہو اس کو منہا (وضع) کرلیا جائیگا۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۴ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۱۳ ج۲ کتاب الزکوٰۃ)

مسئلہ:۔ سال کے ختم پر دیکھا جائے کہ جس قدر مالِ تجارت ونقد روپیہ موجود ہو اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے اور جو رقوم لوگوں کے ذمہ قرض ہیں، ان کی زکوٰۃ بھی واجب ہے مگر ادا کرنا بعد وصول یابی کے واجب ہوتا ہے۔ گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ بھی بعد وصول ہونے کے دینی لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۳ جلد۶)

جس مال کی قیمت بدلتی رہتی ہے اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ جس مال کی قیمت بدلتی رہتی ہے اور بعض مرتبہ تو قیمت خرید سے بھی کم ہوجاتی ہے اور مال فروخت ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کی زکوٰۃ کیسے دینی چاہئے؟

جواب:۔ جس وقت پورا سال مالِ تجارت پر ہوجائے تو جو قیمت اس مال کی اس وقت ہو اس کا حساب کر کے چالیسواں حصہ دے دے یا نقد سے یا اس مالِ موجودہ میں سے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۴۵ ج۶ بحوالہ ردالمختار باب زکوٰۃ الغنم ص۳۰ ج۲)

مسئلہ:۔ مال کی قیمت وہ لگائی جائے جو اس شہر میں ہو اگر وہ مال کسی غیر آباد جگہ بھیجا جائے جہاں قیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اس علاقہ کے قریب جو شہر ہو وہاں کی قیمت کے لحاظ سے اسکی مالیت لگائی جائے۔ (کتاب الفقہ ص ۹۸۷ جلد ۱)

تاجر کی قیمتِ خرید کا اعتبار ہے یا موجودہ کا؟

سوال:۔ تاجر کے پاس مال موجود ہے، اب زکوٰۃ دینا چاہتا ہے سال بھر کے بعد، تو اس مال کی قیمتِ خرید کا اعتبار ہوگا یا بازار کے بھاؤ کا لحاظ ہوگا؟

جواب:۔ مالِ تجارت کی جو قیمت بازار میں بوقت زکوٰۃ دینے کے ہے، اسی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے، خواہ قیمتِ خرید سے زیادہ ہو یا کم۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۱ ج ۶)

مسئلہ:۔ اسباب تجارت پر زکوٰۃ اس قیمت کے اعتبار سے دی جائے گی جو قیمت بازار کے موافق ہے اسی پر عمل کرنا چاہئے، اگر نرخ خرید کے موافق زکوٰۃ دے اور باعتبار نرخ بازار زیادہ واجب ہوئی تھی تو باقی زکوٰۃ اس کے ذمہ رہی اس کو ادا کرے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۹ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۴۲ ج ۴)

قرض سے جو تجارت کی اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ زید نے گیارہ ہزار روپے قرض لے کر تجارت شروع کی، ذاتی سرمایہ کچھ نہیں تھا۔ تو کیا زید پر زکوٰۃ لازم ہے؟

جواب:۔ ابھی کچھ زکوٰۃ اس پر لازم نہ ہوگی، جب گیارہ ہزار سے زیادہ بقدرِ نصاب اس کے پاس حاصل ہو جائے اس وقت زائد کی زکوٰۃ دے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۱ جلد ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

جو روپیہ تجارت میں لگا اس کی زکوٰۃ

مسئلہ:۔ جو روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور سامانِ تجارت اس سے خریدا گیا ہے، اس تمام پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے، اور سال بھی گزر جائے۔ اور جو روپیہ زمین و مکان کی خریداری پر صرف کیا جائے، اگر زمین و مکان بھی تجارت کے لیے خریدے

جائیں۔مثلاً زمین ومکان کرایہ پر دیئے جائیں ان کے کرایہ کی آمدنی پر نصاب پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ ہے۔(یعنی اگر کرایہ کی آمدنی سال بھر تک بچی رہے اور نصاب کو پہنچ جائے۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔(فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۲ ج۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۰ ج۲)

تجارت میں نفع وخرچ کی زکوٰۃ کیسے دے؟

سوال:۔ایک تاجر اگر ایک ہزار روپیہ سے تجارت شروع کرتا ہے اور سال بھر کے بعد جب حساب کرتا ہے تو اس کے پاس ڈیڑھ ہزار روپے کا مال موجود ہے اور سال بھر وہ اس میں سے اپنا خرچ بھی ساتھ کرتا رہا ہے تو کیا اس کو اب زکوٰۃ سال بھر کا خرچ نکال کر دینی چاہئے یا کہ ڈیڑھ ہزار کی پوری بغیر نکالے خرچ؟

جواب:۔اب اس کو ڈیڑھ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص۱۴۵ ج۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۷۵ ج۱ و کفایت المفتی ص۲۴۱ ج۴)

قابلِ فروخت مال مع منافع پر زکوٰۃ

سوال:۔مجھے دوکان چلاتے ہوئے تین سال ہوگئے ہیں، میں نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی، کیا دوکان کے پورے مال پر زکوٰۃ ہے یا اس سے جو سالانہ منافع ہوتا ہے اس پر ہے؟

جواب:۔آپ کی دوکان میں جتنا قابلِ فروخت سامان ہے اس کا حساب لگا کر اور منافع جوڑ کر سال کے سال زکوٰۃ دیا کیجئے اور اس کے ساتھ گھر میں جو قابلِ زکوٰۃ چیز ہو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ ادا کیجئے، گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ واجب الاداء ہے اسکو بھی حساب کر کے ادا کیجئے۔سال کے اندر جو رقم گھر کے مصارف اور دیگر ضروریات میں خرچ ہو جاتی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔(آپ کے مسائل ص۳۶۱ ج۳)

گڑ کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے؟

سوال:۔مالِ تجارت گڑ ہے اس کی زکوٰۃ کس طرح دینی چاہئے؟

جواب:۔گڑ کی قیمت کر کے چالیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے یا گڑ ہی زکوٰۃ میں دیدیا جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص۱۵۴ ج۶)

خرید کردہ بیج یا کھاد پر زکوٰۃ

مسئلہ:۔ زمین کے لیے جو کھاد یا بیج خرید کر رکھ لیا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۴ ج ۳)

مختلف نوعیت کے مال کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ایک شخص کپڑے کی تجارت (بزنس) کرتا ہے پانچ ہزار کا مال اس کے پاس موجود ہے اور اس نے جو اُدھار فروخت کیا ہے، اس میں سے پانچ ہزار کے آنے کی توقع یقینی ہے اور تین ہزار کے وصول ہونے میں شک ہے۔ اور ایک ہزار روپے کے وصول ہونے کی امید بالکل نہیں۔ اور یہ شخص چار ہزار کا مقروض ہے، تو اس صورت میں کس قدر رقم کی زکوٰۃ دینی ہے؟

جواب:۔ جس قدر مال اور نقد موجود ہے اس کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرے اور جو مال اُدھار فروخت ہوا ہے اور قیمت اس کی لوگوں کے ذمہ پر قرض ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا وصول ہونے پر واجب ہوگی، جس قدر وصول ہوتا رہے اس کی زکوٰۃ دیتا رہے اور جس قدر اس کے ذمہ قرض ہے اس کو مالِ موجودہ میں منہا کرے باقی کی زکوٰۃ کرے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۹ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

جو مال بیوپاری کے حوالہ کرے اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ اکثر بڑے بزنس مین (تجارتی آدمی) اپنا تجارتی مال بیوپاریوں کے حوالے کردیتے ہیں، اور اس کی قیمت کا ادا ہونا قرائن قویہ سے متعین بھی ہے، ایسی صورت میں قیمت معہود نصابِ زکوٰۃ میں محسوب ہوگی یا نہ۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آج تاجروں کے پاس آیا اور کل بیوپاری بطور قرض کے اُٹھالے گئے۔

جواب:۔ اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے مگر بعد وصول ہونے کے ادا کرنا زکوٰۃ کا واجب ہوتا ہے، اور گزشتہ زمانہ کا بھی لحاظ زکوٰۃ میں کیا جاتا ہے، مثلاً اگر کئی سال میں وہ روپیہ وصول ہو تو گزشتہ زمانہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار باب زکوٰۃ المال ص ۴۸ ج ۲)

منافع کی زکوٰۃ کیسے دی جائے گی؟

سوال:۔ کیا تجارت میں قبل تمام سال جو منافع ہوتا ہے اس کو اصل کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ نکالیں یا صرف اصل کی زکوٰۃ نکالی جائے؟

جواب:۔ درمیان کے جو منافع ہوئے وہ ختم سال اصل مال پر زکوٰۃ دینے کے لیے شمار و معتبر کیے جائیں گے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۱۵۲ ج۶ بحوالہ ہدایہ ص۱۵۷ ج۱ کتاب الزکوٰۃ فصل فی الخیل)

مسئلہ:۔ سال گزرنے کے بعد اصل رقم مع منافع کے جتنی رقم بنتی ہو اس پر زکوٰۃ ہے۔

(آپ کے مسائل ص۳۶۱ ج۳ و کفایت المفتی ص۲۴۱ ج۴)

مال کی سپلائی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میں شہر سے مال لا کر دیہات (گاؤں) میں سپلائی کرتا ہوں، جتنے میں مال لیتا ہوں ان کا قرضہ میرے اوپر تقریباً ۳۰۰۰۰۰ (تین لاکھ) روپے ہیں۔ اور دوسروں کے اوپر میرا قرضہ تقریباً ۱۸۰۰۰۰ (ایک لاکھ اسی ہزار) روپے ہے اور میرے پاس تقریباً ۸۰۰۰۰۰ (۸ لاکھ) کا مال موجود ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ میں کس طرح زکوٰۃ نکالوں؟

جواب:۔ جتنی مال آپ کے پاس موجود ہے خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا مال کی شکل میں نیز آپ کے وہ قرضے جو لوگوں کے ذمہ ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے، اس کی مجموعی رقم میں سے وہ قرضہ جات منہا کر دیئے جائیں جو آپ کے ذمہ ہیں، منہا کرنے کے بعد جتنی مالیت باقی رہے اسکی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔ صورتِ مسئولہ میں ۶۸ ہزار روپے کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص۳۶۱ ج۳)

قرض لے کر کاروبار پر زکوٰۃ

سوال:۔ زید نے قرض کے پیسوں سے ایک دوکان کھولی، سال پورا ہونے پر حساب کر کے دیکھا تو ۹۵۰۰۰ ہزار روپے کا مال موجود تھا جب کہ شروع میں ۱۱۰۰۰۰ کا مال ڈالا تھا، اور قرض جو دوکان پر ۶۰۰۰۰ ہزار روپے کا بقایا ہے اور نقد دو ہزار روپے پڑے ہوئے ہیں تو کیا ان پر زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جتنی مالیت کا سامان قابلِ فروخت ہے، اس کی قیمت میں سے قرض کی رقم منہا کر کے باقی ماندہ رقم میں دوہزار جمع کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیجئے (آپ کے مسائل ص۳۶۲ ج۳)

صنعت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ صنعت کے سلسلہ میں کون سا مال زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؟

جواب:۔ صنعت کار کے پاس دو قسم کا مال ہوتا ہے۔ ایک خام مال، جو چیزوں کی تیاری میں کام آتا ہے۔ دوسرا تیار شدہ مال، ان دونوں قسم کے مالوں پر زکوٰۃ ہے البتہ مشینری اور دیگر وہ چیزیں جن کے ذریعہ مال تیار کیا جاتا ہے (اوزار وغیرہ) ان پر زکوٰۃ نہیں۔

(آپ کے مسائل ص۳۶۲ ج۳ و کفایت المفتی ص۱۴۲ ج۴)

شرکت والے کاروبار کی زکوٰۃ

سوال:۔ ایک بھائی نے دوسرے کو دوکان کھلوائی ہے رقم ایک بھائی کی ہے اور چلاتا دوسرا بھائی ہے، نفع برابر کا ہے، اس کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ جبکہ یہ کاروبار شرکت میں ہوگیا؟

جواب:۔ پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جب کسی کاروبار کے لیے مال دیا جائے اور نفع میں حصہ رکھا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کو "مضاربت" کہتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں عام طور سے اس کو "شراکت" کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کاروبار ایک اصل رقم ہوتی ہے اور ایک اس کا منافع۔ اصل رقم کی زکوٰۃ اس کے مالک کے ذمہ ہے اور اس کے ذمہ منافع کے اس حصہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جو اُسے ملے گا، اور جو نفع پر کام کرتا ہے اگر اس کا نفع نصاب کی مقدار کو پہنچے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اپنے حصہ کی زکوٰۃ اس پر بھی ہوگی۔ جو قطعہ زمین کا دوکان کے لیے خریدا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۳۵۰ ج۳)

مسئلہ:۔ اس روپے کی زکوٰۃ بذمہ زید (یعنی جس کا روپیہ ہے، مالک کے ذمہ ہے) واجب ہے اور جو نفع پر کام کرتا ہے، اس کو جب نفع کا روپیہ بقدر نصاب حاصل ہو جائے اور سال بھر گزر جائے تو اس کے ذمہ اس روپے کی زکوٰۃ واجب ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص۱۵۵ ج۶ و ص۱۴۸ ج۶ بحوالہ ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ص۳۱ ج۲)

مقروض تاجر کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک تاجر قرض دار ہو گیا ساری پونجی ختم ہو گئی تو کیا زکوٰۃ دے سکتے ہیں جبکہ اس کے گھر میں دس ہزار کا زیور بھی ہے؟

جواب:۔ گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا، قرض خود تاجر (بزنس مین) کے ذمہ ہے اس لیے وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ (فتاوٰی محمودیہ ص ۱۶۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ قرض دار کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر چہ اس کے پاس دس ہزار روپے ہوں مگر گیارہ ہزار (موجودہ رقم سے زائد) کا قرض دار ہے، ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(امداد مسائل زکوٰۃ ص ۷۸)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لیے مجھے زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن ص ۴۱۲ ج ۴ بحوالہ قرطبی)

جائیداد اور سامانِ تجارت کی زکوٰۃ

سوال:۔ ایک شخص کے پاس جائیداد قیمتی پچاس ہزار منافع فی سال ہے اور تجارت کا سامان بیس ہزار کا ہے، اس میں ڈھائی ہزار روپے سالانہ منافع ہوتا ہے، اور وہ شخص کبھی تیس ہزار روپے چھ ماہ کے لیے قرض بھی لیتا ہے۔ ان سب صورتوں میں زکوٰۃ کا حکم کیا ہے، اور اس کے ذمہ مہر بھی ہے؟

جواب:۔ سامان، تجارت جو بیس ہزار کا ہے مثلاً اس کے کل پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چالیسواں حصہ (یا اس کی قیمت) اس کا ہر سال میں زکوٰۃ کا روپیہ نکالا کرے یعنی فی سیکڑہ ڈھائی روپیہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ اور جائیداد کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (ردالمختار ص ۱۰ اج ۲ و ص ۴۲ ج ۲)

اس کے نفع میں جو روپیہ حاصل ہو (اگر خرچ نہ ہو اور سال بھر گزر جائے اسکی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ اور تین ہزار روپیہ جو اسکے ذمہ قرض ہو جاتا ہے، اگر ختمِ سال پر بوقت زکوٰۃ ادا کرنے کے اسکے ذمہ قرض ہو تو اسکو مجرا کیا جائے گا، باقیماندہ سامانِ تجارت اور نقد روپیہ

وزیور وغیرہ کی زکوٰۃ بھی دے۔ (ردالمختار ص۹ ج۲)

ادائے زکوٰۃ میں تاجر کے لیے ایک سہولت

سوال:۔ زید نے ایک دوکان آٹھ ہزار روپے کی اور اسی آٹھ ہزار میں سے تین ہزار روپے اُدھار میں ہوگئے اور پانچ ہزار کا مال دوکان میں باقی ہے، اب زکوٰۃ مال موجودہ پر ہی ہے یا ادھار پر بھی۔ اور ادھار کا روپیہ سال وار کل وصول نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہوتا ہے اور پھر اتنا ہی ہوجاتا ہے۔

جواب:۔ ادھار کی زکوٰۃ دینا واجب تو اس وقت ہوتا ہے کہ وہ روپیہ وصول ہوجائے اور اس وقت پچھلے زمانہ کی بھی زکوٰۃ دینی لازم ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کل مال ادھار وموجود کی زکوٰۃ کا حساب کرکے ختمِ سال پر دیدے تاکہ بار بار وصول ہونے کے وقت ادھار کے حساب کرنے کی دقت پیش نہ آئے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۱۵۳ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۷ ج۲ باب زکوٰۃ المال)

کیا ڈیکوریشن پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ دوکان میں جو الماریاں وشوکیس وغیرہ سامان رکھنے کے لیے رکھی ہوں یا فرنیچر وغیرہ استعمال کے لیے رکھا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ یہ مالِ تجارت نہیں، البتہ اگر کوئی فرنیچر ہی کی تجارت کرتا ہو یعنی فرنیچر تجارت کی نیت سے خریدا یا بنوایا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مال، مالِ تجارت ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۵۶ بحوالہ درمختار)

روزمرہ کی آمدنی والا کیسے زکوٰۃ دے؟

سوال:۔ ایک شخص کی روزمرہ کی آمدنی ہے وہ روپیہ بنک میں جمع کرتا جاتا ہے، مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی معتد بہ قابلِ زکوٰۃ ہوگئی۔ آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب کس طرح کیا جائے کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گزرے، کسی پر دس، کسی پر دو چار، بلکہ کسی پر دو چار دن، اسی آمدنی سے خرچ بھی ہوتا رہا مگر سال کے ختم پر خرچ کے باوجود وہ قابلِ زکوٰۃ ہے تو کیسے زکوٰۃ نکالی جائے؟

جواب:۔ جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدرِ نصاب ہوگیا ہو، اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا۔ بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو، سب پر زکوٰۃ

واجب ہوگئی۔ گو ہر چیز پر سال نہ گزرا ہو اور گو درمیان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۲ ج ۲)

آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ تجارت کے آلات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، مثلاً پَن چکی یا ٹریکٹر کرایہ پر چلایا جاتا ہے؟

جواب:۔ اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کیلئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی، اور اگر انکے ذریعہ سے کاشت کی جائے یا آٹا پیسا جائے خود ان کو فروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۵۳ ج ۳ بحوالہ در مختار ص ۹ ج ۲)

(آمدنی ہونے کے بعد اگر سال بھر کے بعد بچت اتنی ہو جائے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے تو اس آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ آلاتِ تجارت مثلاً کشتیاں، جہاز اور بیل گاڑیاں اور اُونٹ گاڑیاں وغیرہ جو تجارت کا مال ڈھونے (منتقل) کرنے کے لیے دوکاندار کے پاس ہوتی ہیں، یہ سب آلات عروض تجارت میں شامل نہیں ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۸ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۱ ج ۲ و فتاویٰ محمودیہ ص ۹۵ ج ۱۳)

(البتہ اگر ان آلات سے حاصل شدہ منافع بقدرِ نصاب ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو منافع کے روپیوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (محمد رفعت قاسمی)

کیا کرا کری پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ کسی نے برتن، شامیانے، فرنیچر یا سائیکلیں وغیرہ یا اور کوئی سامان کرایہ پر دینے کے لیے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ کرایہ پر چلانے سے مال مالِ تجارت نہیں بنتا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، البتہ کرایہ کی وصول شدہ رقم اگر بقدرِ نصاب ہو اور ایک سال گزر جائے تو اس روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(امداد مسائل زکوٰۃ ص ۵۷ بحوالہ قاضی خاں)

پرنٹنگ پر اور کارخانوں پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ پرنٹنگ پریس، کارخانوں وغیرہ میں جو مشینیں وغیرہ فٹ ہوں، وہ بھی مالِ تجارت نہیں، لہذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں درزی کی کپڑے سینے کی مشین، ڈرائی کلین وغیرہ اور ہر قسم کی مشینوں کا یہی حکم ہے البتہ اگر یہ مشینیں تجارت وغیرہ کی نیت سے خریدی ہوں کہ انکو فروخت کیا کریں گے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۵۶)

مسئلہ:۔ کارخانے اور مِل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے، اس طرح خام مال جو مِل میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، خام مال اور تیار شدہ مال سب کی قیمت لگا کر اس کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۹ ج و آپ کے مسائل ص ۳۴۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ صنعتی اَوزار اور سامان دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کو کسی کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اثر اس چیز میں باقی نہیں رہتا دوسری قسم وہ جو بعینہٖ اس میں لگادی جاتی ہیں، مثلاً سائیکل کی درستگی کے بعض اَوزار ایسے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ اس سے چیزیں ٹھیک کردی جائیں، کاری گران سے اسی قدر کام لیتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانوں میں جو مشینیں ہیں وہ اسی نوعیت کی ہیں۔ اور بعض سامان خاص اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر ان کو سائیکل میں فٹ کردیا جائے۔ ان دونوں قسم میں سے پہلی قسم کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس میں مشینیں گھڑی سازی، بڑھئی، لوہار، موٹر سائیکل درست کرنے والوں اور کاشتکاروں وغیرہ کے صنعتی اَوزار داخل ہے۔ دوسری قسم کی چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس میں گھڑی، ریڈیو، اور موٹر سائیکل وغیرہ کے قابلِ فروخت اجزاء (پُرزے) شامل ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے پہلی قسم کی چیزوں کو ''بنیادی ضرورت'' (حاجتِ اصلیہ) اور دوسری قسم کی چیزوں کو قابلِ زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ص ۱۲۲ بحوالہ فتاویٰ ہندیہ ص ۸۸ ج ۱)

ٹیکسی کے ذریعہ کرایہ کی رقم پر زکوٰۃ

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، اس سے وہ ایک ٹیکسی خریدتا ہے، ایک سال

بعد چالیس ہزار روپیہ کی کمائی ہوگئی، اب زکوٰۃ کتنی رقم پر دے؟

جواب:۔ اگر گاڑی فروخت کرنے کی نوعیت سے نہیں خریدی بلکہ کمائی (کرایہ پر چلانے) کیلئے خریدی ہے تو سال کے بعد زکوٰۃ صرف چالیس ہزار کی دیں گے۔ کیونکہ گاڑی کمانے کا ذریعہ ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں۔

مسئلہ:۔ گاڑیوں سے جو منافع حاصل ہو جائے اور جو نصاب تک پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی، صرف گاڑیون پر زکوٰۃ نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ حصول نفع کے آلات ہیں، ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں آتی ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ بعض لوگ گاڑی اسی نیت سے خریدتے ہیں کہ جوں ہی اس کے اچھے دام ملیں گے اس کو فروخت کردیں گے۔ اور یہ ان کا گویا باقاعدہ کاروبار ہے۔ ایسی گاڑی درحقیقت مالِ تجارت ہے اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۶ ج ۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۷ ج ۴ بحوالہ طحطاوی ص ۳۹۲ ج ۱)

کرایہ پر چلنے والے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح سائیکل یا اور کوئی سامانِ تجارت کے لیے ہو اور وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اگر سائیکل اور دوکان کا دوسرا سامان کرایہ پر دیا جاتا ہو تو آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی مالیت پر نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۹ ج ۵)

مسئلہ:۔ مشینری میں جو تجارتی نہ ہوں اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس کی آمدنی میں زکوٰۃ ہے جب حوائج اصلیہ (ضرورت) سے فاضل ہو کر نصاب کو پہنچ جائے اور پورا سال بھی ہو جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ موٹر، ہوائی جہاز (وغیرہ) کہ اگر یہ چیزیں شخصی استعمال میں ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر ان کو کرایہ کے لیے مختص کردیا گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے (جبکہ اس کی آمدنی سال بھر کے بعد نصاب کے برابر یا دیگر مال وغیرہ کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہوئے) کیونکہ

اب یہ اشیاء نماء افزائش اور نفع دینے لگی ہیں اس لیے اب یہ زکوٰۃ کا محل بن گئی ہیں۔
(فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۰ ج ۱)

جو مال برآمد کیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ جو مال بیوپاریوں کو منافع لگا کر روانہ کیا جاتا ہے، اس کا روپیہ کبھی سال بھر میں اور کبھی ڈیڑھ دو سال میں وصول ہوتا ہے، اس کی زکوٰۃ مع منافع کے نکالی جائے یا بغیر منافع کے؟ اور کبھی بیوپاری سال بھر کے بعد مال واپس بھی کر دیتے ہیں اور ان سے روپیہ وصول مشکل سے ہوتا ہے۔

جواب:۔ جو مال بیوپاری کو دیا جاتا ہے اس کی جو کچھ قیمت مع منافع اس سے مقرر ہوئی ہے اس کی قیمت وصول ہونے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے، جس قدر روپیہ وصول ہوتا جائے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور جو وصول نہ ہو اس کی زکوٰۃ کچھ لازم نہیں ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۵ ج ۶ رد المختار باب زکوٰۃ المال ص ۴۷ ج ۲)

اسٹیشنری کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ میں کتابوں اور اسٹیشنری کی دوکان کرتا ہوں۔ سامان کی مالیت تقریباً بارہ یا پندرہ ہزار روپیہ ہوگی، دوکان کرایہ کی ہے۔ کیا دوکان کا سامان قابلِ ادائیگی زکوٰۃ ہے؟

جواب:۔ دوکان کا جو بھی مال فروخت کیا جاتا ہے اگر اس مال کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کو پہنچتی ہو تو اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۷ ج ۳)

عطر و روغن کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مثلاً ایک عطر اور روغن وغیرہ چھ روپیہ تولہ کی لاگت کا ہے اور اس کو آٹھ روپیہ تولہ فروخت کیا گیا تو زکوٰۃ بحساب لاگت چھ روپیہ تولہ دی جائے گی یا آٹھ روپے تولہ کے؟

جواب:۔ جب کہ قیمت عطر کی اور روغن کی بقدرِ نصاب ہو زکوٰۃ اس پر واجب ہے۔ اور زکوٰۃ اس حساب سے دی جائے گی جو قیمت اس کی بازار میں ہے اور مراد اس بازار سے وہ بازار ہے جس میں وہ مال ہے۔ (شامی ص ۳۰ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

اور جس حساب سے بکری ہوتی ہے اس حساب سے قیمت عطر اور روغن کی لگائی جائے، اگر نقد دینے میں نقصان معلوم ہو تو سہولت وہی طریق ہے کہ بعینہٖ عطر و روغن کا چالیسواں حصہ نکال دے خواہ اس کو فروخت کر کے وہ قیمت فقراء کو دے دے یا عطر و روغن ہی تقسیم کردے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸ ج ۶)

دوکان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال:۔ میں نے ایک دوکان بیس ہزار کی خریدی تھی اور میں نے اسمیں پچاس ہزار روپے کا سامان خرید کر بھرا تھا جسمیں سے تقریباً بیس ہزار کا مال قرض لیا تھا جواب میں نے ادا کر دیا ہے اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ میں دوکان میں ہی لگا دیتا ہوں مارکیٹ کے حساب سے میری دوکان کی قیمت ایک لاکھ روپے سے زیادہ ہے اور جو اسمیں سامان ہے اسکی قیمت بھی ساٹھ یا پینسٹھ ہزار روپے بنتی ہے، میں اس پر زکوٰۃ کس حساب سے ادا کروں؟

جواب:۔ دوکان میں جتنی مالیت کا سامان ہے، اس کی قیمت لگا کر آپ کے ذمہ اگر قرض ہو اس کو منہا کر دیا کریں، اور باقی جتنی رقم بچے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کر دیا کریں۔

دوکان کی عمارت، باردانہ اور فرنیچر وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں صرف قابلِ فروخت مال پر زکوٰۃ ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۱ ج ۳)

بساط خانہ کی زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ عطار خانہ (دوا فروش) کی دوکان ہے ہزاروں قسم کی ادویہ ہیں اور بساط خانہ نیز دیگر سامان بھی ہے۔ اگر تخمیناً قیمت لگائی جائے اور زائد کر کے لگائی جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ادویہ اور سامانِ بساط خانہ کی قیمت لگائی جائے گی جو اس وقت بازار میں ان کی قیمت ہے، اسی قیمت پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۹ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۱)

ادویات پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ دوکان میں پڑی ادویات پر زکوٰۃ لازم ہے یا صرف اس کی آمدنی پر؟

جواب:۔ ادویات کی قیمت پر بھی لازم ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۳ ج ۳)

کتب خانہ کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

زکوٰۃ دینے میں ایک کوتاہی یہ ہے کہ اپنے نزدیک حساب سے دیتے ہیں مگر واقع میں وہ حساب غلط ہوتا ہے، مثلاً مالِ تجارت میں اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے ہیں، فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ قیمت سے خریدیں یا اپنے پریس میں چھاپیں اور وہ ایک ہزار روپے میں اس کو پڑ گئیں مگر بازار میں وہ دو ہزار کی ہیں، تو زکوٰۃ دو ہزار کی دینا چاہئے اور اگر دو ہزار کی زکوٰۃ پچاس روپے دیتے ہوئے دل دُکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتابوں کا چالیسواں حصہ دیدے مثلاً چالیس ہدایہ میں سے ایک ہدایہ دے دے یا ایسی کتاب دیدے جسکی ہدایہ کی برابر قیمت پر نکاسی ہوتی ہو۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۳۳ وفتاویٰ دار العلوم ص ۸۰ ج ۶ وشامی ص ۳۰ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

پرچون کی زکوٰۃ

سوال:۔ زید پنساری کی دوکان کرتا ہے، اس میں چونکہ سینکڑوں قسم کا سامان ہوتا ہے، اس وجہ سے اخیر سال میں وزن نہیں کرسکتا، اندازہ سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ اندازہ کرنے میں حتی الوسع یہ لحاظ رکھے کہ کچھ زیادہ اندازہ لگایا جائے تا کہ زکوٰۃ میں کمی نہ رہے کیونکہ درحقیقت اگر اندازہ کم ہوا تو اس قدر زکوٰۃ اس کے ذمہ پر واجب رہے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۰ ج ۶ بحوالہ عالمگیری کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۸ ج ۱)

دواخانہ کی زکوٰۃ

سوال:۔ زید دواخانہ کی دوکان کرتا ہے جس میں ہزاروں دوائیں ہیں جو کہ فروختگی میں ماشہ دو ماشہ (ہی بعض دفعہ) نکلتی ہیں جس کا باقاعدہ حساب رہنا مشکل ہے۔ ان دواؤں کی زکوٰۃ کس طرح دینی چاہئے؟

جواب:۔ حساب کرنا تو زکوٰۃ کیلئے ضروری ہے مگر تمام ادویہ کو علیحدہ علیحدہ وزن کرنا اور قیمت لگانا دشوار ہے تو ایسا کیا جائے کہ سالانہ موجودہ میں سے جس قدر فروختگی کی میزان ہو اسکو منہا

(وضع) کیا جائے، الغرض اندازہ کر لینا مال موجودہ کا ضروریات میں سے ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۲ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۴۲ ج ۲ باب زکوٰۃ المال)

جس دوکان کا حساب نہ ہو اس کی زکوٰۃ

سوال:۔ زید کی دوکان جب سے قائم ہوئی ہے اس وقت تک کوئی ایسا حساب نہیں ہوا جس سے اس کی مالیت کا صحیح اندازہ ہو سکے زکوٰۃ کے لیے کیا کرے؟
جواب:۔ حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ اور گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ اداء کرے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب الزکوٰۃ المال ص ۱۴۱ ج ۲)
(یہاں پر مال کا اندازہ اور تخمینہ لگایا جائے اور اندازہ میں جہاں تک ہو سکے کچھ زیادہ ہی ہوتا کہ حقوق اللہ نہ رہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

دوکان چھوڑنے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ تجارت (بزنس) میں اگر بعد ادائے قرضہ مثلاً پچاس ہزار روپے کا مال دوکان میں ہو تو کیا اس پچاس ہزار روپے پر زکوٰۃ دینا واجب ہے، لیکن دوکانداری کا مال ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو دوکان چھوڑنے کی غرض سے فروخت کیا جائے (مال نمٹایا جائے) تو کبھی ایک روپے کا مال ایک روپے میں فروخت نہیں ہوتا۔ اس مال کی قیمت ادائے زکوٰۃ کے وقت وہی محسوب جو اس کی اصلی قیمت ہو بوقت موجودہ خرید ہے، یا وہ قیمت محسوب کرنی چاہئے جو دوکان چھوڑنے کے وقت مل سکتی ہے اور اس پر زکوٰۃ دینا چاہئے؟
جواب:۔ قرض دوامی کے ادا کرنے کے بعد پچاس ہزار روپے کا مال مثلاً بچے تو ختمِ سال پر اس کی زکوٰۃ دینی چاہئے اور زکوٰۃ قیمت مال موجودہ بنرخ موجود کے حساب سے واجب ہوگی۔ دوکان چھوڑنے کی حالت میں جو کمی مال فروخت ہو، اس کا خیال نہ کیا جائے بلکہ نرخ (قیمت) بازار موجودہ مال کا اعتبار ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۱ ج ۶ بحوالہ عالمگیری (مصری) کتاب الزکوٰۃ باب ثالث فصل ثانی ص ۱۶۸ ج ۱)

مویشیوں پر زکوٰۃ کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے لاکھوں جانور اس دنیا میں پیدا فرمائے ہیں جن میں سے بہت کم جانوروں سے انسان مستفید ہوتا ہے، اور ان جانوروں میں بھی مفید ترین جانور وہ ہیں جنھیں عربی زبان میں اَنعام (مویشی) کہا جاتا ہے اور یہ اونٹ، گائے (اور بھینس) اور بکری (اور بھیڑ) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان جانوروں کا ذکر اپنے بندوں پر ایک احسان کے طور پر کیا ہے اور متعدد مقامات پر انکے منافع بھی بیان فرمائے ہیں۔ اسی شکر کی ادائیگی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے (ان میں) زکوٰۃ فرض فرمائی ہے، اس کے نصاب اور مقادیر مقرر فرمائے اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک مربوط اور مستحکم نظام کی صورت میں نافذ فرمایا۔

بہر حال چونکہ اہل عرب کے لیے مویشی، اور ان میں بھی خاص طور پر اونٹ، بہت مفید اور کثیر المنافع جانور تھے اس لیے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالتفصیل ان کے نصاب اور ان کی مقادیر کو بیان فرمایا اور آج تک بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں حیوانی ثروت کو اہم مالی آمدنی کا ذریعہ متصور کیا جاتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں حیوانات پالے اور پرورش کیے جاتے ہیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۲۸ ج ۱)

شریعت میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ دراصل اس سرمائے پر عائد ہوتی ہے جہاں انسان کی بنیادی ضروریات کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد آخرت کی تیاری اور دنیا کی اصلاح ہے، آخرت کی تیاری کے لیے تو تین عبادتیں مخصوص ہیں جو انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتی ہیں اور اس میں آخرت کا شعور اور اُخروی زندگی کی براہِ راست محبت اور تڑپ پیدا کرتی ہیں، یہ نماز و روزہ اور حج کی عبادتیں ہیں، دو عبادتوں زکوٰۃ و جہاد حدود و تعزیرات اور دوسرے اخلاق و معاملات کا اولین رابطہ دنیا سے ہے، ان کو ٹھیک ٹھیک مقررہ ہدایات کے تحت اسلامی اسپرٹ کی روشنی میں کوئی شخص یا جماعت سر انجام دے تو دنیا میں عدل و انصاف

اورامن وسکون پیدا ہوگا، اس لیے خداوند قدوس نے خود جو فطرۃ انسانی کا خالق اوراس کی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہے، سرمائے سے انسان کی محبت اور وابستگی کو حدود آشنا کرنے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کردی ہیں تاکہ ایک طرف خود انسان اس سرمائے کو کلیتاً اپنی ملک سمجھ کر خودمختارانہ تصرف سے باز رہے اور وہ اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھ کر اس کی ہدایات کے مطابق سرمائے کو ٹھکانے لگائے اور دوسری طرف خود معاشرہ اور سوسائٹی دولت و سرمائے کی فراوانی اور سرمایہ پرستانہ ذہن وعمل کا تختۂ مشق نہ بن سکے اور جماعت کے افراد دولت کے تفاوت کے باوجود معاشرتی مساوات، اجتماعی انصاف، انفرادی مسابقت اور جماعتی تعاون سے یکساں طور پر بہرہ اندوز ہوں۔

زکوٰۃ کی اس اہمیت کو ہمیشہ برقرار رکھا گیا، نماز کے بعد زکوٰۃ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں تاکہ تعلق باللہ کے بعد تعلق بالعباد قائم ہو، چنانچہ بنیادی طور پر عرب نہ زراعتی ملک تھا نہ صنعتی، اہلِ عرب کا سرمایہ نقدی سے بڑھ کر ان کے مویشی تھے، اس لیے زکوٰۃ کا زیادہ زور مویشیوں ہی پر رہا، اس کے بعد اور بھی چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوئی مگر مویشیوں (جانوروں) کی اہمیت زیادہ تھی اسلیئے احادیث میں بھی ان سے متعلق بہت تفصیلات ملتی ہیں اسی وجہ سے فقہاء بھی زکوٰۃ کے بنیادی احکام بیان کرنے کے بعد بالعموم مویشیوں ہی کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیلات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اب یہاں پر جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵اج ۴)

سائمہ جانور کیا ہیں؟

مسئلہ:۔ سائمہ وہ جانور کہلاتے ہیں جو جنگل میں چرنے کے لیے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا ان کی نسلی افزائش ہے یا اپنی بڑھوتری اور بالیدگی کی بناء پر وہ بیش قیمت قرار پائیں، جن جانوروں کی نسلی افزائش اور شیر افزونی کے بجائے سواری کے لیے یا بار برداری کے لیے جنگل میں چرایا جائے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ مِلے جُلے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ایسے ہی اگر محض تجارتی مقصد سے جنگل میں چھوڑے جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر تجارت کے حساب سے ہوگی، سائمہ کے حساب سے نہ ہوگی، ہاں اگر گوشت خوری کے لیے (جانور پالے جائیں اور) جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں (اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ روزمرہ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور کھانے کے کام آتے ہیں انکو جنگل میں اسی مقصد سے پالا جائے تو وہ زکوٰۃ سے فارغ ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسے جانوروں پر زکوٰۃ سائمہ جانوروں کے حساب سے عائد نہ ہوگی، بلکہ تجارتی نوع کی زکوٰۃ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی شخص صرف اپنے ذاتی استعمال میں لائے اور خود گوشت کھانے کے لیے جنگل میں گائے بھینس وغیرہ کو چرنے کے لیے چھوڑتا ہے تو اس پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ اگر مویشی تجارتی ہوں اور انہیں چھ ماہ یا کچھ زیادہ دن جنگل میں چرایا تو وہ سائمہ نہیں ہوں گے تاوقتیکہ مالک انہیں خود سائمہ بنانے کی نیت نہ کرلے، جس طرح وہ غلام جو تجارتی نوعیت کا ہو، اور مالک اسے چند سال اپنی خدمت میں رکھنا چاہے تو وہ اس کی خدمت میں رہنے کے باوجود حسب سابق تجارتی غلام شمار ہوگا، جب تک اس کو تجارت سے نکال کردہ خدمت کے لیے مخصوص کرنے کی نیت نہ کرے۔

اور اگر سائمہ کے مالک کا یہ ارادہ ہو کہ وہ ان سے کام لے گا یا انہیں (جنگل میں چُرانے کے بجائے) چارہ کھلائے گا مگر وہ سال بھر تک اس ارادہ کے مطابق عمل نہ کرسکا اور سال پورا ہوگیا تو سائمہ کی زکوٰۃ واجب ہوجائے۔

مسئلہ:۔ اگر جانور تجارت کی غرض سے خریدے پھر انہیں سائمہ بنادیا، تو سال نصاب اس وقت سے شمار ہوگا جب سے انہیں سائمہ بنادیا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۷۱ ج ۴ و کتاب الفقہ ص ۹۷۰ ج ۱)

سائمہ وہ جانور ہیں جن میں یہ تین باتیں پائی جائیں (۱) سال کے اکثر حصہ میں اپنے منہ سے چر کے اکتفاء کرتے ہوں (یعنی سرکاری چراگاہ میں بغیر پیسوں کے چرتے ہوں اور گھر میں ان کو کچھ نہ دیا جاتا ہو) اگر نصف سال اپنے منہ سے چر کر رہتے ہوں اور نصف

سال ان کو گھر میں کھلایا جاتا ہو تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں، اسی طرح اگر گھانس ان کے کے لیے گھر میں منگائی جاتی ہو خواہ وہ بہ قیمت ہو یا بلا قیمت، تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں۔ (۲) جو گھانس جس میں وہ چرتے ہوں اس کے چرنے کی کسی کی طرف سے ممانعت نہ ہو۔ اگر کسی کی منع کی ہوئی اور ناجائز گھانس میں ان کو چرائی جائے (کھلائی جائے) تب بھی وہ سائمہ نہ ہوں گے۔ (۳) دودھ کی غرض سے یا نسل کے زیادہ ہونے کے لیے رکھے گئے ہوں، اگر دودھ اور نسل کی غرض سے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے ہوں تو پھر وہ سائمہ نہ کہلائیں گے۔ (عالمگیری ص ۷ ج ۴)

جو جانور سال کے درمیان حاصل ہو اس کا حکم

جو مال سال کے اندر حاصل ہوا ہو، خواہ خریدنے سے یا تناسل (جانوروں کے بچے دینے سے) یا وراثت سے یا ہبہ وغیرہ سے وہ اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔ مثلاً شروع سال میں پچاس اونٹ تھے، سال کے درمیان میں ان کے پچیس بچے ہوئے تو اب سال کے ختم پر یہ بچے بھی ان اونٹوں کے ساتھ ملا دیئے جائیں اور کل اونٹوں کی زکوٰۃ میں چوتھے سال کا اونٹ دینا ہوگا گو ان بچوں پر ابھی پورا سال نہیں گزرا، ہاں اگر اس مال کے ملا دینے سے ایک ہی سال پر دو مرتبہ زکوٰۃ دینا پڑے تو پھر نہ ملائیں گے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دے چکا ہو بعد اس کے اس مُزَکّٰی (زکوٰۃ دینے والا) روپے پیسے کچھ جانور خرید لیے تو وہ جانور اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ نہ ملائیں گے ورنہ ان کی زکوٰۃ پھر دینی ہوگی اور ابھی ان کی قیمت کی زکوٰۃ دی جا چکی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جانوروں کی زکوٰۃ دے چکا ہو بعد اس کے ان مزکی جانوروں کو بیچ ڈالے تو ان کی قیمت کا روپیہ روپے کے نصاب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا۔

(علم الفقہ ص ۳۰ ج ۴)

زکوٰۃ میں کیسے مویشی لیے جائیں؟

مسئلہ:۔ جب زکوٰۃ دہندہ مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کرے اور وصول کنندہ وصول کرے تو

جانوروں کی یہ خصوصیات مدِ نظر رکھنی چاہئیں :۔

جو جانور زکوٰۃ میں دیئے جائیں ان میں کوئی عیب نہ ہو، یعنی نہ وہ بیمار ہوں، نہ ان میں ٹوٹ پھوٹ ہو (مثلاً ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہو یا کان کٹا ہوا ہو) اور نہ ایسے بوڑھے ہوں کہ ان کے دانت گر گئے ہوں۔ غرض ان میں کوئی بھی عیب ایسا نہ ہو جس سے ان کی منفعت اور قیمت میں کمی آجائے۔

مسئلہ :۔ البتہ ایک صورت میں عیب دار جانور زکوٰۃ میں وصول کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر سارے ہی جانور بوڑھے ہوں یا سارے ہی جانور بیمار ہوں یا سارے ہی عیب دار ہوں ،اور زکوٰۃ وصول کنندہ انہی میں سے زکوٰۃ وصول کرے اور مالک کو بے عیب جانور خریدنے کا پابند نہ کرے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ اسی مال میں سے ادا ہونی چاہئے جس مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۸۴ ج ۱)

مسئلہ :۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ میں عمدہ جانور ہی وصول کیے جائیں (یہ عام مویشیوں کا حکم ہے) تو اس میں مالکوں کا نقصان ہے اور اگر نکمے (خراب) جانور لیے جائیں تو یہ مستحقین کے حق میں مضرت رساں ہے اس لیے تقاضائے عدل یہی ہے کہ درمیانی اور متوسط قسم کے جانور لیے جائیں۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۱۹۰ ج ۱)

مشترکہ جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ ایک شخص کی اَسی آدمیوں کے ساتھ اَسی بکریوں میں نصف نصف کی شرکت ہے کہ ہر بکری میں نصف اس کی ہے اور نصف دوسرے شخص کی گویا بحیثیت مجموعی اس کی چالیس بکریاں ہیں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اسی تعداد (مشترکہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں، اور یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب مثلاً ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک شخص کی ساٹھ گاڑیوں میں شرکت ہے۔

مسئلہ :۔ دو شریکوں سے جب ان کے مشترک مال کی زکوٰۃ لی جائے تو اس صورت میں دونوں شریک ایک دوسرے سے اپنے اپنے حصے کے مطابق مال کا لوٹ پھیر کرلینگے۔ (یعنی حساب کرلیں گے)

مسئلہ:۔ جب دو آدمیوں کے پاس اونٹوں کے ایک مشترکہ گلّہ میں اکسٹھ اونٹ ہوں، ایک شخص کے پاس چھتیس ہوں، دوسرے کے پاس پچیس ہوں تو زکوٰۃ وصول کنندہ ان دونوں سے ایک پانچ سال کی عمر کی اور ایک تین سال کی عمر کی اونٹنی زکوٰۃ میں لے لے گا، اب جس شریک کے حصے میں جس قدر زائد زکوٰۃ میں چلا گیا ہے وہ اس سے بقدر دوسرے شریک سے لے لے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶ ج ۴)

مسئلہ:۔ مویشیوں (جانوروں) زکوٰۃ واجب ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں پر مویشی موجود ہوں بشرطیکہ زکوٰۃ وصول کرنے والا وہاں پر موجود ہو، اگر محصّل وہاں نہ ہوتو جہاں مالک ہے وہاں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۱۸ ج ۱)

جو جانور استعمال میں ہوں ان کی زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ:۔ سواری کے گھوڑے اور زراعت کے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۲ ج ۶ بحوالہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۶۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ بیل جو زراعت کے اور گھوڑے سواری کے اور گائے دودھ پینے کے لیے ہیں۔ تو ان جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۶ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۹۶ ج او فقہ الزکوٰۃ ص ۲۳۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ زراعت کے لیے جو جانور پرورش کیے گئے ہوں اگر چہ سائمہ ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور دودھ پینے اور نسل حاصل کرنے وغیرہ کے لیے جو جانور پالے جائیں اور وہ سائمہ ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار باب السائمہ ص ۲۰ ج ۱)

مسئلہ:۔ اگر مختلف حیوانات کے متعدد نصاب ایک شخص کے پاس ہیں اور اس نے ان میں سے بعض کی زکوٰۃ پیشگی دیدی، مگر جن کی زکوٰۃ دی تھی وہ جانور ہلاک اور ختم ہو گئے تو اب دی ہوئی زکوٰۃ ان جانوروں کی جانب سے شمار نہ ہو سکے گی جو اس کے پاس اب موجود ہیں۔

(عالمگیری ص ۱۵ ج ۴)

کن کن جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی؟

مسئلہ:۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اسی پر فتویٰ ہے۔ ہاں اگر گھوڑے تجارتی ہوں تو ان پر تجارتی نوعیت کی زکوٰۃ واجب ہوگی، گھوڑے تجارتی ہوں تو ان کی حیثیت تجارتی سامان کی ہوگی، ان کی قیمت حدِ نصاب تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ لی جائے گی خواہ وہ جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر گھاس دانہ کھاتے ہوں۔ گدھے پر، خچر پر، سدھائے ہوئے چیتے اور کتے پر اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ تجارت کے لیے ہو۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۹۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ تجارتی گھوڑوں کی مجموعی قیمت پر چالیسواں حصہ امام ابوحنیفہؒ کے آخری قول کے مطابق بکری، اونٹ اور گائے کے بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر ان میں سے ایک بھی نصاب کی عمر کو پہنچ جائے تو باقی بچے اسکے تابع ہوکر نصاب میں شمار ہوں گے، البتہ وہ زکوٰۃ میں نہیں لیے جائیں گے۔ یعنی زکوٰۃ میں وہی پوری بکری یا اسکی قیمت لی جائے گی، یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ تو ضرور بنتے ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بکری کے انتالیس بچے ہیں اور ان میں صرف ایک بکری پوری ہے۔ (جسے شامل کرکے چالیس کی تعداد پوری ہوتی ہے) تو اس میں ایک اوسط درجہ کی بکری زکوٰۃ میں دینی ہوگی اگر وہی ایک (پوری عمر والی) بکری درمیانہ درجے کی یا اس سے کم ہے تو زکوٰۃ میں لے لی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ بکری نہ رہے، صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ ایسے ہی اگر اونٹ کے پچاس بچے ہیں اور ان ہی میں درمیانہ درجے کی ایک اونٹنی بھی شامل ہے تو وہی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ اگر آدھے بچے ضائع ہوجائیں تو نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ بھی ساقط ہوجائے گی اور نصف اونٹنی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ میں بچہ لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۹ ج ۴)

مسئلہ:۔ جنگلی اور وحشی جانوروں پر سائمہ ہونے کے حیثیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اس لیے ایسے مخلوط النسل جانور پر جس کی ماں جنگلی اور وحشی ہو، زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ باربرداری استعمالی اور چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی

کیونکہ جس طرح آدمی کے آلاتِ کارگردگی پر زکوٰۃ نہیں، اسی طرح وہ جانور جو زراعت کے مقصد سے پالے گئے ہوں یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنھیں گھر پر رکھ کر چارہ کھلایا جاتا ہو، ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن گھر پر چارہ کھانے والے جانور اگر تجارتی نوعیت کے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۹ ج ۴ و کتاب الفقہ ص ۹۲۸ ج ۱)

مسئلہ:۔ وقف کے جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۵۱)

مخلوط النسل جانوروں کی زکوٰۃ

سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ وہ جنگلی نہ ہوں، جنگلی جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں، ہاں اگر تجارت کی نیت سے رکھے جائیں تو ان پر تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

جو جانور کسی دیسی اور جنگلی جانور سے مل کر پیدا ہوں تو اگر ان کی ماں دیسی ہے تو وہ دیسی سمجھے جائیں گے اور اگر جنگلی ہے تو جنگلی سمجھے جائیں گے۔ مثلاً بکری اور ہرن سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ بکری کے حکم میں ہے اور نیل گائے اور گائے سے کوئی جانور پیدا ہو تو وہ گائے کے حکم میں ہے۔

جو جانور سائمہ ہو اور سال کے درمیان اسکی تجارت کی نیت کر لی جائے تو اس سال اس کی زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی، اور جب اسنے تجارت کی نیت کی ہے اسوقت سے اسکا تجارتی سال شروع ہوگا۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۵۱)

وقف کے جانور پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ وقف کے جانوروں پر اور ان گھوڑوں پر جو دینی جہاد کیلئے رکھے گئے ہوں زکوٰۃ فرض نہیں، گھوڑوں پر خواہ وہ سائمہ ہوں یا غیر سائمہ اور گدھے اور خچر پر بشرطیکہ تجارت کیلئے نہ ہوں زکوٰۃ فرض نہیں۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۵۱)

اونٹوں کی زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل

نوٹ:۔ ۶ میں ۷ میں ۸ میں ۹ میں بھی ایک بکری یا بکرا یکسالہ واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح

نیچے لکھے ہوئے حساب کو سمجھئے (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

سوال:۔ زکوٰۃ میں اونٹوں کا نصاب اور ان پر زکوٰۃ کا حساب بہت مشکل ہے آپ ایسے واضح طریقہ سے تحریر فرمائیں کہ بسہولت سمجھ میں آجائے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے، ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اس کے بعد بحساب ذیل زکوٰۃ فرض ہے:۔

۵	سے	۹ تک	یکسالہ ایک بکری یا بکرا
۱۰	سے	۱۴ تک	دو بکریاں یا بکرے
۱۵	سے	۱۹ تک	تین بکریاں یا بکرے
۲۰	سے	۲۴ تک	چار بکریاں یا بکرے
۲۵	سے	۳۵ تک	یک سالہ اونٹنی (بنتِ مخاض)
۳۶	سے	۴۵ تک	دو سالہ اونٹنی (بنتِ لبون)
۴۶	سے	۶۰ تک	سہ سالہ اونٹنی (حقہ)
۶۱	سے	۷۵ تک	چار سالہ اونٹنی (جذعہ)
۷۶	سے	۹۰ تک	دو سالہ دو اونٹنیاں
۹۱	سے	۱۲۴ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں
۱۲۵	سے	۱۲۹ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۳۰	سے	۱۳۴ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۳۵	سے	۱۳۹ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۴۰	سے	۱۴۴ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۴۵	سے	۱۴۹ تک	سہ سالہ دو اونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی
۱۵۰	سے	۱۵۴ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں
۱۵۵	سے	۱۵۹ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں اور ایک بکری
۱۶۰	سے	۱۶۴ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں اور دو بکریاں

۱۶۵	سے	۱۶۹ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۷۰	سے	۱۷۴ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۷۵	سے	۱۸۵ تک	سہ سالہ تین ونٹنیاں اور یک سالہ ایک اونٹنی
۱۸۶	سے	۱۹۵ تک	سہ سالہ تین اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۱۹۶	سے	۲۰۴ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۰۵	سے	۲۰۹ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۱۰	سے	۲۱۴ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۱۵	سے	۲۱۹ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۲۰	سے	۲۲۴ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۲۵	سے	۲۳۵ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور یکسالہ ایک اونٹنی
۲۳۶	سے	۲۴۵ تک	سہ سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۴۶	سے	۲۵۴ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۵۵	سے	۲۵۹ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۶۰	سے	۲۶۴ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۶۵	سے	۲۶۹ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۷۰	سے	۲۷۴ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۷۵	سے	۲۸۵ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور یکسالہ ایک اونٹنی
۲۸۶	سے	۲۹۵ تک	سہ سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۹۶	سے	۳۰۴ تک	سہ سالہ چھ اونٹنیاں

اس نقشہ میں ۱۵۰ سے آخر تک دیئے گئے اعداد سے ایک کلیہ حاصل ہوا، اسکے مطابق جہاں تک چاہیں ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکوٰۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اس کلیہ کا حاصل یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک یکسالہ اونٹنی، پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک سہ سالہ اونٹنی، اسکے بعد پھر نئے سرے

سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر یکسالہ اونٹنی، ۳۶ پر دوسالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک سہ سالہ۔

ہدایات:۔

(۱) جہاں بکری واجب ہے اس میں ایک سال کی عمر لازم ہے، اور مذکر مؤنث میں اختیار ہے چاہئے بکری دے یا بکرا دے، مگر اونٹنی مؤنث ہی دینا لازم ہے، اونٹ دینا جائز نہیں، البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر اس قیمت کے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دے دینا جائز ہے۔

(۲) جہاں سہ سالہ چار اونٹنیاں واجب ہیں وہاں اختیار ہے کہ انکے بجائے دو سالہ پانچ اونٹنیاں دے دے۔

(۳) زکوٰۃ کا حساب مذکورہ اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کیلئے نہ ہوں اور انکا غالب چارہ باہر چرنا ہو گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو یا باہر چرنے کی بہ نسبت گھر کا چارہ کم ہو اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکوٰۃ نہیں۔

(۴) اگر اونٹ تجارت کیلئے ہوں تو اُن پر حسابِ مذکورہ کے مطابق بکری یا اونٹنی واجب نہیں، بلکہ دوسرے اموالِ تجارت کی طرح ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی، خواہ باہر چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو، تجارت کیلئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خریدتے وقت ان کو فروخت کرنے کی نیت ہو، اگر خریدنے کے بعد بیچنے کی نیت کی، یا اصل کو برقرار رکھتے ہوئے انکی نسل کو بیچنے کی نیت ہو، خواہ اصل کو خریدتے وقت یہ نیت ہو یا بعد میں، ان سب صورتوں میں یہ مالِ تجارت نہیں۔

(۵) جو اونٹ سواری یا بار برداری کے لیے ہوں اُن پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (حسن الفتاویٰ از ص ۲۷۲ تا ص ۲۷۵ ج ۴ وہدایہ ص ۱۸۸ ج ۱)

گائے وبھینس کی زکوٰۃ کا نصاب

گائے اور بھینس دونوں ایک ہی قسم میں ہیں، دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملالیں گے۔ مثلاً بیس گائے اور دس بھینس تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کرلیں مگر زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائیگا جس کی تعداد زیادہ ہو یعنی اگر گائے زیادہ ہیں تو زکوٰۃ میں گائے دی جائے گی۔ اور اگر بھینس زیادہ ہیں تو

زکوٰۃ میں بھینس دی جائے گی۔ اور اگر دونوں برابر ہیں تو اختیار ہے۔

تیس گائے بھینس میں ایک گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو، تیس سے کم میں کچھ نہیں اور تیس کے بعد انتالیس تک بھی کچھ نہیں (صرف ایک سالہ بچہ ہی ہے) چالیس گائے بھینس میں پورے دوسال کا بچہ۔ اکتالیس سے انسٹھ تک کچھ نہیں (یعنی صرف دوسالہ بچہ ہی رہے گا)۔ جب ساٹھ ہو جائیں گے تو ایک ایک سال کے دو بچے دیئے جائیں گے پھر جب ساٹھ سے زیادہ ہو جائیں گے۔ تو ہر تیس میں ایک سال ایک بچہ اور ہر چالیس میں دوسال کا بچہ مثلاً ستر ہو جائیں تو ایک ایک سال کا بچہ اور ایک دوسال کا بچہ۔

کیونکہ ستر میں ایک تیس کا نصاب ہے اور ایک چالیس کا۔ اور جب اسی ہو جائیں تو دوسال کے دو بچے کیونکہ اس میں چالیس کے دو نصاب ہیں اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے، کیونکہ نوے میں تیس کے نصاب ہیں اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دوسال کا۔ کیونکہ سو میں دو نصاب تیس کے اور ایک نصاب چالیس کا ہے، ہاں جہاں کہیں دونوں نصابوں کا حساب مختلف نتیجہ پیدا کرتا ہو وہاں اختیار ہے چاہے جس کا اعتبار کریں۔ مثلاً بیس میں چار نصاب تو تیس کے ہیں اور تین نصاب چالیس کے، پس اختیار ہے کہ تیس کے نصاب کا اعتبار کر کے ایک سال کے چار بچے دیں یا چالیس کے نصاب کا اعتبار کر کے دوسال کے تین بچے دیں۔ غرضیکہ ساٹھ کے بعد پھر دہائی سے نصاب بدلتا رہیگا، دہائی سے کم بڑھے تو زکوٰۃ میں زیادتی نہ ہوگی وہی زکوٰۃ دینا ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔ (علم الفقہ ص ۲۵ ج ۴ و احسن الفتاوی ص ۲۷۱ ج ۴ و فتاوی عالمگیری ص ۱۸ ج ۴)

نوٹ:۔ گائے و بھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل بچھڑا، کٹڑا، جھوٹا بھینسا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (محمد رفعت قاسمی)

بکریوں اور بھیڑوں کی زکوٰۃ کا نصاب

سوال:۔ جو بکریاں باہر چرتی ہیں اور تجارت کے لیے نہیں ہیں، ان کی زکوٰۃ کا کیا حساب ہے؟ کتنی بکریوں پر ایک بکری واجب ہے اور بکری اور بھیڑ کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

جواب:۔ چالیس بکریوں پر ایک بکری یا ایک بکرا واجب ہے۔ چالیس سے ایک سو بیس تک

یہی واجب ہے، پھر ایک سو اکیس سے دوسو تک دو بکریاں۔ پھر دوسو ایک سے تین سو تک تین بکریاں، پھر چار سو پر چار بکریاں۔ اس کے بعد ہر سینکڑے پر ایک بکری واجب ہے۔ بیڑوں کا بھی یہی حکم ہے۔ (مینڈھے بھی اسی میں شامل ہیں)۔ بھیڑ و بکری مخلوط (ملی ہوئی) ہوں تو بھی یہی نصاب ہے، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ فرق ہے کہ بھیڑ اور بکری میں سے جو زیادہ ہوں زکوٰۃ میں وہی جانور دیئے جائیں، اور اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے کہ اعلیٰ قسم سے ادنیٰ قیمت کا جانور دے یا ادنیٰ قسم سے اعلیٰ قیمت کا دے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۷۲ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۲۰ وفقہ الزکوٰۃ ص ۲۷۷ ج ۱ وعلم الفقہ ص ۲۶ ج ۴ وعالمگیری ص ۱۷۷ ج ۴)

سال کے درمیان جانور کے مرنے پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ: ۔ایک شخص کے پاس دوسو درہم کی مالیت (ساڑھے باون تولہ چاندی) کا بکریوں کا ریوڑ تھا، اتفاق سے وہ سال بھر گزرنے سے پہلے مرگئیں اس شخص نے انکی کھالیں اتار کر انھیں رنگ لیا اور اب ان کھالوں کی قیمت نصاب شرعی کے برابر ہوگئی، پھر بکریوں کا سالِ نصاب بھی پورا ہوگیا تو اب ان رنگی ہوئی کھالوں پر زکوٰۃ واجب ہوگئی۔

مسئلہ: ۔ کسی شخص کے پاس کاروباری مقصد کے لیے انگور کے شیرے کا ذخیرہ سال بھر گزرنے سے پہلے وہ شراب میں تبدیل ہوگیا اور اسکے بعد اسکا سرکہ بن گیا جس کی قیمت نصاب کے برابر ہوگئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شیرہ کا جو سالِ نصاب چالو تھا وہ بھی پورا ہوگیا تو اب اس سرکہ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ فقہاء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ پہلے مسئلہ میں بکریوں کی اون اپنی قیمت رکھتی تھی وہ بدستور (ان کے مرنے کے بعد بھی) سال بھر تک باقی رہی اور دوسرے مسئلہ میں کل مال (جو شیرۂ انگور کی شکل میں تھا) ختم ہوگیا، اور ایک دوسری چیز بن گئی اس لیے سال کا حکم بھی اس پر باقی نہ رہا۔ (فتاویٰ قاضی خان وفتاویٰ عالمگیری ص ۱۴۱ ج ۴)

مسئلہ: ۔ جانوروں کے بچوں پر اگر وہ تنہا ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ ہاں اگر ان کے ساتھ بڑا جانور بھی ہو گو ایک ہی ہو تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی اور زکوٰۃ میں وہ ہی جانور دیا جائے گا اور سال پورا ہونے کے بعد اگر وہ بڑا جانور مر جائے تو زکوٰۃ ساقط یعنی ختم ہو جائے گی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۱۵۱ ودرمختار)

بکری کے بچوں پر زکوٰۃ کا حکم

مسئلہ :۔ اگر صرف بچے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں، اور اگر انکے ساتھ کوئی ایک سال کی یا اس سے بڑی بکری بھی ہے تو اسکے ساتھ مل کر نصاب میں بچوں کا اعتبار ہوگا اور مجموعہ چالیس پر ایک بڑی بکری فرض ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۶ ج ...... وفقہ الزکوٰۃ ص ۲۸۱ ج ۱)

جو مواشی جنگل میں چریں اور گھر میں بھی

سوال :۔ گائے (بھینس وغیرہ) جنگل میں بھی چرتی ہیں اور گھر میں بھی چارہ دیا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں، جبکہ کامل نصاب ہے؟

جواب :۔ غالب خوراک کا اعتبار ہے، اگر جنگل میں چرنے کی خوراک غالب ہے تو زکوٰۃ فرض ہے (یعنی بغیر پیسوں کے چرنا) اور گھر کا چارہ غالب ہے یا دونوں برابر ہیں تو زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کے لیے ہوں تو مالِ تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

مسئلہ :۔ جو مواشی کا غالب چارہ گھر میں ہو یا باہر چرنا کم ہو، ان پر زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ تجارت کی نیت سے خریدے ہوں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۷۶ ج ۴ بحوالہ ردالمحتار ص ۲۰ ج ۲)

تجارتی مواشی کی زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ ہم بکریوں کی تجارت کرتے ہیں، چالیس پچاس بکریاں موجود رہتی ہیں، مگر خرید وفروخت کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں، کوئی بکری پورے سال نہیں رہتی، یہ بکریاں جنگل میں چرتی ہیں؟

جواب :۔ ان بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری واجب نہیں بلکہ دوسرے اموالِ تجارت کی طرح ان بکریوں کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۷۷ ج ۴ بحوالہ ردالمحتار ص ۱۷ ج ۲)

دودھ فروخت کرنے کی نیت سے پالی ہوئی بھینسوں کا حکم

جو بھینسیں جنگل میں نہیں چرتیں بلکہ ان کو خود گھر میں کھلایا جاتا ہے، تو ان پر زکوٰۃ فرض نہیں، البتہ اگر بھینسوں کی تجارت بھی مقصود ہو یعنی خریدتے وقت اس کا دودھ بیچنے کے ساتھ خود بھینس بیچنے کی نیت ہو تو ایسی بھینس کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۷۷ ج ۴)

زرعی سرمائے پر زکوٰۃ

انسان پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان اور اسکی ایک بڑی نعمت خود اس زمین کی تخلیق ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر طرح کی نباتات اور ہر قسم کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے نوع بہ نوع پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مغربی ماہرین اقتصادیات نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ زرعی زمین پر ایک جداگانہ ٹیکس ہونا چاہئے کہ زمین ہی انسانی معیشت کا حقیقی سرچشمہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نظرِ بصیرت رکھنے والے کے لیے یہ محض فضل الٰہی ہے کہ اس نے زمین کو انسان کے تابع بنادیا اور اسمیں اسکی روزی پنہاں کردی اور اسمیں برکت دے کر تمام انسانوں کی متعین روزی کا ذخیرہ جمع کردیا۔

اور اگر ذرا ہم اس پر غور کریں کہ ایک دانہ کو پھل دار درخت بننے میں کن کن مراحل نشو و نما سے گزرنا ہوتا ہے اور کیا قوانین قدرت اس کی افزائش میں کارفرما ہوتے ہیں، تو ہم اس کی مہربانی پر سجدہ شکر بجالائیں۔

کیونکہ ہر مٹی روئیدگی (پیداوار) کے قابل نہیں ہوتی، بلکہ مٹی میں ایسے ناگزیر عناصر درکار ہوتے جو نباتات کے پروان چڑھانے میں مددگار بنتے ہیں۔ تو یہ ایسے عناصر پر مشتمل مٹی کس نے پیدا کی ہے؟

ہر نبات کے اُگنے اور نشو و نما پانے کیلئے پانی بھی لازم ہے اور اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی برسانے اور پہاڑوں سے چشمے بہادینے کا بندوبست فرمادیا اور اسکو ایسی مناسب

مقدار میں زمین میں جاری کیا کہ مخلوقاتِ انسانی اور وحشی کو نقصان نہ پہنچے اور جان دار غرق نہ ہو جائیں، پودوں کو مخصوص گیسوں کی بھی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ گیس ہوا کے اندر تخلیق فرمادیں اور نباتات کو حکم فرمادیا کہ وہ انسان اور حیوان کے منہ سے نکلنے والی کاربن گیس اپنے اندر جذب کرتے رہیں اور اسطرح حیوانات اور نباتات میں یہ بے نظیر اور عجیب تبادلۂ گیس وقوع پذیر ہوتا رہے۔

نباتاتی افزائش کے لیے روشنی اور گرمی ایک مناسب اور موزوں مقدار میں درکار ہے کہ گری اگر زیادہ بڑھ جائے گی تو پودے جل جائیں گے اور اگر کم ہو جائے گی تو پودے کُملا جائیں گے، اور حرارت نہ ہوگی تو کائنات میں کسی بھی ذی حیات کا وجود باقی نہیں رہے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا اور اس کو زمین سے اتنے موزوں فاصلہ پر رکھا کہ زمین تک پہنچنے والی اس کی حرارت (گرمائی) زندگی کے لیے موزوں ہو جائے کہ سورج اگر زمین سے قریب آجائے تو ہر زندہ وجود جل کر خاکستر ہو جائے اور اگر سورج زمین سے کہیں دور نکل جائے تو ہر وجود یخ بستہ ہو کر رہ جائے۔

بیج میں نموء اور افزائش اور بڑھنے وپھلنے اور پھولنے کی صلاحیتیں کس نے ودیعت کی ہیں؟ کس نے کھجور کی گٹھلی سے آسمان کی جانب اُٹھا ہوا، تروتازہ پھول اور پھل والا ذی قامت درخت کھڑا کیا ہے؟ کس نے دانۂ گندم کی سات بالیں پیدا کیں اور ہر بالی میں سودانے اُگائے؟

ظاہر ہے کہ اللہ ہی نے یہ سارا انتظام کیا ہے، یہ ساری ترتیب قائم کی اور تخلیق کا اعجاز ظاہر کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

﴿افرأيتم ماتحرثون أ انتم تزرعونه ام نحن الزارعون﴾ (الواقعہ آیۃ ۶۳ پ ۲۷)

ترجمہ:۔ کبھی تم نے سوچا یہ بیج جو تم بوتے ہو، ان سے کھیتیاں تم اُگاتے ہو، یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہے جاؤ کہ ہم پر اُلٹی چٹیں پڑ گئی بلکہ ہمارے نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔

بلاشبہ زمین کی ہر پیداوار اللہ سبحانہ کا احسان اور اس کا فضل ہے اور حقیقی پیدا کرنے

والا اللہ ہی ہے اور ہم تو ایک تنکا بھی زمین سے نہیں اُگا سکتے، اس عظیم نعمت پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہیئے کہ اس قدر خوشگوار لذتوں کی حامل غذائیں اس زمین سے ہمارے لیے پیدا فرمائیں۔ اس اظہار تشکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (عشر و نصف عشر و خراج) ادا کریں تا کہ محتاجوں کی ضرورتوں کی تکمیل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت و نصرت کی جا سکے۔ (فقہ الزکوٰۃ از ص ۴۵۱ تا ص ۴۵۵ ج ۱)

عشر کے واجب ہونے کی دلیل

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ (عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) کی دلیل کتاب وسنت سے بھی ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ واتوا حقہ یوم حصادہ یعنی فصل کاٹنے کے وقت حق اللہ کا نکال دیا کرو۔ (پ ۸ سورہ انعام)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو کھیتی بارش سے سیراب ہو، اُس پر عشر (۱/۱۰) واجب ہے اور جس کو ڈول یا جرس یا رہٹ سے سیراب کیا ہو اس مین نصف عشر (۱/۲۰ ابیسواں حصہ) واجب ہے۔

اس حدیث شریف میں اس کی تفصیل ہے جس کا ذکر مذکورہ آیت شریفہ میں اجمالی طور پر کیا گیا ہے۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۳ ج ۱)

عشر کا مفہوم کیا ہے؟

لفظِ عشر کے اصلی معنیٰ دسواں حصہ ہے مگر حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجباتِ شرعیہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمین کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک میں عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ عشری زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ عبادت ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۸۱ و عشر و خراج کے احکام ص ۲۴۷)

نصابِ عشر کیا ہے؟

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کا نصاب نہیں بلکہ ہر قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے۔
(فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۲ ج ۱)

پیداوار جتنی بھی ہو، کم ہو یا زیادہ، ہر حال میں عشر نکالنا واجب ہے، اس کے لیے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں ہے جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے، وجہ اس کی قرآن وحدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔﴿ومما اخرجنالكم من الارض ......الخ﴾
(پ۳ سورۂ بقرہ)(جواہر الفقہ ص ۲۷۴ ج۲ عشر وخراج کے احکام وفتاویٰ دار العلوم ص ۱۷۶ ج ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۱ ج ۳)

کیا مقروض پر عشر واجب ہے؟

مسئلہ:۔ عشر باوجود قرض کے بھی لازم ہوتا ہے پس جس جگہ عشر لازم ہے وہاں عشر کے واجب ہونے کیلئے دَین یعنی قرض مانع نہیں ہے اور جہاں عشر واجب نہیں ہے وہاں بھی دیدینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۶ ج ۶)

عشر واجب ہونے کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا، کیونکہ عشر خالصۃً عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ (بدائع)

(۲) زمین کا عشری ہونا، خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

(۳) زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا، اگر کسی بے اختیاری سبب یا اپنی غفلت وکوتاہی کے سبب پیداوار حاصل نہ ہو تو بہر حال عشر ساقط ہو جائے گا۔

(۴) ایسی پیداوار جو بو کر حاصل ہو، خودرو گھاس یا درخت پر عشر واجب نہیں۔
(امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۸۵)

مسئلہ:۔ عام احکامِ شرعیہ میں عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں کیونکہ عشر کے واجب ہونے کے لیے زمین کے مالک کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری نہیں، زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہے مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا اور اس کے اَولیاء (سرپرستوں) کے ذمہ اس کا اداء کرنا فرض ہے۔

بخلاف زکوٰۃ کے، کہ وہ بچہ اور مجنون کے مال میں واجب نہیں ہوتی۔ (بدائع)

مسئلہ:۔ عشر کے واجب ہونے کے لیے زمین کا خود مالک ہونا شرط نہیں چنانچہ وقف کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے عاریۃً یا اجارۃً یا کرایہ پر زمین لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو اس کی پیداوار کا عشر اس شخص کے ذمہ ہے۔ زمین کے مالک کے ذمہ نہیں۔

مسئلہ:۔ عشر کے واجب ہونے کیلئے سال گزرنا بھی شرط نہیں۔ سال میں جتنی دفعہ پیداوار ہوگی یا اور بڑھے گی، اتنی دفعہ ہی عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ قرض کے ہوتے ہوئے بھی عشر کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور قرض کی رقم کو منہا بھی نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی وضع نہ ہوگا)۔

(عشر وخراج کے احکام ص ۲۷۲ جواہر الفقہ ص ۲۷۱ ج ۲ واحسن الفتاویٰ ص ۳۴۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ ایک شرط مزید یہ ہے کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو، جس پر پیداواری یا نمائی کی غرض سے زراعت کی جائے، لہذا لکڑی، گھانس، بانس، نرسل اور بَرگِ خرما پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی اشیاء سے زمین میں نمو نہیں ہوتی، بلکہ کم ہو جاتی ہے، البتہ اگر ان کو جدا کر کے ان سے نفع کمایا جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کو پورا کرتی ہو۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین پر فی الواقع زراعت ہوئی ہو بخلاف خراج کے کہ اس پر خراج اسی وقت واجب ہو جاتا ہے کہ زمین قابلِ زراعت ہو جائے (گو سَرِ دست اس پر کھیتی نہ ہو) اسی طرح ضروری ہے کہ زمین کا مالک زراعت کرنے کے قابل ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص زمین پر زراعت کرنے کی قدرت تو رکھتا ہو، لیکن زراعت نہیں کرتا، تو اس پر زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں ہے لیکن خراج بہر حال واجب الاداء ہے، کیونکہ اس زمین مین نماء (افزائی) کی صلاحیت ہے، غرض وجوب زکوٰۃ کی شرط یہ ہے کہ زمین میں پیداواری، نشو ونما ہو رہی ہو بخلاف خراج کے اس کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ زمین میں نمو کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہو۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۰۴ ج ۱)

عشر وخراج کے احکام

عشر وخراج شریعتِ اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اسمیں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لیے اسکو''زکوٰۃ الارض'' (زمین کی زکوٰۃ) کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جسمیں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔اسی لیے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار ہے، اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابلِ کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا، کاشت نہیں کی، اس صورت میں بھی عشر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے، بخلاف خراج کے کہ وہ قابلِ کاشت زمین پر عائد ہے، اگر مالک نے غفلت برتی اور قابلِ کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ (شامی ص ۳۷ ج ۲)

البتہ زمین کا قابلِ کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی نہیں ہوتی جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں ہے۔

(بدائع۔جواہر الفقہ ص ۲۴۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلہ ہو خواہ پھل، پس کھیت اور باغ دونوں میں عشر واجب ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۴۹ ج ۲)

عشر اور زکوٰۃ میں فرق

عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموالِ تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ نقصان بھی ہو جائے مگر مقدارِ نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔ بخلاف عشر کے کہ زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا اور اگر پیداوار نہ ہوئی تو کچھ بھی واجب نہیں۔

(جواہر الفقہ ص ۲۴۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ حکومت جو خراج لیتی ہے وہ زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ١٣٨ ج ١١)

خاتمۂ زمینداری کے بعد مسئلہ عشر

حامداً ومصلیاً۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملکِ حکومت قرار پا گئی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر عشر واجب ہے نہ نصف عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصف عشر ادا کردے تو موجب خیر و برکت ہے، جس قدر بھی زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ٨٩ ج ٣)

کیا ہندوستان کی زمین پر عشر واجب ہے؟

مسئلہ:۔ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی مملوکہ ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے، پس بحالتِ اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

مسئلہ:۔ ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمینیں مملوکہ مسلمانوں کی ہیں اس میں عشر واجب ہے، مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے۔ (جواہر الفقہ ص ٢٦١)

مسئلہ:۔ اور جب عشر بمنزلہ زکوٰۃ ہے تو جیسا کہ زکوٰۃ اموال ہر جگہ واجب ہے اسلامی شہر ہوں یا غیر اسلامی۔ اسی طرح عشر بھی ہر جگہ لازم ہوگا، اور اگر عشری زمین سے خراج لے لیا جائے تب بھی عنداللہ عشر ساقط نہیں ہوتا، اس لیے صاحب زمین کو عشر نکال کر فقراء کو دینا چاہئے۔ الحاصل احوط یہی ہے کہ مسلمان اپنی اراضی کی پیداوار زمین سے عشر اداء کریں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ١٨٩ ج ٦)

مسئلہ:۔ احتیاط اس میں ہے کہ بغرض حصولِ خیر و برکت جہاں تک ہو سکے عشر و نصف عشر نکالتے رہنا چاہئے۔ (نظام الفتاویٰ ص ٣٥٧ ج ١)

جو اشیاء محفوظ کر لی جائیں ان کا حکم

مسئلہ:۔ فصلوں کی پیداوار اور پھلوں پر سال گزر جانے سے دوبارہ زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی۔ یعنی جب ایک مرتبہ فصلوں کی پیداوار پھلوں پر عشر عائد ہو چکا تو دوبارہ ان اشیاء پر کچھ نہیں ہوگا خواہ یہ مالک کے پاس کئی سالوں تک محفوظ رہیں، اس لیے زکوٰۃ کا تکرار (ہر سال عائد

ہونا) صرف افزائش پذیر مال میں ہوتا ہے اور زمینی پیداوار اور پھلوں میں سے جو اشیاء محفوظ کر لی جائیں تو چونکہ اب ان کی افزائش ختم ہو چکی ہے اور انہیں اب ختم ہو جانا ہے۔ اس لیے اب ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۱۹۲ ج ۱)

مسئلہ :۔ عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہوا اسی وقت واجب ہوتا ہے، سال گزرنے کی قید اس میں نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۵ ج ۶)

عشر کس پر ہے؟

سوال:۔ (۱) عشر کی تعریف کیا ہے؟ (۲) کیا زکوٰۃ کی طرح اس کا بھی نصاب ہوتا ہے؟ (۳) کیا عشر سب زمینداروں پر ہوتا ہے؟ (۴) یہ کن لوگوں کو ادا کیا جاتا ہے؟ (۵) ایک آدمی اگر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا عشر بھی دینا ہوگا؟ (۶) کیا یہ سال میں ایک مرتبہ دیا جاتا ہے یا ہر نئی فصل پر؟ (۷) کیا مویشیوں کے چارہ کے لیے کاشت کی گئی فصل پر بھی عشر ہوگا؟

جواب:۔ (۱) عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اگر زمین بارانی ہو کہ بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو پیداوار اٹھنے کے وقت اس وقت اس پر دسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دینا واجب ہے۔ اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

(۲) ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا کوئی نصاب نہیں بلکہ پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس پر عشر واجب ہے۔

(۳) جی ہاں! جو شخص بھی زمین کی فصل اٹھائے اس کے ذمہ عشر واجب ہے۔

(۴) عشر کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

(۵) عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے اسلئے دوسرے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

(۶) سال میں جتنی بھی فصلیں آئیں، ہر نئی فصل پر عشر واجب ہے۔

(۷) جی ہاں! مویشیوں کے چارے کے لیے کاشت کی گئی فصل پر بھی حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۰ ج ۳ و فتاوی محمودیہ ص ۱۰۰ ج ۳ و ہدایہ ص ۱۸۱ جلد اول)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھلوں، سبزیوں، ترکاریوں اور مویشیوں کے چارے میں بھی، جس کو کاشت کیا جاتا ہو، عشر واجب ہے۔ زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، صرف عشر واجب ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۹ ج ۳ و فتاوی محمودیہ ص ۱۰۱ ج ۳)

چارہ والی زمین کا حکم

مسئلہ:۔ عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اس کھیتی میں بھی ہے جو جانوروں کے چارہ (کھانے) کے لیے ہے اور غلہ یا چارہ اس میں پیدا ہوا ہو واجب ہے۔

مسئلہ:۔ کھیت کو بغیر دانہ اور بلا پختگی کے کاٹ کر جانوروں کو کھلایا جائے تو عشر نہیں ہے۔

(فتاوی دار العلوم ص ۱۸۶ ج ۶)۔

(یعنی اگر غلہ کے لیے کھیت بویا لیکن ارادہ بدل گیا اور کھیت کو پکنے سے پہلے پہلے ہی کاٹ کر جانوروں کا چارہ بنا دیا تو عشر واجب نہیں ہے، جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔ رفعت)

کھیتی پکنے سے پہلے فروخت کرنے پر عشر کا حکم

مسئلہ:۔ اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ (عشر) خریدار پر واجب ہوگی۔ اور اگر دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کی زکوٰۃ بیچنے والے کے ذمہ ہے۔

مسئلہ:۔ پھل دار درخت کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس میں پھل لگ جائیں، اور ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ رہے، بایں طور کہ وہ ایسے ہو جائیں کہ ان کو کام میں لایا جا سکے۔ پھر ان پر جو واجب ہوگا وہ کاٹنے کے وقت نکالا جائے، البتہ غلہ کی زکوٰۃ (عشر) کا وقت وہ ہے جب کہ اس کو توڑا اور صاف کیا جائے، اگر مالک کے اپنے کسی عمل کے بغیر حاصل شدہ پیداوار (از خود) تلف ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ بھی ساقط (ختم) ہو جائے گی اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ اس کا توڑنا ناگزیر ہو۔ (کتاب الفقہ ص ۱۰۰۵)

ناکافی پیداوار کا حکم

سوال:۔ بسااوقات پیداوار میں اس قدر غلہ بھی نہیں ہوتا جس کی قیمت خرچ شدہ رقم کے برابر ہو، ایسی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

جواب:۔ جو کچھ پیدا ہو اس کا دسواں حصہ نکالنا چاہئے، خواہ کم ہو یا زیادہ مثلاً اگر سومن غلہ پیدا ہو تو دس من دیا جائے اور اگر دس من پیدا ہوا تو ایک من دیا جائے گا، اور اخراجات کو محسوب نہ کیا جائے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۶۷ ج ۶)

بٹائی کی زمین کا عشر کس طرح پر ہے؟

سوال:۔ میں ایک زمیندار کی زمین میں کاشت کرتا ہوں، دس ہزار کی کپاس ہوئی پانچ کی میرے حصہ میں آئی۔ اب کیا میں پورے دس ہزار کا عشر نکالوں یا اپنے حصے میں سے؟

جواب:۔ آپ اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نکالیئے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ زمین کی پیداوار جس کے گھر آئے گی، زمین کا عشر بھی اسی کے ذمہ ہوگا۔ پس مزارع کے (بٹائی) حصہ میں جتنی پیداوار آئے اس کا عشر اس کے ذمہ ہے اور مالک کے حصہ میں جتنی جائے اس کا عشر اس پر لازم ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۱۲ ج ۳ وفتاویٰ دار العلوم ص ۱۵۹ ج ۶ بحوالہ درمختار باب العشر ص ۵۷ ج ۲)

کیا پیداوار کا خرچہ نکال کر عشر ہے؟

سوال:۔ آج کل کیڑے مار اسپرے اور کیمیائی کھاد ٹریکٹر کے ذریعے ہل چلائے جاتے ہیں، کیا خرچ فصل کی آمدنی سے کم کر کے عشر دینا ہوگا یا کل پیداوار؟

جواب:۔ شریعت نے اخراجات پر نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) کر دیا ہے۔ اس لیے اخراجات وضع کر کے عشر نہیں دیا جائے گا، بلکہ تمام پیداوار کا عشر دیا جائے گا۔

(آپ کے مسائل ص ۳۱۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ اخراجات کو وضع نہیں کیا جائے گا، بلکہ پوری پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا ہوگا۔ نیز بیج کو بھی اخراجات میں شمار کیا جائے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۱۱ ج ۳)

کٹائی کا خرچ اور عشر

سوال:۔ ڈھائی ایکڑ زمین میں سو من گیہوں پیدا ہوا، اس گندم کی کٹائی کا خرچ تقریباً پانچ من ہوگا اور تھریشر (گہائی) کا خرچ تقریباً پندرہ من ہوگا۔ بچت آمدنی اسی من ہوگئی۔ کیا عشر سو من پر دینا ہوگا یا اسی من پر؟

جواب:۔ عشر سو من پر ہوگا۔ (آپ کے مسائل ص ۲۱۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ عشر میں مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا، یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی۔ لہذا پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہئے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۶۹ ج ۲ باب العشر)

مسئلہ:۔ عشر تمام پیداوار سے نکالا جائے گا، بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے، اسی طرح بیلوں، مزدوروں اور کمینوں وغیرہ کے اخراجات عشر نکالنے کے بعد ادا کیے جائیں۔

(امداد مسائلِ زکوٰۃ ص ۸۹ و کتاب الفقہ ص ۱۰۰۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ عشر میں محصول سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۰ ج ۶)

کیا کھیت کی قیمت پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ:۔ کھیت کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے (چاہے جتنی قیمت ہو) زمین اگر عشری ہے تو اس کی آمدنی پر یعنی جس قدر غلہ اس زمین میں پیدا ہو اس پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر زمین عشری نہ ہو تو کچھ واجب نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۵۷ ج ۶ بحوالہ عالمگیری مصری ص ۱۸۵ ج ۱)

مسئلہ:۔ حولانِ حول یعنی مال پر پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کیلئے ہے، کھیتی اور پھلوں کیلئے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے (بلکہ ہر فصل پر سال میں جتنی بھی ہوں عشر ہوگا)۔ (کتاب الفقہ ص ۹۶۴ ج ۱)

کیا سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے عشر ادا ہو جائے گا؟

مسئلہ:۔ عشر زمین کا زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ

کا ہے۔ اگر کوئی بھی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کی مصرف میں خرچ کریں اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموالِ تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

(جواہر الفقہ ص ٢٧٦ ج ٢ و امداد الفتاویٰ ص ١٩ ج ٢ و فتاویٰ دار العلوم ص ١٨٢ ج ٦)

جس غلہ کا عشر نہ نکالا وہ حلال ہے یا حرام؟

مسئلہ:۔ جس نے غلہ میں دسواں حصہ (عشر) نہیں نکالی وہ غلہ حلال ہے۔ لیکن وہ شخص زمین کی زکوٰۃ (عشر) نہ دینے سے گناہ گار اور فاسق ہو جائے گا۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ١٨٠ ج ٦ و فتاویٰ محمودیہ ص ١٥١ ج ٣)

جن چیزوں میں عشر واجب ہے؟

مسئلہ:۔ اناج، ساگ ترکاری، میوہ پھل، پھول وغیرہ جو کچھ پیدا ہو سب کا یہی حکم ہے یعنی عشر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ١٨٣)

مسئلہ:۔ عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں سے اگر شہد نکالا تو اس میں بھی یہ صدقہ واجب ہے۔ (درمختار ص ١٣٩)

مسئلہ:۔ تمام اقسام کی ترکاریوں وغیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر لازم ہے۔ جیسے خربوزہ، تربوزہ، خیارین، لہسن، پیاز، دھنیہ، توری، کدو، کریلا، سنگترہ وغیرہ۔ (درمختار)

غرض جو چیزیں زمین سے پیداوار میں حاصل ہوتی ہیں جیسے گیہوں، جَو، چنا، چاول، مکئی، جوار، باجرہ کپاس اور ہر قسم کے دانے اور ترکاریاں، سبزیاں، پھول، تر کھجوریں، گنے، ککڑی، کھیرے، بینگن اور اسی قسم کی دوسری چیزیں خواہ ان کی پھل باقی رہیں یا نہ رہیں۔

مسئلہ:۔ السی کے پیڑوں اور بیجوں میں عشر واجب ہے، اسی طرح اخروٹ، بادام، زیرہ اور دھنیا میں بھی عشر واجب ہے۔ اسی طرح میتھی، مٹر، جوار، کنوارہ وغیرہ ان میں بھی عشر لازم ہے۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص ٨٥ بحوالہ اسلام کا مالیاتی نظام و فتاویٰ دار العلوم ص ١٧٠ ج ٦ و قدوری ص ٤١)

مسئلہ :۔ عشری زمین میں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ، خواہ نیشکر و چری وغیرہ خواہ خشخاش یا خواہ تمباکو اور ادویہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہوں یا اس میں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو، ان سب میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ (امداد مسائل ص ۳۲)

مسئلہ :۔ جب پھل قابلِ اطمینان ہو جائے اس وقت کے حساب سے عشر واجب ہے۔

مسئلہ :۔ تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا اس سب کا حساب یاد رکھے اس کا بھی عشر دینا پڑے گا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۶۹ ج ۲)

مسئلہ :۔ یہ عشر ہر گونہ زمینی پیداوار پر واجب ہے، مثلاً گندم، جَو، باجرہ، جوار، نیز دوسری قسم کے دانے سبزیاں، خوشبودار پھول گلاب، گنا، خربوزہ، کھیرا ککڑی، بینگن، زعفران، کھجور، اور انگور وغیرہ خواہ وہ پھل دیرپا ہوں یا نہ ہوں، تھوڑے ہوں یا بہت ہوں، اس کے لیے نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ سال گزر جانے کی۔ پٹ سن، اس کے بیج، اخروٹ، بادام، زیرہ اور دھنیا پر بھی زکوٰۃ ہے۔

مسئلہ:۔ ایسے دانوں پر زکوٰۃ نہیں ہے جن کو زراعت کے کام میں نہیں لایا جاتا۔

(کتاب الفقہ ص ۱۰۰۴ ج ۱)

عشر کے چند ضروری مسائل

اگر اپنی زمین کا عشر بونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں اور اگر بونے کے بعد اُگنے سے قبل ادا کیا تب بھی جائز نہیں اور اگر پھلوں کا عشر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ادا کر دیا تو جائز نہیں۔ اور اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد دیا تو جائز ہے۔ (شامی)

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنی زمین کو نقد روپے کے عوض کرایہ ٹھیکہ پر دے دیا تو اس کا عشر ٹھیکہ دار کے ذمہ ہے جو زمین کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالکِ زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں میں نصف نصف ہو یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔

مسئلہ :۔ اگر کسی نے زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور زمین پیداوار کر رہا ہے، تو اس کی

پیداوار پر عشر واجب ہوگا، زکوٰۃ تجارت واجب نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں پر وقف شدہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر بادشاہ وقت یا اس کا نائب عشری زمین کا عشر کسی شخص کو معاف کر دے تو نہ شرعاً اس کے لے معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالکِ زمین کے لیے یہ عشر اپنے خرچ میں لانا حلال ہے۔ بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکالے اور فقراء و مساکین پر صدقہ کر دے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ بارش اور کچھ کنویں وغیرہ سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے مثلاً زیادہ بارانی ہو تو دسواں حصہ اور اگر کنویں وغیرہ سے ہو تو بیسواں حصہ اور اگر دونوں طریقوں سے برابر ہو تو آدھی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ اور آدھی پیداوار کا ۱/۲۰ حصہ۔

مسئلہ:۔ گزشتہ زمانہ کا عشر اگر کسی کے ذمہ ہے اس نے ادا نہیں کیا تو وہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ گزشتہ زمانہ کا عشر ادا کرنا واجب ہے۔ مرنے لگے تو وصیت واجب ہے۔

مسئلہ:۔ عشر ادا کرنے سے پہلے جس قدر غلہ استعمال کرے گا یا کسی کو دے گا اجرت پر یا بغیر اجرت اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ:۔ عشر زکوٰۃ کا جو حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اگر بجائے اس جنس کے اس کی قیمت دے دی جائے تو بھی جائز ہے۔ (شامی) یعنی عشر و خراج میں پیداوار کی بجائے قیمت دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ افیون کے عشر میں اس کی قیمت بھی دے دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ زمین عشری کی مالگزاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا، جیسے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۸۹ و فتاویٰ دار العلوم ص ۱۸۹ ج ۶ و بدائع صنائع ص ۵۶ ج ۲)

مسئلہ:۔ افیون مالِ متقوم ہے اور اس میں عشر واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۷۸ ج ۶)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں تمباکو بویا تو اس کے پیداوار میں اگر زمین عشری ہے تو عشر (دسواں حصہ) اس میں لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۷۹ ج ۶)

مسئلہ:۔ اگر رہائشی پلاٹ کو مستقل باغ سے تبدیل کر دیا تو اس پر عشر یا خراج واجب ہوگا۔

اگر کوئی عشری زمین اس سے زیادہ قریب ہو تو اس پر عشر ہوگا۔ اور اگر خراجی زمین زیادہ قریب ہے تو اس پر خراج ہوگا اور اگر عشری وخراجی دونوں قسم کی اراضی قریب میں برابر ہوں تو اس باغ پر عشر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اور اگر مکان رہائشی ہی ہے مگر اس کے صحن میں باغ لگالیا تو اس پر عشر یا خراج واجب نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۵۷ ج ۴)

مسئلہ:۔ کپاس، اناج اور سبزی ترکاری وغیرہ ہر قسم کی پیداوار پر عشر ہے، مگر بھوسہ اور سوکھی چری وغیرہ یعنی جس سے اناج حاصل کیا گیا ہو، اس میں عشر نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۳۴۴ ج ۶)

مسئلہ:۔ باغ کے پھل میں عشر واجب ہے، سوختہ (جلانے کے قابل) لکڑیوں میں عشر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۳ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۸۳ ج ۱)

زمین فروخت کی تو عشر و خراج کس پر ہے؟

مسئلہ:۔ اگر فاضل زمین ایسے وقت فروخت کی کہ سال ختم ہونے میں تین ماہ یا اس سے زیادہ مدت باقی تھی، اور بائع (بیچنے والے) نے اس سال میں اس زمین سے کوئی فصل نہ اٹھائی تھی تو اس کا خراج خریدنے والے پر ہے، اور اگر بیچنے والے نے بھی کوئی فصل اٹھائی ہو تو خراج بائع اور مشتری دونوں پر تقسیم ہوگا اور اگر سال گزرنے میں تین ماہ سے کم مدت باقی تھی تو پورا خراج بائع پر ہے اور اگر بیچنے کے وقت زمین میں فصل بھی تھی فصل تیار ہونے سے پہلے بیچنے کی صورت میں خراج خریدنے والے پر ہے، بشرطیکہ بائع نے اسی سال میں کوئی فصل نہ اٹھائی ہو ورنہ خراج دونوں پر (تقسیم) ہوگا اور اگر فصل تیار ہونے کے بعد بیچے تو اس میں وہی تفصیل ہے جو فارغ زمین کی بیع سے متعلق گزرا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۵۹ ج ۴)

مسئلہ:۔ عشری زمین کو مع اس کی تیاری فصل کے مالک نے فروخت کردیا، یا صرف فصل بیچی تو عشر اس فروخت کنندہ پر واجب ہوگا، خریدنے والے پر نہ ہوگا اور اگر صرف زمین فروخت کی اور فصل ابھی پختہ نہیں ہوئی اور اسی وقت خریدنے والے نے زمین سے فصل کی پیداوار کو الگ کردیا تو بیچنے والے پر عشر واجب ہے، لیکن خریدار نے فصل اسی وقت جدا نہیں

کی بلکہ بدستور باقی رکھا اور زمین پر مع اسکی پیداوار کے قبضہ کرلیا تو اس خریدار پر عشر واجب ہے۔ (عالمگیری ص ۱۸۷ ج ۴)

مسئلہ :۔ اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ خریدار پر واجب ہوگی، اور اگر دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کا عشر بیچنے والے کے ذمہ ہے۔

(کتاب الفقہ ص ۱۰۰۴ ج ۱)

مندرجہ ذیل پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے

مسئلہ :۔ زمین کی ایسی پیداوار جس کی مالیت مقصود نہیں جیسے نرسل معمولی بے قیمت کی لکڑی اور خودرو گھاس، بھوسہ اور کھجور کے پتے، گوند، خطمی اور روئی کی خالی ڈنڈی اور بینگن کی بیل، تربوز اور خربوزہ کے بیج اور دوائیں اور دھنیہ کے پتے وغیرہ ان میں عشر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی مالیت مقصود نہیں ہے۔ ہاں اگر ان سے مالیت مقصود ہو جیسا کہ آج کل کے زمیندار اپنی زمین میں نرسل، بانس وغیرہ بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک اس زمین کی پیداوار شمار کی جاتی ہے، تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ :۔ بھوسہ اگر دانہ سے اتارا جائے تو اس میں عشر نہیں کیونکہ مقصودی پیداوار دانہ ہے، بھوسہ نہیں۔ (شامی)

مسئلہ :۔ جو گھانس تابع ہو کر کسی کھیت میں ہو، اس سے پیداوار مقصود نہیں ہو تو اس میں عشر لازم نہیں ہوگا۔

مسئلہ :۔ گندم اور جوار وغیرہ کی سبزی جو اوپر سے کاٹی جاتی ہے جس کو خوید کہتے ہیں اصل اس کی بدستور رہتی ہے جس سے پھر وہ بحال ہو جاتی ہے، اس سبزی میں عشر نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ باغ (گھر میں باغیچہ) ہو، اس لیے کہ وہ گھر کے تابع ہے۔ (شامی)

مسئلہ :۔ ہر پیداوار جو زمین کی مقصودی آمدنی نہ ہو جیسے لکڑی، گھانس، جھاؤ، کھجور کے پٹھے، گوندا، لاکھ، رال، اور ادویہ جیسے ہلیلہ، گندر، اجوائن، کلونجی اور بھنگ صنوبر، انجیر وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔ (اگر کسی کی مذکورہ چیزوں کی کاشت سے آمدنی مقصود ہو تو قاعدے کی رو

سے ان اشیاء میں بھی عشر واجب ہوگا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ:۔ کسی نے اپنے گھر میں ترکاری کاشت کی یا اور کوئی پھل دار درخت بویا اور اس میں پھل آیا تو اس میں عشر واجب نہیں۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۸۵ بحوالہ اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص ۵۱)

مسئلہ:۔ باغ کے پھل میں عشر واجب ہے، سوختہ یعنی لکڑیوں میں نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۳ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۸۳ ج ۱)

کیا عشر کی رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال:۔ باغ بیچنے کے ایک ماہ بعد کسی نے اپنی سالانہ زکوٰۃ نکالی تو کیا اس باغ کی رقم پر جس کا اس نے عشر دیدیا ہے زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اس رقم پر بھی زکوٰۃ آئے گی، جب دوسری رقم کی زکوٰۃ دے تو اس کیساتھ اس کی بھی دے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۹ ج ۳)

نوٹ:۔ حکومت جو (بعض جگہ) فی ایکڑ کے حساب سے عشر وصول کرتی ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ جتنی پیداوار ہو اس کا دسواں حصہ لیا جائے، پورے علاقہ کے لیے عشر کا فی ایکڑ ریٹ مقرر کر دینا غلط ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۱۰ ج ۳)

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کیا اس کا حکم

سوال:۔ فصل سے بروقت عشر نکالا ہے، غلہ سال بھر رکھا رہا، یعنی نہ اپنی کسی ضرورت میں استعمال کیا ہے نہ فروخت کیا، تو کیا سال گزرنے پر اس میں عشر دیا جائے گا؟

جواب:۔ ایک بار عشر ادا کر دینے کے بعد جب تک اس کو فروخت نہیں کیا جاتا، اس پر نہ دوبارہ عشر ہے، نہ زکوٰۃ اور جب عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کر دیا تو اس سے حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس پر سال گزر جائے گا۔ یا اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو جب اس کے نصاب پر سال پورا ہو جائے گا، اس وقت اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۴۱۰ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۰ ج ۳)

باغ بیچنے پر عشر کون دے؟

سوال:۔ایک شخص نے اپنا باغ قابلِ نفع ہونے کے بعد بیچ دیا تو کیا وہ عشر دے؟ یا خریدنے والے پر عشر آئے گا؟

جواب:۔اس صورت میں خریدنے والے پر عشر نہیں، بلکہ باغ کے فروخت کرنے والے پر عشر ہے۔(آپ کے مسائل ص۱۱۴ ج۳)

جن صورتوں میں عشر ساقط ہو جاتا ہے

مسئلہ :۔اگر پیداوار مالک کے اختیار کے بغیر ہلاک ہو جائے تو عشر ساقط ہو جائے گا۔اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہو جائے تو ہلاک شدہ کا عشر ساقط ہو جائے گا۔باقی کا دینا واجب ہوگا۔
(بحرالرائق)

مسئلہ :۔اگر مالک پیداوار کو ہلاک کر دے تو ہلاک شدہ پیداوار کے عشر کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے ذمہ قرض ہو جائے گا اور اگر مالک کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے پیداوار کو ہلاک کر دیا تو مالک اس سے ضمان لے کر اس میں عشر ادا کرے گا۔(بحرالرائق)

مسئلہ:۔جس شخص کے ذمہ عشر ہو، اس کی موت سے وہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اس کے متروکہ غلہ میں سے وصول کیا جائے گا۔(شامی)

مسئلہ:۔اگر کسی شخص نے باوجود طاقت کے زراعت نہیں کی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا۔
(درمختار وامداد مسائل الزکوٰۃ ص۸۹ بحوالہ اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص۱۵۱ وفتاویٰ عالمگیری ص۲۴۴ ج۴)

مسئلہ :۔عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا، عشری زمین سے اگر حکام نے خراج لے لیا تو ما بینہ وبین اللہ اس شخص کو عشر دے دینا چاہئے اور احتیاط ہے اور یہ امر محقق ہے۔
(فتاویٰ دارالعلوم ص۱۷۰ ج۶)

مسئلہ :۔اگر عشری زمین کی فصل کٹنے سے یا پھل توڑنے سے پہلے یا اس کے بعد ضائع ہو گئی یا چوری ہو گئی تو عشر ساقط ہو جائے گا۔(احسن الفتاویٰ ص۳۵۴ ج۴)۔
(جتنی فصل باقی بچے اس میں عشر دینا ہوگا۔محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ایسا مسکین جو خود عشر کا مصرف ہے، اس پر عشر نکالنا واجب نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۳۶۴ جلد ۴ و امداد الفتاویٰ ص ۶۹ جلد ۲)

عشر کی رقم کا مصرف کیا ہے؟

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحقِ زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کرادیا جائے، اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔(امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۹۰)

مسئلہ:۔زکوٰۃ اور عشر کی رقم صرف فقراء و مساکین کو دی جاسکتی ہے۔اس کو رفاہ عامہ پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔(آپ کے مسائل ص ۴۱۲ ج ۳ و فتاویٰ دار العلوم ص ۱۶۹ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۹۷ ج ۱)

کیا وقت ضرورت زکوٰۃ میں تبدیلی ہوسکتی ہے؟

سوال:۔ اسلام کے آغاز میں زکوٰۃ کی مقررہ مقدار (ڈھائی فیصد) جدید معاشرے کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے کیونکہ آج کے اقتصادی حالات میں بڑے انقلاب آچکے ہیں، اب اس مسئلہ پر نئے سرے سے غور کی ضرورت ہے۔اور اس شرح میں اضافہ کرنا چاہئے؟

جواب:۔ یہ رائے درج ذیل دلائل کیوجہ سے غلط ہے۔(۱) یہ رائے (موجودہ شرح زکوٰۃ میں اضافہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح احادیث اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کے برخلاف ہے۔اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سنتِ نبوی ﷺ اور سنتِ صحابہ کرامؓ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس کی مخالفت سے ڈریں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃ اویصیبھم عذاب الیم﴾

(سورہ نور پارہ ۱۸)

”رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہوجائیں، یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے“۔

(۲) یہ رائے اُمتِ اسلامیہ کے اجماع کے برخلاف ہے اور چودہ سو سال سے ہر طرح کے اقتصادی تغیرات اور سیاسی اختلافات کے باوجود یہ اجماع چلا آرہا ہے، اور مختلف ادوار میں

اُمتِ مسلمہ داخلی اور خارجی مصائب سے دو چار ہو چکی ہے، اور اُمراء کے دور میں کئی مرتبہ خزانے خالی ہو چکے ہیں، اور اُمت کو شدید مالی دشواریاں پیش آچکی ہیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود کبھی کسی فقیہہؒ نے یہ نہیں کہا کہ شرح زکوٰۃ میں اضافہ جائز ہے۔

(۳) اس اجماع کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ فقہائے کرامؒ کے درمیان عہد قدیم سے یہ اختلاف موجود ہے کہ کیا علاوہ زکوٰۃ کے بھی اسلامی حکومت اور حق وصول کر سکتی ہے؟ اگر زکوٰۃ مقررہ شرح ثابت اور نا قابلِ تغیر نہ ہوتی تو اس اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس اختلاف سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کی مقررہ شرح ثابت اور غیر متغیر ہے اور اسی لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ اسکے علاوہ کوئی اور حق (ٹیکس) عائد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) فقہاء میں سب سے زیادہ قیاس کا استعمال فقہائے احنافؒ کے یہاں ہے مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ مقداروں کے بارے میں قیاس مؤثر نہیں ہے کیونکہ تقدیر (کسی چیز کی مقدار کا بیان) اور تحدید (کسی شے کی حدود مقرر کرنا) صرف شارع کا حق ہے جو آپ ﷺ نے مقرر کر دی ہے، جب مقداروں کی تعین میں قیاس مؤثر نہیں ہے تو نص اور اجماع سے ثابت شدہ مقداریں قیاس سے کیوں کر تبدیل ہو سکتی ہیں؟

(۵) زکوٰۃ کے تمام پہلوؤں میں یہ پہلو سب سے اہم ہے کہ وہ ایک دینی فریضہ ہے اور دینی فرائض میں ثابت ہمیشگی اور یکتائی ہوا کرتی ہے۔ زکوٰۃ بالاجماع ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اور عظیم بنیادوں میں سے ایک اہم اساس ہے، اگر اجتماعی حالات اور اقتصادی تغیرات کے تحت اسکی مقداروں میں تغیر و تبدّل کیا جاتا رہا تو اسمیں ثبات ہمیشگی اور یکتائی کی صفت باقی نہیں رہ سکتی اگر ایسا ہوا تو زکوٰۃ حکمرانوں کی خواہش کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور کوئی حکومت اسے مستزائد ٹیکس بنا دے گی۔ حالانکہ شریعت کے منشاء یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اور ہر جگہ اور ہر مقام پر اسلامی فرائض مسلمانوں میں ایک اور یکساں رہیں اور یہی درحقیقت اُمتِ مسلمہ کی بنائے وحدت ہے۔

(۶) پھر جس شئے میں زیادتی ہو سکتی ہے اس میں کمی بھی کی جا سکتی ہے اور بالکلیہ ختم بھی کی جا سکتی ہے اس لیے اگر کسی قوم کے پاس معاشی فراوانی کا دور آجائے اور یا حکومت کے پاس

دولت کی آمد کے زرخیز ذرائع موجود ہوں، مثلاً تیل کی دولت سے ملک مالا مال ہو گیا، ایسی صورت میں وہ شخص جو آج زیادتی کا مطالبہ کررہا ہے، وہ کل شرح زکوٰۃ میں کمی کرنے یا بالکلیہ ختم کردینے کا مطالبہ نہیں کرے گا؟ اور اس طرح زکوٰۃ کی معنویت وحقیقت اور اس کے غیر متغیر عبادت ہونے کی حیثیت اور ابدی اسلامی شعار ہونے کی کیفیت پامال ہوجائے گی، اور زکوٰۃ جو ایک اسلامی عبادت ہے حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

(۷) اگر ایک مرتبہ اسلامی ارکان میں ردوبدل کا دروازہ کھل گیا اور احکامِ شرعی میں تغیر وتبدل کیا جانے لگا تو اس سے تمام احکام میں تغیر اور تبدیلی کی جانے لگے گی۔ اور جہاں تک عصری، اجتماعی ضروریات کی کفالت کا تعلق ہے اور ایک دورِ جدید کی حکومت کے ضروری مصارف کے پورا کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لیے علاوہ زکوٰۃ کے اور ٹیکس بھی عائد کیے جاسکتے ہیں۔

(فقہ الزکوٰۃ از ص ۳۲۹ تا ص ۳۳۱ ج ۱)

کیا مقدارِ نصاب ہمیشہ کے لیے ہے؟

حق تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس (زکوٰۃ) میں کمی وبیشی کردے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا، اور اسی لیے آپ ﷺ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفالت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروقِ اعظم اور عمرو بن حزام رضی اللہ عنہما کے سپرد فرمائے جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدارِ زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے متعین کرکے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر وتبدل کا کوئی حق نہیں ہے۔ (معارف القرآن ص ۳۹۴ ج ۴)

شریعت کا اصل منشاء کیا ہے؟

شریعت میں اہلِ دولت کو جو خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ اپنی ضروریات سے جو فاضل مال ہے جس کے بغیر ان کے کام بند نہ ہوں وہ

سب ضرورت مندوں پر خرچ کر دینا اصل منشاء شریعت ہے لیکن ظاہر ہے اس کی ہمت ہر ایک نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اس کو لازمی تو نہیں قرار دیا لیکن پسند اسی کو کیا ہے اور ترغیب بھی اسی کی دی کہ جتنا اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ سب راہِ خدا میں خرچ کرو۔

﴿یسئلونک ماذاینفقون .قل العفو﴾ (سورہ بقر پارہ نمبر ۱ آیت ۲۱۹ ترغیب ص ۷۰ اج ۱)

(اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی مقدار و تعین وغیرہ میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، اس پر اُمت کا اجماع ہے، ہاں جو اضافہ کے خواہشمند ہیں وہ اس آیت پر عمل کریں جو ضرورت اصلیہ سے زائد ہو، وہ سب راہِ خدا میں دے کر ثواب حاصل کریں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

فلاحی ادارے میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال :۔ کوئی خدمتی ادارہ یا کوئی ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

جواب :۔ جو فلاحی ادارے زکوٰۃ جمع کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ زکوٰۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے ہوتے ہیں، جب تک ان کے پاس زکوٰۃ کا پیسہ جمع رہے گا وہ بدستور زکوٰۃ دہندگان کی ملک ہوگا۔ اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ (آپ کے مسائل ص ۵۰۶ ج ۳)

مسئلہ :۔ جن اداروں اور تنظیموں کے بارے میں پورا اطمینان ہو کہ زکوٰۃ کی رقم کو ٹھیک طریقہ سے صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینی چاہیے، اور جن کے بارے میں یہ اطمینان نہ ہو، ان کو دی گئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۰۳ ج ۳)

مسئلہ :۔ یہ ادارے اس زکوٰۃ کی رقم میں مالکانہ تصرف کرنے کے مجاز نہیں بلکہ صرف فقراء اور محتاجوں (ضرورت مندوں) کو بانٹنے کے مجاز ہیں، اس لیے اس رقم کو کسی کو قرض پر دینے کے مجاز نہیں، البتہ اگر مالکان کی طرف سے اجازت ہو تو درست ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۶ ج ۳)

دینی مدارس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ مدارسِ عربیہ میں زکوٰۃ دینا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے، کیونکہ غرباء و مساکین کی

اعانت کے ساتھ ہی ساتھ علوم دینیہ کی سر پرستی بھی ہوتی ہے۔

(آپ کے مسائل ص۴۰۴ ج۳ وفتاویٰ محمودیہ ص۴۰ ج۳)

انجمنوں یا تنظیموں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں فقراء کا مالک بنانا ضروری ہے بغیر اس کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، پس اگر انجمن میں طلبا محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور ملازمین انجمن اور واعظین کی تنخواہ میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ اس میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، زکوٰۃ کا مال خاص محتاجوں کی ملک میں بلا کسی عوض کے دینا چاہئے۔ انجمن کے مختلف اخراجات میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے سے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، اور مدارسِ اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کا روپیہ آتا ہے وہ بھی خاص طلباء ومساکین کی خوراک وپوشاک میں صرف ہوتا ہے، کسی مدرس وملازم کی تنخواہ میں دینا یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ۲۳۴ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۸۵ ج۲ باب الغنم)

مسئلہ:۔ ایسی انجمن (یا ادارہ قائم کرنا جس میں زکوٰۃ کا مال مساکین وغیرہ پر صرف ہوتا ہو درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص۳۳۸ ج۶)

زکوٰۃ کی تقسیم غیر مسلم سے کرانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کے سپرد کرنا جائز نہیں، اسمیں مسلمانوں کی توہین لازم آتی ہے اور ایک غیر مسلم کی سرداری مسلمانوں پر ہوگی اور زکوٰۃ کی رقم کا غلط استعمال ہوگا اور زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے ذمہ دار انجمن کے منتظمین ہوں گے۔ (یعنی جو شخص بھی یہ زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو دے گا وہ ہی ذمہ دار ہوگا۔ رفعت قاسمی)۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۸ ج۵)

مسئلہ:۔ کسی کافر یا فاسق یا مسائل زکوٰۃ سے ناواقف شخص کو اس کام پر مأمور نہ کیا جائے (زکوٰۃ کی تقسیم نہ کرائی جائے)۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۱۶ ج۱ وفقہ الزکوٰۃ ص۳۹۴ ج۲)

زکوٰۃ میں مال دیا جائے یا اس کی قیمت؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ دینے میں اختیار ہے خواہ وہ چیز دی جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، یا اسکی قیمت دے دی جائے، اور قیمت اسی زمانے کی معتبر ہوگی جس زمانہ میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے خواہ وہ زمانۂ وجوب کے اعتبار سے اسوقت اس چیز کی قیمت زیادہ ہو یا کم ہو۔ مثلاً آخر سال میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی تھی، ایک بکری کی قیمت تین سو روپے تھی اور ادا کرتے وقت چار سو روپے ہو جائے یا دو سو روپے ہو جائے تو اسکو چار سو روپے یا دو سو روپے دینا ہوں گے۔ (علم الفقہ ص ۲۹ ج ۴)

زکوٰۃ میں کیسا مال دیا جائے؟

سوال:۔ اگر کل مال عمدہ ہے تو زکوٰۃ میں عمدہ مال دینا چاہئے اور اگر سب مال خراب ہے تو خراب مال دیا جائے۔ اور اگر کچھ مال عمدہ ہے اور کچھ خراب ہے تو زکوٰۃ میں متوسط درجہ کا مال دینا چاہئے۔

اگر ادنیٰ درجہ کی چیز دی اور اسمیں جس قدر کمی ہو، اسکے بدلے میں کچھ قیمت دی جائے، یا اعلیٰ درجہ کی چیز دی جائے اور اسمیں جس قدر زیادتی ہے اسکی قیمت واپس لے لی جائے تو جائز ہے۔ (علم الفقہ ص ۳۰ ج ۴)

زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال:۔ میں چاندی کو لے کر دوکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اور اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے، تو اب کس حساب سے زکوٰۃ دیں گے؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی (وسونا) نہیں دیتے، بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت ہوگی، اس قیمت کا اعتبار ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۹۶ ج ۱۳)

کیا حکومت زکوٰۃ کاٹ سکتی ہے؟

مسئلہ:۔ بینکوں سے حکومت کی کٹوتی، زکوٰۃ کا موجودہ طریقہ کار قابلِ اصلاح ہے۔ مالکان کی زکوٰۃ اس طرح پر ادا ہو جانا نہایت مشکوک ہے، اس لیے فریضۂ زکوٰۃ سے یقیناً سبکدوش ہونے کے لیے اپنی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ (امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۹۰)

استعمال شدہ چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک شخص ایک چیز چھ ماہ استعمال کرنے کے بعد وہی چیز اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر کے آدھی قیمت پر بغیر بتائے مستحقِ زکوٰۃ کو دیدیتا ہے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ اگر بازار میں وہ چیز فروخت کی جائے اور اتنی قیمت (جتنی صاحب نصاب نے لگائی) مل جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۲ ج ۳)

نہ فروخت ہونے والے چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک دوکاندار سے ایک چیز نہیں بکتی کیا وہ چیز زکوٰۃ میں دی جا سکتی ہے؟

جواب:۔ ردی، خراب چیز زکوٰۃ میں دینا اخلاص کے خلاف ہے۔ تاہم اس چیز کی جتنی مالیت بازار میں ہو سکے دینے سے اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۲ ج ۳)

ردی (خراب) چیز زکوٰۃ میں دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ بعض لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردی اور ناکارہ مثلاً تاجرانِ کتب ایسی کتابیں دیں جن کی نکاسی نہ ہوتی ہو، اسی طرح تاجر پارچہ پرانے تھان نکالے، تاجر غلہ پرانا نہ بکنے والا اناج نکالے، اسی طرح ہر تاجر، تو جس حساب میں اس نے یہ چیز لگائی ہیں اگر بازار (مارکیٹ میں اتنے کو نہ نکل (فروخت ہو) سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی، بقدر کمی قیمت اس کے ذمہ رہ گئی اور اگر اتنی قیمت کی ہے تو زکوٰۃ اداء ہو گئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہی۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۲ و کتاب الفقہ ص ۹۷۳ ج ۱)

زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے اس رقم کا خود استعمال کرنا؟

سوال:۔ایک شخص نے زکوٰۃ کی رقم دینے کیلئے نکالی لیکن عین وقت پر سے کچھ رقم کی ضرورت پڑ گئی تو کیا وہ زکوٰۃ کی رقم سے بطور قرض لے سکتا ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم تو اس کی ملکیت ہے۔ جب تک کہ کسی کو ادا نہیں کر دیتا، اس لیے اس کا استعمال کرنا صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۱۴ ج ۳ و فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۲ ج ۱۱)

مسئلہ:۔ جب تک وہ روپیہ جو زکوٰۃ کی نیت سے علیحدہ رکھ دیا ہے، فقراء و مساکین کو نہ دے دیا جائے، ان کو مالک نہ بنا دیا جائے، اس وقت تک وہ روپیہ صاحب نصاب ہی کی ملک ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۸ ج ۱ و شامی ص ۱۴ ج ۲)

سُود کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔سود کی رقم صدقہ کی نیت سے کسی کو نہیں دینی چاہئے بلکہ ثواب کی نیت کیے بغیر کسی محتاج کو دے دینی چاہئے، صدقہ تو پاک چیز کا دیا جاتا ہے، سود کا نہیں، پس سود کی رقم سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۱۴ ج ۳ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۴ ج ۴)

زکوٰۃ میں کس کرنسی کا اعتبار ہے؟

سوال:۔ اپنے ملک کے مستحقین کو زکوٰۃ کی رقم بھیجنا چاہتے ہیں لیکن وہاں کرنسی اور ہماری کرنسی (سکہ، نوٹ) میں فرق ہے۔ مثلاً یہاں سے ۵۰۰۰۰ روپے بھیجیں گے تو ان کو ۴۰۰۰۰ روپے ملیں گے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ ۵۰۰۰۰ روپے کی ادا ہو گی یا ۴۰۰۰۰ روپے کی ادا ہو گی کیونکہ وہاں کے اور یہاں کے دام میں یہی فرق چلتا ہے، اسی طرح اگر ہم اپنے وطن میں زکوٰۃ بھیجیں جہاں کی کرنسی کی قیمت یہاں کی کرنسی سے کم ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ دہندہ نے جس ملک کی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کی ہے وہاں کی کرنسی کا اعتبار ہو گا۔ اس ملک کی کرنسی سے جتنے مال کی زکوٰۃ ادا کی ہے اتنے مال کی زکوٰۃ شمار ہو گی۔ دوسرے ملک کی کرنسی خواہ کم ہو یا زیادہ۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ جو رقم کسی محتاج یا محتاجوں کو دی گئی ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال کا چالیسواں حصہ ہونا چاہئے جس کرنسی میں زکوٰۃ

ادا کی گئی ہو، اس کرنسی کے حساب سے چالیسویں حصے کا اعتبار ہوگا۔

(آپ کے مسائل ص ۱۴۳ ج ۳)

غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوٰۃ کا طریقہ

مسئلہ:۔ حامداً و مصلیاً۔ اداءِ زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ مقدارِ واجب مستحقین کے پاس پہنچ جائے اور اس پہنچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا اس کا متحمل خود مزکی ہوگا۔ (یعنی زکوٰۃ دینے والا خرچہ برداشت کرے گا)۔ زکوٰۃ کی رقم سے اس کا وضع کرنا درست نہیں ہے۔ ورنہ مقدارِ واجب میں نقصان (کمی) رہ جائے گی، اور زکوٰۃ پوری ادا نہیں ہوگی جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس کا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۱ ج ۱۲)

پیشگی زکوٰۃ اداء کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ صاحب نصاب ہو جانے سے زکوٰۃ کا نفس وجوب آ جاتا ہے اور حولانِ حول یعنی ایک سال پورا ہونے کے بعد وجوب اداء یعنی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اگر کوئی وجوب اداء سے پہلے زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بعد میں اداء کرنا ضروری نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۹ ج ۵ بحوالہ مراقی الفلاح ص ۴۱۵ ج ۱، درمختار مع شامی ص ۳۶ ج ۲ و فتاویٰ دار العلوم ص ۲۴۵ ج ۶ فقہ الزکوٰۃ ص ۲۶۵ ج ۲)

پیشگی زکوٰۃ دینے کی تفصیل

مسئلہ:۔ مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز ہے، ہاں نصاب پورا ہونے سے پہلے دینا درست نہیں۔ پیشگی زکوٰۃ دینے کے لیے تین شرطوں کا لحاظ ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ پیشگی زکوٰۃ نکالتے وقت نصاب کا سال شروع ہو گیا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس نصاب کی زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ اختتامِ سال پر ناقص نہ ہو جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ درمیانی سال میں اصل نصاب ضائع نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس سونا یا چاندی یا تجارتی مال کا نصاب دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) سے کچھ کم مقدار میں موجود ہے مگر اس شخص نے اس کی زکوٰۃ پیشگی دے دی

اور نصاب بعد میں پورا ہوا، یا یہ صورت ہوئی کہ نقد دو سو درہم یا دو سو درہم کا تجارتی مال موجود تھا، اس شخص نے زکوٰۃ کے پانچ درہم خیرات کر دیئے اور (ان پانچ درہم کے نکل جانے کی وجہ سے) نصاب پورا نہ رہا اور اسی ناقص نصاب پر سال بھر گزر گیا۔

یا یہ صورت ہوئی کہ پیشگی دینے کے وقت نصاب تو پورا تھا مگر بعد میں (سال پورا ہونے سے پیشتر) یہ پورا نصاب ضائع ہو گیا تو اب جو رقم زکوٰۃ کے طور پر دی تھی وہ صدقہ شمار ہوگی۔ (طحطاوی)

جس طرح ایک نصاب کی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح متعدد نصاب اگر ہوں تو ان کی زکوٰۃ بھی پیشگی ادا کی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان)

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس دو درہم ہیں مگر اس نے پیشگی ہزار درہم کی زکوٰۃ دے ڈالی تو اب (سال کے اندر اندر) اس کے پاس مزید کچھ مال آ گیا یا اسی موجودہ سرمائے سے اس نے اتنا نفع کما لیا تو جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس ہزار روپے تھے، تو اس صورت میں پیشگی زکوٰۃ درست ہوگی اور اس کے ذمے سے ہزار روپے کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، ہاں اگر یہ صورت ہوئی کہ (پیشگی زکوٰۃ دینے کے بعد) سال پورا ہو گیا اور دورانِ سال میں اس کے پاس کوئی مال نہ آیا، بلکہ سال گزرنے کے بعد اسے کوئی مزید سرمایہ بہم پہنچا۔ تو اب یہ ہزار روپے کی پیشگی زکوٰۃ کافی نہ ہوگی۔ نیا مال حاصل ہونے کے بعد اس پر سال بھر گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (بحر الرائق)

چونکہ سبب زکوٰۃ موجود ہے اس لیے ایک سال سے زیادہ کی بھی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ:۔ اگر دو ہزار کی زکوٰۃ دی اور اس کے پاس ہزار درہم موجود ہیں اور نیت یہ کی کہ اگر ایک ہزار درہم اور (اس سال میں) میرے پاس آ جائیں تو یہ اس کی پیشگی زکوٰۃ ہے ورنہ اسی ایک ہزار کی اگلے سال کی زکوٰۃ ہو جائے گی تو یہ نیت درست ہوگی۔

مسئلہ:۔ ایک شخص کے پاس چار سو درہم ہیں مگر اس کا خیال یہ ہے کہ پانچ سو درہم ہیں اور اس نے پانچ سو درہم ہی کی زکوٰۃ دے دی پھر اس کو پتہ چلا، تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ

وہ زکوٰۃ کی زائد دی ہوئی رقم کو سالِ آئندہ میں شمار کرلے۔

(محیط السرخسی وفتاویٰ عالمگیری ص ۱۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سال ختم ہونے سے پہلے یا کئی سال کی پیشگی دیدے تو جائز ہے۔ (علم الفقہ ص ۳۱ ج ۴)

جس غریب کو پیشگی زکوٰۃ دی، اگر وہ مالدار ہو گیا یا مر گیا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی محتاج کو پیشگی زکوٰۃ دے دی تھی اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ محتاج شخص دولت مند بن جائے یا اسکا انتقال ہوگیا یا اسلام سے نعوذ باللہ پھر گیا تو جو زکوٰۃ اسکو دی تھی وہ جائز ہے یعنی ادا ہوگئی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵ ج ۴)

اس لیے کہ فقیر کو جس وقت زکوٰۃ یا عشر دی گئی ہے یا دی جائے اس وقت کا اعتبار ہے، بعد میں کیا ہوا، اس کا اعتبار نہیں ہے اور دینے کے وقت اگر وہ فقیر تھا تو ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (عالمگیری ص ۴۸ ج ۲)

مجوّزہ پیشگی زکوٰۃ کی رقم سے قرض دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ میں ہر ماہ زکوٰۃ کی رقم الگ کردیتی ہوں اور رمضان میں دیتی ہوں، اگر کوئی عام دنوں میں قرض مانگے تو کیا میں اس میں سے دے سکتی ہوں؟

جواب:۔ جب تک وہ رقم آپ کے پاس ہے، آپ کی ملکیت ہے آپ اس کا جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۰ ج ۳)

موجودہ رقم سے زکوٰۃ دے یا الگ سے؟

سوال:۔ زید کے پاس دوسو روپے ہیں تو کیا منجملہ اس رقم کے پانچ روپے زکوٰۃ دینا چاہئے یا یہ زکوٰۃ اصل اپنے پاس رکھ کر اور علیحدہ سے کچھ انتظام وغیرہ سے پانچ روپے زکوٰۃ کے دے؟

جواب:۔ یہ اختیار ہے کہ خواہ ان دوسو روپے میں سے پانچ روپے زکوٰۃ کے دیدے یا الگ سے اس کے پاس ہوں تو ان میں سے دیدے لیکن اگر اس کے پاس دوسو روپے سے کچھ زیادہ ہوگا تو اس زائد کی بھی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہوگی اور قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، غرض

نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر روپیہ اس کے پاس ہے اس کی زکوٰۃ حساب کر کے اس میں سے دیدے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب الزکوٰۃ المال ص ۴۱ ج ۲)۔

(اگر مالکِ نصاب نہیں ہے تو صرف دوسو روپے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جس زمانہ میں دوسو روپے ساڑھے باون تولہ چاندی آتی تھی اسوقت کا یہ مسئلہ ہے، اختیار ہے ان میں سے یا الگ سے دے دیں اگر زائد ہے تو مزید زکوٰۃ ہے۔ (رفعت)

زکوٰۃ دینے میں شک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ پیش آجائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ زکوٰۃ دی ہے یا نہیں دی تو احتیاطاً دوبارہ زکوٰۃ دیدے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۴ ج ۴ وعلم الفقہ ص ۳۱ ج ۴)

فی سبیل اللہ میں کون لوگ داخل ہیں؟

سوال:۔ فی سبیل اللہ میں کون کون سے مصارف ہیں؟ کیا تبلیغ وحفاظتِ اسلامی کی تنخواہ اور مصارف خوراک وسفر وغیرہ اس میں داخل ہیں؟

جواب:۔ فی سبیل اللہ میں بے شک صاحب بدائع کی تفسیر کے مطابق جملہ مصارف خیر داخل ہیں لیکن جو شرائط ادائے زکوٰۃ کی ہیں وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے اس لیے حیلۂ تملیک اول کر لینا چاہیۓ تا کہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست ہو جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۲ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب المصرف ص ۸۳ ج ۱)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں جو تملیک فقراء وغیرہم ضروری ہے یہ شرط کسی وقت اور کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۹۰ ج ۶)

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں وہ سب اسی مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم ﷺ کی تفسیر و بیان اور آئمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں، یہاں ان کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ کو دیکھ کر زکوٰۃ کے

مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں۔ مثلاً مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافر خانوں، وغیرہ کی تعمیر کرانا، کنوئیں اور پُل اور سڑکیں بنانا اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے ''فی سبیل اللہ'' میں داخل کر کے زکوٰۃ کا مصرف قرار دے دیا، جو سراسر غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اسمیں شامل کیا ہے تو اس شرط کیساتھ کیا کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجت مند تو خود ہی مصارفِ زکوٰۃ میں سب سے پہلے مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحقِ زکوٰۃ تھے۔ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو وہ بات اس مسئلہ کے سمجھنے کیلئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو، تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ مین بیان ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اسکے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔ تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبوی ﷺ بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ مراد وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ کرامؓ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے معارف القرآن ص ۴۰۸ ج ۴)

مصارف کی قدرتی ترتیب

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے ہیں۔ اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں، کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہی کی اعانت ہے، یعنی

''فقراء'' اور ''مساکین''۔ پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے۔ لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لیے اولین جگہ نہیں دی جاسکتی تھی، پس دوسری جگہ پائی، یعنی ''العاملین علیھا'' پھر ''المؤلفۃ قلوبھم'' کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا، ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کو بارِ قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے، جو نسبتہً مؤقت اور محدود تھے۔ پھر ''فی سبیل اللہ'' کا مقصد رکھا گیا کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہوگئی ہوں، یا مقتضیاتِ قوت نے ان کی اہمیت کم کردی ہو، یا مالِ زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہوگئی ہو، تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے، جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں۔ سب سے آخر میں ''ابن السبیل'' کی جگہ ہوئی، کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا تھا۔ (درحقیقت الزکوٰۃ ص ۲۵)

کیا زکوٰۃ تمام مصارف میں تقسیم کرے؟

سوال:۔ ان مصارف کے بیان سے مقصود (کیا) یہ ہے کہ ''زکوٰۃ'' کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے یا یہ ہے کہ خرچ ان ہی میں کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ اس بارے میں فقہاء کرامؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو، اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور یہی مذہب قرآن وسنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے۔ آئمہ اربعہؒ میں صرف امام شافعیؒ اس کے خلاف گئے ہیں۔

(درحقیقت الزکوٰۃ ص ۳۴ و کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ...... ج ا و علم الفقہ ص ۴۴ ج ۴)

زکوٰۃ وصول کنندہ کے اصول وفضائل

اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جو لوگ بھیجے جاتے ہیں ان کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، ان میں

سے اکثر ہدایات کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہے جو مسلمانوں کی کسی نمائندہ تنظیم یا کسی اسلامی ادارے (مدارس و مکاتب) کی طرف زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے (سفیر وغیرہ) جاتے ہیں اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی حکومت کی طرف سے ٹیکس وصول کرنے پر مقرر ہیں۔ مندرجہ ذیل احادیث میں ان لوگوں کو اگر یہ صحیح طور پر اپنی ذمہ داری سے ادا کریں تو مختلف قسم کی خوشخبریاں اور بشارتیں دی گئی ہیں، اور جو لوگ بے پروائی سے کام لیں اور حدودِ شرع کی پابندی نہ کریں، ان کے لیے وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عامل صدقات (زکوٰۃ وصول کرنے والا) جو صحیح طریقے پر اللہ کے لیے کام کرتا ہو جب تک اپنے گھر نہ لوٹ آئے راہِ خدا کے غازی کی طرح ہے''۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہترین کمائی عامل کی کمائی ہے، بشرطیکہ وہ خیر خواہی سے (صحیح طریقہ پر) کام کرے۔

تشریح:۔ جس کام میں انسان کے پھسلنے کے مواقع زیادہ ہوں، اس سے اگر وہ صحیح سالم اور بے داغ نکل آئے تو علاوہ اس عمل کے اجر و ثواب کے اس آزمائش میں پورا اترنے کو بھی قدر کی نگاہ دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سا مال و دولت انسان کے ہاتھ میں آتا ہے اور اگر اس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو تو بہت کچھ مواقع گڑبڑ کرنے کے ہوتے ہیں، ایسے مرحلے میں آدمی تقویٰ و پرہیز گاری پر قائم رہے اور خدا کے حکموں کی رعایت رکھے، یہ یقیناً بہت بڑا مجاہدہ اور نفس کے خلاف بڑا اجہاد ہے۔ (ترغیب ص ۱۹۴ ج ۲)

کیا عاملِ زکوٰۃ ہدیہ قبول کرسکتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا، پھر اس کو روزی (تنخواہ) دے دی، اب اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے''۔

اگلی حدیث سے اس مضمون کی مزید وضاحت ہوتی ہے:۔ حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لُتَیبہ کو صدقہ (یعنی زکوٰۃ) وصول کرنے پر مقرر فرما کر بھیجا، جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے (رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم) کو مال سپرد کرتے ہوئے) کہا، یہ تو آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے، یعنی یہ مالِ زکوٰۃ میں وصول ہوا، اور اتنا تحفہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے عام حکیمانہ طریقے کے مطابق ان سے منہ در منہ کچھ نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا ''امابعد'' میں تم میں سے ایک شخص کو ان کاموں میں سے کسی کام کے لیے مامور کرتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے ذمہ دار بنایا ہے، وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے، وہ اپنی اماں ابا کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا تا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ اس کے پاس آتا، خدا کی قسم تم میں سے جو بھی کوئی شخص ناحق کوئی چیز لے گا تو ضرور قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ پس ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں پہچانوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مل رہا ہے اور بلبلاتا ہوا اونٹ یا ڈکراتی ہوئی گائے یا ممیاتی ہوئی بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اُٹھائے ، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی آنے لگی، اور فرمایا:۔ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ (ترغیب ص ۱۹۶ ج......)

تشریح:۔ جب کوئی شخص ایسے سرکاری (وغیرہ) محکمے میں ہوتا ہے جس سے عام لوگوں کے کام پڑتے رہتے ہیں تو اس شخص کو جو بھی ہدیئے تحفے (گفٹ) ملیں گے، بیشتر ان میں اسی غرض سے دیئے گئے ہوں کہ شاید کسی وقت ہمارا ان صاحب سے کچھ کام پڑ جائے۔ (ترغیب ص ۱۹۷)

مطلب یہ ہے کہ اس شخص (زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے والے) کو تحفہ تحائف کی پیشکش اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے عہدہ کی وجہ سے ہے، اگر وہ زکوٰۃ وصول کرنے کیئے لیے عامل مقرر نہ کیا جاتا بلکہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہتا تو اس کو کوئی تحفہ (گفٹ) کیوں دیتا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عامل کو اس کا کوئی عزیز دوست تحفہ دے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے لیے تحفہ کی پیش کش اس کے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تعلقات اور دیرینہ مراسم کی وجہ سے اور یہ ہمیشہ کا معمول ہے تو وہ تحفہ اس کے لیے جائز ہوگا اور اگر تحفہ

کی پیش کش محض اس کے عہدے کی وجہ سے ہوتو وہ تحفہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔

(مظاہر حق جدید ص ۴۹۶ ج ۲)

عاملین کون ہیں؟

عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وعشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مأمور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآنِ کریم کی اس آیت ''العاملین علیھا'' نے مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مدِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا فریضہ براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے۔ جس کا ذکر اسی سورت میں میں آگے آیت میں ''خذ من اموالھم صدقۃ ''یعنی وصول کریں آپ ﷺ مسلمانوں کے مال میں صدقہ''۔ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات وصول کرے اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان ومددگاروں کے نہیں کرسکتا، انہی اعوان ومددگاروں کا ذکر مذکورہ الصدر آیت میں ''والعاملین علیھا '' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ انہی آیات کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیتِ مذکورہ کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہؓ بھی شامل ہیں جو اغنیاء (مالدار) تھے۔ بیانِ مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملینِ صدقہ کو جو رقم مدِ زکوٰۃ سے دی جاتی ہے وہ اس رقم کے مستحق ہیں اور زکوٰۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارفِ زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں زکوٰۃ کی رقم کو بطورِ معاوضہ خدمت دی جاتی

ہے۔ ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضۂ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر سے کوئی خدمت لے کر زکوٰۃ کا مال دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

(معارف القرآن ص ۳۹۷ ج ۴)

دو سوالوں کا جواب

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ مالِ زکوٰۃ کو معاوضۂ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرا یہ کہ مالدار کے لیے یہ مالِ زکوٰۃ حلال کیسے ہوا؟

ان دونوں سوالوں کا یک ہی جواب ہے کہ عاملینِ صدقہ کی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ کہ یہ حضرات (عاملین) فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل ومختار بنادے، اور قرض دار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرض دار بَری ہوجاتا ہے، تو جب زکوٰۃ کی رقم عاملینِ صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی تو ان کی زکوٰۃ اداء ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل وصول کی ہے، اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی۔ اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنیکا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں (عاملین) سے لیتے ہیں تو اپنی رقم سے ان کو معاوضہ خدمت دیں۔

عاملین کو وکیل کس نے بنایا؟

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ عاملین ان (فقراء) کے وکیل کیسے بن گئے؟

اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس (امیر) پر عائد ہوتی ہے، امیر مملکت جس جس کی صدقات کی وصول یابی پر عامل

بنادے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملینِ صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کرے، تو یہاں نہ تو دینے والا بطورِ زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

(مأخوذ معارف القرآن از ص ۳۹۷ تا ص ۳۹۹ ج ۴)

کیا مدارس کے سفراء عاملین میں داخل ہیں؟

آج کل مدارسِ اسلامیہ اور انجمنوں کے مہتمم، یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات، زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لیے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں ہے جو عاملین صدقہ کا آیت شریفہ میں مذکور ہے کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کو تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمنوں کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے، زکوٰۃ کی رقم سے ان کو تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ لوگ (سفیر و مہتمم) فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحابِ زکوٰۃ مالداروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے زکوٰۃ کے مال کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لیے ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کردیں۔فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایتِ عامہ کی بناء پر جو خود بخود وکالتِ فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لیے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحابِ زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کردیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔ اس معاملے میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادائے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں، اور زکوٰۃ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی، حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب ان کی رقم مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔ اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملینِ صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ

کرزکوٰۃ کی رقم سے انکی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کیلئے جائز ہے اور نہ لینے والوں کیلئے۔ (معارف القرآن ص ۳۹۹ ج ۴)

زکوٰۃ کی تشہیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی تشہیر اس نیت سے تو درست ہے کہ اس سے زکوٰۃ دہندگان کو ترغیب ہو، اور ریاکاری اور نمود ونمائش کی غرض سے زکوٰۃ کی تشہیر جائز نہیں بلکہ اس سے ثواب باطل ہو جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۸ ج ۳)

مسئلہ:۔ فقہاءؒ نے کہا ہے کہ جب آدمی زکوٰۃ ادا کرے تو علی الاعلان اداء کرنا افضل ہے اور نفلی صدقات وخیرات کو پوشیدہ طور پر اداء کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۴ ج ۴)۔

(یہاں بھی یہ ضروری ہے کہ ریاکاری نہ ہو تو جائز ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید اپنی زکوٰۃ وفطرہ اپنے شہر کے غریبوں کو نہیں دیتا بلکہ دور دراز کے شہروں میں بھیجتا ہے، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟

جواب:۔ دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، مگر وہاں کوئی رشتہ دار مسکین (غریب) ہو یا اپنے شہر کے مساکین سے کوئی زیادہ مستحق ہو یا زیادہ نیک ہو یا طالب دین ہو یا دوسری جگہ بھیجنے میں عامۃ المسلمین کا زیادہ فائدہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اہلِ قرابت کا حق اپنے شہر کے مساکین سے زیادہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۴۹ ج ۴ بحوالہ درمختار ص ......ج ۲ وفقہ الزکوٰۃ ص ۳۵۳ ج ۲ وعلم الفقہ ص ۴۷ ج ۴)

مسئلہ:۔ جب دوسری جگہ کے لوگ غریب محتاج ہوں یا اعزّاء واقارب ہوں، اور وہ ضرورت مند ہوں، یا اس جگہ کے لوگ دینی تعلیم میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کے پیسے بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بعض مواقع میں زیادہ ثواب ملے گا، جب اخلاص نیت ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۹ ج ۳ رحیمیہ ص ۱۵۵ ج ۵ بحوالہ ہدایہ ص ۱۸۸ ج او معارف القرآن ص ۴۱۱ ج ۴)

مسئلہ:۔ مقدم وہ لوگ ہیں جو خویش واقارب غریب مفلس ہیں۔ ان کے بعد دوسرے شہر

کے غرباء وفقراء ہیں۔ تھوڑا تھوڑا جس جس کو ہو سکے دیدے، کچھ رشتہ دار محتاجوں کو دے، اور کچھ دوسرے غرباء کو دے۔ الحاصل زکوٰۃ ہر ایک غریب ومفلس کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے، لیکن اقارب غرباء کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۴ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ غیر ممالک کے مسلمانوں محتاجوں کو دینا بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جن کو دیا جائے وہ مالکِ نصاب نہ ہوں اور انکو مالک بنادیا جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۷۷ ج ۶)

مسئلہ:۔ غرض یہ ہے کہ سب کا خیال رکھا جائے اگر گنجائش زکوٰۃ کے روپے پیسے میں ہو تو حتی الوسع ہر ایک صاحب حاجت اور اہلِ قرابت کو دیدے۔ اور اگر گنجائش کم ہو تو اہلِ قرابت کو مقدم کرے پھر دوسرے محتاجوں اور طلبہ کا خیال کرے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۳ ج ۲ باب المصرف)

مستحق نہ ملنے پر زکوٰۃ کی رقم دیر سے دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ بعض مرتبہ مستحق نہ ملنے پر زکوٰۃ کی رقم بچی رہتی ہے اور دوسرا رمضان آجاتا ہے۔ تو سابقہ رقم بھی اگلی زکوٰۃ کی رقم کے حساب میں لکھ کر تقسیم کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ کل رقم کا فوراً رمضان میں (یعنی جس وقت واجب ہو) خرچ کر دینا ضروری نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دینے سے بھی (جیسا کہ سوال میں ذکر ہے) ادا ہو جاتی ہے، البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور جلدی ادا کرنا احوط (زیادہ احتیاط) ہے۔ (نیز) زکوٰۃ کے ادا کرنے میں دیر کرنا مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے (بغیر عذر کے)۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳ ج ۳ بحوالہ ردالمختار ص ۲۷ ج ۲)

زکوٰۃ کی رقم کو فقراء کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید کے پاس زکوٰۃ کی بڑی رقم جمع ہے اس کو ایک بارگی نہ دیتے ہوئے اس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اس کی آمدنی سے مستحقین مدارس اور دینی ودنیوی طلباء جو اس کے

مستحق ہوں ان کو وظیفہ دینا چاہتا ہے تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی میں کا سامان کر کے آمدنی سے مستحقین پر خرچ کرسکتا ہے؟

جواب:۔ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے تملیک یعنی مستحقین کو بلاعوض مالک بنادینا شرط ہے۔ اگر آمدنی کے لیے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط نہیں ہوئی لہذا زکوٰۃ ادانہ ہوگی۔ اس لیے زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کیلئے جائیداد رفراہم کرنا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۷ ج ۲ و فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۴۰ ج ۶)

زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کو تجارت کرانا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک سوسائٹی (خدائی خدمت گار) کے نام کی ہے نوجوان طبقہ نے چندہ کر کے کافی رقم جمع کی ہے چندے کی کثیر رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اب اس سے غریب طبقہ کو بطور قرض دیتے ہیں تا کہ یہ لوگ اس سے تجارت کریں منافع ہونے پر اصل رقم بلاسود کے واپس کر دیتے ہیں تو غریب کو یہ رقم دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کی جائے، کسی غریب کو قرض کے طور پر دینے کی اجازت نہیں ہے، اگر صاحب زکوٰۃ کی طرف سے اجازت ہو تب بھی جائز نہیں ہے اور جب تک اس کے مصرف میں تملیکاً نہ دی جائے۔ یعنی جب تک اس ضرورتمند غریب کو جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی، اس رقم کا مالک نہ بنادیا جائے، زکوٰۃ ادانہ ہوگی لہذا زکوٰۃ کے حقدار کو بطور قرض کے نہیں بلکہ ویسے ہی دیدی جائے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۰۳ ج ۳ فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۴ ج ۲)

زکوٰۃ میں بیع کی قیمت کم کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ صاحب نصاب نے ایک غریب کو کوئی چیز فروخت کی جسکی قیمت تین روپے ہوئی تھی، غریب نے اللہ کے چھوٹ مانگی اپنی غربت کی وجہ سے اس نے ایک روپے کی چھوٹ اللہ کے لیے کر دی تو کیا یہ ایک روپیہ زکوٰۃ میں شمار کرسکتا ہے؟

جواب:۔ اس طرح زکوٰۃ میں شمار کرنا جائز نہیں بلکہ اس چیز کے دو حصے کر لے، ایک حصہ کو

دوروپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے وہ بلا قیمت لیے زکوٰۃ میں دیدے، یا وہ چیز تین روپے میں فروخت کرکے رقم وصول کرے تین روپے وصول کرنے کے بعد ایک روپیہ زکوٰۃ میں دیدے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۵ ج ۳ بحوالہ شامی ص ۱۲ ج ۲)

زکوٰۃ کی رقم فقراء کے فائدے کے لیے خرچ کردینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کردیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہو جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں۔ مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ص ۴۰۹ ج ۴)

زکوٰۃ کس کو لینا اور دینا جائز ہے؟

مسئلہ:۔ جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال نہ ہو، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، اور ضرورتِ اصلیہ میں رہنے کا مکان، استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں۔ نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ ۸۷ گرام ۴۷۹ ملی گرام یا چاندی ساڑھے باون تولہ ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام یا اس کی قیمت، جس کے پاس ہو، اور وہ قرض دار بھی نہ ہو، نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائے وہ بھی صاحب نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز نہیں ہے۔ (معارف القرآن ص ۳۹۶ ج ۴)

کیا مستحق کے حالات کی تفتیش ضروری ہے؟

سوال:۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجتمند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے حقیقی حالات کی تحقیق کریں اور بغیر اس کے نہ دیں؟

جواب:۔ اس کے متعلق روایاتِ حدیث اور اقوالِ فقہاء یہ ہیں کہ اسکی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپ ﷺ نے ان کے لیے لوگوں سے صدقات (وغیرہ) جمع کرنے کے لیے فرمایا، کافی مقدار جمع ہوگئی، تو ان کو دے دی گئی (زکوٰۃ وغیرہ) آنحضرت صلی علیہ اللہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (معارف القرآن ص۴۱۲ ج۴ بحوالہ قرطبی)

زکوٰۃ کے زیادہ مستحق مدارس ہیں یا کالج؟

سوال:۔ میں زکوٰۃ کی رقم غرباء، خویش واقارب اور دینی مدارس میں دیتا ہو۔ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ مدارسِ عربیہ کے بجائے ہائی اسکول یا کالج میں پڑھنے والوں کو بطور اسکالرشپ (امداد وظیفہ) دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، کیا میرے دوست کی یہ رہبری اور عمل درست ہے؟

جواب:۔ ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ دینی ومذہبی تعلیم سب سے افضل ہے اور نہایت ضروری ہے۔ ؎ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

واقعہ یہ ہے کہ علوم دینیہ کے طلباء کو مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج اور اشاعت ہے کیونکہ حاملین شریعت یہی طلباء ہیں، انہیں کے ذریعہ ملتِ مصطفویہ ظہور فرما ہے، قیامت کے دن شریعت ہی کی پوچھ ہوگی، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ ہے، انبیاء علیہم السلام نے جو تمام کائنات میں سب سے افضل ہیں،

احکامِ شریعت کی دعوت دی ہے اور احکامِ شریعت کی پابندی پر ہی نجات کو موقوف رکھا ہے اور ان (انبیاء السلام) کو بھیجنے کا مقصد تبلیغ شریعت ہی ہے۔ پس سب سے بڑی خیرات یہ ہے کہ شریعت کو رائج کرنے ہی کی کوشش کی جائے۔

قابلِ توجہ بات

اس کے علاوہ قابلِ توجہ یہ بھی ہے کہ اسکولوں، کالجوں کو سرکاری ایڈ امداد و حمایت حاصل ہے، اس کے برخلاف ان دینی مدارس کا مدار آپ جیسے اہلِ خیر مسلمانوں کی امداد پر ہے، اب معمولی عقل والا انسان بھی فیصلہ کرسکتا ہے کہ کہاں اور کس کو امداد دینے میں اجر وثواب زیادہ ہے؟ خلاصہ یہ کہ دینی مدارس جو حقیقت میں اسلام کے قلعے ہیں ان کو باقی اور مضبوط رکھنے، نیز ان کی بقاء وترقی کے لیے ایثار اور مالی امداد کی از حد ضرورت ہے، لہذا آپ کا طرزِ عمل اور طریقہ فکر بہتر ہے، اور آپ کے دوست کی رہبری غلط اور گمراہ کن ہے۔ دینی مدارس اور ان میں پڑھنے پڑھانے والوں اور خادموں اور کارکنوں کو نظر انداز کر کے ان کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر توجہ کرنا بہتر تو کیا، مؤاخذہ سے نجات مل جائے تو غنیمت جانیئے گا۔ احیاء العلوم میں تحریر ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ دینے کیلئے ایسے دیندار لوگوں کو تلاش کرے جو دنیا کی طمع وطلب چھوڑ کر تجارتِ آخرت میں مشغول ہوں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ: ''تم پاک غذا کھاؤ اور پاک آدم زاد کو کھلاؤ''، نیز یہ بھی آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کارِ خیر کرنے والے ہی کو اپنا کھانا کھلاؤ! کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ جب وہ لوگ تنگدست ہوتے ہیں تو انکی توجہ بٹ جاتی ہے۔ لہذا ایک شخص کو متوجہ الی اللہ کردینا یہ بہت افضل ہے، ایسے ہزارہا اشخاص کو دینے سے جنکی توجہ دُنیا ہی کی طرف ہوتی ہے، اور پرہیزگاروں میں سے بھی ایسے اہلِ علم کو خاص کردیں جو اپنے علم سے لوجہ اللہ لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں اور مذہب اسلام کی پختگی اور اشاعت علوم دینیہ اور تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ علم پڑھنا پڑھانا تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ ہمیشہ اپنی زکوٰۃ وخیرات اہلِ علم پر ہی خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں درجہ نبوت ﷺ کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں کیونکہ اگر اہلِ علم تنگدست ہوں

گے تو دینی خدمت نہ ہو سکے گی جس کی وجہ سے دینی امور میں نقص آ جائیگا۔ لہذا علمی خدمت کے لیے ان کو فارغ اور بے فکر کر دینا سب سے بہتر ہے۔

(خلاصۂ جواب۔ فتاویٰ رحیمیہ ص ۵ ج ۲ و کفایت المفتی ص ۲۷۵ ج ۴)

جن کے عقائد خراب ہوں ان کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں فقیر (غریب) جن کے یہاں شرک، بدعت، تعزیہ پرستی وغیرہ ان کا کام ہے۔ نماز روزہ نہیں کرتے اور جھوٹ، فریب، زنا، چوری کو بُرا نہیں جانتے، بچنا تو درکنار۔ ایسی حالت میں ان لوگون کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟ ان لوگوں کو زکوٰۃ دینا اگر جائز ہو تو خیر، ورنہ میرا جی چاہتا ہے کہ دوسری جگہ باہر مظلومین کے پاس بھیج دوں؟

جواب:۔ اپنی بستی کے ان لوگوں کو جن کا حال آپ نے لکھا ہے زکوٰۃ دینا درست ہے۔ پس جو رقم آپ نے زکوٰۃ کی ان لوگوں کے لیے رکھی ہے وہ انہیں کو دینا درست ہے کیونکہ اپنے اہلِ شہر کے غرباء کا بھی حق ہے بلکہ زیادہ حق ہے، اور باہر کے (دوسری جگہ کے) مظلومین اگرچہ زیادہ مستحق ہیں مگر اس میں خرچ کرنے والے کی بے احتیاطی کا اندیشہ ہے جس سے یہ خوف ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ ہو، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقراء کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنانا شرط ہے۔ جس کی وجہ سے (زکوٰۃ کی رقم) مسجد اور مکان وغیرہ کی مرمت میں اس کا صَرف کرنا درست نہیں اور تجہیز و تکفین میت میں بھی صَرف کرنا درست نہیں ہے۔ پس معلوم نہیں جس کے پاس باہر رقمِ زکوٰۃ بھیجی جائے گی وہ اس شرط کا پورا الحاظ کرے گا یا نہ کرے گا، اور وہ مصارفِ زکوٰۃ سے پوری طرح واقف ہو یا نہ۔ آپ کے اہلِ شہر جن کا حال آپ نے لکھا ہے اگرچہ خرابی ان کے اعمال و عقائد کی ظاہر ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ کلمہ گو اور مدعی اسلام ہیں اگرچہ اعمال و عقائد ان کے خراب ہوں تو عموماً ان کی تکفیر کا حکم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہاں جس شخص سے کوئی کلمہ موجب کفر سنا گیا ہو تو اس کا حال متحقق طور سے معلوم ہو گیا کہ اس کے عقائد کفریہ ہیں تو اس پر حکمِ کفر کر دیا جائیگا۔ مگر عموماً عام مسلمانوں پر ایسا حکم نہ کیا جائے گا۔ پس جب کفر کا حکم عموماً ان پر عائد نہیں کیا جا سکتا تو زکوٰۃ دینا ان کو درست ہے کہ غریب محتاج ہیں اور اپنے پڑوسی ہیں (اپنے شہر کے ہیں) اس سے زیادہ کنج وکاؤ کی حاجت نہیں ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا صدقہ دینے کا (عام ہے کہ وہ صدقہ نفل ہو یا فرض) یعنی زکوٰۃ اول دن (غلطی سے) چور کو دیا گیا، پھر دوبارہ زانیہ کو دیا گیا، پھر مالدار کو دیا گیا، اس کا افسوس ہوا تو اس کو خواب میں یہ کہا گیا کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہوئے کہ چور کو شائد عبرت ہو کہ وہ چوری سے تائب ہو جائے اور زانیہ زنا سے توبہ کرلیوے اور مالدار کو نصیحت ہو کہ وہ بھی صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ دینے لگے۔اور تینوں صورتوں میں ہمارے فقہاء حنفیہ ادائے زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۲ ج ۶ بحوالہ مشکوٰۃ باب الانفاق ص ۶۵ ج اور ردالمختار ص ۹۲ ج باب المصرف)

زکوٰۃ کا اندازاً دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ پورا حساب کر کے دینی چاہئے، اگر اندازہ کم رہا تو زکوٰۃ کا فرض ذمہ رہے گا۔ اگر پورے طور پر حساب کرنا ممکن نہ ہو تو کیا یہ زکوٰۃ زیادہ سے زیادہ کا اندازہ لگانا چاہئے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۶۳ ج ۳)

بغیر حساب لگائے زکوٰۃ دیتے رہنا کیسا ہے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص سالانہ زکوٰۃ نہ نکالتا ہو بلکہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ کسی ضرورت مند کو دیتا رہتا ہو، اور اس کا حساب بھی اپنے پاس نہ ہو تو کیا یہ زکوٰۃ دینے میں شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی نیت سے جو کچھ دیا ہے اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ،لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کی زکوٰۃ پوری ہوگئی یا نہیں؟ اس لیے حساب کر کے جتنی زکوٰۃ ہو وہ ادا کرنی چاہئے، البتہ یہ اختیار ہے کہ اکٹھی (ایک مشت) دے دی جائے یا تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں ادا کردی جائے مگر حساب رکھنا چاہئے ،اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، جو چیز زکوٰۃ کی نیت سے نہ دی جائے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم الگ رکھ لی جائے پھر اس میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۷۹ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے مہینہ مقرر کر دینا

سوال:۔ میں نے جتنی زکوٰۃ نکالی تھی وہ رقم الگ کر کے رکھ دی ہے، اب ایک دو گھروں کو جن کو میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں ان کو ہر مہینے اس میں سے نکال کر دے دیتا ہوں کیونکہ اگر ایک ساتھ یہ رقم دی جائے تو یہ خرچ کر لیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ آپ کا یہ فعل درست ہے کہ زکوٰۃ کی رقم الگ نکال کر رکھ لی، اور حسبِ موقع ادا کرتے رہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۰ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۳۲ ج ۳ وفتاویٰ دار العلوم ص ۹۲ ج ۶)

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ سال کے آخر میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بجائے ہر ماہ کچھ رقم زکوٰۃ کی نیت سے نکالتا رہے، یعنی ہر مہینے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ نکالتے رہنا درست ہے۔

مسئلہ :۔ اگر تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور جب سال شروع ہو، اسی وقت سے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ پیشگی ادا کرتے رہیں تو یہ بھی درست ہے، تاکہ سال کے ختم ہونے پر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے۔ بہر حال جتنی مقدار زکوٰۃ کی واجب ہو اس کا ادا ہونا ضروری ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۷۹ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۳۲ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۸ ج ۱۱)

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ نکال کر علیحدہ (یا بغیر نکالے ہی لکھتے رہیں اور آخر سال میں حساب لگالیں) رکھ لی جائے بطور امانت کے اور پھر اس کو آہستہ آہستہ بتدریج حسب موقع اشخاص کو دیتا رہے یہ جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۹۲ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۳۶ ج ۲ باب الزکوٰۃ الغنم)

مسئلہ:۔ کسی شخص مسکین کی زکوٰۃ سے کچھ رقم ماہوار مقرر کر دی تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۲ ج ۲)

مسئلہ :۔ مسکینوں اور غریبوں کو متفرق طور سے جو کچھ زکوٰۃ کی نیت سے دیا جائے جائز ہے اور زکوٰۃ اس میں ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۴ ج ۶)

جتنی زکوٰۃ واجب ہے اس سے زیادہ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ اگر زکوٰۃ حساب سے تین سو یا چار سو ہو، اس کے بجائے دو سو روپیہ زیادہ دیدے تو کیا زکوٰۃ اس کی بیکار ہو جاے گی؟

جواب:۔ اس صورت میں ثواب زیادہ ہوا۔ زکوٰۃ بھی اداء ہوگئی اور ایک دو سو زیادہ دینے کا ثواب زیادہ ہوا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۷۱ ج ۶)

کیا زائد دی گئی رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں لگا سکتے ہیں؟

سوال:۔ جو رقم زکوٰۃ کی واجب ہوئی ہے اگر اس سے زائد خرچ ہو جائے تو اس زیادہ خرچ شدہ رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر زائد رقم بہ نیتِ زکوٰۃ دی گئی تو وہ آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۳ ج ۶ بحوالہ ردالمحتار ص ۳۶ ج ۲ باب زکوٰۃ الغنم)

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے ایک کپڑا زکوٰۃ میں دیا اور اس کی قیمت دینے کے وقت آٹھ روپے لگائی، دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی قیمت بارہ روپے تھی تو اس صورت میں اگر وہ کپڑا (یا چیز وغیرہ) جس کو دیا تھا اس کے پاس موجود ہو تو بارہ روپے زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۵ ج ۶)

زکوٰۃ میں وکیل بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ آپ کسی دوسرے شخص، یا ادارہ کو اپنی رقم دے کر وکیل بنا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف سے مال زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے صحیح مصرف میں خرچ کر دے، لیکن اس میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

(۱) اول یہ کہ اس وکیل پر یہ پورا اعتماد ہو کہ وہ اس زکوٰۃ کی رقم کو صرف مستحقین زکوٰۃ پر ہی صرف کریگا، دوسری مداتِ خیرات میں خرچ نہ کر ڈالے گا۔ (۲) دوسری یہ کہ جب تک آپ کا زکوٰۃ کا مال اس وکیل کے قبضہ میں رہے گا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کے پاس رکھا ہے۔ زکوٰۃ اسی وقت اداء ہوگی جب یہ شخص یا ادارہ زکوٰۃ کے مال کو زکوٰۃ کے مستحقین میں خرچ ڈالے۔

بہت سے ادارے زکوٰۃ کی رقم جمع کر لیتے ہیں اور سالہا سال زکوٰۃ کی رقم رکھی رہتی ہے، صرف نہیں ہوتی، یہ بڑی بے احتیاطی ہے۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص ۷۰ وفقہ الزکوٰۃ ص ۳۹۱ ج ۲)

شرائط کے ساتھ وکیل بنانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زید نے عمر کو (اس شرط پر) زکوٰۃ کا وکیل بنایا کہ کسی خاص مستحق کو زکوٰۃ مثلاً خالد کو دینے کے لیے، اگر عمر بکر کو کہ وہ بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے دیدے تو زید کی زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ شامی میں ہے کہ اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ اداء ہو جائے گی، اور دوسرا یہ کہ اداء نہ ہوگی۔ اور وکیل ضامن ہوگا۔ پس احتیاط یہ ہے کہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ نہ دے بلکہ اسی کو دے جس کو مؤکل (صاحبِ زکوٰۃ) نے متعین کیا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۵ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

مسئلہ :۔ اگر تم نے کسی کو روپے نہیں دیئے بلکہ اتنا کہہ دیا کہ تم ہماری طرف سے زکوٰۃ دے دینا، (اس کہنے کے بعد) اس نے تمھاری طرف سے زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ اداء ہوگئی اور جتنا اس نے روپیہ تمہاری طرف سے دیا ہے اب وُہ تم سے لے لے۔

(شامی ۱۴ ج ۲ و بہشتی زیور ص ۲۹ ج ۳)

کیا وکیل اپنا نائب بنا سکتا ہے؟

مسئلہ :۔ تم نے ایک شخص کو اپنی زکوٰۃ میں دو سو روپے دیئے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ خود کسی غریب کو دیدے یا اور کسی کے (اپنے نائب کے) سپرد کر دے کہ تم یہ روپیہ زکوٰۃ میں دیدینا اور نام کا بتلانا ضروری نہیں کہ فلاں کی طرف سے یہ زکوٰۃ دینا، اور وہ شخص روپیہ اگر اپنے کسی رشتہ دار یا ماں باپ کو غریب دیکھ کر دیدے تو بھی درست ہے لیکن اگر وہ خود ہی غریب ہو تو آپ ہی (خود) لینا درست نہیں البتہ اگر تم نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو چاہے کرو اور جسے چاہو دو، تو اسے اپنے آپ کے لیے بھی لینا درست ہے۔ (امداد مسائلِ زکوٰۃ ص ۱۶ بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں)

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم میں رد بدل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ یا صدقات واجبہ لی حد سے کوئی رقم مساکین کو

دینے کے لیے دی، اس وکیل نے وہ رقم بدل دی مثلاً اس میں سے دس دس روپے کے دس نوٹ لیے اور سو کا ایک نوٹ اس میں رکھ دیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا جو رقم ملی ہے وہی مساکین کو دینا ضروری ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ بہر حال اداء ہو جائے گی، البتہ تبدیلی کا جواز اسپر موقوف ہے کہ مؤکل کی طرف سے تبدیلی کی اجازت صراحتہً یا دلالۃً موجود ہو، عرف میں اسکی اجازت ہے، اس لیے صراحتہً اجازت نہیں۔ معہٰذا صراحتہً اجازت لے لینا بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۰ ج ۴)

مسئلہ :۔ زکوٰۃ کی رقم بغیر مزکی کے (زکوٰۃ دینے والے نے جس کو اپنا وکیل بنایا ہو اس کو) اپنے مال میں ملا دینا جائز نہیں ہے، اور زکوٰۃ مزکی اس وقت اداء ہوگی کہ مصرف کے پاس پہنچ جائے۔ اور اگر وکیل نے اپنے روپے میں مؤکل (جس نے وکیل، اپنا نمائندہ بنایا) کی رقم زکوٰۃ کو ملا لیا، پس اگر یہ ملانا مؤکل کی اجازت سے ہے تو جس وقت رقم زکوٰۃ علیحدہ کر کے بہ نیتِ زکوٰۃ مزکی کی طرف سے دے گا اسی وقت زکوٰۃ اسکی اداء ہوگی اور اگر بلا اجازت مؤکل کے وکیل نے ایسا کیا تو اس کی (صاحبِ زکوٰۃ) زکوٰۃ اداء نہ ہوگی اور جو کچھ وکیل نے فقراء وغیرہ کو دیا ہوگا وہ وکیل کی طرف سے ہبہ یا صدقہ ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۳ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۴ ج ۲)

مسئلہ :۔ کسی غریب کو دینے کے لیے تم نے زکوٰۃ کی رقم کسی کو (اپنے نمائندہ یا وکیل کو دی، لیکن اس نے بعینہٖ وہی روپے فقیر کو نہیں دیئے جو تم نے دیئے تھے بلکہ اس نے اپنے پاس سے روپے دیدیئے اور خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا، تب بھی زکوٰۃ اداء ہوگئی، بشرطیکہ تمہارے روپے اس کے پاس موجود ہوں اور اب وہ شخص اپنے روپے کے بدلے میں تمہارے روپے لے لے، البتہ اگر تمہارے دیئے ہوئے روپے اس نے (وکیل نے) پہلے خرچ کر ڈالے، اس کے بعد اپنے روپے غریب کو دیئے تو زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی یا تمہارے روپے رکھے تو ہیں لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیت نہ تھی کہ میں وہ روپے لے لوں گا، تب بھی زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی اب وہ روپے پھر زکوٰۃ میں دے۔

(بہشتی زیور ص ۲۹ ج ۳ بحوالہ شامی ص ۱۴ ج ۲)

وکیل کا مدز کوٰۃ سے کوئی چیز خرید کر دینا؟

سوال:۔ کیا وکیل زکوٰۃ کی رقم سے کوئی چیز مثلاً کپڑا، جوتہ غلہ، پھل وغیرہ خرید کر دے سکتا ہے؟
جواب:۔ یہ بھی مؤکل کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اس کی اجازت موجود ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۰ ج ۴)

کیا وکیل اپنے ذی رحم کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی کو زکوٰۃ دینے کیلئے وکیل بنایا تو یہ وکیل اپنے ذی رحم کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۸ ج ۴)۔ (یعنی جن رشتہ داروں کو یہ وکیل اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا، لیکن وکیل ہونے کی وجہ سے دوسروں کی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ:۔ کسی شخص کا وکیل اپنے لڑکے کو بڑا ہو یا چھوٹا یا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دیدے تو جائز ہے بشرطیکہ یہ محتاج ہوں یعنی صاحب نصاب نہ ہوں، البتہ وکیل خود نہ رکھے۔

(درمختار ص ۱۳۰ ج ۱ و فتاویٰ عالمگیری ص ۴۰ ج ۴)

مسئلہ:۔ زید نے عمر کو زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم کرنے کے لیے دیا، عمر صاحب نصاب ہے مگر اس کی بیوی یعنی وکیل کی، مسکین ہے (صاحب نصاب نہیں ہے) تو اس صورت میں عمر اپنی بیوی کو زید کی زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۶ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۴ ج ۲)

کیا وکیل خود زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

سوال:۔ زید نے عمر کو وکیل بنایا کہ سو روپے مستحقینِ زکوٰۃ کو میری طرف سے دے دو، اتفاقاً عمر خود ہی فقیر (غریب) ہو گیا۔ وکیل بنانے کے وقت وہ مالدار تھا تو کیا عمر وہ زکوٰۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں؟
جواب:۔ وکیل کو مؤکل کی زکوٰۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور خود رکھ لینا جائز نہیں ہے مگر جب کہ اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ جہاں چاہے صرف کر لو۔ پس اگر بعد میں وکیل فقیر ہو گیا اور مؤکل نے یہ کہا تھا کہ جس جگہ چاہے صرف کر لو تو خود رکھ سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۵ ج ۲)

کیا وکیل زکوٰۃ کو اپنے نفس پر خرچ کر سکتا ہے؟

سوال:۔ زید ایک مسجد میں امام ہے زید کو اہلِ محلّہ صدقاتِ نافلہ واجبہ دیدیتے ہیں جو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ مدرسہ کو دے دینا، زید مدرسہ میں دے دیتا ہے اور جو یہ کہہ دیں کہ کسی طالب علم کو دے دینا تو وہ اپنی صواب دید پر کسی طالب علم کو دے دیتا ہے، کبھی کوئی یوں کہہ دیتا ہے کہ جسے آپ مناسب سمجھیں دے دیں، کسی سے بے تکلفی کی بناء پر زید یوں بھی تصریح کرالیتا ہے کہ جو مستحق ہو اسے دیدوں؟ طالب علم ہو یا غیر طالب علم، وہ یوں کہہ دیتا ہے. جی ہاں، جسے چاہیں دیدیں۔ کسی سے زید یوں یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے پیسے دیدیں میں انشاء اللہ صحیح مصرف میں صرف کردوں گا، وہ دیتا ہے، مذکورہ رقوم سے زید کچھ تو مصارف میں صرف کر دیتا ہے اور کچھ اپنی ناداری و مفلسی اور مقروض ہونے کی بناء پر خواستعمال کرلیتا ہے۔ زید نے یہ مسئلہ سنا ہوا تھا کہ اگر معطی (دینے والا) کہے کہ ''جسے چاہو دے دو'' تو مستحق ہونے کی بناء پر وکیل خود بھی رکھ سکتا ہے، اب زید کو احساس ہوا کہ شامی کے جزیہ کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ زید متفکر و مغموم ہے کہ یہ میں نے کیا کیا؟ نہ تو اب حساب یاد ہے کہ کس کے کتنے پیسے خود پر صرف کیئے اور کتنے دیئے اور اگر تخمینہ لگایا جائے تو پیسے کہاں؟ اور نہ ہی دینے والوں کو آگاہ کیا جاسکتا ہے، یہ بہت شرمندگی کی بات ہے کیونکہ اس کو اچھا تصور کرتے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ بہشتی زیور اختری ص ۳۱ ج ۳ میں ہے کہ اگر تم نے یہ کہہ دیا ہو کہ جو چاہے کرو اور جسے چاہے دے دو تو آپ (وکیل کا) بھی لے لینا درست ہے اور ''جسے چاہے دے دو'' اگر عطف تفسیری ہے تو ظاہر ہے، بصورتِ دیگر یہ کس کا ترجمہ ہے؟

جواب:۔ اس صورت میں زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی، شامی کا جزیہ ''ضعها حيث شئت'' کا ترجمہ ہے ''جہاں چاہو خرچ کرو'' یہ جملہ تملیک ہے، اور ''جسے چاہو دے دو'' توکیل ہے، عرفِ عام میں ''بہشتی زیور'' کے دوسرے جملہ کو جملہ اولیٰ پر تفریع قرار دیا جاتا ہے، یعنی تملیک چاہو اپنے مصرف میں لاؤ یا دوسرے کو دے دو۔ گزشتہ تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے، یہ صرف ایک تدبیر ہوسکتی ہے کہ مزکی یعنی جن لوگوں نے زکوٰۃ کا وکیل بنایا تھا، ان سے کہے کہ ''لاعلمی کی وجہ سے مجھ سے رقم غیر مصرف میں لگ گئی ہے، جس کا ضمان مجھ پر

واجب ہے اور میری ہمت و استطاعت نہیں کہ آپ کا یہ قرض اداء کرسکوں، اس لیے آپ مجھے اتنی رقم مدِ مذکورہ سے دے کر بمدِ قرض مجھ سے واپس لے لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۸ ج ۴)

مسئلہ:۔ خود رکھ لینے میں زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی۔ اسکے (زید کے) ذمہ ضمان اس روپیہ کی واجب ہے اور بعد صرف کر لینے کے زید کا جائز رکھنا کافی نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۹۸ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۴ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

وکیل کے پاس زکوٰۃ کی رقم ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ زید نے خالد کو زکوٰۃ کی رقم کسی مسکین کو اداء کرنے کے لیے دی، جو خالد کے پاس سے ضائع ہوگئی، ایسی صورت میں زید کے ذمہ جو زکوٰۃ واجب الاداء تھی وہ ادا ہوگئی یا نہیں؟ تو کیا خالد کے ذمہ اس رقم کا زید کو واپس کرنا واجب ہوگا؟

جواب:۔ زید کی زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی، اگر خالد نے حفاظت میں غفلت نہیں برتی تو خالد اس رقم کا ضامن نہ ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۸۹ ج ۴)

زکوٰۃ میں حیلہ کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ مدارس میں چندہ دوامی بہت کم ہے اور مدِ زکوٰۃ وصدقہ واجبہ مثلاً کفارہ (روزہ) و چرمِ قربانی وغیرہ وغیرہ کا روپیہ زیادہ جمع ہوتا ہے، چونکہ چندہ دوامی میں سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کا روپیہ جمع ہوتا ہے، اس لیے مدرسہ والے اس طرح حیلہ کراتے ہیں کہ کسی غریب کو وہ روپیہ دے کر مالک بنا دیتے ہیں اور اس سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدو، اس طرح حیلہ کر کے زکوٰۃ کا روپیہ مدرسین کی تنخواہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ یہ حیلہ درست ہے اور اس حیلہ کے بعد مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز ہے اور جس قدر روپے کا حیلہ چاہے ایک وقت کرے (کیونکہ) اس میں قدرِ نصاب کی شرط لازمی نہیں ہے، صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے اور حیلہ کرنے والوں اور کرانے والوں کو کچھ گناہ

نہیں ہے۔نیتِ صالح پر ثواب کی امید ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص۱۰۴ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۶ ج ۲ و فتاوی محمودیہ ص ۳۰ ج ۳ و کفایت المفتی ص ۲۸۶ ج ۴)

حیلہ میں شرط لگانا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو یوں کہہ کر دیوے کہ اس کو قبول کر کے فلاں مدرسہ میں دیدے تو زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ مدار نیت پر ہے، وہ درست ہوگی تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی ورنہ ادا نہ ہوگی، صورتِ مسئولہ میں ادائیگی کے سلسلہ میں شبہ ہے۔کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہو تو زکوٰۃ کی رقم حقدار کو کچھ کہے بغیر مالک بنادے پھر اس کو مدرسہ وغیرہ میں دینے کی ترغیب دے اگر وہ خوش دلی سے دیدے تو فبہا، ورنہ اس پر کوئی الزام نہیں۔یعنی اگر وہ خرچ کرنا قبول نہ کرے تو اس پر کسی قسم کا الزام نہیں کیونکہ وہ شخص مالک ہو چکا۔نیت و طریقہ کار کی درستگی پر پورا دارو مدار ہے وہ درست ہو تو زکوٰۃ بھی اداء ہو جائے گی، تملیک کے لیے ظاہری ردوبدل کافی نہیں ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۹ ج ۲ و فتاویٰ محمودیہ ص ۵۵ ج ۳)

حیلہ میں تملیک کی شرط کیوں ہے؟

سوال:۔ دین کی خدمت انجام دینے والوں کو زکوٰۃ سے مشاہرہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور امام صاحبؒ نے تملیک کی شرط کیوں لگائی ہے۔"**انما الصدقات للفقراء**" میں لام منفعت کے لیے بھی ہوسکتا ہے، اس کو تملیک پر محمول کرنے کا کیا منشاء ہے، اس بارہ میں کوئی صریح حدیث ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں تملیک فقراء وغیرھم شرط ہے جیسا کہ آیت "**انما الصدقات للفقراء**" (لآیہ) سے مستفاد ہے کیونکہ اول صدقہ کا لفظ ہی تملیک فقیر کو چاہتا ہے اور پھر لام تملیک اس کی صریح دلیل ہے، اور نفع کے لیے کہنا بھی اسکے منافی نہیں ہے کیونکہ نفع تام بعد تملیک کے مملک لہٗ کو ہو (جس کو مالک بنایا گیا) ہوسکتا ہے اور حدیث شریف میں "**تؤخذ من اغنیائھم وتود الی فقرائھم**" (ردالمختار ص ۸۳ ج ۴ باب المصرف) بھی اس کی دلیل

ہے، کیونکہ ''تؤخذ'' سے خروج عن ملک الاغنیاء ثابت ہے۔ (یعنی مالداروں کی ملکیت سے نکلنا مال کا ثابت ہو رہا ہے)۔ اور ''الیٰ فقرائهم'' ملک فقراء کو مقتضی ہے۔ بہر حال جب کہ زکوٰۃ میں تملیکِ فقراء ضروری ہوئی اور صدقہ کا لفظ اس کو چاہتا ہے کہ بلاکسی معاوضہ کے ہو، ورنہ صدقہ نہ رہے گا تو ملازمین و مدرسین کی تنخواہ میں دینا زکوٰۃ کا جائز نہ ہوا، اور ایسے مصارف میں خرچ کرنے کے لیے حیلۂ تملیک ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ چنانچہ صاحبِ ہدایہ جگہ جگہ عدم تملیک کو عدم علت جواز قرار دیتے ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۴ ج ۶ بحوالہ ہدایہ باب من یجوز دفع الصدقات ص ۱۸۸ ج اوفتح القدیر ص ۲۲۳ ج......)

اگر حیلہ میں تملیک مقصود نہ ہو؟

سوال:۔ بعض حضرات زکوٰۃ کا روپیہ تبلیغ کے لیے دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ حیلہ کرلیا جائے جبکہ تملیک میں لینے والا اور دینے والا دونوں بخوبی جانتے ہیں کہ تملیک مقصود نہیں ہے تو کیا اس حیلہ سے زکوٰۃ بھی اداء ہو جائے گی؟ اور وہ روپیہ اس غرض کے لیے جائز بھی ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے اور یہ امور جن کو آپ نے لکھا ہے مانع اس حیلہ سے نہیں ہے یعنی باوجود ان حالات کے یہ حیلہ صحیح ہے اور اس حیلہ کا کرلینا ضروری ہے تاکہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ فوراً اداء ہو جائے۔ پھر مہتمم منتظمین کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کریں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۹ ج ۳)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیک فقراء ہو یعنی محتاجوں کو اس کا مالک بنا دیا جائے اور تملیک فقراء نہ ہوگی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ پس اگر سوائے زکوٰۃ کی رقم کے اور کوئی صورت چندہ کی نہیں ہے تو زکوٰۃ کے روپے کو اس کام میں خرچ کرنے کے جواز کی یہ صورت ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا مالک اول کسی ایسے شخص کو بنا دیا جائے کہ وہ مالکِ نصاب نہ ہو پھر وہ اپنی طرف سے جلسہ مذکورہ کے مصارف میں صرف کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی اداء ہو جائے گی اور جلسہ کے مصارف کا بھی انتظام ہو جائے گا اور اس کی تشریح

زبانی کسی واقف سے کرلیں وہ تملیک کی صورت کو پوری طرح سمجھا دیں گے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۹ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۶ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔
(حیلہ کا مقصد اگر خواہ مخواہ بلا وجہ اور بلا ضرورت شدیدہ شریعت کے ایک حکم کو بے معنی بنا دینا اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور نفع کی تحصیل ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہوگا اور عند اللہ اس کی باز پُرس بھی ہوگی، لیکن اگر کسی واقعی دینی مصلحت کے پیشِ نظر ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو اجازت ہے، کیونکہ حیلہ کی اصل یہ ہے کہ قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے، مثلاً زکوٰۃ کا مصرف فقیر محتاج اور مستحق ہے، وہ اسے مل گئی، اب وہ بحیثیت مالک ہونے کے جو چاہے کر سکتا ہے، ی الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا کرانا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں اسی لیے حضرت مفتی غلامؒ فرما رہے ہیں کہ اگر انتہائی مجبوری ہے کہ کوئی رقم عطیہ وغیرہ کی نہیں ہے اور نہ ملنے کی امید ہو تو اس مجبوری کے تحت یہ صورت اختیار کی جائے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسجد کے لیے حیلۂ تملیک کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک مسجد میں پنکھے کی ضرورت تھی، متولی مسجد خود مصرف زکوٰۃ تھا، میں نے زکوٰۃ کی نیت سے پنکھا متولی کو دے دیا، اور اس نے وہ پنکھا اپنی طرف سے مسجد میں لگا دیا، کیا میری طرف سے زکوٰۃ کی اادیگی صحیح ہوگی؟

جواب:۔ اگر آپ نے متولی کو مالک بنا دیا ہو خواہ مسجد میں دینے کی شرط سے یا بغیر شرط، اس نے آپ کی مروت میں بلا طیب خاطر مسجد کو دے دیا، بہر حال زکوٰۃ ادا ہوگی، مگر شرط لگانے یا بلا شرط مروۃً مسجد کو دینے کا آپ کو گناہ ہوگا اور پنکھا مسجد میں لگانا جائز نہ ہوگا، بطیبِ خاطر ہو تو جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۶ ج ۴)

مسئلہ :۔ زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کا جنریٹر نہیں خریدا جا سکتا ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی غریب آدمی قرض لے کر جنریٹر خرید کر مسجد کو دیدے اور زکوٰۃ کی رقم اس غریب کو قرض ادا کرنے کیلئے دیدی جائے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۵ ج ۲)

حیلہ کے ذریعہ قبرستان کے لیے زمین وقف کرنا

سوال:۔ایک شخص کی رقم سے قبرستان کے لیے زمین خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے اس طور سے کہ زکوٰۃ کا مال کسی محتاج کو دیدیا جائے اور وہ زمین خرید کر قبرستان کے لیے وقف کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ثواب محتاج کو ہوگا یا زکوٰۃ دہندہ کو بھی؟

جواب:۔اس طریق سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اول کسی محتاج کو وہ روپیہ زکوٰۃ کا دیہ یا جائے اور اس کو مالک بنا دیا جائے، پھر اس کو مشورہ دیا جائے کہ وہ اس روپیہ سے زمین خرید کر قبرستان کے لیے وقف کردے تو یہ صورت جائز ہے لیکن مالک ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ ایسا کرے یا نہ کرے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ثواب دونوں کو ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۶ ج ۲ و فتاویٰ محمودیہ ص ۹۹ ج ۱۳)

زکوٰۃ کی رقم سے قبرستان پر قبضہ لینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے شہر میں چند مساجد اور قبرستان غیر مسلم کے قبضہ میں آگئے ہیں اور ان میں نہایت بے ادبی ہوتی ہے۔ آیا ان کو چھڑانے کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ کام آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔زکوٰۃ کے روپے سے یہ کام نہیں ہوسکتا کیونکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی محتاج یا چند محتاجوں اور مساکن کو بلا معاوضہ اس روپے کا مالک بنا دیا جائے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۸۵ ج ۲ و فتاویٰ محمودیہ ص ۹۹ ج ۱۳)

قبرستان میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک قبرستان میں مسجد ہے اور اس کے چارطرف تالاب تو اگر بغرض، حفاظت اراضی قبرستان میں زکوٰۃ کا روپیہ صرف کریں تو کیسا ہے؟

جواب:۔ مسجد کی تعمیر اور قبرستان دونوں جگہ زکوٰۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۳ ج ۶ بحوالہ عالمگیری باب المصارف ص ۱۸۸ ج ۱)

مقدمہ میں زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ اگر وہ (صاحب) مستحق زکوٰۃ ہے اور اسکو زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گا اور اگر زکوٰۃ کا روپیہ (صاحب مقدمہ کو) نہ دیا بلکہ برادری (پنجایت وغیرہ) جمع کر کے اسکے مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۲ ج ۲)

نوٹ :۔ چونکہ برادری کے جمع کرنے کی صورت میں مستحق کا مالک بنا کر دینا نہیں پایا گیا جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس لیے زکوٰۃ اداء نہیں ہوئی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

اشیاء کی شکل میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۶ ج ۶)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم سے چاول خرید کر سال بھر تک فقیروں کو بھیک دینے (تقسیم کرنے) سے زکوٰۃ اداہو جائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۳۳ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب الغنم ص ۲۹ ج ۲)

مسئلہ :۔ اگر اپنا عزیز (مستحق زکوٰۃ) زکوٰۃ کے نام سے روپیہ لیتا ہوا شرمائے تو اس طرح کہہ کر دیدینا درست ہے کہ اس رقم سے بچوں کے کپڑے (میری طرف سے) بنوادینا، اپنی نیت دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لینا کافی ہے، جس کو دی جائے اس پر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۷ ج ۱)

مسئلہ :۔ مدرسہ میں جو روپیہ زکوٰۃ کا آتا ہے اس کا مدرسہ کے مہتمم کو اختیار ہے کہ خواہ نقد طلبہ کو دے خواہ کھانا خرید کر تقسیم کردے یا کتابیں خرید کردیدے سب جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۵ ج ۶)۔ (لیکن مستحقین کو مالک بنادینا چاہیئے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا غلہ فروخت کر کے کسی مسکین کو کھانا کھلادے (مالک بنادے) یا کپڑا بنادے تو درست ہے۔ (فتاویٰ درالعلوم ص ۲۰۱ ج ۶)

مسئلہ:۔ مستحقین کو اشیاء (سامان وغیرہ) کی شکل میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، لیکن یہ احتیاط

ملحوظ رہے کہ ردی وخراب قسم کی چیزیں نہ دی جائیں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ اپنی زکوٰۃ میں روپے (رقم، نقد کیش) کے بجائے غلہ یا کپڑ خواہ گھر سے (اگر موجود ہو) غلہ کپڑا وغیرہ حساب کر کے دیدے یا بازار سے خرید کر دیدے، دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۵ ج ۶)

زکوٰۃ کی رقم افطاری یا شبینہ میں خرچ کرنا؟

مسئلہ:۔ رمضان المبارک کی افطاری یا شبینہ میں زکوٰۃ کا دینا (خرچ کرنا) اس طرح تو جائز ہے کہ وہ افطاری کھانے والے یا شبینہ کا کھانا کھانے والے مسکین ہوں (غیر صاحب نصاب) اور تملیکا ان کو کھانا یا افطاری تقسیم کر دیا جائے اور اگر (کھانا کھلانے میں) مالدار غنی ہوں تو جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۵۸ ج ۴)

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب و قرآن مجید تقسیم کرنا

سوال:۔ ایک دینی کتاب چھپوائی گئی، اور تاجرانہ نرخ پر قیمت لگا کر مستحقینِ زکوٰۃ کو دی گئی، بقدر رقم زکوٰۃ سے زائد نسخے اہلِ علم (حضرات جو کہ مستحقینِ زکوٰۃ نہیں) کو بطور ہدیہ دیئے گئے تو کیا اس صورت میں شرعاً زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں بلاشبہ بغیر کسی قباحت کے زکوٰۃ ادا ہوگئی، بلکہ یہ کتب دینیہ کی اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۸۳ ج ۴)

مسئلہ:۔ مدِ زکوٰۃ میں ہر چیز رائج قیمت پر لگا کر دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ بصورتِ تملیک دی جائے یعنی فقیر کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پس دینی کتابیں اگر مستحقین کی مِلک میں دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، ہاں اگر مدرسہ میں وقف کر دیں یا طلبہ کو عاریۃً مطالعے کے لیے دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۲ ج ۴)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روپے سے طلبہ کو کتابیں یا سیپارے دلا دینا درست ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۰ ج ۶)

مسئلہ:۔ قرآن شریف زکوٰۃ کے روپے سے خرید کر اگر غریب لڑکوں یا بڑوں کو تقسیم کر دیئے

جائیں تو یہ جائز ہے۔ اور زکوٰۃ اداء ہوجاتی ہے۔ اور جو قرآن شریف امیروں کو دیا اس کی قیمت کے موافق زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، وہ پھر دینی ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۷۳ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۷۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر (یا چھپوا کر) مستحق علماء اور طلباء کو مالک بنا دیا جائے یا مدِ زکوٰۃ سے دینی کتابیں چھپوا کر تاجرانہ نرخ (ریٹ) پر قیمت لگا کر مستحقِ زکوٰۃ اہلِ علم کو دے دی جائیں تو دوہرا ثواب ملتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۵ ج ۶ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۲ ج ۴)

زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر وقف کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ مالِ زکوٰۃ سے اگر کوئی شخص کسی مدرسہ اسلامیہ کے کتب خانہ (لائبریری) کے لیے کتابیں خرید کر وقف کر دے؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں تملیکِ محتاج شرط ہے، مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، یا تو زکوٰۃ کی رقم ویسے ہی غریب طلباء کو تقسیم کر دے اور اگر کپڑے یا کتابیں اس سے بنا دے یا خریدے تو وہ مملوک غرباء کی کر دے یعنی ان کو دے دے اور تقسیم کر دے، مالک بنا دے، کسی مدرسے کے کتب خانہ میں وہ کتابیں رکھنے (وقف کرنے) سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۶۲ ج ۶)

زکوٰۃ کی رقم سے خریدی ہوئی کتابیں مطالعہ کرانے کے لیے رکھنا

مسئلہ:۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر اپنے پاس (اس طور پر) رکھے کہ جس کو ضرورت ہو وہ دیکھ (مطالعہ کر) لے مگر کسی کو لے جانے کی اس طور سے اجازت نہیں کہ وہ مالک بن جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۸ ج ۶)

☆

زکوٰۃ کی رقم سے سکول کا سامان خریدنا

سوال :۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم سے سکول میں بچوں کے لیے کرسی تحت وغیرہ بنانا چاہتا ہے تو اس رقم کو کس طرح استعمال کرے؟

جواب :۔ ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے یعنی زکوٰۃ کے حقدار کو رقم بلاعوض مالک ومختار بنادینا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مدرسہ وسکول کے ساز وسامان کے بنانے میں یہ علت نہیں پائی جاتی، لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں اگر مستحقِ زکوٰۃ کو بلاعوض مالک بنادے اور پھر وہ اپنی طرف سے بخوشی سامان بنانے کے لیے رقم دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس کو بھی ثواب ملے گا لیکن پہلے سے رقم واپس لینے یا سامان بنا دینے کے متعلق گفتگو نہ کرے، کیونکہ ظاہری لینے دینے سے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، حقیقۃً تملیک شرط ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱ ج ۲)

زکوٰۃ کی رقم سے رسالہ جاری کرانا کیسا ہے؟

سوال :۔ زکوٰۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دیدے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہنچایا جائے تو کیا زکوٰۃ اداء ہو جائے گی؟

جواب :۔ حامداً ومصلیاً۔ جتنی وقت کا رسالہ مفلس کے پاس پہنچے گا اتنی زکوٰۃ اداء ہو جائے گی ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کردو، پھر ہماری طرف سے وکیل ہو کر وہ رسالہ فلاں شخص (مستحقِ زکوٰۃ) کو دے دو۔ یا خود خرید کر فلاں شخص کو قبضہ کے لیے وکیل بنانا ہے۔ اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوٰۃ کا ادا کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۵۰ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے کارخانہ لگانا؟

سوال :۔ کیا زکوٰۃ کی رقم سے مل اور صنعتی کارخانے لگائے جا سکتے ہیں تا کہ غرباء نادار مستحقینِ زکوٰۃ کی بہترین اور مستقل طور پر مدد کی جا سکے؟

جواب :۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے فقیر کو مالک بنانا شرط ہے صنعتی کارخانہ لگانے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی۔ ہاں! اگر کارخانہ لگا کر ایک فقیر (مستحقِ زکوٰۃ) کو یا چند فقراء کو اس کا مالک

بنادیتے ہیں، جتنی مالیت کا وہ کارخانہ ہے اتنی مالیت کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔
(آپ کے مسائل ص۳۸۳ ج۳)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم جب تک کسی فقیر محتاج (یعنی غیر صاحبِ نصاب) کو مالک نہیں بنادیا جائے گا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ان کو اس رقم کا مالک بنادینے کے بعد اگر انکی اجازت ہو تو وکیل سے کوئی (کاروبار کا) انتظام کیا جائے تو درست ہے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص۳۸۲ ج۳)

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر کسی غریب کو دیدینا؟

مسئلہ:۔ کسی نے زکوٰۃ کی رقم اصل مال سے الگ نہیں کی ہے اور مجموعہ رقم سے ذاتی طور پر ایک مکان تعمیر کر کے جو رقم خرچ ہوئی اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ کی نیت سے کسی نادار بے گھر فقیر کو مکان کا مالک بنا کر فقیر کے نام رجسٹر کرا کے قبضہ دلایا اور اس میں اپنا کوئی حق و تعلق باقی نہیں رکھا تو اس طرح مکان بنادینا بلا کراہت جائز اور دوست ہے، اس لیے کہ فقیر کو اس سے مالدار صاحب نصاب نہیں بنایا گیا بلکہ صرف ضرورت کا مکان فراہم ہوا ہے۔

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کی نیت سے الگ رکھدی ہے اور اپنی ذاتی رقم سے مکان بنا کر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مالک بنا کر رجسٹری قبضہ دیدیا ہے، پھر مدِ زکوٰۃ سے اتنی رقم واپس لے لیتا ہے تو یہ صورت بھی بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ:۔ فقیر کو نصاب سے کچھ کم کر کے قسط وار رقم دیتا رہے اور وہ فقیر رقم کو تعمیر میں خرچ کرتا جائے، اگر فقیر کے پاس زمین نہیں تو پہلے زمین خرید کر مالک بنادیا جائے، اور اسکے بعد قسط وار زکوٰۃ کی رقم دیتا رہے اور فقیر تعمیر کرتا رہے اور اس طرح مکان مکمل کرلے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ (ایضاح المسائل ص۱۱۵ و احسن الفتاویٰ ص۲۹۰ ج۴)

زکوٰۃ کی رقم سے سوسائٹی کے ذریعہ مکان بنوانا

مسئلہ:۔ کسی کمیٹی یا سوسائٹی کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے اور وہ زکوٰۃ کی رقم سے مکان کی تعمیر کرا کر فقیر کو مالک بنادے جیسا کہ بعض جگہ ایسا عمل جاری ہے اسمیں زکوٰۃ تو ادا ہوجاتی ہے

لیکن اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کا فقیر کو مالک بنانے سے پہلے وہ رقم اسبابِ تعمیر کی خریداری میں صرف کردی جاتی ہے اور زکوٰۃ کی اصل رقم فقیر تک نہیں پہنچ پاتی ہے اور درمیان میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔تو ایسی صورت میں اگرچہ زکوٰۃ اداء ہوجاتی ہے لیکن یہ امر ممنوع ہے۔اب اس صورت کا بہترین حل یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے کمیٹی کو اپنی مجموعی اصل رقم سے مکان بنانے کا وکیل بنایا جائے اور جب مکان تیار ہوجائے تو اس کے بعد حساب لگا کر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مکان کا مالک بنا کر رجسٹری وقبضہ دیدیا جائے اور اتنی رقم مدِ زکوٰۃ سے وصول کرلی جائے تو بلا کراہت جائز ہوسکتا ہے، لیکن اگر کمیٹی سے رقم ضائع ہوجائے تو کمیٹی ضامن بھی نہیں ہوگی کیونکہ کمیٹی محض وکیل اور امین ہے اور امانت کی رقم ہلاک ہونے سے تاوان لازم نہیں آتا۔مذکورہ چاروں صورتوں میں صاحبِ نصاب اگر اپنے احسان کی وجہ سے فقیر پر کسی قسم کا یا کسی بات میں دباؤ ڈالتا ہے تو سارا ثواب رائیگاں ہوجائے گا اور فقیر کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔(ایضاح المسائل ص ۱۲۶ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۱ ج ۵)

زکوٰۃ کی رقم سے شرائط کے ساتھ مکان تقسیم کرنا

سوال:۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ کی مَد سے تعمیر کیے گئے فلیٹ حسبِ ذیل شرائط پر مستحقینِ زکوٰۃ کو دیئے گئے ہیں، تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ اداء ہوجاتی ہے یا نہیں؟ شرائط یہ ہیں:۔

(۱) یہ فلیٹ کم از کم پانچ سال تک آپ کسی کے ہاتھ بیچ نہیں سکیں گے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

(۲) متعلقہ فلیٹ آپ کو استعمال کے لیے دیا جارہا ہے، اس میں آپ کرایہ دار نہیں رکھیں گے، پگڑی پر نہیں دے سکیں گے اور دوسرے شخص کو استعمال کے لیے بھی نہیں دے سکیں گے۔

(۳) اگر آپ نے یہ فلیٹ کسی کو پگڑی پر دیا یا کرایہ پر دیا تو اس کی اطلاع جماعت (کمیٹی) کو ملنے پر آپ کے فلیٹ کا حق منسوخ کردیا جائے گا۔(۴) فلیٹ کی رقم جو جماعت مقرر کرے وہ ہر ماہ اداء کرکے اس کی رسید حاصل کرنی پڑے گی۔(۵) فلیٹ کی وساطت کسی دوسرے فلیٹ کے قبضہ دار سے بدلی نہیں کیا جاسکے گا۔(۶) اس عمارت کی چھت جماعت کے قبضہ میں رہے گی۔(۷) مستقبل میں فلیٹ بیچنے یا چھوڑنے کی صورت میں جماعت سے نوابجکشن سرٹیفیکٹ حاصل کرنے کے بعد مزید کارروائی ہوسکے گی۔(۸) بیان کردہ شرائط کے علاوہ

جماعت کی جانب سے عمل میں آنے والے نئے احکامات اور شرائط کو ماننا کرایہ دار پر بھی عمل کرنا ہوگا۔ بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی کرنے والے ممبر سے جماعت فلیٹ خالی کرا سکے گی، اور اس میں رہنے والے کو اس پر عمل کرنا اور قانونی حق سے چھوڑنا ہوگا۔ براہ مہربانی جواب عنایت فرمائیں، کیونکہ ہمارے یہاں اس اسکیم میں کروڑوں روپے زکوٰۃ کی مد میں لوگوں سے وصول کر کے لگائے جا رہے ہیں۔

جواب:۔ زکوٰۃ جب ادا ہوتی ہے جب کہ محتاج کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنا دیا جائے اور زکوٰۃ دینے والے کا اس (رقم) سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہے، آپ کے ذکر کردہ شرائط نامہ میں جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں وہ عاریت کی ہیں (عارضی طور پر دینے کی) تملیک کی نہیں، لہٰذا ان شرائط کے ساتھ اگر کسی کو زکوٰۃ کی رقم سے فلیٹ (مکان وغیرہ) بنا کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ کے ادا ہونے کی صورت یہی ہے کہ جن لوگوں کو یہ فلیٹ دیئے جائیں ان کو مالک بنا دیا جائے اور ملکیت کے کاغذات سمیت ان کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں کہ یہ لوگ ان فلیٹوں میں جیسے چاہیں مالکانہ تصرف کریں، اور جماعت (کمیٹی یا سوسائٹی) کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اگر ان کو مالکانہ حقوق نہ دیئے گئے تو ان زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور ان پر لازم ہوگا کہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں۔

(آپ کے مسائل ص ۳۸۹ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مستحقین کو معمولی کرایہ پر دینا

سوال:۔ ہم لوگوں نے ایک قطعۂ زمین کرایہ پر لیا ہے، اس میں مکانات تعمیر کر کے غرباء کو معمولی کرایہ پر دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ مکانات زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کیے جائیں گے اور زمین کا کرایہ ہمیں ادا کرنا پڑیگا، تو اس طرح مکانات کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کے پیسوں سے زمین خریدنا یا مکانات تعمیر کرانا درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کے

حقداروں کو بلا شرط عوض مالک بنا دیا جائے اور وہ شرط یہاں پائی نہیں جا رہی ہے۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۱ ج ۵)

غریب کو بغیر کرایہ کے زکوٰۃ کی نیت سے رکھنا؟

مسئلہ:۔ مال کے ایک حصہ کا مالک، مسلمان مستحق کو بنا دینا زکوٰۃ ہے۔ مال کا حصہ کہنے سے نفع خارج ہو گیا یعنی نفع زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی نے فقیر کو اپنے گھر میں (بغیر کرایہ کے) سال بھر ادائے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا، تو اس سے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں گھر والے نے نفع کا مالک بنایا ہے مال کا نہیں بنایا۔ کیونکہ یہ منفعت (یعنی رہائش کا فائدہ) عین متقومہ (قیمتی مادی شے) نہیں ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۱۶۸ ج ۱)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کے مکان کی مرمت کرانا

مسئلہ:۔ اگر مستحق کو زکوٰۃ کی رقم نہ دی بلکہ اس کے گھر کی مرمت (ٹھیک کرانے) میں خرچ کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ رقم زکوٰۃ کے مستحق کو دے کر اس کو قطعی طور پر مالک بنا دیا جائے پھر وہ اپنی طرف (مرضی) سے مکان بنائے یا مرمت کرائے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۴۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۵ ج ۲)

حکومت سے ملحق مدارس میں زکوٰۃ دینا

سوال:۔ جو مدارس گورنمنٹ سے ملحق ہوں، ان میں صدقہ فطر، زکوٰۃ، چرمِ قربانی وغیرہ دینا کیسا ہے؟ جب کہ ہمیں خوف اس بات کا ہے کہ آج نہیں تو کل یہ مدارس ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتے ہیں اور حکومت ان پر قبضہ کر سکتی ہے؟

جواب:۔ اگر ان مدارس میں ان رقوم کے مستحقین اور مصارف موجود ہوں تو یہ رقوم بلا کراہت ان پر دینا جائز رہیں گی۔ (نظام الفتاویٰ ص ۲۶۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ جب کہ مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہئے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لیے غرباء طلباء مدارسِ اسلامیہ کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۱۰ ج ۳)

جس مدرسہ میں زکوٰۃ کی مدنہ ہو وہاں زکوٰۃ دینا

سوال:۔ زکوٰۃ ایسے مدارسِ اسلامیہ میں دینا جس میں علاوہ تنخواہ مدرسین صاحب نصاب کے دوسری مدنہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار باب المصرف ص ۷۹ ج ۲)

فرضی مدرسہ کے نام سے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال:۔ کسی شخص نے زکوٰۃ وفطرو چرمِ قربانی وغیرہ کا روپیہ وصول کرلیا تھا کہ فلاں جگہ مدرسہ قائم کروں گا اور وہ قائم نہیں ہوا تو کیا دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے؟ اگر خرچ نہ کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کو اس کے مصرف میں صرف کردینا چاہئے، اگر ایک مصرف میں کسی وجہ سے صرف نہیں ہوسکا تو دوسرے میں صرف کردے، جس کا بہترین مصرف طلباء علمِ دین ہیں اگر یہ شخص اس کو اس کے مصرف میں صرف نہیں کرے گا تو عند اللہ ماخوذ (پکڑا ہوا) ہوگا، اس کو اس کے خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۳ ج ۶ رد المختار ص ۱۴ ج ۲)

مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ کرنا

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں خالص عربی وفارسی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور وہ ہر قسم کا چندہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ رقوم جمع ہو جائے تو یہاں پر کھانے کا انتظام کیا جائے گا اس امید پر ہر قسم کا چندہ لینا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر فی الحال غریب مستحق طلباء کیلئے رقم نا کافی ہونے کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہیں، اور وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس کا انتظام کریں اور اسکی غالب توقع ہو تو وہ ایسی رقم بھی لے سکتے ہیں مگر اسکا خیال رہے کہ جو رقم جس مد کیلئے لی جائے اسی مد میں اسکا خرچ کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۴ ج ۱۲)۔ (بعض دینی درسگاہوں اور فلاحی اداروں کی ناکامی کا ایک بڑا اور اولین سبب یہی ہے کہ چندوں کے ذریعے حاصل ہونے

والا جو سرمایہ خرچ ہوا اس میں یہ حقیقت پیشِ نظر نہیں رکھی گئی کہ اس میں مالِ حرام کس قدر شامل ہے اور غصب کے یہ پتھر، مدارس کی بنیادوں میں نصب (لگائے) گئے جوان کی ناکامی، خرابی اور ویرانی کی اصلی اور حقیقی وجہ بن گئے بلکہ ''اکلھم السحت'' (حرام کھانے پر گرتے ہیں) کے عادی سرمایہ داروں کی رفاقت خود علمائے امت کی نیک نامی کو داغدار کر گئی۔ (حاشیہ فقہ الزکوٰۃ ص ۴۲۵ ج ۲)

مہتمم طلباء کا وکیل ہے یا معطّی کا؟

مسئلہ:۔ حامداً ومصلیاً۔ مہتمم مدرسہ کو ارباب اموال (مالداروں نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسب صوابدید مصارف میں صرف کردیں۔ غرباء کا بھی وکیل ہے اسی طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کرلیا تو گویا یہ کہدیا کہ آپ ہمارے واسطے ارباب اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرکے ہماری ضروریات (کھانا کپڑا وغیرہ) میں صرف کردیں۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۰ ج ۱۲)

مسئلہ:۔ اگر ارباب مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے تو یہ شبہ ہی (کہ روپیہ زکوٰۃ بتدریج خرچ ہوگا) وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے۔ اگر اصحابِ اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الامر میں زکوٰۃ اس وقت اداء ہوجائے گی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہوجائے گی، لیکن اگر خدانخواستہ (زکوٰۃ وغیرہ کی رقم) تقسیم سے قبل اضطراراً ضائع ہوگئی تو ارباب مدرسہ پر ضمان لازم نہیں ہے جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور اصحابِ اموال کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۱ ج ۳)

مسئلہ:۔ اگر باوجود حفاظت پوری سعی وانتظام کے ایسا ہوجائے (یعنی رقمِ زکوٰۃ اگر مہتمم مدرسہ یا اسکے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اور وجہ سے تلف ہوجائے) تو ضمان لازم نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۷ ج ۳ بحوالہ عالمگیری ص ۳۴۲ ج ۲)

کیا غریب مہتمم مدرسہ کی زکوٰۃ استعمال کرسکتا ہے؟

سوال:۔ مدرسہ کا مہتمم صاحب حاجت اور قرض دار ہے کیا اس کو اپنے اہلِ وعیال پر اس

کھانے وغیرہ کی چیزوں کا صرف کرنا جو طلبہ کے لیے مالِ صدقہ و زکوٰۃ لوگوں نے دی ہے صرف کرسکتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مہتمم وقفِ زکوٰۃ وصدقہ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے۔ اس کو دینے والوں کی شرط کے خلاف تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں جبکہ لوگوں نے کچھ اشیاء خاص طلبہ کے لیے دی ہیں، مہتمم کو خود یا مدرسین کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۵۵ ج ۴)

کیا زکوٰۃ کی رقم مہتمم کو دینے سے اداء ہو جائے گی؟

سوال:۔ مدرسہ یا کسی اور اسلامی انجمن میں جب زکوٰۃ کا روپیہ بھیجا جاتا ہے اس پر کسی مسکین مستحق کا قبضہ نہیں ہوتا بلکہ مہتمموں کے قبضہ میں دی جاتی ہے اور وہ مہتمم مسکین نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ مدارس کو جو رقم زکوٰۃ کی آتی ہے اسمیں مدرسہ کے مہتمم ایسی صورت کر لیتے ہیں جس سے معطی (دینے والے) کی زکوٰۃ اداء ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے، وہ یہ کہ اس رقم زکوٰۃ کو اول کسی مسکین کو جو مصرفِ زکوٰۃ ہو دے دی جاتی ہے اور اس کی ملک کر دی جاتی ہے، پھر وہ شخص مدرسہ کے مصارف کے لیے مہتمم مدرسہ کو دے دیتا ہے، چونکہ زکوٰۃ میں تملیک مسکین ضروری ہے اس لیے طریقہ مذکورہ پہلے ہی کر لیا جاتا ہے کہ کچھ شبہ نہ رہے۔ علاوہ بریں طلبہ ومساکین عمدہ مصرف زکوٰۃ کے ہیں، ان کی خوراک و پوشاک میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا بلاشبہ درست ہے، اور مدارس میں زکوٰۃ کا روپیہ طلبہ ومساکین کے مصارف میں صرف ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کچھ تردد نہ کیجئے، بے تکلف رقم زکوٰۃ سے امداد طلبہ فرمایئے کہ اس کا اجر وثواب ڈبل ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۶ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۶ ج ۲)

مسئلہ :۔ زکوٰۃ اسی وقت اداء ہوگی، جس وقت طلباء کو وہ رقم کسی صورت سے پہنچ جائے، مثلاً کپڑا یا کھانا یا نقد ان کی ملک کر دی جائے اور مدارس میں اکثر ایسا کر لیا جاتا ہے کہ مہتمم مدرسہ وکارکنان مدرسہ اول ہی رقمِ زکوٰۃ کی تملیک کرا کر خزانہ میں رکھتے ہیں تاکہ حسبِ ضرورت صرف کرتے رہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۹ ورد المختار ص ۱۵ ج ۲ باب الزکوٰۃ)

مختلف مَدات کا روپیہ یکجا جمع کرنا

سوال :۔ ایک مدرسہ میں چند مدات میں روپیہ وصول ہوتا ہے، مثلاً زکوٰۃ تعمیر مسجد، خیرات وغیرہ، مہتمم مدرسہ جملہ مدات کا روپیہ ایک جگہ کر کے رکھتا ہے اور حساب میں آمد و جمع علیحدہ علیحدہ کرتا ہے، خرچ کے وقت جس کھاتے کی جو رقم ہوتی ہے اس میں خرچ ڈالتا ہے تو کیا اس طریقے میں زکوٰۃ اداء ہو جائے گی؟ کیونکہ جس نے تعمیر مسجد کی مَد میں رقم دی تھی اس کی (وہی) رقم اس میں لگی یا نہیں؟

جواب :۔ اگر عرف یعنی رواج مخلوط کر دینے مہتمم کا مختلف مدات کی رقوم کو نہ ہوگا تو یہ فعل (طریقہ) مہتمم کا ناجائز اور موجب ضمان ہوگا، اور اگر عرف ہوگا تو یہ فعل مہتمم کا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ان مختلف مَدات کی رقوم کے مالکین کو بھی علم اس عرف پر ہو، اور اس جواز کی صورت میں مہتمم بمقدار رقم ہر مالک مؤکل کی رقوم مخلوط میں سے لے کر اس کے مصرفِ معین پر صرف کر دے گا تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔ اور مسجد کی تعمیر کنندہ کی طرف سے مسجدِ تعمیر ہو جائے گی۔ اور اگر مہتمم زکوٰۃ کی رقم کو جان کر غیر مصرف میں خرچ کر دے گا اور زکوٰۃ دہندہ کو خبر نہ ہوگی تو اس کا مؤاخذہ اخروی مہتمم پر ہوگا، لیکن زکوٰۃ اداء ہو جائیگی، اور اگر زکوٰۃ دہندہ کو خبر ہو جائے گی تو اس کا حق نہ ہوگا کہ مہتمم سے اپنی رقم تلف شدہ کا ضمان ۔ لے کر اداء کرے۔ (۲) فقہائے کرامؒ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب کہ رقوم جمع شدہ مخلطہ اپنی اپنی مَد میں صرف کر دی جائیں اور اختلاط کا عرف ہونے کی وجہ سے مالکوں کی جانب سے دلالۃ اذن بالخلط ہو جائے تو زکوٰۃ بھی اداء ہو جائے گی اور مہتمم پر بھی کوئی گناہ یا ضمان نہ ہوگا۔

(کفایت المفتی ص ۲۶۲ ج ۴)

مدرسہ کے روپے کا حکم

مسئلہ :۔ مدرسہ کا روپیہ مہتمم کے پاس امانت ہے اس کو اپنے ذاتی کام میں صرف کرنا درست نہیں۔ اگر صرف کرے گا تو وہ (اس کے ذمہ) قرض ہو جائے گا، امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۱۰ ج ۳)

مدارس میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا ایک اور طریقہ

سوال:۔ ہمارے یہاں ایک مکتب ہے جس میں ناظرہ قرآن مجید، اردو، دینیات وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، مدرسہ کی آمدنی صرف چندہ (جو چھ ہزار ہوتا) ہے اور فی بچہ ماہانہ آٹھ آنے اس طرح سے کل دس ہزار آمدنی ہو جاتی ہے اور خرچ اٹھارہ ہزار ہے، باقی آٹھ ہزار زکوٰۃ کے پیسوں میں سے خرچ کیے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ فیس بڑھا کر ایک روپیہ یا کم وبیش کر دی جائے اور زکوٰۃ کی رقم مستحقین طلبہ کو ماہانہ بطور امداد یا وظیفہ دے دیا جائے اور پھر فیس میں وصول کر لیا جائے تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی اور اس کے بعد یہ رقم تنخواہ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۰ ج ۵)

زکوٰۃ کی رقم کو مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی ایک صورت

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے اصل حقدار فقراء و مساکین ہیں، مدارس میں للہ رقم دینی چاہیے، غریب طلباء کو دینا افضل ہے لیکن عام طور پر لوگ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں، اگر مہتمم مدرسہ قبول نہ کرے تو مدرسہ چلانا اور مدرسین کی تنخواہ دینا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے ایسی مجبوری کی صورت میں بقدرِ ضرورت زکوٰۃ کی رقم لے کر شرعی حیلہ کر کے مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی گنجائش ہے، تعمیری کام میں (اچھا تو یہی ہے کہ) استعمال نہ کی جائے، اس کے لیے للہ رقم حاصل کی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۴ ج ۵ و فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۱ ج ۶)

زکوٰۃ کے روپے سے مدرسہ کی تعمیر اور مکان خریدنا

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے فقیر (ضرورت مند) کو زکوٰۃ کا مالک بنائے بغیر زکوٰۃ اداء نہیں ہوتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۱ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۶ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ و عشر اور تمام صدقاتِ واجبہ جیسے صدقہ فطر اور کفارات تنخواہوں میں دینا جائز

نہیں ہے۔ (نہ تعمیرات میں بلکہ) طلباء مساکین وغرباء کے صرف میں جائز ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۷۹ ج۶ بحوالہ ردالمختار ص۱۶ ج۲)

مسئلہ:۔ بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی رقم مدرسہ ومسجد وتنخواہ میں نہیں دے سکتی، اس کی تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی محتاج (مصرفِ زکوٰۃ) قرض لے کر مدرسہ میں دیدے، اور زکوٰۃ کی رقم سے اس کا قرض اداء کردیا جائے یعنی زکوٰۃ کی رقم اس کو دیدی جائے جس سے وہ اپنا قرض اداکرلے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۵۴ ج۳)

زکوٰۃ کی رقم غریب مدارس کو دینا

سوال:۔ مکتب کے معلم کی تنخواہ مجلس کی طرف سے آتی ہے اور کچھ رقم لوگ چندہ کرکے تنخواہ کے ساتھ ان کو دیتے ہیں، مگر اب وہ دینا بھی مشکل ہورہا ہے، ایک صاحب نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے کیا وہ معلم کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم میں سے زکوٰۃ دینے والے کی اجازت سے مستحقِ زکوٰۃ مدرس کو ماہ بماہ بطور امداد کے تھوڑی تھوڑی رقم دیتے رہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں زکوٰۃ بھی اداء ہوجائے گی اور مدرس کی امداد بھی ہوجائے گی، بطور تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تنخواہ میں دینا ہو تو زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحقِ زکوٰۃ کو کسی قسم کے عہد وپیمان کے بغیر بطورِ تملیک دے دی جائے پھر اسکے بعد اس کے بعد اس کو مشورہ دیا جائے کہ اپنی بستی کا مدرسہ بہت غریب ہے، اگر تم یہ رقم مدرسہ میں اللہ کیلئے دے دو تو استاذ کی تنخواہ کا انتظام ہوجائے گا، اور تم کو اجرِ عظیم ملے گا۔ وہ غریب یہ مشورہ قبول کرکے رقم مدرسہ میں دیدے تو اس کے بعد وہ رقم تنخواہ میں دینا جائز ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۵۷ ج۵)

زکوٰۃ کی رقم اپنے استاذ کو دینا

سوال:۔ میرے استاذ معذور اور صاحب عیال ومقروض ہیں تو کیا ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

جواب:۔ بے شک یہ بہتر اور موجب اجر وثواب ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ بقدرِ ضرورت اپنے

استاذ صاحبِ عیال کو دیا جائے اور باقی دیگر غرباء و مساکین کو دے دیا جائے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۴ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۹۷ ج ۲)

زکوٰۃ کی رقم سے سفیر کی تنخواہ وغیرہ دینا

سوال:۔ ایک شخص مدرسہ میں بچوں کے لیے کھانا پکاتا ہے اور دوسرا شخص بچوں کے لیے کھانے کا سامان چاول گھی وغیرہ لے کر آتا ہے، زکوٰۃ کے پیسے اس کو بطورِ اجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مدرسے کا ایک سفیر ہے اس کے اخراجات میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر بچوں کو پڑھنے کے لیے دینا اور سال پورا ہونے پر ان سے واپس لے لینا درست ہے یا نہیں؟ اور پانی و بجلی و مکان کا ٹیکس زکوٰۃ کی رقم سے اداء کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم اجرت (کسی کام کے بدلہ) میں دینا درست نہیں ہے۔ مزدوری اور کرایہ میں بھی نہیں دی جاسکتی۔ سفیر کے اخراجات میں اور کھانے پینے میں یہ رقم صرف نہیں ہوسکتی، مستحقِ زکوٰۃ کو بلاعوض دی جائے، زکوٰۃ کی رقم سے کتب خانے کیلئے کتابیں خریدنا بھی جائز نہیں، بجلی، پانی اور مکان کے ٹیکس میں استعمال کرنے سے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، طلباء کو دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنے لیے کتابیں خرید لیں اور واپس لینے کی شرط نہ ہو۔
(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۳ ج ۵)

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم تبدیل کرنا

سوال:۔ زید مدرسہ کا چندہ کرتا ہے اور چندہ میں زکوٰۃ، فطرہ بھی ملتا ہے، چندہ کی مد میں زید کے پاس مثلاً پانچ ہزار روپے جمع ہو گئے اور اس نے اپنے گھر پر بھائی کو لکھ دیا کہ مدرسہ میں میرے نام لے کر پانچ ہزار روپے جمع کرادینا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ مقصدِ سوال یہ ہے کہ چندہ میں جو رقم جمع ہوئی ہے اس کے بدلے دوسری اتنی رقم مدرسہ میں جمع کرادی جائے تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مدرسہ کے چندہ کی رقم مدرسہ میں بھیجنے کے بجائے اپنے بھائی وغیرہ کو یہ لکھ دیا کہ پانچ ہزار روپے مدرسہ میں جمع کرادو، یہ صورت جائز ہے، اربابِ مدرسہ جب زکوٰۃ کی رقم

زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کریں گے اس وقت زکوٰۃ اداء ہوگی۔

نوٹ:۔ مدرسہ میں رقم جمع کرادینے کے بعد اگر مدرسہ کی رقم اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا چاہے تو استعمال کرسکتا ہے، مدرسہ میں رقم جمع کرانے سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۰ ج ۵)

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا

سوال:۔ چندہ کے لیے جانے والے بعض سفیر مالدار ہوتے ہیں، وہ اپنے ذاتی پیسے ختم ہوجانے کے وجہ سے چندہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتے ہیں، وہ گھر پہنچ کر صرف شدہ رقم اپنی طرف سے جمع کرادیتے ہیں، تو کیا اس طرح کرسکتے ہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی رقم سفیر خرچ نہیں کرسکتا۔ اسکو چاہئے کہ گھر سے منگوالے یا کسی سے قرض لے لے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۴ ج ۵ وفتاویٰ محمودیہ ص۲۲۴ ج ۱۲)

اگر سُفَراء کے ہاتھ سے زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوجائے؟

مسئلہ:۔ اگر مدارس کے سفراء کے ہاتھ سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے یا مہتمم کے ہاتھ سے چوری ہوجائے یا ضائع ہوجائے اور ان کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں رہی تھی تو ان لوگوں پر تاوان لازم نہ ہوگا اور مالک کی بھی زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔ اس لیے کہ یہ لوگ عملاً وعرفاً فقیر ضرورت مند یعنی مستحق طلبہ کے وکیل ہیں اور وکیل کا قبضہ گویا فقیر کا قبضہ ہے۔ اور اگر ان لوگوں نے حفاظت میں کوتاہی کی ہے یا زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کی ہے، یا اپنی رقم کے ساتھ مخلوط کردیا ہے تو ان لوگوں پر تاوان واجب ہوگا۔ اور اپنی جیب سے اتنی رقم فقراء کو دینا لازم ہوگا۔ (امداد مسائل زکوٰۃ ص۱۲۰ ورد المختار ص۲۶۹ ج ۲ وامداد الفتاویٰ ص۱۴ ج ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص۱۴۱ ج ۳)

طالب علم کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ردالمختار باب المصرف ص۸۱ ج ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم غنی (مالدار) کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، طالب علم کی مشغولی کی وجہ سے صرف یہ اجازت ہے کہ کسب یعنی

کمائی میں مشغول ہونا اس کو ضروری نہیں ہے۔ غریب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۴۴ ج ۶ واحسن الفتاویٰ ص ۲۵۲ ج ۴ وفقہ الزکوٰۃ ص ۳۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ فی سبیل اللہ میں اگر چہ طالب علم داخل ہو سکتے ہیں لیکن محتاج ہونا اس کا شرط ہے۔ (یعنی صاحب نصاب نہ ہو)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۲ ج ۶)

مسئلہ:۔ طالب علم غنی غیر مسافر کو زکوٰۃ دینا اور اس کو لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۳ ج ۶)

مسئلہ:۔ علامہ شامیؒ نے طالب علم غنی (مالدار صاحب نصاب) کے لیے بھی زکوٰۃ لینے کی حرمت کو راجح فرمایا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۰ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب المصرف ص ۸۱ ج ۲)

جو طلبہ علم دین کے ساتھ صنعت و حرفت وغیرہ سیکھتے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ خوراک ولباس طلبہ ومساکین میں خرچ ہو سکتا ہے، اگر چہ وہ صنعت وحرفت وعلم دین کیساتھ انگریزی بھی بغرضِ زبان دانی سیکھتے ہوں۔
(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۱ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۸۵ ج ۲ وفتاویٰ محمودیہ ص ۶۰ ج ۳)

جو طلبہ قوانینِ مدرسہ کی پابندی نہیں کرتے ان کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ قواعد مدرسہ جو طلبہ پر ضروری ہیں اگر وہ ان کے پورا کرنے میں کمی کریں تو زکوٰۃ جو ان کو دی جاتی ہے اداء ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قاعدہ مدارس کا یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال کی پہلے تملیک کرادی جاتی ہے پھر اس مالک (تملیک کرنے والے) کی طرف سے روپیہ مدرسہ کے مصارف کے لیے لے لیا جاتا ہے لہذا قواعد مدرسہ طلبہ کے متعلق جاری کرنے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ فرق نہیں ہوتا، زکوٰۃ پہلے ہی تملیک کے وقت اداء ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۱۵ ج ۲)

☆

جن طلباء کے بارے میں علم نہ ہو کہ مستحق ہیں یا نہیں ان کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر مہتمم مدرسہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے ماں باپ یا پرورش کرنے والے صاحبِ نصاب ہیں یا نہیں، تو اس صورت میں طالب علم کی استعانت مدِ زکوٰۃ سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ معلوم کرنا ضروری ہے لیکن اگر طالب علم خود کہے کہ میں غریب ہوں اور میرے والدین بھی غریب ہیں تو موافق اسکے کہنے کے اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۰ ج ۶ بحوالہ عالمگیری مصری ص ۱۹۰ ج ۱ باب المصارف)

مسئلہ:۔ طلبہ مستحقین کو زکوٰۃ کی رقم سے وظائف بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۰ ج ۶)

مسئلہ:۔ لیکن مالدار یعنی صاحب نصاب کے (نابالغ) بچوں کو زکوٰۃ کی رقم سے وظیفہ دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۹ ج ۶ بحوالہ عالمگیری ص ۱۷۷ ج ۱)

طالب علم کو سوال کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے مسکین طالب علم دین کو سوال کرنے کی اجازت تحریر فرمائی ہے، مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ عوام میں علمِ دین سے نفرت نہیں تھی، علمِ دین اور اسکے پڑھانے والوں سے نفرت کے اس دور میں طالب علمِ دین کو بھی سوال کی اجازت نہیں، اس میں دین کی تذلیل و تحقیر ہے، اہلِ ثروت (مالداروں) سے استغناء اور توکل علی اللہ ہونا چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۵۸ ج ۴)

طلباء کو زکوٰۃ دینے کے لیے ان کی اہلیت کی تفتیش کی جائے یا نہیں؟

مسئلہ:۔ یہ قید طلبہ میں بھی ہے کہ وہ بھی مصرفِ زکوٰۃ ہوں یعنی مالکِ نصاب نہ ہوں، سید نہ ہوں، اور اگر وہ طلبہ نابالغ ہیں تو ان کے والدین صاحبِ نصاب اور غنی نہ ہوں۔ بالغ کے

لیے تو ماں باپ کا غنی ہونا مانع نہیں ہے جب کہ وہ خود فقیر (صاحبِ نصاب نہ) ہوں اور زکوٰۃ سے کپڑے یا کتابیں اسی وقت دینا درست ہے کہ وہ مصرف زکوٰہ ہوں، غنی نہ ہوں، اور مالداروں کی اولاد صغار (بچے) نہ ہوں اس کی تحقیق کر لینی چاہیے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۱۹ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۸۸ ج ۲ باب المصرف)

کیا کھانا پکا کر کھلانے سے زکوٰۃ اداء ہو جائے گی؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ اداء ہونے کے لیے تملیک (اس کا مالک بنا دینا) شرط ہے، طلباء کو کھانا پکا کر کھلانے میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔ (کیونکہ ملکیت نہیں ہوئی جب تک کہ انکو کھانے کا مالک نہ بنایا جائے، بٹھا کر نہ کھلائے بلکہ کھانا دیدیا جائے) لہذا مستحق طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے اور ہدایت کی جائے کہ کھانے کی فیس ادا کریں پھر وہ رقم کھلانے میں خرچ کی جائے، اس طرح زکوٰۃ بھی اداء ہو جائے گی، اور طلباء کو کھانا بھی مل جائے گا، یا کھانا مستحقین کو دے کر مالک بنا دیا جائے، جیسا کہ دار العلوم دیوبند و سہارن پور میں ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۲ ج ۵ و فتاویٰ محمودیہ ص ۸۸ ج ۳)

مسئلہ:۔ اگر کھانا مستحقین کے ہاتھ میں دے دیا جائے کہ ان کو اختیار ہو، لے جانے کا اور وہ کھانا قیمت میں جتنی زکوٰۃ واجب تھی، اس قدر ہو، تب تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر (دعوت کے طریقہ پر) کھلایا جائے تو زکوٰۃ اداء نہ ہوگی، کیونکہ دعوت میں ملکیت نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر پکا ہوا کھانا یا سِلا ہوا کپڑا وغیرہ اتنی قیمت کا نہ ہو جتنی پر زکوٰۃ واجب تھی مثلاً کھانا یا سِلا ہوا کپڑا وغیرہ بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور اتنی زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

(امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۴۳ و فتاویٰ محمودیہ ص ۵۲ ج ۳)

مسئلہ:۔ جتنی زکوٰۃ واجب ہے، اگر اتنا سامان خورد و نوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالبِ علم (وغیرہ) کو دیدیا جائے (مالک بنا دیا جائے کہ کھائے یا کسی کو دے یا فروخت کرے دعوت کے طور پر نہ ہو تو) تب بھی زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۵ ج ۷ و در مختار ص ۲۵۷ ج ۲)

بلا تملیک مطبخ سے کھانا دینا

سوال:۔ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ کے روپے سے مطبخ قائم کرے اور بلا تملیک طلبہ مدرسہ کو کھانا کھلائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ طلبہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کھانے کو لے جائیں یا جو چاہیں کھلائیں؟ کون سی ایسی صورت ہوگی جس سے زکوٰۃ کا روپیہ اس کے مصرف میں صرف ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ صورت طلبہ کو کھانا کھلانے کی جو آپ نے لکھی ہے تملیک کی صورت نہیں ہے اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسکی تدبیر یہ ہے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس کی زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخلِ مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۴ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۶ ج ۲)۔

(مدارس والے جو زکوٰۃ کی رقم وصول کرتے ہیں ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ رقم زکوٰۃ یا تو ایسے بالغ بچوں کی ضروریات پر صرف کی جائے جو خود نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ ہوں، یا ایسے نابالغ بچوں پر خرچ کی جائے کہ جن کے والدین اتنے مال کے مالک نہ ہوں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے، اور نہ ہی زکوٰۃ کو بطور اجرت دی جائے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

کیا ملازمین مدرسہ کے مطبخ سے کھانا کھا سکتے ہیں؟

سوال:۔ بعض مدارس میں مدرسین کی تنخواہ میں خورد ونوش کے علاوہ (کھانے پینے کے) متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خورد ونوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ کے اندر بمدِ زکوٰۃ وصدقات کوئی مال آئے تو اسکا کھانا (مدرسین کے لیے) جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اساتذہ کھانے کی قیمت اداء کررہے ہیں؟

جواب:۔ حامداً ومصلیاً۔ جتنی مقدار اساتذہ جزواً تنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح دیگر ملازمین وغیر مستحقین پر صرف کرنے کا حال ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۲۳ ج ۱۲)

طلباء کے کھانا پکانے کی اُجرت مدِ زکوٰۃ سے دینا

مسئلہ:۔ جو باورچی صرف طلبہ کیلئے کھانا تیار کرتا ہو اسکی تنخواہ مدِ زکوٰۃ وعشر سے دی جا سکتی ہے۔(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۲ ج ۴)۔ (اس سے ایسے طلبہ مراد ہیں جو مستحقِ زکوٰۃ ہوں، انکے کھانے پکانے کی اجرت دینا جائز ہے، لیکن عام طور پر مدارس کے مطبخ سے مستحق وغیر مستحق اور مدرسین بھی کھانا کھاتے ہیں، اس لیے اس مسئلہ میں احتیاط ضروری ہے۔(رفعت قاسمی)

مؤذن وامام کو زکوٰۃ وعشر دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ مصرف عشر کا وہی ہے جو مصرف زکوٰۃ کا ہے، پس جیسا کہ زکوٰۃ کو امامت کی اجرت میں دینا ناجائز ہے، اسی طرح عشر وصدقۂ فطر بھی اجرتِ امامت میں دینا ناجائز ہے، اس صورت میں عشر وصدقۂ فطر وغیرہ صدقاتِ واجبہ ادا نہ ہوں گے اور عدم جواز کے قائلین تمام فقہاء عظام ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۷۶ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۷ ج ۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ اگر امام مسجد محتاج اور فقیر (صاحبِ نصاب نہیں) ہے تو زکوٰۃ دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔(بغیر اجرت کے)۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۵ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۸۶ ج ۱)

مسئلہ:۔ محض امام مسجد ہونے کی وجہ سے تو کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہو جاتا، امامت کی اجرت کے طور پر زکوٰۃ دینا بھی صحیح نہیں۔(آپ کے مسائل ص ۱۴۰ ج ۳ وفتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۶ ج ۷)

(مقصد یہ ہے کہ اگر امام مسجد ومؤذن غریب ہیں، صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینی اور لینی جائز ہے، اجرت کے طور پر نہ ہونی چاہئے، الگ سے محتاج سمجھ کر دی جائے اور وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں تو درست ہے۔ رفعت قاسمی)۔

امام کو رسم کے طور پر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں امام کے لیے کسی قسم کی تنخواہ مقرر نہیں کرتے بلکہ یہ رسم ہے کہ لوگ اس امام کو زکوٰۃ دیتے ہیں، پہلے سے یہ طے نہیں ہوتا کہ میں امامت کروں گا تو مجھ کو زکوٰۃ دینا۔ اس لیے امام کو زکوٰۃ دینا بھی معلوم ہے کہ رسم کی وجہ سے ہے اور قوم کو بھی۔ کیا زکوٰۃ ہو جاتی ہے؟

جواب:۔ اگر چہ امام صاحب سے یہ بات طے نہیں ہوئی کہ ان کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دی جائے گی لیکن چونکہ "المعروف کالمشروط" کے اصول کے مطابق کہ جو چیز پہلے سے ذہن میں طے شدہ ہے وہ ایسی ہے جیسے کہ اس کی شرط لگائی جائے۔

چنانچہ جب امام صاحب اور زکوٰۃ دینے والوں کے ذہنوں میں یہ بات پہلے سے ہے کہ اس امام کی تنخواہ مقرر نہیں کی جائے گی، اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاتی رہے گی، لہذا زکوٰۃ کی رقم سے امام کو تنخواہ یا بالفاظِ دیگر اس کی امامت کی اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کو امامت کی اجرت الگ دی جاتی رہے، پھر غریب محتاج ہونے کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ دے دی جائے تو صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۲ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے مبلغین کو وظائف دینا

سوال:۔ زکوٰۃ سے مبلغین انجمن تبلیغ و طلباء کو وظائف دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ طلباء مساکین کو وظیفہ دینا زکوٰۃ سے جائز ہے اور مبلغین کی تنخواہ دینے میں حیلۂ تملیک ضروری ہے، بغیر حیلہ دینا درست نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۴۴ ج ۶ بحوالہ رد المحتار باب المصرف ص ۸۱ ج ۲)

تبلیغی جماعت کے افراد پر زکوٰۃ صرف کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کر سکتے ہیں، اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے، لیکن مصرف صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵ ج ۳)۔ (یعنی تبلیغی افراد مستحقِ زکوٰۃ کو ہی مصرف سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ اور مصرف بھی تو ہیں۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

مسافر کو زکوٰۃ لینا اور دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ مسافر کو زکوٰۃ لینا درست ہے جب کہ اس کے پاس مال بقدرِ نصاب نہ ہو اگر چہ اس کے مکان پر ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۳ ج ۶ بحوالہ رد المحتار ص ۸۸ ج ۲ و کتاب الفقہ ص ۱۰۱۹ ج ۱)

مسئلہ:۔ ایک شخص اپنے گھر کا بڑا مالدار ہے لیکن سفر میں ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے پاس

خرچ نہیں رہا، سارا مال چوری ہو گیا یا کوئی اور وجہ ایسی ہوئی کہ اب گھر تک پہنچنے کا بھی خرچ نہیں رہا، ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ کا دینا درست ہے۔ ایسے ہی اگر حاجی کے پاس راستہ کا خرچ ختم ہو گیا اور اس کے گھر مین مال و دولت ہے، اس کو بھی زکوٰۃ کا دینا درست ہے۔

(امداد مسائل زکوٰۃ ص ۳۷ و عالمگیری ص ۱۸۶ ج ۱۰)

مسافر کا قرض زکوٰۃ سے اداء کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر وہ مسافر مالکِ نصاب نہیں ہے بلکہ مقروض ہے اور سید نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا اور اس قدر روپیہ زکوٰۃ کا دینا جس سے اس کا قرض اُتر جائے درست ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ "انما الصدقات الخ" (سورہ توبہ، ع ۸)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۱ ج ۶ بحوالہ ہدایہ باب من لا یجوز دفع الصداقات الیدص ۱۸۸ ج اوعلم الفقہ ص ۴۴ ج ۴)

مسافر کو رقم کے بجائے ٹکٹ خرید کر دینا

سوال:۔ ایک سیٹھ صاحب زکوٰۃ کو اس طرح دیتے ہیں کہ جس جگہ مسافر کو جانا ہوتا ہے اپنے آدمی کو اس کے ہمراہ بھیج کر اسٹیشن سے ٹکٹ دلا دیتے ہیں، نقد پیسے اس کے ہاتھ میں نہیں دیتے۔ اگر مسافر کسی عذر کی وجہ سے نہ جائے اور ٹکٹ کینسل ہو جائے تو کیا ان سیٹھ صاحب کی زکوٰۃ اداء ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ وہ آدمی سیٹھ صاحب کا جب کہ اس مسکین مسافر کی اجازت سے ٹکٹ خریدتا ہے تو وہ آدمی نائب اور وکیل اس مسکین کا قبض زکوٰۃ اور خرید ٹکٹ میں ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ آدمی وکیل اور نائب سیٹھ صاحب کا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ سیٹھ صاحب مذکور کی اس صورت میں اداء ہو جاتی ہے، پھر اگر وہ مسافر کسی عذر کی وجہ سے سفر میں نہ جائے اور ٹکٹ ردی (کینسل) ہو جائے تب بھی زکوٰۃ اداء ہو چکی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۹۷ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۴ ج ۲)

اپنے خادم کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم اپنے خادم و خادمہ کھانا پکانے والی کو اگر غریب ہو، دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اپنی خادمہ کھانا پکانے والی کو زکوٰۃ وفطرہ اس وجہ سے دینا کہ وہ محتاج وغریب ہے اور تنخواہ میں نہ دی جائے تو یہ درست ہے، البتہ تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (اگر وہ غریب ہو تو الگ سے دے سکتے ہیں)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۴۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب المصرف ص ۸۹ ج ۲)

مسئلہ: اپنے غلام و باندی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ جو لوگ شرعی باندی و غلام نہیں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر خادم و خادمہ جو گھروں میں رہتے ہیں وہ باندی غلام نہیں ہیں، ان کو زکوٰۃ دینا جبکہ وہ محتاج ہوں درست ہے۔ (لیکن تنخواہ میں نہ دی جائے بلکہ الگ سے دیں)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۵ ج ۶ بحوالہ بحرالرائق ص ۲۴۴ ج ۲ باب المصرف وعالمگیری ص ۱۹۰ ج ۱)

نوٹ:۔ بعض افراد مالِ زکوٰۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہیں جو کہ خلوص اور روحِ شریعت کے خلاف ہے، مثلاً اپنے نوکروں، خادموں کو جو کہ مستحقِ زکوٰۃ بھی ہیں بغیر معاوضہ کے اس خیال سے زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ دبیں گے اور احسان مند ہونے کی وجہ سے خوب کام کریں گے، بلکہ بعض دفعہ جب کام میں کمی دیکھتے ہیں تو زبان سے جتلانے لگتے ہیں کہ ”ہم تو تنخواہ کے علاوہ تیری مدد زکوٰۃ سے بھی کرتے ہیں مگر تو احسان فراموش ہے“۔ وغیرہ وغیرہ۔ مسئلہ کی رو سے زکوٰۃ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے، مگر مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی، کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے۔ ”ثمّ لایتبعون ماانفقوا منًّا ولا اذًی لھم. الخ (پارہ ۳ سورہ بقرہ، محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

نوکر کے اضافۂ تنخواہ کے مطالبہ پر زکوٰۃ سے دینا

سوال:۔ میرا ایک ملازم ہے جس نے تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا ہے تو میں نے زکوٰۃ کی نیت سے اضافہ کر دیا، اب وہ یہ سمجھتا ہے کہ تنخواہ میں اضافہ ہوا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ ملازم کی تنخواہ تو اس کے کام کا معاوضہ ہے، اور جب آپ نے تنخواہ بڑھانے کے نام سے اضافہ کیا تو وہ بھی کام کے معاوضہ میں ہوا، اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ جو تنخواہ طے ہو وہ ادا کرنے کے علاوہ اگر اس کو ضرورت مند اور محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۴ ج ۳)

خادم کو پیشگی رقم دے کر زکوٰۃ کی نیت کرنا

سوال:۔ میں نے اپنے ملازم کو کچھ رقم ایڈوانس (پیشگی) واپسی کی شرط پر دی، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ یہ رقم اداء نہیں کر سکے گا، اگر میں زکوٰۃ کی نیت کرلوں تو کیا زکوٰۃ اداء ہو جائے گی؟
جواب:۔ زکوٰۃ کی نیت دیتے وقت کرنا ضروری ہے، بعد میں کی ہوئی نیت کافی نہیں اس لیے آپ اس رقم کو زکوٰۃ کی مَد میں وضع نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کو اتنی رقم دے کر پھر خواہ اسی وقت اپنا قرض وصول کریں۔ (آپ کے مسائل ص ۳۸۴ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے خادمہ کو زیور دیدینا

سوال:۔ (۱) زید کے یہاں ایک یتیم لڑکی کو صرف روٹی کپڑا ملتا ہے تو زید زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لیے کچھ زیور یا کپڑا وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) اور جو عورت زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت کا سمجھے، اس کو دینا کیسا ہے؟
جواب:۔ (۱) یتیم لڑکی جس کی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی ہے صرف روٹی کپڑا دینا مقرر کیا گیا ہے اس کو زیور زکوٰۃ کے روپے سے بنوا دینا درست ہے، یا اس کو نقد دیدے، یہ بھی درست ہے کپڑا جو اس کا مقرر ہے وہ زکوٰۃ میں سے نہ بنائے۔ (۲) اور اس دوسری عورت خادمہ کو دینا درست نہیں ہے جو اس کو اپنی خدمت کو معاوضہ سمجھے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۱ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۷ ج ۲)۔ (کسی بھی خدمت کے معاوضہ میں زکوٰۃ لینا اور دینا درست نہیں ہے، زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ کی رقم دینا

مسئلہ:۔ لڑکی کے والدین جو کہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا روپیہ ان کو دے دیا جائے کہ وہ اس کو لڑکی کے نکاح میں صرف کردیں، یہ درست ہے اور خود اس لڑکی کو اگر برتن، زیور وغیرہ خرید کر دیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔
مسئلہ:۔ اگر شادی سے قبل یا بعد شادی کے اس لڑکی (جو غریب، صاحب نصاب نہ ہو) کو نقد دیدیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۴۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ لیکن اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ نصاب سے زائد نہ ہو، ورنہ مکروہ ہو جائے گا نیز اگر کسی نے نصاب کے برابر دیدیا ہے، یا متعدد افراد کے تھوڑا تھوڑا دینے سے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو پھر مستحق زکوٰۃ نہ رہنے کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔ (ایضاح المسائل ص ۱۱۷ بحوالہ درمختار (کراچی) ص ۳۵۳ ج ۲)

(اگر لڑکی کے والدین جو کہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں اگر ان کے پاس زکوٰۃ کی آئی ہوئی رقم نصاب کے برابر یا زائد ہو جائے تو اگر یہ رقم ان کے گھر کے اور افراد پر تقسیم کردی جائے تو ہر ایک کو نصاب کے بقدر نہ پہنچے تو پھر دینا جائز ہوگا۔

(طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۴۱۰ و کتاب الفقہ ص ۱۰۱۳ ج ۱، رفعت قاسمی)

زکوٰۃ کی رقم سے میت کی تجہیز وتکفین کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم سے میت کی تجہیز وتکفین جائز نہیں، بوقتِ ضرورت یہ صورت ہوسکتی ہے کہ میت کا ولی اگر زکوٰۃ کا مستحق ہو تو اس کو مدِ زکوٰۃ سے رقم دے دی جائے وہ اس سے تجہیز وتکفین وغیرہ کردے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۳ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۶۸ ج ۲ وفتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۶ ج ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص ۴۴ ج ۳ وکتاب الفقہ ص ۱۰۱۴ ج ۱)

مسئلہ:۔ میت کے کفن وغیرہ میں جو کچھ صرف کیا گیا وہ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا، وہ صدقہ نفلی رہے گا کیونکہ زکوٰۃ میں زندہ فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۳۴ ج ۶)

کیا میت کے کفن کا ثواب زکوٰۃ دہندہ کو بھی ہوگا؟

مسئلہ:۔ مستحقِ زکوٰۃ نے اپنی طرف سے تکفین میت وتعمیر مسجد وغیرہ کی تو ثواب دونوں کو حاصل ہوگا، شامیؒ نے یہ مطلب لکھا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ دینے کا ثواب حاصل ہوگا اور کفن ڈالنے کا ثواب اس فقیر (مستحقِ زکوٰۃ) کو ہوگا جس نے اپنی طرف سے کفن ڈالا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو تکفین کا بھی ثواب ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ ''الدال علیٰ الخیر کفاعله'' (ردالمختار ص ۱۶ ج ۲)

جامع صغیر میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ''اگر صدقہ سو ہاتھوں پر گزرے تو ہر ایک

کو ان میں سے ابتداءً دینے والے کی برابر ثواب ہوگا، بدون اس کے کہ ابتداء کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی ہو (یعنی کوئی کمی نہ ہوگی)۔ اور سو ہاتھوں پر گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے نے کسی کو صدقہ دیا، پھر اس نے دوسرے کو دے دیا اور اس نے تیسرے کو دیدیا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۷ ج ۶)۔

(بعض جگہ لاوارث مردہ کی تجہیز و تکفین کے لیے چندہ کرتے ہیں تو اس میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی، اگر وارث مردہ بھی ہو تب بھی زکوٰۃ اداء نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں ملکیت کی صلاحیت نہیں، ہاں اگر روپیہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کے غریب وارثوں کو دے دیا جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مردہ پر خرچ کریں تو زکوٰۃ اداء ہو جائے گی۔ رفعت قاسمی غفرلہٗ)

زکوٰۃ کی رقم سے مردہ کا قرض اداء کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو زکوٰۃ کی رقم سے براہِ راست اداء نہیں کیا جا سکتا، ہاں اگر اس کے وارث غریب مستحقِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے اور وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض اداء کر سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ص ۴۰۸ ج ۴)

مسئلہ:۔ مردہ کی طرف سے اسکا قرضہ اداء کر دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۸۸ ج ۱ و فتاویٰ عالمگیری ص ۳۹ ج ۴)۔ (کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں ہے جو ادائے زکوٰۃ کی اولین شرط ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

زکوٰۃ کا روپیہ مردہ کے ایصالِ ثواب کے لیے دینا

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ مردہ کو دینا اس طور سے کہ اس کی طرف سے کھانا پکوا کر فقیروں کو کھلایا جائے یا کپڑا محتاجوں کو دیا جائے درست نہیں ہے اپنی طرف سے ہی زکوٰۃ کی نیت سے دیا جائے، اسکا ثواب کسی میت کو نہ پہنچایا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۴ ج ۶)

اپنے غریب شوہر کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔(۱) عام طور پر بیوی کی کل کفالت شوہر کے ذمہ ہے اگر خدا نہ کرے شوہر غریب ہو جائے اور بیوی مالدار ہو تو شرعاً بیوی پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ (۲) مذکورہ شوہر کو بیوی سے زکوٰۃ لے کر کھانا کیا درست ہے؟

جواب:۔(۱) عورت پر شوہر کیلئے جو حقوق ہیں وہ شوہر کی غربت اور مالداری دونوں میں یکساں ہیں۔ شوہر کے غریب ہونے پر بیوی پر شرعاً یہ حق ہے کہ شوہر کی غربت کے پیشِ نظر صرف اس قدر نان ونفقہ (ضروری خرچ) کا مطالبہ کرے جسکا شوہر متحمل ہو سکے۔ البتہ اخلاقاً بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے شوہر کی امداد کرے یا اپنے مال سے شوہر کو کوئی کاروبار وغیرہ کرنے کی اجازت دے۔ (۲) چونکہ شوہر اور بیوی کے منافع عادتاً مشترک ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے چیزوں سے عموماً استفادہ کرتے رہتے ہیں اس لیے شوہر اور بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

(آپ کے مسائل ص ۳۹۵ ج ۳ وفتاویٰ دار العلوم ص ۲۹۲ ج بحوالہ شامی ص ۸۶ ج ۳)

مالدار بیوی کے غریب شوہر کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ زید کی بیوی کے پاس چار ہزار روپے کا سونا چاندی ہے لیکن خود زید مقروض ہے، مال زید کی بیوی کے پاس ہے۔ کیا زید زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

جواب:۔ زید دوسروں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مگر اس کی بیوی اس کو یعنی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ بہرحال شوہر اگر غریب ہے تو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے وہ مالدار نہیں کہلائے گا۔ (آپ کے مسائل ص ۳۹۵ ج ۳)

شادی شدہ عورت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک عورت جس کا شوہر زندہ ہے۔ غریب محنت مزدوری کرتے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ وخیرات وصدقہ دینا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر وہ غریب اور مستحق ہیں تو جائز ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۹۵ ج ۳)

مالدار اولاد والی بیوہ کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ایک عورت جو کہ بیوہ ہے لیکن اس کے لڑکے برسرِ روزگار ہیں۔اگر وہ لڑکے ماں کی امداد نہیں کرتے یا تھوڑی بہت کرتے ہیں جو اس کے لیے ناکافی ہے تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب:۔اس خاتون کے اخراجات اس کی اولاد کے ذمہ ہیں لیکن اگر وہ عورت نادار ہے اور لڑکے اسکی امداد اتنی نہیں کرتے جو اس کی روزمرہ ضروریات کے لیے کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔(آپ کے مسائل ص ۹۳۶ ج ۳)

مفلوک الحال بیوہ کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ:۔ مفلوک الحال بیوہ کے بھائی کو اگر قدرت ہے تو اسے چاہئے کہ اپنی بہن کے اخراجات برداشت کرے اگر وہ نہیں کرتا یا استطاعت نہیں رکھتا اور اس بیوہ کے پاس بھی نصاب کی مقدار سونا چاندی یا روپیہ پیسہ نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ نادار بھی ہے اور بے سہار ابھی، اس صورت میں اس کو زکوٰۃ وصدقات دینا ضروری ہے۔(آپ کے مسائل ص ۳۹۷ ج ۳)

برسر روزگار بیوہ کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ:۔اگر برسر روزگار بیوہ مقروض نہیں ہے، ملازم ہے تو زکوٰۃ نہیں لینی چاہئے تاہم اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس کو دینے سے زکوٰۃ اداء ہو جائے گی (آپ کے مسائل ص ۳۹۷ ج ۳)

بدکردار کی بیوی کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ:۔ایسی عورت بچوں والی جو اپنے خاوند کی عیاشانہ زندگی اور شراب خوری کی وجہ سے نہایت ہی عُسرت (تنگی) میں ہو، جب کہ وہ محتاج (ضرورت مند) ہے اور مالکِ نصاب بھی نہیں ہے، زکوٰۃ دینا درست ہے، بلکہ ایسی محتاج بچوں والی عورت کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۳ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۸۰ ج ۲)

بے روزگار کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ :۔ کام کاج نہ کرنے والے آدمی کی کفالت مالِ زکوٰۃ سے کرنا جائز ہے، زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۹۸ ج ۳)

معذور لڑکے کے باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال :۔ ایک سرکاری ملازم ہے اس کا لڑکا دماغی عارضہ میں مبتلا ہے، باپ اسکی کفالت کرتا ہے، کیا اسکو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

جواب :۔ اگر اس لڑکے کا باپ نادار ہے تو زکوٰۃ کا مستحق ہے، بعض عیال دار ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صاحبِ نصاب نہیں ہوتے اور ان کا روزگار بھی ان کے مصارف کے لیے کافی نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۱ ج ۳)

سفید پوش کو زکوٰۃ دینا

سوال :۔ ہمارے جاننے والوں میں ایک سفید پوش آدمی ہیں مگر مالی اعتبار سے بہت کمزور ہیں، ریڑھی لگاتے ہیں۔ کیا ہم ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

جواب :۔ ذاتی مکان اور ریڑھی لگانے کے باوجود اگر وہ نادار اور ضرورت مند ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ان کو بتانا شرط نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ تحفۂ ہدیہ کہہ کر دے دی جائے اور نیت زکوٰۃ کی کرلی جائے تب بھی زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔

(آپ کے مسائل ص ۴۰۱ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم غریب لڑکیوں کی تعلیم میں دینا

مسئلہ :۔ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے یعنی کسی محتاج کو اس کا مالک بنادینا چاہئے، پس غریب لڑکیوں کو اگر نقد یا کپڑا کھانا زکوٰۃ سے دے دیا جائے تو درست ہے، لیکن پڑھانے والوں کی تنخواہ یا دیگر ملازمین کی تنخواہ دینی زکوٰۃ سے درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۵ ج ۶ بحوالہ ردالمختار باب المصرف ص ۸۵ ج ۲)

کثیر العیال کوزکوٰۃ کی رقم دینا

سوال:۔ میں امام ہوں، مسجد کی تنخواہ سے گھر کا گزر چلانا مشکل ہے، کثیر العیال اور قرض دار بھی ہوں، ایک شخص مجھے زکوٰۃ کی بڑی رقم دینا چاہتا ہے تو میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دی جائے جو نصاب سے کم ہوں، اتنا دینا کہ غریب صاحبِ نصاب اور مالدار ہو جائے مکروہ ہے، ہاں اگر وہ شخص قرضدار ہو یا کثیر العیال ہو (بچے زیادہ ہوں) تو اس کو اتنے پیسے دینا کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب نہ بچے یا اپنے اہل وعیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو نصاب کی مقدار سے کم پہنچے تو ایسے شخص کو نصاب سے زیادہ دینا بلا کراہت جائز ہے۔

(طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۴۱۶ ج ۱ کتاب الفقہ ص ۱۰۱۳ ج ۱)

مسئلہ:۔ جس شخص کی ماہواری آمدنی معقول ہو لیکن سال بھر تک اس کے پاس قدر نصاب جمع نہیں رہتا ہے اور وہ صاحب زکوٰۃ نہیں ہے، ایسے شخص کو مال زکوٰۃ یا صدقہ نافلہ دینا درست ہے اور اس کو لینا بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۳ ج ۶ بحوالہ عالمگیری باب المصارف ص ۱۸۹ ج ۱)

مال دار ضرورت مند کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ ایک شخص نے اپنا روپیہ لوگوں کو قرض دے رکھا ہے جو کسی میعاد ہی پر وصول ہو سکتا ہے اور اسی دوران میں اسکو اخراجات کے لیے پیسے کی ضرورت ہے تو اس وقت یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے، مگر اتنی جو اپنے قرض کی میعاد پوری ہونے تک اسکے اخراجات کو کافی ہو، اگر قرض غیر معیادی ہے اور جسکو اس نے قرض دیا ہے اور وہ محتاج ہے تو اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ اس وقت مسافر کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس کا قرض دار پیسے والا آدمی ہے اور اس کے قرض کو تسلیم کرتا ہے تو اب اس شخص (مالدار ضرورت مند) کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں، اگر وہ قرض دار قرض کو تسلیم نہ کرے اور قرضے کے گواہ عادل ہوں تو تب بھی یہی حکم ہے، ہاں گواہ غیر عادل ہوں تو اس وقت تک یہ شخص زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتا، جب تک

یہ شخص قاضی کے یہاں دعویٰ نہ پیش کرے، اور قاضی قرضدار سے اسکے انکار پر قسم نہ لے، قرض دار کے قسم کھانے کے بعد اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ (قاضی خاں۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰۰ ج ۴)

بے نمازی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ :۔ بے نمازی محتاج کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ حنفیہؒ کے نزدیک نماز چھوڑنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا ہے، البتہ نماز کا چھوڑنا فسق اور گناہ کبیرہ ہے، مگر کفر نہیں ہے، لہٰذا تارک نماز کو جب کہ وہ محتاج ہو زکوٰۃ دینا درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور کثر ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۴ ج ۲ بحوالہ مراقی الفلاح باب الوتر و فتاویٰ دار العلوم ص ۳۰۵ ج ۶ و ہدایہ ص ۱۸۶ ج ۱)

نشہ کے عادی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال :۔ ایک شخص نہایت مفلس اور غریب ہے لیکن بھنگ و افیون کا از حد مرتکب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ یہ ظاہر ہے کہ صدقات و خیرات صلحاء کو دینا افضل ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ "**ولیا کل طعامکم الابرار**" یعنی تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں۔

لیکن فاسق و فاجر شراب خور جب کہ مفلس ہے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اگر چہ بہتر یہ ہے کہ صلحاء فقراء کو دے، بہر حال ادائے زکوٰۃ میں کچھ تامل نہیں، بہتر ہونا دوسری بات ہے اور مفلس محتاج اگر چہ فاسق ہو، اس کے دینے میں ثواب ہے جیسا کہ آیا ہے کہ "ہر ایک ذی روح کو دینے میں اجر ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۳۵ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۹۷ ج ۲ باب المصرف)

(البتہ اگر یہ یقین کامل ہو کہ وہ شراب پینے پر یہ رقم صرف کرے گا۔ تو اسے دینا درست نہیں ہے قرآن کریم میں ہے۔ **ولا تعاونو علی الاثم والعدوان**۔

(پارہ ۶ سورہ المائدہ۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

غیر مسلم فقیروں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کا کافروں کو دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی تعریف درمختار وغیرہ میں یہ ہے کہ۔ **تملیک جزء مال عینه الشارمن مسلم فقیر الخ**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے مال کا ایک حصہ جو کہ شارع علیہ السلام نے معین فرمایا ہے مثلاً چالیسواں حصہ مسلمان محتاج کو دیا جائے۔

پس معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے اداء کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ مسلمانوں کو ہی دی جائے جو کہ مصرف زکوٰۃ ہوں اور آیت کریمہ "**انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین**" (سورہ توبہ رکوع ۸) آیت میں فقراء و مساکین سے مراد مسلمان فقراء و مساکین ہیں۔ باجماع اُمت۔ البتہ نفلی صدقہ ذمیوں یعنی کافروں کو دیا جا سکتا ہے، ایسا ہی لکھا ہے درمختار میں بھی کہ زکوٰۃ وعشر وخراج کے علاوہ دوسرے صدقات کافر کو دینا درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۷ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۲ ج ۲ و کفایت المفتی ص ۲۶۳ ج ۴)

مسئلہ:۔ ہندو مسلم (غیر مسلم) فقیر محتاج کو اللہ کے واسطے دینا درست ہے لیکن زکوٰۃ کا روپیہ ہندو کو دینا درست نہیں (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۰۴ ج ۶ بحوالہ ہدایہ ص ۱۸۷ ج ا و فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ ہندو مفلس کے ذمہ کسی غریب مسلمان کا قرضہ ہو تو زکوٰۃ کی رقم سے ادا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۴۲ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۱ ج ۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا مصرف صرف مسلمان ہیں کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اگر حکومت زکوٰۃ کی رقم غیر مسلموں کو دیتی ہے اور صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی تو اہل زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ (آپ کے مسائل ص ۴۰۳ ج ۳ و معارف القرآن ص ۳۹۷ ج ۴ فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۰ ج ۷)

غیر مسلموں کی تعلیم گاہ میں زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ اس صورت میں (یعنی غیر مسلموں کے مدرسہ میں دینے سے) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زکوٰۃ مسلمان محتاج کو دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۴۸ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۲ ج ۲ باب المصرف)

بلالحاظ مذہب زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ زکوٰۃ کی رقم بلا مذہب وملت عام محتاجوں ومعذروں کو دینا کیسا ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ میں مسلمان محتاج (ضرورت مند) کو مالک بنانا زکوٰۃ کی رقم کا ضروری ہے، پس جس موقع میں شبہ ہو کہ مسلمانوں کو پہنچے گا یا غیر اہل اسلام بھی شریک ہوں گے اور کسی کی ملک نہیں کیا جائے گا تو ایسے مواقع میں حیلہ تملیک کرالیا جائے اور پھر وہاں روپیہ زکوٰۃ کا دیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۶۲ ج ۶ و عالمگیری ص ۱۸۶ ج ۱)

ملحد اور مرتد کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا اور نبوت کا اور آخرت کا منکر ہو وہ بھی کافر محارب (دشمن اسلام) ہی کی طرح ہے اسے بھی زکوٰۃ میں سے دینا اس کی دین دشمنی میں تعاون کرنا ہے، اور جو شخص مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہو وہ تو اسلام کی نظر میں زندگی ہی کا مستحق نہیں ہے، چہ جائے کہ اسکی زکوٰۃ کی مد میں سے اعانت کی جائے، اس نے اس قدر بڑا جرم کیا ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے اس قدر عظیم خیانت کی ہے کہ وہ معاشرے میں زندہ رہنے کا حق کھو بیٹھا ہے، چنانچہ فرمان نبوت ہے کہ۔ "جو شخص (مسلمان) اپنا دین تبدیل کر دے اُسے قتل کرو" (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۹ ج ۲)

مسکین کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ:۔ جو شخص مالک نصاب نہ ہو اور وہ محتاج ہو، اس کو فقیر و مسکین کہتے ہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۹۴ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۸۰ ج ۲ و فقہ الزکوٰۃ ص ۱۵ ج ۲)

(اصطلاح میں مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بالکل بد حال ہو اور جو صاحب نصاب نہ ہو مگر کھاتا پیتا ہو اصطلاح میں اس کو فقیر کہتے ہیں، اردو کے محاورہ میں مسکین اور فقیر ایک ہی معنی میں بولا جاتا ہے یعنی جو زکوٰۃ کا مستحق ہو، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا مقدار نصاب سے کم ہو، اس کو اصطلاح شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں، وہ زکوٰۃ اور فطر کا مستحق ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۱۴ ج ۱۳)

''فقیر'' اور ''مسکین'' میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ ''فقیر'' کو سوال کرنے (مانگنے) میں عار نہیں ہوتا، لیکن ''مسکین'' کو اُس کی خودداری اور عفّت نفس، طلب والحاح کی اجازت نہیں دیتی، صحیحین کی ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے ''مسکین'' کی یہ تعریف کی ہے۔

''والذی لا یجد غنی یغنیه ولا یفطون فیصدق علیه ولایقوم فیسال الناس''۔

(۱) جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ مالدار کر دیں۔

(۲) جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں۔

(۳) جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ (حقیقت الزکوٰۃ ص ۲۱ مولانا ابوالکلام آزاد و کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۰۱۲ ج ا و فتاوی محمودیہ ص ۱۴۶ ج ۱۱)

یقینی مساکین کون ہیں؟

قوم کے ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگر چہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں، نہ تو نوکری (ملازمت) ہی ملتی ہے، نہ کوئی اور ارادہ معیشت نکلتی ہے، یقیناً ''مساکین'' میں داخل ہیں، اور اس مد کے اولیّن مستحق ہیں، لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ان میں بے کاری کی عادت اور اپاہج پن بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف ان کی اعانت میں، بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔ (حقیقت الزکوٰۃ ص ۲۳ و علم الفقہ ص ۳۴ ج ۴)

حکمی مساکین کون ہیں؟

ایسے افراد جو خوش حال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں، اگر چہ اپنی پچھلی حیثیت کی بناء پر معزز سمجھے جاتے ہیں، حکماً ''مساکین'' میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اِس زکوٰۃ کی مد سے ان کی خبر گیری کی جائے۔ (حقیقت الزکوٰۃ ص ۲۳)

پیشہ ور فقیروں کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ ایسے پیشہ ور فقیر کو جو محنت و مزدوری کر سکتا ہے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور فقیروں

میں مستحق اور غیر مستحق کے درمیان کوئی امتیاز بھی نہیں ہوتا؟

جواب:۔ اگر وہ گداگر (غریب فقیر) صورت حال سے محتاج معلوم ہوتے ہیں تو ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر چہ فی الحقیقت وہ مستحق نہ ہوں، دینے والے کو بہ قاعدہ "انما الاعمال بالنیات" کا ثواب حاصل ہوگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۹ ج ۶ بحوالہ رد المحتار باب المصرف ص ۹۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ جس کو زکوٰۃ دی جائے اگر وہ صورت فقیرانہ و مفلسانہ رکھتا ہے اور یا فقیروں کے ساتھ مل کر آیا، یا اس نے سوال کیا اور اس پر زکوٰۃ دینے والے نے اس کو زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غنی (مالدار) تھا اور مصرف زکوٰۃ نہ تھا۔ (جب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۸ ج ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۲۰ ج ۱۱)

جو فقیر ناجائز کاموں میں خرچ کریں ان کو دینا؟

سوال:۔ جن فقیروں کی نسبت غالب گمان ہو کہ وہ خیرات یا زکوٰۃ لے کر ناجائز کاموں میں صرف کرتے ہیں ان کو دینا کیسا ہے؟

جواب:۔ گمان غالب اگر ایسا ہے تو بے شک ان کو زکوٰۃ وخیرات دینا ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ یہ اعانت علی المعصیہ (گناہ پر مدد کرنا) ہے اور اعانت علی المعصیہ حرام ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**۔ (سورہ المائدہ پارہ ۹) (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۹ ج ۶)

مسئلہ:۔ چور اور زانیہ کو بوجہ لاعلمی کے زکوٰۃ وصدقات دینے سے ثواب حاصل ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ باوجود علم دینا نہ چاہیے، اور اگر دیا جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۸ ج ۶ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۵ ج ۱)

مال دار فقیر کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ ہمارے یہاں مساکین وفقراء ایسے نہیں جو صدقہ فطر وغیرہ لینے کے قابل ہوں، کیونکہ وہ صاحب نصاب ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے، مالداروں سے بدرجہا بہتر ہیں،

ایسے فقیر، کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا مدارس اسلامیہ میں خرچ کرنا چاہیے؟

جواب:۔ ایسے نام کے فقیروں کو جو مالدار صاحب نصاب ہیں صدقۃ الفطر اور زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ نہ دینا چاہیے، بلکہ مدرسہ میں دے کر طلباء مساکین وغرباء پر صرف کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۶ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ۹ ۷ ج ۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ ایسے فقیروں کو زکوٰۃ دینا جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ وگ اکثر متمول ہوتے ہیں، دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۰۴ ج ۶)

جو فقیر کمانے پر قادر ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کے مستحق ہونے کا مدار حاجت پر ہے کہ کسی شخص کے پاس اس قدر مال ہو جس سے اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اس اصول کے مد نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حاجت مند ہو لیکن کام نہ کرتا ہو اور معاشرے پر بوجھ بن کر محض زکوٰۃ اور صدقات پر گزر کرنا چاہتا ہو۔ حالانکہ جسمانی لحاظ سے وہ محنت کرنے کے قابل ہو تو کیا ایسے شخص کو صدقات دی جا سکتی ہے؟

جمہور فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ کسب یعنی کمانے کے قابل فقیر کا زکوٰۃ لینا (اور دینا) جائز تو ہے لیکن جب تک اس کے پاس زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ موجود ہو اس کے لیے نہ لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۸ ج ۲ بحوالہ مجمع الانہار ص ۲۲۰)

مسئلہ:۔ جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو، اسے زکوٰۃ دینا درست ہے اگر چہ وہ صحیح اور کمانے کے قابل ہو، کیونکہ وہ فقیر ہے اور فقراء مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں، نیز یہ کہ حقیقی حاجت کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ اس لیے نصابِ زکوٰۃ کے مالک نہ ہونے کو حاجت مند ہونے کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۶ جلد ۲)

یتیم خانہ میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ نابالغوں کو زکوٰۃ دینا درست ہے، پس یتیم خانہ میں یتامیٰ کے خرچ کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۵۷ ج ۲ بحوالہ ردالمختار ص ۹ ۷ ج ۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ یتیم نابالغ مفلس کے مصارف میں صرف کرنے کے لیے ولی یعنی سرپرست کو دینا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۵۹ ج ۶ و فقہ الزکوٰۃ ص ۴۰۰ ج ۲ فتاویٰ محمودیہ ص ۹۰ ج ۳)

مسئلہ:۔ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک زکوٰۃ کی رقم صرف ہوسکتی ہے۔ (معارف القرآن ص ۴۰۹ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر وہ (یتیم) لڑکا سمجھ دار ہے، روپیہ پر قبضہ کرسکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے (زکوٰۃ کی رقم) اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لے کے (سرپرست) رکھ سکتا ہے۔، اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اور طرح سے ضائع کر دے گا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لیے دے دیا جائے اور اگر وہ ناقابل اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی چچا (معتمد وغیرہ) اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش کرنے والے کا قبضہ بطور امانت رکھ سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ولی (سرپرست) نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں لیا تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ ولی نے زکوٰۃ کا اپنی طرف سے نکالا ہے وہ جب تک بطور تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کردے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (فتاویٰ محمودیہ ص ۹۰ ج ۳)

زکوٰۃ کی رقم سے یتیم خانہ کی تعمیر کرنا؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم سے یتیم خانہ کی تعمیر نہیں ہوسکتی اور ایسا سامان بھی نہیں خریدا جاسکتا جو بطور تملیک کے مستحقین کو نہ دیا جاتا ہو مثلاً یتیم خانہ کے پلنگ، فرش، فرنیچر، برتن وغیرہ اور زکوٰۃ کا روپیہ یتیم خانہ کے ملازمین کی تنخواہ کے طور پر خدمات مفوضہ کے عوض بھی نہیں دیا جا سکتا، ہاں یتیم کے کھانے، خوراک ولباس میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا وظائف کی شکل میں نقد دیا جاسکتا ہے۔ کفایت المفتی ص ۲۷۹ ج ۴)

رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ کن کن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کن کو ناجائز ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لیے حلال نہیں ہے اور آنحضرت کے خاندان سے

مراد ہیں آل علیؓ، آلِ عقیلؓ، آلِ جعفرؓ، آلِ عباسؓ، اور آل حارث بن عبدالمطلب۔ پس جو شخص ان پانچ بزرگوں کی نسل سے ہو اُس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اگر وہ غریب اور ضرورت مند ہو تو دوسرے فنڈ سے ان کی خدمت کرنی چاہیے۔ (آپ کے مسائل ص ۳۹۰ ج ۳ وعلم الفقہ ص ۴۶ ج ۴)

سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال:۔ سید یا ہاشمی اگر انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو اسکو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اہل محلّہ میں اتنی مروّت بھی نہیں کہ غیر زکوٰۃ سے ان کی حاجت پوری کر دیں، اگر کسی کا والد انتہائی غربت کے عالم میں ہو تو کیا اسکو بھی مدز کوٰۃ ہی سے دے گا؟ (احسن الفتاویٰ ص ۲۷۹ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۲۷ ج ۲ و کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۰۱۵ ج ا و فتاویٰ محمودیہ ۵۴ ج ۳)

مسئلہ:۔ حنفیہؒ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۲ ج ۶)

مسئلہ:۔ مفتیٰ بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثل چرم قربانی وصدقہ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، یہ قول صحیح نہیں ہے جو کہ کسی نے کہا ہے کہ بعض حالات میں مباح ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۳۹ ج ۶ بحوالہ ردالمختار ص ۹۰ ج ۲ باب المصرف)

مسئلہ:۔ سید کو زکوٰۃ عشر کا روپیہ وغلّہ دینا درست نہیں ہے ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں، حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سید غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں لہٰذا تم کو دیتے ہیں۔ اگر تم یہ تمام یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دیدو تو بہتر ہے اور وہ لے کر دیدے تو سید کے لیے جائز ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۷۲ ج ۴)

مسئلہ:۔ اس زمانہ میں بھی بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے پر احقر فتویٰ منع پر ہی دیتا ہے، اگر ضروری ہو تملیک کر کے بنی ہاشم کو دیدی جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۵۱ ج ۲)

جس کی ماں سید ہو اُس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کی صرف ماں سید ہو، باپ سید نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اس لیے کہ نسب والد کی طرف سے ہوتا ہے، جس کا والد سید نہ ہو وہ صرف والدہ کی طرف سے سید نہیں ہو سکتا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۷۹ ج ۴ بحوالہ ردالمختار باب الکفارۃ ص ۳۴٦ ج ۲)

جو شجرۂ نسب نہ رکھتا ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ زید اپنے آباؤ اجداد سے یہی سنتا آیا ہے کہ ہمارا سلسلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، لیکن زید کے پاس کوئی مکمل شجرۂ نسب نہیں ہے، جس سے صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ ہم واقعی سید ہیں تو اس صورت میں زید کو مال زکوٰۃ لینا (جب کہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے) درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ثبوت نسب کے لیے عام شہرت کافی ہے، شجرہ ہونا ضروری نہیں لہٰذا زید کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۷۹ ج ۴ و کفایت المفتی ص ۲۵۵ ج ۴)

جو سید مشہور ہو، اُس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ جو شخص سید کہلایا جاتا ہے مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے یہاں تعزیہ داری وغیرہ ہوتی ہے اس کے سبب سے سید کہلاتا ہے، اور ان کی قرابتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں، ان میں ہوتی ہیں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ صرف تسامع (سنی سنائی بات) کافی ہے جبکہ مکذّب بین نہ ہو (یعنی اس کے خلاف جھٹلانے والا نہ ہو)۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۸ جلد ۲)

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی عقلی وجہ

مسئلہ:۔ زکوٰۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل (اولاد) کو اس سے ملوث کرنا مناسب نہ تھا، اگر وہ ضرورت مند ہوں تو پاک مال سے انکی مدد کی جائے، نیز

آپ ﷺ کی آل کو زکوٰۃ دینے کا حکم ہوتا تو ایک ناواقف کو وسوسہ ہوسکتا تھا کہ یہ خوب صورت نظام اپنی اولاد ہی کے لیے (معاذ اللہ) جاری تو نہیں فرما گئے؟۔

نیز اس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کی آل کو زکوٰۃ دینا جائز ہوتا تو لوگ آپ کے رشتہ وقرابت کی بناء پر انہی کو ترجیح دیتے، غیر سید کو دینے پر ان کا دل مطمئین نہ ہوتا، اس سے دوسرے فقراء کو شکایت ہوتی۔ (آپ کے مسائل ص۳۹۱ ج۳ وفقہ الزکوٰۃ ص۲۴۲ ج۲)

مسئلہ:۔ سید کو زکوٰۃ نہ دینے میں ایک راز یہ ہے کہ آنحضرتؐ خود بنفس نفیس صدقہ لیتے اور اُسے رشتہ داروں اور ان لوگوں کے لیے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے، تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپؐ سے بدگمان ہوتے اور آپؐ کے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں، اس لئے آنحضرتؐ نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ زکوٰۃ ان ہی کے مالداروں سے لے کر ان ہی کے فقراء کو واپس کر دی جائے۔

(اسرارِ شریعت ص۳۰۵ ج۱)

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی نقلی وجوہات

مسئلہ:۔ زکوٰۃ اور فطرہ سید کو مجبوری میں بھی لینے کی اور دینے کی اجازت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، حدیث شریف میں اس کو ''اوساخ الناس'' کہا گیا ہے یعنی لوگوں کا میل کچیل۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ یہ صدقات محمد (ﷺ) اور آل محمدؐ کے لیے حلال نہیں ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱ ج۱)

اس حدیث شریف میں سادات کے لیے حرمت زکوٰۃ کی علت اوساخ الناس بیان فرمائی ہے۔ بیت المال سے ان کے لیے وظائف کا مقرر ہونا بیان نہیں فرمایا گیا اور یہ علت آج بھی قائم ہے، اس لیے ان کے لیے حرمت زکوٰۃ کا حکم آج بھی باقی ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اور سادات کرام کا احترام بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے بچپن کے زمانے میں صدقہ کی ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی تو آپؐ نے ان کے منہ سے نکلوادی اور فرمایا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱ ج۱)

درمختار و شامی میں ہے کہ جائز نہیں ہے زکوٰۃ بنی ہاشم کو پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا مطلقاً ممنوع ہے، خواہ بن ہاشم، بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر دے۔ اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے۔ لہٰذا صاحب حیثیت اور اہل خیر حضرات کو لازم ہے کہ وہ سادات کی للہ رقوم سے امداد کریں اور ان کو مصیبت و تکلیف سے نجات دلائیں کہ یہ بڑا اجر و ثواب کا کام ہے، اور حضورؐ کے ساتھ محبت کی دلیل ہے، ورنہ مؤاخذہ کا اندیشہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۸ ج ۵ و فتاویٰ محمودیہ ص ۱۵۵ ج ۷)

سیّد کا سید کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ کیا سیّد مالدار اپنے غریب مسکین سید رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حامداً و مصلیاً۔ ناجائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۳ ج ۳ بحوالہ شامی ص ۶۶ ج ۱)

سیّد کی بیوی کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ ہمارے ایک عزیز جو کہ سیّد ہیں، جسمانی طور پر بالکل معذور ہیں، کمانے کے قابل نہیں، ان کی بیوی جو کہ غیر سیّد ہیں، گھر کا خرچ چلاتی ہیں، سوال یہ ہے کہ ان کی بیوی غیر سیّد ہیں اور گھر کی کفیل ہیں، تو باوجود اس کے شوہر اور بچے جو کہ سیّد ہیں ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ بیوی اگر غیر سید ہے اور وہ زکوٰۃ کی مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اس زکوٰۃ کی مالک ہونے کے بعد وہ اگر چاہے تو اپنے بچوں اور شوہر پر خرچ کر سکتی ہیں۔

(آپ کے مسائل ص ۳۹۲ ج ۳)

سیّدہ عورت کی اولاد کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ سادات کی لڑکی کی شادی صدیقی سے ہو جائے تو بچے سید نہیں بلکہ صدیقی ہیں۔ (بیوہ کے) ان بچوں کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور بیوہ اپنے ان بچوں کے لیے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے، اپنے لیے نہیں۔ (آپ کے مسائل ص ۹۲ ج ۳)

سیّد کا قرض مال زکوٰۃ سے ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ایک سیّد کے ذمہ ایک مسلمان کا قرض ہے، کیا وہ قرضہ مدز کوٰۃ سے ادا کرسکتا ہے؟

جواب:۔اس صورت میں زکوٰۃ کے روپیہ سے قرض ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ص۲۴۲ ج۶)

کیا سیّد کو اضطراری حالت میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

مسئلہ:۔ اگر سیّد کو اضطراری حالت ہو، فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں زکوٰۃ جائز ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان **فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لإثم** (پارہ ۶)

گو حدیث سے فتویٰ یہ ہی ہے کہ سید کو زکوٰۃ نہ دی جائے ، اگر سید کو اور قسم کا رزق (مال) آتا ہو، اُسے زکوٰۃ لینے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے۔

(اسرار شریعت ص۳۰۷ ج۱)

اگر غلطی سے سیّد کو زکوٰۃ دے دی گئی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔زید ہاشمی ہے، اس کو کسی نے زکوٰۃ دے دی اب زید کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب:۔اگر دینے والے نے غور وفکر کے بعد مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی تھی اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔مگر زید کو اس چیز کے زکوٰۃ کے ہونے کا علم ہوگیا تو اس پر لازم ہے کہ جس نے زکوٰۃ دی تھی اس کو واپس کردے۔(احسن الفتاویٰ ص۲۸۰ ج۴ بحوالہ ردالمختار ص۹۴ ج۲)

شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب:۔شیعہ اور قادیانی کافر ہیں، بلکہ دوسرے کفار سے بھی بدتر ہیں، اور کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں شیعہ اور قادیانی کو زکوٰۃ دینا سخت گناہ ہے، اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ ان کو کسی قسم کا بھی صدقہ نہ دینا چاہیے۔(احسن الفتاویٰ ص۲۸۱ ج۴ بحوالہ ردالمختار ص۲۳۳ ج۲)

مستحق کی تصدیق کرنا کیسا ہے

سوال:۔رشتہ دار واحباب واقارب جو بظاہر مستحق زکوٰۃ نظر آتے ہیں یہ کس طرح تصدیق کی جائے کہ یہ صاحب نصاب ہیں یا نہیں؟
جواب۔ظاہر کا اعتبار ہے پس اگر ظاہر حال کے مطابق دل مانتا ہے کہ یہ شخص مستحق ہوگا، اس کو زکوٰۃ دے دی جائے۔(آپ کے مسائل ص ۲۹۳ ج ۳)

رشتہ دار مسکین کو زکوٰہ دینا؟

سوال:۔میرا ایک بھائی بہت نادار اور ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہے، اس کا آمدنی کچھ بھی نہیں تو کیا میں پوری رقم زکوٰۃ اس کو دے سکتا ہوں؟
جواب:۔اُس کو دینا زیادہ ثواب ہے مگر یکمشت اتنی رقم نہ دیں کہ وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے، کچھ رقم دیں، جب وہ خرچ ہو جائے تو مزید دے دیں، البتہ اگر وہ عیالدار بھی ہے تو بیک وقت اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ کل افراد پر تقسیم کی جائے کسی کے پاس بھی نصاب پورا نہ۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۲ ج ۴ بحوالہ ردالمختار ص ۵۷ ج ۲)

(زکوٰۃ وغیرہ حتی الامکان ایسے لوگوں کو دی جائے جو مانگتے نہیں، آبرو کے لیے گھر بیٹھے ہیں اور مستحق بھی ہیں، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

معمولی آمدنی والے کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ایک عزیز معمولی حیثیت کا کام کررہے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟
جواب:۔اگر وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں (صاحب نصاب نہیں) تو زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔(آپ کے مسائل ۳۹۳ ج ۳)

بھائی کو زکوٰۃ دے کر باپ پر خرچ کروانا؟

مسئلہ:۔بھائی کو زکوٰۃ دینا (جب کہ صاحب نصاب نہ ہو) صحیح ہے مگر اس سے یہ فرمائش کرنا کہ وہ فلاں شخص (باپ) پر خرچ کرے، غلط ہے۔جب اس نے بھائی کو زکوٰۃ دیدی تو

وہ اس کی ملکیت ہوگئی اب وہ اس کا جو چاہے کرے، اور اگر بھائی کو زکوٰۃ دینا مقصود نہیں بلکہ والد کو دینا مقصود ہے اور بھائی محض وکیل ہے تو بھائی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔
(آپ کے مسائل ص ۳۹۴ ج ۳)

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرف زکوٰۃ یعنی صاحب نصاب اور سیّد نہ ہو، درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۶۸ ج ۷)

اپنی ناجائز اولاد کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ زانی کا اپنے اس بیٹے کو زکوٰۃ دینا درست نہیں جو زنا سے پیدا ہوا ہو، اور اس طرح اس بیٹے کو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کا وہ انکار کر چکا ہے۔ (خواہ وہ لڑکا ام ولد سے ہو یا لعان کے ذریعہ اس کا انکار عمل میں آیا ہو) البتہ اس لڑکے کو دینا جائز ہے جو ایسی عورت کا لڑکا ہے جس کے خاوند کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں۔ (ردالمختار ص ۱۰۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچہ کی ولادت یعنی پیدائش ہو تو وہ شرعاً حرامی ہے، مگر جس کے نطفہ سے وہ بچہ ہے وہ شخص اس بچہ کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتا، اگر دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۱ ج ۳ بحوالہ شامی ص ۹۴ ج ۲ عالمگیری ص ۳۹ ج ۴)

جس کو دودھ پلایا اس کو زکوٰۃ دینا؟

مسئلہ:۔ جس بچے کو (کسی غیر کے) تم نے دودھ پلایا ہے اس کو اور جس نے تم کو بچپن میں دودھ پلایا ہے اس کو بھی زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (امداد المسائل الزکوٰۃ ص ۴۷) (رضاعت یعنی بچپن کے زمانہ میں دودھ پلانے سے رضاعت کا حقیقی والدین کا رشتہ شمار نہ ہوگا، اس لیے زکوٰۃ کا دینا اور لینا جائز ہے محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

زکوٰۃ کی رقم سے شفاخانہ قائم کرنا؟

سوال:۔ ہم لوگ ایک دواخانہ کھولنا چاہتے ہیں جس کا خرچ زکوٰۃ اور چرم قربانی کے پیسے سے

چلانا ہے اور اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے گا، اس میں مریضوں سے کچھ پیسے بھی وصول کیے جائیں گے، اور پیسے اُسی دواخانہ میں خرچ کریں گے، کیا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟
جواب:۔ دواخانہ میں زکوٰۃ اور چرم قربانی کا مصرف صرف یہ ہے کہ اس رقم سے دوائیں خرید کر مساکین کو مفت دی جائیں، اس مد سے دواخانہ کے ڈاکٹروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہ، کرایہ مکان تعمیر اور فرنیچر وغیرہ مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، مساکین سے دوا کے پیسے لینا غیر مسکین کو دوا دینا جائز نہیں، بعض دواخانوں میں مد زکوٰۃ سے مریضوں کو خون دیا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۸۱ بحوالہ ردالمحتار ص ۲۶۸ ۲ وفتاویٰ دارالعلوم ص ۲۱۷ ج ۶ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۴ ج ۱۴)

مسئلہ:۔ اگر ہسپتالوں میں حاجت مند غریبوں کو مالکانہ حیثیت سے دوا دی جائے تو اس کی قیمت زکوٰۃ کی رقم میں محسوب ہوسکتی ہے۔ (معارف القرآن ص ۴۰۹ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر کوئی نادار مستحق زکوٰۃ بیمار ہوجائے تو دوا (کھانے کے لیے پھل وغیرہ) خرید کر مستحق کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور ڈاکٹروں کی فیس مستحق کے ہاتھ میں دے دی جائے تا کہ اس کا قبضہ ہو جائے پھر اس سے لے کر ڈاکٹروں کو بنام فیس دے دے، یا مریض کے گھر والوں کو زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ص ۲۸۱ ج ۴)

ادائے زکوٰۃ کی ایک صورت

سوال:۔ اگر زکوٰۃ کے پیسے گھر میں رکھے ہوں اور گھر کے باہر کوئی ضرورت مند مل جائے تو کیا جیب کے پیسوں میں سے کچھ دیدیں اور گھر آ کر زکوٰۃ کے پیسوں سے لے لیں تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟
جواب:۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ۳۷۸ ج ۳)

سیلاب زدگان کو زکوٰۃ دینا؟

سوال:۔ سیلاب زدگان کو زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر بھیجنا یا نقدی یا اور کچھ سامان بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر ظن غالب ہو کہ یہ لوگ مستحق زکوٰۃ ہیں یعنی اُن کے پاس بقدر نصاب مانع زکوٰۃ نصاب نہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان اشیاء یا رقوم کا ان کو مالک بنا دیا جائے، اگر ان کی ملک میں نہیں دیا گیا بلکہ ویسے اُن پر خرچ کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسی طرح اگر کھانا بٹھا کر کھلایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مسکین کی ملک میں دینا ضروری ہے۔ (یعنی اس کھانے وغیرہ کا مالک بنا دیا جائے)۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۹۴ ج ۴)۔ (حوادث اور فساد زدہ علاقوں میں بعض لوگ مالک نصاب بھی ہوتے ہیں مثلاً کسی کی دوکان یا فیکٹری وغیرہ تباہ وبرباد کر دی گئی یا زلزلہ وسیلاب وغیرہ میں تباہ ہوگئی، لیکن ان کا بینک بیلنس ہے یعنی روپیہ بینکوں میں جمع ہے یا دوسری جگہ زمین جائداد وغیرہ اس کی ملکیت میں ہے جو بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو ایسے لوگ شرعاً زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں، اور زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ نیز ایسے مواقع میں بسا اوقات اصل مستحق تک زکوٰۃ کی رقم نہیں پہنچتی اور غیر مستحق کو مل جاتی ہے۔ اس لیے ایسے مواقع میں احتیاط ہی ضروری ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

مد زکوٰۃ سے قیدیوں کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ نفلی صدقات سے قیدیوں کو کھانا کھلانا جائز ہے، زکوٰۃ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قیدی صاحب نصاب نہ ہوں اور ان کو کھانے کا مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر اباحۃً کھلایا مالک نہیں بنایا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اس لیے کہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر شرط ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۹۷ ج ۴ و آپ کے مسائل ۴۰۲ ج ۳)

فوجی کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ جنگ میں جو مسلمان سپاہی (یا فوجی) مجروح ہوتی ہیں، ان کی ضروریات کا سامان مال زکوٰۃ سے خرید کر بھیجنا یا نقد روپیہ ان کی ضروریات کا بھیجنا پس اگر مجروحین (زخمیوں) کے پاس پہنچنا زکوٰۃ کا جو مالک نصاب نہ ہوں، یقینی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر ضروری ہے یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۳۳۳ ج ۶ و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۹ ج ۴)

پارسل کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا؟

مسئلہ :۔ پارسل کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی، اس لیے زکوٰۃ میں تملیک مستحق بلاعوض شرط ہے وہ یہاں (ڈاکخانہ میں) پایانہیں جاتا ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۰ ج ۵)

ان حضرات کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ اداء ہو جاتی ہے

(۱) اپنے حقیقی، علاتی، اخیافی، رضاعی بھائی بہنوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۲) اپنے چچا پھوپھی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۳) اپنے ماموں، خالہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۴) اپنے سوتیلے ماں باپ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۵) اپنے سسر اور ساس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی دینا جائز ہے۔

(۶) مالدار کے والدین جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۷) مالدار کی بیوی جو مستحق زکوٰۃ ہو اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۸) مالدار کی بالغ اولاد جو مستحق زکوٰۃ ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۹) مالدار بیوی کا شوہر جو مستحق زکوٰۃ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۱۰) اپنے داماد اور بہو کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

(۱۱) شاگرد کا استاذ کو اور استاذ کا شاگرد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے (محض استاذ اور شاگرد کا تعلق مانع زکوٰۃ نہیں ہے)

(۱۲) شوہر کا اپنی بیوی کی ایسی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس کے پہلے شوہر سے ہو۔

(۱۳) بیوی کا اپنے شوہر کی ایسی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس کی پہلے بیوی سے ہو۔

(۱۴) مسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جبکہ سفر میں اس کے پاس مال نہ ہو، اگر چہ اس کے پاس گھر پر نصاب کے بقدر مال موجود ہے۔

(۱۵) نابالغ محتاج کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ اسکا باپ صاحب نصاب نہ ہو اگرچہ ماں صاحب نصاب ہو۔

(۱۶) عورت اپنے شوہر کی اولاد کو جو کہ اس کی دوسری بیوی سے ہو زکوٰۃ دی سکتی ہے۔

(۱۷) کسی شخص کی سو روپے کی آمدنی ہے اور اپنا گھر بھی ہے لیکن خرچ تین سو روپے کا ہے وہ مصرف زکوٰۃ ہے۔

(۱۸) جس شخص کی آمدنی کافی ہے لیکن وہ مقروض ہے اور قرض ادا نہیں کر سکتے تو وہ بھی مصرف زکوٰۃ ہے۔

(۱۹) زکوٰۃ ہر اس شخص کو دی جا سکتی ہے جس کے پاس مقدار نصاب سے کم مال ہو اگرچہ وہ شخص تندرست اور کمائی کرنے کے قابل ہو۔

مندرجہ بالا حضرات اگر مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کر سکتے ہیں اور ان کو یہ بھی بتلانا ضروری نہیں کہ "یہ زکوٰۃ ہے" بلکہ خود نیت کر لینا کافی ہے۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

نوٹ:۔ حقیقی بھائی بہنیں ان کو کہتے ہیں جن کے ماں باپ ایک ہوں، علاتی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں کہ دونوں کا باپ ایک ہو اور ماں الگ الگ ہو، اخیافی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں کی دونوں کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ۔ رضاعی بھائی بہن ان کو کہتے ہیں جنہوں نے ایک عورت سے دودھ پیا ہو۔

مندرجہ بالا نمبر ایک سے نمبر ۹ تک مسائل درج ذیل کتابوں سے مستفاد ہیں۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۲ ج ۳ فتاویٰ دار العلوم ص ۲۲۷ ج ۶ وص ۲۳۸ وص ۱۹۶ ج ۶ وص ۲۴۵ ج ۶ وص ۲۴۶ وص ۲۹۲ ج ۶ وص ۲۹۰ ج ۶ وص ۲۷۹ ج ۶ وص ۲۸۹۔ وفتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۶ ج ۱۳ وص ۹۵ ج ۱۳ واحسن الفتاویٰ ص ۱۶۹ ج ۴ وفتاویٰ عالمگیری ص ۴۰ ج ۴ وص ۳۹ ج ۴ وکتاب الفقہ ص ۱۴ ۱۰ ج او الطحاوی ص ۴۱۹ ج او ہدایہ ص ۲۰۵ ج او امداد المسائل زکوٰۃ ص ۲۷۳ و آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۳۹۴ ج ۳)

ان حضرات کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

(۱) اپنے ماں باپ، دادی، دادا، پڑدادا، پڑدادی کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

(۲) اپنی ماں، نانا، نانی، پڑنانا، پڑنانی، کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

(۳) اپنے حقیقی لڑکی، نواسے، نواسی، پڑنواسے، پڑنواسی کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۴) اپنے حقیقی لڑکے، پوتے، پوتیاں، پڑپوتے، پڑپوتیایوں کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۵) شوہر کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دینا اسی طرح بیوی کا شوہر کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۶) ایسی مطلقہ عورت جو عدت گزار رہی ہو، اس کے شوہر کا اس کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۷) مالدار صاحبِ نصاب کی محتاج نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۸) جو عورت (بیوہ) مالکِ نصاب ہے اس کو اور اسکے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۹) مدرسِ مدرسہ کو اور امام مسجد کو زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دینا ناجائز ہے۔
(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ اگر وہ غریب ہیں تو ان کی مدد زکوٰۃ کے علاوہ روپیہ سے کرنا چاہئے۔
(۱۱) مالدار مالکِ نصاب کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔
(۱۲) زکوٰۃ کا روپیہ مسجد کی، مدرسہ کی، خانقاہ کی مسافر خانہ کی، یتیم خانہ کی، اسکول کی شاہ راہِ عام کی تعمیر میں، کنویں اور نہروں کی کھدوائی میں لگانا ناجائز ہے۔
(۱۳) زکوٰۃ کا روپیہ میت کے کفن میں صرف کرنا، اسی طرح زکوٰۃ کے روپے سے قبرستان کے لیے زمین خریدنا ناجائز ہے۔
(۱۴) وہ تمام صورتیں جن میں مالک بنانا نہیں پایا جاتا وہ زکوٰۃ کے مصارف نہیں ہیں۔
مندرجہ بالا مسائل ایک سے ۱۴ تک درجِ ذیل کتابوں سے مستفاد ہیں۔

(معارف القرآن ص ۴۱۲ ج ۴ و فتاویٰ دار العلوم ص ۲۹۲ ج ۶ و ص ۲۸۲ ج ۶ و ص ۲۱۲ ج ۶ و ص ۲۱۳ ج ۶ و ص ۲۲۸ ج ۶ و ص ۳۹ ج ۶ و احسن الفتاویٰ ص ۲۶۹ ج ۴ و ص ۲۶۹ ج ۴ و کتاب الفقہ ص ۱۰۱۴ ج ۱ و فتاویٰ محمودیہ ص ۸۷ ج ۱۳ و آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۵۰۴ ج ۳ و ص ۳۹۰ ج ۳ و فتاویٰ عالمگیر ص ۳۹ ج ۴ و در مختار ص ۱۴۱ ج ۱ و فقہ الزکوٰۃ ص ۲۰۳ ج ۲ و امداد مسائل الزکوٰۃ ص ۶۷ و ص ۷۲)۔

قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ ایک شخص جو زکوٰۃ کا مستحق ہے اس کو زکوٰۃ دینے والا کسی مصلحت سے قرض کی رقم کہہ کر زکوٰۃ دے اور نیت بھی زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ صورتِ مسئولہ میں جب نیت زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کسی نے مسکین کو درہم دیئے بطورِ قرض اور ہبہ کے، اور نیت کرلی زکوٰۃ کی تو زکوٰۃ اداء ہوجائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۲ ج ۳ بحوالہ عالمگیری ص ۱۷۱ ج ۱)

مسئلہ:۔ زید نے بکر کو سو روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیئے اور زکوٰۃ کا نام معیوب سمجھنے کی وجہ سے نہیں لیا اور یہ کہا کہ تم اپنا کام کرلو، جب ہوں دے دینا، دوسال کے بعد بکر نے زید کے روپے واپس کیے تو زید کو واپس لینا جائز نہیں کیونکہ زکوٰۃ اداء ہوگئی تھی، بکر کو واپس دینا لازم ہے۔ اگر زکوٰۃ کا اظہار مناسب نہ ہو تو بکر پر یوں ظاہر کرے کہ میں نے قرض معاف کردیا ہے، یا ہدیہ کے نام سے دیدے، (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۴ ج ۴ وفقہ الزکوٰۃ ص ۳۶۹ ج ۲)

مسئلہ:۔ اگر کسی مسکین (مستحق زکوٰۃ) کو کچھ رقم بطور قرض یا بطور ہبہ کے دی، اور نیت اس میں زکوٰۃ کی کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۴ ج ۴)

زکوٰۃ کی رقم کسی دوسرے عنوان سے دینا کیسا ہے؟

سوال:۔ مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہنا کہ یہ زکوٰۃ ہے، کیا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے روپے دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ ہے صرف نیت زکوٰۃ کافی ہے بلکہ مستحق کو یہ کہے کہ یہ عطیہ ہے یا قرض دیتا ہوں مگر دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳ ج ۲ و علم الفقہ ۴۵ ج ۴)

مسئلہ:۔ بھائی غریب ہو، مالک نصاب نہ ہو یعنی ساڑھے باوَن تولہ یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر مال کا مالک نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ (شامی ص ۸۶ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم بہ نیت زکوٰۃ ہبہ تحفہ عیدی اور انعام کے نام بھائی بھاوج اور بچوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۷۱ ج ۱ الطحاوی ص ۴۱۵ ج ۱ و فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۳ ج ۵)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا مستحق وہ شخص ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال نہ ہو جس کی قیمت ساڑھے باوَن تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائے ایسا شخص زکوٰۃ لینے پر مجبور ہو تو لے سکتا ہے۔ (لینے والے پر) "زکوٰۃ کی رقم" ہے اگر یہ ظاہر کرنا مناسب نہ ہو، خویش و اقارب کو خفت ہوگی اور بُرا مانیں گے، ایسے موقع پر ہدیہ و تحفہ کے نام بھی دیا جاسکتا

ہے، البتہ جس شخص کو متعلق تحقیق نہ ہو کہ وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے تو اس سے تنہائی میں تحقیق کر لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۱۶۲ ج ۵)

مسئلہ:۔ مستحق کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے، اسے کسی بھی عنوان سے زکوٰۃ دیدی جائے اور نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ نیز ہدیہ، تحفہ، انعام وغیرہ کے عنوان سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی جائے تو ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ مستحق ہو۔ (کتاب الفقہ ص۱۰۱۵ ج۱)

مسئلہ:۔ اپنے رشتہ داروں اور ان کے بچوں کو یا کسی خوش خبری سنانے والے مستحق زکوٰۃ کو بصورت انعام و بخشش) کچھ دیا اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کر لی تو درست ہے، اسی طرح عید، تہوار و خوشی کے موقع پر اپنے خادموں کو زکوٰۃ کی نیت سے کچھ دیدینے کا بھی یہ ہی حکم ہے، یعنی اگر وہ مستحق ہے تو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لینے پر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری ص۱۷۱ ج ۴)

مسئلہ:۔ اگر کسی کو انعام کے نام سے کچھ دیا مگر دل میں یہی نیت تھی کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں تو تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (بہشتی زیور ص۲۸ ج۳ بحوالہ شرح التنویر ص۱۴۲ ج۱ اور درمختار ص۱۰۸ ج۲)

مسئلہ:۔ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس پر زکوٰۃ کا ظاہر کر دینا ضروری نہیں ہے، البتہ وہ محل اور مصرفِ زکوٰۃ ہونا چاہئے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۹۰ جلد۶ بحوالہ رد المحتار ص۱۲ ج ۲)

مسئلہ:۔ اپنے عزیز غریب (مستحق) کو دینے میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو جتلا (بتلا) کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ھدیہ کے عنوان سے بھی (زکوٰۃ یا صدقہ) دیا جا سکتا ہے، تا کہ لینے میں شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

(معارف القرآن ص۴۱۲ ج ۴ و آپ کے مسائل ص۳۹۸ ج ۲)

مسئلہ:۔ نیز مستحق رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملتے ہیں، ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۰ ج۱ و فتاویٰ دار العلوم ص۲۳۶ ج ۶ و درمختار ص۳۵۳ ج ۲)

☆☆

غریب کا امیر ہونے کے بعد زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز استعمال کرنا؟

سوال:۔ میرے پاس زکوٰۃ اور سود کے پیسے ہیں، میرا داماد غریب ہے اور مقروض ہے کیا یہ پیسے اسکو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ قرض کی ادائیگی کے بعد وہ بچے ہوئے پیسوں سے گھر کی مرمت کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس کے بعد مالدار ہو جائے تو اس کے لیے زکوٰۃ کے پیسوں سے مرمت کیے ہوئے مکان میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ داماد غریب ہو تو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں اور ان پیسوں سے گھر کی مرمت بھی کرا سکتا ہے اور وہ مستقبل (آئندہ) قریب یا بعید میں مالدار ہو جائے تو اس کے بعد وہ اس گھر کو استعمال کر سکتا ہے، اس لیے کہ فی الحال تو وہ غریب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۶۱ ج ۵)

کیا فقیر کو زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز غنی کے لیے جائز ہے؟

سوال:۔ اگر کسی فقیر کو کوئی کتاب مد زکوٰۃ سے ملی، تو غنی (مالدار) کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاویٰ رشیدیہ کے مسئلہ ذیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے طلباء کا کھانا جو کسی جگہ مقرر ہوتا ہے اور وہ وہاں سے لاتے ہیں، صاحب نصاب کو وہ کھانا بحسب رغبت طلبہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ طلبہ کا کھانا جو مقرر رہوتا ہے، اگر وہ واجب مثل کفارہ اور عشر اور نذر اور زکوٰۃ نہیں ہے تو طلبہ کے ساتھ ان کی اجازت سے غنی (مالدار) بھی کھا سکتے ہیں، اور اگر ان میں سے ایک میں کھانا مقرر رہوا ہے تو جب وہ طالب علم کسی کو مالک بنادے اُس وقت غنی اس کھانے کو کھا سکتا ہے، صرف ساتھ کھلانے سے کھانے اس کا درست نہیں۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۸۵ ج)

اس کے خلاف دیوبند، سہارن پور، مدرسہ امینیہ دہلی وغیرہ نے صورت مسئولہ کے خلاف جواز کا فتویٰ دیا ہے، اپنی تحقیق سے نوازیں؟

جواب:۔ فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ صحیح ہے، فقیر نے مال زکوٰۃ غنی کو اباحۃً یا عاریۃً دیا تو اس کے لیے حلال نہیں۔ البتہ تملیک کے بعد حلال ہو جائے گا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ حلت بوجہ تبدیل مالک بسبب ہدیہ ہوئی بصورت اباحت نہیں، عبارت مذکورہ کے علاوہ ہدایہ، عنایہ فتح القدیر وغیرہ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، مجوزین حضرات نے فتویٰ لکھتے وقت ان کتب کی طرف رجوع نہیں فرمایا۔ (احسن الفتاویٰ ص ۲۶۰ ج ۴)

جس کو زکوٰۃ دی گئی، اس کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ اگر قریب کا رشتہ دار مصرف زکوٰۃ ہے اور (صاحب نصاب) اس کو زکوٰۃ دیتا ہے پھر وہ کوئی شے (چیز) ہدیہ اس زکوٰۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ص ۲۴۹ ج ۷)

زکوٰۃ کی رقم اگر چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کے لیے ایک بٹوے میں علیٰحدہ رکھی مگر ادائیگی سے قبل ضائع ہوگئی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی یا دوسری زکوٰۃ دینی پڑ گی؟

جواب:۔ صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ ساقط دوبارہ دینی ہوگی۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۱ ج ۲ و فقہ الزکوٰۃ ص ۳۷۴ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی نیت کیا ہوا روپیہ کھو یا جائے یا چوری ہوجائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، پھر ادا کرنی ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۰۰ ج ۲ بحوالہ ردالمختار ۱۵ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کا روپیہ نکال کر کسی قدر اس میں سے تقسیم کردیا اور کچھ روپیہ رکھ دیا کہ وقتاً فوقتاً دیتا رہوں گا وہ چوری ہوگیا یا رکھ کر بھول گیا تو جس قدر باقی ہے اس قدر زکوٰۃ پھر ادا کرنی ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۹۶ ج ۶ و فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۸ ج ۱۱)

یعنی جس قدر روپیہ چوری ہوگیا ہو، اس قدر روپیہ دینا چاہیئے، محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر وڈرافٹ سے بھیجنا کیسا ہے؟

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر اور ڈرافٹ بھیجی جاسکتی ہے، کیونکہ مجبوری ہے، اس لیے اس طرح کی تبدیلی سے زکوٰۃ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑتا گا، منی آرڈر وغیرہ کی فیس میں

زکوٰۃ فطرہ کی رقم استعمال نہیں کی جا سکتی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۴ ج ۵)

مسئلہ:۔ مگر فیس منی آرڈر اپنے پاس سے الگ دینی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۳۳۵ ج ۶)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں کچھ حرج نہیں ہے مہتمم صاحب کو لکھ دیں کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۰۱ ج ۶ و فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۹ ج ۷)

(لیکن کسی اور ضرورت مند مستحق زکوٰۃ کو بھیجنا ہو تو نہ لکھیں کیونکہ لفظ ''زکوٰۃ'' سے مستحق کو شرمندگی ہوگی اور صرف نیت کر لینا کافی ہے، لیکن مدارس اور مکاتب اور دیگر اداروں کو اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں لگائیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہ)

رجسٹری یا منی آرڈر سے زکوٰۃ کی رقم نہ پہنچے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ رجسٹری کے ذریعہ سے اگر زکوٰۃ نہ پہنچے تو اس صورت میں بھیجنے والے کے ذمہ سے زکوٰۃ فطرہ ادا نہیں ہوا، کیونکہ ڈاک خانہ مرسل کا وکیل ہے، مرسل الیہ کا نہیں ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۷۹ ج ۴)

مسئلہ:۔ رجسٹری وغیرہ کے نہ ملنے کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم پھر دینی چاہیے، ضروری ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۹ ج ۶ بحوالہ رد المختار ص ۱۵ ج ۲)

زکوٰۃ میں دی ہوئی اپنی چیز خریدنا؟

مسئلہ:۔ کتابوں کی زکوٰۃ میں اگر کتابیں ہی مساکین کو دی جائیں اور ان مساکین سے تاجرانہ بھاؤ (ریٹ) سے بتراضی طرفین وہ کتب مزکی (جس نے زکوٰۃ میں دی تھیں) خرید لے تو صحت بیع (فروختگی) میں تو کوئی شبہ نہیں، باقی اگر قرائن سے یہ معلوم ہو کہ اس نے ہمارے لحاظ سے اتنی قیمت کو قبول کر لیا ہے تو اس صورت میں کراہت ہوگی۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۷ ج ۲)

مسئلہ:۔ جو چیز کسی کو زکوٰۃ میں دی اور وہ اس کو فروخت کرتا ہو تو بہتر ہے کہ تم اس کو اس سے مت خریدو شاید وہ تمہاری رعایت کرے۔

(تعلیم الدین ص ۴۵ و فتاویٰ محمودیہ ص ۲۵۱ ج ۷، بحوالہ داؤد شریف ص ۲۲۵ ج ۱)

غیر مستحق کو زکوٰۃ دیدی گئی تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص نے کسی کو اپنے گمان کے مطابق اور مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دیدی، بعد میں معلوم ہوا کی وہ اسی کا غلام (شرعی) یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہیے، کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی ملکیت سے نکلا ہی نہیں ،اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو دی گئی ہے وہ مالدار سید یا ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ (دوبارہ لوٹانے) کی ضرورت نہیں، کیونکہ زکوٰۃ کی رقم اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے، اور تعیین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی ہو وہ معاف ہے۔ (درمختار ص ۹۲ ج ۲ معارف القرآن ص ۴۱۳ ج ۴ و فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۲۷ ج ۶ و فقہ الزکوٰۃ ص ۲۶۱ ج ۲)

مسئلہ:۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اگر غالب گمان تھا کہ یہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (آپ کے مسائل ص ۳۹۸ ج ۳)

مسئلہ:۔ اگر کسی کو شبہ ہو جائے کہ جس شخص کو زکوٰۃ دے گا، معلوم نہیں وہ مالدار ہے یا محتاج ہے تو جب تک تحقیق نہ ہو جائے اس کو زکوٰۃ نہ دے، اگر بے تحقیق کے دیدیا تو دیکھو گمان زیادہ کہاں جاتا ہے؟، اگر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ فقیر (مستحق) ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر دل یہ کہے کہ وہ مالدار ہے تو ادا نہیں ہوئی پھر سے دے لیکن اگر دینے کے بعد معلوم ہو جائے کہ وہ غریب ہی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی پھر سے دینے کی ضرورت نہیں۔

(شامی، امداد مسائل زکوٰۃ ص ۴۷)

(کتاب کا آغاز کرتے وقت دل خوشی سے لبریز تھا لیکن اس وقت غمگین اور آنکھیں اشک ریز ہیں کیونکہ مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد پر غیر مسلم دشمنوں نے وحشیانہ حملہ کر کے مسجد کو مسمار کر دیا، صرف یہ نہیں بلکہ سیکولرازم و آئین و عدالت و قانون کے پرخچے اڑا دیئے، مسجد کی شہادت پر مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا مجروح ہونا قدرتی بات تھی، چنانچہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پرُامن مظاہرے جمہوری آئین کے تحت کرنے پر شر پسند عناصر

اور اسلام دشمن طاقتوں نے ملک گیر فسادات برپا کر دیئے اور دیوبند میں بھی پانچ مقامی مسلمانوں کو شہید کر دیا، اور دار العلوم دیوبند کے ایک طالب علم محمد یونس آسامی کو بھی شہید کر دیا گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ اور آٹھ روز تک کرفیو میں کوئی ڈھیل بھی نہیں دی گئی حتیٰ کہ مسجدوں میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور نماز جمعہ کے بجائے ظہر گھر میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد نہایت ہی رنج وافسوس کے عالم میں کتاب پوری کر رہا ہوں.

﴿ اِنّما اَشکُوا بثّی وَ حُزنِی اِلَی اللّٰہ ﴾

محمد رفعت قاسمی غفرلہ،

مدرس درالعلوم دیوبند۔

۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ

مطابق ۱۰/ دسمبر ۱۱۹۲ء

بروز جمعہ

مآخذ ومراجع

نام کتاب	مصنف ومؤلف	مطبع
معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب ؒمفتی اعظم پاکستان	ربانی بک ڈپو دیوبند
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم	الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں لکھنو
فتاویٰ دار العلوم	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دیوبند	مکتبہ دار العلوم دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا سید عبد الرحیم صاحب مدظلہم	مکتبہ منشی اسٹیٹ راندیر سورت
فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود صاحب ؒمفتی اعظم دار العلوم دیوبند	مکتبہ محمودیہ جامع مسجد شہر میرٹھ
فتاویٰ عالمگیری	علماءِ وقت عہدِ اورنگزیب ؒ	شمس پبلشرز دیوبند
کفایت المفتی	مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
علم الفقہ	مولانا عبد الشکور صاحب ؒلکھنوی	
عزیز الفتاویٰ	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ؒ	
امداد المفتیین	مفتی محمد شفیع صاحب ؒمفتی اعظم پاکستان	
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی صاحب ؒتھانوی	ادارہ تالیفاتِ اولیاء دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ	کتب خانہ رحیمیہ دیوبند
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	علامہ عبد الرحمٰن الجزری ؒ	اوقاف پنجاب لاہور پاکستان
جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع صاحب ؒمفتی اعظم پاکستان	عارف کمپنی دیوبند
در مختار	علامہ ابن عابدین ؒ	پاکستانی
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی ؒ	مکتبہ تھانوی دیوبند
معارف مدنیہ	افادات مولانا حسین احمد صاحب مدنی ؒ	مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ
الترغیب والترہیب	مولانا زکی الدین عبد العظیم المنذری	ندوۃ المصنفین دہلی
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر مفتی رشید احمد صاحب	سعید کمپنی کراچی پاکستان
فقہ الزکوٰۃ	علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی	البدر پبلیکیشنز لاہور پاکستان

نام کتاب	مصنف و مؤلف	مطبع
جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ	تحقیقاتِ اسلامی حیدرآباد
مظاہر حق جدید	نواب قطب الدین خانؒ	ادارۂ اسلامیات دیوبند
آپ کے مسائل اور انکا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
حقیقۃ الزکوٰۃ	مولانا ابوالکلام	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
امداد مسائل الزکوٰۃ	جناب اقبال قریشی صاحب	ادارۂ اسلامیات پاکستان
ایضاح المسائل	مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد
جدید مسائل کے شرعی احکام	مولانا محمد رفیع عثمان	مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند
فنڈ پر زکوٰۃ وسود کا مسئلہ		
ارکانِ اربعہ	مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ	مجلس تحقیقاتِ اسلامیہ لکھنو
مسئلۂ زکوٰۃ	قاری عبد السمیعؒ	سرگودھا پاکستان
نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام	مفتی سعید مظاہر علوم سہارنپوری	کتب خانہ سعیدیہ سہارنپور
زکوٰۃ الحلی (زیوروں کی زکوٰۃ)	علامہ سید سلیمان ندویؒ	انوار المطابع لکھنو
اسرار شریعت	مولانا محمد فضل خانؒ	پنجاب پاکستان
اصلاحِ انقلاب اُمت	حکیم الامت مولانا تھانویؒ	تاج کمپنی دہلی
بہشتی زیور	-----	مکتبہ تھانوی دیوبند
نشر الطیب		خورشید بک ڈپو دیوبند
کیمیائے سعادت	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	ادبی دنیا دہلی
غنیۃ الطالبین	شیخ عبد القادر جیلانیؒ	مسلم اکیڈمی سہارنپور
ہدایہ	امام ابوالحسنؒ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
صحاح ستہ		کتب خانہ رشیدیہ دہلی